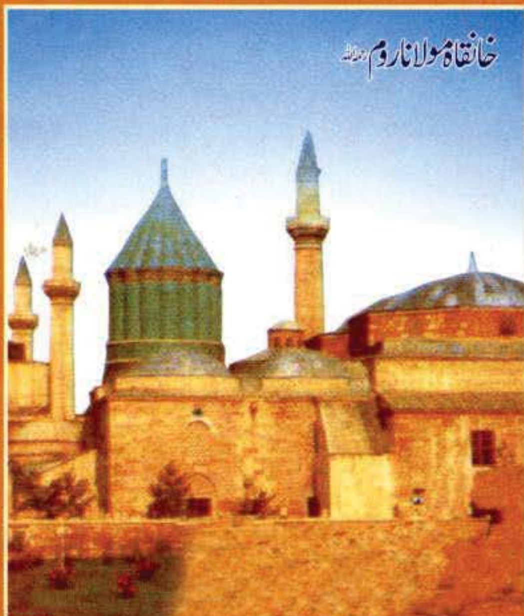
عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی مولوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلید مثنوی

جلد 11-12 دفتر 3



مع افادات و ارشادات

حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار

اور معرکہ آرا کتاب مثنوی معنوی کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلید مثنوی

جلد ۱۱-۱۲ دفتر ۳

مع افادات وارشادات

حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

از

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ

نام کتاب

کلید مثنوی

تاریخ اشاعت..................محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

ناشر..........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت......................سلامت اقبال پریس ملتان

ضروری وضاحت

ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان --- ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور --- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ --- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور --- دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K

(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

حامداً و مصلیاً و مسلماً

الربع الثالث من کلید مثنوی شرح دفتر ثالث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح شبّیری

مولانا نے نصف ثانی کے آخیر میں ایک حکایت بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص سالہا سال تک دعاء کیا کرتا تھا کہ اے اللہ بلا محنت و مشقت کے مجھے امیر بنادے لوگ اس کی اس بات پر ہنسا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک روز دعا کر رہا تھا کہ اس کے گھر میں ایک گائے گھس آئی اس نے اس کو پکڑ کر ذبح کر لیا مالک گائے نے دعویٰ کیا۔ حضرت داؤدؑ کے یہاں دعویٰ پیش ہوا آپ نے اس مدعا علیہ سے فرمایا کہ تم گائے کی قیمت دو اس نے کہا کہ میں نے تو دعا کی تھی وہ مستجاب ہوئی اور خدا نے مجھے گائے دی میں قیمت کیسی دوں۔ حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ دعا کوئی طریقہ ملک نہیں ہے تم کو قیمت دینا ہوگی اس نے اس قدر آہ وزاری کی کہ داؤدؑ کا دل بھر آیا اور ان کو یہ خیال ہوا کہ اس کا لب ولہجہ جھوٹوں کا نہیں ہے۔ تب انہوں نے مقدمہ ملتوی کر دیا اور خلوت میں جا کر حق تعالیٰ سے اظہار معاملہ کی دعا کی۔ حق تعالیٰ نے سارا معاملہ منکشف فرما دیا کہ مدعی اس مدعا علیہ کے باپ کا غلام ہے اس مدعی نے مدعا علیہ کے باپ کو قتل کر دیا ہے اور مدعا علیہ اس وقت بچہ تھا تو سارا مال بھی یہ مدعی خود دبا بیٹھا ہے اور گائے اسی مال میں سے تھی۔ لہٰذا وہ بھی اس مدعا علیہ ہی کی تھی اور یہ غلام بھی اسی کا ہے اور سارا مال بھی اسی کا ہے۔ دوسرے روز حضرت داؤدؑ نے سارا مال اس شخص کو دلایا اور اس قاتل غلام کو قتل کرایا۔ اس قصہ کے بعد مولانا اس قصہ کو مقصود پر منطبق فرماتے ہیں۔ اول اس کا بھی حاصل سمجھ لو تو پھر آسان ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں کہ نفس انسانی تو اس خونی کی طرح ہے (اس لئے کہ جس طرح اس نے اپنے آقا کو مار کر حرام مال حاصل کیا تھا اسی طرح نفس نے عقل کو مغلوب کر کے شہوات ولذات کو حاصل کیا ہے) جس نے کہ گائے کا دعویٰ کیا تھا اور گائے شہوات ولذات ہیں اور عقل اس مدعا علیہ ذابح گائے کی طرح ہے۔ (اس لئے کہ جس طرح یہ مدعا علیہ حق تعالیٰ سے بے محنت و مشقت کے روزی طلب کیا کرتا تھا اسی طرح عقل بھی حق تعالیٰ سے روزی علوم ومعارف کو بے کسب ومشقت کے طلب کرتی ہے) تو جس طرح اس نے گائے کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ اس نے میری گائے کو ذبح کر لیا ہے اسی طرح نفس عقل پر دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے میری لذات وشہوات کو فنا کر دیا ہے اور شیخ کامل داؤدؑ کی طرح کہ جس طرح انہوں نے حق دار کو حق دلا دیا تھا اسی طرح شیخ کامل نفس کو مغلوب کر کے عقل کو

غلبہ دلا دیتا ہے۔ اب سمجھو کہ فرماتے ہیں کہ

بیان میں اسکے کہ نفس انسان کا بجائے اس خونی کے ہے جو کہ مدعی گائے کا ہوا تھا اور وہ ذابح گائے عقل ہے اور داؤد حق تعالیٰ ہیں یا شیخ کامل کہ نائب حق ہے کہ اسکی قوت اور مدد سے دشمن کو مار کر بے کسب اور بے حساب روزی کا مالک ہوسکتا ہے

نفس خود را کش جہانرا زندہ کن	خواجہ را کشت است او را بندہ کن
اپنے نفس کو مار جہان کو زندہ کر	اس نے آقا کو قتل کیا ہے اس کو غلام بنا

یعنی اپنے نفس کو مار اور ایک جہان کو زندہ کر اس نے آقا کو قتل کر دیا ہے اس کو غلام بنا لے جہاں سے مراد خود یہ شخص یعنی نفس کو قتل کر کے اپنے کو زندہ کر لے اور جہان اس لئے کہدیا کہ بعض نے کہا ہے کہ چونکہ انسان جامع ہے لہذا یہ عالم اصغر ہے تو مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو مار تو تجھے حیات اصلی میسر ہو گی اس نالائق نے عقل کو مغلوب کر رکھا ہے تم اس کو مغلوب کر کے غلام بنالو۔

مدعی گاؤ نفس تست ہیں	خویشتن را خواجہ کر دست ومہیں
خبردار! گائے کا مدعی تیرا نفس ہے	اس نے اپنے آپ کو آقا اور سردار بنایا ہے

یعنی مدعی گائے تیرا نفس ہے کہ اس نے اپنے کو آقا اور بڑا بنا رکھا ہے۔

آن کشندہ گاؤ عقل تست رو	بر کشندہ گاؤ تن منکر مشو
وہ گائے ذبح کرنے والا تیری عقل ہے جا	جسم کی گائے کو ذبح کرنے والے کا منکر نہ بن

یعنی وہ ذابح گائے تمہاری عقل ہے جاؤ اس کشندہ گاؤ تن پر منکر مت ہو۔ گاؤ تن سے مراد لذات وشہوات' مطلب یہ کہ عقل نے جو نفس کے لذات وشہوات کو مار لیا ہے تو اس پر انکار مت کر اس لئے کہ ان کا تو فنا ہونا ہی بہتر ہے۔

عقل اسیر ست وہمی خواہد زحق	روزے بے رنج ونعمت بر طبق
عقل (نفس کی) قیدی ہے اور اللہ (تعالیٰ) سے چاہتی ہے	بغیر مشقت روزی اور طباق بھری نعمت

یعنی عقل مطیع (حق) ہے اور وہ حق تعالیٰ سے روزی بے مشقت اور نعمت پر طبق مانگتی ہے۔ روزی بے رنج سے مراد علوم ومعارف ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عقل حق تعالیٰ سے علوم ومعارف کو طلب کرتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ اے اللہ علوم ومعارف عنایت فرما (یہ علوم ومعارف قرب حق کے لئے علت نہیں ہیں ہاں معین ہیں) تو جس

طرح کہ وہ شخص روزی بے رنج وتعب کا طالب ہے اسی طرح عقل بھی حق تعالیٰ سے روزی بے رنج وتعب مانگتی ہے۔

روزی بے رنج او موقوف چیست	آنکہ بکشد گاؤ را کاصل بدیست
اس کی بے مشقت روزی کس چیز پر موقوف ہے؟	یہ کہ وہ گائے کو ذبح کر دے کیونکہ وہ برائی کی جڑ ہے

یعنی روزی بے رنج موقوف کس شے کی ہے اس کی کہ گائے کو مار دے کہ یہی اصل ہے بدی کی (گائے سے مراد لذات وشہوات) مطلب یہ کہ علوم ومعارف کا حصول موقوف ہے لذات وشہوات نفسانیہ کے فنا کرنے پر۔

نفس گوید چوں کشی تو گاؤ من	زانکہ گاؤ نفس باشد نقش تن
نفس کہتا ہے تو میری گائے کو کیوں ذبح کرتا ہے؟	کیونکہ جسم کی صورت نفس کی گائے ہے

یعنی نفس کہتا ہے کہ تو نے میری گائے کیوں ماری اس لئے کہ گاؤ نفس نقش تن ہے مطلب یہ کہ جب لذات نفسانی کو فنا کر دگے تو نفس اس کی غلام کی طرح تم پر گائے کا دعویٰ کرے گا۔

خواجہ زادہ عقل ماندہ بینوا	نفس خونی خواجہ گشت و پیشوا
عقل جو آقا سے پیدا ہوئی بے سروسامان ہو گئی	قاتل نفس آقا اور پیشوا بن گیا

یعنی عقل جو خواجہ زادہ ہے وہ تو بینوا رہی ہوئی ہے اور نفس خونی خواجہ اور پیشوا ہو گیا ہے۔

روزی بے رنج میدانی کہ چیست	قوت ارواح است ارزاق نبی ست
تو جانتا ہے بلامشقت روزی کیا ہے؟	روحوں کی روزی ہے اور نبی کے عطا (کردہ) رزق ہیں

یعنی روزی بے رنج تم جانتے ہو کہ کیا ہے قوت ارواح اور رزاق نبی کے ہیں۔

لیک موقوف ست بر قربان گاؤ	گنج قتل گاؤ داں اے گنج وکاؤ
لیکن وہ گائے کی قربانی پر موقوف ہے	گائے کے ذبح کرنے کو خزانہ سمجھ اے خزانہ کھودنے والے

یعنی لیکن (اس روزی کا حصول) گائے کی قربانی پر موقوف ہے قتل گائے کو تم خزانہ سمجھو اے کاوش کرنے والے مطلب یہ کہ لذات وشہوات نفسانیہ کو ترک کرو اور ان کو فنا کرو اسی سے تم کو علوم ومعارف کا خزانہ ملے گا۔ آگے فرماتے ہیں۔

دوش چیزے خوردہ ام ورنہ تمام	دادمے در دست فہم تو زمام
میں نے کل کچھ پی لیا ہے ورنہ پوری	باگ تیری سمجھ کے ہاتھ میں دے دیتا

یعنی میں نے کل ایک چیز کھالی ہے ورنہ پورے طور پر میں تمہارے دست فہم میں لگام دیدیتا۔

مطلب یہ کہ میں اس مضمون کو پوری طرح بیان کرتا مگر مجبور اس سے ہوں کہ میں نے ایک چیز کھالی ہے جس سے کہ نفس میں کسل وغیرہ پیدا ہو گیا ہے اور پوری طرح بیان پر قادر نہیں رہا ہوں۔ آگے اس قصہ سے انتقال فرماتے ہیں کہ۔

دوش چیزے خوردہ ام افسانہ است	ہر چہ می آید ز پنہاں خانہ است
کل میں نے کوئی چیز پی لی ہے (یہ) کہنے کی بات ہے	(ورنہ) جو چیز آتی ہے وہ عالم غیب سے ہے

یعنی میں نے کل ایک چیز کھالی ہے یہ تو ایک افسانہ ہے (بلکہ) جو کچھ آتا ہے پوشیدہ گھر سے ہے یعنی میرا بیان سے عجز بھی خدا کی طرف سے ہے باقی یہ چیز کا کھالینا تو ایک ظاہری بہانہ ہے اب کوئی کہتا ہے کہ پھر تم نے اسباب پر کیوں نظر کی اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

چشم بر اسباب ازچہ دوختم	کہ ز خوش چشماں کرشم آموختم
میں نے اسباب پر نظر کیوں جمائی؟	اس لئے اچھی آنکھوں والوں سے میں نے ادا سیکھ لی ہے

یعنی آنکھ کو اسباب پر میں نے کیوں سی لیا اس لئے کہ خوش چشموں سے میں نے کرشمہ سیکھا ہے (خوش چشم سے مراد انبیاء) مطلب یہ کہ میں نے اسباب پر نظر کرنے کو انبیاء علیہم السلام سے سیکھا ہے کہ باوجودیکہ ان کے معجزات بلا اسباب ظاہری کے پیدا ہوتے تھے مگر پھر بھی وہ اسباب ہی پر نظر رکھتے تھے اور اصل فاعل خدا ہی کو سمجھتے تھے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہست بر اسباب اسباب دگر	در سبب منگر دراں افگن نظر
اسباب (دنیوی) سے اوپر دوسرے اسباب ہیں	(دنیوی) اسباب کو نہ دیکھ ان پر نظر ڈال

یعنی ان اسباب پر اور دوسرے اسباب ہیں تو تم سبب میں مت دیکھو اس سبب السبب میں نظر ڈالو یعنی اس سبب کو جس نے ان اسباب کو بنایا ہے دیکھو۔

انبیاء در قطع اسباب آمدند	معجزات خویش بر کیواں زدند
انبیاء قطع اسباب میں ہیں	انہوں نے اپنے معجزے زحل پر قائم کئے ہیں

یعنی انبیاء علیہم السلام اسباب کے قطع کرنے کے لئے آئے اور اپنے معجزات کو انہوں نے کیوان پر لگایا یعنی بہت بڑے بڑے معجزے ان اسباب ظاہری کے بغیر انہوں نے ظاہر کئے۔

بے سبب مر بحر را بشگافتند	بے زراعت چاش گندم یافتند
انہوں نے بلا سبب (ظاہری) کے دریا کو پھاڑا ہے	انہوں نے بغیر کھیتی کے گیہوں کا ڈھیر پایا ہے

یعنی بے سبب کے انہوں نے دریا کو چیر دیا اور بے زراعت کے گندم کا خرمن پالیا۔

ریگہا ہم آرد شد از سعی شاں	پشم بز ابریشم آمد کشکشاں
ان کی کوشش سے ریتے آٹا بنے ہیں	بھیڑ کی اون لچھے دار ریشم بنی ہے

یعنی ریتے ان کی سعی کی وجہ سے آٹے ہو گئے اور بکری کی اون کھینچتی ہوئی ابریشم ہو گئی (یہ سب معجزات انبیاء کے ہیں تو دیکھو کہ بے اسباب ظاہری کے یہ سب ظاہر ہوا)

جملہ قرآن ہست در قطع سبب	عز درویش و ہلاک بو لہب
پورا قرآن (قطع اسباب) پر (ناطق) ہے	درویش کی عزت ' اور ابولہب کی ہلاکت

یعنی تمام قرآن شریف قطع سبب میں ہے۔ عزت درویش کی اور ہلاکی بولہب کی یعنی تمام قرآن شریف اس قطع سبب ہی کے اندر ہے کہ اس سے درویش یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو عزت ہوئی کہ آپ کے معجزات وکرامات ظاہر ہوئے اور ابولہب کی خرابی اور ہلاکت کا باعث ہوا ہے اس نے ان کا انکار کیا آگے قطع سبب ہی کی اور مثال ہے کی۔

مرغ با پیل دوسہ سنگ افگند	لشکر زفت حبش را بشکند
پرند ہاتھی پر دو تین کنکریاں گراتا ہے	حبش کے بھاری لشکر کو شکست دے دیتا ہے

یعنی ایک چڑیا ہاتھی پر دوتین کنکریاں مارے اور حبشہ کے لشکر عظیم کو شکست دیدے۔

پیل را سوراخ سوراخ افگند	سنگ مرغے کو ببالا پر زند
ہاتھی کے سوراخ سوراخ کر ڈالتی ہے	پرند کی کنکری جو اوپر کو اڑتا ہے

یعنی ہاتھی کو سوراخ سوراخ کر کے ڈال دے۔ کنکر ایسے جانور کا جو اوپر کو پر مارتا ہے۔ یعنی دیکھو ایک ذرا سے جانور نے کیسے عظیم الشان لشکر کو شکست دی اور ہاتھیوں کو کس طرح مارا یہ بھی اسباب ظاہر کے برخلاف تھا۔

دم گاؤ کشتہ بر مقتول زن	تاشود زندہ ہماندم در کفن
ذبح شدہ گائے کی دم ' مقتول پر مار	تا کہ وہ اسی وقت کفن میں زندہ ہو جائے

یعنی گائے مذبوح کی دم کو مقتول پر مارد تا کہ وہ اس وقت کفن میں زندہ ہو جائے۔

حلق ببریدہ جہد از جاے خویش	خون خود جوید زخون پالاے خویش
گلا کٹا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ پڑے گا	اپنے خون بہانے والے سے اپنے خون کا مطالبہ کریگا

یعنی مقتول اپنی جگہ سے کودے گا اور اپنے خون کو اپنے خونریز سے ڈھونڈھے گا (تو دیکھو اس طرح ایک مقتول کا زندہ ہونا کونسی عقل کے موافق اور اسباب ظاہری پر منطبق ہے)

ہمچنیں ز آغاز قرآن تا تمام	رفض اسباب است وعلت والسلام
اسی طرح قرآن کے شروع سے آخر تک	اسباب و علت کا ترک (مذکور) ہے والسلام

یعنی اسی طرح ابتداء قرآن سے ختم تک ترک اسباب وعلت ہے والسلام مطلب یہ کہ جس طرح کہ دو قصے ہم نے یہاں بیان کئے اسی طرح قرآن شریف اس ترک اسباب کے قصوں سے بھرا پڑا ہے تو بس اسباب کو ترک کرنا چاہئے اور مسبب حقیقی پر نظر کرنی چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

کشف ایں نز عقل کار افزا شود	بندگی کن تا ترا پیدا شود
اس کا کشف کار افزا عقل سے نہیں ہوتا ہے	بندگی کر تاکہ تجھ پر ظاہر ہو جائے

یعنی اس کا کشف عقل کار افزا سے نہ ہوگا بندگی کرو تاکہ تم کو ظاہر ہو جاوے یعنی اس کا کشف کہ اسباب محض فضول ہیں اس عقل معاش سے نہ ہوگا بلکہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کرو اس سے حق تعالیٰ منکشف فرما دیتے ہیں۔

بند معقولات آمد فلسفی	شہسوار عقل عقل آمد صفی
فلسفی معقولات کا پابند ہے	منتخب (انسان) عقل کل کا شہسوار ہے

یعنی فلسفی تو مقید معقولات کا ہے اور عقل کی شہسوار عقل صافی ہے۔

عقل عقلت مغز و عقل تست پوست	معدۂ حیوان ہمیشہ پوست جواست
تیری عقل کی عقل مغز ہے، اور تیری عقل چھلکا ہے	حیوان کا معدہ ہمیشہ چھلکے تلاش کرنے والا ہے

یعنی تیری عقل العقل تو مغز ہے اور تیری عقل پوست ہے اور معدۂ حیوانی ہمیشہ پوست ہی کا متلاشی ہے۔
(تو چونکہ تم ابھی حیوانیت ہی میں پھنسے ہوئے ہو لہذا تم بھی پوست کے متلاشی اور اس عقل کے بندے ہو رہے ہو)

مغز جو از پوست دارد صد ملال	مغز نغز آنرا حلال آمد حلال
مغز کا تلاش کرنے والا چھلکے سے نفرت کرتا ہے	اچھا مغز اس کیلئے حلال ہی حلال ہے

یعنی مغز کو تلاش کرو پوست سے تو سو ملال آتے ہیں اور مغز اصل اس کے لئے حلال ہے حلال

چونکہ قشر عقل صد برہاں دہد	عقل کل کے گام بے ایقان نہد
عقل کا چھلکا جبکہ سینکڑوں دلائل پیدا کر دیتا ہے	(تو) کل عقل، بغیر یقین کے کب قدم اٹھائے گی؟

یعنی جبکہ پوست عقل سو برہان دیتی ہے تو عقل کل قدم بے یقین کے کب رکھے گی یعنی جب یہ عقل سو دلائل بیان کرتی ہے تو بھلا عقل کل تو بالکل مشاہدہ اور عین الیقین کرا دے گی لہذا اسی کو حاصل کرو۔

عقل دفتر ہا کند یکسر سیاہ	عقل عقل آفاق دارد پر زماہ
عقل دفتروں کو بالکل سیاہ کر دیتی ہے	کل عقل دنیا کے اطراف کو چاند سے پر کر دیتی ہے

یعنی عقل (معاش) تو ایک طرف سے دفاتر کو سیاہ کر دیتی ہے اور عقل العقل آفاق چاندوں سے پر رکھتی ہے یعنی اس عقل معاش میں تو دفاتر سیاہ ہوتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے خاص کر اس زمانہ میں کہ ایک حکم کی مسل ایک گدھے کا بوجھ اور عقل العقل میں نور ہی نور ہے وہاں یہ خرافات نہیں ہیں تو وہ قابل طلب ہے اس کی یہ حالت ہے کہ

از سیاہی و ز سفیدی فارغ است	نور ماہش بر دل و جان بازغ است
(کل عقل) سیاہی اور سفیدی سے بے نیاز ہے	اس کے چاند کی چاندنی دل اور جان پر طلوع کرتی ہے

یعنی سیاہی اور سفیدی سب سے فارغ ہے اور اس کے چاند کا نور دل و جان پر چمک رہا ہے۔

ایں سیاہ و ایں سفید ار قدر یافت	زاں شب قدرست کاختر وار تافت
اس کالے اور اس سفید نے اگر کوئی مرتبہ پایا ہے	تو اس شب قدر سے (پایا) ہے جو ستارے کی طرح چمکتی ہے

یعنی اس سیاہ اور اس سفید سے اگر قدر پائی تو یہ اسی شب قدر کی وجہ سے ہے جو کہ ستارہ کی طرح چمکی یعنی اس عقل اور اس کے اقبال میں جو نور ہے یہ اسی عقل العقل کا پرتو ہے آگے مثال ہے کہ۔

قیمت ہمیاں و کیسہ از زرست	بے زری ہمیان و کیسہ ابترست
ہمیانی اور تھیلی کی قدر سونے کی وجہ سے ہے	وہ ہمیانی اور تھیلی بغیر سونے کے ناقص ہے

یعنی ہمیانی اور تھیلی کی قیمت روپیہ کی وجہ سے ہے اور بے روپے کے ہمیانی اور کیسہ ابتر ہے مطلب یہ کہ ایک سوت کی تھیلی جو ایک لاکھ روپیہ کی ہو جاتی ہے اس وجہ سے کہ اس کے اندر روپیہ بھرا ہوا ہے ورنہ کوئی پوچھے بھی نہیں اسی طرح اس عقل کی اور اس کے اقبال کی جو کچھ قدر ہے وہ اس عقل العقل کی بدولت ہے ورنہ اس کو پوچھتا ہی کون تھا۔

ہمچنانکہ قدر تن از جاں بود	قدر جان از پرتو جاناں بود
جس طرح کہ جسم کی قدر جان کی وجہ سے ہے	جان کی قدر جاناں کے پرتو کی وجہ سے ہے

یعنی جس طرح کہ بدن کی قدر جان کی وجہ سے ہوتی ہے جان کی قدر جانان کی پرتو کی وجہ سے ہوتی ہے۔

گر بدی جان زندہ بے پرتو کنوں	ہیچ گفتے کافراں را میتوں
اگر بے پرتو کی جان زندہ ہوتی	(تو) کبھی وہ (خدا) کافروں کو کہتا کہ وہ مردے ہیں؟

یعنی اگر جان بے پرتو (جانان) کے زندہ ہوتی تو کافروں کو میتون کیوں کہتے یعنی کافروں کو قرآن شریف میں جابجا مردہ جو کہا گیا ہے اس کی یہی وجہ ہے کہ ان پر پرتو جاناں نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ بے پرتو جاناں کے جان اصل میں زندہ ہی نہیں ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ آپ جو یہ مضامین بیان فرماتے ہیں اس سے کیا فائدہ اس لئے کہ کسی اہل کمال کی قدر اور اس کے مضامین کی سماعت اس کے زمانہ میں ہوتی ہی نہیں پھر اس بیان سے کیا فائدہ۔ مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

ہیں بگو کہ ناطقہ جو مے کند	تا بقرنے بعد ما آبے رسد
ہاں کہدے کہ (قوت) گویائی نہر کھود رہی ہے	تاکہ ہمارے ایک قرن بعد اس میں پانی آئے

یعنی ہاں کہہ دو کہ ناطقہ ندی کھود رہا ہے تاکہ ہمارے بعد ایک قرن پانی پہنچے مطلب یہ کہ۔

اس وقت ہم صرف الفاظ بیان کئے دیتے ہیں ممکن ہے کہ ہمارے بعد کسی کو اس سے نفع ہو اور اس سے مستفیض ہو تو گویا کہ ندی تو ہم کھودے دیتے ہیں پانی چلا نا رہ جاوے گا یہ کوئی دوسرا ہمارے بعد کرلے گا اب کوئی کہتا ہے کہ جب

بعد والوں کے لئے ہے تو آپ کو کیا ضرورت ہے اس زمانہ والے خود بیان کردیں گے۔ اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ ہر قرنے سخن آرے بود	لیک گفت سالفاں یارے بود
اگرچہ ہر دور میں بات کہنے والا ہو گا	لیکن پہلے لوگوں کا کہا ہوا سہارا ہو گا

یعنی اگرچہ ہر قرن سخن آر ہوتا ہے لیکن پہلوں کا کہا ہوا مددگار ہوتا ہے یعنی پہلے لوگ جو کہہ جاتے ہیں وہ مستند ہوا کرتا ہے تو اگر ہم کہہ جاویں گے تو اور پچھلوں کے لئے اگرچہ وہ بھی سخن آر ہوں یہ سند ہوگا اور اس سے ان کو مدد ملے گی آگے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

نے کہ ہم توریت و انجیل و زبور	شد گواہ صدق قرآں اے شکور
کیا ایسا نہیں ہے کہ توریت اور انجیل اور زبور بھی	اے شکرگزار! قرآن کی صداقت کے گواہ بنے ہیں

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ توریت اور انجیل اور زبور قرآن کے صدق پر گواہ ہوئیں اے شاکر۔ تو بس جس طرح کہ وہ منسوخ کتب بوجہ سابقیت کے گواہ اور مستند ہوئیں اسی طرح ہمارا کلام بھی پچھلوں کے لئے سند ہوگا آگے رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ عقل روزی بے رنج وکسب کی طالب ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

روزی بے رنج جوئی و بے حسیب	کز بہشتت آورد جبریل سیب
بے مشقت اور ان گنت روزی طلب کر	تاکہ جبرئیل تیرے لئے بہشت سے سیب لائیں

یعنی روزی بے رنج و بے حساب تلاش کرو کہ بہشت سے تیرے واسطے جبریل سیب لاویں۔ سیب سے مراد شریعت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطلب یہ ہے کہ تم روزی بے کسب و رنج کے متلاشی رہو اور وہ علوم و معارف ہیں تو وہ انشاء اللہ تم کو بے رنج و بے کسب میسر ہو جاوے گی۔ اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں وہ تم کو میسر ہوگی آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ رزقے از خداوند بہشت	بے صداع باغباں بے رنج وکشت
بلکہ بہشت کے مالک کی جانب سے رزق (ملے گا)	باغباں کی درد سری اور کھیتی کی مشقت کے بغیر

یعنی بلکہ خداوند بہشت کی طرف سے ایک رزق (ملے گا) بے باغبان کے محنت اور بے رنج کشت کے یعنی نہ بولنے کی ضرورت نہ باغباں کے کام کی ضرورت۔ حق تعالیٰ بے رنج وتعب روزی عطا فرماویں گے۔

زانکہ نفع نان دراں نان داد اوست	بدہدت آں نفع بے توسیط پوست
کیونکہ اس روٹی میں روٹی کا نفع خدا کی دین ہے	تجھے وہ نفع بغیر چھلکے (روٹی) کی وساطت کے دے گا

یعنی اس لئے کہ روٹی کا نفع روٹی میں اسی کی دین ہے تو تجھے وہ نفع بے واسطہ پوست کے عنایت فرماویں گے۔ مطلب یہ کہ روٹی میں جو لذت ہے اور اس کا جو نفع ہے یعنی شکم سیری یہ کس نے اس میں رکھ دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے ہی اس کے اندر اس کو پیدا کر دیا تو اگر حق تعالیٰ نے اسی نفع کو تمہارے لئے بیواسطہ روٹی کے مرتب

فرمادیں تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ تو بس ظاہر ہے کہ وہ روزی بے کشت اور بے محنت باغباں عنایت فرما سکتے ہیں۔

ذوق پنہاں نقش ناں چوں سفرہ است	ناں بے سفرہ ولی را بہرہ است
نفع پوشیدہ ہے روٹی کی صورت دستر خوان جیسی ہے	بغیر دستر خوان کی روٹی ولی کا حصہ ہے

یعنی ذوق تو پنہاں ہے اور روٹی کا نقش مثل سفرہ کے ہے اور روٹی بے دستر خواں کے ولی کا حصہ ہے۔

مطلب یہ کہ روٹی میں جو لذت ہے وہ تو پوشیدہ ہے اور روٹی کا جسم اس کے لیے مثل دستر خوان کے ہے تو جبکہ حق تعالٰی نے اس جسم میں وہ لطف ودیعت فرمادیا تو وہی اس لطف کو بے اس جسم کے بھی عطا فرما سکتے ہیں اور وہی رزق حق اولیاء اللہ کی خوراک ہوتی ہے۔

شرح حبیبی

تفصیل تطبیق یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو مار کر ایک عالم کو زندہ کر دو (عالم سے مراد یا تو خود ہی ہو یا تمام مخلوق مراد ہو نفس کشی سے اپنا زندہ ہونا تو ظاہر ہے اور مخلوق کا زندہ ہونا اس لئے ہے کہ عالم میں جو موت اور فساد ہے وہ نفس کے سبب ہے۔ جب وہ مر جائے گا تو عالم زندہ ہو جائے گا رہا یہ شبہ کہ عالم میں جو فساد ہے وہ ایک نفس کا تو نہیں اگر ایک نفس مر گیا تو اور نفس کیونکر مر جائیں گے اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا کا مخاطب کوئی خاص شخص نہیں بلکہ ہر فرد ہے جب ہر فرد کا نفس مر جائیگا تو پھر کون سا نفس باقی رہے گا اور اگر انفراد ہی ملحوظ رکھا جاوے تب بھی جواب ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ایک خاص نفس کے مر جانے سے وہ موت مرتفع ہو جائے گی جو اس خاص نفس کے ذریعہ سے دوسروں کو حاصل ہوتی ہے گو مطلق موت مرتفع نہ ہوگی چنانچہ مولانا دفتر دوم میں فرماتے ہیں۔

نفس تست آں مادر بد خاصیت   کہ فساد اوست در ہر نامیت
پس بکش او را کہ بہر آن دنی   ہر زماں قصد عزیزے میکنی

اور تائید اس توجیہ کی مولانا کے اس شعر سے بھی ہو سکتی ہے جو قصہ گاؤ میں فرمایا گیا ہے یعنی

کشتہ شد ظالم جہانے زندہ شد   ہر یکے از ما خدارا بندہ شد

وجہ تائید یہ ہے کہ اس ظالم کے مرنے سے مخلوق کی وہ موت مرتفع ہوئی تھی جو اس کی جہت سے حاصل تھی نہ کہ مطلق موت) اس لئے کہ اس نے اپنی آقا روح کو مارا ہے اور اس کو دوبارہ غلام بنا لو۔ یاد رکھو کہ مدعی گاؤ تمہارا نفس ہے جس نے اپنے کو آقا اور سردار بنا رکھا ہے اور گائے کو مارنے والی تمہاری عقل ہے اور عقل حق پر ہے تم عوام کی طرح اس کے فعل پر اعتراض نہ کرنا نیز عقل پابستہ ہے کہ وہ اپنی جد وجہد سے قرب حق سبحانہ اور غذائے روحانی حاصل نہیں کر سکتی اس لئے وہ حق سبحانہ سے چاہتی ہے کہ مجھے بلا معتد بہ مشقت کے روزی اور نعمت سے بھرا ہوا خوان مل جاوے لیکن اس کی روزی اس کو کیوں نہیں ملتی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بات پر موقوف ہے اور

وہ بات یہ ہے کہ اول وہ گائے کو مار ڈالے جو کہ اصل شر ہے اس لئے وہ اس گائے کو مارتی ہے نفس اس سے منازعت کرتا ہے کہ تو نے میری گائے کیوں مار ڈالی۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ صاحب نفس کی گائے کونسی ہے جس کو عقل مار سکے تو پھر عقل نفس کی گائے کو کیونکر مارتی ہے جس پر نفس مدعی ہوتا ہے کیونکہ ہم کہیں گے کہ بات یہ ہے کہ نفس کی گائے جسم یعنی شہوات اور لذات ہیں اور عقل سلیم ان کو فنا کرتی ہے اس پر نفس شور مچاتا ہے اور مزاحمت کرتا ہے۔ خیر تو جبکہ نفس نے اپنی آقا وروح کو مار ڈالا تو اس کا بچہ عقل فقیر رہ گیا اور نفس خونی آقا اور سردار بن بیٹھا پس وہ بچہ بے مشقت اپنی روزی حق سبحانہ سے مانگتا ہے تم جانتے ہو کہ وہ بے مشقت روزی کیا ہے جس کو عقل حق سبحانہ سے مانگتی ہے سنو وہ غذائے روح اور اصلی غذا ہے۔ یعنی غذائے معارف وحقائق لیکن چونکہ اس کا حصول موقوف ہے گائے کی قربانی پر کیونکہ یہ خزانہ قتل گاؤ ہی میں مستور ہے اس لئے وہ اس کو مارتی ہے (یاد رکھو کہ یہ عنوان تو خبر کا ہے مگر مقصود طلب گاؤ کشی ہے یعنی تم کو گاؤ تن کو مارنا چاہئے) کیا کہوں کل میں نے ایک مباح شے کھائی تھی اس سے طبیعت میں انشراح نہیں رہا اور مضمون کی آمد بند ہوگئی ورنہ اس مضمون کو تجھے اچھی طرح سمجھا دیتا۔ یہ جو میں نے کہا ہے کہ کل میں نے ایک شے کھائی تھی اس سے ایسا ہو گیا یہ تو صورت ہے ورنہ حقیقت کچھ اور ہی ہے وہ یہ کہ جو کچھ اس عالم میں ظاہر ہوتا ہے وہ سب اثر ہے عالم غیب کا اب تم یہ کہو گے کہ جب تم جانتے ہو تو پھر اصل صورت کے اختیار کرنے کی پھر دفع دخل کی ضرورت ہی کیا تھی پہلے ہی سے کیوں نہ کہہ دیا کہ خدا نے ایسا کر دیا۔ سو میں تم کو اس کی وجہ بھی بتلاتا ہوں کہ میں نے سبب ظاہری پر کیوں نظر کی بات یہ ہے کہ یہ ادا میں نے حسینوں سے اڑائی ہے۔ یعنی انبیاء واولیاء کاملین کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اسباب کو اگر موثر حقیقی نہیں سمجھتے تو ان کو نظر انداز بھی نہیں کرتے۔ بس ان کے متبع کا فرض ہے کہ اسباب کو نظر انداز نہ کرے لیکن ان کو موثر حقیقی بھی نہ سمجھے اور نظر کو ان ہی تک محدود نہ رکھے کیونکہ ان اسباب سے اوپر اور اسباب خفیہ مثل ارادہ حق سبحانہ بھی ہیں لہذا صرف انہی پر نظر کو مقصود نہ کرنا چاہئے بلکہ ان پر بھی نظر رکھنی چاہئے کیونکہ انبیاء اسی بات کی تعلیم کے لئے تشریف لائے تھے کہ اسباب کو موثر حقیقی نہ سمجھا جائے اور انہوں نے اس خیال کو دل سے مٹانے کے لئے اپنی معجزات کو زحل تک رفعت دی چنانچہ بلا سبب ظاہری کے انہوں نے دریا کے دو ٹکڑے کر دیئے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور اس لئے گویا کہ انہوں نے صاف ستھرے گیہوں بلا بوئے جوتے حاصل کر لئے۔ نیز ریت ان کی کوشش سے بلا سبب ظاہری کے آٹا ہو گیا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مشہور ہے اور بھیڑ کی اون ابریشم ہوگئی جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ کی کرامت مشہور ہے۔ نیز تمام قرآن اسباب کے موقوف علیہ ہونے کا قلع قمع کرتا ہے مثلاً ایک مسکین یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ اور ابولہب سے معزز اور دولت مند کی ہلاکی کس سبب ظاہری پر مبنی تھیں اور دیکھو پرندے ہاتھیوں پر کنکریاں پھینکتے ہیں اور حبش کے بڑے بھاری لشکر کو شکست دیتے ہیں اور اس پرندے کی کنکری جو ہوا میں اڑتا ہے ہاتھی کو چھلنی کر ڈالتی ہے۔ علیٰ ہذا حق سبحانہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتے ہیں کہ گائے کی دم مقتول کے اوپر مارو تاکہ وہ فوراً کفن میں زندہ ہو جاوے ایسا کرتے ہی وہ حلق بریدہ اپنی جگہ

سے اچھل پڑتا ہے اور اپنے قاتل سے قصاص لینا چاہتا ہے۔ یہ امور کس ظاہری سبب کا نتیجہ ہیں علی ہذا القیاس قران اول سے آخیر تک ترک اسباب وعلل علی الوجہ الخصوص ہے علی وجہ اعتقاد موثر بنہا الحقیقیہ سے پر ہے۔ الحمد للہ کہ یہ بحث اختیار سبب تو تمام ہوئی اب سنو کہ یہ امور تم پر تمہاری بکھیڑا کرنے والی عقل سے منکشف نہیں ہو سکتے بلکہ اطاعت حق سبحانہ کرو تا کہ اس سے یہ امور تم پر منکشف ہو جائیں معقولات میں تو فلسفی محبوس ہوتا ہے اور عقل العقل پر یعنی اس نور حق پر جو عقل کو بینش بخشا ہے مقبول حق سبحانہ قبضہ کرتا ہے اور اس اختلاف انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ عقل العقل تو مغز اور اصل شے ہے اور عقل اس کا پوست اور صورت ہے اور فلسفی پر چونکہ حیوانیت اور بہیمیت کا غلبہ ہے اس لئے وہ پوست کی طرف راغب ہے کیونکہ معدۂ حیوانی کا خاصہ ہے کہ وہ اجسام کو طلب کرتا ہے جو کہ بمنزلہ پوست کے ہیں اور معانی کی طرف اس کو رغبت نہیں ہوتی جو کہ بمنزلہ مغز کے ہیں اور اہل اللہ پر چونکہ روحانیت کا غلبہ ہے اس لئے وہ طالب معنی ہیں جو کہ مغز ہے اور صورت کی طرف رغبت نہیں کرتے کیونکہ جو شخص طالب مغز ہے اسے پوست سے سخت نفرت ہے اس کے لئے تو وہ اعلیٰ درجہ کا مغز بھی حلال وطیب ہے جب یہ معلوم ہو چکا کہ فلسفی کو تو عقل حاصل ہے اور مقبولین حق سبحانہ کو عقل العقل تو اب سمجھو کہ یہ عقل باوجودیکہ ایک پوست ہے لیکن بایں ہمہ جب کسی مدعا کو مانتی ہے تو اس پر سینکڑوں دلیلیں قائم کرتی ہے جب تسلیم کرتی ہے تو عقل کل یعنی عقل اہل اللہ جو سراسر مغز ہے بے یقین کے کیسے قدم رکھ سکتی ہے کیونکہ یہ عقل تو نہایت ادنیٰ ہے اور وہ نہایت اعلیٰ اس لئے کہ یہ عقل تو اوراق کو سیاہ کرتی ہے اور عقل العقل (یعنی نور حق سبحانہ) عالم کو پر نور کرتی ہے وہ تسوید وتبییض سے فارغ ہے اور اس کو عقل کی طرح تسوید وتبییض کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا چاند تو دل وجان پر چمکتا اور ان کو منور کر کے معدن علوم بناتا ہے اور اس مسودہ وبیضہ یعنی دفاتر علوم کو جو وقعت حاصل ہوئی ہے یہ بھی اسی شب قدر یعنی نور الٰہی کا نتیجہ ہے جو ستاروں کی طرح دل وجان پر چمکی کیونکہ ان میں جس قدر واقعیت ہے وہ اسی کا فیض ہے اگر وہ نہ ہوتی تو یہ عقل فی نفسہ کچھ بھی نہ تھی پس اس عقل کی مثال ایسی ہے جیسے کیسہ وہمیانی اور نور حق کی مثال ایسی ہے جیسے سونا اور ہمیانی اور کیسہ کی قدر سونے ہی سے ہے ورنہ بلا سونے کے ہمیانی وکیسہ کسی کام کے بھی نہیں جب ہر دو عقل کا فرق معلوم ہو گیا تو معلوم ہوا کہ عقل کل کے احکام اور مدرکات نہایت صحیح ہیں پس تم کو حقائق کو اس عقل سے سمجھنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے بلکہ عقل کل حاصل کر کے اس سے سمجھنا چاہئے اور عقل ناقص کامل ہوتی ہے عقل العقل یعنی نور حق سبحانہ سے لہذا نور حق سبحانہ حاصل کرنا چاہئے نیز اس کا حاصل کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح جسم کی قدر جان سے ہے اور جسد بلا روح کوڑی کے کام کا بھی نہیں یوں ہی جان کی قدر پر تو حق سبحانہ سے ہے کیونکہ جس طرح حیات جسم بدوں روح کے متحقق نہیں ہو سکتی یوں ہی حیات روح بدون اس پرتو کے حاصل نہیں ہو سکتی اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حیات روح بدون پرتو حق سبحانہ کے بھی مستحق ہو سکتی ہے تو کافر بھی زندہ کہلاتے ان کو مردہ کون کہتا۔ حالانکہ قرآن میں ان کو مردہ کہا گیا ہے یہاں تک پہنچ کر مولانا کے دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ کوئی سمجھنے والا تو ہے نہیں یہ گفتگو فضول ہے لہذا اس کو ختم کرنا چاہئے اس کے بعد

اس کا خود ہی جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔نہیں جی تم ضرور بیان کرو کیونکہ تمہاری قوت ناطقہ ایک نہر کھود رہی ہے تاکہ کسی زمانہ میں اس نہر میں پانی بہے یعنی اہل فہم اس سے منتفع ہوں۔اب پھر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ جب اس میں اہل فہم ہوں گے تو وہ یہ ہی باتیں بھی تو کہہ سکتے ہیں پھر بھی اس گفتگو کی ضرورت نہ رہی اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ ہر زمانہ میں مضامین عالیہ بیان کرنے والے ہوتے ہیں لیکن متقدمین کے مقالات اوران کے مؤید اور مصدق ہو جاتے ہیں۔تم دیکھ لو کیا انجیل توریت اور زبور قرآن کی مصدق نہ ہوئیں ضرور ہوئیں۔اور اس سے قرآن کی ایک خاص قوت حاصل ہوگئی۔ان خیالات کو دفع کر کے پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور سلسلہ گفتگو کو شروع کر کے کہتے ہیں کہ جب امور مذکورہ بالا تمہارے ذہن نشین ہوگئے تو اب تم اسی فقیر کی طرح بے مشقت اور بے حساب روزی تلاش کرو اور حق سبحانہ سے علوم و معارف حقیقیہ اور نور و قرب حق سبحانہ طلب کرو تاکہ جبرئیل تمہارے پاس بہشت کے سیب یعنی غذائے روحانی لائیں بلکہ خود مالک بہشت یعنی حق سبحانہ بلاتوسط روح القدس وغیرہ کے تم کو غذا پہنچائیں نہ تم کو باغبانی کی دردسری کرنی پڑے اور نہ جوتنے بونے کی زحمت اٹھانی پڑے۔ اور حق سبحانہ کا بلاواسطہ کسی شے کو عطا کرنا کچھ بھی بعید نہیں کیونکہ مثلاً تم کو تو روٹی کے ذریعہ سے نفع پہنچتا ہے مگر روٹی کو نفع کی صفت کس نے بخشی ہے۔بلاواسطہ حق سبحانہ نے پس جس طرح اس نے بلاواسطہ روٹی کو وہ صفت بخشی ہے یوں ہی وہ نفع بلاتوسط پوست نان کے تم کو بھی دے سکتا ہے کیونکہ اس وقت صورت نان بمنزلہ دسترخوان کے ہوئی اور ذوق اس میں روٹی کی طرح پوشیدہ ہوا۔پس جس طرح روٹی بدون دسترخوان کے مل سکتی ہے یوں ہی ذوق و نفع نان بھی بدوں روٹی کے حاصل ہوسکتا ہے جب یہ ثابت ہوگیا کہ ذوق و نفع نان ظاہری بدوں توسط نان کے حاصل ہوسکتا ہے۔بس اسی سے سمجھ لو کہ اہل اللہ کو غذائے روحانی یوں ہی بلاتوسط دسترخوان یعنی وسائط فیض حاصل ہوتی ہے۔

شرح شبّیری

رزق جانی کے بری باسعی چست	جز بعدل شیخ کو داؤدؑ تست
تو روحانی رزق (اپنی) کوشش اور جستجو سے کب حاصل کرسکتا ہے	شیخ کے انصاف کے بغیر جو تیرے لئے (بمنزلہ حضرت) داؤدؑ کے ہے

یعنی رزق روحانی کو پوری سعی سے کب حاصل کرسکتے ہو سوائے عدل شیخ کے کہ وہ داؤدؑ تمہارے ہیں۔ عدل سے مراد تربیت ہے مطلب یہ کہ اس رزق روحانی کو بے تربیت شیخ کے تم کب حاصل کرسکتے ہو۔جس طرح کہ روزی بے کسب داؤد علیہ السلام کے واسطہ سے اس شخص کو مل گئی اسی طرح شیخ کے ذریعہ سے کہ وہ مثل داؤد کے ہے تم کو روزی علوم و معارف حاصل ہوگی۔

نفس چوں باشیخ بیند گام تو	از بن دنداں شود او رام تو
نفس جب تیرا قدم شیخ کے ساتھ دیکھے گا	تو مجبورا تیرا فرمانبردار ہو جائے گا

یعنی جبکہ نفس تیرا قدم شیخ کے ساتھ دیکھے گا تو بن دنداں سے وہ تیرا مطیع ہو جاویگا۔(بن دندان سے مطیع ہونا یعنی پوری طرح تہ دل سے مطیع ہوگا)

کز دم داؤدؑ او آگاہ شود	صاحب ایں گاؤ رام آنگاہ شود
جب وہ (حضرت) داؤدؑ کے حکم سے واقف ہوگیا	گائے کا مدعی اس وقت فرمانبردار بنا

یعنی اس گائے والا اس وقت مطیع ہوگا کہ داؤد علیہ السلام کے دم سے آگاہ ہوگا (گاؤ سے مراد وہی لذات اور صاحب لذات نفس اور داؤد سے مراد شیخ کامل) مطلب یہ کہ نفس اس وقت تمہارا مطیع ہوگا جبکہ وہ شیخ کامل سے آگاہ ہو جاوے گا۔ اور اسے شیخ کامل کی خبر ہو جاوے گی۔ اس وقت وہ مطیع ہوگا۔

بر سگ نفست کہ باشد شیخ یار	عقل گاہے غالب آید در شکار
تیرے نفس کے کتے پر جبکہ شیخ ساتھی ہوگا	شکار میں عقل اس وقت غالب آئے گی

یعنی عقل شکار میں اس وقت تیرے سگ نفس پر غالب آوے گی جبکہ شیخ مددگار ہوگا۔

روئے شیخ او راز مرد دیدہ کن	نفس اژدرہاست باصد زور و فن
شیخ کا چہرہ اس کے لئے آنکھیں نکال ڈالنے والا زمرد ہے	نفس سینکڑوں مکر اور فن والا اژدہا ہے

یعنی نفس ایک اژدہا ہے ساتھ سوز ور وفن کے اور روئے شیخ اس کے لئے مثل مرد آنکھ نکالنے والے کے ہے مطلب یہ کہ نفس کو مغلوب کرنے والا اور اس کو اندھا کرنے والا روئے شیخ ہی ہے۔

دستش از داماں مکن یکدم رہا	گر تو خواہی ایمنی از اژدہا
کسی وقت بھی ہاتھ کو اس کے دامن سے جدا نہ کر	اگر تو اژدھے سے مطمئن ہونا چاہتا ہے

یعنی اگر تم اژدہا سے بے خوف رہنا چاہتے ہو تو ہاتھ اس کے دامن سے ایک دم کو الگ مت کرو۔

تاز خاک تو بروید کیمیا	خاک شو در پیش شیخ با صفا
تاکہ تیری خاک سے کیمیا پیدا ہو	صاحب باطن شیخ کے سامنے خاک بن جا

یعنی شیخ باصفا کے آگے خاک ہو جا تاکہ تیری خاک میں سے کیمیا پیدا ہو یعنی تم اس کے آگے خاک ہو جاؤ اور اس کے مطیع ہو جاؤ تو کمالات خود تمہارے اندر سے پیدا ہوں گے۔

چوں خراں سیخش کن آنسوئے آفروں	گر تو صاحب گاؤ را خواہی زبوں
اے سرکش! اس کو گدھوں کی طرح کھینچ کر اس طرف لے جا	اگر تو گائے کے مدعی کو مغلوب کرنا چاہتا ہے

یعنی اگر تو نفس کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تو گدھوں کی طرح اس کے سینگ اندر کی طرف سے اکھاڑ دے مطلب یہ کہ جس طرح کہ گدھے کے سینگ ہوتے ہی نہیں اسی طرح تو بھی اس کی جڑ اپنے قلب میں سے اکھاڑ

دے اور شہوات ولذات کو ترک کر دے اس کے بعد دیکھ کہ وہ عاجز ہوتا ہے یا نہیں۔

صد زباں در ہر زبانش صد لغت	زرق و دستانش نیاید در صفت
(نفس کے) سو زبانیں ہیں اور اس کی ہر زبان میں سو سو بولیاں ہیں	اس کا مکر اور حیلہ بازی بیان نہیں ہو سکتی ہے

یعنی (اس کے) سو زبان ہیں اور اس کی ہر زبان میں سو لغت ہیں اور اس کا مکر و فریب تو بیان آ نہیں سکتا۔

چوں بہ نزدیک ولی اللہ شود	آن زباں صد گزش کوتہ شود
جب وہ اللہ کے ولی کے نزدیک ہوتا ہے	اس کی سو گز لمبی زبان چھوٹی ہو جاتی ہے

یعنی جبکہ کسی ولی اللہ کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کی سو گز کی زبان کوتاہ ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ نفس بڑا مکار ہے اور اس کی زبان سو گز کی ہے کہ یہ کسی کے آگے لپتا ہی نہیں مگر جب شیخ کامل کے آگے پہنچتا ہے تو چونکہ وہ اس کے تمام مکروں سے واقف ہوتا ہے لہذا اس کے سامنے اس کی کچھ نہیں چلتی۔

مدعی گاؤ نفس آمد فصیح	صد ہزاراں حجت آرد ناصحیح
گائے کا مدعی نفس زبان دراز ہے	غلط قسم کی لاکھوں دلیلیں بیان کرتا ہے

یعنی مدعی گاؤ (جو کہ) نفس (ہے) بہت فصیح ہے اور لاکھوں حجتیں نادرست لاتا ہے۔

شہر را بفریبد الا شاہ را	رہ نتاند زد شہ آگاہ را
شاہ کے علاوہ شہر کو فریب دیتا ہے	باخبر شاہ کی راہ زنی نہیں کر سکتا

یعنی شہر کو فریب دے لیتا ہے مگر شاہ کو شاہ آگاہ کو گمراہ نہیں کر سکتا۔

نفس را تسبیح و مصحف در یمیں	خنجر و شمشیر اندر آستیں
نفس کے داہنے ہاتھ میں تسبیح اور قرآن ہے	آستین کے اندر خنجر اور تلوار ہے

یعنی نفس کے داہنے ہاتھ میں تو تسبیح و مصحف ہے اور آستین میں خنجر و شمشیر ہے مطلب یہ کہ نفس وہ شے ہے کہ یہ ضرر اندرونی پہنچاتا ہے۔ ظاہر میں تو بڑا دوست ہے اور باطن میں بس مار آستین ہے۔ اللھم احفظنا

مصحف و سالوس او باور مکن	خویش با او ہمسر و ہمسر مکن
اس کے مکر کے قرآن پر اعتماد نہ کر	اپنے آپ کو اس کا ہمراز اور ہم مرتبہ نہ بنا

یعنی اس کے مصحف و مکر کا تو یقین مت کر اور اپنے کو اس کے ساتھ ہمراز و ہمسر مت بنا ورنہ اگر راز دار ہو گیا تو یاد رہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اس کے مکر کی یہ حالت ہے کہ

سوئے حوضت آورد بہر وضو	واندر اندازد ترا در قعر او
وہ وضو کرانے کے لئے تجھے حوض کی جانب لاتا ہے	اور تجھے اس کے اندر اس کی گہرائی میں پھینک دیتا ہے

یعنی وضو کے لئے حوض کی طرف تجھے لاتا ہے اور (پھر) اس کے قعر میں تجھے ڈال دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ ترغیب نیک کام کی دیتا ہے اور وہاں لے جا کر کسی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

عقل نورانی و نیکو طالب ست	نفس ظلمانی بر وچوں غالب ست
عقل نورانی اور بہترین طلب گار ہے	تاریک نفس اس پر کیوں غالب ہے

یعنی عقل تو نورانی ہے اور اچھی طالب ہے۔ تو نفس ظلمانی اس پر کیونکر غالب ہے، آگے خود بتاتے ہیں کہ۔

زانکہ او در خانہ عقل تر بروں	گرچہ ملک اوست لیکن شد زبوں
کیونکہ وہ گھر میں ہے تیری عقل باہر ہے	(گھر) اگرچہ اس کی ملک ہے لیکن وہ مغلوب شے ہے(۱-۶
زانکہ او در خانہ عقل تو غریب	بردر خود سگ بود شیر مہیب
کیونکہ وہ گھر میں ہے، تیری عقل مسافر ہے	اپنے دروازے پر کتا خوفناک شیر ہوتا ہے

یعنی اس لئے کہ وہ نفس تو گھر میں ہے اور عقل تیری غریب ہے تو اپنے دروازہ پر تو کتا بھی شیر مہیب ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم نے نفس کی تو خوب خاطر کی ہے اور اس کو خوب پال رکھا ہے اور بیچاری عقل کو گھر سے باہر کر رکھا ہے تو اپنے گھر تو کتا بھی شیر ہوتا ہے لہذا تیرا نفس اس وجہ سے پھولا ہوا اور عقل پر غالب ہو رہا ہے۔

باش تا شیراں سوئے بیشہ روند	ویں سگاں کور آنجا بگروند
ٹھہر کہ شیر ۔ کچھار میں پہنچیں	یہ اندھے کتے وہاں مطیع ہو جائیں گے

یعنی ٹھہر جا یہاں تک کہ شیر بیشہ کی طرف جاویں اور یہ اندھے کتے اس جگہ مطیع ہونگے۔ (شیران سے مراد شیوخ کاملین) مطلب یہ کہ اس نفس کے بیشہ میں شیوخ کاملین کو آنے دو وہ ان کو ان کے گھروں سے نکالیں گے اور ان کو مطیع کریں گے۔ اور عقل کو ان پر غالب کریں گے۔

مکر نفس و تن نداند عام شہر	او نگردد جز بوحی القلب قہر
نفس اور جسم کے مکر کو شہر کے عوام نہیں جانتے	وہ دل کی وحی کے بغیر مغلوب نہیں ہوتا

یعنی مکر نفس و تن کو عوام شہر نہیں جانتے وہ بجز الہام قلبی کے مقہور نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ نفس کے مکروں کو عوام نہیں جانتے ہاں جو شخص ملہم من اللہ ہو وہ اس کے مکروں کو سمجھ سکتا ہے اور اسی سے یہ مطیع ہو سکتا ہے۔

ہر کہ جنس اوست یار او شود	جز مگر داؤدؑ کو شیخت بود
جو اس کا ہم جنس ہے اس کا دوست بن جاتا ہے	مگر سوائے داؤدؑ کے جو تیرا شیخ ہے

یعنی جو کہ اس کی جنس ہے اس کا یار ہو جاتا ہے مگر سوائے داؤدؑ کے کہ وہ تیرا شیخ ہو یعنی سوائے شیوخ کاملین کے اور عوام تو سب اسی کے ساتھ ہو لیتے ہیں اور شیوخ اس لئے بچے رہتے ہیں کہ

کو مبدل گشت و جنس تن نماند	ہر کرا حق در مقام دل نشاند
جو بدل گیا ہے اور جسم کا ہم جنس نہیں رہا ہے	جس کو اللہ (تعالیٰ) نے دل کی جگہ بٹھایا ہے

یعنی کیونکہ وہ مبدل ہوگیا ہے اور جنس تن نہیں رہا۔ جس کو کہ حق نے مقام دل میں بٹھادیا مطلب یہ کہ جس کو حق تعالیٰ نے درجہ روحانیت کا عطا فرمادیا وہ اب جنس نفس و تن سے چھوٹ کر جنس روح بن گیا ہے۔ لہٰذا اس کو اس سے ضرر نہیں ہوتا اور وہ اس کے ساتھ ملتا نہیں ہے بلکہ اس کو ہی خود مطیع کر لیتا ہے۔

خلق جملہ علتی انداز کمین	یار علت می شود علت یقین
تمام لوگ اندر سے بیمار ہیں	یقیناً مرض ' مرض کا مددگار ہوتا ہے

یعنی مخلوق سب باطن کی رو سے علتی ہے تو علت تو یقیناً علت ہی کی ہمراہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ چونکہ لوگ سب علتی ہیں اور ان کے باطن میں علت موجود ہے لہٰذا ان کا میلان بھی علت ہی کی طرف ہوتا ہے اور وہ اس سے مل جاتے ہیں۔ آگے شیوخ مکارین سے بچاتے ہیں کہ۔

ہر خسے دعوے داوٗدی کند	ہر کہ بے تمیز کف دروے زند
ہر کمینہ داوٗد ہونے کا دعویٰ کر دیتا ہے	جو بے تمیز ہے اس سے وابستہ ہو جاتا ہے

یعنی ہر کمینہ دعویٰ داوٗد ہونے کا کرتا ہے تو جو کہ بے تمیز ہے وہ اس کے اندر ہاتھ مارتا ہے۔ یعنی کمینہ لوگ شیخ بنتے ہیں تو جو جاہل اور بے خبر ہیں وہ ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیتے ہیں اور پھنس جاتے ہیں آگے اس پھنسنے کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں ز صیادے شنید آواز طیر	مرغ ابلہ میکند آں سوئے سیر
جب شکاری سے پرند کی بولی سنتا ہے	بیوقوف پرند اس جانب اڑان بھرتا ہے

یعنی جبکہ صیاد سے جانور کی آواز سنتا ہے تو بیوقوف جانور اس طرف کو چلتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب صیاد جانوروں کی بولی بولتا ہے تو جو بیوقوف جانور ہے وہ اپنی ہمجنس کی بولی سمجھ کر ادھر جاتا ہے اور پھنس جاتا ہے اسی طرح جو جھوٹے لوگ دعویٰ مشیخت کا کرتے ہیں جو بیوقوف ہیں وہ ان کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔

نقد را از قلب نشناسد غوی است	ہیں از و بگریز اگرچہ معنوی است
جو کھرے کو کھوٹے سے نہ پہچانے گمراہ ہے	خبردار! اس سے گریز کر خواہ وہ نکتہ رس ہو

یعنی جو کھرے کو کھوٹے سے نہ پہچانے وہ غوی ہے ارے اس سے بھاگ اگرچہ (بظاہر) معنوی ہو۔

رستہ و بربستہ پیش او یکیست	گر یقیں دعویٰ کند او در شکے ست
آزاد اور گرفتار اس کے نزدیک یکساں ہے	اگرچہ یقین کا دعویٰ کرے وہ شک میں (مبتلا)

یعنی (ہوا و ہوس سے) چھوٹا ہوا اور (ان کا) مقید اس کے آگے سب ایک ہیں (اس لئے کہ اس کو تمیز ہی نہیں) اور اگر وہ یقین کا دعویٰ کرے تو وہ خود شک میں ہے یعنی اسے خود ہی شک ہے تو وہ دعویٰ یقین کا کیا کرے گا۔ اطمینان قلب جس کا نام ہے وہ اس کو حاصل ہے ہی نہیں۔

چونش ایں تمیز نبود احمق است	اینچنیں کس گر ذکی مطلق ست
جب اس کو تمیز نہ ہو وہ احمق ہے	ایسا شخص خواہ پورا ذہین ہے

یعنی ایسا شخص اگرچہ (بظاہر) ذکی مطلق ہی ہو جب اس کو یہ تمیز نہیں ہے احمق ہے۔

سوئے او مشتاب اے دانا دلیر	ہیں ازو بگریز چوں آہوز شیر
اے عقلمند بہادر! اس کی جانب نہ جا	خبردار! اس سے ایسا بھاگ جیسے شیر سے ہرن

یعنی ارے اس سے بھاگ جیسے کہ ہرن شیر سے اور اے دانا دلیر اس کی طرف کو دوڑ مت یعنی ایسے شخص کے پاس ہرگز مت جاؤ۔ آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حکایت لاتے ہیں کہ وہ بھاگے جارہے تھے ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت کیوں بھاگ رہے ہیں فرمایا احمقوں سے بھاگ رہا ہوں تو بھلا جب ایسے حضرات کو ضرورت ان سے علیحدگی کی ہوتی ہے تو پھر اوروں کو تو کیوں نہ ہوگی اب حکایت سنئے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اوپر طلب غذائے روحانی کی ترغیب دی تھی اب اس کا طریقہ بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بطور خود کوشش کرنے سے وہ غذا نہیں مل سکتی بلکہ جب شیخ جو کہ تیرا داؤد ہے نفس و عقل کے درمیان انصاف کرے گا اور عقل کو غالب اور نفس کو مغلوب کرے گا اس وقت مل سکتی ہے اس لئے کہ نفس خود تجھ سے مغلوب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جب تجھے شیخ کی ہدایتوں پر عمل کرتے دیکھے گا اس وقت وہ عاجز ہوکر تیرا مطیع ہوگا جس طرح کہ وہ گائے والا اس وقت مطیع ہوا جبکہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ قطعی سن لیا۔ یوں ہی عقل بھی تیرے سگ نفس پر اسی وقت غالب ہوسکتی ہے جبکہ شیخ کی اعانت ہو نفس کو ایک چالاک اور ہوشیار اژدھا سمجھو اور شیخ کے چہرہ کو زمرد جو اس کی آنکھیں پھوڑ کر اس کو اندھا کر دیتا ہے بس اگر تو اژدھے کے خطرہ سے بچنا چاہتا ہے تو اس کا دامن ہرگز نہ چھوڑ اور اس کے سامنے خاک ہوجا تا کہ اس خاک سے کیمیاوی بوٹی پیدا ہوکر تجھے کندن کردے یعنی فیوضات باطنیہ حاصل ہوکر تو انسان کامل بن جائے اور اگر تو گائے والے (نفس) کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تو گدھوں کی طرح اس کے اندر لکڑی کرتا کہ وہ پریشان ہوکر مطیع ہوجائے۔ یہ بڑا بدمعاش ہے سوزبانیں رکھتا ہے اور ہر زبان میں سو سو بولیاں رکھتا ہے۔ غرضکہ اس کے مکروفریب بیان سے باہر ہیں یہ کسی طرح مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کو صرف شیخ کامل ہی مغلوب کرسکتا ہے کیونکہ جب شیخ کامل کے پاس پہنچتا ہے تو اس کی وہ سوگز کی زبان کٹ جاتی ہے اور کچھ

چوں وچرا نہیں کرسکتا۔ گو یہ مدعی گاؤ (نفس) نہایت لسان ہے اوسفسطہ آمیز سینکڑوں دلیلیں پیش کرتا ہے مگر اس سے وہ عوام کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن بادشاہ کو دھوکہ نہیں دے سکتا اور رہزنی کر کے اس کو راہ راست سے نہیں بھٹکا سکتا۔ یاد رکھو کہ یہ بڑا چالاک ہے۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح وقرآن ہوتے ہیں اور آستین میں خنجر وشمشیر۔ بس تم اس کی مکارانہ قرآن خوانی کا کبھی اعتبار نہ کرنا اور اپنے کو اس کا رازدار اور مصاحب نہ بنانا یہ اتنا چالاک ہے کہ وضو کی ترغیب دیکر تم کو حوض پر لے جاتا ہے اور جا کر ندی میں غوطہ دیدیتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر نفس طاعات کی ترغیب بھی دے تب بھی اس کا معتقد نہ ہونا چاہئے بلکہ اس کے مکر سے ہوشیار رہنا چاہئے کیونکہ اس میں بھی اس کی کوئی غرض مخفی ہوتی ہے۔ پس طاعات کو تو اختیار کرنا چاہئے مگر اس فریب میں نہ آنا چاہئے جس کے لئے اس نے وہ ترغیب دی تھی۔ شاید تم یہ سوال کرو کہ صاحب عقل تو ایک نورانی شئے اور طالب حسنات ہے اور نفس ظلمانی وطالب سیئات تو نفس عقل پر کیوں غالب ہوا۔ عقل اس پر غالب کیوں نہ ہوئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقل روح کی ایک قوت ہے اور روح مجردات سے ہے اس لئے وہ تن سے اجنبی ہے اور نفس جسمانی ہے اس لئے اپنے گھر میں ہے اور اپنے گھر پر کتا بھی شیر ہوتا ہے۔ اس لئے وہ خانہ تن پر عقل کا تسلط نہیں ہونے دیتا اور اس پر غالب آتا ہے لیکن یاد رہے کہ یہ قبضہ اور تسلط عارضی ہے ذرا اس جنگل میں اصلی شیروں کو آنے دو اور اہل اللہ کی توجہ اس طرف منعطف ہونے دو پھر دیکھنا کہ یہ کتے ان کے آگے پانی بھریں گے اور بجز اطاعت کے ان کو چارہ نہ ہوگا کیونکہ اس کے مکر کو عام لوگ نہیں جانتے اس لئے کوئی اس کو مغلوب نہیں کرسکتا یہ اگر مغلوب ہوتا ہے تو ارباب الہامات ربانیہ ہی سے ہوتا ہے بلکہ اور لوگ تو چونکہ اس کے ہم جنس ہیں اس لئے اس کے معین ہوتے ہیں بجز داؤدؑ کے جس سے ہماری مراد شیخ ہے کہ وہ اس کی بیخ کنی کرتا ہے کیونکہ وہ نائب حق ہے اور جس کو حق سبحانہ اپنی نیابت عطا فرماتے ہیں اس کی قلب ماہیت ہوجاتی ہے اور وہ مجانس نفس وتن نہیں رہتا۔ عوام کے معین نفس ہونے کا راز یہ ہے کہ وہ سب امراض باطنیہ میں مبتلا ہیں اور نفس بھی انہیں امراض میں مبتلا ہے اور یہ یقینی امر ہے کہ ایک بیماری کو دوسری بیماری سے تقویت پہنچتی ہے پس ضرور ہے کہ وہ اس کے معین ہوں۔ یہاں تک تم کو معلوم ہوا کہ غذائے روحانی حاصل کرنے کے لئے داؤدؑ وقت کی ضرورت ہے۔ مگر اس مقام پر ایک یہ بات بتلا دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے نااہل داؤدؑ ہونے کے مدعی ہیں بس جو لوگ تمیز نہیں رکھتے وہ ان کو داؤد سمجھ کر ان کا دامن پکڑ لیتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک احمق جانور شکاری سے جانور کی آواز سن کر اس طرف چل دیتا ہے۔ اور جال میں پھنس جاتا ہے یہ لوگ گمراہ ہیں کہ سونے اور ملمع میں تمیز نہیں کرسکتے۔ ایسے لوگوں سے بھاگنا چاہئے خواہ وہ دقیقہ رس ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ یہ اس کو جو پابند دام ہو اور اس کو جو وارستہ از دام ہو دونوں کو یکساں سمجھتے ہیں جبھی تو ایک دھوکہ باز کے پھندے میں پھنس گئے۔ ایسے لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اگر وہ دعوی کریں کہ ہم کو فلاں بات کا یقین ہے تب بھی وہ شک ہی میں ہیں کیونکہ جب وہ تمیز ہی نہیں رکھتے تو ان کا یقین اس بات کی واقعیت ظاہر نہیں کرسکتا اور واقع میں دونوں امر محتمل ہیں ممکن ہے کہ ایسا ہو جیسا کہ وہ کہتا ہے اور ممکن ہے کہ ایسا نہ ہو اور ایسا شخص اگر نہایت ہی ذہین ہو تب بھی

جبکہ وہ اہل کمال اور بہروپیوں میں تمیز نہیں کر سکتا احمق ہی ہے دیکھو ایسے شخص سے اسی طرح بھاگنا جس طرح کہ ہرن شیر سے بھاگتا ہے اور اے سمجھدار شخص تو بیا کانہ اس سے میل نہ کرنا اس سے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ جب یہ دھوکہ کھانے والا اس قدر قابل نفرت ہے تو دھوکہ دینے والا کس قدر قابل نفرت ہوگا لہذا اس کی طرف تو بالا و لے رخ نہ کرنا۔ اب ہم ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہو کہ احمق اور بے تمیز لوگ کس درجہ قابل گریز ہیں۔ سنو

شرح شبّیری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احمقوں سے پہاڑ پر بھاگنا اور ایک شخص کا ان کے پیچھے جانا اور ان سے سوال کرنا

عیسیٰ مریم بکوہے می گریخت	شیر گوئی خون او میخواست ریخت
(حضرت) عیسیٰ (بن) مریم اک پہاڑ کی طرف بھاگ رہے تھے	گویا شیر ان کا خون بہانا چاہتا ہے

یعنی عیسیٰ مریم علیہا السلام ایک پہاڑ کی طرف (ایسے) بھاگ رہے تھے گویا کہ کوئی شیر ان کا خون ریختہ کرنا چاہتا تھا یعنی ایسے بھاگ رہے تھے کہ جیسے کوئی درندہ آتا ہو اور کوئی شخص اس کے خوف سے بھاگے۔

آں یکے درپئے دوید و گفت خیر	در پیت کس نیست چہ گریزی چو طیر
ایک شخص پیچھے دوڑا اور بولا خیریت ہے	آپ کے پیچھے کوئی نہیں ہے پرندکی طرح آپ کیوں دوڑ رہے ہیں؟

یعنی ایک شخص ان کے پیچھے دوڑا اور کہا کہ خیر تو ہے آپ کے پیچھے تو کوئی نہیں ہے آپ پرندہ کی طرح کیوں بھاگ رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسے اڑے ہوئے کیوں جا رہے ہو کوئی دشمن وغیرہ بھی تعاقب میں نہیں۔

با شتاب او آنچناں میتافت چفت	کز شتاب خود جواب او نہ گفت
جلدی میں وہ اس طرح چست بھاگ رہے تھے	کہ اپنی جلدی میں اس کو جواب نہ دیا

یعنی جلدی کے ساتھ وہ ایسا تیز بھاگ رہے تھے کہ اپنی جلدی کی وجہ سے اس کو جواب بھی نہ دیا۔

یک دو میداں درپئے عیسےٰ براند	پس بجد جہد عیسےٰ را بخواند
وہ ایک دو میدان (حضرت) عیسیٰ کے پیچھے بھاگا	پھر کوشش سے (حضرت) عیسیٰ کو پکارا

یعنی ایک دو میدان تک تو اس نے عیسیٰ کے پیچھے چلا یا پھر جد و جہد سے اس نے عیسیٰ کو پکارا۔

کز پئے مرضات حق یک لحظہ ایست	کہ مرا اندر گریزت مشکلے است
کہ خدا کی خوشنودی کیلئے تھوڑی دیر ٹھہریئے	کیونکہ آپ کے بھاگنے میں میرے لئے مشکل (درپیش) ہے

یعنی کہ خدا کے واسطے ایک گھڑی کے لئے کھڑے رہئے کہ مجھے آپ کے بھاگنے میں ایک مشکل ہے۔ (وہ یہ کہ)

از کہ ایں سو می گریزی اے کریم	نے پیت شیر و نہ خوف خصم و بیم
اے صاحب کرم! ادھر کو آپ کس سے بھاگ رہے ہیں؟	آپ کے پیچھے نہ شیر ہے نہ دشمن کا ڈر اور خوف

یعنی اے کریم آپ اس طرف کس سے بھاگ رہے ہیں آپ کے پیچھے نہ شیر ہے اور نہ خوف دشمن ہے اور نہ کوئی اور خوف ہے۔

گفت از احمق گریزانم برو	می رہانم خویش را بندم مشو
فرمایا، جا میں بیوقوف سے بھاگ رہا ہوں	میں اپنے آپ کو چھڑا رہا ہوں، مجھے نہ روک

یعنی آپ نے فرمایا کہ میں احمق سے گریزاں ہوں تو جا اور میں اپنے کو (احمق سے) چھڑاتا ہوں تو میری روک مت ہو۔

گفت آخر آں مسیحا نہ توئی	کہ شود کو رو کراز تو مستوی
اس نے کہا آخر آپ وہی مسیحا نہیں ہیں	کہ آپ کے ذریعہ اندھا اور بہرا تندرست ہو جاتا ہے

یعنی اس سائل نے کہا کہ آخر کیا آپ وہی مسیحا نہیں ہیں کہ آپ سے اندھے بہرے سب تندرست ہوتے ہیں مطلب یہ کہ جب آپ ایسے ہیں تو آپ کو احمق کیا گزند پہنچا سکتا ہے۔

گفت آرے گفت آں شہ نیستی	کہ فسوں غیب راما و یستی
انہوں نے فرمایا ہاں! اس نے کہا آپ وہ شاہ نہیں ہیں؟	کہ آپ غیبی منتر کے ماوٰی (و ملجا) ہیں

یعنی عیسیٰ نے کہا کہ ہاں (میں وہی مسیحا ہوں) تو اس سائل نے کہا کہ کیا آپ وہ بادشاہ نہیں ہیں جو کہ غیب کی باتوں کے ماویٰ اور ٹھکانہ ہیں۔

چوں بخوانی آن فسوں بر مردۂ	بر جہد چوں شیر صید آوردۂ
آپ جب وہ منتر کسی مردے پر پڑھتے ہیں	وہ (مردہ) شکاری شیر کی طرح کود پڑتا ہے

یعنی جب اس فسوں کو تم کسی مردہ پر پڑھ دو تو وہ شکاری شیر کی طرح کود آئے۔

گفت آرے آن منم گفتا کہ تو	نے زگل مرغان کنی اے خوبرو
انہوں نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں اس نے کہا کہ آپ	اے حسین! کیا مٹی سے پرندے نہیں بنا دیتے ہیں

یعنی عیسیٰ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں تو اس نے کہا کہ اے خوبرو کیا آپ وہ نہیں ہیں جو مٹی سے جانور بنا دیتے ہیں۔

بر دمی بروی سبک تا جان شود	در ہوا اندر زماں پراں شود
آپ اس میں آہستہ سے پھونک مارتے ہیں تو وہ زندہ ہو جاتا ہے	(اور) فوراً ہی ہوا میں اڑنے لگتا ہے

یعنی اس پر آہستہ سے پھونکتے ہوں یہاں تک کہ وہ جان ہو جاتا ہے اور اسی وقت ہوا میں اڑنے لگتا ہے۔

ہر چہ خواہی میکنی از کیست باک	گفت آرے گفت پس اے روح پاک
آپ جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں (پھر) کس کا ڈر ہے؟	انہوں نے فرمایا ہاں' اس نے کہا' تو اے پاک روح!

یعنی عیسیٰؑ نے فرمایا کہ ہاں تو اس نے کہا کہ اے روح پاک آپ جو چاہیں کریں پھر ڈر کس کا ہے۔

کہ نباشد مرترا از بندگاں	باچنیں برہاں کہ باشد در جہاں
جو آپ کے غلاموں میں سے نہ ہو	ایسی دلیلوں کے ہوتے ہوئے' دنیا میں کون ہو گا؟

یعنی باوجود اس قدر دلائل کے دنیا میں کون ہوگا جو کہ آپ کے غلاموں میں سے نہ ہوگا۔

مبدع تن خالق جاں در سبق	گفت عیسیٰؑ کہ بذات پاک حق
جو کہ جسم کا پیدا کرنے والا' ازل میں روح کا خالق ہے	(حضرت) عیسیٰؑ نے فرمایا کہ اللہ کی پاک ذات کی قسم

یعنی عیسیٰؑ نے فرمایا کہ حق کی ذات پاک کی قسم ہے جو کہ بدن کا بنانے والا اور ازل میں خالق جان ہے۔

کہ بود گردوں گریباں چاک او	حرمت ذات و صفات پاک او
جس کے لئے آسمان گریبان پھاڑے ہوئے ہے	اس کی پاک ذات' اور صفات کی قسم

یعنی اس کی ذات پاک اور صفات کی قسم جس کا کہ آسماں گریباں چاک (عاشق) ہے۔

برکرو بر کور خواندم شد حسن	کاں فسوں و اسم اعظم را کہ من
بہرے اور اندھے پر پڑھا وہ اچھا ہو گیا	کہ وہ منتر اور اسم اعظم جو میں نے

یعنی کہ اس فسوں اور اسم اعظم کو کہ میں نے کور وکر پر پڑھا تو وہ اچھے ہو گئے۔

خرقہ رابدرید بر خود تا بناف	بر کہ سنگین بخواندم شد شگاف
اس نے ناف تک پیرہن پھاڑ ڈالا	پتھریلے پہاڑ پر میں نے پڑھا وہ شق ہو گیا

یعنی سنگین پہاڑ پر پڑھا تو وہ پھٹ گیا اس نے اپنے خرقہ کو ناف تک پھاڑ لیا۔

برسر لاشے بخواندم گشت شے	برتن مردہ بخواندم گشت حے
میں نے ناچیز پر پڑھا وہ چیز ہو گیا	میں نے مردہ جسم پر پڑھا وہ زندہ ہو گیا

یعنی مردہ کے بدن پر پڑھا تو وہ زندہ ہو گیا اور لاشے کے اوپر پڑھا تو وہ شے ہو گئی۔

صد ہزاراں بار و درمانے نشد	خواندم آنرا بردل احمق بہ ود
لاکھوں بار اور کوئی علاج نہ ہوا	میں نے محبت سے اس کو بیوقوف کے دل پر پڑھا

یعنی میں نے اس کو احمق کے دل پر دوستی سے لاکھوں بار پڑھا مگر کوئی اثر نہ ہوا۔

سنگ خارا گشت وزاں خو بر نگشت	ریگ شد کز وے نروید ہیچ کشت
سنگ خارا بن گیا اور اس عادت سے نہ ہٹا	ریت بن گیا جس سے کوئی کھیتی نہ آگے

یعنی پتھر بن گیا اور اس (احمقی کی) خصلت سے نہ پھرا ریت ہو گیا کہ اس میں کوئی کھیتی نہیں اگتی۔

گفت حکمت چیست کانجام اسم حق	سود کرد اینجا نبود آن را سبق
اس نے کہا کیا راز ہے کہ وہاں اسم اعظم نے	فائدہ کیا اس جگہ وہ نہ چلا

یعنی سائل نے کہا کہ (اس میں) کیا حکمت ہے کہ اس جگہ تو اس حق نے نفع کیا اور اس جگہ اس کے لئے سبقت نہ ہوئی۔

آں ہمان رنجست وایں رنجے چرا	او نشد ایں را وآں را شد دوا
وہ بھی بیماری ہے اور یہ بھی بیماری کیوں	وہ اس کے لئے (دوا) نہ ہوا اور اس کے لئے دوا بن گیا؟

یعنی وہ (کوری وکری) بھی ایک بیماری ہے اور یہ بھی ایک مرض ہے تو کس لئے وہ اس کے لئے تو دوا ہو گیا اور اس کے لئے نہ ہوا۔

گفت رنج احمقی قہر خدا ست	رنج کوری نیست قہر آں ابتلاست
فرمایا بیوقوفی کی بیماری خدا کا عذاب ہے	اندھے پن کی بیماری عذاب نہیں ہے وہ آزمائش ہے

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ احمقی تو خدا کا قہر ہے (نعوذ باللہ منہ) اور کوری کا مرض قہر نہیں ہے بلکہ وہ تو ابتلاء ہے۔

ابتلاء رنجیست کان رحم آورد	احمقی رنجیست کان زخم آورد
آزمائش وہ بیماری ہے جو رحم لاتی ہے	بیوقوفی وہ بیماری ہے جو زخم پیدا کرتی ہے

یعنی مبتلا ہو جانا (کسی مرض میں) تو ایک ایسی شے ہے کہ رحم لاتی ہے اور احمقی ایک ایسا مرض ہے جو کہ زخم پیدا کرتا ہے۔

برسر آرد زخم رنج احمقی	رحم نبود چارہ جوئی آں شقی
بیوقوفی کا مرض سر کو زخمی کرتا ہے	اس بدبخت کی چارہ جوئی رحم سے نہیں ہوتی

یعنی احمقی کا مرض سر پر زخم لگاتا ہے اور اس بدبخت کا معالج رحم نہیں ہوتا۔

انچہ داغ اوست مہر او کردہ است	چارۂ بروے نیارد بردوست
جو اس کا داغ ہے (گویا اللہ تعالیٰ) نے مہر لگا دی ہے	کوئی تدبیر اس پر قابو نہیں پا سکتی

یعنی جو کہ (احمقی) کا داغ ہے اس نے مہر کر دی ہے تو کوئی علاج اس پر قدرت نہیں لا سکتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

ز احمقاں بگریز چوں عیسیٰ گریخت	صحبت احمق بسے خونہا کہ ریخت
بیوقوفوں سے اس طرح بھاگ جیسے (حضرت) عیسیٰ بھاگے	احمق کی صحبت نے بہت خون بہائے ہیں

یعنی احمقوں سے بھاگ جیسا کہ عیسیٰ بھاگے (کیونکہ احمق کی صحبت نے بہت سے خون خرابے کئے ہیں)۔
یعنی احمقی کا مرض سر پر زخم لگاتا ہے اور اس بدبخت کا معالج رحم نہیں ہوتا۔

وچنیں دزد دہم احمق از شما	اندک اندک آب را دزدد ہوا
اسی طرح بیوقوف تم میں سے چراتا ہے	ہوا پانی کو تھوڑا تھوڑا چراتی ہے

یعنی جیسے کہ ہوا پانی کو تھوڑا تھوڑا چراتی ہے (اور اس کو ہوا تھامتی ہے) اسی طرح احمق تم میں سے (عقل کو) چراتا ہے (اور انجام کار تم کو بھی احمق بنالیتا ہے)

ہمچناں کو زیر خود سنگے نہد	گرمیت را دزد دو سردی دہد
جس طرح کہ وہ اپنے نیچے پتھر رکھتا ہے	وہ تیری گرمی کو چراتا ہے اور سردی پیدا کرتا ہے

یعنی تمہاری گرمی (عقل) کو چراتا ہے اور سردی (احمقی) دیدیتا ہے اسی طرح گویا کہ وہ اپنے نیچے ایک پہاڑ رکھتا ہے۔

ایمن است او از پئے تعلیم بود	آں گریز عیسوی نہ زد بیم بود
وہ محفوظ تھے تعلیم دینے کیلئے تھا	(حضرت) عیسیٰ کا بھاگنا خوف سے نہ تھا

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا بھاگنا خوف کی وجہ سے نہیں تھا (کیونکہ) وہ تو بے خوف تھے (بلکہ) تعلیم کے واسطے تھا (کہ ان کو بتاتا تھا کہ احمق سے اس طرح الگ رہا کرو) آگے اس کی ایک مثال ہے کہ۔

چہ غم آن خورشید باشراق را	ز مہریرار پر کند آفاق را
روشن سورج کو کیا غم ہے؟	اگر سردی تمام دنیا کو بھر دے

یعنی جاڑا اگر تمام عالم کو (سردی سے) بھر دے تو اس روشن آفتاب کو کیا غم (بس اسی طرح احمقوں سے عیسیٰ علیہ السلام کو کیا غم جیسے سردی سے علاوہ آفتاب کے اور اشیاء متاثر ہوتی ہیں بس اسی طرح احمق کی حماقت سے بھی اور لوگ ہی متاثر ہوتے ہیں) آگے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ۔

او چہ غم دارد ز سرد یہاے بق	ہر کرا گرمی بود از نور حق
اس کو سخت بارش کی سردی کا کیا غم ہے؟	جس کو اللہ تعالیٰ کے نور کی گرمی حاصل ہو

یعنی جس کے پاس کہ نور حق کی گرمی ہو اس کو کسی سردی کا کیا غم ہو (تو بس اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چونکہ نور حق تھا ان کو احمقوں کی حماقت سے کیا خوف ہوتا) آگے اہل سبا کی حماقت اور اس حماقت کی وجہ سے ان کی بربادی کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبلیبی

ترجمہ وتشریح: ایک مرتبہ عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر یوں دوڑے جا رہے تھے کہ اس سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شیر ان کو مار ڈالنا چاہتا ہو یہ حالت دیکھ کر ایک مخلص پیچھے دوڑا اور کہا حضور خیر تو ہے آپ کیوں اڑے جا رہے ہیں آپ کے پیچھے تو کوئی بھی نہیں پھر کیا خوف ہے مگر وہ اس قدر تیز جا رہے تھے کہ جلدی کے سبب اس کو جواب بھی نہ دیا کچھ دور تو وہ ان کے پیچھے دوڑا مگر جب تھک گیا تو بہت اصرار کے ساتھ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آوازیں دینی شروع کیں اور ٹھہرانا چاہا اور کہا کہ خدا کے لئے ذرا ٹھہر جایئے۔ مجھے آپ کے بھاگنے کے متعلق ایک شبہ ہو گیا ہے اس کو حل فرماتے جایئے جب وہ ٹھہرے تو اس نے دریافت کیا کہ آپ کس سے بھاگتے ہیں نہ آپ کے پیچھے کوئی شیر آ رہا ہے نہ کسی دشمن کا خطرہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر میں احمق سے بھاگ رہا ہوں اور اس سے اپنے کو چھڑانا چاہتا ہوں تو جا اپنا کام کر اور مجھے مت روک۔ اس نے عرض کیا کہ کیا آپ وہی عیسیٰ نہیں جو اندھے بہروں کو اچھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں پھر اس نے سوال کیا کہ کیا آپ وہی نہیں ہیں جو افسون غیب یعنی اسم اعظم اپنے پاس رکھتے ہیں جس کی یہ صفت ہے کہ جب آپ اس کو کسی مردہ پر پڑھ کر دم کرتے ہیں تو وہ یوں مستعدی کے ساتھ اٹھتا ہے جیسے شیر کے پاس شکار لایا گیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں پھر اس نے دریافت کیا کہ کیا آپ مٹی سے جانور نہیں بنا دیتے اور کیا ایسا نہیں ہوتا کہ آپ ایک آہستہ سے پھونک مارتے ہیں تو وہ جاندار ہو جاتا اور فوراً ہوا میں اڑ جاتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا ہی کرتا ہوں اور ایسا ہوتا ہے اس پر اس نے متحیر ہو کر پوچھا کہ جب آپ کی یہ شان ہے کہ جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو جاتا ہے تو پھر آپ کو کس کا ڈر ہے اور باوجود ان معجزات باہرہ کے پھر کون ایسا ہے جو آپ کا خادم نہ ہوگا اور اس سے آپ کو تضرر کا اندیشہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جو جسم و جان کو ابتدا ہی سے پیدا کرنے والا ہے اور اسی کی ذات وصفات پاک کی قسم جس کا فلک سا عظیم القدر جسم عاشق و مطیع ہے کہ میں نے اس افسوں اور اس اسم اعظم کو جس کو میں اندھے اور بہروں پر پڑھتا ہوں تو وہ اچھے ہو جاتے ہیں اور پہاڑ پر پڑھ کر دم کرتا ہوں تو پھٹ جاتا ہے اور ناف تک گریبان چاک ہو جاتا ہے یعنی مرا مسخر ہو جاتا ہے اور مردہ پر پڑھتا ہوں تو زندہ ہو جاتا ہے اور لاشے پر پڑھتا ہوں تو شے ہو جاتی ہے۔ احمق کے دل پر نہایت شفقت کے ساتھ لاکھوں مرتبہ پڑھا مگر وہ اچھا نہ ہوا بلکہ اور پتھر ہو گیا۔ اور وہ عادت اس کی نہ گئی اور ایسا ہو گیا جیسے ریت کہ قابل زراعت ہی نہیں۔ اس پر اس نے یہ سوال کیا کہ آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ اسم اعظم نے وہاں کام دیا اور یہاں کچھ کام نہ دیا حالانکہ وہ بھی مرض ہیں اور یہ بھی مرض ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے لئے تو وہ دوا ہو گیا مگر اس مرض کے لئے دوا نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں قسم کے مرضوں میں فرق ہے۔ مرض حماقت اثر قہر خدا ہے اور اندھاپن وغیرہ امراض قہر خدا کا اثر نہیں ہیں

بلکہ وہ ایک قسم کا ابتلائے حق سبحانہ ہے اور ابتلا وہ مرض ہے جس پر رحم آتا ہے اور احمقی وہ مرض ہے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے اور غصہ آتا ہے اور اس کی وجہ سے خوب سزا دینے کو جی چاہتا ہے اور داغ حماقت حق سبحانہ کی قائم کی ہوئی مہر ہے جس کو کوئی تدبیر نہیں توڑ سکتی جب یہ قصہ سن چکے تو اس سے عبرت پکڑو اور احمقوں سے تم بھی یوں ہی بھاگو جس طرح عیسیٰ علیہ السلام بھاگے تھے۔ کیونکہ احمق کی صحبت بہت خون کرتی ہے اور بہت سے لوگوں کو موت روحانی میں پھنسا دیتی ہے لہٰذا مرض احمقی خود معالج کو نقصان پہنچاتا ہے اس لئے اس شقی کا علاج کرنا رحم نہیں ہے بلکہ خود اپنے اوپر ظلم ہے کیونکہ جس طرح کہ ہوا تھوڑا تھوڑا پانی اڑاتی ہے جو محسوس بھی نہیں ہوسکتا اور آخر میں وہ پانی بالکل خشک ہو جاتا ہے یوں ہی احمق بھی تمہارے صفات حمیدہ کو نا معلوم طریقہ سے فنا کرتا رہتا ہے۔ پس تم کو اس سے بچنا چاہئے لیکن تم کو اس مقام پر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھاگنا اپنے خوف سے نہیں تھا کیونکہ وہ تو معصوم تھے بلکہ وہ بھاگنا دوسروں کو عملی تعلیم تھی مثلاً اگر کڑاکے کی سردی تمام عالم میں پھیل جائے تو آفتاب کو اس سے کیا خطرہ۔ پس یہی حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تھی کہ اگر تمام عالم احمق ہو جاتا تب بھی ان کو ضرر نہ تھا۔

شرح شبیری

قصہ اہل سبا کا اور ان کی حماقت کا اور ان کے اندر انبیاءؑ کی پند و نصیحت کا مؤثر نہ ہونا

یادم آمد قصۂ اہل سبا	کز دم احمق صبا شاں شد وبا
مجھے اہل سبا کا قصہ یاد آ گیا	احمقانہ باتوں سے صبا ہوا ان کے لئے وبا بن گئی

یعنی مجھے اہل سبا کا قصہ یاد آیا کہ دم احمق کی وجہ سے ان کو صبا دبا ہو گئی تھی مطلب یہ کہ ان کے جو افعال احمقی کے تھے اس کی وجہ سے وہ عیش و عشرت ان کے لئے وبا ہو گئی۔

آں سبا ماند بشہرے بس کلاں	در فسانہ بشنوی از کود کاں
وہ سبا بہت بڑے شہر جیسا تھا	تو نے بچوں سے قصہ میں سنا ہو گا

یعنی وہ سبا ایک (اس) شہر کی مشابہ ہے (جو کہ) بہت بڑا تھا اور کہانی میں تم بچوں سے سنو گے۔ مولانا کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ بچوں میں ایک کہانی مشہور تھی جس کو مولانا آگے خود بیان فرما دیں گے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ بچے بیان کیا کرتے تھے کہ ایک بہت بڑا شہر تھا لیکن اتنا ایک کوزہ کی برابر اور اس میں بہت بڑی آبادی تھی مگر تھے صرف تین ہی آدمی۔ ان میں سے ایک بہرا تھا مگر سنتا خوب تھا ایک اندھا تھا اور دیکھتا خوب تھا اور ایک برہنہ تھا مگر اس کے دامن

بڑے لمبے لمبے تھے تو یہ ایک اجتماع ضدین معلوم ہوتا ہے۔ مولانا اس کی حقیقت بیان فرماویں گے کہ ان کے اندر دنیا کی آنکھ تھی۔ دنیا ہی کے لئے کان تھے دنیا ہی کے لئے وہ لباس تھا۔ دین اور خدا کے لئے چونکہ کچھ نہ تھا لہذا گویا کہ نقدم تھا تو مثلاً وہ اندھا دین سے اندھا تھا اور تیز بیں معاملات دنیاوی میں تھا۔ علیٰ ہذا ان میں صورت تو تھی مگر معنے نہ تھے۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اہل سبا بھی اسی شہر کے مطابق تھے کہ صورت تو بہت ہی عمدہ مگر معنی خاک بھی نہیں اور دین کے نام ان کے اندر کچھ بھی نہیں لیکن آگے مولانا اس قصہ مشہور کو بعد دو تین شعروں کے بیان کریں گے اس کے بعد اس کی شرح فرماویں گے اور اس سے نتیجہ نکالیں گے دور تک یہی مضمون ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کود کاں افسانہ ہا می آورند	درج در افسانہ شاں صد گونہ پند
بچے قصے بیان کرتے ہیں	ان کے افسانوں میں سو قسم کی نصیحت درج ہوتی ہے

یعنی بچے بہت سے افسانے بیان کرتے ہیں اور ان کے افسانوں میں بہت سے اسرار اور نصائح درج ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کہانیوں کو بھی بیکار مت سمجھو بلکہ ان سے بھی نتیجہ نکال لو کہ ان میں بھی معنے ہوتے ہیں یہ فضول نہیں ہوتے جیسا کہ دیکھو بچوں کی اس کہانی سے نتیجہ نکل آیا۔

ہزلہا گویند در افسانہ ہا	گنج میجو در ہمہ ویرانہ ہا
افسانوں میں مذاق کی باتیں کہتے ہیں	تو ہر ویرانے میں خزانہ تلاش کر

یعنی یہ لوگ کہانیوں میں ہزل کہتے ہیں تو تم تمام ویرانوں میں خزانہ کو تلاش کرو۔ اب آگے اس قصہ مشہور کو بیان فرماتے ہیں کہ

بود شہرے بس عظیم و مہ ولے	قدر او چوں قدر سکرہ بیش نے
وہ (سبا) بہت بڑا اور عظیم شہر تھا لیکن	اس کا رتبہ سکورہ کے رتبہ سے زیادہ نہ تھا

یعنی ایک شہر بہت عظیم الشان تھا لیکن اس کی قدر ایک سکورہ سے زائد نہ تھی۔

بس عظیم و بس فراغ و بس دراز	سخت زفت و زفت اندازہ پیاز
بہت بڑا بہت وسیع اور بہت لمبا	پیاز کی طرح بہت تھ بہ تہ

یعنی بہت بڑا اور بہت فراخ اور بہت دراز اور بہت ہی عظیم الشان اور برابر ایک پیاز کے۔

مردم دہ شہر مجموع اندرو	لیک جملہ سہ تن ناشستہ رو
اس میں دس شہروں کے انسانوں کا مجموعہ (تھا)	لیکن سب مل کر تین گندے شخص (تھے)

یعنی آدمی گاؤں اور شہر کے اس میں جمع تھے لیکن سارے تین تن تھے اور (وہ بھی) ناشستہ رو تھے۔ مطلب یہ کہ اس شہر کے اندر آدمی گاؤں اور شہر کے موجود تھے مگر وہ سارے تین قسم کے آدمی تھے۔

لیک آں جملہ سہ خام پختہ کار	اندر و نوع خلائق بے شمار
لیکن وہ سب تین (شخص) ناقص کچی پکائی کھانے والے تھے	اس میں بے شمار مخلوق کی قسمیں (تھیں)

یعنی اس کے اندر نوع خلایق بیشمار تھی لیکن وہ سارے تین خام پختہ کار تھے یعنی باوجودیکہ نوع' خلائق بیشمار تھی لیکن پھر بھی یہ تین کم ہمت ہی تھے۔

گر ہزار انست باشد نیم تن	جاں ناکردہ بجاناں تاختن
اگرچہ وہ ہزاروں ہوں آدھا شخص ہوں گے	جان کو جاناں کی طرف نہ کر کے دوڑنا

یعنی جان کو جاناں کیساتھ تاختہ نہ کئے ہوئے تو اگر ہزار ہوں تو وہ نیم تن ہے مطلب یہ کہ جس کو خدا سے تعلق نہ ہو وہ اگر ہزار بھی ہوں تو حقیقت کے اعتبار سے کچھ بھی نہیں ہیں۔اسی طرح اگرچہ اس شہر میں لاکھوں رہتے تھے مگر کچھ بھی نہ تھے اس لئے کہ خدا سے ان کو تعلق نہ تھا اور وہ لاکھوں ایسے تھے جیسے کہ صرف تین آدمی ہوں۔

از سلیماں کور و دیدہ پائے مور	آں یکے بس دور بیں و دیدہ کور
سلیمان کے بارے میں اندھا اور چیونٹی کا پاؤں دیکھنے والا	(ان میں سے) ایک اندھی آنکھوں والا دور تک دیکھ لینے والا

یعنی وہ ایک بہت دور بیں اور دیدہ کور (یعنی) سلیمان سے کور اور پائے مور کو دیکھے ہوئے۔مطلب یہ کہ دنیا میں دور بیں تھا مگر دین کے اعتبار سے اندھا تھا۔

گنج و دروی نیست یکجو سنگ وزر	واں دگر بس تیز گوش و سخت کر
خزانہ اور اس میں ایک جو کے وزن کا سونا نہیں ہے	دوسرا بہت تیز کان والا اور سخت بہرا

یعنی وہ دوسرا بہت تیز گوش اور بہت سخت بہرا ایک خزانہ تھا اور اس کے اندر ایک جو کی برابر ستا نہ تھا یعنی دنیا کے اعتبار سے تو بہت کچھ تھا مگر اصل میں دیکھو تو دین میں بہرا۔

لیک دامن ہائے جامہ او دراز	واں دگر عور و برہنہ لاشہ تاز
لیکن اس کے کپڑوں کے دامن بہت لمبے	دوسرا ننگا اور برہنہ مریل ٹٹو دوڑانے والا

یعنی اور وہ دوسرا ننگا برہنہ مفلس لیکن اس کے کپڑے کے دامن بہت دراز تھے یعنی دین کے اعتبار سے برہنہ تھا مگر ظاہری دامن بہت دراز تھے اب ان میں باتیں شروع ہوئیں۔

من ہمی بینم کہ چہ قوم اند و چند	گفت کور اینک سپاہے میرسند
میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ کونسی قوم اور کس قدر ہیں	اندھے نے کہا یہ سپاہی پہنچ رہے ہیں

یعنی اندھا بولا کہ یہ ایک گروہ پہنچتے ہیں اور میں ان کو دیکھ رہا ہوں کہ کون قوم ہے اور کتنے ہیں۔

گفت کر آرے شنیدم بانگ شاں	کہ چہ میگویند پیدا و نہاں
بہرے نے کہا' ہاں میں نے ان کی آواز سن لی	کہ وہ آہستہ اور زور سے کیا کہہ رہے ہیں

یعنی بہرے نے کہا کہ میں ان کی آواز سن رہا ہوں وہ جو کچھ کہ ظاہر یا پوشیدہ کہہ رہے ہیں۔

آں برہنہ گفت ترساں زاں منم	کہ ببرم از درازی دامنم
ننگا بولا' میں اس سے خوف زدہ ہوں	کہ لمبائی کی وجہ سے میرا دامن نہ کاٹ لیں

یعنی وہ برہنہ بولا کہ میں اس سے ڈر رہا ہوں کہ میرے دامن کی لمبائی نہ کاٹ لیں۔

کور گفت اینک بہ نزدیک آمدند	خیز بگریزم پیش از زخم و بند
اندھے نے کہا' اب وہ قریب آ گئے ہیں	اٹھ کر ہم پکڑے جاتے اور پٹنے سے پہلے بھاگ جائیں

یعنی اندھے نے کہا کہ یہ نزدیک آ گئے اٹھو ہم زخم اور بند سے پہلے بھاگ جائیں۔

کر ہمی گوید کہ آرے مشغلہ	می شود نزدیک تر یاراں ہلہ
بہرا کہہ رہا تھا کہ ہاں شور و غل	خبردار' اے دوستو! بہت نزدیک آ رہا ہے

یعنی بہرا کہتا تھا کہ ہاں یہ مشغلہ تو اے یارو بہت نزدیک ہوتا جاتا ہے خبردار رہو۔

آں برہنہ گفت آوہ دامنم	از طمع برند و من ناایمنم
ننگے نے کہا ' ہائے میرا دامن!	لالچ میں کاٹ لیں گے اور میں محفوظ نہیں ہوں

یعنی اس برہنہ نے کہا کہ آہ میرے دامن کو طمع کی وجہ سے کاٹ لیں گے اور میں بے خوف نہیں ہوں۔

شہر را ہشتند بیروں آمدند	وز ہزیمت در دہے اندر شدند
انہوں نے شہر چھوڑ دیا اور باہر نکل آئے	اور پسپائی سے وہ ایک گاؤں میں گھس گئے

یعنی انہوں نے شہر کو چھوڑ دیا اور باہر آ گئے اور بھاگنے کی وجہ سے ایک گاؤں میں چلے گئے۔

اندراں دہ مرغ فربہ یافتند	لیک ذرہ گوشت نے بر وے نژند
انہوں نے اس گاؤں میں ایک موٹا مرغ پایا	لیکن اس پر ذرہ برابر گوشت نہ تھا' لاغر تھا

یعنی اس گاؤں میں انہوں نے فربہ مرغ پائے لیکن ان پر ذرہ برابر گوشت نہ تھا اور بہت دبلے تھے۔

کور دید و آں کر آوازش شنید	عور بگرفت و بداماں در کشید
اندھے نے اس کو دیکھا اور بہرے نے اس کی آواز سن لی	ننگے نے اس کو پکڑ لیا اور دامن میں چھپا لیا

یعنی اندھے نے تو دیکھا اور اس بہرے نے اس کی آواز سنی اور ننگے نے پکڑ کر دامن میں رکھ لیا۔

مرغ مردہ خشک از زخم کلاغ	استخوانہا زارگشتہ چوں پناغ
مرغ مردہ کوے کی ٹھونگوں سے خشک (تھا)	ہڈیاں دھاگے کی طرح لاغر تھیں

یعنی مرغ مردہ اور زخم کلاغ میں خشک اور ہڈیاں تاگے کی طرح پتلی ہوگئی تھیں۔

پس طلب کردند دیگے یافتند	بے سرو بے بن سبک بشتافتند
انہوں نے تلاش کیا اور ایک دیگچی پائی	جس کے نہ سر تھا نہ تلی جلدی دوڑے

یعنی پھر انہوں نے تلاش کیا تو ایک دیگچی پائی بے سر اور بے تلی کے تو تیز دوڑے۔

برسر آتش نہادند آں سہ تن	مرغ فربہ رابدیگ اندر زفن
ان تینوں نے آگ پر رکھا	موٹے مرغ کو دیگچی میں ہنرمندی سے

یعنی ان تینوں نے اس مرغ فربہ کو دیگچی میں آگ پر فن سے رکھ دیا۔

آتشش کردند چنداں اے پسر	کاستخواں شد پختہ لحمش بے خبر
اے بیٹا! انہوں نے اس قدر پکایا	کہ ہڈیاں پک گئیں اس کے گوشت کو پتہ نہ ہوا

یعنی اے صاحبزادے ان کو اتنی آگ دی کہ ہڈیاں تو پک گئیں اور اس کا لحم بے خبر تھا۔

زاں ہمی خوردند چوں از صید شیر	ہر یکے از خوردنش چوں پیل سیر
انہوں نے اس کو اس طرح کھایا جس طرح شیر شکار کو	اس کے کھانے سے ہر ایک ہاتھی کی طرح پیٹ بھرا ہوگیا

یعنی ان سب نے اس میں سے ایسا کھایا جیسے کہ صید سے سیر اور ہر ایک اس کے کھانے سے مانند ہاتھی کے سیر تھا۔

ہر سہ زاں خوردند بس فربہ شدند	چوں سہ پیل بس بزرگ و مہ شدند
تینوں نے اس میں سے کھایا بہت موٹے ہوگئے	تین موٹے اور بڑے ہاتھیوں کی طرح ہوگئے

یعنی تینوں نے اس میں سے کھایا تو موٹے ہوگئے اور بڑے عظیم الشان ہاتھی کی طرح ہوگئے۔

آنچناں کز فربہی ہر یک جواں	در نہ گنجیدے ز زفتی در جہاں
ایسے کہ ہر ایک جوان موٹاپے کی وجہ سے	بھاری پن سے دنیا میں نہ سماتا تھا

یعنی ایسے (موٹے ہوئے) کہ موٹاپے کی وجہ سے ہر ایک جوان جہان میں نہ سماتا تھا۔

باچنیں گبزی و ہفت اندام زفت	از شگاف در بروں جستند تفت
ایسے موٹاپے اور ساتوں موٹے اعضاء کے باوجود	تیزی سے دروازے کی درز سے باہر نکل گئے

یعنی باوجود اتنے موٹاپے اور تن عظیم کے دروازہ کی دراز میں سے جلدی سے نکل گئے۔

مطلب یہ ہے کہ اہل دنیا جو دین کے اعتبار سے کوروکر اور برہنہ ہوتے ہیں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جو شے ڈرنے کی نہیں ہے اس سے خائف ہوتے ہیں جیسے کہ یہ لوگ اس لشکر سے ڈرے تھے اور کہا تھا کہ کہیں کوئی دامن نہ کاٹ لے وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب اہل دنیا ضرر سے بچنے کے لئے طمع نفع میں چلتے ہیں تو ظاہر میں تو ان کو نفع ہوتا ہے اور وہ اس کو نفع خیال کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ نفع ہی نہیں ہوتا جیسا کہ ان کو مرغ ملے مگر کمزور اور بے گوشت کے پھر جو اہل دنیا اس نفع سے متمتع ہوتی ہیں تو یہی صرف صورت ہوتی ہے واقع میں کچھ بھی نہیں ہوتا جیسے کہ ان لوگوں نے اپنے زعم میں کھالیا مگر اصل میں وہ کچھ بھی نہ تھا پھر اہل دنیا اپنے زعم میں بہت عظیم الشان ہو جاتے ہیں جیسے کہ یہ لوگ کھا کر خوب موٹے ہوئے تھے مگر موت کے ایک ذرا سے دراز میں سے نکل جاتے ہیں۔ آگے یہی شرح خود فرماتے ہیں کہ۔

راہ مرگ خلق ناپیدار ہی ست	درنظر ناید کہ آں بیجار ہی است
مخلوق کی موت کا راستہ پوشیدہ راستہ ہے	وہ دکھائی نہیں دیتا ہے کیونکہ لامکانی راستہ ہے

یعنی مخلوق کی موت کی راہ ایک ناپیدا راہ ہے کہ نظر میں نہیں آتی اس لئے کہ بے جاراہ ہے۔ یعنی موت کا راستہ ایک ایسا پوشیدہ اور ذرا سا ہے کہ آج تک کسی کو نظر نہیں آیا۔

نک پیاپے کاروانہا مقتفی	زیں شگاف درکہ ہست آں مختفی
قافلے پے در پے آگے پیچھے جا رہے ہیں	دروازے کی اس درز سے جو پوشیدہ ہے

یعنی یہ آگے پیچھے قافلے آنے والے جانے والے اس شگاف در سے (جا رہے ہیں) جو کہ مخفی ہے۔

بردرار جوئی نیابی آں شگاف	سخت ناپیدا وزد چندیں زفاف
اگر تو دروازے میں تلاش کرے گا وہ درز نہ پائے گا	بالکل پوشیدہ ہے اور اس میں سے اس قدر روانگی ہے

یعنی اگر دروازہ پھر کر تلاش کرو تو شگاف نہ پاؤ گے اور وہ سخت ناپیدا ہے اور اس میں اس قدر دوڑ دھوپ ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ جبکہ گفتگو ذکر حماقت تک پہنچی تو مجھے اہل سبا کا قصہ یاد آ گیا کہ ان کی احمقانہ گفتگو سے ان کا شہر سبا وبا ہو گیا تھا قبل اس کے کہ ہم ان کا قصہ بیان کریں اولاً ان کے شہر کی حالت بیان کرتے ہیں ان کا شہر معروف بہ سبا اس بڑے شہر کے مشابہ تھا جس کا ذکر تم لڑکوں کی کہانیوں میں سنتے ہو۔ بچے کہانیاں کہتے ہیں مگر ان کی کہانیوں میں بہت سے اسرار اور نصائح درج ہوتے ہیں اور گو وہ اپنی کہانیوں میں زٹلیات ہانکتے ہیں مگر تم کو تمام ویرانوں میں خزانوں کا متلاشی رہنا چاہئے۔ لہذا ان میں اسرار و نصائح کو ڈھونڈنا چاہئے ضرور ملیں گے۔ وہ کہانی یہ ہے کہ ایک بہت بڑا شہر تھا مگر مقدار میں سکورہ سے زیادہ نہ تھا وہ بہت بڑا اور بہت لمبا چوڑا تھا اور بہت گنجان اور پیاز کے چھلکوں کی طرح اوپر تلے بسا ہوا تھا اور آدمیوں کی یہ کثرت کہ دس شہروں کے آدمی اس میں

مجتمع تھے لیکن گنتی میں صرف تین منحوس تھے اور اس کے اندر مختلف قسم کی مخلوق تھی لیکن سب کو شمار کیجئے تو تین بیہودے اور پکی پکائی کے کھانے والے تھے اب مولانا بر سبیل اعتبار فرماتے ہیں کہ اگر ہزاروں آدمی ہوں اور ان کی جان طالب حق نہ ہو تو فی الحقیقت وہ آدھے کے برابر بھی نہیں یہ جملہ معترضہ بیان فرما کر پھر قصہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک تو ان میں تیز نظر اور اندھا تھا جو کہ سلیمان یعنی دیکھنے کے لائق چیز کو نہ دیکھتا تھا اور چیونٹی کا پاؤں یعنی نہ دیکھنے کے لائق چیزیں دیکھتا تھا دوسرا بہت سننے والا اور بہرا تھا اس لئے گویا کہ وہ ایک خزانہ تھا جس میں جو برابر بھی سونا نہ تھا۔ تیسرا ننگا اور مریل ٹٹو دوڑانے والا تھا لیکن دامن اس کے بہت بڑے بڑے تھے ان میں جو اندھا تھا اس نے کہا کہ کچھ لوگ آرہے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ کون لوگ ہیں اور کتنے ہیں اور جو بہرا تھا اس نے کہا کہ میں ان کی آواز سنتا ہوں کہ وہ زور زور اور چپکے چپکے کیا باتیں کرتے ہیں اور جو ننگا تھا اس نے کہا کہ مجھے اس کا خطرہ ہے کہ یہ میرا دامن دراز نہ کاٹ لیں اندھے نے کہا لو وہ تو قریب ہی آگئے ارے اٹھو اور بھاگو ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں ضرر پہنچائیں۔ اور قید کر لیں بہرے نے کہا کہ ارے ہاں ان کی آواز تو نزدیک ہوتی جاتی ہے۔ یارو ہوشیار ہو جاؤ۔ ننگے نے کہا کہ بہت ٹھیک ہے یہ لوگ حرص سے میرا دامن کاٹنا چاہتے ہیں اور مجھے ان کی طرف سے کھٹکا ہے تم ضرور بھاگو غرضکہ وہ بھاگے اور شہر کو چھوڑ کر باہر نکلے اور بھاگتے بھاگتے ایک گاؤں میں پہنچے۔ اس گاؤں میں ان کو ایک بہت موٹا تازہ مرغ ملا لیکن وہ بہت ہی دبلا تھا اور اس میں ذرہ برابر گوشت نہ تھا اندھے نے اسے دیکھا بہرے نے اس کی آواز سنی اور ننگے نے پکڑ کر دامن میں رکھ لیا۔ مرغ مرا ہوا اور سوکھا ہوا تھا اور کووں کی چونچوں سے ہڈیاں بھی سوکھ کر سوت کے تاروں کے مانند ہو گئی تھیں اس کے بعد انہوں نے ہانڈی تلاش کی تو ایک ہانڈی ملی جس کے نہ سر تھا نہ پیندی وہ جلدی سے دوڑے اور اسے لے لیا اور فوراً ہانڈی کو چولہے پر رکھ دیا اور اس موٹے تازہ مرغ کو اس میں اپنی ہوشیاری سے رکھ دیا۔ آگ اس کے نیچے اتنی جلائی کہ ہڈیاں گل گئیں اور گوشت کو آنچ بھی نہ لگی اس کے بعد انہوں نے اس کو کھایا جس طرح شیر شکار کو کھاتا ہے اور اس کو کھا کر ہر ایک ہاتھی کی طرح مگن ہو گیا اور اس کو کھا کر تینوں خوب موٹے تازے ہو گئے اور ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے تین بڑے بڑے موٹے تازے ہاتھی بلکہ اتنے موٹے ہوئے کہ ایک ایک ان میں عالم میں نہ سماتا تھا لیکن باوجود اس قدر فربہ اور عظیم الجثہ ہونے کے کواڑ کی درز میں سے فوراً نکل جاتے تھے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ راہ موت ایک غیر محسوس راستہ ہے اور اپنی مکانی نہ ہونے کے سبب دکھلائی بھی نہیں دیتا۔ لیکن مخلوق باوجودیکہ اتنی موٹی تازی ہے کہ اس میں کا ہر ایک فرد عالم میں نہیں سماتا کیونکہ وہ چاہتا ہے کہ سارا عالم میرا ہو اور اگر اس سے بھی زیادہ ہو تو وہ بھی میں ہی لے لوں مگر اس کے اس مخفی شگاف در سے یکے بعد دیگرے قافلے کے قافلے نکلے چلے جارہے ہیں اس دروازہ کا اس قدر باریک اور غیر محسوس شگاف ہے کہ اگر تم تلاش بھی کرو تو بھی دکھلائی نہ دے مگر باایں ہمہ اس میں کو اتنی جماعتیں کثیرہ نکل رہی ہیں۔ مولانا نے یہاں تک کہانی اور ضمناً اس کے بعض حقائق بیان کر دئے آگے اس کی شرح کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

شرح شبّیری

باز باید کرد شرح ایں بیاں	اے ضیاءُالحق حسام الدین عیاں
اس بیان کی پھر شرح کرنی چاہیے	اے ضیاء الحق حسام الدین واضح (طور پر)

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین ہاں اس بیان کی شرح پھر بیان کرنی چاہیے۔

آشنا را روئے در بیگانہ نیست	اے پسر ہر مختصر افسانہ نیست
جاننے والے کا رخ بیگانہ کی طرف نہیں ہے	اے بیٹا! ہر مختصر افسانہ نہیں ہے

یعنی اے لڑکے ہر مختصر افسانہ ہی نہیں ہے اور آشنا کے لئے رو بیگانہ میں نہیں ہے مطلب یہ کہ ہر کہانی کو صرف کہانی ہی مت سمجھو بلکہ اس سے نتائج نکالو آگے اس قصہ کی شرح بیان فرماتے ہیں۔

شرح اس اندھے تیز بین کی اور اس بہرے تیز سننے والے کی اور اس برہنہ دراز دامن کی

مرگ خود نشنید و نقل خود ندید	کر امل راداں کہ مرگ ما شنید
اپنی موت کو نہیں سنا اور اپنے منتقل ہونے کو نہ دیکھا	بہرا امید کو سمجھ کر اس نے ہماری موت (کی خبر) سنی

یعنی بہرا تو امل کو جانو کہ وہ ہماری موت کو سنتی ہے اور اپنی موت اور اپنی منتقل ہونے کو نہیں دیکھتی۔

عیب خلقاں او بگوید کو بکو	حرص نابینا ست بیند مو بمو
لوگوں کا عیب کوچہ بکوچہ بیان کرتا ہے	لالچ اندھا ہے بال بال دیکھتا ہے

یعنی حرص نابینا ہے کہ وہ مو بمو مخلوق کے عیب دیکھتی ہے اور کوچہ بکوچہ کہتی ہے۔

می نہ بیند گرچہ ہست او عیب جو	عیب خود یک ذرہ چشم کور او
نہیں دیکھتی اگرچہ وہ عیب جو ہے	اس کی اندھی آنکھ اپنا عیب ذرہ برابر بھی

یعنی اپنے کو اس کی اندھی آنکھ ذرہ برابر بھی نہیں دیکھتی اگرچہ وہ عیب جو ہے۔

دامن مرد برہنہ کے درند	عور می ترسد کہ دامانش برند
(حالانکہ) ننگے انسان کا دامن کب پھاڑتے ہیں؟	ننگا ڈرتا ہے کہ اس کا دامن کاٹ لیں گے

یعنی ننگے صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے دامن کو لے جاویں گے ارے ننگوں کے دامن کو کب پھاڑتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس کے پاس جب دامن ہی نہیں تو کوئی پھاڑے ہی گا کیا۔ مگر ان کی ڈر کے مارے پھونک نکلی جاتی ہے۔

مرد دنیا مفلس است و ترسناک	ہیچ او را نیست از دزدانش باک
دنی دار انسانؑ مفلس ہےؑ اور خوفزدہ ہے	اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس کو چوروں کا کیا ڈر؟

یعنی دنیادار مفلس ہے اور (پھر) خوفناک ہے اس کو چوروں سے کیا خوف اس لئے کہ

او برہنہ آمد و عریاں رود	و زغم دزدش جگر خوں میشود
وہ ننگا آیاؑ اور ننگا جائے گا	ور چور کے غم سے اس کا جگر خون ہوتا ہے

یعنی وہ برہنہ آیا اور عریاں ہی جاوے گا اور چوروں کے غم سے جگر خون ہوا جاتا ہے۔

وقت مرگ کہ بود صد نوحہ پیش	خندہ آید جانش را زیں ترس خویش
اس کے مرنے کے وقت جبکہ سینکڑوں نوحے پیشگی ہوتے ہیں	اس کی جان کو اپنے اس خوف سے ہنسی آتی ہے

یعنی اس کی موت کے وقت کہ پہلے سے سو نوحے ہوتے ہیں اس کی جان کو اس اپنی خوف سے ہنسی آتی ہے۔

آں زماں داند غنی کش نیست زر	ہم ذکی داند کہ بود او بے ہنر
اس وقت مالدار جان جاتا ہے کہ اس کے پاس مال نہیں ہے	(اور) ذہین بھی جان لیتا ہے کہ وہ بے ہنر تھا

یعنی اس وقت غنی جان لیتا ہے کہ اس کے پاس زر نہیں ہے اور ذکی بھی جان لیتا ہے کہ وہ بے ہنر تھا۔ آگے اہل دنیا کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں کنار کودکے پر از سفال	کو براں لرزاں بود چوں رب مال
جیسا کہ بچہ کی گود جو ٹھیکروں سے بھری ہوئی ہے	جو ان کے لئے ایسا لرزتا ہے جیسا کہ مالدار

یعنی بچوں کی گود کی طرح کہ وہ ٹھیکرے سے بھری ہوتی ہے اور وہ (بچہ) اس پر مال والوں کی طرح دوڑتا ہے (کہ کوئی ان ٹھیکروں کو چرا نہ لے۔

گر ستانی پارۂ گریاں شود	پارہ گر بازش دہی خنداں شود
اگر تو اس کا ٹھیکرا لے لےؑ تو وہ رونے لگے	اگر تو اس کو ٹھیکرا دوبارہ دے دے تو وہ ہنسنے لگے

یعنی اگر تم ایک ٹکڑا لے لو تو رونے لگے اور اگر پھر اس ٹکڑے کو دیدو تو خوش ہو جاوے۔

چوں نباشد طفل را دانش دثار	گریہ و خندش ندارد اعتبار
چونکہ بچے کو عقل کا لباس حاصل نہیں ہے	اس کا رونا اور ہنسنا اعتبار نہیں رکھتا ہے

یعنی جبکہ بچہ کو عقل کامل نہیں ہوتی تو اس کا رونا اور ہنسنا معتبر نہیں ہے۔

محتشم چوں عاریت را ملک دید	پس براں مال دروغیں می طپید
مالدار نے چونکہ مانگی ہوئی چیز کو ملکیت سمجھا	اس لئے اس غلط مال پر تڑپتا ہے

یعنی محتشم نے جب عاریت کو ملک سمجھا تو اس جھوٹے مال پر تڑپنا شروع کر دیا۔

خواب می بیند کہ او را ہست مال	ترسد از دزدے کہ برباید جوال
خواب دیکھتا ہے ' کہ اس کا مال ہے	چور سے ڈرتا ہے کہ تھیلا اڑا لے جائے گا

یعنی خواب دیکھتا ہے کہ اس کا مال ہے اور چوری سے ڈرتا ہے کہ کوئی گون اچک لے گا۔

چوں ز خوابش بر جہاند گوش کش	پس ز ترس خویش تسخر آیدش
جب کان کھینچنے والا اس کو نیند سے اٹھاتا ہے	تو اپنے خوف سے اس کو ہنسی آتی ہے

یعنی جب خواب سے اس کو کان کھینچنے والا اٹھا دیگا تو اس کو اپنے خوف پر ہنسی آوے گی۔

ہمچناں لرزانی ایں عالماں	کہ بودشاں علم وعقل ایں جہاں
اسی طرح کا ان ہنرمندوں کا خوف ہے	جن کو اس دنیا کا علم وعقل ہے

یعنی اسی طرح ان عالموں کا خوف ہے جن کو کہ اس جہان کا عقل وعلم ہوتا ہے۔

از پئے ایں عاقلاں ذوفنوں	گفت ایزد در نبی لا یعلمون
انہی ہنرمند عقلمندوں کے لئے	قرآن میں اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا "وہ نہیں جانتے"

یعنی ایسی ہی عاقلان ذوفنون کے واسطے حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں لایعلمون فرمایا ہے۔

ہر کسے ترساں زدزدیٔ کسے	خویشتن را علم پندارد بسے
ہر شخص کسی کے چرا لینے سے ڈرتا ہے	اپنا علم بہت سمجھتا ہے

یعنی ہر شخص دوسرے کی چوری سے ڈرتا ہے اور اپنے لیے علم عظیم جانتا ہے۔

گوید او کہ روزگارم می برد	خود ندارد روزگار سود مند
کہتا ہے کہ وہ میرا وقت برباد کرتا ہے	(حالانکہ) وہ خود مفید وقت نہیں رکھتا ہے

یعنی کہتا ہے کہ میرا وقت ضائع کرتے ہیں اور خود کوئی وقت نافع نہیں رکھتا۔

گوید از کارم بر آوردند خلق	غرق بیکاریست جانش تا بحلق
کہتا ہے کہ وہ میرا وقت برباد کرتا ہے	(حالانکہ) اس کی جان حلق تک بیکاری میں غرق ہے

یعنی کہتا ہے کہ لوگوں نے مجھے کام سے رکھا (حالانکہ) اس کی جان حلق تک بیکاری میں غرق ہے۔

عور ترساں کہ منم دامن کشاں	چوں رہانم دامن از چنگال شاں
ننگا ڈرتا ہے کہ میں دامن کھینچنے والا ہوں	ان کے چنگل سے اپنا دامن کس طرح چھڑاؤں

یعنی ننگا ڈرتا ہے کہ میں دامن کش ہوں تو ان کے چنگل سے دامن کس طرح چھڑاؤں۔

صد ہزاراں فضل داند از علوم	جان خود را می نداند آں ظلوم
علوم کی لاکھوں فضیلتیں جانتا ہے	وہ ظالم اپنی جان کو نہیں جانتا ہے

یعنی لاکھوں فضل وعلوم جانتا ہے اور وہ ظالم اپنی حقیقت کو نہیں جانتا۔

داندا و خاصیتے ہر جوہرے	در بیان جوہر خود چوں خرے
وہ ہر جوہر کی خاصیت جانتا ہے	اپنے جوہر کے معاملے میں گدھے کی طرح ہے

یعنی ہر ذات کی خاصیت کو جانتا ہے اور اپنی ذات کے جاننے میں گدھے کی طرح ہے اور کہتا ہے۔

کہ ہمی دانم یجو و لایجوز	خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز
کہ میں یجوز اور لایجوز کو جانتا ہوں	تو خود نہیں جانتا کہ تو حور ہے یا بڑھیا

یعنی کہ میں یجوز ولایجوز سب جانتا ہوں اور خود تو یہ نہیں جانتا کہ تو حور ہے یا بڑھیا۔ یعنی اپنی تو خبر نہیں اور ساری دنیا کی خبر لیتا پھرتا ہے ایک نسخہ ہے "خود ندانی تو یجوزی یا عجوز" اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تجھے خبر نہیں ہے کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ پر اطلاق حسن جائز ہو یا بڑھیا ہو مگر اس میں تکلف ہے نسخہ جو متن میں لکھا گیا ہے وہ ہی بے تکلف معلوم ہوتا ہے۔

ایں رواواں ناروا دانی و لیک	تو درو ایا ناروائی بیں تو نیک
تو یہ جانتا ہے یہ جائز ہے وہ ناجائز ہے لیکن	تو غور کر تو خود جائز ہے یا ناجائز

یعنی یہ روا ہے اور وہ ناروا ہے اس کو تو جانتا ہے لیکن تو خود (سکہ) چلنے والا ہے یا بے چلنے والا ہے اس کو اچھی طرح دیکھ یعنی یہ دیکھ قیامت میں تو سکہ روا ہے یا ناروا ہے اگر اس روا ناروا کو دیکھ لیا تو کام بن گیا ورنہ قسمت کو روؤ گے۔

قیمت ہر کالہ می دانی کہ چیست	قیمت خود را ندانے احمقیست
تو ہر سودے کی قیمت جانتا ہے کہ کیا ہے	تو اپنی قیمت نہیں جانتا، یہ حماقت ہے

یعنی ہر اسباب کی قیمت کو جانتا ہے کہ کیا ہے اور اپنی قیمت کو نہیں جانتا تو احمق ہے۔

سعد ہا و نحسہا دانستۂ	ننگری سعدی تو یا ناشستۂ
تو سعادتوں اور نحوستوں کو جانتا ہے	تو یہ غور نہیں کرتا کہ تو سعد ہے یا میلا

یعنی سعد ونحس کو تو تو جانتا ہے اور یہ نہیں دیکھتا کہ تو سعد ہے یا ناشستہ ہے

جاں جملہ علمہا اینست ایں	کہ بدانی من کیم در یوم دیں
تمام علوم کی جان دراصل یہی ہے	کہ تو جان لے کہ قیامت کے دن میں کون ہوں

که به بخشد جمله را جان ابد	جان جمله علمہا اینست خود
کہ وہ سب کو ابدی جان عطا کر دے	خود تمام علوم کی جان یہ ہے

یعنی تمام علوم کی جان یہی ہے یہی کہ تم یہ جان لو کہ قیامت میں تم کون ہو گے۔

بنگر اندر اصل خود کوہست نیک	آں اصول دیں بدانستی ولیک
اپنی اصل پر غور کر کہ وہ اچھی ہے	تونے دین کے اصول جان لئے لیکن

یعنی وہ اصول دین کے تو تونے جان لئے لیکن اپنی اصل میں دیکھ کہ وہ (علم) خوب ہے۔

کہ بدانی اصل خود اے مردمہ	از اصولیت اصول خویش بہ
اے بڑے شخص! کہ تو اپنی اصل کو جان لے	تیرے اصولی ہونے سے اپنے اصول بہتر ہیں

یعنی اصولی ہونے سے اپنے اصول بہتر ہیں کہ اے مرد بزرگ تم اپنی اصل کو جان لو۔ (تو دنیا میں یہی ہو رہا ہے کہ اپنی حقیقت اور اصل سے تو غافل ہیں اور دوسروں کے عیوب اور ان کی حقائق کو دیکھتے پھرتے ہیں) آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اے ضیاء الحق حسام الدین کہانی تو ختم ہوئی اب اس کی صاف صاف شرح کرنی چاہئے اور اس کی ضروری ضروری اسرار بیان کرنے چاہئیں۔ کیونکہ ہم نے محض کہانی ہونے کی حیثیت سے نہیں بیان کیا۔ اس لئے کہ ہر مختصر شے کہانی نہیں ہوتی اور عارف اس کو افسانہ ہونے کی حیثیت سے نہیں دیکھتا بلکہ اسکے متضمن اسرار ہونے کے لحاظ سے اس کو دیکھتا ہے۔ شرح اس کہانی کی یہ ہے کہ اس میں جو بہت سننے والا بہرا شخص ہے وہ امل اور امید ہے کیونکہ امل دوسروں کی موت تو خوب سنتی ہے کہ آج فلاں مر گیا اور کل فلاں مرا تھا لیکن وہ اپنی موت کی خبر نہیں سنتی اور اس خیال سے اپنا منتقل ہونا نہیں دیکھتی یعنی صاحب امل کو یہی خیال ہوتا ہے کہ میں کبھی نہ مروں گا۔ اسی لئے وہ کبھی دنیا کے جھگڑوں سے فارغ ہو کر موت کے لئے تیاری نہیں کرتا اور اس قصہ میں جو تیز نظر اندھا ہے وہ حرص ہے کہ وہ سب کے عیب دیکھتی اور بیان کرتی ہے مگر باوجود وہ عیب بینی میں منہمک ہے اس کی پھوٹی ہوئی آنکھ اپنا عیب ذرا نہیں دیکھتی۔ اس قصہ میں ایک ننگا اپنے دامن کے کاٹے جانے سے ڈرتا ہے اور اتنا نہیں سمجھتا کہ بھلا ننگے کے پاس دامن ہوتا ہی کہاں ہے جس نے کوئی کاٹے یا پھاڑے اس کی تاویل یہ ہے کہ دنیادار مفلس ہے۔ اول تو اس کے پاس اصلی مال ہی نہیں بلکہ خیالی ہے پھر وہ خیالی بھی اس کی ملک نہیں مگر وہ ڈرتا ہے کہ کہیں چوری نہ ہو جائے اور باوجودیکہ اس کا کچھ بھی نہیں لیکن اس کو چوروں کا کھٹکا ہے وہ تو ننگا ہی آیا تھا اور ننگا ہی چلا جاوے گا اور حالت اس کی یہ ہے کہ چور کی فکر میں اس کا جگر خون ہوا جاتا ہے مرنے

کے وقت جبکہ وہ اپنی تہی دستی پر ہزاروں آہ وفغاں کرتا ہوگا اس کی جان اس کے اس خوف پر ہنسے گی اور کہے گی کہ عجب احمق تھا جو چوری کے اندیشہ میں گھلا جاتا تھا۔ یہی وقت ہے جبکہ دولت مند کو معلوم ہوگا کہ وہ بالکل مفلس ہے اور اس کے پاس کوڑی بھی نہیں اور وہی وقت ہے جبکہ وہیں یہ نہ جانے گا کہ وہ تو کچھ نہ جانتا تھا کیونکہ جو فنون وہ جانتا تھا وہ فنون اس وقت بیکار ہوں گے اور جو ہنر کارآمد ہے وہ اس کو آتا نہ ہوگا اس لئے کہے گا کہ ہم بڑے احمق تھے کہ کام کی باتیں نہ سیکھیں اور فضولیات میں مصروف رہے دنیاوی دولتمندوں کی حالت ایسی ہے جیسے کسی لڑکے نے گود میں ٹھیکرے بھر رکھے ہوں کیونکہ جس طرح یہ لوگ اپنے مال کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں اسی طرح اس لڑکے کو بھی ان ٹھیکروں کے ضائع ہونے کا خوف ہوتا ہے چنانچہ اگر اس کے پاس سے کوئی ٹھیکرا لے لو تو فوراً رونے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا روپیہ لے لیا اور اگر ایک ٹھیکرا اسے دیدو تو خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھے روپیہ مل گیا۔ لیکن چونکہ لڑکے کو عقل نہیں ہوتی اس لئے نہ ٹھیکرے کے جاتے رہنے پر اس کا رونا کوئی چیز ہے اور نہ مل جانے پر اس کا ہنسنا کوئی شے ہے۔ بس یہی حالت دنیاوی دولت اور دولتمندوں کی ہے۔ بس ایک غلطی تو دولتمندوں کی یہ ہے کہ وہ اس کو دولت سمجھتے ہیں دوسری غلطی یہ ہے کہ وہ اس کے پاس عاریت ہونے کے اپنی ملک سمجھتے ہیں پس چونکہ یہ لوگ اس فرضی مال کو باوجود اس کے عاریت ہونے کے اپنی ملک سمجھتے ہیں اسی لئے اس کے لئے بے قرار ہوتے ہیں۔ ان کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص خواب دیکھ رہا ہو کہ میرے پاس مال ہے اور ڈر رہا ہو کہ مبادا کوئی چور میری خورجین اڑا لے جائے گا لیکن جبکہ کوئی شخص اس کا کان پکڑ کر اٹھا کر بٹھلا دیتا ہے تو وہ خود اپنے اوپر ہنستا ہے اور کہتا ہے کہ میں بھی عجب چیز ہوں کہ خواہ مخواہ پریشان ہو رہا تھا۔ بس یوں ہی یہ دولتمند بھی اس وقت خواب میں اپنے کو دولتمند جانتے اور اس دولت کے ضائع ہونے سے ڈرتے ہیں لیکن جب موت ان کو بیدار کرے گی اس وقت ان کو خود اپنے اوپر ہنسی آوے گی اور جیسے دولتمندوں کی خوف کی حالت ہے وہی حالت ان عالموں کی خوف کی ہے جو کہ علم و عقل دنیاوی رکھتے ہیں کیونکہ واقع میں یہ لوگ عقل و علم کچھ بھی نہیں رکھتے۔ چنانچہ قرآن خود ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتا ہے اور وہ ایسے ہی ہنرمند عاقلوں کو جاہل بتلاتا ہے اور کہتا ہے اولٰئک کالانعام بل ھم اضل وغیرہ مگر باایں ہمہ وہ اپنے کو بہت بڑا عالم جانتا ہے اور ہر شخص سے ڈرتا ہے کہ کہیں میرا علم نہ چرا لے یعنی ضائع نہ کردے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ لوگ میرا وقت برباد کرتے ہیں حالانکہ اس کے پاس نافع وقت ہی نہیں۔ نیز وہ کہتا ہے کہ لوگ مجھے کام نہیں کرنے دیتے حالانکہ وہ خود سر سے پاؤں تک بیکاری میں غرق ہے یہ ایک ننگا ہے جو کہتا ہے کہ میرے دامن بڑے بڑے اور زمین پر گھسٹتے چلتے ہیں اور سوچتا ہے کہ میں کیسے اپنا دامن لوگوں کے ہاتھوں سے چھڑاؤں۔ یہ شخص اپنے کو علوم کا بہت بڑا ماہر جانتا ہے لیکن واقع میں وہ ظالم اتنا جاہل ہے کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں وہ ہر جوہر کی خاصیت جانتا ہے لیکن اپنے جوہر کی حالت نہیں بیان کرسکتا۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں یجوز و لایجوز جانتا ہوں لیکن اس سے کوئی کہے کہ احمق تو اپنی نسبت تو یہ جانتا ہی نہیں کہ تو یجوز کہلانے کا مستحق ہے یا عجوز کہلانے کا یعنی تو یہ تو جانتا ہی نہیں کہ اس عقبہ

سے پار ہو جانے والا ہے یا بڑھیا کی طرح عاجز ہے۔

فائدہ:۔ واضح ہو کہ یہ معنی تو اس وقت ہیں جبکہ نسخہ "خود ندانی تو یجوزی یا عجوز" ہو اور اگر نسخہ خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز ہو جیسا کہ حضرت مجدد الملۃ والدین عم فیضہم نے فرمایا کہ مجھے تو یوں ہی یاد پڑتا ہے تو اس وقت معنے نہ ہونگے کہ تو اپنی نسبت تو جانتا ہی نہیں کہ تو جمیل الباطن ہے یا قبیح الباطن خبیثہ) تو یہ دوسری چیزوں کی نسبت تو جائز یا ناجائز ہونا جانتا ہے لیکن تجھے اپنی نسبت بھی تو جاننا چاہئے کہ تو بھی رونده راہ حق ہے یا نہیں تو ہر مال کی قیمت تو جانتا ہے مگر افسوس کہ تجھے اپنی قدر و قیمت معلوم نہیں کہ اصالتاً تو کتنا بیش قیمت ہیرا ہے اور اب تو نے اپنی کیا گت بنالی ہے لہذا یہ علم تیرا علم نہیں بلکہ سراسر حماقت ہے تو دوسری اشیاء کی سعادت و نحوست سے تو خوب واقف ہے مگر تجھے اپنا علم نہیں کہ تو سعد ہے یا نحس؛ حالانکہ تمام علوم کی روح تو یہ ہے کہ تو اپنی نسبت یہ جان لے کہ قیامت میں ہم کیا ہونگے تو نے دین کے اصول تو جان لئے مگر اب تجھ کو اپنی اصل کو بھی دیکھنا چاہئے کہ وہ فطرۃً اچھی ہے مگر تو نے اس کو بگاڑ دیا ہے (یا یوں کہو کہ تم کو اپنی اصل کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسی ہے کیونکہ یہ دیکھنا عمدہ بات ہے یا یوں کہو کہ تم کو اپنی اصل کو دیکھنا چاہئے کہ وہ اچھی بھی ہے یا نہیں) تمہارے اصولی ہونے سے تو یہ بہتر ہے کہ تم اپنی ذات کے اصولی ہو یعنی یہ جانو کہ تمہاری اصل کیا ہے اور اب تم کیا بن رہے ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس شہر میں صرف طول امل اور حرص اور اغترار بمال و کمال ظاہری تین چیزیں تھیں۔

شرح شبّیری

اہل سبا کی اکڑ اور ان کی ناشکری کا قصہ

اصل شاں بد بود اں اہل سبا	می رمیدندے ز اصحاب لقا
ان اہل سبا کی اصل؛ بری تھی	وہ بقا کے اسباب سے بھاگتے تھے

یعنی ان کی اصل بری تھی اس لئے اہل سبا اصحاب لقا سے بھاگتے تھے اصحاب لقاء سے مراد انبیاء کیونکہ ان کو لقای حق میسر ہوتا ہے۔

دادشاں چندیں ضیاع و باغ وراغ	از چپ و از راست از بہر فراغ
ان کو (اللہ نے) اس قدر جائیداد اور باغ اور چراگاہ دی	دائیں اور بائیں سے فراغت کے لئے

یعنی حق تعالیٰ نے ان کو اس قدر اسباب اور باغ وغیرہ چپ و راست سے فراغ کے واسطے دیا تھا کہ۔

بسکہ می افتاد از پری ثمار	تنگ می شد معبرہ بر رہگزار
کثرت کی وجہ سے پھل بہت گرتے تھے	چلنے والوں پر راستہ تنگ ہو جاتا تھا

یعنی پھل زیادتی کی وجہ سے اس قدر گرتے تھے کہ چلنے والوں کو رستہ تنگ ہو جاتا تھا۔

آں نثار میوہ رہ را می گرفت	از پری میوہ رہرو درشگفت
پھلوں کی بھیڑ راستہ روک دیتی تھی	پھلوں کی کثرت سے مسافر تعجب میں تھے

یعنی وہ میوہ کا گرنا راستہ کو گھیر لیتا تھا اور زیادتی میوہ کی وجہ سے چلنے والا تعجب میں ہوتا تھا۔

سلہ برسر بر درختستان شاں	پرشدے ناخواست از میوہ فشاں
ان کے باغوں میں سر پر کی ٹوکری	بغیر خواہش کے پھلوں کے جھڑنے سے بھر جاتی

یعنی ٹوکرا سر پر (رکھ کر) ان کے باغوں میں سے بے خواہش میوہ فشاں کے پر ہو جاتا۔

باد آں میوہ فشاندے بے کسے	پرشدے زاں میوہ دامنہا بسے
بغیر کسی شخص کے، ہوا پھل جھاڑتی	ان پھلوں سے بہت سے دامن بھر جاتے

یعنی ہوا اس میوہ کو بلا کسی آدمی کے گراتی تھی اور اس سے بہت سے دامن پر ہو جاتے تھے۔

خوشہ ہائے زفت تا زیر آمدہ	برسر ورو ئے رونده می زده
موٹے خوشے۔ نیچے کو لٹکے ہوئے	چلنے والے کے سر اور منہ کو لگتے

یعنی بڑے بڑے خوشے نیچے تک آئے ہوئے سر اور منہ چلنے والے پر لگتے تھے۔

مرد گلخن تاب از پری زر	بستہ بودے بر میاں زریں کمر
بھٹی جلانے والا سونے کی کثرت سے	کمر پر زریں پٹی باندھے رہتا ہے

یعنی بھڑبھونجا روپیہ کی زیادتی کی وجہ سے کمر میں زریں پٹکا باندھتا تھا۔

سگ کلیچہ کوفتے در زیر پا	تخمہ بودے گرگ صحرا از نوا
کتے پاؤں کے نیچے کلچے روندتے	غذا کی کثرت سے جنگل کے بھیڑیوں کو بدہضمی ہو جاتی

یعنی کتا کلیچہ کو پاؤں کے نیچے روند دیتا تھا اور غذا کی وجہ سے گرگ صحرا کو تخمہ ہو جاتا تھا۔

گشتہ ایمن شہر ودہ از دزد وگرگ	بزنہ ترسیدے ہم از گرگ سترگ
شہر اور گاؤں اور چور اور بھیڑیے سے محفوظ ہو گئے تھے	موٹے بھیڑیئے سے بکری بھی نہ ڈرتی تھی

یعنی شہر اور گاؤں چور اور بھیڑیئے سے بے خوف تھے اور بکری گرگ عظیم سے نہ ڈرتی تھی۔ اس لئے کہ بھیڑیئے کو شہر میں آنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی اس کو جنگل ہی میں اتنی غذا مل جاتی تھی کہ پھر اس کو ضرورت نہ رہتی تھی۔

جامۂ ایشاں اگر چرکیں شدے	آتش سوزندہ شاں صابون وبدے
اگر ان کے کپڑے میلے ہو جاتے	جلانے والی آگ ان کا صابون ہوتا

یعنی ان کے کپڑے اگر میلے ہو جاتے تو آگ جلانے والی ان کا صابون ہوتی۔

در تنور انداختندے جامہ را	بعد یک ساعت شدے خوش باصفا
وہ کپڑوں کو تنور میں ڈال دیتے	تھوڑی دیر کے بعد وہ اچھا صاف ہو جاتا

یعنی تنور میں کپڑے کو ڈال دیتے تو بعد ایک ساعت کے وہ خوش باصفا ہو جاتا تھا یعنی وہ آگ میں جلتا نہ تھا بلکہ صاف ہو جاتا تھا ممکن ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی آگ کو بھی اس قدر نرم کر دیا ہو کہ وہ نہ جلاتی ہو اور صاف کر دیتی ہو۔

گر بگویم شرح نعمتہائے قوم	کہ زیادت می شد آن یوماً فیوم
اگر میں قوم کی نعمتوں کی شرح کروں	جو روز بہ روز بڑھ رہی تھیں

یعنی اگر میں قوم کی نعمتوں کی شرح کروں کہ وہ دن پر دن زیادہ ہوا کرتی تھیں۔

مانع آید از سخنہائے مہم	انبیاء بردند امر فاستقم
تو وہ ضروری باتوں سے مانع بنے گی	انبیاء فاستقم کا حکم لے کر گئے

یعنی (ان باتوں کی شرح کرنا) مجھے ضروری باتوں سے مانع ہو جاوے گی اور انبیاء ان کے پاس امر فاستقم لائے یعنی جب اس قدر نعمتیں اہل صبا پر ہوئیں تو اب انبیاء نے فرمایا کہ ذرا استقامت اختیار کرو پھسل مت جانا۔

چوں ز حد بردند ناشکری چناں	غیرت حق کار گر شہ در زماں
جب انہوں نے اس طرح کی ناشکری حد سے زیادہ کی	اس وقت اللہ (تعالیٰ) کی غیرت کام میں لگ گئی

یعنی جب وہ لوگ ناشکری کو حد سے اس قدر لے گئے کہ غیرت حق اسی وقت کارگر ہو گئی یعنی غیرت حق ان کی اس حرکت سے جوش میں آگئی۔

تیرہ پیغمبروں کا اہل سبا کی نصیحت کے لئے آنا

سیزدہ پیغمبر آنجا آمدند	گمرہاں را جملہ رہبر می شدند
تیرہ پیغمبر وہاں آئے	گمراہوں کے سب رہبر بنے

یعنی اس جگہ تیرہ پیغمبر آئے کہ سارے گمراہوں کے لئے رہبر ہوتے تھے (اور فرماتے تھے کہ)

کہ ہلا نعمت فزوں شد شکر گو	مرکب شکرا رنجسپد حرکو
کہ خبردار! نعمت بہت ہو گئی، شکر کر	اگر شکر کی سواری سو گئی ہے، (اس کو) چلاؤ

یعنی کہ خبردار نعمت زیادہ ہو گئی ہے شکر کرو اور مرکب شکرا گر سو جاوے تو تم حرکت دیدو۔

شکر منعم واجب آمد در خرد	ورنہ بکشاید در خشم ابد
عقلی اعتبار سے، انعام دینے والے کا شکر ضروری ہے	ورنہ ابدی ناراضی کا دروازہ کھل جائے گا

یعنی منعم کا شکر کرنا عقل کے اعتبار سے بھی واجب آیا ہے ورنہ خشم ابدی کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

ہیں کرم بینید و ایں خود کس کند	کز چنیں نعمت بشکرے بس کند
ہاں کرم دیکھو اور یہ خود کون کرتا ہے؟	کہ اس قدر نعمتوں پر ایک شکر پر اکتفا کرے

یعنی ارے کرم تو دیکھو اور یہ کوئی کرتا ہے کہ اتنی نعمتوں پر شکر کو بس کرے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اتنی نعمتوں پر بہت تھوڑے شکر پر کفایت فرماتے ہیں مگر پھر بھی کوئی شکر نہ کرے تو اس کی بدبختی۔ آگے اس کے نظائر فرماتے ہیں کہ۔

سر بہ بخشد شکر خواہد سجدۂ	پا بہ بخشد شکر خواہد قعدۂ
وہ سر عنایت کرتا ہے، سجدہ کا شکر چاہتا ہے	پاؤں بخشا ہے، بیٹھنے کا شکر چاہتا ہے

یعنی سر بخشتے ہیں اور شکر میں ایک سجدہ چاہتے ہیں اور پاؤں بخشتے ہیں اور شکر میں ایک قعدہ مانگتے ہیں۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند	صد ہزاراں گل زخارے سر زند
نعمت کا شکر نعمت کو زیادہ بڑھاتا ہے	لاکھوں پھول کانٹے سے سر ابھارتے ہیں

یعنی نعمت کا شکر کرنا تمہاری نعمت کو زیادہ کرتا ہے اور لاکھوں پھول ایک خار سے ظاہر ہوتے ہیں یعنی ہمارے اس شکر سے جو کہ خار کی طرح ہے لاکھوں گل ظاہر ہوتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب تم کو اس شہر کی حالت معلوم ہو گئی تو اس کے رہنے والوں کا قصہ سنو۔ چونکہ اس شہر سبا کے رہنے والے بد اصل تھے اور ان کے قلوب مریض تھے اس لئے وہ حق بین حضرات (انبیاءؑ) سے بھاگتے تھے یہ تو اجمال ہے اب اس کی تفصیل سنو۔ حق سبحانہ نے بہت سا ملک اور بہت سے باغ اور جنگل ہر طرف ان کو عطاء کئے تھے تاکہ ان کو اطمینان قلب نصیب ہو اور وہ اس کو عبادت الٰہی کا ذریعہ بنا دیں ان کے تمول وتنعم کی یہ حالت تھی کہ چونکہ سڑکوں پر دو رویہ میوہ دار درختوں کی قطاریں تھیں اور میوے بکثرت گرتے تھے اس لئے رہگیروں کو چلنے کے لئے خالی راستہ نہ ملتا تھا۔ میوؤں کا ستھراؤ راستہ بند کر دیتا تھا اور اجنبی مسافر کو میووں کی کثرت سے حیرت ہوتی تھی اگر کوئی شخص ٹوکرا سر پر لئے ہوئے ان کے باغوں میں گزرتا تو بلا اس کے خواہش کے میووں کی گرنے سے ٹوکرا بھر جاتا تھا بدوں اس کے کہ کوئی شخص ان درختوں کو حرکت دے خود ہوا ان کو حرکت دیتی تھی اور بہت سے دامن میووں سے بھر جاتے تھے بڑے بڑے خوشے نیچے لٹکے ہوئے تھے جو چلنے والے کے منہ سے مس کرتے تھے۔ سونے کی کثرت سے بھڑ بھونجے کی یہ حالت تھی کہ کمر میں سونے کا پٹکا باندھ کر بھاڑ جھونکتا تھا کتوں کی یہ حالت تھی کہ کلچوں کو پاؤں میں روندتے اور منہ نہ لگاتے تھے۔ بھیڑیوں کی خوراک کی یہ حالت تھی کہ زیادہ کھانے سے اکثر بدہضمی میں مبتلا رہتے تھے چونکہ کثرت دولت سے استغنا بڑھا ہوا تھا اس لئے اہل شہر کو نہ چور کا کھٹکا تھا نہ بھیڑیئے کا اور چونکہ بھیڑیئے اپنی شکم

سیری کی وجہ سے بکریوں کی طرف توجہ نہ کرتے تھے اس لئے بکریوں کو بھی بھیڑیوں کا خطرہ نہ تھا ان لوگوں کو اگر کپڑا میلا ہو جاتا تھا تو وہ آگ جس کا کام جلانا ہے ان کے لئے خواہ بہ تسخیر استدراجی یا بہ سبب ہنر مندی ان کو صابون کا کام دیتی تھی۔ یعنی تھوڑی دیر کے لئے وہ اسے تنور میں ڈال دیتے تھے اور اس کا میل کچیل جل کر کپڑا نہایت صاف نکل آتا تھا۔ غرض ان کو بے حد تمول اور بے انتہا تنعم حاصل تھا۔ میں کہاں تک بیان کروں اس لئے کہ اگر میں ان کی نعمتوں کی تفصیل کروں جو یوماً فیوماً ترقی پذیر تھیں تو وہ مجھے ضروری باتوں سے مانع ہو جاویں گی۔ لہذا اسی قدر پر اکتفا کر کے اصل مقصد بیان کرتا ہوں۔ سنو انبیاء کو حکم ہوا کہ جس بات کا تم کو حکم ہوا ہے اس کو بجالاؤ اور انہوں نے اس کی تعمیل کی یعنی اہل سبا کی تبلیغ پر آمادہ ہوئے (یا یوں کہو کہ انبیاء ان کے پاس حق سبحانہ کا یہ حکم لے گئے کہ تم ٹھیک ہو جاؤ) کیونکہ جب باوجود ان نعمتوں کے ان کی ناشکری حد سے بڑھی تو غیرت حق نے اپنا کام کیا اور ان کی اصلاح کے لئے انبیاء کو بھیجا چنانچہ اس مقام پر تیرہ نبی متعاقباً یا مجتمعاً آئے اور ان کی رہبری کی اور فرمایا کہ دیکھو لوگو نعمت حق سبحانہ بہت بڑھ گئی ہے اب اس کا شکر بھی ادا کرنا چاہئے اور اگر اسپ شکر سو رہا ہے تو اسے ایڑ لگانی چاہئے یعنی اگر شکر میں فتور واقع ہو تو پھر نئے سرے سے مستعد ہو کر شکر کرنا چاہئے کیونکہ شکر منعم عقلاً واجب ہے اور ناشکری کی صورت میں تم قہر ابدی میں مبتلا ہو جاؤ گے تم غور تو کرو کہ کوئی ایسی عنایت بھی کرتا ہے جیسی حق سبحانہ کرتا ہے کہ اتنی بڑی نعمتوں کے مقابلہ میں معمولی شکر پر اکتفاء کرتا ہے مثلاً سر کی نعمت عطاء کرتا ہے اور اس کا شکر مقرر کیا ہے سجدہ جو کچھ بھی دشوار نہیں۔ اور پاؤں عطا کرتا ہے اس کا شکر کیا مقرر کیا ہے قعدہ و قیام وغیرہ معمولی اور آسان اور یہ بھی نہیں کہ وہ شکر گذشتہ نعمتوں ہی کا معاوضہ سمجھا جاوے بلکہ وہ اور نعمتوں کا بھی سبب ہوگا اور تمہاری نعمتیں اس سے اور بڑھیں گی اور کانٹوں میں لاکھوں پھول نکلیں گے یعنی وہ نعمتیں تم کو اس طریق سے پہنچیں گی کہ تم کو وہاں سے ملنے کا گمان بھی نہ ہوگا۔

شرح شبّیری

جواب قوم کا انبیاء علیہم السلام کو

قوم گفتہ شکر مارا بر دغول	ماشدیم از شکر و از نعمت ملول
قوم نے کہا ہمارا شکر بھوت لے گیا	ہم تو شکر اور نعمت سے عاجز ہیں

یعنی قوم نے کہا کہ ہمارے شکر کو بھوت لے گئے اور ہم تو شکر اور نعمت سب سے ملول ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ شکر تو وہ کرے جس کو نعمت سے راحت ملے ہم تو اس قدر نعمت ہونے سے اکتا گئے ہیں۔ لہذا ہم شکر کیا کریں۔

ماں چناں پژمردہ گشتیم از عطا	کہ نہ طاعت ماں خوش آید نے خطا
ہم بخشش سے ایسے پژمردہ ہو گئے ہیں	کہ نہ ہمیں عبادت اچھی لگتی ہے نہ گناہ

یعنی ہم تو اس عطا سے اس قدر پژمردہ ہو گئے ہیں کہ نہ طاعت ہم کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور نہ خطا۔

مانمی خواہیم نعمت ہا وباغ	مانمی خواہیم اسباب فراغ
ہم نعمتیں اور باغ نہیں چاہتے	ہمیں ذرائع اور فراغت کی خواہش نہیں ہے

یعنی ہم نعمتوں اور باغوں کے خواہشمند نہیں ہیں اور ہم اسباب فراغ کو نہیں چاہتے (نعوذ باللہ)

نعمتے چہ سیر شد جاں ما ازیں	شکر چہ گوئیم بر گوئید ہیں
نعمت کیا چیز ہے؟ اس سے ہماری طبیعت بھر گئی	کاہے کا شکر کریں ہاں بتاؤ؟

یعنی نعمت کیا ہوتی ہے ہماری تو جان اس سے سیر ہوگئی ہے ہم شکر کیا کریں ارے کچھ بتاؤ تو۔

یعنی یہ نعمت تو ہمارے سامنے مصیبت کو لاتی ہے تو شکر مصیبت بھی کسی نے کیا ہے اے جوان۔

انبیاء علیہم السلام کا قوم کو جواب دینا

انبیاء گفتند دردل علتے ست	کہ ازاں در حق شناسی آفتے ست
انبیاء نے فرمایا دل میں بیماری ہے	کہ اس کی وجہ سے حق کے پہچاننے میں نقصان ہے

یعنی انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ دل میں کوئی مرض ہے کہ اس کی وجہ سے حق شناسی میں آفت واقع ہو رہی ہے۔

نعمت ازوے جملگی علت شود	طعمہ در بیمار کے قوت شود
اس کی وجہ سے سب نعمتیں بیماری بن جاتی ہیں	کھانا بیمار میں قوت کب پیدا کرتا ہے؟

یعنی اس (علت) کی وجہ سے نعمت بھی علت ہو جاتی ہے اور بیمار میں کھانا کب قوت ہوتا ہے یعنی بیماری کی وجہ سے لذیذ کھانے بدمزہ ہو جاتے ہیں تو اسی طرح اس مرض قلبی کی وجہ سے نعمت علت ہو جاتی ہے۔

چند خوش پیش تو آمد اے مصر	جملہ ناخوش گشت وصاف او کدر
اے ضدی تیرے سامنے بہت سی اچھی چیزیں آئیں	سب ناخوش اور ان میں سے صاف، مکدر ہو گئیں

یعنی اے مصر (علی الذنوب) تیرے سامنے کتنی ہی عمدہ اشیاء آئیں (مگر) سب ناگوار اور ان (میں) کی صاف مکدر ہو گئیں (یہ سب اس مرض کی وجہ سے ہے)

تو عدوے ایں خوشیہا آمدی	گشت ناخوش ہر چہ بروے کف زدی
تو ان خوشیوں کا دشمن بن گیا	جس چیز پر تونے ہاتھ دھرا وہ ناگوار ہو گئی

یعنی تو ان عمدہ اشیاء کا دشمن ہو گیا ہے اور تو نے جس چیز پر ہاتھ مارا وہ بری ہو گئی۔

ہر کہ او شد آشنا و یار تو	شد حقیر و خوار در دیدار تو
جو تیرا واقف اور یار بنا	تیری نظر میں وہ حقیر اور ذلیل ہو گیا

یعنی جو شخص کہ وہ تمہارا آشنا اور یار ہے وہ تمہاری نظر میں حقیر و خوار ہو گیا ہے۔

پیش تو او پس مہ است و محترم	ہر کہ او بیگانہ باشد با تو ہم
وہ تیرے لئے بہت بڑا اور باعزت ہے	وہ جو تجھ سے بیگانہ بھی ہو

یعنی جو شخص کہ وہ تیری ساتھ بیگانہ ہوتا ہے وہ تیرے سامنے بہت عظیم و محترم ہے۔ مطلب یہ کہ جو خیر خواہ ہیں جیسے کہ انبیاء علیہم السلام ان کو تو بیگانہ سمجھتے ہو اور جو بیگانے ہیں ان کے آشنا ہوتے ہو۔

زہر او در جملہ خلقان ساری ست	ایں ہم از تاثیر آن بیماری ست
اس کا زہر تمام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے	یہ بھی اسی بیماری کی تاثیر ہے

یعنی یہ بھی اسی بیماری کی تاثیر کی وجہ سے ہے اور اس کا زہر ساری مخلوق میں سرایت کرنے والا ہے۔

شکر باآں حدث خواہد نمود	دفع آں علت بباید کرد زود
کہ اس کے ہوتے ہوئے شکر بھی گندگی نظر آتی ہے	اس بیماری کو فوراً دفع کرنا چاہیے

یعنی اس مرض کو جلدی ہی دفع کرنا چاہئے کہ اس کے ساتھ تو شکر بھی نجاست دکھائی دے گی۔

آب حیواں گر رسد آتش شود	ہر خوشے کاید بتو ناخوش شود
اگر آب حیات آتا ہے، آگ بن جاتا ہے	جو اچھی چیز تیرے پاس آتی ہے، بری ہو جاتی ہے

یعنی جو عمدہ شی کہ تجھ تک آوے وہ ناخوش ہو جاتی ہے اور آب حیواں اگر پہنچے تو آتش ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ اس مرض قلبی کی وجہ سے نافع شے بھی تمہارے پاس آ کر مضر ہو جاوے گی۔

مرگ گرد و زاں حیاتت عاقبت	کیمیاے مرگ و جسک ست آں صفت
بالآخر اس کی وجہ سے تیری زندگی موت بن جاتی ہے	یہ صفت، موت اور بے چینی کی کیمیا ہے

یعنی وہ صفت مرگ و ہلاکت کی کیمیا ہے اور اس سے تمہاری حیات آخر کار مرگ ہو جاوے گی۔ مطلب یہ کہ یہ مرض وہ بلا ہے کہ یہ حیات کو مبدل بہ مرگ کر دیتا ہے۔

چوں بیامد در تن تو گندہ شد	بس غذائے کہ زوے دل زندہ شد
وہ جب تیرے جسم میں آتی ہیں گندی ہو جاتی ہیں	بہت سی غذائیں ہیں، جن سے دل زندہ ہوتا ہے

یعنی بہت سی وہ غذائیں کہ ان سے دل زندہ ہوتا ہے جب تمہارے بدن میں آئیں تو وہ گندہ ہو گئیں۔

چوں شکارت شد برتو خوار شد	بس عزیزے کہ بناز اشکار شد
جب تیرا شکار بن گئے تیرے نزدیک ذلیل ہو گئے	بہت سے پیارے ہیں جو لاڈ پیار میں شکار ہوئے

یعنی بہت سے وہ معشوق کہ جو ناز کی وجہ سے آشکار ہو گئے تو جب وہ تیرے شکار ہوئے تو تیرے نزدیک خوار ہو گئے۔
مطلب یہ کہ بہت سے وہ حضرات جو اپنی شفقت کی وجہ سے تم پر شفیق ہوئے اور خود تمہارا ساتھ دیا مگر جب تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کی ذلت کی جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان میں ہمیشہ گستاخیاں کی ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

آشنائی عقل با عقل از صفا	چوں شود ہر دم فزوں باشد ولا
عقل کی عقل سے شناسائی خلوص سے	جب ہو جاتی ہے ہر لحہ دوستی بڑھتی ہے

یعنی عقل کی عقل کے ساتھ دوستی صفائی کے ساتھ جب ہوتی ہے تو دوستی ہر دم زیادہ ہی ہوتی ہے۔

آشنائی نفس با ہر نفس پست	تو یقیں می داں کہ ہر دم کمتر است
نفس کی ذلیل نفس سے شناسائی	تو یقین کر ہر دم گھٹتی ہے

یعنی نفس کی ہر نفس پست کے ساتھ آشنائی ہو تو تم یقیناً جان لو کہ دم بدم کم ہو گئے۔

زانکہ نفسش گرد علت می تند	معرفت را زود فاسد می کند
کیونکہ اس کا نفس کسی غرض کا چکر کاٹتا ہے	جان پہچان کو بہت جلد خراب کر دیتا ہے

یعنی اس لئے کہ اس کا نفس علت کے گرد تنتا ہے اور دوستی کو جلدی فاسد کر دیتا ہے۔

گر نخواہی دوست را فردا نفیر	دوستی با عاقل و با عقل گیر
اگر تو کل (قیامت) کو کسی دوست کو قابل نفرت نہیں دیکھنا چاہتا ہے	عقلمند اور عقل سے دوستی کر

یعنی اگر تو کل دوست سے نفرت نہیں چاہتا تو دوستی عاقل اور عقل کیساتھ اختیار کر۔

از سموم نفس چوں با علتے	ہر چہ گیری تو مرض را آلتے
چونکہ تو نفس کی زہریلی ہوا سے بیمار ہے	تو جو بھی لے گا مرض کا آلہ (کار) ہے

یعنی سموم نفس سے جب تو با علت ہے تو جو کچھ کہ تو لے گا تو مرض کے لئے آلہ ہوگا یعنی اگر اچھی بات بھی لے گا تو اس سے بھی مرض ہی کو ترقی ہوگی۔

گر بگیری گوہرے سنگے شود	ور بگیری مہر دل جنگے شود
اگر تو موتی لے گا وہ پتھر ہو جائے گا	اگر تو دل کی محبت اختیار کرے گا وہ دشمنی ہو جائیگی

یعنی اگر تو گوہر لے تو وہ ایک پتھر ہو جاوے اور اگر محبت قلبی اختیار کرے تو لڑائی ہو جاوے۔

ور بگیری نکتۂ بکر و لطیف	بعد درکت گشت بے ذوق و کثیف
اگر تو نیا پاک نکتہ حاصل کرے گا	تیرے پالینے کے بعد وہ بے ذوق اور گندا ہو جائے گا

یعنی اور اگر کسی نکتہ نو ولطیف کو لو گے تو تمہارے لینے کے بعد وہ بے ذوق اور کثیف ہو جاوے گا (اس لئے کہ تم اس کو سن کر کہتے ہو کہ)

کہ من ایں را بس شنیدم کہنہ شد	چیز دیگر گو بجز ایں اے عضد
کہ میں نے اس کو بہت سنا ہے' پرانا ہو گیا ہے	اے یار! اس کے علاوہ کچھ کہہ

یعنی میں نے اس کو بہت مرتبہ سنا ہے پرانا ہو گیا ہے تو اس کے سوائے قوت بازو کوئی اور چیز بیان کرو

چیز دیگر تازہ و نو گفتہ گیر	باز فردا ازاں شوی سیر و نفیر
فرض کرو کہ دوسری کوئی تازہ اور نئی بات کہی ہوئی ہو	پھر تو کل کو اس سے بھی دل بھرا اور متنفر ہو گا

یعنی کوئی دوسری تازی اور نئی بات کہی ہوئی فرض کر لو تو تم اس سے بھی تو کل کو سیر اور نفور ہو جاؤ گے۔ (تو پھر اور نئی بات مانگو گے پھر اور مانگو گے علی غیر النہایہ لہذا اب اس کا علاج یہ ہے کہ)

دفع علت کن چو علت خوشود	ہر حدیث کہنہ پیشت نو شود
کیونکہ بیماری عادت بن جاتی ہے بیماری کو دفع کر	ہر پرانی بات' تیرے لئے نئی ہو جائے گی

یعنی اس مرض کو دفع کر دے کہ جب مرض دفع ہو جاوے گا تو ہر بات پرانی تمہارے سامنے نئی ہو جاوے گی (اس لئے کہ تم اس کے الفاظ پر نظر نہ رکھو گے بلکہ اس سے جو نفع ہے اس پر تمہاری نظر ہوگی اور اس سے منتفع ہو گے تو گویا کہ ہر بات نئی بات ہوگی آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ)

تا کہ از کہنہ بر آرد برگ نو	بشگفاند کہنہ صد خوشہ ز گو
حتیٰ کہ پرانی (بات) نئے پتے نکالے گی	پرانی (بات) گڑھے میں سے سینکڑوں خوشے کھلائے گی

یعنی یہاں تک کہ کہنہ سے برگ نو نکلیں گے اور وہی کہنہ گڑھے میں سے سو خوشے نکالے گا۔ مطلب یہ کہ اسی کہنہ سے ہر بار منتفع ہو گے تو گویا کہ ہمیشہ نئی بات سنی اور تم کو ہر بار اس میں نیا لطف آوے گا تو بس اصل اس مرض کو کھو دو ساری باتیں آسان ہو جاویں آگے پھر ان انبیاءؑ کا اہل سبا کو جواب ہے فرماتے ہیں کہ۔

ما طبیبا نیم و شاگردان حق	بحر قلزم دید مارا فانفلق
ہم اللہ (تعالیٰ) کے شاگرد ہیں اور طبیب ہیں	ہمیں بحر قلزم نے دیکھا' تو وہ پھٹ گیا

یعنی ہم طبیب ہیں اور شاگردان حق تعالیٰ ہیں ہم کو بحر قلزم نے دیکھا تو وہ بھی پھٹ گیا یعنی متاثر ہوا۔ مطلب یہ کہ ہم حق تعالیٰ سے مستفیض ہیں اور ہم سے ہر شے متاثر ہوتی ہے مگر تم (یعنی اہل سبا ہی) متاثر نہیں ہوتے اور فرماتے ہیں کہ۔

آں طبیباں طبیعت دیگرند	کہ بدل از راہ نبضے بنگرند
جسمانی طبیب' دوسرے ہیں	جو دل کو نبض کے راستے سے دیکھتے ہیں

یعنی وہ طبیبان طبیعت دوسرے ہیں جو کہ دل کو نبض کی راہ سے دیکھتے ہیں۔

مابدل بیواسطہ خوش بنگریم	کز فراست ما بعالی منظریم
ہم بغیر واسطے کے دل کو خوب دیکھتے ہیں	کیونکہ فراست کی وجہ سے ہم بلند مقام پر ہیں

یعنی ہم دل کو بے واسطہ (نبض وغیرہ) کے اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں اس لئے کہ فراست کی وجہ سے ہم عالی منظر ہیں۔

آں طبیباں غذائیند و ثمار	جان حیوانی بدیشاں استوار
وہ غذاؤں اور پھلوں کے طبیب ہیں	حیوانی روح ان سے ٹھیک ہوتی ہے

یعنی وہ طبیب غذا کے ہیں اور ثمار کے کہ جان حیوانی ان سے درست رہتی ہے۔

ما طبیبان فعالیم و مقال	ملہم ما پرتو نور جلال
ہم قولوں اور فعلوں کے طبیب ہیں	اللہ (تعالی) کا نور ہم پر الہام کرنے والا ہے

یعنی ہم طبیب افعال واقوال کے ہیں اور ہمارا ملہم نور حق کا پرتو ہے یعنی ہم افعال واقوال کے ضرر ونفع کو بتاتے ہیں اور ہمارا مبتدا فیض نور حق ہے کہ اس سے مستفیض ہوکر مضر ونافع کی تشخیص کرتے ہیں اور بتادیتے ہیں کہ۔

کاینچنیں فعلے ترا نافع بود	وآنچناں فعلے زرہ قاطع شود
کہ ایسا فعل تیرے لئے نافع ہوگا	اور ایسا فعل راہ (حق) سے جدا کرنے والا ہوگا

یعنی کہ ایسا فعل تو تجھے نافع ہوگا اور ویسا فعل تجھے راستہ (حق) سے قاطع ہوگا۔

اینچنیں قولے ترا پیش آورد	وآنچناں قولے ترا نیش آورد
ایسی بات تجھے آگے بڑھائے گی	اور ایسی بات تیرے ڈنک مارے گی

یعنی ایسا قول تو تجھے آگے لاوے گا اور ویسا قول تیرے زخم لگادے گا۔ (غرضکہ مضر ونافع سب تمہیں بتادیتے ہیں)

آنچناں واینچنیں از نیک و بد	پیش تو بنہیم و بنمایم جد
ایسا اور ویسا اچھا اور برا	ہم تیرے سامنے رکھ دیتے ہیں اور اچھی طرح دکھادیتے ہیں

یعنی ایسے ویسے (سب) نیک وبد سے تیرے سامنے رکھ دیتے ہیں اور حقیقت کو دکھادیتے ہیں۔

گرتو خواہی ایں گزیں ورخواہی آں	زہر وشکر سنگ و گوہر شد عیاں
اگر تو چاہے اس کو اختیار کر تو چاہے اس کو	زہر اور شکر پتھر اور جوہر واضح ہو گیا

یعنی اگر تو چاہے تو اس کو قبول کر اور اگر چاہے اس کو زہر اور شکر اور سنگ و گوہر سب ظاہر ہوگیا ہے۔

ان طبیباں را بود بوئے دلیل	ویں دلیل مابود وحی جلیل
ان طبیبوں کو دلیل سے سراغ ملتا ہے	اور ہماری دلیل اللہ (تعالی) کی وحی ہوتی ہے

یعنی ان طبیبوں کے لئے تو پیشاب دلیل ہوتی ہے اور یہ ہماری دلیل وحی جلیل سے ہے۔

دست مزدے می نخواہیم از کسے	دست مزد مارسد از حق بسے
ہم کسی سے مزدوری نہیں چاہتے ہیں	ہمیں اللہ (تعالیٰ) سے بہت مزدوری ملتی ہے

یعنی ہم کسی سے اجرت نہیں مانگتے۔ ہماری اجرت تو حق تعالیٰ سے پہنچ رہی ہے۔ یہ شعر ترجمہ ہے۔ مااسئلکم علیه اجرا ان اجری الاعلیٰ رب العلمین کا اور فرماتے ہیں کہ۔

ہیں صلا بیماری ناسور را	داروے ما یک بیک رنجور را
آگاہ! ناسور کی بیماری کیلئے پکار ہے	ہماری دوا ہر ہر بیمار کے لئے ہے

یعنی ہاں بیماری ناسور کے لئے اعلان ہے اور ہماری دوا ایک ایک مرض کے لئے (مفت) ہے مطلب یہ کہ وہ حضرات اعلان فرماتے ہیں کہ دیکھو ناسور جو ایسی شے ہے کہ اس کا علاج ہی نہیں مگر ہم ناسور قلب کا علاج آج مفت کرتے ہیں اور ایک ایک کی دوا تقسیم کرتے ہیں جس کا دل چاہے علاج کرا وے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ تمہارے دل میں بیماری ہے جو کہ اشیاء کو علیٰ ماھی علیه دیکھنے سے مانع ہے جب وہ مرض دل کے اندر ہوتا ہے تو ہر نعمت اس سے روگ معلوم ہوتی ہے دیکھو اگر کوئی مریض ہو تو کتنی ہی غذائیں کھلاؤ کبھی قوت نہ آئے گی بلکہ اور مرض کی ترقی کا سبب ہوں گی کیونکہ وہ خلط فاسد کی طرف مستحیل ہوں گی اور خلط فاسد کے بڑھنے سے مرض میں زیادتی ہوگی پس جس طرح کہ یہاں اغذیہ نے اپنا برعکس اثر دکھلایا یہی حالت مرض قلب کے ساتھ نعمتوں کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جو اچھی چیز تمہارے سامنے آتی ہے تمہیں بری معلوم ہوتی ہے اور صاف شئے تم کو مکدر دکھلائی دیتی ہے اور اس لئے تم ان عمدہ اشیاء کے دشمن ہو رہے ہو اور جس چیز پر ہاتھ ڈالتے ہو تم کو بری معلوم ہوتی ہے نیز جو تمہارا دوست ہوتا ہے وہ تمہارے نظر میں حقیر اور ذلیل نظر آتا ہے اور جو بیگانہ ہوتا ہے وہ معزز اور مکرم سمجھا جاتا ہے۔ یعنی اہل اللہ حقیقت میں دوست ہیں ان کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اور اہل دنیا جو درحقیقت بیگانہ ہیں ان کی قدر کرتے ہو یہ بھی اسی وباء عام کا اثر ہے جس کا زہر تمام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے پس اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ اس مرض کو جس سے شکر پاخانہ دکھلائی دیگی بہت جلد دور کیا جائے کیونکہ تمہارا مزاج روحانی اعتدال سے منحرف ہو گیا ہے اور جو اچھی چیز تمہارے سامنے آتی ہے وہ تمہیں بری معلوم ہوتی ہے۔ اگر آب حیات بھی تمہارے پاس پہنچتا ہے تو وہ بھی تمہاری نظر میں آگ ہو جاتا ہے۔ اس سے انجام کار حیات روحانی مبدل بہ موت روحانی ہو جاتی ہے پس گویا کہ یہ موت اور رنج کی کیمیا ہے جو قلب ماہیت کر دیتی ہے نیز دیکھو تمہارا مزاج روحانی اعتدال سے اتنا منحرف ہو گیا ہے کہ جو غذائیں دل کو حیات بخشنے والی ہیں وہ تمہارے بدن میں جا

کر فاسد ہو جاتی ہیں اور بجائے مفید ہونے کے مرض بڑھاتی ہیں۔ اور بہت سے شکار ناز یعنی نازنین محبوب جو اس قابل ہیں کہ ان کی ناز برداری کی جاوے جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم ان کو منہ بھی نہیں لگاتے یہ کس قدر فساد مزاج ہے یاد رکھو کہ جب عقل غالب ہوتی ہے اور عقل کی عقل کے ساتھ دوستی ہوتی ہے اور نفسانیت کا شائبہ بھی نہیں ہوتا تو اس سے محبت میں روزانہ ترقی ہوتی ہے اور جب نفس کا غلبہ ہوتا ہے اور نفس کی کسی نفس کے ساتھ دوستی ہوتی ہے تو محبت دن بدن گھٹتی جاتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس ملابس مرض یعنی مریض شہوات واہواء ہے اس لئے دوستی میں بہت جلد بگاڑ پیدا کرتا ہے کیونکہ جب تک غرض حاصل ہوتی رہے گی دوست رہے گا اور جب غرض حاصل ہو جاوے گی یا اس کی امید منقطع ہو جاوے گی الگ ہو جاوے گا۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ کل کو دوست سے بگاڑ اور تنفر نہ ہو تو عاقل اور عقل سے دوستی کرنی چاہئے۔ یاد رکھو کہ جب تک تم اثر نفس سے مریض ہو اس وقت تک تمہاری یہی حالت رہے گی کہ جو چیز تم کھاؤ گے وہ مرض بن جاوے گی اور ہر شے تم کو خلاف ما ہی علیہ دکھلائی دے گی۔ مثلاً لو گے تم موتی اور تم کو نظر آئے گا پتھر کرو گے محبت انجام کار بن جائے گی دشمنی اور سمجھو گے ایک نازک اور نئی بات اور سمجھنے کے بعد ہو جاوے گی بے مزہ اور بھدی اور تم کہو گے کہ یہ تو میں سن چکا اور پرانی بھی ہو گئی اب کوئی اور نئی بات سناؤ اچھا فرض کرو کہ اور نئی بات بھی کہی گئی مگر پھر کیا وہ بھی کل کو معمولی اور قابل نفرت ہو جائے گی۔ اور یوں سلسلہ جاری رہے گا۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ یہ خرابیاں دفع ہوں تو ان کی جڑ کو کاٹو اور اس مرض کو دفع کرو جو ان آثار کا منشاء ہے پس جبکہ وہ مرض منقطع ہو جائے گا تو ہر پرانی بات میں بھی تم کو نئی ہی کا مزہ آوے گا اور اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ پرانے ہی درختوں میں نئی شاخیں نکلیں گی اور وہ پرانے ہی درخت سینکڑوں خوشے نکالیں گے یعنی وہی باتیں جو اس تم کو اساطیر الاولین نظر آتی ہیں یا پرانی باتوں کی طرح بے مزہ معلوم ہوتی ہیں۔ ہزاروں طرح کے ثمرات محمودہ بخشیں گے تم امراض جسمانیہ کے معالجہ کی طرف تو توجہ کرتے ہو اور ان متعارف طبیبوں سے رجوع کرتے ہو لیکن تم امراض روحانیہ کے معالجہ کی کیوں فکر نہیں کرتے اور ہم سے کیوں بھاگتے ہو۔ دیکھو تو سہی ہم میں اور ان میں کس قدر تفاوت ہے۔ ہم وہ طبیب ہیں جنہوں نے حق سبحانہ سے تعلیم حاصل کی ہے اور بحر قلزم بھی ہم کو جانتا اور ہماری قدر کرتا ہے کہ ہم کو دیکھ کر پھٹ جاتا ہے اور راستہ دیدیتا ہے۔ ہم وہ اطباء طبیعت نہیں جو دل کے بعض حالات نبض سے ظناً معلوم کرتے ہیں وہ اور لوگ ہیں ہم تو دل کو خوب اچھی طرح اور براہ راست بلاتوسط نبض عیاناً دیکھتے ہیں کیونکہ ہم فراست کے مقام عالی پر ہیں۔ نیز وہ لوگ تو غذاؤں اور پھلوں کے طبیب اور ان کا نفع نقصان جاننے والے اور ان سے روح حیوانی کو تقویت دینے والے ہیں اور ہم طبیب افعال واقوال ہیں ہم کو ان کے خواص پرتو نور حق سبحانہ سے معلوم ہوئے ہیں اور اس پرتو ہی سے ہم کو معلوم ہوا ہے کہ فلاں کام تمہارے لئے نافع ہے اور فلاں فعل تم کو راہ حق سے جدا کرنے والا ہے اور فلاں بات تم کو راہ حق میں آگے بڑھائے گی اور فلاں بات تم کو نقصان پہنچاوے گی اور سب ہم تمہارے سامنے رکھ دیتے ہیں اور ان کی مضرتوں اور منفعتوں کو اچھی طرح دکھلا دیتے ہیں۔ اس کے بعد تم کو اختیار حاصل ہے خواہ اشیاء نافع کو لے لو خواہ ضارہ کو تمہارے سامنے موتی اور پتھر بالکل صاف رکھے ہوئے ہیں۔ نیز وہ

طبیب تو قارورہ سے بعض احوال پہچانتے ہیں اور ہم کو وحی حق سبحانہ سے معلوم ہوتے ہیں۔ نیز وہ فیس لیتے ہیں اور ہم فیس بھی نہیں لیتے بلکہ ہماری فیس خزانہ شہنشاہ حقیقی سے ملتی ہے پس جبکہ ہمارے علم میں اور ان کے علم میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے اور ہماری تشخیص اور ان کی تشخیص میں بھی زمین آسمان کا بل ہے اور وہ مرض جس کا ہم علاج کرتے ہیں اس مرض سے کہیں زیادہ مہتم بالشان ہے جس کا متعارف طبیب معالجہ کرتے ہیں اور ہم ان کی طرح فیس بھی نہیں لیتے جس سے ہماری خیر خواہی و شفقت بہ نسبت ان کی شفقت کے کہیں زیادہ ظاہر ہوتی ہے نیز اس میں کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا کہ بخل ہی مانع ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم ہم سے علاج نہیں کراتے دیکھو ہوش میں آؤ اور اپنے معالجہ کی فکر کرو ہم عام اعلان کرتے ہیں کہ ہم عسیر البرء امراض کا علاج کرتے ہیں اور ہر بیمار کو بلا امتیاز اپنے شفا خانہ سے مفت اور بلا کسی فیس یا قیمت کے دوا دیتے ہیں جس کا جی چاہے ہم سے علاج کرائے۔

شرح شبّیری

قوم سبا کا انبیاء علیہم السلام سے معجزوں کی درخواست کرنا

کو گواہ علم و طب نافعی	قوم گفتند اے گروہ مدعی
نفع رساں طب اور علم کا کون گواہ ہے؟	قوم نے کہا اے دعوے دارو!

یعنی قوم نے کہا کہ اے گروہ مدعی (نبوت اس) علم طب نافع کا گواہ کہاں ہے مطلب یہ کہ تم جو کہتے ہو کہ ہمارے پاس وہ علم طب ہے کہ جو بڑے بڑے امراض کا علاج کر سکتا ہے تو اس کے لئے کوئی گواہ بھی تو ہونا چاہئے جو اس علم کے نافع ہونے کو بتادے اور کہے کہ

ہمچو ما باشید و دردہ می چرید	چوں شما بستہ ہمیں خواب و خورید
ہماری طرح۔ بنو اور گاؤں میں کھاؤ پیو	جبکہ تم بھی اسی سونے اور کھانے کے پابند ہو

یعنی (اے گروہ انبیاء) جب تم اسی خواب وخور کے مقید ہو اور ہماری طرح رہتے ہو اور گاؤں میں کھاتے پیتے ہو۔

کے شما صیاد سے مرغ دلید	چوں شما در دام ایں آب و گلید
تو تم دل کے سیمرغ کے شکاری کہاں ہو؟	جبکہ تم اسی پانی اور مٹی کے جال میں ہو

یعنی جبکہ تم اسی آب و گل کے دام میں ہو تو تم سے مرغ دل کے صیاد کب ہو سکتے ہو۔ مطلب یہ کہ جب تم ہماری طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہو پھر تمہارے اندر کونسی بات زیادہ ہے جو تم پیمبر اور طبیب روحانی کہلانے کے مستحق ہو بلکہ۔

کہ شمارد خویش از پیغمبراں	حب جاہ و سروری دارد براں
کہ اپنے آپ کو پیغمبروں میں شمار کرے	رتبہ اور سرداری کی محبت اس پر آمادہ کرتی ہے

یعنی حب جاہ و سرداری اس پر کہتی ہے کہ اپنے کو پیغمبروں سے گنے یعنی تم میں سے ہر ایک کو حب جاہ نے اس پر مجبور کیا ہے کہ دعوے نبوت کا کرتے ہو ورنہ اگر حب جاہ نہ ہوتی تو کبھی تم ایسا دعوے نہ کرتے۔

ما نخواہیم اینچنیں لاف و دروغ	کردن اندر گوش وافتادن بدوغ
ہم اس طرح کی شیخی اور جھوٹی نہیں چاہتے	سننا اور چھاچ میں گرنا

یعنی ہم ایسے لاف و دروغ کو کان میں کرنا اور فریب میں پڑنا نہیں چاہتے۔ مطلب یہ کہ جب ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے اور تم دعویٰ نبوت کا کرتے ہو تو بھلا ہم ایسی شیخی اور دروغ کو کس طرح مان لیں۔

انبیا گفتند کایں زاں علت است	مایۂ کوری حجاب رویت است
انبیاء نے کہا یہ (باتیں) اسی بیماری کی وجہ سے ہیں	اندھے پن کا سرمایۂ دیدار کا پردہ ہے

یعنی انبیاء نے فرمایا کہ یہ اسی مرض کی وجہ سے ہے اور کوری کی اصل رویت (حق) کا حجاب ہے۔ یعنی تمہارا مرض اور تمہاری کوری تمہیں رویت حق سے مانع ہو رہی ہے اور فرمایا کہ۔

دعویٰ مارا شنید و شما	می نہ بینید ایں گہر در دست ما
تم نے ہمارا دعویٰ سن لیا اور تم	ہمارے ہاتھ میں اس جوہر کو نہیں دیکھتے ہو؟

یعنی تم نے (صرف) ہمارے دعویٰ کو تو سن لیا اور ہمارے ہاتھ میں اس گوہر (نبوت) کو دیکھتے نہیں یعنی تم اس گوہر نبوت کو دیکھتے نہیں حالانکہ یہ اس قدر درخشاں و تاباں ہے کہ اس کے لئے گواہ کی خود ضرورت ہی نہیں مگر جو کوئی نہ دیکھے تو اس کا علاج ہی کیا ہے۔

امتحانست ایں گہر مر خلق را	ماش گردانیم گرد چشمہا
یہ جوہر لوگوں کی آزمائش ہے	ہم اس کو آنکھوں کے گرد گھما رہے ہیں

یعنی یہ گوہر مخلوق کے لئے ایک امتحان ہے اور ہم اس کو آنکھوں کے گرد پھرا رہے ہیں۔

ہر کہ گوید کو گوا گفتش گواست	کو نمی بیند گہر حبس عماست
جو (یہ) کہے کہ گواہ کہاں ہے اس کی بات (خود) گواہ ہے	کہ وہ جوہر کو نہیں دیکھ رہا ہے اندھے پن کا قیدی ہے

یعنی جو شخص کہ کہتا ہے کہ گواہ کیا ہے اس کا قول خود گواہ ہے کہ وہ گوہر کو نہیں دیکھتا اور محبوس عمیٰ ہے۔ مطلب یہ کہ یہ گوہر نبوت جو اس قدر درخشان و تاباں اور ظاہر ہے یہ مخلوق کے امتحان کے لئے ہے کہ معلوم ہو کہ کون اس کو دیکھتا ہے اور کون اس سے اندھا ہے تو ہم اس کو آنکھوں کی گرد پھرا رہے ہیں اب بھی اگر کوئی اس پر گواہ کو طلب کرتا ہے تو اس کا یہ طلب گواہ خود اس کے اندھے ہونے کا گواہ ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اندھا ہے اس کو بصیرت حاصل نہیں ہے۔ آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

آفتابے در سخن آید کہ خیز	کہ برآمد روز و برجہ کم ستیز
سورج کہے کہ اٹھ	دن نکل آیا! اٹھ جا مخالفت نہ کر

یعنی ایک آفتاب گفتگو میں آوے کہ اٹھ اس لئے کہ دن نکل آیا اٹھ جا مخالفت مت کر۔

تو بگوئی آفتابا کو گواہ	گویدت اے کوراز حق دیدہ خواہ
تو کہے اے آفتاب! گواہ کہاں ہے؟	تجھ سے وہ کہے گا اے اندھے! اللہ (تعالیٰ) سے آنکھ مانگ

یعنی تو کہے کہ اے آفتاب (اس امر کا) گواہ کون ہے تو وہ تجھے کہے گا کہ ارے احمق حق تعالیٰ سے آنکھ مانگ۔ مطلب یہ کہ مثلاً آفتاب جو تم سے آکر کہے کہ اٹھو دن ہوگیا ہے اور تم اس سے کہو کہ کون گواہ ہے اس امر کا کہ دن ہوگیا ہے تو وہ یہی کہے گا اندھے تجھے علامت اور گواہ نظر نہیں آتا کہ جو تجھے کہہ رہا ہے وہی علامت گواہ ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ طریق حق آگیا ہے اس کو قبول کرو تم ان سے گواہ طلب کرتے ہو تو یاد رہے کہ اپنے دعوے کے وہ خود ہی گواہ ہیں ان کا تشریف لانا خود طریق حق کا واضح ہوتا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید ازوے رومتا

روز روشن ہر کہ او جوید چراغ	عین جستن کوریش باشد بلاغ
جو شخص روشن دن میں چراغ ڈھونڈے	یہ ڈھونڈنا ہی اس کے اندھے پن کا اعلان ہے

یعنی روز روشن میں جو شخص کہ چراغ کو تلاش کرے تو بیہودگی سے خود اس کی یہ تلاش کوری رکھتی ہے یعنی اگر کوئی روز روشن میں یہ کہے کہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا معلوم ہوتا ہے کہ رات ہوگئی ہے اور اندھیرا چھا گیا ہے لہٰذا چراغ لاؤ تو اس کا یہ کہنا ہی خود اس کے اندھے ہونے کی علامت ہے۔

ورنہ می بینی گمانے بردۂ	کہ صباح ست و توانڈر پردۂ
اگر تو نہیں دیکھتا ہے تو نے (محض) ایک گمان کیا ہے	کہ صبح ہوگئی ہے، اور تو پردے میں ہے

یعنی اور اگر تو دیکھتا نہیں ہے اور ایک گمان لے گیا ہے کہ صباح ہے اور تو پردہ میں ہے۔

کوریٔ خود را مکن زیں گفت فاش	خامش و در انتظار فضل باش
اس گفتگو سے اپنے اندھے پن کو ظاہر نہ کر	چپ رہ اور (اللہ کے) فضل کا انتظار کر

یعنی اس کہنے سے اپنے اندھے پن کو ظاہر مت کر خاموش اور انتظار فضل (حق) میں رہ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آفتاب نبوت تم کو نظر نہیں آتا تو یہ تو طبعی امر ہے کہ کسی بات کو سن کر ایک شبہ دل میں پڑ جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ صحیح ہے تو اس کو سن کر تمہیں شبہ تو ہونا چاہئے کہ ممکن ہے کہ یہ نبی ہوں مگر ہم کو نظر نہ آتا ہو اور ہمیں بصیرت نہ ہو اتنا سمجھو اور مخالفت مت کرو بلکہ مخالفت سے خاموش رہ کر طلب اور جستجو کرو اور پھر فضل حق کا انتظار کرو ان شاء اللہ

اگر مخالفت وعناد نہ ہوگا اور طلب ہوگی تو حق ضرور واضح ہو جاوے گا اور فضل حق منعطف ہوگا باقی اس آفتاب نبوت کا انکار کر کے اپنے اندھے ہونے کو ظاہر مت کرو کیا فائدہ ہے بس مخالفت تو کرو مت (خامش سے یہی مراد ہے) اور طلب کرتے رہو حق ان شاء اللہ خود واضح ہوگا اور یہ ہوگا کہ۔

فضل بے علت مگر دریا بدت	زیں شقاوت روئے دل برتابدت
شاید بے غرض فضل تجھے حاصل ہو جائے	اس بدبختی سے تیرے دل کا رخ موڑ دے

یعنی فضل (حق) بلا سبب (ظاہری) کے شاید تم کو پالے اور اس شقاوت سے تیرے روئے دل کو پھیر دے مطلب یہ کہ بلا تدابیر ظاہری ان شاء اللہ فضل حق تمہیں پالے گا اور اس بدبختی سے تم کو نجات دے دے گا۔

ورنہ ماندی در چنیں کوری ابد	آئینہ پنہاں شد از تو در نمد
ورنہ تو ہمیشہ ایسے ہی اندھے پن میں رہے گا	آئینہ تجھ سے، نمدے میں چھپ گیا ہے

یعنی اور اگر تو ایسی ہی کوری ابدی میں رہے تو آئینہ تجھ سے نمدے میں پوشیدہ ہو گیا ہے مطلب یہ کہ اگر اب بھی نہ دیکھے تو بس ایسا ہے جیسے کہ آئینہ نمدے میں پوشیدہ کر دو تو وہ موجود تو ہے پاس مگر دکھائی نہیں دیتا اور اس سے منتفع نہیں ہو سکتے۔

درمیان روز گفتن روز کو	خویش رسوا کردن است اے تندخو
دن میں کہنا کہ دن کہاں ہے؟	اے بد مزاج! اپنے آپ کو رسوا کرنا ہے

یعنی دن میں یہ کہنا کہ دن کہاں ہے اے تند خو اپنے کو رسوا کرنا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کی مخالفت کرنا خود اپنے کو رسوا کرنا ہے سب کو معلوم ہو جاوے گا کہ اس کو بصیرت حاصل نہیں ہے بلکہ اندھا ہے۔

صبر و خاموشی جذوب رحمت است	ویں نشان جستن نشان علت است
صبر اور خاموشی رحمت کو کھینچنے والی ہے	اور یہ دلیل طلب کرنا بیماری کی علامت ہے

یعنی صبر و خاموشی جاذب رحمت ہے اور یہ نشان تلاش کرنا نشانی مرض کی ہے۔ صبر و خاموشی سے مراد مخالفت نہ کرنا ہے یعنی حضرات انبیاء کی مخالفت نہ کرنا یہ جاذب رحمت ہے اور صرف اس سے کہ مخالفت نہ ہو اکثر فضل حق ہو جاتا ہے۔

انصتوا بہ پذیر تا بر جان تو	آید از جانان جزائے انصتوا
انصتوا کو قبول کر لے تاکہ تیری جان پر	محبوب کی طرف سے انصتوا کا بدلہ آئے

یعنی انصتوا تو قبول کر تا تیری جان پر جانان کی طرف سے انصتوا کی جزا آوے۔ مطلب یہ کہ قرآن شریف میں ہے انصتوا لعلکم ترحمون انصتوا پر ترحمون کو محمول کیا ہے لہٰذا اگر تم مخالفت اہل اللہ وانبیاء سے انصات کرو گے تو وہ محمول تم پر مرتب ہو جاوے گا۔

گر نخواہی نکس پیش ایں طبیب	بر زمین زن زود سر را اے لبیب
اگر تو (بیماری کی) پلٹ نہیں چاہتا ہے اس طبیب کے سامنے	اے ذہین سر کو جلد زمین پر رکھ دے

یعنی اگر تو عود مرض نہیں چاہتا تو اے لبیب زمین پر اس طبیب کے سامنے سر ٹیک یعنی عود مرض کو جو سخت مہلک ہے اگر تم نہیں چاہتے تو مخالفت ترک کردو اور اطاعت اختیار کر دان شاء اللہ پھر ایسا نہ ہوگا۔

گفت افزوں را تو بفروش و بخر	بذل جان و بذل جاہ و بذل زر
زیادہ گفتگو کو بیچ ڈال اور خرید لے	جان کی قربانی اور رتبہ کی قربانی اور مال کی قربانی

یعنی زائد باتوں کو تو فروخت کردو اور بذل جان اور بذل جاہ اور بذل سر کو خرید لو۔

تا ثنائے تو بگوید فضل ہو	کہ حسد آرد فلک برجاہ تو
تاکہ اللہ (تعالیٰ) کا فضل تیری ایسی تعریف کرے	کہ تیرے رتبے پر آسمان حسد کرے

یعنی تاکہ تمہاری ثناء فضل حق کہے کہ ملک تمہاری جاہ پر حسد کرے یعنی تم اگر اس گفتگو زائد کو فروخت کر کے بذل جاہ وغیرہ حاصل کرو گے تو فضل حق نازل ہوگا اور اس وقت تمہارا وہ مرتبہ ہوگا کہ ملک بھی تمہارے جاہ پر رشک کرے گا۔

چوں طبیباں را نگہدارید دل	خود بہ بینید و شوید از خود خجل
جب تم طبیبوں کے دل کی نگہداشت کرو گے	خود دیکھ لو گے اور خود شرمندہ ہو گے

یعنی جبکہ تم طبیبوں کی دل کی حفاظت کرو گے تو خود دیکھ لو گے اور اپنے سے شرمندہ ہو گے یعنی اگر تم مخالفت نہ کرو گے اور ان کے دل کو صدمہ نہ پہنچاؤ گے تو پھر اس کی برکت سے حق تم پر خود واضح ہو جاوے گا اور اس وقت اپنے اس انکار سے تم خود شرمندہ ہو گے۔

دفع ایں کوری بدست خلق نیست	لیک اکرام طبیباں از ہدیست
اس اندھے پن کو دفع کرنا مخلوق کے ہاتھ میں نہیں ہے	لیکن طبیبوں کی عزت کرنا اسباب ہدایت میں سے ہے

یعنی اس کوری کا دفع کرنا مخلوق کے قبضہ میں نہیں ہے لیکن طبیبوں کا اکرام ہدایت سے ہے مطلب یہ کہ حضرات انبیاء کے قبضہ میں تو ہدایت کر دینا نہیں ہے جیسا کہ انک لا تھدی من احببت سے صاف معلوم ہوتا ہے مگر ان حضرات کی تعظیم اور ان کی عدم مخالفت ضرور اس کے لئے شرط ہے اور ہدایت میں اس کو ضرور دخل ہے لہذا یہ کرو کہ۔

ایں طبیباں را بجاں بندہ شوید	تا بمشک و عنبر آگندہ شوید
ان طبیبوں کے دل سے غلام ہو	تاکہ مشک اور عنبر سے پر ہو جاؤ

یعنی ان طبیبوں کی جان و دل سے مطیع ہو جاؤ تاکہ مشک و عنبر سے پر ہو جاؤ (بس اصل عدم مخالفت و عناد ہے ان شاء اللہ اگر یہ نہ ہوگا تو فضل حق ضرور پاوے گا)

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ان لوگوں نے انبیاءؑ کا وعظ سن کر کہا کہ اے طب دانی کا دعویٰ کرنے والی جماعت تمہاری طب نافع کے جاننے کا ثبوت کیا ہے جبکہ تم بھی ہماری طرح پابند خواب وخور ہو تو تم بھی ہماری ہی طرح ہو جیسے ہم شہر میں کھاتے پیتے ہیں تم بھی کھاتے پیتے ہو اور جبکہ تم آب وگل کے جال میں پھنسے ہوئے ہو تو تم سیمرغ دل کے شکاری کب ہو سکتے اور قلوب میں تصرف کیسے کر سکتے ہو۔انبیاء نے جواب دیا کہ یہ سوال بھی اسی مرض کا نتیجہ ہے اور یہ تمہارا اندھاپن حقیقت بینی سے مانع ہے تم نے ہمارے طبیب روحانی ہونے کو سن تو لیا لیکن اس موتی (یعنی ہمارے طبیب روحانی ہونے) کو ہمارے ہاتھ میں نہیں دیکھتے ہو ہم اس کو لوگوں کی آنکھوں پر پھرا رہے ہیں یعنی وہ ان کے پیش نظر ہے لیکن مخلوق ہے کہ اس کا ثبوت اور امتحان چاہتی ہے پس جو شخص شہادت مانگتا ہے ہم اس سے کہتے ہیں کہ تیرا سوال خود شاہد ہے کہ تو موتی کو دیکھ نہیں سکتا اور اندھے پن میں محبوس ہے پس یہ شہادت خود اعتراف ہے ہمارے صدق کا کیونکہ اس کے یہی معنے ہیں کہ ایک شے واضح ہے مگر ہم کو دکھلائی نہیں دیتی۔مثلاً آفتاب کہتا ہے کہ اٹھو دن ہو گیا۔دیکھو میری مزاحمت مت کرو پس اگر اس وقت تم یہ کہو کہ سورج گواہ لا جو شہادت دیں کہ تو سچا ہے تو وہ اس کا یہی جواب دیگا کہ اندھے تو اپنے اندھے پن کا اقرار کر کے خود میری صدق کی گواہی دے رہا ہے پس تو خدا سے دعا کر کہ وہ تجھے آنکھ دے اور تو میرے صدق کا مشاہدہ بھی کرے۔واقعی بات یہ ہے کہ جو شخص روز روشن میں چراغ ڈھونڈتا ہے تو یہ اس کا احمقانہ ڈھونڈنا بھی اس کے اندھے پن کی دلیل اور روز روشن کی شہادت ہے اب اگر تم دیکھ نہیں سکتے اور محجوب ہو اور تم کو ظہور صبح حق میں تردد ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ تم انکار کر کے اپنے اندھے پن کو ظاہر نہ کرو بلکہ خاموش ہی رہو اور دل سے اس بات پر آمادہ رہو کہ اگر کسی طرح مجھ پر حق واضح ہو جاوے تو میں قبول کر لوں اور فضل حق کے منتظر رہو کیونکہ جب دل سے قبول حق پر آمادہ ہو گے اور مخالفت ومعاندت نہ کرو گے تو شاید حق سبحانہ کا وہ فضل جو کسی سبب ظاہری پر مبنی نہیں تمہارے شامل حال ہو اور تمہارے دل کا رخ شقاوت کی طرف سے پھیر کر ہدایت کی طرف کر دے اور تم مہتدی ہو جاؤ اور اگر اتنا بھی نہ کرو گے اور مخالف ومعاندت ہی پر آمادہ رہو گے تو سمجھ لو کہ آئینۂ حق نما تم سے خلاف میں پوشیدہ ہو گیا اور اب وضوح حق کی ظاہراً کچھ امید نہیں مگر حق سبحانہ کو اب بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ دل کو پھیر دیں اور ہدایت فرما دیں۔یاد رکھو کہ دن میں یہ کہنا کہ دن کہاں ہے اپنے کو رسوا کرنا ہے۔نیز صبر اور خاموشی اور دل سے وضوح حق کے بعد قبول حق پر آمادہ رہنا حق سبحانہ کی رحمت کو اس کی طرف کھینچنے والا ہے اور معاندانہ ثبوت طلب کرنا مرض باطنی کی علامت ہے تم کو حکم انصتوا کو قبول کر کے اس پر کاربند ہونا چاہئے تاکہ حق سبحانہ کی طرف سے تم پر رحمت ہو خوب سمجھ لو اگر تم عود مرض نہیں چاہتے ہو تو تم کو اطباء کی عزت وتوقیر کرنا چاہئے اور فضول گفتگو کے بدلہ

میں بذل اموال اور بذل جاہ اور بذل سرخریدنا چاہئے یعنی فضول باتیں نہ کرنا چاہئیں بلکہ ان کے لئے جان مال عزت و آبرو سب کو صرف کرنے پر آمادہ رہنا چاہئے تا کہ حق سبحانہ تمہاری وہ تعریف کریں کہ اس کی رفعت پر آسمان کو بھی رشک ہو۔ دیکھو جب تم طبیبوں کی دلداری کرو گے تو اپنے امراض تم کو مشاہد ہوں گے اور تم کو اپنی حالت دیکھ کر خود ندامت ہوگی۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ ہدایت انبیاء کے قبضہ میں تھوڑا ہی ہے جو تعظیم و تکریم کے صلہ میں وہ ان کو بخش دیں گے۔ کیونکہ گو یہ مسلم ہے کہ ہدایت مخلوق کے قبضہ میں نہیں مگر طبیبوں کا اکرام خود خدا کی ہدایت ہے جو مقدمہ ہے ہدایت الی قبول الحق' کا پس تم ان کے دل و جان سے غلام ہو جاؤ تا کہ مشک و عنبر سے پر ہو جاؤ۔

شرح شبّیری

قوم کا انبیاء علیہم السلام متہم قرار دینا

قوم گفتند ایں ہمہ زرقست و مکر	کہ خدا نائب کند از زید و بکر
قوم نے کہا' یہ سب فریب اور مکر ہے	خدا زید' اور بکر کو کب قائم مقام بناتا ہے؟

یعنی قوم نے کہا کہ یہ سب فریب ہے اور مکر ہے کہ خدا زید و بکر میں سے (کسی کو اپنا) نائب بنا دے۔

مطلب یہ کہ وہ نبوت ہی کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بشر رسول حق ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ۔

ہر رسول شاہ باید جنس او	آب و گل کو خالق افلاک کو
بادشاہ کا قاصد' اس کا ہم جنس ہونا چاہیے	پانی اور مٹی کہاں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا کہاں؟

یعنی ہر رسول شاہ اس کی جنس سے ہونا چاہئے اور آب و گل کہاں اور خالق افلاک کہاں مطلب یہ کہ رسول مرسل کی جنس سے ہونا چاہئے تو خدا کا رسول خدا ہی ہو اور یہ ہوگا نہیں تو بس رسول بھی نہ ہوگا اور کہتے تھے کہ۔

مغز خر خوردیم تا ماچوں شما	پشہ را داریم ہمراز ہما
ہم نے گدھے کا بھیجا کھایا ہے' کہ ہم تم جیسے	مچھروں کو ھما کا ہمراز سمجھیں

یعنی کیا ہم نے مغز خر کھا لیا ہے تا کہ ہم تمہاری طرح پشہ کو ہمراز ہما کا رکھیں یعنی ہم کوئی بیوقوف تو نہیں ہیں جو بشر کو رسول حق مان لیں اس لئے کہ۔

کو ہما کو پشہ کو گل کو خدا	ز آفتاب چرخ چہ بود ذرہ را
کہاں ھما کہاں مچھر کہاں مٹی کہاں اللہ	ذرہ کو آسمان کے سورج سے کیا واسطہ

یعنی کہاں تو ہما اور کہاں پشہ اور کہاں مٹی اور کہاں خدا اور آفتاب چرخ کو ذرہ سے کیا نسبت ہوگی۔

ایں چہ نسبت ایں چہ پیوندے بود	تا کہ در عقل و دماغے در رود
یہ کیا نسبت ہے یہ کیا تعلق ہے؟	جو عقل اور دماغ میں آ سکے

یعنی یہ کیا نسبت اور کیا تعلق ہوگا کہ کسی عقل و دماغ میں جاویگا۔

تا کجا ایں گفت بیہودہ کجا	ایں چہ زرق ست و چہ شید ست و دغا
یہ بیہودہ گفتگو کب تک؟	یہ کیا مکر ہے یہ کیا فریب اور دغا ہے؟

یعنی ہم (یعنی انسان) کہاں اور یہ بیہودہ بات کہاں یہ کیا فریب اور کیا مکر اور کیا دغا ہے۔

خود کجا کو آسمان کو ریسماں	می نگیرد مغز ما ایں داستاں
یہ خود کہاں ہے کہاں آسمان کہاں کچا دھاگا؟	اس افسانے کو ہماری عقل قبول نہیں کرتی

یعنی خود کہاں (نسبت) ہے کہاں آسماں اور کہاں ریسماں ہماری تو عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی (کہ خدا کا رسول اور قاصد بشر ہو)

غالبًا ما عقل داریم ایں قدر	گند نارا می شناسیم از گزر
غالبًا ہم اتنی تو عقل رکھتے ہیں	کہ گندنے کو گاجر سے پہچان لیں

یعنی غالبًا ہم اس قدر تو عقل رکھتے ہیں کہ پیاز کو گاجر سے ممتاز کر لیں (تو ایسا تو نہیں ہے کہ بشر کو قاصد حق مان لیں آخر خدا اور بشر میں امتیاز کرنے کے لائق تو ہماری عقل ہے ہی) آگے خرگوشوں کی حکایت لاتے ہیں کہ ان کفار نے کہا کہ بشر کو رسول حق کہنا تو ایسا ہے جیسے کہ اس خرگوش نے (جس کا قصہ کلیلہ و دمنہ میں ہے) ہاتھی سے کہا تھا کہ میں قاصد ماہ ہوں تو جس طرح کہ وہ غلط کہتا تھا اسی طرح یہ بات بھی غلط ہے۔

حکایت خرگوشوں کی کہ ایک خرگوش کو ہاتھی کے پاس رسول بنا کر بھیجا تھا کہ جا کر کہہ کہ میں چاند کا قاصد ہوں چاند نے کہا ہے کہ اس چشمہ سے پانی مت پیا کر اور یہ قصہ کتاب کلیلہ و دمنہ میں ہے

ایں بداں ماند کہ خرگوشے بگفت	من رسول ماہم و با ماہ جفت
یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک خرگوش نے کہا	میں چاند کا قاصد ہوں اور چاند کا ساتھی

یعنی یہ (دعویٰ نبوت) اس سے مشابہ ہے کہ ایک خرگوش نے کہا تھا کہ میں چاند کا رسول ہوں اور اس کا قرین ہوں۔ مطلب یہ کہ جیسا وہ غلط تھا ایسا ہی یہ بھی نعوذ باللہ غلط ہے اور اس خرگوش نے ایسا اس لئے کیا کہ۔

کز رمہ پیلاں ازاں چشمہ زلال	جملہ نخچیراں بدند اندر وبال
کیونکہ ہاتھیوں کے جھنڈ سے اس صاف چشمہ پر	تمام جنگلی جانور مصیبت میں تھے

یعنی کیونکہ جماعت پیلوں کی وجہ سے اس چشمہ شیریں سے تمام نخچیر وبال میں تھے یعنی ان کو اس سے پینا نصیب نہ ہوتا تھا۔

جملہ محروم وزخوف از چشمہ دور	حیلۂ کردند چوں کم بود زور
سب محروم تھے اور ڈر کی وجہ سے چشمے سے دور تھے	چونکہ طاقت کم تھی انہوں نے تدبیر کی

یعنی سب محروم تھے اور خوف کی وجہ سے چشمہ سے دور تھے تو انہوں نے جبکہ قوت کم تھی ایک حیلہ کیا (اور وہ حیلہ یہ کیا کہ)

از سرکہ بانگ زد خرگوش زال	سوئے پیلاں در شب غرہ ہلال
ایک بوڑھے خرگوش نے، پہاڑ پر سے آواز دی	ہاتھیوں کو چاند رات میں

یعنی ایک بوڑھے خرگوش نے سرکوہ سے ہاتھیوں کی طرف غرہ ہلال کی شب میں آواز دی یعنی اول شب ماہ میں آ کر اس نے سرکوہ سے یہ آواز دی کہ۔

شاہ پیلاں من رسولم پیش یابست	بر رسولاں بند و زجر و خشم نیست
اے ہاتھیوں کے بادشاہ! سامنے کھڑا ہو جا میں قاصد ہوں	قاصدوں پر پابندی اور دھمکی اور غصہ (مناسب) نہیں ہے

یعنی اے شاہ پیلاں میں رسول ہوں اور زیادہ (کچھ) نہیں ہوں اور قاصدوں پر بند اور زجر اور طیش نہیں ہے مطلب یہ کہ میں ایلچی ہوں اور ایلچی را چہ زوال۔

ماہ می گوید کہ اے پیلاں روید	چشمۂ آن ماست زیں یکسو شوید
چاند کہہ رہا ہے کہ اے ہاتھیو! بھاگ جاؤ	چشمہ ہماری ملکیت ہے اس سے ہٹ جاؤ

یعنی چاند کہتا ہے کہ اے ہاتھیو چلے جاؤ چشمہ ہماری ملک ہے اس سے ایک طرف ہو جاؤ۔ (اور کہتا ہے کہ)۔

ورنہ من تاں کور گردانم ستم	گفتم از گردن بروں انداختم
ورنہ میں تمہیں اندھا کر دوں گا، ظلم	میں نے بتا دیا، اپنا فرض ادا کر دیا

یعنی ورنہ میں تم کو ستم سے اندھا کر دوں گا تو میں نے کہہ دیا اور گردن سے باہر ڈال دیا ہے مطلب یہ کہ خرگوش نے کہا کہ چاند نے یہ پیغام دیا ہے کہ اس چشمہ سے ہٹ جاؤ ورنہ میں تم کو اندھا کر دوں گا تو اب میں تو تم سے کہہ چکا ہوں تم جانو۔

ترک ایں چشمہ بگوئید و روید	تا ز زخم تیغ من ایمن شوید
یہ چشمہ چھوڑ دو اور چلے جاؤ	تاکہ میری تلوار کے زخم سے محفوظ ہو جاؤ

یعنی اس چشمہ کو چھوڑ دو اور چلے جاؤ تا کہ میری تیغ کی زخم سے بیخوف رہو۔

نک نشاں آنست کاندر چشمہ ماہ	مضطرب گردد زپیل آب خواہ
دیکھو علامت یہ ہے کہ چاند پانی میں	پانی پینے والے ہاتھی سے پریشان ہوتا ہے

یعنی (اس چاند کی ناراضگی کی) نشانی یہ ہے کہ چشمہ کے اندر چاند آبخواہ ہاتھی سے مضطرب ہوتا ہے یعنی جب کوئی ہاتھی پانی پینا چاہتا ہے تو چاند غصہ کی وجہ سے چشمہ کے اندر کانپا کرتا ہے بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ ہاتھیوں کے پانی پینے سے ناراض ہے اور یہ کہا کہ۔

کہ بیا رابع عشرائے شاہ پیل	تا درون چشمہ یابی زیں دلیل
اے ہاتھیوں کے بادشاہ! چودھویں کو آ	تاکہ چشمے میں تو اس کی دلیل حاصل کرلے

یعنی اے شاہ پیل چودھویں رات کو آنا تاکہ چشمہ کے اندر تو اس سے دلیل پاوے یعنی اس خرگوش نے کہا کہ اے شاہ پیل تم چودھویں رات کو آنا اس وقت تم کو اس کی خفگی اور اس کا اضطراب معلوم ہو جاوے گا۔

آں فلاں شب حاضر آ اے شاہ پیل	تا درون چشمہ یابی آن دلیل
اے ہاتھیوں کے شاہ! فلاں رات کو آ جا	تاکہ چشمے میں تو وہ دلیل پالے

یعنی اس فلاں رات میں اے شاہ پیل آ تاکہ چشمہ کے اندر تو اس دلیل کو پالے۔

چوں دو ہفتہ از مہ نو بگذرید	شاہ پیل آمد ز چشمہ می چرید
جب نئے چاند پر دو ہفتے گزر گئے	ہاتھیوں کا بادشاہ آیا چشمے سے (پانی) پینے لگا

یعنی ماہ نو کے دو ہفتے گزر گئے تو شاہ پیل آیا کہ چشمہ سے چرتا تھا یعنی وہ بعد دو ہفتہ کے چودھویں شب تھی چشمہ سے پانی پینے آیا۔

چونکہ زد خرطوم پیل آن شب در آب	مضطرب شد آب و مہ کرد اضطراب
اس رات کو جب ہاتھی نے پانی میں سونڈ ڈالی۔	پانی ہلا اور چاند ہلنے لگا

یعنی ہاتھی نے جبکہ اس شب کو پانی میں سونڈ ماری تو پانی مضطرب ہوا اور چاند نے بھی اضطراب کیا یعنی پانی کے ہلنے سے چاند بھی ہلا۔

پیل باور کرد از وے آن خطاب	چون درون چشمہ مہ کرد اضطراب
ہاتھی نے اس کی بات کا یقین کر لیا	جب پانی میں چاند ہلا

یعنی ہاتھی نے اس خرگوش سے اس بات کو یقین کر لیا جبکہ چشمہ کے اندر ماہ نے اضطراب کیا یعنی جب چاند ان کے پانی پینے سے ہلا تو یہ سمجھے کہ بیشک یہ پانی پینے سے خفا ہوتا ہے اس لئے خفگی کے مارے کانپ رہا ہے۔

ترس ترساں باز گشتند آں رمہ	بعد ازاں نامد یکے ز ایشاں ہمہ
وہ جھنڈ خوف کھا کر واپس ہو گیا	اس کے بعد ان میں سے کوئی نہ آیا

یعنی ڈرتے ڈرتے وہ گروہ واپس ہوگئے اور اس کے بعد ان سب میں سے ایک بھی نہ آیا اور سب ڈر گئے اور وہ نخچیر آرام سے ہو گئے۔ آگے اہل سبا کا مقولہ ہے کہتے ہیں کہ۔

مانہ زاں پیلاں گولیم اے گروہ	کاضطراب ماہ آرد مال شکوہ
اے گروہ! ہم ان بیوقوف ہاتھیوں میں سے نہیں ہیں	کہ چاند کا ہلنا ہم پر دبدبہ قائم کرے

یعنی اے گروہ (انبیاءؑ) ہم ان بیوقوف ہاتھیوں میں سے نہیں ہیں کہ چاند کا مضطرب ہونا ہمارے لئے خوف لاوے یعنی ایسے ڈرنے والے نہیں ہیں تو تم جو قاصد حق بن کر ہمیں ڈراتے ہو ہم اس سے ڈرنے والے نہیں ہیں۔ جب انہوں نے یہ کہا تو حضرات انبیاءؑ جواب فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ انبیاء کا جواب سن کر لوگوں نے کہا کہ ہم ہرگز نہ مانیں گے کہ خدا زید وعمرو وبکر کو اپنا نائب کریگا یہ تمہارا مکر وفریب ہے قاعدہ ہے کہ بادشاہ کا قاصد اس کے جنس سے ہوتا ہے پھر کجا آب وگل سے بنا ہوا آدمی اور کہاں خالق افلاک۔ ہم نے کچھ گدھے کا بھیجا نہیں کھایا ہے اور ہم احمق نہیں کہ مچھر کو ہما کا ہمسر قرار دیں۔ بھلا کجا مچھر کجا ہما کجا مٹی کجا خدا اور آفتاب فلک سے ذرہ کو کیا نسبت یہ کونسی مناسبت اور کونسا جوڑ ہے جس کو عقل باور کر سکے اور جو دماغ میں آسکے بھلا کجا ہم کجا یہ بیہودہ گفتگو بھلا ہم ماننے والے ہیں پھر یہ فریب یہ مکر یہ دغا کیسی بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ توبہ توبہ کہاں آسمان کہاں ریسماں ہمارا دماغ تو اس افسانہ کو قبول نہیں کرتا۔ اور غالباً ہم اتنی تمیز بھی رکھتے ہیں کہ گندنا اور گزر میں یعنی حق اور باطل میں تمیز کر سکیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک خرگوش نے کہا تھا کہ میں چاند کا قاصد اور اس کا قرین ہوں اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ایک شفاف چشمہ پر تمام شکار ہاتھیوں کے ہاتھ سے پریشان اور اس سے منتفع ہونے سے محروم اور خوف کے باعث اس چشمہ سے دور تھے اور قوت تھی نہیں اس لئے ان کو تدبیر کی سوجھی اور انہوں نے یہ چال کی کہ چاندرات کے پہاڑ پر سے ایک بوڑھے خرگوش نے ہاتھیوں کو آواز دی اور کہا کہ اے ہاتھیوں کے بادشاہ میں محض قاصد ہوں اور قاعدہ ہے کہ قاصدوں کو نہ قید کیا جاتا ہے اور نہ ان پر غیظ وغضب کیا جاتا ہے۔ پس میں جو کچھ کہنے والا ہوں امید ہے کہ میں اس میں معذور سمجھا جاؤں گا۔ چاند کہتا ہے کہ اے ہاتھیو تم چلے جاؤ اور ہمارے چشمہ سے الگ ہو جاؤ ورنہ میں تم کو بہت بری طرح اندھا کردوں گا۔ دیکھو میں تم کو اطلاع کر چکا ہوں اور اپنی گردن سے اس بار کو الگ کر چکا ہوں۔ پس تم اس چشمہ کو چھوڑ دو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ تاکہ میری تلوار کے زخم سے محفوظ رہو یہ تو پیغام تھا اب اگر اس کی تصدیق چاہتے ہو کہ واقعی یہ

پیغام چاندہی کا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ جو ہاتھی پانی پینے جاوے گا چاند اس کی اس حرکت سے چشمہ کے اندر پیچ وتاب کھاوے گا پس میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ چودھویں تاریخ کو آئیں تا کہ چشمہ کے اندر اس علامت کو مشاہدہ کریں آپ اس رات کو ضرور آئے تا کہ چشمہ کے اندر آپ کو یہ علامت معلوم ہو جائے جبکہ پندرہ راتیں چاند کی گزر گئیں یعنی گزرنے کو ہوئیں تو ہاتھیوں کا بادشاہ آیا اور چشمہ سے پانی پینے لگا جوں ہی اس نے اس رات کو پانی میں سونڈ ڈالی فوراً ہی پانی میں اضطراب پیدا ہوا اور چاند بھی مضطرب ہونے لگا جبکہ ہاتھی نے چشمہ کے اندر چاند کا اضطراب دیکھا تو اس کو خرگوش کی بات کا یقین ہو گیا اور سارا گلہ خوف زدہ ہو گیا اور اس کے بعد اس میں سے ایک بھی چشمہ کی طرف نہ پھٹکا تو صاحبو ہم احمق ہاتھی نہیں ہیں کہ ہم کو چاند کا خیالی اضطراب مرعوب کر سکے۔

شرح شبّیری

انبیاء علیہم السلام کا ان کے طعن کا جواب دینا اور ان کی مثال بیان فرمانا

سخت تر کرد اے سفیہاں بندتاں	انبیاء گفتند آوہ پند ماں
اے بیوقوفو! تمہاری بیڑی کو اور سخت کر دیا	انبیاء نے فرمایا' افسوس ہماری نصیحت نے

یعنی انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ افسوس ہماری نصیحت نے اے بیوقوفو تمہاری بند کو زیادہ کر دیا۔

گشت زہر جان قہر آہنج تاں	اے دریغا کہ دوائے رنج تاں
جان کا زہر' تمہارا قاتل قہر بن گیا	ہائے افسوس تمہارے مرض کی وجہ سے دوا

یعنی افسوس کہ تمہارے مرض کی دوا تمہاری قہر کش جان کے لئے زہر ہو گیا۔ یعنی ان کی جو جان قہر کی جاذب اور قہر حق کو کھینچنے والی تھی اس کے لئے یہ نصائح انبیاء زہر ہو گئی اور ان کا کفر اور بھی زیادہ ہو گیا۔

چوں خدا بگماشت پردہ خشم را	ظلمت افزود ایں چراغ آن چشم را
جبکہ اللہ (تعالیٰ) نے غضب کا پردہ ڈال دیا ہے	یہ چراغ آنکھ کے اندھیرے کو اور بڑھا دیتا ہے

یعنی اس چراغ (نبوت) نے اس آنکھ کو ظلمت ہی بڑھائی جبکہ خدا نے دل پر خشم کو مقرر فرما دیا تھا۔ یعنی چونکہ ان کے دل پر خشم حق تھا لہٰذا ان کو چراغ ہدایت اور آفتاب نبوت نے اور ظلمت ہی کو زیادہ کیا ان کو ہدایت نہ ہو سکی اور انبیاءؑ نے فرمایا کہ۔

کہ ریاست ماں فزونست از سما	چہ رئیسی جست خواہیم از شما
ہماری سرداری تو آسمان سے بڑھی ہوئی ہے	ہم' تم سے کیا سرداری چاہیں گے

یعنی ہم تم سے کیا ریاست کو ڈھونڈیں گے کہ ہماری ریاست تو آسمان سے زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ ہم تم سے جاہ و مال کیا طلب کرتے ہماری سلطنت تو زمین و آسمان سب پر ہے۔ تو پھر ہم کو تمہارا مال و دولت لے کر کیا نفع ہوگا آگے اس کی مثال دیتے ہیں کہ۔

چہ شرف یا بد ز کشتی بحر در	خاصہ کشتی ز سرگیں گشتہ پر
موتیوں کا سمندر کشتی سے کیا شرافت حاصل کریگا؟	خصوصاً اس کشتی سے جو گوبر سے بھری ہوئی ہے

یعنی موتیوں کا دریا کشتی سے کیا شرف پاوے گا۔ خاص کر اس کشتی سے جو سرگیں سے پر ہو۔ مطلب یہ کہ جس دریا میں موتی بھرے ہوں اگر اس میں ایک کشتی بھی آ جاوے تو اس کشتی سے اس دریا کو کیا شرف ہو سکتا ہے اور خاص کر جبکہ وہ کشتی گوبر سے بھری ہو تو بجائے شرف کے اور گندگی ہی زیادہ ہوگی تو اسی طرح انبیاء نے فرمایا کہ تمہاری مال و دولت سے ہم کو شرف تو کیا ہوتا اور گندگی ہی بڑھے گی آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے دریغ آن دیدۂ کور و کبود	آفتابے اندر و ذرہ نمود
اس اندھی اور تاریک آنکھ پر افسوس ہے	جس میں سورج ایک ذرہ نظر آئے

یعنی افسوس ہے اس کور و کبود آنکھ پر کہ جو آفتاب اس کے اندر ذرہ دکھائی دیا تو اسی طرح جو آفتاب کو نہ دیکھے وہ بھی یقیناً اندھا ہے۔

کا آدمے کو بود بے مثل وفرید	دیدۂ ابلیس جز طینے ندید
جیسا کہ آدم جو کہ بیمثل اور یکتا تھے	شیطان کی آنکھ نے مٹی کے علاوہ کچھ نہ دیکھا

یعنی ان آدم سے جو کہ بے مثل و نظیر تھے۔ دیدۂ ابلیس نے سوائے مٹی کے (کچھ) نہ دیکھا۔

چشم دیوانہ بہارش دے نمود	زانطرف جنبید کورا خانہ بود
شیطانی آنکھ نے (موسم) بہار کو خزاں دکھایا	اسی طرف گئی جو اس کا مقام تھا

یعنی چشم ابلیسانہ نے اس کو بہار دے دکھلائی اور اس طرف سے جنبش کی جس طرف کہ اس کا گھر تھا یعنی چونکہ اس کا گھر اور مرجع ضلال تھا لہٰذا اس کو غلط ہی دکھائی دیا۔

اے بسا دولت کہ آید گاہ گاہ	پیش بے دولت بگردد اوز راہ
بہت سی دولتیں ہیں جو کبھی کبھی حاصل ہوتی ہیں	بدبخت کے لئے وہ راستہ سے لوٹ جاتی ہیں

یعنی بہت سی وہ دولتیں جو کبھی کبھی بے دولت کے سامنے آتی ہیں تو وہ راہ سے پھر جاتا ہے مطلب یہ کہ جس کو مفت گھر بیٹھے دولت ہاتھ آ جاوے اس کو اس دولت کی قدر نہیں ہوا کرتی۔

اے بسا معشوق کاید ناشناخت	پیش بدبختے نداند عشق باخت
بہت سے معشوق ہیں جو بغیر جان پہچان کے آجاتے ہیں	ایک بدبخت کے سامنے جو عشق بازی نہیں جانتا ہے

یعنی بہت سے وہ معشوق کہ وہ ناشناسا ہو کر کسی بدبخت کے سامنے آویں تو وہ عشق کرنا نہ جانے گا مطلب یہ کہ اگر کوئی معشوق کسی کے پاس خود چلا جاوے تو جو عاقل ہے وہ تو اس کی اور قدر کریگا اور اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے گا مگر جو بیوقوف ہے وہ اس کی بے قدری کرے گا اور اس کو پہچانے گا بھی نہیں تو اسی طرح ان لوگوں کے پاس دولت نبوت مفت ہی آ گئی ہے لہذا یہ کمبخت قدر نہیں کرتے آگے فرماتے ہیں کہ۔

احمقاں راایں چنیں حرماں چراست	می نسازد گمرہا نرا راہ راست
بیوقوفوں کی ایسی محرومی کیوں ہے؟	گمراہوں کو سیدھا راستہ موافق نہیں آتا ہے

یعنی احمقوں کو ایسا حرمان کیوں ہیں (اس سوال کے بعد جواب خود فرماتے ہیں) گمراہوں کو راہ راست موافق نہیں آتی (لہذا محروم رہتے ہیں)

ایں غلط دہ دیدہ را حرماں ماست	وین مقلب قلب را سوء القضاست
آنکھ کو غلط دکھانے والی ہماری محرومی ہے	اور (یہ ہمارے) دل کو پھیرنے والی بری تقدیر ہے

یعنی آنکھ کو غلطی میں ڈالنے والا ہمارا حرمان ہے اور یہ مقلب قلب کو سوء القضا ہے مطلب یہ کہ ہماری محرومی باعث ہے غلطی دیدہ کی اور ہمارے قلب کو سوء القضاء تقلیب کر رہی ہے لہذا ہم غلطی میں پڑے ہوئے ہیں آگے انبیاء کا مقولہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

چوں بت سنگین شمارا قبلہ شد	لعنت و کوری شمارا ظلہ شد
جب پتھر کا بت تمہارا قبلہ بن گیا	لعنت اور اندھا پن تمہارا سائبان بن گیا

یعنی جبکہ بت سنگین تمہارے لئے قبلہ ہو گئے اور لعنت و کوری تمہارے لئے سایہ ہو گئیں۔

چوں بشاید سنگ تاں انباز حق	چوں نشاید عقل و جان ہمراز حق
تمہارے پتھر کا اللہ (تعالیٰ) کا شریک ہونا کیسے مناسب ہوا؟	عقل اور روح کو اللہ (تعالیٰ) کا ہمراز بنانا کیوں نامناسب ہوا؟

یعنی جبکہ تمہارے پتھر خدا کے شریک ہو سکتے ہیں تو عقل و روح ہمراز حق کیوں نہیں ہو سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بھلا بشر کس طرح رسول حق ہو سکتا ہے رسول تو مرسل کی جنس سے ہونا چاہئے حضرات انبیاء علیہم السلام اس کا جواب دیتے ہیں کہ دیکھو تم پتھر کے بتوں کو خدا کا شریک مانتے ہو تو کم بختو بھلا وہ مردہ بے جان بے عقل پتھر تو شریک حق ہو سکے اور جو کہ زندہ ہے اور عقل و جان رکھتا ہے وہ رسول بھی نہ ہو سکے غضب کی بات ہے۔

پشۂ مردہ ہمارا شد شریک	چوں نشاید زندہ ہمراز ملیک
مرا ہوا مچھر ہما کا شریک بن گیا	زندہ کا اللہ (تعالیٰ) کا ہمراز ہونا کیوں مناسب نہیں؟

یعنی مردہ مچھر تو ہما کا شریک ہو جاوے تو زندہ ہمراز شاہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ مطلب یہ کہ ذرا سوچو تو کہ مردوں کو تو تم شریک حق بتا رہے ہو اور انسان زندہ اگر کہے کہ وہ قاصد ہے تو اس کو نہیں مانتے بظاہر (اور فی الحقیقۃ) تو انسان کا قاصد حق ہونا ان کے شریک ہونے سے اقرب ہے مگر یہ فرق ہو سکتا ہے کہ۔

آن بت مردہ تراشیدہ شما است	پشہ زندہ تراشیدہ خدا ست
وہ مردہ بت تمہارا گھڑا ہوا ہے	زندہ مچھر خدا کا بنایا ہوا ہے

یعنی وہ بت مردہ تو تمہارا بنایا ہوا ہے اور وہ پشہ زندہ بنایا ہوا خدا کا ہے تو اپنی بنائی ہوئی چیز کو تو اس قدر بڑھایا کہ اسے بھی خدا بنا دیا اور خدا کی بنائی ہوئی شے ایسی کہ وہ قاصد حق بھی نہ ہو سکے ان کی تو یہ حالت ہے کہ۔

عاشق خویشند و صنعت کرد خویش	دم ماراں را سر مار است کیش
وہ اپنے اور اپنی دستکاری کے عاشق ہیں	سانپوں کی دم کا مذہب سانپ کا سر ہے

یعنی یہ لوگ اپنے اور اپنے کی ہوئی صنعت کے عاشق ہیں اور سانپوں کی دم کے لئے سانپ کا سر ہی مذہب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سانپ بیٹھتا ہے تو دم کو چکر دیکر منہ سے ملا لیتا ہے۔ تو جس طرح کہ دم کے لئے سر مار مذہب ہوتا ہے کہ وہ اسی طرف رجوع ہوتی ہے اسی طرح یہ لوگ اپنی مصنوعات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور انہیں پر مغرور اور خوش رہتے ہیں حالانکہ۔

نے دراں دم دولتے و نعمتے	نے دراں سر راحتے و لذتے
نہ اس دم میں کوئی دولت اور نعمت ہے	نہ اس سر میں کوئی راحت اور لذت ہے

یعنی نہ تو اس دم میں کوئی دولت یا نعمت ہے اور نہ اس سر میں کوئی راحت یا لذت ہے۔

گرد سر گرداں بود آں دم مار	لائق اند و درخورند آں ہر دو یار
وہ سانپ کی دم سر کے چاروں طرف گھومتی رہتی ہے	وہ دونوں دوست لائق اور مناسب ہیں

یعنی وہ سانپ کی دم سر کے گرد گرداں رہتی ہے تو وہ دونوں یار لائق اور مناسب ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ اس دم یا سر مار میں کوئی دولت یا نعمت یا راحت نہیں ہوتی اسی طرح نہ خود ان میں اور نہ ان کی مصنوعات میں کوئی راحت وغیرہ ہے تو یہ جو آپس میں ایک دوسرے کے عاشق ہیں یہ اس وجہ سے کہ دونوں آپس میں مناسب ہیں کہ دونوں مضر اور بیکار ہیں لہٰذا کند ہمجنس با ہمجنس پرواز تو چونکہ ان کی مناسب ضلالت اور گمراہی ہی ہے تو ان کو وہی نصیب ہوتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ

در الٰہی نامہ گر خوش بشنوی	آنچناں گوید حکیم غزنوی
"الٰہی نامہ" میں اگر تو اچھی طرح سنے	غزنوی داناء ایسا ہی فرماتے ہیں

یعنی اگر تم خوب سنو تو (ہم تم کو بتادیں کہ) حکیم غزنوی الٰہی نامہ میں اس طرح کہتے ہیں کہ۔

در خور آمد شخص خر با گوش خر	کم فضول کن تو در حکم قدر
گدھے کا جسم گدھے کے کان کے لائق ہے	تقدیر کے فیصلے میں تو بکواس نہ کر

یعنی تم حکم قدر میں فضولی مت کرو (اس لئے کہ) جسم خر گوش خر کے ساتھ مناسب آیا ہے مطلب اس کا اور اگلے کئی اشعار کا یہ ہے کہ حکم قدر میں تم اعتراض مت کرو حق تعالیٰ نے ہر شے کو اپنی مناسب کے ساتھ بنایا ہے تو اسی طرح ان کے مناسب گمراہی تھی ان کو گمراہ کردیا ہے۔

شد مناسب وصفہا با جانہا	شد مناسب عضو ہاوا بدانہا
اوصاف جانوں کے مناسب ہیں	اعضاء اور بدن مناسبت سے بنے ہیں

یعنی اعضاء ابدان کے مناسب ہیں اور اوصاف جانوں کے مناسب ہیں۔

بیگمان جائے کہ حق بتراشدش	وصف ہر جانے مناسب باشدش
یقیناً اللہ (تعالیٰ) اس کو روح کے مناسب پیدا کرتا ہے	ہر روح کی صفت اس کے مناسب ہوتی ہے

یعنی وصف ہر جان کا اس کے مناسب ہوتا ہے اور اس جگہ تو یقیناً جس کو کہ حق نے بنایا ہو۔

پس مناسب دانش ہمچوں چشم ورو	چوں صفت با جاں قریں کردست او
تو اس کو چہرے اور آنکھ کی طرح مناسب سمجھ	جبکہ اس نے صفت کو روح کا ساتھی بنایا ہے

یعنی جب کسی صفت کو حق تعالیٰ نے کسی جان کے ساتھ قرین کیا ہے تو اس کو چشم و رو کی طرح مناسب ہی سمجھو۔ یعنی جس طرح کہ چشم و رو مناسب ہیں اسی طرح اور جس قدر اوصاف وغیرہ حق تعالیٰ نے کسی میں پیدا کیے ہیں وہ سب بھی مناسب ہی ہیں۔

شد مناسب حرفہا کہ حق نوشت	شد مناسب وصفہا در خوب وزشت
جو حروف اللہ (تعالیٰ) نے لکھے وہ مناسب ہیں	اچھائی اور برائی میں مناسب صفتیں پیدا ہوئی ہیں

یعنی اچھے برے کے تمام اوصاف مناسب ہیں اور وہ حروف کہ حق نے لکھے ہیں سب مناسب ہیں یعنی جو جس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اس کے مناسب ہے۔

چوں قلم در دست کاتب اے حسین	دیدہ و دل ہست بین الاصبعین
اے حسین! جیسا کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم	آنکھ اور دل دو انگلیوں کے درمیان ہیں

یعنی دیدۂ دل (حق تعالیٰ کی) دو انگلیوں کے درمیان میں (اس طرح) ہیں جس طرح کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے۔اے حسین۔یعنی جس طرح کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو پھیرے اسی طرح حق تعالیٰ کے قبضہ میں قلب ہے جس طرح وہ چاہیں اس کو پھیر سکتے ہیں خواہ اس کو بینا کردیں یا کور کردیں جو چاہیں کریں۔

اصبع لطف است و قہر اندر میاں	کلک دل با قبض و بسطے زیں بناں
مہر اور قہر کی انگلی ہے درمیان میں	ان سرانگشت سے دل کا قلم تنگی اور کشادگی میں ہے

یعنی لطف و قہر کی انگلی درمیان میں ہے تو اس انگلی کی وجہ سے کلک دل قبض و بسط میں ہے۔یعنی جب لطف ہے تو دل میں بھی بسط ہے اور اگر قہر ہے تو دل میں بھی انقباض ہے تو جب قلب قلم کی طرح ہے تو اس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

اے قلم بنگر گر اجلالی لیستی	کہ میان اصبعین کیستی
اے قلم! اگر تو خدائی ہے، تو خیال رکھ	کہ تو کس کی دو انگلیوں کے درمیان میں ہے؟

یعنی اے قلم دیکھ لے اگر تو اجلالی ہے کہ کس کی انگلیوں میں ہے۔

جملہ قصد و جنبشت زیں اصبع است	فرق تو بر چار راہ مجمع است
تیرا سب ارادہ اور حرکت اس انگلی سے ہے	تیرا فرق مجمع کے چوراہے پر (ظاہر ہونے والا) ہے

یعنی تیرے تمام قصد اور حرکات اس انگلی سے ہیں اور سر تیرا مجمع کے چوراہے پر ہے۔یعنی جس طرح کہ قلم کہ ہوتا تو ہے کاتب کی انگلیوں میں مگر اس کا سر چوراہے پر ہوتا ہے کہ وہ جو لکھتا ہے اس کو سب دیکھتے ہیں۔اسی طرح انسان کا قلب ہے تو خدا کے قبضہ میں مگر جو کچھ اعمال یہ کرتا ہے اس کو ایک عالم دیکھتا ہے۔

ایں حروف حالہات از نسخ اوست	عزم و فسخت ہم ز عزم و فسخ اوست
تیرے احوال کے حروف اس کی تحریر کے ہیں	تیرا ارادہ اور (اس کو) فسخ کرنا اسی کے ارادے اور فسخ کرنے سے ہے

یعنی تیرے حالات کے یہ حروف اس کے لکھنے سے ہیں اور تیرا عزم اور فسخ عزم اس کے عزم و فسخ سے ہے

(غرضکہ تمام حالات اسی کے قبضہ میں ہیں جب یہ حالت ہے تو اب سمجھ لو کہ)

جز نیاز و جز تضرع راہ نیست	زیں تقلب ہر قلم آگاہ نیست
دعا اور عاجزی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے	اس گردش سے ہر قلم باخبر نہیں ہے

یعنی بجز نیاز و تضرع کے کوئی راہ نہیں ہے اور تقلب سے ہر قلم آگاہ نہیں ہے مطلب یہ کہ بس اب تم کو چاہیئے کہ درگاہ حق میں نیاز و تضرع سے کام لو اور ان ہی سے اپنی درستی حالت کو عرض کرو کہ وہی اس کو درست کردینگے باقی بے ان کے کئے کچھ نہ ہوگا اور اس تقلب سے ہر شخص چونکہ آگاہ نہیں ہے اسی لئے گمراہ ہوتے ہیں۔

قدر خود پیدا کند در نیک و بد	این قلم داند ولے بر قدر خود
اچھائی اور برائی میں اپنا مرتبہ سمجھ لیتا ہے	اس کو قلم جانتا ہے' لیکن اپنے مرتبہ کی بقدر

یعنی اس کو قلم جانتا ہے لیکن اپنی قدر کے موافق اور اپنی قدر کو نیک و بد میں ظاہر کر دیتا ہے یعنی اس کو جانتا بھی ہے مگر ہر شخص اپنی قدر کے موافق ہی جانتا ہے اور جب اس کو لوگوں میں ظاہر کرتا ہے تو اپنی قدر کو سب پر ظاہر کر دیتا ہے اور سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کی یہ حالت ہے اور ان کا علم اس قدر ہے آگے ایک مضمون لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مثال یا مثل وہ بیان کر سکتا ہے جو اس مثال یا مثل کی اور ممثل لہ دونوں کی حقیقت سے واقف ہو اور اس کے افعال و خواص کو احاطہ کئے ہوئے ہو ورنہ مثال مطابق واقع کے نہ ہوگی بلکہ یوں ہی اٹکل پچو ہوگی اور یہ معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی کہنہ ذات کسی کو معلوم نہیں ہے تو ان لوگوں نے جو مثل بیان کی کہ حق تعالیٰ کو ماہ کہا اور ان کے قاصدوں کو خرگوش کی طرح کہا اور پھر اس کا غلط ہونا ثابت کیا یہ مثل مطابق واقع کے نہیں ہے اس لئے کہ مثال کی اگر حقیقت سمجھ بھی لی تو طرف ثانی ممثل لہ کی حقیقت کی تو خبر نہیں ہے پھر کس طرح مثال بیان کر سکتے ہیں۔اب اشعار سے سمجھ لو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔انبیاءؑ نے جواب دیا کہ اے احمق لوگو افسوس کہ تم پر ہماری نصیحت کا برا اثر پڑا اور اس نے تمہاری بندش کو اور بھی سخت کر دیا کیونکہ پہلے تو صرف گمراہی تھی اور اب اس کے ساتھ عناد بھی شامل ہو گیا اور افسوس کہ ہماری دوا تمہاری بیماری کے بارہ میں تمہاری مقہور جان کے لئے زہر بن گئی اور چونکہ حرکتوں سے حق سبحانہ نے اپنے قہر کا پردہ تمہاری آنکھوں پر ڈال دیا ہے اس لئے اس چراغ ہدایت نے تمہاری آنکھوں کے لئے تاریکی ہی بڑھائی ارے احمقو تم سوچو تو سہی کہ جبکہ ہماری ریاست آسمان سے بھی زیادہ ہے تو ہم تم سے ریاست کے کیا طلبگار ہو سکتے ہیں اور غور تو کرو کہ موتیوں والا سمندر ایک کشتی سے کیا عزت حاصل کر سکتا ہے بالخصوص اس کشتی سے جو گوبر سے پر ہو۔اب مولانا فرماتے ہیں (اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقولہ انبیاءؑ ہی ہو) واقعی اس آنکھ کی حالت نہایت افسوسناک ہے جس میں آفتاب ذرہ معلوم ہوا اور ایسا بہت ہوتا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام باوجودیکہ لاجواب اور بے مثل تھے۔مگر ابلیس کی آنکھ کو مٹی کے سوا اور کوئی بات نظر نہ آئی۔اور اس نے کہہ دیا انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین اور اس کی ابلیسی آنکھ نے ان کی بہار کو خزاں ہی دکھلایا کیوں نہ ہو ہر کوئی اپنے گھر ہی کی طرف سے حرکت کرتا ہے یعنی ہر شخص کے خیالات و افعال اس کے مناسب ہوتے ہیں اس لئے ابلیس نے بھی وہی کیا جو اس کے مناسب تھا۔ارے بہت سی دولتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کبھی کبھی اور اتفاق سے کسی مفلس کے سامنے آ جاتی ہیں لیکن وہ بجائے اس کے کہ اس پر قبضہ کرے اس راستہ ہی کو چھوڑ دیتا ہے اور بہت سے معشوق ایسے ہوتے ہیں کہ ایک بدنصیب عاشق کے پاس بھیس بدل کر آتے ہیں مگر وہ اپنے ارمان نہیں نکال سکتا۔یہ لوگ نہایت ہی

احمق ہوتے ہیں۔ اب سنو کہ احمق اس قدر کیوں محروم ہوتے ہیں بات یہ ہے کہ گمراہوں اور بدکرداروں کے لیے راہ راست موافق اور مناسب ہی نہیں اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر بات تقدیر سے تعلق رکھتی ہے پس ہماری آنکھ کو غلطی میں ڈالنے والی ہماری شقاوت ازلی ہے اور ہمارے دلوں کو گمراہی کی طرف پھیر والی خوبی تقدیر ہے۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

اس استطرادی مضمون کو یہاں تک پہنچا کر مولانا پھر جواب انبیاء بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم چونکہ تم نے بتوں کی پرستش شروع کی اس لئے یہ لعنت و بعد عن الرحمۃ اور اندھاپن تم پر چھا گیا کہ تم کسی طرح حق کو قبول نہیں کرتے اور یہ آفتاب تمہیں نظر نہیں آتا تم کہتے ہو کہ تم خدا کے رسول کیسے ہوسکتے ہو اچھا تم ہی انصاف کرو جب تمہارے بت خدا کے شریک ہوسکتے ہیں حالانکہ پتھر ہیں تو ذی روح اور ذی عقل خدا کا مقرب کیوں نہیں ہو سکتا اور جبکہ مردہ مچھر (بت) ہما (حق سبحانہ) کا شریک وسہیم ہوسکتا ہے تو زندہ مچھر (آدمی) بادشاہ (حق سبحانہ) کا مقرب کیوں نہیں ہوسکتا۔ یا شاید یہ فرق ہو کہ وہ مردہ تمہارا بنایا ہوا ہے اس لئے وہ تو شریک ہوسکتا ہے اور زندہ خدا کا بنایا ہوا ہے اس لئے وہ خدا کا مقرب بھی نہیں ہوسکتا۔ **لاحول ولاقوۃ** بات یہ ہے کہ تم لوگ خود اپنے اوپر اور اپنی مصنوعات پر عاشق ہو اس لئے تم اپنے کو انبیاء سے برتر سمجھتے ہو اور اپنی مصنوعات کو بھی اور تمہارے مناسب بھی یہی ہے کیونکہ سانپ کی دم کا دین و مذہب اس کا سر ہی ہوتا ہے کیونکہ نہ اس دم میں کوئی خوبی ہے نہ سر میں کوئی بہتری اس لئے وہ دم سر کے گرد گھومتی ہے اور یہ جوڑا نہایت ہی مناسب ہے۔ دیکھو اگر تم غور سے سنو تو میں تمہیں بتاؤں کہ حکیم غزنوی الٰہی نامہ میں یوں فرماتے ہیں کہ تم حکم الٰہی میں گفتگو اور بحث و مناظرہ نہ کیا کرو بلکہ تم جس مرتبہ کے ہو اسی مرتبہ پر رہو کیونکہ ہر چیز اپنے میل کے ساتھ اچھی ہوتی ہے چنانچہ گدھے کا جسم گدھے کے کانوں ہی کے مناسب ہے اور گدھے کے کان اس کے جسم کے لئے زیبا ہیں چونکہ تمہارا منہ نہیں کہ احکام الٰہیہ میں گفتگو کرو اس لئے خاموش رہنا چاہئے یہ حاصل تھا حکیم غزنوی کی نصیحت کا آگے مولانا اس پر اضافہ فرماتے ہیں یا یوں کہو کہ اس کی تشریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ گدھے ہی کی تخصیص نہیں بلکہ تمام اعضاء و ابدان میں مناسبت ہوتی ہے اور اعضاء و ابدان کی بھی تخصیص نہیں بلکہ اوصاف ارواح اور خود ارواح میں بھی مناسبت ہوتی ہے اور جس جان میں جو صفت حق سبحانہ پیدا فرماتے ہیں وہی اس کے لئے مناسب ہوتی ہے پس جس جان میں جو وصف غیر اختیاری دیکھو سمجھ لو کہ یہی اس کے مناسب ہے۔ جیسے آنکھ اور چہرہ میں مناسبت ہوتی ہے پس اچھے لوگوں اور برے لوگوں میں جو اوصاف ہیں وہ سب ان کے مناسب ہیں کیونکہ وہ آثار صنع حق ہیں اور حق سبحانہ حکیم مطلق اور صانع کامل ہیں پس ان کی صفت کے آثار میں ہرگز بے ڈھنگا پن نہیں ہوسکتا۔ جب یہ مقدمہ ممہد ہو گیا تو اب سمجھو کہ دل اور آنکھ حق سبحانہ کی دو انگلیوں کی یوں ہی درمیان میں ہیں جس طرح کہ کاتب کے ہاتھ میں قلم ایک انگلی لطف ہے دوسری قہر اور ان دونوں کے درمیان میں قلم دل ہے وہ قلم کبھی ان انگلیوں کے اثر سے

منقبض ہوتا ہے اور کبھی منبسط جب یہ بھی معلوم ہو گیا تو اب وہ مضمون اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ تم اپنے کو اور اپنے بتوں کو انبیاؑ سے بڑھ کر سمجھتے ہو تمہارے مناسب ہے بھی یہی۔ اب مولانا اس مضمون کے نتیجہ کے طور پر نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا کہ تم حق سبحانہ کے قبضہ میں ہو وہ جس طرف چاہیں تمہیں پلٹ سکتے ہیں تو تم کو اس امر کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ تم کس مقتدر کے قبضہ میں ہو یاد رکھو کہ تمہاری ہر حرکت اسی کے حکم سے ہے اور تمہارا سر چوراہے پر رکھا ہوا ہے یعنی جس طرح چوراہے پر رکھے ہوئے سر کو ہر طرف کے آنے جانے والے لوگوں کی ٹھوکروں کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کو اطمینان نہیں ہو سکتا کہ میں ایک حالت پر قائم رہوں گا یوں ہی تم کو بھی اپنی حالت پر اطمینان نہ ہونا چاہئے بلکہ قہر الٰہی سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور اپنی طاعات وعبادات پر کبھی ناز نہ کرنا چاہئے کیونکہ تمہارے حالات قلبیہ اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور تمہارا عزم وفسخ عزم سب اسی کی عزم وفسخ کا اثر ہے پس ایسی حالت میں گھمنڈ اور ناز کا کوئی موقع نہیں اور بجز نیاز وتضرع زاری ومسکنت کے اور کوئی بہبودی کی صورت نہیں ہر شخص اس تقلب سے واقف نہیں اس لئے وہ بے اعتدالیوں میں منہمک ہے اور جو شخص کچھ جانتا بھی ہے وہ بھی اس کی حقیقت سے واقف نہیں بلکہ اپنی حیثیت کے موافق جانتا ہے اور حیثیت اس کی اس کے افعال حسنہ اور سیئہ سے ظاہر ہے کہ وہ کس درجہ کا آدمی ہے۔

شرح شبیری

بیان اس کا کہ ہر شخص کا کام مثال بیان کرنا نہیں ہے اور خاص کر کارخانۂ حق میں جو کہ غیر متناہی ہے

انچہ در خرگوش و پیل آویختند	تا ازل را با حیل آمیختند
وہ جو کچھ خرگوش اور ہاتھی (کے قصہ) سے متعلق ہوئے	حتیٰ کہ (حکمت) ازلی کو (دنیاوی) حیلوں سے ملا دیا

یعنی جو کچھ کہ وہ لوگ خرگوش وپیل (کے قصہ) میں الجھے اور ازل کو حیل کے ساتھ ملا دیا۔

کے رسد شان این مثلہا ساختن	سوئے آن درگاہ پاک انداختن
ان کو کیا حق تھا کہ انہوں نے یہ مثالیں گھڑیں	اس پاک دربار کی جانب منسوب کیں

یعنی ان کو یہ مثل بیان کرنا کب پہنچتا ہے (اور پھر) اس درگاہ پاک کی طرف ڈالنا۔ مطلب یہ کہ حکم ازلی کو ان خرگوشوں کے حیلہ کے ساتھ ملا دیا اور ان دونوں باتوں کو ایک کر کے اللہ میاں تک پہنچے کہ ان کی مثال بیان کی تو ان لوگوں کو یہ کب مناسب تھا اس لئے کہ یہ تو حقائق اشیاء سے پوری طرح واقف ہیں ہی نہیں۔

ایں مثل آوردن آن حضرت است	کہ بہ علم سر د جہر او آیت است
مثال دینا اس دربار کا (حق) ہے	کہ جس کا غیب اور شہادت کا علم واضح ہے

یعنی یہ مثال بیان کرنا کام (اس) درگاہ کا ہے کہ جو علم سر و جہر میں حجت ہے یعنی جس کو کہ حقائق اشیاء کا علم ہے اس کا کام ہے کہ وہ مثال بیان کرے تو وہ مطابق واقع کے ہوگی اس لئے کہ اس کو طرفین کی حقیقت معلوم ہے۔

تو چہ دانی سر چیزے تا توکل	تا بہ زلف و یا بہ رخ آری مثل
تو کسی چیز کا راز کیا جانے جب تک تو گنجا ہے	تاکہ تو زلف یا رخسار کی مثال بیان کرے

یعنی جب تک کہ تو گنجا ہے تو کسی چیز کا بھید کیا جانے تاکہ زلف یا رخ کی مثل بیان کرے مطلب یہ کہ جب تم گنجے ہو تو تم کیا جانو کہ زلف کیسی ہوتی ہے اور رخ حسین کیسا ہوتا ہے اب تم اس کی مثال بیان کرنے لگے تو یہ سراسر حماقت ہی ہے۔ اسی طرح جب تم کو کسی شے کی حقیقت معلوم نہیں تو اس کی مثال ہی کیا بیان کر سکتے ہو آگے اس حقیقت ناشناسی کی ایک نظیر لاتے ہیں کہ۔

موسیٰ آنرا کہ عصا دید و نبود	اژدہا بد سرا ولب می کشود
موسیٰ نے جس کو عصا دیکھا اور وہ (عصا) نہ تھا	اژدہا تھا اس کے راز کو ہونٹ کھولتا تھا

یعنی موسیٰ نے جس کو کہ عصا دیکھا اور وہ (عصا) نہ تھا (بلکہ) اژدہا تھا اور اس کے بھید کو لب کھولتا تھا یعنی دیکھو موسیٰ اس عصا کی حقیقت کو نہ سمجھے اور سوال حق پر یہی کہا کہ عصای میری لاٹھی ہے حالانکہ وہ اژدہا تھا اور جب وہ لب کھولتا تھا تو اس کا بھید ظاہر ہوتا تھا۔

چوں چناں شاہے نداند سر چوب	تو چہ دانی سر ایں دام و حبوب
جبکہ ایسا شاہ لکڑی کے راز کو نہ سمجھے	تو اس جال اور دانوں کے راز کو کیا سمجھے گا؟

یعنی ایسا بادشاہ ایک لکڑی کے بھید کو نہ جانے تو تم اس دام اور دانوں کے راز کو کیا جانو یعنی دنیا میں جو دام و حبوب ہیں تم کو ان کے اسرار کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔

چوں غلط شد چشم موسیٰ در مثل	چوں کند موشے فضولی مدخل
جب مثال (کے معاملہ) میں (حضرت) موسیٰ کی آنکھ غلط ہوگئی	تو فضولی چوہا اس میں کیا سوراخ بنا سکتا ہے؟

یعنی جب مثل بیان کرنے میں چشم موسیٰ غلط ہوگئی تو ایک چوہا فضولی کس طرح دخل دے سکتا ہے (اور وہ مثال مطابق واقع کے تو کیا ہوتی بلکہ یہ ہوتا ہے کہ)

آں مثالت را چو اژدرہا کند	تا بپاسخ جزو جزوت بر کند
وہ تیری مثال کو اژدہا جیسا بنا دیتا ہے	تاکہ جواب میں تیرے جزو جزو اکھاڑ دے

یعنی تمہاری اس مثال کو حق تعالیٰ اژدہا بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ جواب میں وہ تمہارے جز و جز کو اکھاڑ دیتی ہے۔
مطلب یہ کہ وہ مثال خود تمہیں کو نقصان دہ ہوتی ہے آگے ایسی مثال کے نقصان دہ ہونے کی نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

این مثال آورد ابلیس لعین	تا کہ شد ملعون حق تا یوم دیں
ملعون شیطانؒ یہ مثال لایا	یہاں تک کہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے قیامت تک کیلئے ملعون ہو گیا

یعنی ابلیس ملعون یہ مثال لایا۔ یہاں تک کہ قیامت تک ملعون حق ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اس نے یہ کہا خلقتنی من نار و خلقته من طین تو دیکھو اسی وجہ سے ملعون بن گیا۔

ایں مثال آورد قارون از لجاج	تا فروشد در زمین با تخت و تاج
قارون جھگڑے سے یہ مثال لایا	یہاں تک کہ تخت و تاج کے ساتھ زمین میں دھنس گیا

یعنی یہی مثال قارون مخالفت کی وجہ سے لایا یہاں تک کہ زمین میں مع تخت و تاج کے چلا گیا۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ انما اوتیته علی علم عندی اس دعوے ہی کی بدولت اس کو خسف ہوا۔

ایں مثال آورد نمرود جہول	تا کہ پشہ مغز سر خوردش عجول
جاہل نمرودؒ یہ مثال لایا	یہاں تک کہ مچھر نے جلدی سے اس کے سر کا مغز کھا لیا

یعنی یہی مثال نمرود جاہل لایا۔ یہاں تک کہ مچھر نے جلدی سے اس کا مغز سر کھا لیا۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا تھا انا احیی و امیت تو خدا کی برابری کی تھی لہذا ہلاک ہوا۔

ایں مثال آورد فرعون از غلط	تا کہ اندر آب دریا شد سقط
فرعون غلطی سے یہ مثال لایا	یہاں تک کہ دریا کے پانی میں بیکار بن گیا

یعنی یہی مثال فرعون غلطی کی وجہ سے لایا۔ یہاں تک کہ آب دریا میں ساقط ہوا یعنی اس نے کہا انا ربکم الاعلیٰ بس اس دعوی میں مارا گیا۔ یہ نظائر تو خاص خاص تھے آگے عام طور پر فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثال اندیش گشتہ قوم عاد	کاستخوان شان خرد و مرد آمد زباد
قوم عادؒ یہ مثال سوچنے والی بنی	کہ ان کی ہڈیاں ہوا سے ریزہ ریزہ ہو گئیں

یعنی اس مثال کے سوچنے والے قوم عاد ہوئے کہ ان کی ہڈیاں ہوا سے چور چور ہو گئیں۔ یعنی انہوں نے تکبر و نافرمانی کی تھی جیسا کہ جابجا قرآن شریف میں ہے تو ان کو سزا ملی۔

ایں مثال آورد ہر بدبخت دوں	تا کہ شد در قعر دوزخ سرنگوں
ہر بدبخت کمینہ یہ مثال لایا	یہاں تک کہ دوزخ کی گہرائی میں اوندھا ہو گیا

یعنی ہر بدبخت کمینہ اس مثال کو لایا یہاں تک کہ قعر دوزخ میں سرنگوں ہوا یعنی ہر بدبخت کمینہ ایسے دعوے

کرتا ہے تو ہلاک ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثالت را چو زاغ و بوم داں	کہ از ایشاں پست شد صد خانداں
تو اس مثال کو کوا اور الو سمجھ	کہ ان کی وجہ سے سینکڑوں خاندان تباہ ہوئے ہیں

یعنی اپنی اس مثال کو زاغ و بوم کی طرح (منحوس) جانو کہ ان کی وجہ سے سینکڑوں خاندان برباد ہو گئے ہیں۔ بس اسی طرح تمہاری ان مثلوں سے بھی بہت بربادی پھیلتی ہے آگے نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ کشتی بنایا کرتے تھے اور ان کی قوم ان پر استہزاء میں مثالیں بیان کرتی تھی تو وہ قوم آخر ہلاک ہوئی یہ اسی مثل ناکافی کی بدولت ہے کہ حقیقت کو سمجھتے نہیں ہیں اور مثال بیان کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب اہل سبا کی طرف رخ کرتے ہیں اور ان کی خبر لیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان احمق لوگوں نے جو خرگوش اور ہاتھی کے قصہ کو دست آویز بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکم ازلی کو چالاکیوں کی ضمن میں داخل کر دیا۔ بھلا ان سے کوئی کہے کہ گدھو تمہیں کب زیبا ہے کہ مثلیں تراش تراش کر حضرت حق سبحانہ سے ان کو منسوب کر دو۔ ولہ المثل الاعلیٰ مثال بیان کرنا تمہارا کام نہیں کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے ممثل بہ اور ممثل لہ ہر دو کے پورے حالت معلوم ہونے کی تا کہ قیاس مع الفارق نہ ہو جائے۔ اور یہ بات تم میں مفقود ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ تمہارا کام نہیں۔ بلکہ یہ حق سبحانہ کے شایان ہے جو کہ علم محیط رکھتے ہیں اور جن کا علم غیب و شہادت نہایت واضح امر ہے۔ مثلاً اگر کوئی گنجا زلف و رخ کی مثال بیان کرے تو اس سے یہی کہا جاوے گا ابے گنجے جب تیرے زلفیں ہی نہیں اور تو نے زلف کبھی دیکھی بھی نہیں تو تو زلف و رخ کی حالت کیا جانے کہ تو ان کی مثال بیان کرتا ہے یاد رکھو کہ مثال بیان کرنا یعنی کسی شے کی حالت ظاہر کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے جس چیز کو محض لاٹھی سمجھا تھا وہ صرف لاٹھی ہی نہ تھی بلکہ باطن کے لحاظ سے اژدہا بھی تھی جس کی اندرونی حالت بعد کو ظاہر ہوئی اور ایک وقت میں وہ منہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ بھلا جب اتنا بڑا شخص ایک لکڑی کی باطنی حالت نہ سمجھ سکے پھر تمہیں اس دام و دانہ کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے۔ جس نے تم کو پھنسا رکھا ہے اور جبکہ اظہار حال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غلطی ہوئی تو بھلا چوہا بیہودہ اس میں بل کیا بنا سکتا ہے اور اس میں کیا مداخلت کر سکتا ہے یاد رکھنا کہ حق سبحانہ تمہاری مثال کو اژدہا بنا دیں گے کہ وہ جواب میں تمہارے عضو عضو کو الگ کر دے گا۔ یعنی اس کا جواب یہ ہوگا کہ تم ہلاکت ابدی میں مبتلا ہو گے دیکھو ابلیس ملعون نے بھی اظہار حال آدم میں یوں ہی غلطی کی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے ملعون ہو گیا اور قارون نے بھی یوں ہی مکابرہ و مجادلہ کیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تخت و تاج سمت زمین میں دھنس گیا اور جاہل نمرود نے بھی اسی طرح مجادلہ کیا تھا جس کے سبب ایک مچھر نے فوراً اس کا بھیجا کھا لیا اور قوم عاد نے بھی یہی باتیں گھڑی تھیں جس سے ان کی ہڈیوں کو چور چور کر دیا

گیا۔ اور شداد پاجی نے بھی اسی قسم کا مکابرہ کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں جنتوں سے محروم رہا نہ اپنی بہشت سے منتفع ہوا نہ خدا کی بہشت سے اور فرعون نے بھی یوں ہی غلط جھگڑا کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانی میں ڈوب گیا۔ غرض ہر بدبخت وشقی ازلی نے اسی قسم کی فضول باتیں کیں حتیٰ کہ وہ دوزخ میں الٹا گرا دیا گیا بس تم اپنی اس مثال کو ایک کوا یا الو سمجھو جس نے ہزاروں گھرانے تباہ کر دیئے لہذا وہ تم کو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔

شرح شبّیری

قوم نوح کا ان کی کشتی بنانے میں استہزا کے طور پر مثل بیان کرنا

نوحؑ اندر بادیہ کشتی بساخت	صد مثل گو از پئے تسخر بتاخت
(حضرت) نوحؑ نے جنگل میں کشتی بنائی	سینکڑوں مثال دینے والے مذاق کے لئے دوڑے

یعنی نوح علیہ السلام نے خشکی میں کشتی بنائی تو سینکڑوں مثل بیان کرنے والے مسخرہ پن کے لئے دوڑے اور کہتے تھے کہ۔

در بیابانے کہ چاہ و آب نیست	می کند کشتی چہ ناداں ابلہے است
اس جنگل میں جہاں کنواں اور پانی نہیں ہے	وہ کشتی بنا رہا ہے کس قدر نادان اور بیوقوف ہے

یعنی جس جگہ پر کہ کنواں یا پانی نہیں ہے یہ کشتی بنا رہے ہیں کیا نادان اور احمق ہیں (نعوذ باللہ)

آں یکے میگفت ایں کشتی بتاز	واں یکے میگفت پرش ہم بساز
ایک کہتا تھا کہ اس کشتی کو دوڑا	اور ایک کہتا تھا کہ اس کے پر بھی لگا

یعنی وہ ایک کہتا تھا کہ اس کشتی کو دوڑاؤ تو اور وہ دوسرا کہتا تھا کہ اس کی پر بھی بناؤ یعنی پانی وغیرہ تو ہے ہی نہیں پھر اسکے چلنے کی کیا سبیل ہے۔ پر بنا لو کہ جس سے اڑا کرے۔

آں یکے میگفت دنبالش کژ است	واں یکے میگفت پشتش کژ مژ است
ایک کہتا تھا کہ اس کا دنبالہ ٹیڑھا ہے	ایک کہتا تھا کہ اس کی پشت ٹیڑھی میڑھی ہے

یعنی وہ ایک کہتا تھا کہ دنبال اس کا ٹیڑھا ہے اور ایک کہتا تھا کہ اس کی پشت ٹیڑھی میڑھی ہے۔

آں یکے میگفت پالانش کجا است	واں یکے میگفت پایش کج چرا است
ایک کہتا تھا کہ اس کا پالان کہاں ہے؟	ایک کہتا تھا کہ اس کا پایہ ٹیڑھا کیوں ہے؟

یعنی ایک کہتا تھا کہ اس کا پالان کہاں ہے اور ایک کہتا تھا کہ اس کا پاؤں کج کیوں ہے مطلب یہ کہ خشکی میں تو گھوڑا وغیرہ چل سکتا تھا اور انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کو خشکی ہی میں چلاؤ گے۔ تو یہ تو بتاؤ کہ اس کا پالان

کہاں ہے کمبخت سارے مسخرے جمع تھے۔

آں یکے میگفت کایں مشکے تہی است	واں یکے میگفت ایں خر بہر کیست
ایک کہتا تھا کہ یہ خالی مشکیزہ ہے	ایک کہتا تھا کہ یہ گدھا کس کے لئے ہے

یعنی ایک کہتا تھا کہ یہ ایک مشک خالی ہے (یعنی فضول ہے) اور ایک کہتا تھا کہ یہ گدھا کس کے لئے ہے۔

آں یکے میگفت بیکاری مگر	یا شدے فرتوت وعقلت شد زسر
ایک کہتا تھا کہ شاید تو بیکار ہے	یا تو کھوسٹ ہوگیا ہے اور تیرے سر سے عقل نکل گئی ہے

یعنی ایک کہتا تھا کہ شاید تم بیکار رہو یا فرتوت ہوگئے ہو اور تمہارے سر سے عقل جاتی رہی ہے۔(نعوذ باللہ)

غرض کہ وہ کمبخت یہ باتیں کیا کرتے تھے اب ان کا جواب سنئے کہ کس متانت سے فرماتے ہیں کہ۔

او ہمی گفت ایں بفرماں خداست	ایں بجر بکہا نخواہد گشت کاست
وہ کہتے تھے کہ یہ خدا کے حکم سے ہے	یہ مسخروں سے نہ گھٹے گی

یعنی وہ فرماتے تھے کہ یہ حکم خدا سے ہے اور یہ ان مسخروں سے گھٹے گی نہیں مطلب یہ کہ تم خواہ کتنا ہی استہزاء کرو یہ اسی طرح رہے گی اور تم کو کل معلوم ہو جاوے گا کہ یہ تمسخر کس پر پڑیں گے۔قرآن شریف میں بھی ہے کہ ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون آگے مولانا ایک چور کی حکایت لاتے ہیں کہ جس طرح کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ کل تم کو معلوم ہو جاوے گا اور یہ بات ان کے کلام سے نکلتی ہے اسی طرح ایک چور نقب دے رہا تھا صاحب خانہ نے پوچھا کہ ارے تو کون ہے اس نے کہا کہ ڈھول بجانے والا ہوں صاحب خانہ نے کہا کہ کیا کر رہا ہے بولا کہ ڈھول بجا رہا ہوں صاحب خانہ نے کہا کہ آواز کہاں ہے تو کہتا ہے کہ اس کی آواز تجھے کل کو سنائی دے گی جب سارے میں غل مچاتا پھرے گا۔تو اسی طرح نوحؑ نے کہہ دیا کہ کل کو خبر ہو جاوے گی۔اب حکایت سنو۔

حکایت اس چور کی کہ نقب لگا رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ میں ڈھول بجا رہا ہوں

ایں مثل بشنو کہ شب دزد عنید	در بن دیوار حفرہ می برید
یہ مثال سن کہ رات میں ایک سرکش چور	دیوار کی جڑ میں گڑھا کھود رہا تھا

یعنی یہ مثل سنو کہ ایک شب کو ایک چور معاند ایک دیوار کی جڑ میں نقب لگا رہا تھا۔

نیم بیدارے کہ او رنجور بود	طقطقی آہستہ اش را می شنود
ایک ادھ کچری نیند والا جو کہ بیمار تھا	اس کی آہستہ آہستہ کھٹ کھٹ کو سن رہا تھا

یعنی ایک نیم بیدار جو بیمار تھا اس کی آہستہ کھٹ کھٹ کو سنتا تھا

رفت بر بام و فرود آویخت سر	گفت اورا در چہ کارے اے پدر
وہ کوٹھے پر چڑھا اور سر کو جھکایا	اس سے کہا اے بابا! تو کس کام میں لگا ہے؟

یعنی وہ مریض کوٹھے پر گیا اور سر نیچے لٹکا کر اس سے بولا کہ اے بابا تو کس کام میں ہے۔

خیر باشد نیم شب چہ می کنی	تو کئی گفتا دہل زن ای سنی
خیر تو ہے' آدھی رات میں تو کیا کر رہا ہے؟	تو کون ہے؟ اس نے کہا اے بزرگ! ڈھول بجانے والا (ہوں)

یعنی خیر تو ہے تو رات کو کیا کر رہا ہے۔ ارے تو کون ہے تو وہ چور بولا ارے بھائی ڈھول بجانے والا ہوں۔

در چہ کاری گفت میکوبم دہل	گفت کو بانگ دہل اے بوسبل
تو کس کام میں (معروف) ہے اس نے کہا ڈھول بجا رہا ہوں	اس نے کہا اے مختلف طریقوں والے ڈھول کی آواز ہے

یعنی تو کس کام میں ہے اس نے کہا ڈھول بجا رہا ہوں تو صاحب خانہ نے کہا کہ اے بوسبل ڈھول کی آواز کہاں ہے۔

گفت فردا بشنوی ایں بانگ را	نعرۂ یا حسرتا واویلتا
اس نے کہا تو۔ اس آواز کو کل سن لے گا	یا حسرتا واویلا کا نعرہ

یعنی چور نے کہا کہ اس آواز کو تو کل کو سن لے گا (اور وہ) یا حسرتا یا ویلتا کا نعرہ ہے یعنی جب تو یا حسرتا یا ویلتا کرے گا اسوقت معلوم ہوگا کہ ہاں ڈھول بج رہا تھا (اور بولا کہ)

من چو رفتم بشنوی بانگ دہل	آں زماں واقف شوی بر جزو و کل
میں جب چلا جاؤں گا تو ڈھول کی آواز سن لے گا	اس وقت تو جزو کل سے واقف ہو جائے گا

یعنی میں جب چلا گیا تو ڈھول کی آواز سن لے گا۔ اور اس وقت جزو و کل پر واقف ہو جاوے گا۔ بس اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام اس قوم سے فرماتے تھے کہ وہ کہتے تھے کہ کشتی کیوں بناتے ہو تو فرما دیتے تھے کہ کل کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ آگے پھر ان ہی انبیاء قوم سبا کا مقولہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ۔

آں دروغ ست و کژ و برخاستہ	سر آں کژ را تو ہم نشناختہ
وہ مثال جھوٹی اور ٹیڑھی اور بناوٹی ہے	اس ٹیڑھی کے راز کو بھی تو نے نہیں پہچانا ہے.....

یعنی وہ (مثل) جھوٹ ہے اور کج ہے اور گھڑی ہوئی ہے اور اس کج کے سر کو تم بھی نہیں پہچانتے۔

در غلط افتادۂ اے نیم خام	پختہ شو در آتش حق والسلام
اے ادھ کچرے! تو غلطی میں پڑا ہوا ہے	اللہ (کے عشق) کی آگ میں پختہ بن والسلام

یعنی اے نیم خام تو غلطی میں پڑا ہوا ہے تو حق تعالیٰ کی آتش (محبت) میں پختہ ہو جاؤ والسلام۔
مطلب یہ کہ چونکہ تم اس مثل کی حقیقت کو نہیں سمجھے اس لئے غلطی کر رہے ہو اور اگر اس مثل کی حقیقت کو سمجھ لیتے تو پھر ایسی غلطی نہ کرتے تو اب تم حب حق دل میں پیدا کرو اس سے یہ غلطی رفع ہو جاوے گی۔ آگے اس مثل کو خود ان ہی پر صادق کرتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اوپر مولانا نے فرمایا تھا کہ مجادلین تباہ و برباد ہو گئے۔ اب اس کو ایک مثال سے ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو لوگوں نے نوح علیہ السلام سے بھی اسی قسم کے مجادلے کئے تھے پھر ان کا کیا حشر ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کشتی بنا رہے تھے اس کو دیکھ کر سینکڑوں مثالیں بیان کرنے والے تمسخر کے لئے دوڑ پڑے اور کہا کہ اس خشکی میں جہاں نہ کنواں ہے نہ پانی یہ شخص کشتی بنا رہا ہے نہایت بیوقوف آدمی ہے۔ (نعوذ باللہ) کوئی کہتا تھا کہ جناب ذرا اسے چلایئے تو سہی کوئی کہتا تھا کہ چلنے کے لئے اس کے پاؤں تو ہیں نہیں۔ لہذا آپ اس میں پر لگائیں کوئی کہتا تھا کہ اس کا پیچھا ٹیڑھا ہے کوئی کہتا تھا کہ اس کی کمر ٹیڑھی ہے کوئی کہتا تھا کہ اس کا پالان کہاں ہے کوئی کہتا تھا کہ اس کے پاؤں ٹیڑھے کیوں ہیں کوئی کہتا تھا کہ یہ تو خالی مشک ہے کوئی کہتا تھا کہ یہ گدھا کس کے لئے ہے کہ اس کے منہ تو ہے نہیں پھر جو کیسے کھاتا ہے اور اگر کھاتا ہی نہیں تو آپ کا سامان منزل تک کیونکر لے جاتا ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ جناب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کوئی کام نہیں جو اس فضول اور لایعنی کام میں مصروف ہیں یا آپ بڈھے ہو گئے ہیں اور دماغ سے عقل جاتی رہی ہے وہ سب کا یہی جواب دیتے تھے کہ یہ میں حکم الٰہی بنا رہا ہوں اور تمہاری پھبتیوں سے اس میں ہرگز کمی نہیں آ سکتی اب تو تم مذاق اڑا رہے ہو لیکن انشاء اللہ ایک دن تم کو اس کی ضرورت معلوم ہو جاوے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ طوفان آیا اور سب ڈوب گئے۔ نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کی حالت ایسی تھی جیسے ایک چور دیوار کی جڑ میں نقب لگا رہا تھا ایک ایسے شخص نے جو بیمار تھا اور بیماری کے سبب اسے اچھی طرح نیند نہ آتی تھی اس لئے کچھ سو رہا تھا کچھ جاگ رہا تھا اس کی آہستہ آہستہ کھٹ کھٹ کو سنا یہ سن کر وہ کوٹھے پر چڑھا اور اس نے سر جھکا کر اس سے کہا کہ آپ کیا کر رہے ہیں خیر تو ہے آپ کون ہیں اور آدھی رات کے وقت کیا کر رہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ڈھول بجانے والا ہوں۔ پھر اس نے کہا کہ اچھا آپ کر کیا رہے ہیں اس نے کہا کہ میں ڈھول بجا رہا ہوں اس نے کہا کہ ڈھول کی آواز تو کہیں معلوم نہیں ہوتی اس نے کہا کہ یہ آواز اب نہ سنائی دے گی بلکہ کل سننا جب کہ میں مال لے کر چلتا ہوں گا اور تم واویلا اور آہ و فریاد سے گھر کو سر پر اٹھا لو گے۔ جب میں جاؤں گا اس وقت وہ آواز سنائی دے گی اور مفصل حالت معلوم ہو جائے گی۔ یوں ہی قوم نوح کو بھی اس کشتی کی ضرورت اس وقت محسوس نہ ہوتی تھی اور بعد کو ان کو اچھی طرح معلوم ہو گئی۔

شرح شبّیری

سرآں خرگوش داں دیو فضول	کہ بہ پیش نفس تو آمد رسول
اس خرگوش کا راز سمجھ کہ وہ نالائق شیطان ہے	جو کہ تیرے نفس کے سامنے قاصد بن کر آیا

یعنی اس خرگوش کا راز شیطان فضول کو جانو کہ وہ تمہارے نفس کے سامنے رسول ہو کر آیا۔

تا کہ نفس گول را محروم کرد	ز آب حیوانی کہ از وے خضر خورد
یہاں تک کہ احمق نفس کو اس نے محروم کر دیا	اس آب حیات سے جو خضرؑ نے پیا

یعنی یہاں تک کہ نفس بیوقوف کو اس آب حیوانی سے جس سے کہ خضر نے کھایا ہے محروم کر دیا۔ مطلب یہ کہ وہ مثل اصل میں اس طرح ہے کہ وہ خرگوش تو شیطان ہے اور وہ چشمہ آب حیات ابدی ہے اور وہ ہاتھی تمہارا نفس ہے۔ شیطان نے تم کو بہکا کر آب حیوانی سے روک دیا اور اصل میں تو یہ مثل تمہارے اوپر صادق آتی ہے مگر تم نے یہ کیا کہ۔

باژ گونہ کردۂ معنیش را	کفر گفتی مستعد شو نیش را
تو نے اس کے معنی کو الٹ دیا	تو نے کفر کیا' سزا کے لئے تیار ہو جا

یعنی تو نے اس کے معنی کو الٹ دیا ہے اور تو نے کفر بکا ہے اب تو سزا کے لئے مستعد ہو جا۔ مطلب یہ کہ تم نے اس مثل میں حق تعالیٰ کو ماہ سے تشبیہ دی ہے تو یہ کفر ہے لہٰذا اس کی سزا کے لئے مستعد ہو جاؤ۔ اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ چاند سے تشبیہ دینے میں کیا حرج ہے خود مولانا ہی بارہا حق تعالیٰ کو ماہ آفتاب وغیرہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں تو بات یہ ہے کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کواکب پرست ہے قرآن شریف میں ہے کہ ہدہد نے سلیمان علیہ السلام سے آ کر عرض کیا کہ یسجدون للشمس اور یہ قصہ اہل سبا کا ہی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ کواکب کو الٰہ مانتے تھے تو اس تشبیہ میں بھی ان کا یہی مقصود تھا کہ ماہ اور حق تعالیٰ دونوں من کل الوجوہ مشابہ ہیں اور جیسے وہ خدا ہیں ویسے ہی یہ چاند بھی۔ نعوذ باللہ) خدا ہے تو مولانا اس طرح تشبیہ دینے کو کفر فرماتے ہیں اور ان کی حالت سے ان کا یہ اعتقاد صاف معلوم ہوتا ہے اب کوئی شبہ نہیں رہا تو انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ یہ مثل اصل میں تو تم پر صادق تھی مگر تم نے اس کو الٹا کر دیا۔

اضطراب ماہ گفتی در زلال	کہ بترسانید پیلاں را شغال
صاف پانی میں تو نے چاند کا حرکت کرنا بیان کیا	جس سے گیدڑ نے ہاتھیوں کو ڈرایا

یعنی تم نے ماہ کے اضطراب کو آب شیریں میں بیان کیا کہ پیلوں کو شغال نے ڈرا دیا۔ (شغال مجازاً کہدیا) مطلب یہ کہ تم یہ بیان کرتے اور اس کو مثل حق بیان کرتے ہو تو یہ تو صریح کفر ہے اور کفر اسی اعتقاد کی وجہ سے ہوا آگے فرماتے ہیں کہ۔

قصہ خرگوش و پیل آری و آب	خشیت پیلاں زمہ در اضطراب
تو خرگوش اور ہاتھی اور پانی کا قصہ بیان کرتا ہے	چاند کے ہلنے سے ہاتھیوں کا ڈرنا (بیان کرتا ہے)

یعنی قصہ خرگوش کا اور ہاتھی کا اور پانی کا لاتے ہو اور چاند سے اضطراب کے وقت میں ہاتھیوں کا ڈرنا (بیان کرتے ہو)

ایں چہ ماند آخرائے کوراں خام	بامہے کہ شد زبونش خاص و عام
اے اندھو (عقل کے) کچو! یہ کیا مشابہت رکھتا ہے؟	اس چاند سے جس کے خاص و عام تابع ہیں

یعنی اے اندھو خام یہ آخر کیا مشابہ ہوگا اس ماہ کے جس کے کہ خاص و عام سب مغلوب ہیں (دیکھو یہاں خود ماہ کہہ رہے ہیں تو کفر اس اعتقاد ہی کی وجہ سے فرمایا) آگے فرماتے ہیں کہ۔

چہ مہ و چہ آفتاب و چہ فلک	چہ عقول چہ نفوس و چہ ملک
کیا چاند اور کیا سورج اور کیا آسمان	کیا عقلیں اور کیا جانیں اور کیا فرشتہ

یعنی کیا ماہ اور کیا آفتاب اور کیا فلک اور کیا عقول اور کیا نفوس اور کیا فرشتہ۔

چہ وحوش و چہ طیور و چہ جماد	چہ ملوک و چہ گدا چہ کیقباد
کیا وحشی جانور اور کیا پرندے اور کیا پتھر	کیا بادشاہ اور کیا فقیر کیا شہنشاہ

یعنی کیا وحوش اور کیا طیور اور کیا جماد اور کیا بادشاہ اور کیا فقیر اور کیا کیقباد۔

چہ بلاد و چہ جبال و چہ بحار	چہ مہ و چہ سال و چہ لیل و نہار
کیا شہر اور کیا پہاڑ اور کیا سمندر	کیا مہینہ اور کیا سال اور کیا رات اور دن

یعنی کیا شہر اور کیا پہاڑ اور کیا دریا اور کیا مہینہ اور کیا سال اور کیا رات اور کیا دن۔

چہ تراب و آب و چہ باد و چہ نار	چہ خریف وصیف و چہ دے چہ بہار
کیا مٹی اور پانی اور کیا ہوا اور کیا آگ	کیا جاڑا اور گرمی اور کیا خزاں کیا بہار

یعنی کیا مٹی اور کیا پانی اور کیا ہوا اور کیا آگ اور کیا خریف اور کیا صیف اور کیا خزاں اور کیا بہار۔

جملہ اندر حکم و در فرمان او	ہمچو گوئے در خم چوگاں او
سب اس کے حکم اور فرمان میں ہیں	جیسا کہ گینڈ بلے کے خم میں

یعنی سب اس کی حکم اور فرمان میں ہیں مثل گیند کے ان کی چوگان کے خم میں ہیں۔

آفتاب آفتاب آفتاب	ایں چہ میگویم مگر ہستم بخواب
سورج کے سورج کا سورج (ہے)	میں یہ کیا کہہ رہا ہوں؟ شاید میں نیند میں ہوں

یعنی وہ آفتاب آفتاب آفتاب ہے اور میں کیا کہہ رہا ہوں شاید میں خواب میں ہوں۔ مطلب یہ کہ جب اس کی یہ سب اشیاء تابع فرمان ہیں تو پھر کوئی شے الوہیت میں اس کی شریک کس طرح ہو سکتی ہے۔ اس کی شان تو بہت بڑی ہے پھر آفتاب آفتاب آفتاب سے تشبیہ دی مگر کہتے ہیں کہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں شاید خواب میں ہوں ورنہ ایسی باتیں کیوں کرتا اس لئے تشبیہ تو یہ بھی ناقص ہی ہے لہذا اب اس سے خاموش ہو کر حضرات انبیاء علیہم السلام واہل اللہ کے خشم اور دل دکھنے کے آثار کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ہم نے جو کہا تھا کہ تم کو اس کا راز معلوم نہیں سو سنو حقیقت اس مثال کی یہ ہے کہ خرگوش شیطان ہے اور نفس کے پاس قاصد حق سبحانہ بن کر آیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احمق نفس کو اس چشمہ آب حیات سے پانی پینے سے روک دیا جس سے حضرت خضر علیہ السلام نے پیا تھا۔ یعنی حقائق ومعارف سے متمتع ہونے سے روک دیا۔ تم نے اس کے معنے الٹے کئے اور کفر بکا تو اب اس کی سزا کے لئے تیار رہو تم نے پانی میں چاند کے مضطرب ہونے کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے خرگوش نے ہاتھیوں کو ڈرایا تھا۔ بھلا غضب ہے کہ انبیاء کے مقابلہ میں خرگوش اور ہاتھی اور پانی اور ہاتھیوں کے پانی کے اندر چاند کی تڑپ سے ڈر جانے کا قصہ بیان کرتے ہو ارے اندھو تمہیں شرم نہیں آتی بھلا اس کو اس ماہ حقیقی سے کیا نسبت جس کا تمام عالم مغلوب ومسخر ہے۔ کیا چاند کیا سورج کیا آسمان کیا عقول کیا نفوس کیا فرشتے کیا وحوش کیا طیور کیا جمادات کیا سلاطین کیا مفلس کیا سلاطین عظام مثل کیقباد کیا شہر کیا پہاڑ کیا دریا کیا مہینہ کیا سال کیا رات اور دن کیا مٹی کیا پانی کیا ہوا کیا آگ کیا خریف کیا گرمی کیا خزان کیا بہار غرض کہ ہر چیز اس کے حکم کے تابع ہے اور ایسی ہے جیسے گیند بلے کے لپیٹ میں وہ سورج کے سورج کا سورج ہے ارے میں یہ کیا کہہ رہا ہوں۔ میں شاید خواب میں ہوں جو سمجھتا نہیں اس کا مرتبہ تو کہیں بڑھ کر ہے۔ آفتاب آفتاب کو اس سے کیا نسبت (توضیح اہل سبا نے اپنی تمثیل میں جو چاند کو حق سبحانہ سے تشبیہ دی تھی اس میں ان کو اشتراک فی المعبود کا وصف بھی مدنظر تھا کیونکہ وہ قوم ستارہ پرست بھی تھی۔ اب مولانا ''ایں چہ باشد الخ سے اس خیال کا ابطال کرتے ہیں ھذا ما قاله بحر العلوم ایک توجیہ تو یہ ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اولاً مولانا نے ان کی تمثیل کو خود ان پر الٹا تھا اب اب اس کا محل نزاع سے اجنبی ہونا ظاہر فرماتے ہیں یعنی اول حملہ تھا کفار پر اب اپنی طرف سے مدافعت ہے اور حاصل مدافعت یہ ہے کہ وہ قصہ فریب تھا خرگوش کا جو اس نے اپنی ذاتی منفعت کے لئے کیا تھا اور جس میں کہ وہ کامیاب بھی ہو گیا اور چاند اپنی عجز کے سبب اس تلبیس کے ازالہ پر قادر نہ ہو سکا۔ لیکن خدا تو قادر ہے اس کے خلاف کسی کی تبلیس چل نہیں سکتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه باليمين ثم لقطعنا منه الوتين الخ پس اس مثال کو حق سبحانہ سے کیا تعلق

وھذاھو الراجح عندی وجہ اول یہ کہ اولاً مولانا نے اس مثال کی لغویت کو اجمالاً ان الفاظ سے ظاہر فرمایا تھا

انچہ درخرگوش و پیل آویختند تا ازل رابا حیل آمیختند

کے رسد تاں ایں مثہا ساختن سوئے آن درگاہ پاک انداختن

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشا لغویت اس کا فریب ہوتا ہے اور یہ توجیہ بالکل اس کے مطابق ہے دوسری وجہ یہ کہ سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری مثال ایں کا مشار الیہ ہے نہ کہ فقط ماہ۔ تیسری وجہ یہ کہ مولانا نے جس انداز سے ان کی تقریر کو نقل کیا ہے اس سے ہرگز یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ان کو چاند کو حق سبحانہ کیساتھ وصف معبودیت میں شریک کرنا مقصود ہے رہا علامہ بحر العلوم کا یہ ارشاد کہ

''چوں تشبیہ دادید ایں رسالت را بر رسالت خرگوش از ماہ پس حق را مثل ماہ دانستید وایں غلط عظیم ست و کوری شنیع شاید آن قوم ماہ پرستاں باشند کہ ماہ را عظیم مثل اللہ بدانستند در معبودیت پس رسل کوری ایشاں بیان فرمودند'' سو سراسر مخدوش ہے کیونکہ اول تو تشبیہ مرکب میں تشبیہ اجزا با جزا و لازم نہیں پس ان کا یہ ارشاد کہ پس حق را مثل ماہ دانستید امر غیر مسلم اور بر تقدیر تسلیم یہ ضرور نہیں کہ مماثلت فی المعبودیہ ہی مراد ہو بلکہ ظاہر یہ ہے کہ مماثلت فی الشرف ای المشارکۃ المطلقۃ فیہ مراد ہے جیسا کہ ان کا سیاق کلام بتا رہا ہے پس اس سے اعتقاد مشارکت فی المعبودیہ یا اس مقام پر اس کا مقصود ہونا سمجھنا غیر موجہ ہے اصل وجہ یہ ہے کہ علامہ نے جب دیکھا کہ مشبہ بہ حق سبحانہ کو بنایا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے'' کہ این چہ ماند با مے'' اس لئے انہوں نے ایں کا مشار الیہ ماہ کو بنایا اس کے بعد ان کو ایسی وجہ تشبیہ تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی جس کی تردید کی ضرورت ہو اس لئے وجہ تشبیہ مشارکت فی المعبودیہ کو قرار دیا۔ اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ ان کا اعتقاد بھی یہ ہو اس لئے فرمایا'' شاید آں قوم ماہ پرستاں الخ و لاحاجۃ الی ھذہ التکلفات الباردۃ فافھم)

شرح شبیری

سرنگوں کردست اے بدگوہراں	صد ہزاراں شہر را خشم شہاں
اے بداصلو! اوندھے کر دیئے ہیں	شاہوں کے غصہ نے لاکھوں شہر

یعنی اے بدذا تو خشم شاہاں نے لاکھوں شہروں کو سرنگوں کر دیا ہے (یہاں خطاب ان اہل سبا ہی کو ہے) مطلب یہ ہے کہ ارے تم ان کا دل مت دکھاؤ ان حضرات کے دل دکھنے کی وجہ سے لاکھوں شہر برباد ہو گئے ہیں اور یہ حالت ہے کہ۔

آفتابے چوں خراسے در طواف	کوہ برخود می شگافد صد شگاف
سورج پن چکی کے گدھے کی طرح چکر میں ہے	پہاڑ خود سینکڑوں ٹکڑے بن جاتا ہے

یعنی پہاڑ اپنے اوپر سوشگاف ہو کر پھٹ جاتا ہے اور آفتاب مثل چکی کے طواف میں ہے یعنی ان حضرات کے خشم کے وقت پہاڑ پھٹ جاتے ہیں اور آفتاب جو اس قدر عظیم الشان کرہ ہے سرگرداں پھر رہا ہے۔

خشم مرداں خشک گرداند سحاب	خشم دلہا کرد عالمہا خراب
مردان (خدا) کا غصہ ابر کو خشک کر دیتا ہے	دلوں کے غصہ نے جہانوں کو تباہ کردیا ہے

یعنی مردان حق کا غصہ سحاب کو خشک کر دیتا ہے اور خشم قلوب (اہل اللہ) جہانوں کو خراب کر دیتا ہے"۔

بنگرید اے مردگاں بے حنوط	در سیاست گاہ شہرستاں لوط
اے خوشبو نہ ملے ہوئے مردو! دیکھ لو	لوط کے شہر کی عذاب گاہ کو

یعنی اے بے حنوط مردو قوم لوط کے شہروں کی سیاست گاہ میں دیکھو (بے حنوط سے مراد ذلیل اس لئے کہ حنوط تو مردہ کے اکرام کے لئے لگایا جاتا ہے) مطلب یہ کہ ان کے شہروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو کہ انہوں نے انبیاء کی نافرمانی کی تو ہلاک ہوئے اسی طرح یہ روز بدتم پر بھی آنے والا ہے اور ان حضرات کے غصہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ۔

پیل خود چہ بود کہ سر مرغ پراں	کوفتند آں پیلگانرا استخواں
ہاتھی خود کیا ہے کہ تین (چار) اڑنے والے پرندوں نے	ان ہاتھیوں کی ہڈیاں توڑ دیں

یعنی ہاتھی خود کیا ہوتا ہے کہ چند اڑنے والے جانوروں نے ان ہاتھیوں کی ہڈیاں توڑ دیں۔

اضعف مرغاں ابابیل است واو	پیل را بدرید و نہ پذیرد رفو
ابابیل کمزور ترین پرند ہے اور اس نے	ہاتھی کو (ایسا) پھاڑا جس کا رفو نہیں ہو سکتا

یعنی سب سے زیادہ ضعیف جانوروں میں ابابیل ہے اور اس نے ہاتھی کو پھاڑ ڈالا کہ وہ رفو کو قبول نہیں کرتا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو خشم ہوا تو ایک ذرا سے جانور نے ہاتھیوں کو درہم برہم کر دیا اور اگر چہ یہ خشم حق سے ہوا ہے مگر خشم انبیاء کے لئے خشم حق ضروری ہے اس لئے خشم انبیاء سے بھی یہ سب باتیں ہو سکتی ہیں اور قرآن شریف میں جو ابابیل آیا ہے اس کے معنے اس ابابیل متعارف کے نہیں ہیں جو سیاہ سیاہ ایک چڑیا کی برابر ہوتا ہے بلکہ ابابیل جمع ہے ابول کی اس کے معنے ہیں جھنڈ کے جھنڈ یعنی وہ جانور جھنڈ کے جھنڈ تھے اب ان کی تفصیل نہیں کہ کیا تھے اور مولانا کا یہاں ابابیل کہنا بھی اسی معنی میں ہے یعنی وہ بہت چھوٹے جانور تھے مگر چونکہ تتبع سے یہ معلوم ہے کہ چھوٹا جانور الگ ہو کر نہیں اڑاتا بلکہ مل کر اڑتے ہیں اس لئے مولانا نے اس کو اضعف مرغاں کہہ دیا یعنی وہ جھنڈ چھوٹے جانوروں کے تھے باقی مولانا کی مراد بھی یہ ابابیل نہیں ہیں خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہیں کہ۔

کیست کونشنید آں طوفان نوح	یا مصاف لشکر فرعون و روح
کون ہے جس نے طوفان نوحؑ (کے بارے میں) نہ سنا ہو	یا فرعون اور (حضرت) جبرئیلؑ کا معرکہ

یعنی وہ کون ہے جس نے کہ وہ طوفان نوح نہیں سنا یا لشکر فرعون اور روح کی جنگ (کو نہیں سنا تو یہ سب خشم انبیاء ہی کی بدولت ہوا ہے) روح سے مراد موسیٰ ہیں۔

روح شان بشکست واندر آب ریخت	ذرہ ذرہ آب شاں بری گسیخت
(حضرت) جبرئیلؑ نے ان کو شکست دی اور پانی میں بہا دیا	پانی ان کو ذرہ ذرہ کرتا تھا

یعنی موسیٰؑ نے ان کو شکست دی اور پانی میں ریختہ کر دیا۔ اور پانی ان کو ذرہ ذرہ کر کے توڑتا تھا۔

کیست کو نشنید احوال ثمود	وانکہ صرصر عادیاں را می ربود
کون ہے جس نے ثمود کے احوال نہ سنے ہوں؟	اور یہ کہ عاد والوں کو آندھی اچک رہی تھی

یعنی کون ہے جس نے کہ ثمود کا حال نہیں سنا اور یہ کہ صرصر عادیوں کو لے بھاگی تھی۔

چشم بارے در چناں پیلاں کشا	کہ بدندے پیل کش اندر دغا
اب آنکھ ایسے ہاتھیوں میں کھول	جو ہاتھیوں کو جنگ میں مار ڈالنے والے تھے

یعنی ایک دفعہ آنکھ ان ہاتھیوں میں کھول کہ یہ لڑائی میں پیل کش تھے یعنی یہ لوگ بڑے بڑے زبردست تھے۔ مگر

آں چناں پیلاں و شاہان ظلوم	زیر خشم دل ہمیشہ در رجوم
ایسے ہاتھی اور ظالم بادشاہ	(صاحب) دل کے غصہ کے ماتحت ہمیشہ سنگباری میں ہیں

یعنی ایسے زبردست اور شاہاں ظالم خشم دل کے نیچے ہمیشہ رجم میں تھے۔ یعنی ذرا آنکھ کھول کر عبرت پکڑو کہ ایسے ایسے زبردست لوگ اور اس طرح ہلاک ہوئے۔

تا ابد از ظلمتے در ظلمتے	می روند و نیست غوث و رحمتے
ہمیشہ کے لئے ظلم کی وجہ سے اندھیرے میں	جا رہے ہیں اور کوئی فریاد اور رحمت نہیں ہے

یعنی ابدالآباد تک ایک ظلمت سے دوسری ظلمت میں چلتے رہیں گے اور کوئی فریاد رس اور رحمت نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ دیکھ لو اس خشم کی بدولت ابدالآباد تک ظلمت ہی ظلمت میں رہیں گے۔

نام نیک و بد مگر نشنیدہ اید	جملہ دیدند و شما نادیدہ اید
شاید تم نے نیک اور بد کا نام نہیں سنا ہے	سب نے دیکھ لیا ہے اور تم نے نہیں دیکھا ہے

یعنی نیک و بد کا نام شاید تم نے نہیں سنا ہے اور سب نے تو دیکھا ہے اور تم بے دیکھے ہو۔

دیدہ را نا دیدہ می آرید لیک	چشم تاں را واکشاید مرگ نیک
دیکھے ہوئے کو ان دیکھا تصور کر رہے ہو لیکن	موت تمہاری آنکھ کو اچھی طرح کھول دے گی

یعنی دیکھی ہوئی چیز کو بے دیکھی ہوئی لاتے ہو لیکن تمہاری آنکھ کو موت اچھی طرح کھول دے گی۔ مطلب یہ کہ تم عبرت جو حاصل نہیں کرتے تو ایسا ہے کہ گویا کہ تم نے دیکھا ہی نہیں اور باوجود اس قدر واقعات کے موجود ہونے کے تم

اندھے ہو تو خیر موت اچھی طرح تمہاری آنکھیں کھول دے گی اور اس روز اس غفلت اور اندھے پن کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی آگے اس عبرت کے چیزوں کے موجود ہونے کو اور ان سے عبرت حاصل نہ کرنے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

گرد و عالم پر بود خورشید و نور	چوں روی در ظلمتے مانند کور
اگر دونوں جہان سورج اور نور سے پر ہوں	جبکہ تو اندھوں کی طرح اندھیرے میں چلے

یعنی اگر دونوں عالم خورشید و نور سے پر ہوں تو جب تم ظلمت میں اندھے کی طرح چلو۔

بے نصیب آئی ازاں نور عظیم	بستہ روزن باشی از ماہ کریم
اس عظیم نور سے تو بہرہ ورنہ ہو گا	اس عظیم چاند کی طرف سے تیرا روشندان بند رہے گا

یعنی اس نور عظیم سے بے نصیب ہو گے اور اس ماہ کریم سے بستہ روزن ہو گے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تمام عالم عبرت کی چیزوں سے بھرا ہوا ہے مگر جبکہ تم عبرت حاصل نہ کرو تو تمہارے اعتبار سے وہ ایسا ہے گویا کہ ایک شے بھی موجود نہیں ہے اور تم اندھوں کی طرح تمام عالم میں پھر رہے ہو۔

تو دروں چاہ رفتی ز کاخ	چہ گنہ دارد جہانہائے فراخ
تو محل سے گر کر کنویں میں چلا گیا ہے	وسیع جہانوں کی کیا خطا ہے

یعنی تو کنویں میں محل سے چلا گیا ہے تو اس عالم فراخ کی کیا خطا یعنی اگر تو سارے جہان کو چھوڑ کر ایک تاریک کنویں میں چلا جاوے تو اگر اس جہان کے باغ و بہار مجھے نظر نہ آویں تو اس کی کیا خطا۔

جان کہ اندر وصف گرگی ماند او	چوں بہ بیند روئے یوسف را بگو
وہ جان جو بھیڑیئے پن میں رہی	بتا وہ یوسف کا چہرہ کیسے دیکھے گی؟

یعنی وہ جان کہ وصف گرگی میں مشابہ ہے تو وہ روئے یوسف کو اچھی طرح کب دیکھ سکتی ہے۔

لحن داؤدی بہ سنگ و کہ رسید	گوش آن سنگین دلانش کم شنید
(حضرت) داؤد کا نغمہ پتھر اور پہاڑ تک پہنچ گیا	ان سنگدلوں کے کان نے نہ سنا

یعنی لحن داؤدی سنگ و کوہ تک تو پہنچ گیا (مگر) ان سنگین دلوں کے کانوں نے اس کو نہ سنا۔

آفریں بر عقل و بر انصاف باد	ہر زماں واللہ اعلم بالرشاد
عقل اور انصاف کو شاباش ہے	ہر دور میں اور خدا ہدایت کو زیادہ جانتا ہے

یعنی (ایسے) عقل و انصاف پر ہر دم آفریں ہے۔ واللہ اعلم بالرشاد۔ مطلب یہ کہ بھائی ایسی عقل و انصاف پر جو کہ حق کو دیکھتے ہی نہیں ہزار آفریں۔ یہ طعن ہے۔ خلاصہ سب کا یہ ہے کہ دنیا میں عبرت کی چیزیں موجود ہیں ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ اور اہل اللہ اور انبیاءؑ کا دل دکھانے سے باز رہو آگے مولانا قوم سبا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

صدقوا رسلاً کراماً یا سبا	صدقوا روحاً سباھا من سبا
اے سبا (والو)! شریف رسولوں کی تصدیق کرو	اس روح کی تصدیق کرو جس کو قید کیا ہے جس نے بھی قید کیا ہے

یعنی اے قوم سبا رسولان کرام کی تصدیق کرو اور اس روح کی تصدیق کرو کہ مقید کر رکھا ہے اس کو جس نے کہ مقید کیا ہے۔ مطلب یہ کہ ان حضرات کی تصدیق کرو کہ ان کو حق تعالی نے مقید کیا ہے اور وہ حق تعالی کے مطیع ہیں۔

صدقواھم ھم شموس طالعة	یومنوا کم من مخازی القارعة
ان کی تصدیق کرو وہ طلوع کرنے والے سورج ہیں	وہ تمہیں قیامت کی رسوائیوں سے امن دلائیں گے

یعنی ان کی تصدیق کرو وہ آفتاب ہیں چمکنے والے وہ تم کو قیامت کی رسوائیوں سے نجات دیں گے۔

صدقوا ھم ھم بدور زاھرہ	قبل ان یلقوکم بالساھرہ
ان کی تصدیق کرو وہ روشن چاند ہیں	اس سے پہلے کرو کہ تم سے میدان قیامت میں ملاقات کریں

یعنی ان کی تصدیق کرو وہ چاند ہیں روشن قبل اس کے کہ وہ تم سے قیامت میں ملیں۔ مطلب یہ کہ قیامت میں ملنے سے پہلے پہلے ان کی تصدیق کرلو ورنہ قیامت میں وہ تم سے بہ حیثیت مدعی کے ملیں گے۔ لہذا اس سے پہلے ہی کی تصدیق کام آوے گی۔

صدقوھم ھم مصابیح الدجیٰ	اکرموھم ھم مفاتیح الرجا
ان کی تصدیق کرو، وہ تاریکی کے چراغ ہیں	ان کی عزت کرو وہ امید کی کنجیاں ہیں

یعنی ان کی تصدیق کرو وہ تاریکی کے چراغ ہیں اور ان کا اکرام کرو وہ امید کی کنجیاں ہیں

صدقوا من لیس یرجوا خیرکم	لاتضلوا لاتصدوا غیرکم
اس کی تصدیق کرو جو تمہارے مال کا امیدوار نہیں ہے	گمراہ نہ ہو اپنے غیر کو نہ روکو

یعنی اس شخص کی تصدیق کرو جو تمہاری خیر کا طالب نہیں ہے خود گمراہ مت ہو اور اپنے غیر کو روکو مت۔ یعنی جو کہ تم سے مال کے طالب نہیں اور کسی شے کے طالب نہیں ان کی تصدیق کرو۔ یہاں جو تھوڑی سی عربی لکھ دی ہے تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

پارسی گوئیم ہیں تازی بہل	ہندوی آن ترک باش اے آب وگل
ہم فارسی بولنے والے ہیں، خبردار! عربی کو رہنے دے	اے پانی اور مٹی (سے بنے ہوئے) اس ترک کا غلام بن جا

یعنی ہم فارسی کہتے ہیں عربی کو چھوڑو اور اس ترک کا غلام ہو جا اے آب وگل (ترک سے مراد حضرت مں) مطلب یہ کہ ہم فارسی کہتے ہیں عربی کو ترک کرو اس لئے کہ شاید عربی کو کوئی نہ سمجھے اور بس خدا کے بندے بنے رہو یہی مطلوب ہے۔

ہیں گواہی ہائے شاہاں بشنوید	بگر دیدند آسمانہا بگروید
آگاہ! بادشاہوں کی شہادتیں سنو	آسمان ان کے گرویدہ ہیں تم (بھی) گرویدہ بنو

یعنی ہاں بادشاہوں کی گواہی کو سنو اور آسمان تو مطیع ہو گئے تم بھی مطیع ہو جاؤ۔

یا بحال اولینان بنگرید	یا سوئے آخر بحزمے بر پرید
یا گذشتہ لوگوں کا حال دیکھو	یا آخرت کی طرف احتیاط سے پرواز کرو

یعنی یا پہلوں کے حال دیکھو یا آخر کی طرف حزم سے اڑو مطلب یہ کہ یا تو ان حضرات کی باتیں سن کر مان لو اور اگر یہ نہیں ہوتا تو پہلوں کے قصوں سے عبرت حاصل کرو اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو حزم سے کام لو کہ دیکھ لو احتیاط کس میں ہے اس کو لے لو تو دیکھ لو کہ احتیاط اسی میں ہے کہ انبیاء کی تصدیق کی جاوے اس لئے کہ یہ کہتے ہیں کہ اگر نہ مانو گے تو قیامت میں باز پرس ہوگی۔ سو اگر تصدیق کر لی اور یہ (نعوذ باللہ) کاذب ہوئے اور قیامت وغیرہ نہ آئی تو تم سے کوئی بھی نہ پوچھے گا کہ تم نے کیا کیا تھا اور اگر یہ سچے ہوئے اور قیامت قائم ہوئی تو اس وقت تم باایمان ہو گے غرضکہ ہر صورت سے ان کی مان لینا ہی بہتر ہے آگے حزم کے معنی بیان فرماتے ہیں۔

حزم کے معنے کے بیان میں اور مرد حازم کی مثال

حزم چہ بود درد و تدبیر احتیاط	از دو آں گیری کہ دور ست از خباط
پختہ کاری کیا ہوتی ہے دو (چیزوں) میں احتیاط کی تدبیر	تو دونوں میں سے وہ احتیاط کر جو لغزش سے دور ہے

یعنی حزم کیا ہوتا ہے دو تدبیروں میں احتیاط کرنا اور دو میں سے اس کو لینا جو خبط سے دور ہے (بس اس کا نام حزم ہے تو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ احتیاط تصدیق انبیاء ہی میں ہے لہٰذا ان کی مانو آگے ایک مثال سے حزم کے اس معنی کو اور واضح فرماتے ہیں کہ)

آں یکے گوید دریں رہ ہفت روز	نیست آب و ہست ریگ پائے سوز
ایک کہتا ہے کہ اس راستہ میں سات روز تک	پانی نہیں ہے اور پاؤں جلانے والا ریت ہے

یعنی ایک شخص کہتا ہے کہ اس راہ میں سات روز تک پانی نہیں ہے اور ریت پاؤں کو جلانے والا ہے۔

آن دگر گوید دروغ ست ایں بداں	کہ بہر شب چشمۂ بینی عیاں
دوسرا کہتا ہے جھوٹ ہے یہ سمجھ لے	کہ تو ہر رات کو بہتا چشمہ دیکھے گا

یعنی دوسرا کہتا ہے کہ غلط ہے یہ سمجھ لے کہ ہر شب میں ایک چشمہ دیکھو گے ظاہر طور پر یعنی ہر منزل پر چشمہ ملے گا۔

حزم آن باشد کہ برگیری تو آب	تارہی از ترس و باشی در صواب
پختہ کاری یہ ہو گی کہ تو پانی لے لے	تاکہ تو خوف سے نجات پا جائے اور تو صحیح راستہ پر ہو

یعنی حزم وہ ہے کہ تم پانی لے لوتا کہ خوف سے چھوٹ جاؤ اور درست حالت میں رہو۔

گر بود در راہ آب ایں را بریز	در نباشد وائے بر مرد ستیز
اگر راستہ میں پانی ہو اس کو بہا دے	اگر نہ ہوا تو جھگڑا کرنے والے پر افسوس ہے

یعنی اگر راستہ میں پانی ہو تو اس کو گرادینا اور اگر نہ ہو تو مخالفت کرنے والے آدمی پر افسوس ہے یعنی جو کہ اس کو نہ مانے اور احتیاط نہ کرے اس وقت اس کی حالت افسوسناک ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے خلیفہ زادگان دادے کنید	حزم بہر روز میعادے کنید
اے خلیفہ زادو! انصاف کرو	قیامت کے دن کیلئے پختہ کاری سے کام لو

یعنی اے شہزادو انصاف کرو اور روز میعاد کے لئے حزم کرو۔ یعنی اس روز کے لئے احتیاط سے کام لو اور چونکہ حضرت آدم خلیفہ اور بادشاہ تھے اس لئے خلیفہ زادہ انسان کو کہہ دیا۔

آں عدوئے کز پدرتاں کیں کشید	سوئے زندانش ز علیین کشید
وہ دشمن جس نے تمہارے باپ سے کینہ کشی کی	علیین سے اس کو قید خانہ میں کھینچ لایا

یعنی وہ دشمن جس نے کہ تمہارے باپ سے کینہ کیا اور علیین سے ان کو زندان کی طرف کھینچا۔

آں شہ شطرنج دل را مات کرد	از بہشتش سخرۂ آفات کرد
اس نے دل کے شاہ شطرنج کو مات دے دی	اس کو بہشت سے نکال کر مصیبتوں کا پابند کر دیا

یعنی اس نے شطرنج دل کے شاہ کو مات کر دیا اور بہشت سے (نکال کر) ان کو سخرۂ آفات کر دیا یعنی وہاں سے نکال کر ان کو آفات میں مبتلا کر دیا۔

چند جابندش گرفت اندر نبرد	تا بکشتی در فگندش روئے زرد
معرکے میں چند جگہ اس پر پیچ ڈالا	یہاں تک کہ رسوائی کے ساتھ اس کو کشتی میں پچھاڑ دیا

یعنی کئی جگہ سے ان کے بند لڑائی میں پکڑے یہاں تک کہ کشتی میں ان کو زرد رو کر کے ڈال دیا۔

ایں چنیں کرد ست با آں پہلواں	ست ستش منگرید اے دیگراں
اس بہادر کے ساتھ یہ کیا	اے بیگانو! اس کو حقیر نہ سمجھو

یعنی اس نے اس پہلوان کے ساتھ ایسا کیا ہے تو اے دوسرو تم اس کو کمزور مت سمجھو۔

مادر و بابائے ما را ایں حسود	تاج و پیرایہ بچا لاکے ربود
اس حاسد نے ہماری ماں اور باپ کا	تاج اور لباس چالاکی سے اچک لی

یعنی ہمارے ماں باپ کا اس حاسد نے تاج اور پیراہن چالاکی سے لے لیا ہے۔

سالہا بگریست آدم زار زار	کرد شاں آنجا برہنہ خوار و زار
آدم سالوں زار زار روئے	اس جگہ ان کو ننگا ذلیل اور بدحال کر دیا

یعنی ان کو اس جگہ برہنہ اور ذلیل کیا تو آدم علیہ السلام سالہا سال تک زار زار روئے۔

کہ چرا اندر جریدہ لاست ثبت	کہ ز اشک چشم او روئید نبت
کہ کیوں اعمال نامے میں انکار لکھا ہے؟	کہ ان کی آنکھوں کے آنسو سے گھاس اگ آئی

یعنی یہاں تک کہ ان کی اشک چشمی سے گھاس اگ آیا کہ کیوں دفتر لا میں (میرا نام) ثبت ہے مطلب یہ کہ وہ اس لئے روتے تھے کہ میرا نام اس دفتر مخالفت میں کیوں ثبت ہو گیا۔ اور کیوں لکھا گیا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان کی اشک چشم سے بوٹیاں پیدا ہوئی تھیں اور جس قدر خوشبودار بوٹیاں مثل الائچی وغیرہ کے ہیں اسی سے پیدا ہوئی تھیں۔ تو دیکھو اس شیطان نے ایسے زبردست کو بھی ایک دفعہ ہرادیا۔

کہ چناں سرور کند زو ریش را	تو قیاسے گیر طراریش را
کہ ایسا سردار اس کی وجہ سے داڑھی نوچتا ہے	تو اس کی چالاکی کا قیاس کر لے

یعنی تم اس کی چالاکی کو قیاس کر لو کہ ایسا سردار اس کی وجہ سے داڑھی کو اکھاڑے۔ یعنی جب وہ اس سے زیر ہو گئے تو پھر تم دیکھ لو کہ تمہارے ساتھ کیا کچھ کر سکتا ہے۔

تیغ لاحولے زنید اندر سرش	الحذر اے گل پرستاں از سرش
اس کے سر پر لاحول کی اور تلوار مارو	اے مٹی کے پجاریو! اس کے شر سے بچو

یعنی اے گل پرستو اس کے شر سے بچو اور لاحول کی تلوار اس کے سر میں مارو۔

کہ شما او را نمی بینید ہیں	کو ہمی بیند شمارا از کمیں
خبردار! کہ تم اسے نہیں دیکھتے ہو	کیونکہ وہ تمہیں گھات میں سے دیکھتا ہے

یعنی کیونکہ وہ تم کو کمین سے دیکھ رہا ہے اور تم اس کو نہیں دیکھتے ہو (قرآن شریف میں بھی ہے کہ انــــہ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لاترونھم تو اس کی مثال ایسی ہے جیسی کہ قیاد کہ جانور کو صیاد تو دیکھتا ہے اور وہ جانور اس کو نہیں دیکھتا اور صیاد کی یہ حالت ہوتی ہے کہ)

دانہ پیدا باشد و پنہاں دغا	دائما صیاد ریزد دانہا
دانہ ظاہر اور مکر چھپا ہوا ہوتا ہے	شکاری ہمیشہ دانہ ڈالتا ہے

یعنی صیاد ہمیشہ دانے ڈالتا ہے تو دانہ تو ظاہر ہوتا ہے اور دغا بازی پوشیدہ ہوتی ہے۔

تانہ بندد دام بر تو بال و پر	ہر کجا دانہ بدیدی الحذر
تاکہ جال تیرے بال و پر نہ باندھ دے	تو جہاں دانہ دیکھے بچ

یعنی جہاں کہیں تم دانہ دیکھو تو بچو تا کہ جال تم پر بال و پر کو باندھ نہ دے۔

دانہ چوں خوردی درافتادی بدام	چونکہ دیدی دانہ بگریز ای حمام
ورنہ جیسے ہی تو نے کھایا جال میں پھنسا	اے کبوتر! جب تو دانہ دیکھے بھاگ جا

یعنی اے کبوتر جب تو نے دانہ دیکھا تو بھاگ اور جو دانہ تو نے کھالیا تو (سمجھ لے کہ) تو جال میں پڑ گیا۔

مطلب یہ ہے کہ یہ شیطان بھی ہر دم شہوات کا جال بچھاتا ہے اور ہر دم اس کے اندر لذات کے دانے ڈالتا ہے تو خدا کے لئے تم ذرا بچتے رہنا کہیں اس کے جال میں نہ پھنس جاؤ بس جہاں کہیں ذرا شبہ بھی ہو حزم اور احتیاط کی بات یہ ہے وہاں ٹھہرو مت بس چل دو۔

دانہ از صحرائے بے تزویر خورد	زانکہ ہر مرغے کہ ترک دانہ کرد
بے مکر جنگل سے دانہ چگ لیا	کیونکہ جس پرند نے دانہ چھوڑا

یعنی اس لئے کہ جس جانور نے کہ دانہ کو ترک کیا صحرائے بے تزویر سے دانہ کھایا۔

در ریاض قدس بہرش گل شگفت	شاد مرغے کو بترک دانہ گفت
اور قدس کے باغوں میں اس کے لئے پھول کھلے	وہ پرند بھلا ہے جس نے دانہ چھوڑا

یعنی خوش ہے وہ مرغ جس نے کہ ترک دانہ کیا اور ریاض قدس سے اس کے لئے پھول کھل گئے۔ یعنی جس نے کہ ان لذات و شہوات کو ترک کیا اور اس کے لئے ریاض قدس سے گل کھل گئے اور علوم و معارف حاصل ہو گئے۔

ہیچ دامے پر و بالش را نہ بست	ہم بداں قانع شد و از دام رست
کسی جال نے اس کے بال و پر نہ باندھے	اسی دانہ پر کفایت کر لی اور جال سے چھوٹ گیا

یعنی اس پر قانع ہو گیا اور دام سے چھوٹ گیا تو کسی دام نے اس کے پر و بال کو نہ باندھا۔ یعنی پھر وہ کہیں پھنس ہی نہیں سکتا۔ تو اسی طرح جو شخص کہ شیطان کے جال کے دانوں کو ترک کرے گا وہ کبھی اس کے جال میں نہیں پھنس سکتا آگے ایک مثال میں حزم کا فائدہ اور ترک حزم کا ضرر بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا اہل سبا کو ان کی گستاخی پر توبیخ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے گستاخو تم اپنی قوت جسمانی و دماغی پر کیا بھولے ہوئے ہو اور کیا گستاخیاں کر رہے ہو یاد رکھو کہ اہل اللہ کے غضب نے لاکھوں

شہروں کو الٹ دیا ہے ان کی شوکت کی یہ حالت ہے کہ پہاڑوں کے سینکڑوں ٹکڑے ہوتے ہیں اور آفتاب گدھا چکی کی طرح ان کے سامنے گھومتا ہے اہل اللہ کا غضب ابر کا پانی خشک کر دیتا ہے اور اس نے بہت سے ملکوں کو تباہ کر دیا ہے۔ اے ذلیل مردود اگر اعتبار نہ ہو تو قوم لوط کے ملک کو دیکھ لو کہ اس کا کیا حال ہوا۔ ہاتھی کی تو ان کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہیں کیونکہ ان کی ہڈیاں تو چند پرندوں نے کچل دی ہیں۔ دیکھ ابابیل بہت کمزور جانور ہے مگر اس نے کنکریوں سے ان کو یوں چھید ڈالا کہ پھر زخم مندمل نہ ہو سکے اور آخر کار مر گئے کون ہے جس نے طوفان نوحؑ کا واقعہ نہیں سنا یا موسیٰ اور فرعون کے لشکروں کی معرکہ آرائی نہیں سنی۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو شکست دی اور پانی میں ڈبو دیا اور پانی نے ان کو گلا کر ریزہ ریزہ کر دیا اور کون ہے جس نے ثمود کا قصہ نہیں سنا اور یہ نہیں سنا کہ آندھی نے قوم عاد کو اڑا دیا تھا بس تم ذرا ان زبردست لوگوں کی حالت کو بغور دیکھو جو کہ لڑائیوں میں ہاتھیوں کا مقابلہ کر کے ان کو مار ڈالتے تھے اور دیکھو کہ ایسے زبردست لوگ ہمیشہ اہل دل کے غضب کے تختہ مشق رہے ہیں اور ہمیشہ مار کھاتے رہے ہیں اور ہمیشہ ایک مصیبت کی تاریکی سے اس سے بڑی مصیبت کی تاریکی میں منتقل ہوتے رہے ہیں۔ نہ ان کا کوئی فریادرس تھا اور نہ کوئی رحمت کرنے والا پس تم کو اپنی قوت پر ہرگز گھمنڈ نہ ہونا چاہئے تمہارے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تمہیں دین و دنیا کی کچھ بھی خبر نہیں کہ جن واقعات کو دنیا دیکھ رہی ہے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ نہیں بلکہ تم ضرور دیکھتے ہو مگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہو گویا کہ دیکھا ہی نہیں۔ لیکن یاد رہے کہ موت تمہاری خوب آنکھیں کھول دے گی اور پھر تم تعامی بھی نہ کر سکو گے یہاں تک تو بیچ کو ختم کر کے آگے نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جو کمالات انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہ انبیاءؑ کی تقصیر نہیں بلکہ خود تمہارا قصور ہے کیونکہ ان کے کمالات ظاہر ہیں لیکن تم ان کو دیکھنا ہی نہیں چاہتے اس لئے اس کی ذمہ داری خود تم پر عائد ہے نہ کہ ان پر مثلاً اگر ہر دو عالم نور سے پر ہوں اور تم روشنی میں آ ؤ ہی نہیں بلکہ آنکھیں بند کر کے تاریکی میں چلو تو نور کا کیا قصور خود تمہاری خطا ہے۔ کیونکہ جبکہ تم ایسا کرو گے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نور وافر سے محروم رہو گے اور نور پہنچنے کا ذریعہ تمہارے لئے مسدود ہوگا۔ نیز اگر دنیا فراخ ہو اور تم اس سے خود فائدہ نہ اٹھاؤ بلکہ کنویں میں اتر جاؤ جیسا کہ تم نے کیا ہے کہ قصر ہدایت کو چھوڑ کر چاہ ضلالت میں گرے ہوئے ہو تو پھر عالم کا کیا قصور وہ تم کو اپنی آغوش میں لینے اور راحت پہنچانے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ قصور خود تمہارا ہے اب مولانا اپنی تقریر کا رخ بدلتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کے کمالات انبیاءؑ کو نہ دیکھنے کی وجہ انہماک فی الشہوات و لذات اور بغض و عناد اہل الحق ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو روح وصف گرگی میں محبوس ہوگی یعنی حرص و طمع و مخالفت و عناد میں مشغول ہوگی وہ یوسفؑ کے چہرہ کو غور سے نہیں دیکھ سکتی یعنی اہل کمال کے کمالات کو غائر نظر سے نہیں دیکھ سکتی۔ کیونکہ بھیڑیا تو یہ چاہے گا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس یوسف کو کھا جاؤں۔ پھر اتنا موقع کہاں مل سکتا ہے کہ وہ اس کی خوبیوں میں غور کرے اور دیکھے کہ یہ خوبصورت ہے یا بدصورت بس یہی حالت معاندین کی ہے کہ ان کو

عناد ہی سے فرصت نہیں پھر ان کو انبیاءؑ کے کمالات میں غور کرنے کا کب موقع مل سکتا ہے یہی سبب تھا کہ لحن داؤدی پتھروں اور پہاڑوں تک تو پہنچتی تھی مگر سنگدل آدمی اس کو نہ سنتے تھے پس ہم تو عقل وانصاف کو سراہتے ہیں کیونکہ یہی وہ چیزیں ہیں جن سے اشیاء کا حسن وقبح اور ان کا ادراک علی ماہی علیہ ہوسکتا ہے۔ اب پھر مولانا اہل سبا کو مخاطب بناتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے اہل سبا تم عقل اور انصاف سے کام لو اور انبیاءؑ کو کرام کی تصدیق کرو اور اس روح (نبی) کی تصدیق کرو جس کو ایک بڑے پھانسنے والے محبوب نے پھانس لیا ہے (یعنی حق سبحانہ نے) ارے کم بختو وہ آفتاب روشن ہیں ان کی تصدیق کرو اور تکذیب کرکے اپنے اوپر اندھے پن کا دھبہ نہ لگاؤ۔ یہ لوگ قیامت میں تمہارے کام آئیں گے اور تم کو اس دن کی رسوائیوں سے بچائیں گے ارے یہ ماہ تاباں ہیں ان کی تصدیق کرو قبل اس کے کہ وہ قیامت میں تم سے ملیں کیونکہ اس وقت کا ملنا نہایت خطرناک ہے ارے یہ اندھیری رات کے چراغ ہیں ان کی تصدیق کرو اور یہ حصول امید کے ذرائع ہیں ان کی تعظیم وتکریم کرو ارے یہ تم سے کسی نفع کی توقع نہیں رکھتے ان کی ضرور تصدیق کرو دیکھو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو قبول حق سے روکو تم یہ کہو گے کہ ہم عربی نہیں سمجھتے جو کچھ کہنا ہے فارسی میں کہو بہت اچھا لو فارسی میں سنو تم اس معشوق حقیقی یعنی حق سبحانہ کے دلوجان سے عاشق بنو اور انبیاء علیہم السلام جس قدر اس کے کمالات کی شہادت دیتے ہیں سب کو بگوش قبول سنو۔ دیکھو آسمانوں نے اس کی اطاعت کرلی ہے تم بھی اطاعت کرو۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں یا تو پہلے نافرمانوں کی حالت دیکھ لو اور ان سے عبرت حاصل کرو یا بعد کے لئے حزم کو کام میں لاؤ۔ حزم کے معنے ہیں دو تدبیروں کے بارہ میں احتیاط پر عمل کرنا۔ اور اس تدبیر کو اختیار کرنا جس میں ٹھوکر کھانے کا اندیشہ نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ اس سات روز کے راستہ میں پانی کہیں نہیں۔ صرف پاؤں جلانے والا ریت ہے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں صاحب یہ غلط ہے بلکہ تم کو ہر رات ایک چشمہ جاری ملے گا۔ اس وقت احتیاط اس میں ہے کہ پانی لے لو تاکہ خطرہ سے محفوظ رہو۔ ٹھیک راستہ پر چلو اگر رستہ میں پانی ہوا تو اس پانی کو گرادینا اور اگر نہ ہوا اور تم پانی لے کر بھی نہ چلے تو تمہاری کمبختی آگئی پیاسے مروگے۔ اے بنی آدم خدارا انصاف کو کام میں لاؤ اور قیامت کے بارہ میں احتیاط پر عمل کرو۔ اور اعمال صالحہ کرکے اس کے لئے توشہ تیار رکھو کیونکہ ضرورت پڑی تو کام دے گا اور اگر بالفرض سارا قصہ افسانہ ہوا تو تم کو کچھ ضرر نہیں اور وہ دشمن جو تمہارے جدامجد سے دشمنی کرتا ہے اور ان کو بہشت سے جیل خانہ دنیا میں لاڈالتا ہے اور وہ دشمن جس نے اتنے بڑے دل کی شطرنج کے بادشاہ یعنی آدم علیہ السلام کو مات کردی اور ان کو بہشت سے نکال کر مصیبتوں میں پھنسادیا اور مقابلہ میں ان کو کئی داؤں میں پھانس لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشتی میں نہایت شرمندگی کے ساتھ ان کو چاروں شانے چت پٹک دیا۔ غرض کہ اس کھلاڑی پہلوان کے ساتھ اس نے یہ معاملہ کیا تو اے پٹھو تم اس پرانے گھاگ کو نظر حقارت سے نہ دیکھو تم اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہو اس کمبخت حاسد نے تو تمہارے باپ آدم کا تاج اور تمہاری ماں حوا کا زیور اتار دیا تھا۔ یہ انعام

خداوندی تھا کہ ان کو پھر مل گیا اور نہ اس نے کوئی کمی نہ کی تھی اس نے ان کو برہنہ اور ذلیل وخستہ کر دیا تھا جس کے سبب آدم کو اس قدر کثرت سے رونا پڑا کہ ان کے آنسوؤں سے گھاس نکل آئی۔ وہ پچھتاتے تھے کہ میں نے کیوں اس خبیث کا کہنا مانا کہ میرا نام دفتر عصاۃ میں درج ہوا اب تم اس کی چالاکی کو اس سے قیاس کرلو کہ اتنا بڑا سردار اس کے ہاتھوں اس قدر پریشان ہوتا ہے کہ غصہ میں اپنی داڑھی نوچتا ہے پھر تمہاری تو ہستی ہی کیا ہے۔ اے عالم ناسوت اور اجسام وجسمانیات کے عاشقو اس کے شر سے بچو اور لاحول کی تلوار اس کے سر پر مار کر اس کو اس قدر مضمحل کر دو کہ تم پر غالب نہ آسکے کیونکہ وہ تمہیں اس کمین سے دیکھ رہا ہے جہاں کہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے اس لئے تم اس سے صرف لاحول کی تلوار سے مقابلہ کر سکتے ہو اور دوبدو اس سے نہیں لڑ سکتے اور اس کے کمین گاہ میں مستور ہونے کا یہ راز ہے کہ شکاری جال میں دانہ ڈال کر خود چھپ جاتا ہے پس دانہ تو ظاہر ہوتا ہے اور دھوکا مخفی ہوتا ہے اس لئے جانور پھنس جاتا ہے۔ اسی طرح یہ خود تو چھپا ہوا ہے اور لذت وشہوات کے دانے تمہارے سامنے ڈال دیئے ہیں تاکہ تم دھوکے میں آجاؤ۔ پس دیکھو تم جہاں کہیں شیطانی دانہ دیکھو اس سے بچنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم جال میں پھنس جاؤ تم کو دانہ دیکھتے ہی بچنا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ ہم ہوشیاری کیساتھ دانہ بھی کھا لیں گے اور جال سے بھی بچ جائیں گے اس لئے کہ دانہ کھا کر جال سے بچنا ناممکن ہے نہایت خوشی ہے اس شخص کے لئے جو اس دانہ سے بچا رہا اور اس سبب سے بہشت میں اس کے لئے طرح طرح کی خوشی کے سامان مہیا ہو گئے اور اس نے انہیں پر قناعت کی اور جال سے بچا رہا۔ اور کوئی جال اس کو مقید نہ کر سکا۔

شرح شبّیری

اس جانور کے حال کی پراگندگی جس نے ترک حزم ہوا وہوس کی وجہ سے کیا

باز مرغے فوق دیوارے نشست	دیدہ سوئے دانہ ودامے بہ بست
پھر وہ پرندہ جو ایک دیوار پر بیٹھا	آنکھ دانہ اور جال پر جما دی

یعنی پھر (یہ سنو کہ) ایک جانور کسی دیوار پر بیٹھا اور آنکھ کو دانہ ودام کی طرف باندھا۔

یک نظر او سوئے صحرا میکند	یک نظر حرصش بدانہ می کشد
وہ جنگل کی جانب ایک نگاہ کرتا ہے	(اور) ایک نظر میں اس کو حرص دانہ کی طرف کھینچتی ہے

یعنی وہ ایک نظر تو صحرا کی طرف کرتا ہے اور اس کی حرص کی ایک نظر دانہ کی طرف کھینچتی ہے یعنی ایک دفعہ

دیکھتا ہے کہ جنگل لق ودق پڑا ہے مگر اس میں دانہ نہیں ہے لیکن جال بھی یقیناً نہیں ہے اور جہاں دانہ ہے وہاں جال کا احتمال ہے غرضکہ وہ دونوں طرف نظر کر رہا ہے۔

ایں نظر با آں نظر چالیش کرد	ناگہانے از خرد خالیش کرد
اس نظر نے اس نظر سے مقابلہ کیا	اچانک اس کو عقل سے خالی کر دی

یعنی اس نظر نے اس نظر کے ساتھ لڑائی کی تو ناگہاں عقل سے اس کو خالی کر دیا۔

رفت و دانہ خورد و اندر دام ماند	صائدش کشت و بخورد و کام راند
وہ اڑا دانہ کھایا اور جال میں پھنس گیا	شکاری نے اس کو ذبح کیا اور کھا لیا اور مقصد کو پورا کیا

یعنی گیا دانہ کھایا اور جال میں رہ گیا تو شکاری نے اس کو ذبح کیا اور کھایا اور کام چلایا۔

مطلب یہ کہ اسی طرح انسان ایک طرف لذت دیکھتا ہے اور وہاں شیطان کے بہکانے کا یقین ہوتا ہے اور دوسری طرف شیطان نہیں مگر لذت بھی نہیں تو اس وقت یہ سوچتا ہے کہ لاؤ اس وقت تو مزہ لے لو پھر دیکھا جاوے گا۔بس یہ سوچ کر ادھر کو چلا۔اور پھنسا۔پھر ساری عقل وغیرہ رفو چکر ہو جاتی ہے اور شیطان کا شکار ہو جاتا ہے۔

باز مرغے کاں تردد را گذاشت	زاں نظر برکند و بر صحرا گماشت
پھر وہ پرند جس نے تردد کو چھوڑا	اس نے اس سے نظر ہٹا لی اور جنگل پر لگا دی

یعنی پھر اس مرغ کو سنو کہ اس نے تردد کو تو چھوڑا اور اس (دانہ) سے نظر الگ کر کے جنگل پر (نظر کو) مقرر کر دیا (اور احتمال ضرر پر وہاں سے چلدیا)

شاد پر و بال او بخالہ	تا امام جملہ آزادان شد او
اس کے بال و پر بھلے ہیں اس کے لئے خوبی ہے	یہاں تک کہ وہ تمام آزادوں کا امام بن گیا

یعنی اس کے پر و بال خوش ہیں اور خوشی ہے اس کے لئے یہاں تک کہ وہ تمام آزادوں کا امام ہو گیا۔

ہر کہ او را مقتدا سازد برست	در مقام امن و آزادی نشست
جس نے اس کو مقتدا بنا لیا نجات پا گیا	امن اور آزادی کے مقام پر بیٹھ گیا

یعنی جس نے کہ اس کو مقتدا بنالیا وہ چھوٹ گیا اور مقام امن اور آزادی میں بیٹھ گیا۔

زانکہ شاہ حازماں آمد دلش	تا گلستان و چمن شد منزلش
کیونکہ اس کا دل پختہ کاروں کا بادشاہ ثابت ہوا	یہاں تک کہ گلستاں اور چمن اس کی منزل بنا

یعنی اس لئے کہ اس کا دل حازموں کا بادشاہ ہے یہاں تک کہ گلستان اور چمن میں اس کی منزل ہو گئی۔

حزم زو راضی و او راضی ز حزم	این چنیں کن گر کنی تدبیر و عزم
پختہ کاری اس سے خوش اور وہ پختہ کاری سے خوش	اگر کرتا ہے تو ایسی تدبیر اور ارادہ کر

یعنی وہ حزم سے راضی اور حزم اس سے راضی تو تو ایسا ہی کر اگر تدبیر و عزم کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک تو وہ تھا کہ شیطان کے بہکانے میں آ کر پھنس گیا اور ایک وہ ہے کہ اس نے احتمال ضرر پر اس میں لذت کو ترک کر دیا اور وہاں سے چل دیا۔ بس اب وہ کہیں بھی نہیں پھنس سکتا اور وہ سب کا مقتدا ہو گیا۔ اب اور بھی جو کوئی اس کو مقتدا بنالے وہ بھی اس کی طرح دام ابلیس سے چھوٹ جاوے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب ہم دو جانوروں کی حالت بیان کرتے ہیں اس سے تم کو عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ ایک جانور دیوار پر آزاد بیٹھا ہے اسی اثناء میں اس نے جال اور دانہ کو دیکھا۔ اب وہ ایک طرف تو صحرا کو دیکھتا ہے اور اپنی آزادی کا خیال کرتا ہے دوسری طرف لذت دانہ پر نظر کرتا ہے اور حرص اس کو اس کی طرف کھینچتی ہے۔ اب دونوں نظروں میں جنگ ہوتی ہے اور نظر حرص غالب آ کر اس کی عقل کو فنا کر دیتی ہے اور اس کو عقل سے کورا کر دیتی ہے وہ جاتا ہے اور دانہ کھا کر جال میں پھنس رہتا ہے شکاری اسے ذبح کرتا ہے اور کھا کر اپنی مقصد براری کرتا ہے۔ اب ایک دوسرا جانور لو اس کو بھی یہی تردد پیش آتا ہے مگر وہ تردد کو چھوڑ دیتا ہے اور دام و دانہ سے نظر کو ہٹا کر صرف جنگل کو مطمع نظر بناتا ہے ایسے جانور کے مزے ہیں اور اس کے پر و بال خوش ہیں اور وہ اپنے اس فعل سے تمام آزادوں کا مقتدا ہو جاتا ہے جو جانور اس کو مقتدا بناتا ہے بچ جاتا ہے اور امن و آزادی کی جگہ میں بیٹھا ہوتا ہے کیونکہ اس نے نہایت ہوشیاری سے کام لیا۔ اس لئے اس کا دل ہوشیاری میں گویا کہ ہوشیاروں کا بادشاہ تھا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے دام یا شکم صیاد کے گلستان و چمن اس کا مسکن بنا۔ اب و حزم و احتیاط سے خوش ہے کہ وہ اس کے کام آئیں۔ اور حزم و احتیاط اس سے خوش ہیں کہ اس نے ان کی قدر کی۔ پس اگر تم کو کرنا ہے تو ایسی تدبیر اور ایسا عزم اختیار کرو۔

شرح شبّیری

بارہا در دام حرص افتادۂ	حلق خود را در بریدن دادۂ
تو بارہا لالچ کے جال میں پھنسا ہے	تو نے اپنا گلا کٹنے کے لئے دے دیا ہے

یعنی بارہا تم دام حرص میں پڑ چکے ہو اور اپنے حلق کو کاٹنے کے لئے تم نے دیدیا ہے۔

بازت آں تواب لطف آزاد کرد	توبہ پذرفت و شمارا شاد کرد
پھر تجھے اس (مجسم) مہر توبہ قبول کرنے والے نے آزاد کر دیا	اس نے توبہ قبول کر لی اور تمہیں خوش کر دیا

یعنی اس تواب لطف نے تم کو آزاد کر دیا اور توبہ قبول کر کے تم کو خوش کر دیا یعنی تم نے بار ہا گناہ کر کے توبہ کی ہے اور حق تعالیٰ نے ہمیشہ تمہاری توبہ کو قبول فرمایا ہے اور تم کو خوش کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ۔

گفت ان عدتم کذا عدنا کذا	نحن زوجنا الفعال بالجزا
فرمایا اگر تم اس طرح چلے ہم اس طرح چلیں گے	ہم نے کاموں کا بدلہ کے ساتھ جوڑ لگا دیا ہے

یعنی فرمایا کہ اگر تم اس طرح لوٹو گے تو ہم اس طرح لوٹیں گے ہم نے افعال کو جزا کے ساتھ ملا دیا ہے یعنی فرما دیا ہے کہ اگر تم پھر گناہ کرو گے تو ہم سزا دیں گے۔ اس لئے کہ ہم نے افعال کو ان کی جزا کی ساتھ قرین کر دیا ہے تو جب فعل ہوگا اس کی مطابق اس کی جزا بھی مرتب ہو جاوے گی آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

چونکہ جفتے را بر خود آورم	آید آن جفتش دوا نہ لاجرم
جبکہ ایک جوڑ والے کو اپنے پاس لاتا ہوں	اس کا جوڑا لامحالہ دوڑتا ہوا آتا ہے

یعنی جبکہ ہم ایک جفت کو اپنے پاس لا دیں تو وہ دوسرا جوڑا بھی یقیناً آوے گا (تو اسی طرح جب افعال و جزا آپس میں جفت ہیں تو ایک کے آنے سے دوسری بھی آوے گی)

جفت کردیم ایں عمل را بااثر	چوں رسد جفتے۔ رسد جفتے دگر
ہم نے اس کام کا نتیجہ کے ساتھ جوڑ لگا دیا ہے	جب جوڑے میں کا ایک آتا ہے دوسرا آجاتا ہے

یعنی ہم نے ان اعمال کو اثر کی ساتھ جفت کر دیا ہے تو جب ایک جفت پہنچے گی تو وہ دوسری بھی پہنچے گی۔

چوں رباید غارتے از جفت شوے	جفت می آید پے اوشوی جوئی
جبکہ کوئی غارت گر جوڑے میں سے نر کو پکڑ لیتا ہے	مادہ اس کے پیچھے نر کو تلاش کرتی ہوئی آتی ہے

یعنی جبکہ کوئی لٹیرا کسی جفت سے (اس کے) شوہر کو اچک لے تو وہ جفت اس کے پیچھے شوہر کو تلاش کرتی ہوئی آتی ہے۔ تو اسی طرح جبکہ اعمال اور جزا آپس میں جفت ہیں تو ایک کے وجود سے دوسرے کا وجود ضروری ہے تو حق تعالیٰ نے یہ فرما دیا ہے مگر۔

بار دیگر سوئے ایں دام آمدید	خاک اندر دیدۂ توبہ زدید
تم پھر اس جال کی طرف آئے	تم نے توبہ کی آنکھوں میں دھول جھونک دی

یعنی تم دوسری دفعہ (پھر) اس جال کی طرف آئے۔ اور دیدۂ توبہ میں تم نے خاک جھونک دی یعنی باوجود اس کے کہ اول توبہ قبول کر کے یہ سب کچھ کہہ دیا گیا تھا مگر تم نے پھر توبہ توڑ دی۔

بازت آن تواب بکشود آں گرہ	گفت ہیں بگریز روا یں سومنہ
توبہ قبول کرنے والے نے پھر وہ گرہ کھول دی	فرمایا خبردار! بھاگ ادھر کا رخ نہ کر

یعنی پھر اس تواب نے تمہاری گرہ کھول دی اور کہدیاارے بھاگ اس طرف مذمت کر۔

باز چوں پروانۂ نسیاں رسید	جان تاں را جانب آتش کشید
پھر جب بھول کا پروانہ آیا	اس نے تمہاری جان کو آگ کی جانب کھینچ لیا

یعنی پھر جب نسیان کا پروانہ پہنچا تو تمہاری جان کو (اس نے) آتش کی طرف کھینچا۔

کم کن اے پروانہ نسیان و شکے	در پر سوزیدہ بنگر تو یکے
اے پروانے! بھول اور شک نہ کر	ایک بار اپنے جلے ہوئے پر کو دیکھ لے

یعنی اے (شخص) پروانہ نسیان وشک کو کم کر اور تو ایک مرتبہ جلے ہوئے پر کو دیکھ لے۔ (پر سوزیدہ سے مراد معصیت کے نقصانات ہیں) مطلب یہ ہے کہ اس نسیان وشک کو چھوڑ اور معصیت سے جو تجھے نقصان مثل ضعف وغیرہ کے پہنچا ہے اس کو دیکھ کہ اگر تو پھر کریگا تو پھر یہی ہوگا تو اس سے عبرت پکڑ اور آئندہ ان افعال کا مرتکب مت ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چوں رہیدی شکر آن باشد کہ ہیچ	سوئے آن دانہ نداری پیچ پیچ
جب تو بچ گیا اس کا شکر یہ ہے کہ کبھی	اس دانہ کی جانب موڑ توڑ نہ کرے

یعنی جب تو چھوٹ گیا تو اس کا شکر یہ ہے کہ اس دانہ کی طرف کبھی رغبت نہ رکھے۔

تا ترا چوں شکر گوئی بخشد او	روزی بے دام و بے خوف عدو
تاکہ جب تو شکر کرے تو وہ تجھے عطا کرے	وہ روزی جو بغیر جال اور بغیر دشمن کے خوف کے ہے

یعنی تاکہ جب تو شکر کرے وہ تجھے روزی بے دام اور بے خوف عدو مرحمت فرمادے۔ مطلب یہ کہ اس چھوٹ جانے کا شکر یہ تھا کہ تم کبھی پھر اس طرف کو رخ نہ کرتے اور جب تم اس طرف کو رخ نہ کرتے تو ان لذات وشہوات کو ترک کرتے تو حق تعالیٰ تم کو وہ لذت عطا فرماتے کہ جن میں ضرر کا احتمال بھی نہ تھا۔

شکر آن نعمت کہ تان آزاد کرد	نعمت حق را بباید یاد کرد
اس نعمت کے شکریے میں کہ تمہیں اس نے آزاد کر دیا	اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کو یاد کرنا چاہیے

یعنی اس نعمت کے شکر میں کہ تم کو عذاب سے آزاد کیا نعمت حق کو یاد کرنا چاہئے۔

چند اندر رنجہاو در بلا	گفتی از دامم رہا کن اے خدا
کتنی بار تکلیفوں اور مصیبت میں	تو نے کہا ہے اے خدا! مجھے جال سے چھڑا دے

یعنی کتنی مرتبہ تو نے رنج و بلا میں کہا ہے کہ اے اللہ مجھے (اس وقت اس) دام سے چھوڑا دے۔

تا چنیں خدمت کنم احسان کنم	خاک اندر دیدۂ شیطان کنم
تاکہ میں ایسی خدمت کروں احسان کروں	شیطان کی آنکھ میں دھول جھونکوں

یعنی تاکہ میں ایسی خدمت کروں اور احسان کروں اور دیدۂ شیطان میں خاک ڈالوں۔ یعنی اس وقت خوب خوب وعدے کرتے ہو۔

چوں خلاصی داد حق ز امتحان	ہم چنانستی کہ بودی ہمچناں
جب اللہ (تعالیٰ) نے تجھے آزمائش سے نجات دیدی	تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا

یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے تجھے اس مصیبت سے خلاصی دیدی تو تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔

چوں رہا کردت فراموش کردیش	جان خود را مست و بیہش کردیش
جب اس نے تجھے رہائی دیدی تو نے اس کو بھلا دیا	اپنی جان کو مست اور بے ہوش کر لیا

یعنی جبکہ تجھے رہا کر دیا تو تو نے اس (وعدہ) کو فراموش کر دیا اور اپنی جان کو مست و بیہوش بنالیا (اور سارے وعدے وعید بھول گئے) آگے اس وعدہ کرنے اور پھر بھول جانے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

حکایت کتوں کے جاڑوں میں نذر کرنے کی کہ جب گرمی آوے گی تو جاڑے کیلئے گھر بناویں گے

سگ زمستان جمع گردد استخوانش	زخم سرما خورد گرداند چنانش
جاڑے میں کتے کی ہڈیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں	جاڑے کی تکلیف اس کو ایسا مختصر بنا دیتی ہے

یعنی کتا جاڑے میں اس کی ہڈیاں جمع ہوتی ہیں اور جاڑے کا زخم اس کو اس طرح چھوٹا کر دیتا ہے۔

کو بگوید کایں قدر تن کہ منم	خانۂ از سنگ باید کردنم
کہ وہ کہتا ہے کہ ایسے جسم کو جیسا کہ میں ہوں	پتھر کا گھر بنانا چاہئے

یعنی کہ وہ کہتا ہے کہ جس قدر کہ میرا بدن ہے مجھے ایک گھر پتھر کا بنانا چاہئے یعنی جب بدن سکڑ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرا جسم دبلا پتلا تو ہے ہی لہٰذا ایک چھوٹا سا گھر مجھے کافی ہوگا اور کہتا ہے کہ۔

چونکہ تابستاں بیاید من بہ چنگ	بہر سرما خانۂ سازم ز سنگ
جب گرمی آ جائے گی میں جنگل سے	جاڑے کے لئے پتھر کا گھر بناؤں گا

یعنی جب گرمی آوے گی تو میں اپنے ہاتھ سے سردی کے واسطے پتھر کا ایک گھر بناؤں گا۔

چونکہ تا بستاں بیاید از کشاد	استخوانہا پہن گردد پوست شاد
جب گرمی آ جاتی ہے، خوشی سے	ہڈیاں پھیل جاتی ہیں، کھال کھل جاتی ہے

یعنی جبکہ گرمی آتی ہے تو خوشی کے مارے اس کی ہڈیاں موٹی ہو جاتی ہیں اور کھال اچھی ہو جاتی ہے۔

زفت گردد پاکشد در سایۂ	کاہلی سیرے غرے خود رایۂ
وہ موٹا ہو جاتا ہے، سایہ میں پاؤں پھیلا دیتا ہے	کاہل، پیٹ بھرا، غافل، خود رائے (ہو جاتا ہے)

یعنی موٹا ہو جاتا ہے تو سایہ میں پاؤں کھینچتا ہے کاہل اور سیر اور مغرور اور خود رائی (ہوکر)

گویداو چوں زفت بیند خویش را	در کدا میں خانہ گنجم اے کیا
جب اپنے آپ کو موٹا دیکھتا ہے وہ کہتا ہے	اے بزرگ! میں کس گھر میں سما سکتا ہوں

یعنی جب اپنے کو موٹا دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میاں میں کس گھر میں سماؤں گا۔

گویدش دل خانۂ ساز ای عمو	گوید او در خانہ کے گنجم بگو
اس کا دل کہتا ہے اے چچا! گھر بنا لے	وہ کہتا ہے، بتا میں کس گھر میں کب سما سکتا ہوں؟

یعنی اس سے دل کہتا ہے کہ چچا گھر بنا لے تو کہتا ہے کہ یہ تو بتا کہ میں کسی گھر میں کس طرح سماؤں گا۔ آگے اس مثال کو مثل لہٗ پر منطبق فرماتے ہیں کہ۔

استخوان حرص تو در وقت درد	درہم آید خورد گردد در نورد
مصیبت کے وقت تیرے حرص کی ہڈیاں	درہم (برہم) ہو جاتی ہیں لپٹ کر چھوٹی ہو جاتی ہیں

یعنی تیری حرص کی ہڈیاں درد کے وقت میں درہم برہم ہو جاتی ہیں اور لپٹ کر چھوٹی ہو جاتی ہیں۔

گوئی از توبہ بسازم خانۂ	در زمستان باشدم کاشانۂ
تو کہتا ہے کہ میں توبہ کا ایک گھر بناؤں گا	جو جاڑوں میں میرا گھر ہو گا

یعنی (اس وقت) تو کہتا ہے کہ میں توبہ کا ایک گھر بناؤں گا کہ جاڑوں میں وہ میرے لئے کاشانہ ہو جاوے۔

چون بشد رنج وشدت آں حرص زفت	ہمچو سگ سودائے خانہ از تو رست
جب مصیبت جاتی رہی اور تیری وہ حرص موٹی ہو گئی	کتے کی طرح گھر کا خیال تجھ سے جاتا رہا

یعنی جب رنج جاتا رہا تو تیری حرص عظیم ہو گئی اور کتے کی طرح گھر کا خیال تجھ سے جاتا رہا (اور پھر اسی طرح غافل ہو گئے تو ایسا نہ چاہئے بلکہ اس رہا ہونے کا شکریہ یہ ہے کہ پھر کبھی اس کے مرتکب نہ ہو اور اس نعمت خلاصی کا شکر ادا کرو اس لئے کہ)

شکر نعمت خوشتر از نعمت بود	شکر بارہ کے سوئے نقمت بود
نعمت کا شکر نعمت سے زیادہ اچھا ہوتا ہے	شکر سوار' عذاب کی طرح کب جاتا ہے؟

یعنی شکر نعمت نعمت سے اچھا ہوتا ہے (اس لئے کہ) شکر نقمت کی طرف کب لے جاتا ہے۔

شکر جان نعمت و نعمت چو پوست	زانکہ شکر آرد ترا تا کوئے دوست
شکر نعمت کی روح اور نعمت کھال کی طرح ہے	کیونکہ شکر تجھے دوست کے کوچہ تک لے جاتا ہے

یعنی شکر تو نعمت کی جان ہے اور نعمت مثل پوست کے ہے اس لئے کہ شکر تو تم کو کوئے دوست تک لاتا ہے۔

نعمت آرد غفلت و شکر انتباہ	صید نعمت کن بدام شکر شاہ
نعمت غفلت پیدا کرتی ہے اور شکر آگاہی	شاہ کے شکر کے جال سے نعمت کا شکار کر

یعنی نعمت تو غفلت لاتی ہے اور شکر بیداری لاتا ہے تو نعمت کا شکار شکر شاہ کے دام میں کرو۔ مطلب یہ ہے کہ شکر نعمت نعمت سے بہتر ہے اس لئے کہ دیکھو نعمت تو بعض مرتبہ سبب ہلاکت کا ہو بھی جاتی ہے مگر شکر کبھی سبب ہلاکت نہیں ہوتا۔ تو تم یہ کرو کہ شکر کیا کرو کہ شکر خود جالب نعمت ہے۔ نعمت شکر کی بدولت خود تم تک دوڑتی ہوئی آوے گی۔

نعمت شکرت کند پر چشم و میر	تا کنی صد نعمت ایثار فقیر
نعمت کا شکر تجھے بے نیاز اور بڑا بنا دیگا	تا کہ تو سینکڑوں نعمتیں فقیر کو بخشے

یعنی شکر جو ایک نعمت ہے وہ تجھ پر چشم اور امیر کر دیگا۔ یہاں تک کہ تم سو نعمتیں فقیر پر نثار کر دو گے یعنی شکر سے اس قدر نعمت زیادہ ہوگی کہ خود تو رکھو ہی گے مگر اوروں کو بھی دو گے۔

سیر نوشی از طعام و نقل حق	تا رود از تو شکم خواری و دق
اللہ (تعالیٰ) کے کھانے اور نقل سے تو پیٹ بھر کر کھائے گا	یہاں تک کہ تجھ سے شکم پری اور سوال جاتا رہے گا

یعنی تو حق تعالیٰ کے طعام و نقل سے سیر ہو کر کھاوے گا یہاں تک کہ تجھ سے شکم خواری اور دق (باب) جاتا رہے گا یعنی اس قدر نعمت ملے گی کہ پھر حرص نہ رہے گی۔

نعمت وہاب را شکرے کنید	تا سر منحوس خود را نشکنید
اللہ (تعالیٰ) کی نعمت کا شکر ادا کرو	تا کہ اپنے منحوس سر کو نہ پھوڑو

یعنی حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو تا کہ اپنے سر منحوس کو نہ توڑلو۔

شکر جذب نعمت او فرکند	کفر نعمت مرد را کافر کند
شکر زیادہ نعمت کو کھینچتا ہے	نعمت کا کفر انسان کو کافر بناتا ہے

یعنی شکر کرنا نعمت وافر کو جذب کرتا ہے اور کفران نعمت انسان کو کافر کر دیتی ہے (اور ہر شے کا شکر الگ ہے تو اس خلاصی کا شکر یہی ہے کہ پھر اس کام کے مرتکب نہ ہو) آگے اہل سبا کا حضرات انبیاء علیہم السلام کو نصیحت سے روکنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ یہاں سے مولانا انسان کی بے اعتدالیوں کو دکھلانا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دیکھو تم بہت مرتبہ حرص کے جال میں پھنس کر معاصی میں مبتلا ہو چکے اور اپنے کو ہلاکی میں ڈال چکے ہو لیکن پھر بھی جبکہ تم نے توبہ کی تو حق سبحانہ نے اپنی عنایت بے غایت سے تم کو اس جال سے چھڑا کر خوش کیا اور یہ ہدایت کر دی کہ دیکھو اگر تم نے پھر یہ حرکت کی تو پھر یہی سزا موجود ہے کیونکہ ہم نے افعال کو ان کے نتائج کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے اور گویا کہ افعال و نتائج آپس میں نر و مادہ ہیں۔ اب فرض کرو کہ میں ایک جوڑے کے نر یا مادہ کو اپنے پاس لاؤں تو اس تعلق کی بنا پر جو ایک کو دوسرے سے ہے دوسرا خود کھینچا چلا آئے گا۔ پس یوں ہی ہم نے عمل کو اس کے نتیجہ کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ پس عمل متحقق ہوگا تو لامحالہ (ہماری عادت کے موافق جس کے بدلنے پر ہم کو کامل قدرت حاصل ہے) اس کے ساتھ اس کا اثر بھی متحقق ہوگا۔ دیکھو جب کوئی شخص ایک جوڑے میں سے نر کو اڑا لے تو اس کے پیچھے پیچھے مادہ بھی پہنچ جائیگی۔ لیکن باوجود یہ کہ تم کو ہدایت کر دی گئی تھی مگر پھر اس جال میں آ پھنسے اور توبہ کی آنکھوں میں خاک جھونک دی مگر جب تم نے پھر معذرت کی تو حق سبحانہ نے اپنی رحمت سے پھر عقدہ کشائی کی اور کہہ دیا کہ جا بھاگ دیکھ پھر ادھر آ کر نہ پھٹکنا لیکن پھر جبکہ وہ نسیان جو پروانہ کی طرح گناہ کی آگ پر عاشق ہے آ وارد ہوا یعنی تم پہلی توبہ کو بھول گئے تو وہ تمہیں آگ میں کھینچ لے گیا اور گناہ میں مبتلا کر دیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے پروانہ نسیان و شک بس بہت ہو چکی۔ اب تو جانے دے ذرا اپنے جلے ہوئے پر کو دیکھ لے اور پہلے معاصی کے نتائج کو پیش نظر کر اور دوبارہ آگ میں گرنے سے بچ۔ یعنی بھول کی کوئی حد بھی اس غفلت کو چھوڑ دو۔ دیکھو جب تم کو حق سبحانہ نے جال سے چھڑا دیا ہے تو تم کو اس انعام کا شکر کرنا چاہئے اور شکر اس کا یہ ہے کہ پھر دانہ کی طرف رخ نہ کرو۔ تاکہ جب تم شکر کرو تو حق سبحانہ تم کو ایسی روزی عطا فرمائیں جس میں نہ کوئی جال پوشیدہ ہو اور نہ کسی دشمن کا خطرہ ہو یعنی غذائے روح یا غذائے جنت اس نعمت کے شکر میں کہ اس نے تم کو دام بلا سے رہائی عطا فرمائی ہے تم کو حق سبحانہ کی نعمت کو یاد کرنا چاہئے اور اس کے مقتضا پر عمل کرنا چاہئے۔ (یاد رکھو کہ اس مقام پر ایک دوسری توجیہ بھی ہے وہ یہ کہ "شکر آن نعمت کہ تاں آزاد کرد" بدل یا عطف بیان ہوا اس شکر کا جو بیت بالا میں ہے یا خبر ہو مبتداء محذوف کی یعنی "آن شکر شکر آن نعمت ست کہ تاں آزاد کرد) لیکن تم نے

اب تک ایسا نہیں کیا تم بہت مرتبہ تکلیفوں میں اور مصیبت کے جال میں پھنسے اور یہ کہا کہ اے اللہ مجھے اس پھندے سے چھڑا دے تاکہ میں یوں اطاعت کروں اور یوں اچھے کام کروں لیکن جب حق سبحانہ نے اس تکلیف سے نجات دی تو پھر ویسے کے ویسے ہی رہے جیسے تھے اور جبکہ تم کو اس مصیبت سے چھوڑا دیا تو پھر تم اس کو بھول گئے اور پھر اپنے کو اس رہائی اور راحت میں مست اور بیہوش کر لیا۔ تمہاری ایسی مثال ہے جیسے ایک کتا کہ موسم سرما اس کی ہڈیوں کو اکٹھا کر دیتا ہے اور سردی کی تکلیف سے وہ سکڑ کر ذرا سا رہ جاتا ہے کیونکہ وہ کہتا ہے کہ مجھے اپنے اس جسم کے موافق جتنا کہ میں ہوں پتھروں کا ایک گھر ضرور بنانا چاہئے اب تو جاڑے ہیں اور سردی کے مارے جان نکلی جاتی ہے گھر بنانے کا کسے ہوش ہے ہاں جب گرمیاں آ جائیں گی اس وقت جاڑوں کے لئے اپنے پنجوں سے پتھروں کا گھر بناؤں گا۔ پس جبکہ گرمیاں آتی ہیں اور اس کا جسم کھل جاتا ہے اور ہڈیاں پھیل جاتی ہیں اور کھال عمدہ ہو جاتی ہے تو خوب موٹا تازہ ہو جاتا ہے اور سایہ میں پاؤں پھیلا کر سو جاتا ہے اس وقت وہ کاہل اور بے نیاز احمق اور خودرائے ہوتا ہے اب جبکہ وہ اپنے کو خوب موٹا تازہ دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ بھلا میں اب کس گھر میں سما سکتا ہوں اس کا دل اب بھی اس سے کہتا ہے کہ ارے گھر بنا لے تو اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ اچھا تو ہی بتا میں کس گھر میں سما سکتا ہوں اور بیہودہ عذر کر کے گھر نہیں بناتا۔ بس بالکل یہی حالت تمہاری ہے کہ تکلیف کے وقت تو تمہاری حرص کی ہڈیاں سٹ کر اکٹھی ہو جاتی ہیں اور سکڑ کر چھوٹی ہو جاتی ہیں اس وقت تم کہتے ہو کہ مجھے توبہ کی ایک عمارت بنانی چاہئے تاکہ سرمائے مصائب و آلام و ہموم سے نجات ملے۔ لیکن جب وہ تکلیف جاتی رہی اور حرص موٹی تازی ہو گئی تو کتے کی طرح گھر بنانے کا خیال تمہارے دل سے بھی جاتا رہتا ہے یہ نہایت نازیبا روش ہے لہٰذا اسے چھوڑنا چاہئے اور جب مصیبت سے نجات حاصل ہو جاوے تو شکر کرنا چاہئے کیونکہ نعمت کا شکر خود نعمت سے بھی اچھا ہے اس لئے کہ شاکر مصیبت میں نہیں پڑتا اور صاحب نعمت مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ نیز شکر نعمت کی روح ہے اور نعمت اس کا قالب۔ اور یہ فرق اس لئے ہے کہ شکر تم کو حق سبحانہ تک پہنچانے والا ہے برخلاف نعمت کے کہ وہ اکثر گمراہ کر دیتی ہے کیونکہ نعمت سے غفلت پیدا ہوتی اور شکر سے ہوشیاری حاصل ہوتی ہے پس شکر نعمت افضل ہوا نفس نعمت سے اچھا ہم نے مانا کہ نعمت ہی اچھی چیز ہے لیکن نعمت بھی تو شکر ہی سے ملتی ہے پس اگر تم نعمت خداوندی ہی کے طالب ہو تو اس کی تحصیل کا ذریعہ بھی شکر ہی ہے اس لئے بھی شکر ضروری ہے۔ شکر جو کہ خود بھی ایک نعمت ہے اگر تم کو حاصل ہو جاوے تو تم سیر چشم اور دولت مند ہو جاؤ گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم دوسروں کو نعمت دے سکو گے اور تم غذائے روحانی خوب پیٹ بھر کر کھاؤ گے۔ یہاں تک کہ یہ جسمانی غذا کا زیادہ کھانا اور اس کی تکلیف تم سے دور ہو گی پس تم حق سبحانہ کی نعمت کا شکر کرو تاکہ یہ منحوس سر تمہارا پھوٹنے سے بچ جاوے شکر نعمت فراواں کو کھینچتا ہے اور ناشکری آدمی کو کافر تک کر دیتی ہے۔

شرح شبّیری

منکروں کا انبیاء علیہم السلام کو نصیحت کرنے سے منع کرنا اور جبریوں کے طریقہ پر حجت لانا

انچہ گفتید ار دریں دہ کس بود	قوم گفتند اے نصوحان بس بود
جو کچھ کہ تم نے کہا اگر اس گاؤں میں کوئی (بااختیار) ہوتا	قوم نے کہا' اے نصیحت کرنے والو! کافی ہوتا

یعنی قوم (سبا) نے کہا کہ اے ناصحو جو کچھ کہ تم نے کہا ہے اگر کوئی گاؤں میں (سننے والا) ہو تو کافی ہے۔ یعنی اگر ہم تمہاری بات مانیں تو جتنا تم نے کہا ہے اس قدر کہنا کافی ہے مگر ہم کیا کریں ہم سمجھ ہی نہیں سکتے اس لئے کہ۔

کس نداند برد بر خالق سبق	قفل بر دلہائے ما بنہاد حق
اللہ (تعالیٰ) سے کوئی بازی نہیں جیت سکتا	اللہ (تعالیٰ) نے ہمارے دلوں پر تالے چڑھا دیئے ہیں

یعنی حق تعالیٰ نے ہمارے قلوب پر قفل لگا دیا ہے اور خدا پر کوئی سبقت لے جا نہیں سکتا (تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ خدا ہمیں اس حالت میں رکھے اور ہم تمہاری مان کر دوسری حالت بدل لیں)

ایں نخواہد شد بگفت و گو دگر	نقش ما این کرد آن تصویر گر
یہ گفتگو سے نہیں بدل سکتی	تصویر ساز نے ہماری یہی تصویر بنائی ہے

یعنی اس مصور نے ہمارا نقش ایسا ہی بنایا ہے تو یہ گفتگو سے متغیر نہیں ہو سکتا۔ (اس لئے کہ اس کی تو ایسی مثال ہے کہ)

کہنہ را صد بار گوئی باش نو	سنگ را صد سال گوئی لعل شو
پرانے سے تو سینکڑوں بار کہے کہ تو نیا بن جا	تو پتھر سے سینکڑوں سال کہے کہ تو لعل بن جا

یعنی پتھر کو سو برس تک تو کہہ کہ لعل ہو جا اور پرانے کو سو مرتبہ کہہ کہ نیا ہو جا۔

آب را گوئی عسل شو یا کہ شیر	خاک را گوئی صفات آب گیر
تو پانی سے کہے' کہ شہد یا دودھ بن جا	تو مٹی سے کہے' کہ پانی کی صفات اختیار کر

یعنی تو خاک کو کہے کہ پانی کی صفات لے لے اور پانی کو کہے کہ شہد یا دودھ ہو جا۔

پشہ را گوئی کہ سوئے باد رو	نار را گوئی کہ نور محض شو
تو مچھر سے کہے' کہ ہوا کی طرف چلا جا	تو آگ سے کہے' کہ تو خالص نور بن جا

یعنی تو آگ کو کہے کہ نور محض ہو جا اور پھر کو کہے کہ ہوا کی طرف جا۔

قلب را گوئی کہ عین پاک شو	یا کہ اکسیرے شود چالاک شو
تو کھوٹے سے کہے کہ مجسم صاف بن جا	یا یہ کہ اکسیر بن اور تیز ہو جا

یعنی کھوٹے کو تو کہے کہ تو عین پاک ہو جا یا کہ اکسیر ہو اور چست و چالاک ہو جا۔

ہیچ ازان اوصاف دیگر گوں شوند	آب کے گردد عسل اے ارجمند
کبھی ان اوصاف سے وہ بدلیں گے؟	اے با نصیب! پانی کب شہد بنے گا؟

یعنی کیا ان میں سے کوئی متغیر ہو سکتی ہے اور اے برخوردار پانی شہد کب بن سکتا ہے۔

خالق افلاک وہم افلاکیان	خالق آب و تراب و خاکیان
آسمانوں اور آسمان والوں کے پیدا کرنے والے نے	پانی اور مٹی اور خاک سے پیدا ہونے والوں کے پیدا کرنے والے نے

یعنی آسمان اور آسمان والوں کے خالق نے اور پانی اور مٹی اور خاکیوں کے خالق نے۔

آسمان راداد دوران و صفا	آب و گل را تیرہ روئے و نما
آسمان کو گھومنا اور صفائی عنایت کی	پانی اور مٹی کو گدلا پن اور نمو (عطا فرمایا)

یعنی آسمان کو تو چکر کھانا اور صفائی دی اور آب و گل کو۔ تیرہ روئے اور نشو و نما دیا۔

کے تواند آسمان دردے گزید	کے تواند آب و گل صفوت خرید
آسمان تیرگی کب اختیار کر سکتا ہے؟	پانی اور مٹی صفائی کب حاصل کر سکتے ہیں؟

تو آسمان تو تیرگی کو کب قبول کر سکتا ہے اور پانی اور مٹی صفائی کو کب لے سکتی ہیں۔

قسمتے کردست ہر یک را رہے	کے کہے گردد بجہدت چوں گہے
ہر ایک کے لئے ایک راستہ تقسیم کر دیا ہے	تیری کوشش سے پہاڑ گھاس جیسا کب بن سکتا ہے؟

یعنی ہر ایک کے لئے ایک راہ تقسیم کر دی ہے تو تمہاری کوشش سے پہاڑ تنکے کے برابر کب ہو سکتا ہے (تو بس اسی طرح حق تعالیٰ نے ہمارے لئے بھی اس حالت کو مقرر فرما دیا ہے۔ اب ہم اس کو بھی کسی کے کہنے سننے سے بدل نہیں سکتے لہذا نصیحت کرنا فضول ہے جب انہوں نے یہ کہا تو حضرات انبیاء علیہم السلام نے جواب دیا کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ غرضکہ جب انبیاء علیہم السلام نے ان کو بہت کچھ نصیحت کی اور حجتوں سے ان کو مغلوب کیا تو انہوں نے جبر کو دستاویز بنا کر پیچھا چھڑانا چاہا اور کہا کہ صاحبو اگر اس گاؤں میں کوئی شخص آپ کی بات ماننے والا

ہوتا تو جس قدر آپ فرما چکے ہیں وہ ہی کافی تھا مگر کیا کیجئے کہ حق سبحانہ نے دلوں پر قفل لگا دیا ہے کہ نصیحت کا اثر اس میں پہنچتا ہی نہیں اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ خدا کا مقابلہ کر کے اس سے بازی لے جاوے کہ اس نے تو قفل لگایا ہے اور دوسرا شخص اس کو توڑ دے جبکہ اس مصور نے ہماری تصویر ایسی بنائی ہے تو اب وہ کسی صورت سے نہیں بدل سکتی آپ پتھر کو سو برس تک کہیں کہ تو لعل ہو جا اور پرانے کو سو مرتبہ کہیں کہ تو نیا ہو جا۔ آپ مٹی کو کہیں کہ پانی کی صفات اختیار کرے اور پانی سے کہیں کہ شہد ہو جا۔ یا دودھ بن جا۔ آگ سے کہیں کہ تو محض بن جا جلانے کی صفت چھوڑ دے۔ مچھر سے کہیں کہ ہوا کے پاس جا کھوٹے کو کہیں کہ کھرا بن جا یا اکسیر ہو جا اور چست و چالاک ہو جا لیکن کہیں یہ صفات بدل سکتی ہیں ہرگز نہیں پانی ہرگز شہد نہیں بن سکتا۔ افلاک اور ساکنین افلاک اور آب و خاک اور خاکیوں کے خالق نے آسمان کو چکر اور صفائی عطا فرمائی ہے اور آب و گل کو تیرگی اور نمو عطا فرمایا ہے اب آسمان تیرگی اختیار نہیں کرسکتا۔ اور آب و گل صفائی حاصل نہیں کر سکتی غرض کہ ہر چیز کو اس نے ایک خاص روش عطا کی ہے جس سے وہ نہیں پھر سکتی چنانچہ اگر پہاڑ کو کوشش سے کاہ بنانا چاہو تو ناممکن ہے۔

شرح شبّیری

انبیاء علیہم السلام کا جبریوں کو جواب

انبیاء گفتند کارے آفرید	وصفہائے کہ نتان زاں سر کشید
انبیاء نے کہا' کہ ہاں اس نے پیدا فرمائے	ایسے اوصاف کہ تم ان سے روگردانی نہیں کر سکتے

یعنی انبیاء علیہم السلام نے فرمایا کہ ہاں حق تعالیٰ نے ایسے اوصاف پیدا فرمائے ہیں کہ ان سے سرکشی نہیں کر سکتے (لیکن)

وافرید و وصفہائے عارضی	کہ گہے مبغوض می گردد رضی
اس نے ایسے عارضی اوصاف (بھی) پیدا فرمائے ہیں	کہ ناپسندیدہ' کبھی پسندیدہ بن جاتا ہے

یعنی اور اوصاف عارضی (بھی) پیدا فرمائے ہیں کہ کبھی مبغوض پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک شخص مبغوض ہوتا ہے مگر پھر وہ پسندیدہ ہو جاتا ہے تو دیکھو اس کو اندر مبغوض ہونے کا وصف عارضی تھا۔ حاصل یہ کہ بعض اوصاف تو بیشک ایسے ہی ہیں کہ ان سے سرتابی نہیں ہو سکتی مگر بعض ایسے بھی ہیں کہ وہ بدل سکتے ہیں۔ آگے دونوں کی نظائر پیش فرماتے ہیں کہ۔

سنگ را گوئی کہ زر شو بیہودہ است	مس را گوئی کہ زر شو راہ ہست
تو پتھر سے کہے کہ سونا بن' بیہودہ (بات) ہے	تو تانبے سے کہے' کہ سونا بن (اس کا) راستہ ہے

یعنی لوہے کو اگر تو کہے کہ سونا ہو جا تو بیہودگی ہے اور تانبے کو کہے کہ سونا ہو جا تو راہ ہے۔ یعنی مس کو کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ ہو جاتی ہے تو اس کو کہنا ٹھیک ہے۔

ریگ را گوئی کہ گل شو عاجز است	خاک را گوئی کہ گل شو جائز است
تو ریت سے کہے کہ پھول بن جا (وہ) عاجز ہے	تو مٹی سے کہے کہ پھول بن جا ممکن ہے

یعنی ریت کو اگر تم کہو کہ گارا ہو جا تو وہ عاجز ہے اور مٹی کو کہو کہ گارا ہو جا تو جائز ہے۔ (اس لئے کہ اس کا گارا بنا کرتا ہے)

رنجہا دادست کانرا چارہ نیست	آن بمثل گنگی و فطس و عمی است
اس نے ایسے مرض پیدا کئے ہیں جن کا کوئی علاج نہیں ہے	وہ مثلاً گونگا پن، ناک کا چپٹا پن، اور اندھا پن ہے

یعنی بعض امراض ایسے دیئے ہیں کہ جن کا علاج نہیں ہے وہ تو مثل گونگے ہونے کے اور ناک چپٹی ہونے کے اور (مادرزاد) اندھا ہونے کے ہیں (کہ ان کا کوئی علاج ہی نہیں ہے)

رنجہا دادست کانرا چارہ ہست	آن بمثل لقوہ و درد سر است
(کچھ) مرض دیئے ہیں جن کا علاج ہے	وہ مثلاً لقوہ اور درد سر ہے

یعنی بعض امراض ایسے دیئے ہیں کہ جن کا علاج ہے اور وہ مثل لقوہ اور درد سر کے ہیں۔

این دواہا ساخت بہر ایتلاف	نیست این درد و دواہا از گزاف
یہ دوائیں موافقت کرنے کے لئے بنائی ہیں	یہ درد اور دوائیں لغو نہیں ہیں

یعنی ان دواؤں کو الفت پکڑنے کے لئے بنایا ہے اور یہ درد اور دوائیں فضول نہیں ہیں۔ یعنی دواؤں کو امراض کے لئے مناسب بنایا ہے یونہی نہیں ہے کہ جو دل میں آیا فضول ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لگا دیا ہو۔

بلکہ اغلب رنجہا را چارہ ہست	چوں بجد جوئی بیاید آن بدست
بلکہ عموماً مرضوں کا علاج ہے	جب تو کوشش سے تلاش کریگا ہاتھ آ جائے گا

یعنی بلکہ اکثر امراض کے علاج ہیں جب تم کوشش سے تلاش کرو تو ہاتھ آ سکتے ہیں (تو بس جبکہ بعض چیزیں اپنی حالت سے متغیر ہو سکتی ہیں اور امراض کا علاج ہو سکتا ہے تو تمہاری اس گمراہی کا علاج بھی ہو سکتا ہے اور تمہاری یہ حالت بدل بھی سکتی ہے ہاں اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ تم فرشتہ بن جاؤ مثلاً تب تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم نہیں بن سکتے مگر اس میں ان کا یہ کہنا ظاہر ہے کہ غلط تھا) آگے پھر ان منکرین کے جواب کو نقل فرماتے ہیں کہ انبیاءؑ کے جواب سن کر انہوں نے دوبارہ اپنی حجت کو مضبوط کیا اور اس پر دوبارہ دلیل لائے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ انبیاء علیہم السلام نے جواب دیا کہ ہم انکار نہیں کرتے بیشک ایسے اوصاف بھی ہیں جن کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اوصاف بھی ہیں جو قابل تغیر ہیں۔ مثلاً

دیکھو کبھی ایک شے مبغوض ہوتی ہے اور وہی شے دوسرے وقت میں پسندیدہ ہو جاتی ہے یہ مسلم کہ پتھر سے سونا ہونے کی طلب لغو ہے کیونکہ اس میں اس کی قابلیت ہی نہیں پیدا کی گئی۔ لیکن تانبے سے سونا بننے کی طلب معقول ہے کیونکہ اس میں قابلیت ہے ریت کو اگر چاہو کہ پھول ہو جاوے تو ایسا نہیں ہو سکتا لیکن اگر مٹی کو یہ چاہو تو ممکن ہے علی ہذا امراض بھی حق سبحانہ نے دو قسم کے پیدا کئے ہیں وہ بعض جن کا کوئی علاج ہی نہیں گونگا مادرزاد ہونا یا ناک کا خلقۃً چپٹا ہونا یا مادرزاد اندھا ہونا ہے اور جو بعض امراض قابل زوال اور علاج پذیر ہیں لقوہ یا دردسر یا بخار وغیرہ ہیں چنانچہ دواؤں کو جو حق سبحانہ نے پیدا کیا ہے تو فضول نہیں پیدا کیا بلکہ ان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ ان کو استعمال کیا جاوے اور ان سے امراض عارضہ کو زائل کیا جاوے بلکہ اکثر بیماریاں تو ایسی ہی ہیں جو قابل علاج ہیں۔ ہاں مگر کوشش کی ضرورت ہے جب کوشش کرو گے تو ایسی دوائیں مل سکتی ہیں جن سے ان کو زائل کیا جاوے جبکہ امراض جسمانیہ کی حالت معلوم ہوگئی تو امراض روحانیہ کو بھی اسی پر قیاس کرلو۔

شرح شبّیری

ان منکروں کا جبریانہ حجتوں کو دوبارہ کرنا

قوم گفتند اے گروہ ایں رنج ما	نیست زاں رنجے کہ بہ پذیرد دوا
قوم نے کہا، اے جماعت! ہمارا یہ مرض	وہ مرض نہیں ہے جو دوا (کا اثر) قبول کرے

یعنی قوم نے کہا کہ اے گروہ (انبیاءؑ) ہمارا مرض ان امراض میں سے نہیں ہے جو دوا کو قبول کرے۔ مطلب یہ کہ انبیاءؑ نے جو کہا تھا کہ بعض امراض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا علاج ہو سکتا ہے تو تم بھی اپنا علاج کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا مرض ایسا نہیں ہے جو دوا کو قبول کرے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ۔

سالہا گفتید زیں افسوں و پند	سخت تر میگشت زاں ہر لحظہ بند
تم نے سالوں یہ منتر اور نصیحت کی	اس سے ہر دم، روک سخت ہوتی گئی

یعنی سالہا سال تک تم نے ان افسوں و پند سے کہا (مگر) اس سے ہر لحظہ بند زیادہ ہی ہوتی گئی۔ یعنی تم نے اتنا سمجھایا مگر ہمارا انکار اور مانعیت قبول حق سے بیماری بڑھتی چلی گئی۔

گر دوا را ایں مرض قابل بدے	آخر از وے ذرۂ زائل شدے
اگر یہ مرض دوا کو قبول کرنے والا ہوتا	بالآخر اس سے کوئی ذرہ زائل ہوتا

یعنی اگر یہ مرض دوا کے قابل ہوتا تو اس میں کچھ ذرا ذرا سا زائل تو ہوتا (مگر ہمارا یہ مرض بڑھ رہا ہے لہذا معلوم ہوا کہ لاعلاج ہے اور ظاہر ہے کہ ان کا یہ کہنا غلط ہے اس لئے کہ یہ تو اس وقت کہہ سکتے جبکہ انبیاء کے کہنے

پر عمل کرتے اور اس کے بعد مرض زائل نہ ہوتا تو کہتے کہ مرض لاعلاج ہے جب علاج ہی نہ کرے تو پھر اس کا لاعلاج ہونا کہاں سے معلوم ہوا) آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ

سدہ چون شد آب ناید در جگر	گر خورد دریا رود جائے دگر
جب سدہ پڑ جاتا ہے جگر میں پانی نہیں پہنچتا ہے	اگر دریا بھی پئے وہ دوسری جگہ چلا جاتا ہے

یعنی سدہ جب پیدا ہوگیا تو پانی جگر میں نہیں آتا اگر دریا پی جاوے تو وہ دوسری جگہ چلا جاوے۔

لاجرم آماس گیرد دست و پا	تشنگی را نشکند آن استقا
لامحالہ ہاتھ پاؤں سوج جاتے ہیں	وہ پانی پینا پیاس کو نہیں بجھاتا ہے

یعنی لامحالہ ہاتھ پاؤں آماس اختیار کرتے ہیں اور وہ پانی پینا تشنگی کو بجھاتا نہیں ہے (تو چونکہ ہمارے اندر اس کے قبول کرنے سے مانع موجود ہے۔ لہٰذا ہمارے اندر یہ نصیحت وغیرہ اثر نہیں کرسکتی) آگے حضرات انبیاء علیہم السلام کا جواب ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا جبریوں کو دوبارہ جواب دینا

انبیاءؑ گفتند نومیدی بدست	فضل و رحمتہائے باری بیحد است
انبیاء نے کہا ناامیدی بری ہے	اللہ (تعالیٰ) کا فضل اور رحمتیں لاانتہا ہیں

یعنی انبیاءؑ نے فرمایا کہ ناامیدی بری ہے (اس لئے کہ) فضل و رحمت حق تو بے حد ہے۔

از چنین محسن نشاید ناامید	دست در فتراک این رحمت زنید
ایسے محسن سے ناامید نہ ہونا چاہیے	اس رحمت کے شکار بند کو دستاویز بنا لو

یعنی ایسے محسن سے ناامید نہ ہونا چاہئے اور اس رحمت کے فتراک میں ہاتھ مارو۔ مطلب یہ کہ انبیاءؑ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ سے ناامید نہ ہونا چاہئے بلکہ فتراک رحمت میں ہاتھ مارو تا کہ رحمت حاصل ہو جاوے اور ناامیدی بہت بری چیز ہے۔ ناامید ہرگز نہ ہو اس لئے کہ۔

اے بسا کارے کہ اول صعب گشت	بعد ازان بکشادہ شد سختی گذشت
بہت سے کام ہیں جو ابتداء سخت بنے	اس کے بعد کھل گئے سختی رفع ہو گئی

یعنی بہت سے وہ کام کہ اول سخت ہوئے اور اس کے بعد کھل گئے اور سختی گزر گئی (تو تم کو بھی چاہئے کہ ناامید نہ ہو ممکن ہے کہ پہلے مرض کا علاج نہ ہوا ہو اور اب ہو جاوے)۔

بعد نومیدی بسے امیدہاست	از پس ظلمت بسے خورشیدہاست
مایوسی کے بعد بہت سی امیدیں ہیں	اندھیری کے بعد بہت سے سورج ہیں

یعنی ناامیدی کے بعد بہت سی امیدیں ہیں اور ظلمت کے بعد بہت سے خورشید ہیں (لہذا ناامید مت ہو) ایک جواب تو یہ دیا آگے ایک دوسرا جواب فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے مانا کہ تم قبول نہیں کرتے مگر ہم کو اس سے کیا غرض تم مانو یا نہ مانو ہم تو اس کام کو حکم حق سمجھ کر کرتے ہیں۔

خدا کا حکم ہے کہ تبلیغ کرو۔ کرتے ہیں چاہے کوئی سنے یا نہ سنے۔ آخر سرخی تک یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ۔

خود گرفتم کہ شما سنگین شدید	قفلہا برگوش و بردل بر زدید
میں مانتا ہوں کہ تم پتھر بن گئے ہو	تم نے کان اور دل پر قفل چڑھا لئے ہیں

یعنی میں نے فرض کرلیا کہ تم سنگین (دل) ہوگئے ہو اور گوش و دل پر تم نے قفل لگا لئے ہیں۔

ہیچ مارا با قبولے کار نیست	کار ما تسلیم و فرمان بردنیست
ہمیں مان لینے سے (سرو) کار نہیں ہے	ہمارا کام ماننا اور حکم بجالانا ہے

یعنی ہم کو بالکل کسی قبول سے کام نہیں ہے۔ ہمارا کام تسلیم اور حکم بجالانا ہے۔

او بفرمودست ماں ایں بندگی	نیست مارا از خود ایں گویندگی
اس نے اس اطاعت کا ہمیں حکم دیا ہے	ہمارا کہنا اپنی جانب سے نہیں ہے
جاں برائے امر او داریم ما	گر بر یگے گوید او کاریم ما
ہم اس کے حکم کے لئے جیتے ہیں	اگر وہ حکم دے ہم ریت میں کھیتی بوئیں گے
امر حق را ما گروہ بے ریا	می رسانیم این رسالت باشما
ہم مخلص لوگ خدا کا حکم	(اور) یہ پیغام تم تک پہنچا رہے ہیں

یعنی ہم گروہ بے ریا امر حق کے لئے اس رسالت کو تم تک پہنچاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہم کو حکم حق ہے کہ پہنچاؤ تو ہم پہنچاتے ہیں چاہے کوئی قبول کرے یا نہ کرے اس لئے کہ۔

غیر حق جان نبی را یار نیست	با قبول ورد خلقش کار نیست
خدا کے سوا نبی کی جان کا کوئی دوست نہیں ہے	اس کو مخلوق کے ماننے نہ ماننے سے کوئی واسطہ نہیں ہے

یعنی جان نبی کے لئے سوائے حق تعالیٰ کے کوئی یار نہیں ہے اس کو مخلوق کے قبول و مردود کرنے سے کام نہیں ہے یعنی نبی کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ ہمیں کوئی قبول کرتا ہے یا نہیں اس کے لئے تو کام کرنے کے لئے یہ تحرک کافی ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ تبلیغ کرو بس وہ پہنچاتا ہے۔

مزد تبلیغ رسالاتش ازو ست	زشت ودشمن روشدیم از بہر دوست
اس کے پیغامات کی تبلیغ کی مزدوری اس کی جانب سے ہے	ہم دوست کی خاطر برے اور دشمن کے چہرے والے بن گئے ہیں

یعنی اس کے احکام کی تبلیغ کی مزدوری اسی کی طرف سے ہے اور ہم برے اور دشمن رو دوست کے واسطے ہو گئے ہیں۔

ما برین درگہ ملولان نیستیم	تاز بعد راہ ہر جا بیستیم
ہم اس بارگاہ پر تھکے ہوئے نہیں ہیں	کہ راستہ کی دوری کی وجہ سے ہر جگہ ٹھہر جائیں

یعنی ہم اس درگاہ پر ملول نہیں ہیں تا کہ بعد راہ کی وجہ سے ہر جگہ کھڑے ہوں یعنی ہم ملول نہیں ہیں کہ اس کام کو سخت سمجھ کر بار بار ٹھہریں اور تھکیں اس کام میں ہم خوش و خرم ہیں اس لئے کہ۔

دل فروبستہ و ملول آنکس بود	کز فراق یار در محبس بود
دل گرفتہ اور تھکا ہوا وہ شخص ہوتا ہے	جو دوست کی جدائی سے قید میں ہو

یعنی دل منقبض اور ملول تو وہ شخص ہو جو کہ فراق یار کی وجہ سے محبس میں ہو۔

دلبر و مطلوب با ما حاضرست	در نثار رحمتش جان شاکرست
ہمارا دلبر اور محبوب ہمارے ساتھ موجود ہے	اس کی رحمت کی بکھیر پر جان شکر گزار ہے

یعنی (ہمارا) دلبر اور مطلوب ہمارے ساتھ موجود ہے اور اس کی رحمت کے نثار کرنے سے ہماری جان شاکر ہے یعنی چونکہ اس طرف سے ہر دم رحمت برس رہی ہے تو اس کا شکر ہماری جان کر رہی ہے تو جب وہ ہر دم ہمارے ساتھ ہے پھر ہم ملول اور منقبض کیوں ہوں۔

در دل ما لالہ زار و گلشنے است	پیری و پژمردگی را راہ نیست
ہمارے دل میں چمن اور گلشن ہے	بڑھاپے اور مرجھانے کے لئے (اندر) راستہ نہیں ہے

یعنی ہمارے دل میں ایک لالہ زار اور ایک گلشن ہے کہ پیری اور پژمردگی کو (ہمارے اندر) راہ نہیں ہے یعنی اس قرب محبوب کی وجہ سے ہمارے اندر ایک ایسا باغ کھلا ہوا ہے کہ ہمارے اندر پژمردگی اور کسل پیدا ہی نہیں ہوتا۔

دائما تر و جوانیم و لطیف	تازہ و خندان و شیریں و ظریف
ہم ہمیشہ تر (دتازہ) اور جوان اور پاکیزہ ہیں	تازہ اور میٹھے اور ہنس مکھ اور خوش مزاج ہیں

یعنی ہم ہمیشہ تر و تازہ اور جوان اور لطیف ہیں۔ تازہ ہیں اور خندان اور شیریں اور ظریف ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیشہ خوش و خرم ہیں۔

پیش ما صد سال و یک ساعت یکیست	کہ دراز و کوتہ از ما منفکے است
ہمارے لئے ایک گھنٹہ اور سو سال یکساں ہیں	کیونکہ لمبائی اور چھوٹائی ہم سے جدا ہے

یعنی ہمارے سامنے سو برس اور ایک گھڑی ایک ہے کیونکہ دراز کوتہ ہم سے الگ ہے۔ مطلب یہ کہ خوش رہنے اور ملول نہ ہونے کے اعتبار سے ہم کو ایک ساعت اور سو برس برابر ہیں کہ نہ ہم ایک ساعت میں ملول ہوں

اور نہ سو برس میں اس لئے کہ یہ زمانہ کا طول وقصر ہمارے پاس ہے ہی نہیں بلکہ ہم سے ایک طرف ہے اس لئے کہ۔

آن دراز و کوتہی در جسمہا ست	آں دراز و کوتہ اندر جان کجاست
لمبائی اور چھوٹائی جسموں میں ہوتی ہے	درازی اور کوتاہی روح میں کہا ہے؟

یعنی وہ درازی اور کوتاہی تو اجسام میں ہے اور جان میں دراز وکوتاہ کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ روح تو مجرد ہے اس کے اندر زمانہ کے طول وقصر کا اعتبار نہیں ہے تو چونکہ انبیاء علیہم السلام میں روحانیت بڑھی ہوئی ہوتی ہے لہذا فرماتے ہیں کہ ہم طول و قصر زمانہ سے الگ ہیں ہمارے اوپر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ آگے اس طول وقصر کے موثر نہ ہونے کی ایک نظیر فرماتے ہیں کہ۔

سہ صد و نہ سال آن اصحاب کہف	پیش شان یکروز بے اندوہ ولہف
تین سو نو سال اصحاب کہف کے	ان کے لئے بغیر رنج اور افسوس کے ایک دن تھا

یعنی تین سو نو برس ان اصحاب کہف کے ان کے سامنے ایک دن بے رنج وغم کے تھا۔ یعنی دیکھو اصحاب کہف کہ تین سو نو برس تک سوئے مگر چونکہ ان کے اندر روحانیت غالب تھی لہذا ان کو وہ مدت ایک دن کی برابر معلوم ہوئی جیسا کہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔

وانگہے نمود شان یکروز ہم	کہ بہ تن باز آمد ارواح از عدم
پھر انہیں وہ ایک روز بھی نہ لگا	کہ روحیں عدم سے پھر جسم میں آ گئیں

یعنی اس وقت ان کو ایک روز بھی نہ معلوم ہوا جبکہ ارواح بدن میں واپس آئیں مطلب یہ کہ ان پر تو روحانیت کا اس قدر غلبہ تھا کہ وہ تین سو نو برس کی مدت ان کو ایک دن سے بھی کم معلوم ہوئی جیسے کہ قرآن شریف میں حکایت فرماتے ہیں کہ قال قائل منھم کم لبثتم قالوا لبثنا یوماً او بعض یوم. تو دیکھو اول تو اس مدت کو ایک دن کہا مگر پھر اس میں بھی شبہ ہو گیا اور بولے کہ شاید ایک دن سے بھی کم ہم اس میں ٹھہرے ہیں تو یہ سب اس وجہ سے تھا کہ ان کے اندر روحانیت بڑھی ہوئی تھی اور روح زمانہ کی مقید ہوتی نہیں لہذا ان کو زمانہ کا طول کچھ ملول کن نہ تھا اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بھی فرماتے ہیں کہ ہم طول زمانہ سے ملول نہیں ہوتے۔

چون نباشد روز و شب باماہ وسال	کے بود سیری و پیری و ملال
جبکہ دن اور رات مع مہینہ اور سال کے نہ ہوں	پیٹ بھر جانا اور بڑھاپا اور تھکن کہاں ہوتی ہے

یعنی جبکہ روز وشب مع ماہ وسال کے نہیں ہوتا تو کب سیری اور پیری اور ملال ہوگا۔ یعنی جب روحانیت غالب ہے اور اس اعتبار میں روز وشب وغیرہ کچھ ہوتا نہیں ہے تو پھر ملال و پژمردگی بھی نہیں ہوتی۔

در گلستان عدم چون بیخودیست	مستی از سغراق لطف ایزدیست
عدم کے چمنستان میں چونکہ بے خودی ہے	مستی اللہ (تعالیٰ) کی مہربانی کے جام سے ہے

یعنی گلستان عدم میں جب تم بیخود ہو اور لطف حق کی شراب کی وجہ سے مستی ہے (تو بھلا پھر ملال کہاں ہوسکتا ہے)

لم یذق لم یدر ہر کس کو نخورد	کے بوہم آرد جعل انفاس ورد
جس نے نہ کھایا وہ "نہ چکھا نہ جانا" (کا مصداق) ہے	گبریلا خیال سے گلاب کی خوشبو میں کہاں حاصل کرسکتا ہے؟

یعنی جس نے کھایا نہیں وہ (مصداق) لم یذق لم یدر (کا) ہے اور گوہ کا کیڑا گلاب کی خوشبو کو کب وہم میں لاسکتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس نے ابھی چکھا ہی نہیں اس کی تو وہ حالت ہے کہ جس نے نہ چکھا اس نے نہ جانا تو پھر تم اس کی لطف سے بھی واقف نہیں ہو اور جس طرح کہ گوہ کا کیڑا گلاب کی خوشبو کا تصور نہیں کرسکتا اسی طرح تم اس مستی اور اس لطف اور ملول نہ ہونے کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ اب کوئی کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے کہ سوچ لیا کہ مستی ہے تو مستی ہوگی ورنہ حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

نیست موہوم ار بدے موہوم آن	ہمچو موہومان شدے معدوم آن
وہ موہوم (چیز) نہیں ہے اگر وہ موہوم ہوتا	تو وہ موہوم (چیزوں) کی طرح معدوم ہو جاتا

یعنی موہوم نہیں ہے اور اگر وہ موہوم ہوتا تو مثل اور موہوموں کے یہ معدوم ہو جاتا۔ یعنی جس طرح کہ اور موہوم چیزیں ہوتی ہیں کہ ان کا وجود بہت تھوڑی دیر کا ہوتا ہے اور پھر فنا ہو جاتی ہیں اسی طرح اگر یہ حالت موہوم ہوتی تو فنا ہو جاتی مگر اس مستی کا بڑھنا اور زیادہ ہوتا رہا ہے کہ موہوم نہیں ہے بلکہ واقع میں کچھ ہے ورنہ آخر وہم کہاں تک چلتا آگے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

دوزخ اندر وہم چون آرد بہشت	ہیچ تا بد روئے خواب از خوک زشت
دوزخ، بہشت کا کیسے تصور کر سکتی ہے؟	بدصورت سور سے حسین چہرہ کہاں چمکتا ہے

یعنی وہم دوزخ کو بہشت کس طرح کردے گا۔ اور کیا روئے خوب ایک بھونڈے سور سے ظاہر ہوسکتی ہے۔ مطلب یہ کہ جو شے واقعی نہ ہو اس کو وہم میں بھی نہیں لاسکتے اس لئے کہ دیکھو مصیبت کو راحت کس طرح فرض کرو گے یا ایک بھونڈی صورت کے سور کو حسین اور خوبرو کس طرح فرض کرلو گے اور اگر فرض کرلیا بھی اور تصور باندھ بھی لیا تو وہ تصور بھی تھوڑی دیر میں جاتا رہے گا اور یہ حالت بڑھتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت واقعی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہیں گلوئے خود مبرید ای مہان	این چنین لقمہ رسیدہ تا دہان
اے بڑو! اپنے گلے نہ پھاڑو	منہ تک ایسا لقمہ پہنچ گیا ہے

یعنی ہاں اے چودھریو اپنے گلے مت کاٹو ایسا لقمہ منہ تک پہنچا ہوا ہے یعنی ہدایت قریب آگئی ہے اب تم اس کو قبول کرلو اور انکار مت کرو ہلاک مت ہو۔

راہہائے صعب پایان بردہ ایم	رہ بر اہل خویش آسان کردہ ایم
ہم نے سخت راستے طے کر لئے ہیں	ہم نے اپنوں کے لئے راستہ آسان کر دیا ہے

یعنی مشکل راہیں تو ہم ختم کر چکے ہیں اور راستہ کو اپنے اہل پر ہم نے آسان کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ جو خود کامل ہوتے ہیں اور مکمل بھی ہوتے ہیں وہ اول خود اپنے اوپر مشکلیں برداشت کرتے ہیں اور خود سارے کام کر کے اور ان میں تجربہ حاصل کر کے دوسروں کے لئے آسانیاں کر دیتے ہیں تو اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام نے اول خود مشکل کام تو ختم کر لئے۔ اب فرماتے ہیں کہ راہ ہدایت کو تم پر بالکل آسان کر کے پیش کرتے ہیں۔

ہر کہ مارا گشت پیرو باز رست	از عذاب نار و در جنت نشست
جو ہمارا پیرو بن گیا وہ رہائی پا گیا	آگ کے عذاب سے اور جنت نشین ہو گیا

یعنی جو شخص کہ ہمارا پیرو ہو گیا وہ عذاب نار سے چھوٹ گیا اور جنت میں بیٹھ گیا۔

وانکہ نشنید از شقاوت پندما	در عذاب جاودان شد مبتلا
جس نے بدبختی سے ہماری نصیحت نہ سنی	وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہو گیا

یعنی اور جس نے کہ بدبختی کی وجہ سے ہماری نصیحت نہ سنی وہ عذاب جاودانی میں مبتلا ہو گیا۔ (جب انبیاء علیہم السلام نے یہ فرمایا تو قوم نے دوبارہ اس کا جواب دیا کہ)

ہیں بجوئید از نجوم سعد راہ	زانکہ در ظلمت درید و قعر چاہ
آگاہ! نیک بختی کے ستاروں سے راستہ تلاش کرو	کیونکہ تم اندھیرے اور کنویں کی گہرائی میں ہو

یعنی ارے نجوم سعد سے راہ تلاش کرو اس لئے کہ تم ظلمت میں ہو اور قعر چاہ میں ہو۔ یعنی ہمارا اتباع کرو اور ہماری پیروی اختیار کرو تو فلاح پاؤ گے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ انبیاء علیہم السلام کا جواب سن کر پھر لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ یہ تو آپ کو بھی تسلیم ہے کہ امراض دو قسم کے ہیں بعض ناقابل علاج اور بعض قابل علاج پس ہمارا مرض ان امراض سے نہیں ہے جو قابل علاج ہوں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ آپ حضرات نے برسوں ہم کو نصیحتیں کیں اور منتر پڑھے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اس سے ہمارے بندشوں میں اضافہ ہی ہوتا گیا اور ذرہ بھر بھی کمی نہ آئی۔ پس اگر یہ امراض قابل علاج ہوتے تو کچھ تو کمی ہوتی۔ دیکھئے جب جگر میں سدہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس میں پانی نہیں پہنچ سکتا۔ خواہ وہ سمندر ہی کیوں نہ پی جاوے بلکہ وہ دوسرے مقامات پر چلا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیاس تو نہیں بجھتی جس کے لئے پیا گیا تھا بلکہ اور روگ پیدا ہو جاتا ہے یعنی ہاتھ پاؤں ورم کر جاتے ہیں۔ بس یہی حالت ہماری ہے اس پر انبیاءؑ نے کہا کہ ناامیدی کی کوئی بات نہیں تم کوشش کرو۔ ان شاء اللہ سارا مرض زائل ہو جاوے گا۔ اس لئے حق سبحانہ کی رحمتیں اور ان کے فضل بے حد ہیں اور ایسے صاحب انعام و اکرام سے ناامید ہونا زیبا

نہیں تم کوشش کرو اور رحمت حق سبحانہ کو دستاویز بناؤ بہت سے کام ابتداء سخت ہوتے ہیں اس کے بعد سب سہل ہو جاتے ہیں اور ساری مشکلات دفع ہو جاتی ہیں۔ اگر کسی کے مرض کی حالت یاس تک پہنچ جاوے تب بھی واقع میں اس کے لئے بہت امیدیں ہیں اور اگر ظلمت قلب انتہا کو پہنچ جاوے تب بھی واقع میں بہت سے آفتاب معارف وغیرہ ہیں جو اس کو زائل کر سکتے ہیں۔ اچھا ہم نے فرض کیا کہ تم پتھر ہی ہو گئے اور تم نے اپنے دلوں اور کانوں پر قفل لگا لئے ہیں کہ نہ تم ہماری نصیحتوں کو سنتے ہو نہ سمجھتے ہو لیکن ہم کو اس کی بھی کچھ پروا نہیں کیونکہ ہماری یہ غرض نہیں کہ تم خواہ مخواہ قبول ہی کر لو۔ ہمارا اصل مقصد تو حق سبحانہ کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل ہے۔ اس نے ہم کو اس خدمت پر مامور کیا ہے اس لئے ہم کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے کہ مایوس ہو کر اس کو چھوڑ دیں ہماری جان تو اسی کے احکام کی اطاعت کے لئے ہے۔ پس اگر وہ ہمیں حکم دے کہ تم ریت میں کھیتی کرو ہم کرنے کو موجود ہیں خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو ہم لوگوں کو دکھاوا تو مقصود ہے نہیں بلکہ ہم کو تو اطاعت مقصود ہے پس ہم اس امر حق سبحانہ کے سبب جو ہم کو تمہاری تبلیغ کی بابت ہوا ہے یہ پیغامات تم تک پہنچاتے ہیں خواہ تم پر ان کا اثر ہو یا نہ ہو۔ خوب سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام کا دوست تو صرف حق سبحانہ ہوتا ہے اس لئے ان کو اسی کی اطاعت مدنظر ہوتی ہے ان کو مخلوق کے رد و قبول سے کچھ سروکار نہیں ہوتا اور اپنی پیغام رسانی کی اجرت وہ اسی کے خزانہ سے پاتے ہیں۔ مخلوق سے وہ کسی نفع کے خواستگار نہیں ہوتے اور اپنے محبوب ہی کی خاطر لوگوں کی نظروں میں برے اور دشمن بنتے ہیں۔ نیز ہم لوگ درگاہ حق سبحانہ تک پہنچے ہوئے ہیں اور چلتے چلتے اکتا نہیں گئے کہ بعد مسافت کے سبب تھک کر ہر جگہ بیٹھ جایا کریں۔ دل تنگ اور ملول وہ شخص ہوتا ہے جو فراق یار کے قید خانہ میں ہو۔ مگر بحمد اللہ ہم ایسے نہیں ہیں ہمارا مطلوب ہمارے پاس موجود ہے اور ہم پر اپنی رحمت برسا رہا ہے جس کی ہماری جان ہر دم شکر گزاری کرتی ہے اور ہمارا دل باغ باغ ہے۔ بڑھاپے اور پژمردگی کو ہمارے یہاں کوئی دخل نہیں۔ ہم ہمیشہ تر و تازہ، جوان، پاکیزہ، شیریں، خنداں اور خوش طبع رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک سو برس اور ایک ساعت دونوں برابر ہیں۔ اس لئے کہ درازی و کوتاہی کو ہم سے کچھ واسطہ نہیں درازی و کوتاہی کا تعلق اجسام سے ہے اور ہم سراپا روح ہیں۔ روح میں درازی و کوتاہی کہاں۔ دیکھو اصحاب کہف پر روحانیت غالب تھی اس لئے تین سو نو برس ان کے نزدیک ایک دن تھے جو بے غم و رنج گزر گئے اور جبکہ ان کی روح واپس ہوئی ہے اور وہ جاگے ہیں تو اس وقت ان کو اتنے سال ایک دن بھی نہ معلوم ہوئے اور جبکہ ہم کو ماہ و سال اور رات دن سے بھی تعلق نہ ہو اور جبکہ گلستان فنا میں جس میں ہم یا اصحاب کہف وغیرہ ہیں۔ بیخودی اور جام شراب لطف خداوندی کی مستی ہو تو ہم لوگوں کی طبیعت کیسے بھر سکتی ہے اور ہماری روح کیونکر بڈھی اور کمزور ہو سکتی ہے اور ہم کیسے اکتا سکتے ہیں۔ جس نے یہ شراب نہیں پی اور اس کا مزہ نہیں چکھا وہ اس سے واقف نہیں ہو سکتا۔ دیکھو پھول کی بو گوہ کے کیڑے کے وہم میں بھی نہیں آ سکتی اور وہ نہیں جان سکتا کہ خوشبو بھی کوئی چیز ہے پس تم اسے کیسے سمجھ سکتے ہو۔ جب یہ امر معلوم ہوا کہ ہم حق سبحانہ سے اکتا نہیں سکتے تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہم تمہاری نصیحت کو نہیں چھوڑ سکتے کیونکہ ترک نصیحت ترک اطاعت حق

ہے اور ترک اطاعت اکتانا ہے جو ہمارے لئے ناممکن ہے ہم جو کچھ امور غیبیہ کی نسبت بیان کرتے ہیں اس کو تم ہمارا وہم نہ سمجھنا اس لئے کہ اگر یہ بات وہمی ہوتی تو اور موہومات کی طرح یہ بھی فنا ہو جاتی لیکن یہ فانی نہیں پس موہوم بھی نہیں تم سوچو کہ دوزخ کو آدمی بہشت کیسے سمجھ سکتا ہے اور بدصورت سور کا چہرہ کیونکر حسین معلوم ہو سکتا ہے جبکہ یہ نہیں ہو سکتا تو ہماری مدرکات کو وہم کیونکر کہا جاتا ہے دیکھو کہنا مانو اور جبکہ ایسی نفیس غذا تمہارے منہ تک پہنچ گئی ہے تو اپنا گلا کاٹ کر اس کو معدہ میں جانے سے نہ روکو مانا کہ وہ غذا اس طرح معدہ میں نہ پہنچ سکے گی لیکن یہ یاد رہے کہ جان بھی نہ رہے گی پس تم اپنے کو ہماری نصیحتوں کی ضد سے اندھا بہرا نہ بناؤ ہماری نصیحت سنو اور اسے قبول کرو دیکھو اس راستہ کی کڑیاں خود اپنے اوپر اٹھا کر ہم نے اپنے متبعین کے لئے اس کو آسان کر دیا ہے اب وصول الی اللہ کچھ زیادہ دشوار نہیں رہا تم ذرا ہمت کرو ان شاء اللہ بہت آسانی سے پہنچ جاؤ گے ہم سعد ستارے ہیں اور تم تاریکی ضلالت اور کنویں کی تہ میں ہو پس تم ہم کو راہ نما بناؤ۔ یاد رکھو جس نے ہماری پیروی کی عذاب دوزخ سے بچ گیا اور جنت میں جا بیٹھا اور جس نے اپنی بدبختی سے ہماری نصیحت نہ سنی وہ عذاب ابدی میں مبتلا ہوا۔

شرح شبیری

قوم کا اعتراض کو انبیاء علیہم السلام پر مکرر کرنا

قوم گفتند از شما سعد خودید	نحس مائید و ضدید و مرتدید
قوم نے کہا اگر تم اپنے لئے نیک بخت ہو	ہمارے لئے بد بخت اور مخالف اور مرتد ہو

یعنی قوم نے کہا کہ اگرچہ تم اپنے سعد ہو (مگر) ہمارے تو نحس ہو اور ضد ہو اور مرتد ہو (نعوذ باللہ)

جان ما فارغ بد از اندیشہا	در غم افگندید مارا و عنا
ہماری جان فکروں سے خالی تھی	تم نے ہمیں غموں اور مشقت میں ڈال دیا

یعنی ہماری جان اندیشوں سے فارغ تھی تم نے ہم کو مصیبت اور غم میں ڈال دیا۔ مطلب یہ کہ آرام سے رہتے تھے تم نے آ کر فضول فکر میں ڈال دیا کہ یوں ہوگا اس طرح باز پرس ہوگی وغیرہ وغیرہ اب کبھی ہمیں بھی شبہ ہو ہی جاتا ہے اور فکر لگ گیا۔

ذوق جمعیت کہ بود و اتفاق	شد ز فال زشت تان صد افتراق
یگانگت اور اتفاق کا جو مزا تھا	تمہاری بدشگونی سے سینکڑوں جدائیاں بن گیا

یعنی جمعیت کا ذوق اور اتفاق جو تھا تمہاری فال بد کی وجہ سے سو افتراق ہو گئے۔ مطلب یہ کہ سب ایک تھے اور آپس میں اتفاق تھا تمہارے آنے سے سب میں پھوٹ پڑ گئی اس لئے کہ کچھ انبیاء کو مان گئے کچھ متردد ہوئے کچھ

مخالفت سے باز رہے اور کچھ مخالف ہی رہے۔ تو یہ سارا تفرق انبیاء ہی کی وجہ سے ہوا وہ کہتے تھے کہ انہوں نے اتفاق کو کھو دیا ہم کہتے ہیں کہ اگر سب ایمان لے آئیں تب بھی تو اتفاق ہو سکتا ہے بلکہ اس اتفاق سے بدر جہا اولی ہوگا اور کہتے تھے کہ۔

مرغ مرگ اندیش گشتیم از شما	طوطی نقل و شکر بودیم ما
تمہاری وجہ سے موت کو سوچنے والا پرند بن گئے	ہم نقل اور شکر کھانے والی طوطی تھے

یعنی ہم طوطی نقل (خوار) اور شکر تھے تمہاری وجہ سے مرغ مرگ اندیش ہو گئے (کہ اکثر یہی فکر رہتی ہے کہ دیکھو مریں تو کیا ہوگا شاید یہی (انبیاءؑ) صحیح کہتے ہوں)۔

ہر کجا آوازۂ مستنکری است	ہر کجا افسانۂ غم گستری است
جہاں کہیں برائی کا شہرہ ہے	جہاں کہیں غم اٹھانے کا قصہ ہے

یعنی جہاں کہیں کہ افسانہ غم گستری کا ہے اور جس جگہ مستنکری کا آوازہ ہے۔

ہر کجا مسخ و نکالے موخذی است	ہر کجا اندر جہان فال بدی است
جہاں کہیں مسخ' عذاب' جائے گرفت ہے	جہاں کہیں دنیا میں بدشگونی ہے

یعنی جہاں کہیں جہان میں فال بدی ہے اور جہاں کہیں مسخ یا نکال یا پکڑ دھکڑ ہے (یہ سب)

در غم انگیزی شمارا مشتہا است	در مثال قصہ و فال شما است
غم بڑھانے کی تمہاری خواہش ہے	(وہ) تمہارے مثال اور قصہ اور شگون کی وجہ سے ہے

یعنی تمہاری قصہ و فال کی مثال ہے اور غم انگیزی میں تم کو رغبت ہے مطلب یہ کہ دنیا میں جو خرابی کہیں آ رہی ہے وہ تمہاری نحوست کا نمونہ ہے۔ اصل تمہارے اندر ہے اور باقی سب نمونے ہیں۔ (نعوذ باللہ) آگے انبیاء علیہم السلام کا جواب ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ سعد ہیں تو اپنے لئے۔ ہمارے واسطے تو آپ منحوس مخالف اور مرتد ہیں کیونکہ ہماری جان تفکرات سے خالی تھی آپ لوگوں نے ہم کو غم اور تکلیف میں ڈال دیا جو ذوق جمعیت اور اتفاق ہمارے لئے حاصل تھا آپ کی فال بد سے پارہ پارہ ہو گیا اس سے پیشتر ہم طوطی نقل شکر خوار تھے۔ اب ہم کو موت ہی کا اندیشہ رہنے لگا جہاں کہیں غم پھیلانے کا قصہ ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی ناخوشی ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی فال بد ہے اور جس جگہ بھی کوئی مسخ عذاب یا گرفت ہے وہ تمہارے ہی مثال اور قصہ اور فال بد کی بدولت ہے (اس توجیہ پر در سیبہ ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ طرفیہ ہو اس وقت مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی رنجیدہ باتیں آپ لوگوں کے بیان میں موجود ہوتی ہیں۔ لعل ہذا ہو الاظہر) معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد ہی لوگوں کو غم میں مبتلا کرنا ہے۔

شرح شبّیری

انبیاء علیہم السلام کا ان کو دوبارہ جواب دینا

ازمیان جان تان دار و مدد	انبیاء گفتند فال زشت و بد
تمہاری جان سے مدد حاصل کرتا ہے	انبیاء نے کہا اچھا اور برا شگون

یعنی انبیاء نے فرمایا کہ فال زشت و بد تمہاری ہی جان کے اندر سے مدد رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ فال بد سب تمہارے ہی اندر سے پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ **قال طائرکم معکم** آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

اژدہا در قصد تو آید بسر	گر تو جائے خفتہ باشی با خطر
اژدھا تیرے ارادے سے سر پر آ جائے	اگر تو کسی جگہ خطرے میں سویا ہوا ہو

یعنی اگر تو کسی جگہ پر بے کھٹکے سو رہا ہو اور اژدہا تیرے (کھانے کے) قصد سے سر کی طرف سے آوے۔

کہ بجہ زود ارنہ اژدرہات خورد	مہربانے مرترا آگاہ کرد
کہ جلد بھاگ ورنہ تجھے اژدھے نے کھایا	کسی مہربان نے تجھے خبردار کر دیا

یعنی کسی مہربان نے تجھے آگاہ کیا کہ جلدی سے اٹھ ورنہ تجھے اژدہا نے کھالیا۔

فال چہ برجہ ببیّن در روشنی	تو بگوئی فال بد چون میزنی
بدشگونی کیا ہوتی ہے' اٹھ روشنی میں دیکھ	تو کہتا ہے کہ کیوں بدشگونی کرتا ہے

یعنی تو کہتا ہے کہ کیوں فال بد مار رہا ہے (تو وہ ناصح کہتا ہے کہ) فال کیا ہوتی ہے اٹھ اور روشنی میں دیکھ لے (اور کہتا ہے کہ)

می رہانم می برم سوئے سرا	از میان فال بد من خود ترا
چھڑا رہا ہوں' گھر کی جانب لے جا رہا ہوں	میں تجھے بدشگونی سے

یعنی ارے میں تو تجھے فال بد میں سے خود چھڑا رہا ہوں اور گھر کی طرف لے جا رہا ہوں (مولانا فرماتے ہیں کہ)

کو بدید انچہ ندید اہل جہاں	چون نبی آگہ کنندہ است از نہان
کیونکہ جو کچھ اس نے دیکھ لیا ہے دنیا داروں نے نہیں دیکھا ہے	نبی کی طرح جو ان پوشیدہ باتوں سے خبردار کرنے والا ہے

یعنی یہ پوشیدگی سے آگاہ کرنے والا مثل نبی ہی کے ہے کہ اس نے دیکھ لیا ہے جو کہ اہل جہان نے نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ اس ناصح نے اژدہا کو دیکھ لیا ہے اور اس سونے والے کو ڈرا رہا ہے اور وہ اس کو

فال بدخیال کرتا ہے۔اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بھی کفار کو نار جہنم سے ڈرا رہے ہیں اور انہوں نے تو اس کو دیکھ رکھا ہے مگر کفار نے نہیں دیکھا لہٰذا یہ اس کو فال بدخیال کرتے ہیں آگے دوسری مثال ہے کہ۔

گر طبیبے گویدت غورہ مخور	کہ چنین رنجے برآرد زود سر
اگر تجھ سے کوئی طبیب کہے کچا انگور نہ کھا	کہ فلاں مرض جلد سر ابھارے گا

یعنی اگر کوئی طبیب تم سے کہے کہ کچا انگور مت کھاؤ اس لئے کہ ایسا رنج شور وشر پیدا کرتا ہے مطلب یہ کہ اس کے کھانے سے تکلیف زائد ہوگی۔

تو بگوئی فال بد چون میزنی	پس تو ناصح را موثم می کنی
تو کہے کہ بدشگونی کیوں کرتا ہے	تو تو ایک ناصح کو گنہگار ٹھہرا رہا ہے

یعنی تم کہو کہ فال بد کیوں مار رہے ہو تو تم ناصح کو گنہگار ٹھہرا رہے ہو مطلب یہ کہ اس طبیب سے یہ کہنا کہ جناب آپ مرض کا نام کیوں لیں یہ تو فال بد ہے ایسا ہے گویا کہ تم اس سے کہہ رہے ہو کہ گناہ کیوں کرتے ہو کہ مجھے نصیحت کرتے ہو آگے تیسری مثال ہے کہ۔

ور منجم گویدت امروز ہیچ	آنچناں کارے مکن اندر پسیچ
اگر کوئی نجومی تجھ سے کہے کہ آج کوئی	ویسا کام ارادہ سے نہ کرنا

یعنی اور اگر منجم تجھ سے کہے کہ آج ہرگز ایسے کسی کام کو قصد میں مت کرنا یعنی اس کا قصد مت کرنا۔

تانگردی نادم و خاسر دران	زانکہ نیکو نیست روز امروز ہان
تاکہ تو اس کی وجہ سے شرمندہ اور محروم نہ بنے	کیونکہ آج اچھا دن نہیں ہے

یعنی تاکہ تم اس میں نادم اور خاسر نہ ہو اس لئے کہ آج کا دن اچھا نہیں ہے۔

صدرہ ار بینی دروغ اخترے	یک دوبارہ راست آید می خرے
اگرچہ تو سو طرح سے نجومی کا جھوٹ دیکھتا ہے	ایک دوبارہ سچ ہو جائے تو تو مان لیتا ہے

یعنی سوبار اگرچہ تو نے ستاروں کا جھوٹ ہونا دیکھ لیا ہے اور دو مرتبہ درست آتا ہے (مگر) تو خرید لیتا ہے۔

این نجوم ما نشد ہرگز خلاف	صحتش چون ماند از تو در غلاف
ہمارے ان ستاروں میں کبھی تخلف نہیں ہوا	ان کی صحت تجھ سے کیسے پوشیدہ ہے؟

یعنی یہ ہمارا نجوم کبھی خلاف نہیں ہوا تو اس کی صحت تجھ سے حجاب میں کس طرح رہ گئی۔ مطلب یہ کہ انبیاءؑ نے فرمایا نجومی تجھ سے کہتا ہے کہ اس کام کو مت کرنا ورنہ نقصان ہوگا اور سینکڑوں مرتبہ اس کا غلط ہونا تم کو معلوم ہو

چکا ہے گروہ جو کہتا ہے کہ اس کو مانتے ہو اور ہمارا جو یہ نجوم ہے یہ کبھی بھی غلط نہیں ہوا گر اس کو تم صحیح نہیں مانتے اور ہم جو کہتے ہیں کہ فلاں کام مت کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے تو اس کو غلط مانتے ہو یہ کیسے غضب کی بات ہے۔

آن طبیب و آن منجم از گمان	می کند آگاہ ما از خود عیان
وہ طبیب اور نجومی گمان کے ذریعے	خبر دیتے ہیں اور ہم مشاہدے سے

یعنی وہ طبیب اور وہ منجم تو گمان سے آگاہ کرتے ہیں اور ہم معائنہ سے۔ یعنی وہ اٹکل سے کہتے ہیں کہ نقصان ہوگا اور ہم تو اس نقصان کو دیکھ کر کہتے ہیں۔

دود می بینیم و آتش از کران	حملہ می آرد بسوئے منکراں
ہم دیکھتے ہیں کہ دھواں اور آگ ایک کنارے سے	منکروں پر حملہ آور ہے

یعنی ہم دھویں اور آگ کو ایک کنارہ سے دیکھ رہے ہیں کہ وہ منکرین پر حملہ کر رہی ہے (تو اس کو دیکھ کر ہم تم کو ڈراتے ہیں اور اس سے بچاتے ہیں)

تو ہمی گوئی خمش کن زین مقال	کہ زیاں ماست قال شوم فال
تو یہ کہتا ہے کہ ان باتوں سے چپ رہ	کیونکہ بدشگونی کی بات میں ہمارا نقصان ہے

یعنی تو کہتا ہے کہ اس بات سے چپ رہ کیونکہ فال بد کی بات ہم کو نقصان دیتی ہے (فرماتے ہیں کہ)

ایکہ نصح ناصحان را نشنوی	فال بد باتست ہر جا میروی
اے وہ کہ تو ناصحوں کی نصیحت نہیں سنتا ہے	تو جہاں جائے بدشگونی تیرے ساتھ ہے

یعنی اے شخص جو کہ ناصحوں کی نصیحت کو نہیں سنتا فال بد تو تیرے ساتھ ہے تو جہاں کہیں جاوے گا یعنی جہاں بھی تو جاوے گا فال بد تیرے ساتھ موجود ہوگی اس کی ایسی مثال ہے کہ۔

افعیے بر پشت تو بر می رود	اوز بامے بیندت آگہ کند
ایک اژدھا تیرے پیچھے دوڑ رہا ہے	وہ اس کو بالاخانہ سے دیکھ رہا ہے، خبردار کرتا ہے

یعنی ایک سانپ تیری پشت پر چل رہا ہے اور تو وہ (ناصح) ایک کوٹھی پر سے دیکھ کر تجھ کو آگاہ کرتا ہے۔

گوئیش خاموش غمگینم مکن	گویدا و خوش باش خود رفت ایں سخن
تو اس کو کہتا ہے چپ رہ، مجھے غمگین نہ کر	وہ کہتا ہے، خوش رہ، بات ختم ہوئی

یعنی تو اس (ناصح) سے کہتا ہے کہ چپ رہ مجھے غمگین مت کر تو وہ کہتا ہے کہ اچھا خوش رہ اور یہ بات رفت گذشت ہوگئی یعنی جب اس نے تمہیں سانپ کی اطلاع کی تو آپ فرماتے ہیں کہ ایسی بات مت کہو رنج ہوتا ہے

تو وہ کہتا ہے کہ بہتر ہے رہو اسی حالت میں ہمارا ہی کیا حرج ہے اب یہ بات تو ہو چکی اور تم اسی حالت میں رہے۔

چون زند افعی دہان بر گردنت	تلخ گردد جملہ شادی کردنت
جب اژدھا تیری گردن پر منہ مارے گا	تیری سب خوشیاں منانا تلخ ہو جائیں گی

یعنی جبکہ سانپ تمہاری گردن پر مارے گا تو تمہارا سارا خوشی کرنا تلخ ہو جاوے گا۔ یعنی تم جو کہتے تھے کہ مجھے غمگین مت کرو خوش رہنے دو اب وہ ساری خوشی نکلے گی۔

پس بدوگوئی ہمیں بود ای فلاں	چوں نہ بدریدی گریبان در فغان
پھر تو اس سے کہے گا اے فلاں ! ٹھیک تھا	تو نے نالہ و فریاد سے گریبان چاک کیوں نہ کیا تھا؟

یعنی پھر تو اس سے کہتا ہے کہ ارے میاں کیا یہی تھا تو تم نے فغان میں گریبان کیوں نہ پھاڑ دیا۔

یاز بالایم تو سنگے می زدے	تا مرا از جد نمودے این بدے
یا اوپر سے تو میرے پتھر مارتا	تا کہ وہ کوشش یہ برائی مجھے دکھا دیتی

یعنی یا اوپر سے تو نے پتھر مارا ہوتا۔ تا کہ مجھے یہ بدی حد سے دکھاتا۔ مطلب یہ کہ اب اس سے کہتے ہو کہ میاں تم نے تو بڑی متانت سے کہا کہ تمہاری پشت پر سانپ ہے ارے میاں میرا گریبان پھاڑ ڈالتے یا اوپر ہی سے ایک پتھر مارتے تا کہ مجھے معلوم ہوتا کہ تو صحیح کہتا ہے میں تو سمجھا کہ یونہی کہہ رہے ہیں۔

او بگوید نے کہ می آزردۂ	تو بگوئی نے کہ شادم کردۂ
وہ کہے گا' کیونکہ تو رنجیدہ ہوتا تھا	تو کہے گا' تو نے (اب کیا) مجھے خوش کر دیا ہے

یعنی وہ کہتا ہے کہ نہیں تم آزردہ ہوتے تو تو کہتا ہے کہ نہیں (اب) مجھے تم نے شاد کیا ہے مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ نہیں بھلا میں کیسے عرض کرتا آپ کو اور زیادہ رنج ہوتا۔ تو تو کہتا ہے کہ اب مجھے آپ نے بہت خوش کیا ہے کہ جو سانپ سے کٹوا دیا۔

گفت من کردم جوانمردی و پند	تا رہانم تر ازین خشک بند
اس نے کہا میں نے شرافت برتی اور نصیحت (کی)	تا کہ میں تجھے سخت قید سے رہائی دوں

یعنی ناصح نے کہا کہ میں نے تو جوانمردی اور نصیحت کی تا کہ میں تجھے اس قید سخت سے چھڑا دوں۔

از لئیمی حق آن نشناختے	مایۂ ایذا و طغیان ساختے
تو نے کمینہ پن سے اس کی قدر نہ کی	اس کو ایذاء اور سرکشی کا سرمایہ بنایا

یعنی لئیمی کی وجہ سے تو نے اس کا حق نہ پہچانا اور (اس کو) مایۂ ایذا و طغیان بنا لیا۔ (تو اب میں کیا کروں اور میری کیا خطا) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ انبیاء علیہم السلام نے جواب دیا کہ کم بختو تم فال بد نکالنے کا الزام ہم کو دیتے ہو فال بد کو تو خود تمہاری جان برابر مدد پہنچا رہی ہے۔ دیکھو اگر تم مخدوش حالت میں کسی مقام پر سور ہے ہو اور اژدہا تم کو ہلاک کرنے کے لئے تمہارے سر پر آ پہنچے اس وقت ایک مشفق تم کو مطلع کرے کہ ارے جلدی اٹھ ورنہ اژدھے نے تجھے کھالیا۔ اس پر تو کہے کہ میاں ایسی بری فال کیوں منہ سے نکالتے ہو تو وہ اس کا جواب یہی دے گا کہ ارے منحوس فال کیسی تو اٹھ اور روشنی میں دیکھ لے کہ میں سچ کہتا ہوں یا بدفال زبان سے نکال رہا ہوں۔ میں فال بد نہیں نکالتا بلکہ میں تو تجھے اژدھے سے چھڑا کر صحیح وسالم تیرے گھر پہنچانا چاہتا ہوں اور میں تجھ کو یوں ہی مطلع کرتا ہوں جس طرح ایک نبی جوان مصائب کا مشاہدہ کرتا ہے جس کا اہل عالم مشاہدہ نہیں کرتے۔ اپنی امت کو ان مصائب سے مطلع کرتا ہے یا یوں سمجھو کہ اگر کوئی طبیب کہے کہ دیکھو کچے انگور نہ کھانا ورنہ فلاں بیماری زور کر جائے گی۔ اس پر تم کہو کہ حکیم صاحب آپ فال بد منہ سے کیوں نکالتے ہیں آپ کو ایسا نہ چاہئے تو یقیناً یہ ہوگا اور اس کو تم بھی مانتے ہو کہ تم ایک خیر خواہ کو خطاوار ٹھہرا رہے ہو غور تو کرو کہ اگر کوئی نجومی یہ کہے کہ دیکھو آج کسی کام کا ہرگز قصد نہ کرنا کیونکہ آج کا دن اچھا نہیں ہے ایسا نہ ہو کہ تم بعد کو پچھتاؤ اور نقصان اٹھاؤ تو وہاں تم یہ نہ کہو گے کہ آپ بدفال کیوں منہ سے نکالتے ہیں وہاں تو تمہاری حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر تم سو مرتبہ نجومی کی غلط بیانی کا تجربہ کر چکے ہو اور ایک مرتبہ اس کی بات صحیح بھی ثابت ہوئی ہے تو تم اس کو قبول کر لیتے ہو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہماری پیشین گوئی ایک بھی غلط ثابت نہیں ہوئی تو پھر تم کو ہمارے قول کی صحت میں کیوں شک ہے اور اس کی صحت تم سے کیوں مخفی ہے طبیب اور منجم تو جو بیان کرتے ہیں محض ظن سے کہتے ہیں جس میں صحت اور غلطی دونوں کا احتمال ہے لیکن ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ مشاہدے کی بناء پر کہتے ہیں جس میں غلطی کا احتمال ہی نہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ دھواں اور آگ ایک طرف سے منکروں پر حملہ آور ہو رہی ہے مگر بایں ہمہ تم کو طبیب ومنجم کی باتوں کا یقین ہوتا ہے اور ہم سے کہتے ہو کہ بس جی ایسی باتیں نہ کرو کہ یہ بدفالی کی باتیں ہیں اور ان سے ہم کو نقصان ہوتا ہے۔ دیکھو تم جو خیر خواہوں کی نصیحت نہیں سنتے اور اس کو بدفالی کہتے ہو یاد رکھو کہ وہ فال بد جہاں تم جاتے ہو تمہارے ساتھ ہوتی ہے اور ایک دن تم کو ایسا ضرر پہنچائے گی کہ تم سر پکڑ کر روؤ گے اور خیر خواہوں کی نصیحت کی قدر کرو گے فرض کرو کہ ایک سانپ تمہاری کمر پر چل رہا ہے ایک شخص کوٹھے پر سے دیکھتا ہے اور تمہیں مطلع کرتا ہے تم اسے کہتے ہو کہ بس جی چپ رہو خواہ مخواہ مجھے پریشان نہ کرو وہ شخص کہتا ہے کہ بہتر ہے اور بات رفت گذشت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد سانپ تمہاری گردن میں کاٹتا ہے اور جبکہ وہ کاٹتا ہے تو تمہارے نشے ہرن ہو جاتے ہیں اور ہر خوشی تم کو بری معلوم ہوتی ہے اس وقت تم کہو گے کہ اے شخص تو ٹھیک کہتا تھا ارے تو ایک دفعہ نصیحت کر کے خاموش کیوں ہو

رہا۔ تو نے نالہ وفریاد کر کے گریبان کیوں نہ پھاڑ لیا یا اوپر سے میرے پتھر کیوں نہ مارا تا کہ مجھے یہ برائی واقعی معلوم ہوتی۔ اور میں اس کو دل لگی نہ سمجھتا۔ اس پر وہ کہے گا کہ جی نہیں تم خواہ مخواہ پریشان ہوتے اس پر تم یہ ہی کہو گے کہ نہیں بلکہ میں بہت خوش ہوتا تب وہ یہ کہے گا کہ میں نے تو ایثار سے کام لیا تھا اور تم کو نصیحت کی تھی تا کہ تم کو اس سخت پھندے سے چھڑا دوں مگر تم نے اپنے پاجی پن سے اس کی قدر نہ کی اور اس کو تم نے تکلیف اور سرکشی کا ذریعہ بنا لیا۔ میرا کیا قصور ہے۔ پس تم انبیاء کی بالکل ایسی ہی حالت سمجھو ان کی بات مانو اور ان پر بدفالی کا الزام نہ لگاؤ۔

شرح شبّیری

این بود خوئے لئیماں دنے	بد کند باتو چو نیکوئے کنے
کمینے لئیموں کی بھی عادت ہوتی ہے	جب تو نیکی کرے وہ تجھ سے بدی کرتے ہیں

یعنی کمینہ لئیموں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ تمہارے ساتھ برائی کریں جب تم نیکی کرو۔

نفس رازین صبر می کن منحنیش	کہ لئیم ست و نسازد نیکوئیش
نفس کو صبر کے ذریعہ کمزور بنا	کیونکہ وہ کمینہ ہے بھلائی اس کے ساتھ ساز نہیں کرتی ہے

یعنی نفس کو اس صبر سے منحنی کر کیونکہ وہ لئیم ہے اس کو نیکی موافق نہیں ہے مطلب یہ کہ جب لئیموں کی عادت معلوم ہو گئی اور نفس لئیم ہے لہذا اس کے ساتھ برائی کرو اور اس کو مجاہدات وریاضات میں کھینچو تب باز رہے گا آگے فرماتے ہیں کہ۔

با کریمے گر کنی احسان سزد	ہر یکے را او عوض ہفصد دہد
اگر تو شریف کے ساتھ احسان کرے تو مناسب ہے	وہ ہر ایک کا سات سو گنا بدلہ دے گا

یعنی اگر کسی کریم کے ساتھ احسان کرو تو لائق ہے کہ وہ ہر ایک کا سات سو بدلے دے گا یعنی ہمیشہ اس احسان کو مانے گا اور تمہارا شکر گزار ہوگا۔

بالئیمے چوں کنی قہر و جفا	بندۂ گردد ترا بس باوفا
کمینہ پر جب تو ظلم اور قہر کرے گا	(وہ) تیرا باوفا غلام بن جائے گا

یعنی کسی لئیم کے ساتھ جب تو قہر و جفا کرے تو وہ تیرا غلام بہت باوفا ہو جاوے آگے اس کی ایک مثال ہے کہ

کافران کارند در نعمت جفا	باز در دوزخ ندا شان ربنا
کافر نعمت کی حالت میں جفا کاری کرتے ہیں	پھر دوزخ میں ان کی پکار "اے ہمارے رب" ہوتی ہے

یعنی کافر لوگ جو کہ نعمت میں تو جفا لاتے ہیں اور پھر دوزخ میں ان کی نداء یا ربنا ہو گی۔

کہ لئیمان در جفا صافی شوند	چون وفا بینند خود جانی شوند
کیونکہ کمینے ظلم میں مخلص بنتے ہیں	جب وفا دیکھتے ہیں جفا کرتے ہیں

یعنی لئیم لوگ جفا میں صافی ہو جاتے ہیں اور جب وفا دیکھتے ہیں تو خود جفا کرنے والے ہو جاتے ہیں مطلب یہ کہ دیکھو کافر دنیا میں نعمت میں رہتے ہیں تو ہمیشہ کفر میں رہتے ہیں اور جب دوزخ میں جاویں گے تو وہاں اللہ کو یاد کریں گے تو یہ اسی لئے ہے کہ چونکہ وہ لئیم ہیں احسان کے ساتھ تو کافر رہے مگر جب ان پر جفا ہوئی تو درست ہو گئے آگے ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ماخلقت الجن والانس الالیعبدون تو جب غایت خلق عبادت ہے تو اس غایت کو ہر فرد بشر پر مرتب ہونا ضروری ہے تو ان میں سے بعض افراد تو وہ ہیں کہ جنہوں نے طوعاً قبول کر لیا اور ان پر یہ غایت مرتب ہو گئی جیسے کہ مومنین مگر بعض وہ ہیں کہ جنہوں نے یہاں نہ مانا اور اس غایت کا مرتب ہونا ضروری تھا تو حق تعالیٰ نے ان کے لئے دوزخ بنائی کہ وہ وہاں جا کر خدا کی یاد کریں گے اور دوزخ میں ان پر یہ غایت مرتب ہوگی اور ان کا معبد وہ بنے گی اب سنو کہ فرماتے ہیں کہ۔

حکمت دوزخ کے اس جہان میں اور زندان کی اس جہان میں پیدا کرنے کی یہ ہے کہ تا کہ وہ منکروں کا معبد بنے کیونکہ حکم ہے ائتیا طوعاً و کرہاً تو جو طوعاً نہ آوے اس کو اس کے ذریعہ سے کرہاً لایا جاوے گا

مسجد طاعات شان خود دوزخ است	پائے بند مرغ بیگانہ فخ است
ان کی مسجد اور اطاعتوں (کی جگہ) دوزخ ہے	بیگانہ پرند کے پاؤں کا پھندا جال ہے

یعنی ان (لئیموں) کی طاعات کی مسجد دوزخ ہے (کیونکہ) مرغ بیگانہ کا پائے بند جال ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو پلا ہوا جانور تو مالک کے پاس خود آتا ہے اور جو بیگانہ ہوتا ہے اس کو جال میں گرفتار کر کے لاتے ہیں تو جو مومنین تھے وہ تو خود آ گئے اور جو بیگانے تھے ان کو دوزخ و زندان کے ذریعہ سے لایا جاتا ہے کہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر زندان دنیوی میں جا کر بھی خدا کی یاد آ جاتی ہے تو کفار کو اس ذریعہ سے عبادت میں لگایا جاتا ہے۔

ہست زندان صومعۂ دزد لئیم	کاندر و ذاکر شود حق را مقیم
کمینے چور کا عبادت خانہ قید خانہ ہے	اس میں وہ ہمیشہ خدا کو یاد کرنے والا ہوتا ہے

یعنی قید خانہ دزد لئیم کا عبادت خانہ ہے کیونکہ وہ اس کے اندر ذاکر حق ہمیشہ کے لئے ہو جاتا ہے۔

چوں عبادت بود مقصود از بشر	شد عبادت گاہ گردنکش سقر
چونکہ انسان (کی پیدائش) سے مقصود عبادت ہے	متکبر کی عبادت گاہ دوزخ بنی

یعنی جبکہ عبادت ہی انسان سے مقصود تھی تو گردن کشوں کی عبادت گاہ دوزخ ہو گئی۔

آدمی را ہست در ہر کار دست	لیک از و مقصود این خدمت بدست
انسان کو ہر کام پر قدرت ہے	لیکن اس (کی پیدائش) سے (اصلی) مقصود عبادت ہے

یعنی آدمی کو ہر کام کی استعداد ہے لیکن اس سے مقصود یہی خدمت (عبادت) ہے۔

ما خلقت الجن والانس این بخوان	جز عبادت نیست مقصود از جہان
اس "انہیں پیدا کیا ہم نے جن و انسان کو" پڑھ	عبادت کے علاوہ دنیا میں (کوئی) مقصد نہیں ہے

یعنی ماخلقت الجن والانس لخ کو پڑھو کہ سوائے عبادت کے جہاں سے کچھ مقصود نہیں ہے مطلب یہ کہ انسان ویسے دنیا میں سارے کام کرتا ہے مگر اس کی پیدائش سے اصل مقصود عبادت ہی کرنا ہے اب دوسرے کام طبعاً کرتا ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ۔

گرچہ مقصود از کتاب آن فن بود	گر تو اش بالش کنی ہم می شود
اگرچہ کتاب کا مقصد وہ فن ہوتا ہے	اگر تو اس کا تکیہ بنا لے تو (یہ بھی) ہو سکتا ہے

یعنی اگرچہ مقصود کتاب سے وہی فن ہوتا ہے (جس کی وہ کتاب ہے) مگر جو تم اس کو تکیہ کرلو تو ہوسکتا ہے۔

لیک از و مقصود این بالش نبود	علم بود و دانش و ارشاد و سود
لیکن اس کا مقصد یہ تکیہ (ہونا) نہ تھا	علم اور سمجھ اور ہدایت اور نفع تھا

یعنی لیکن اس کتاب سے یہ تکیہ بنانا مقصود نہ تھا (مقصود) علم اور دانش اور ارشاد اور نفع تھا (مگر تکیہ بنالیا تو بن ہی گیا۔ اسی طرح انسان اگر اور کام کرتا ہے تو وہ بھی ہو جاتے ہیں مگر اصل مقصود اس کو پیدا کرنے سے اس سے عبادت کرانا ہی تھا) آگے دوسری مثال ہے کہ۔

گر تو میخے ساختی شمشیر را	برگزیدی بر ظفر او بیر را
اگر تو تلوار کو کھونٹا بنا لے	تو نے کامیابی پر بدبختی کو ترجیح دی

یعنی اگر تو نے تلوار کو کھونٹا بنالیا تو فتح پر ادبار کو قبول کرلیا یعنی جس سے کہ فتح ہوتی تو اس کو ایسے کام میں لایا کہ اس کو بیکار کردیا۔ گویا کہ ادبار کو خرید لیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ مقصود از بشر علم و ہدیست	لیک ہر یک آدمی را معبدیست
اگرچہ انسان (کی تخلیق) سے مقصود علم و ہدایت ہے	لیکن ہر شخص کی ایک عبادت گاہ ہے

یعنی اگرچہ مقصود انسان سے علم وہدایت ہے لیکن ہر ایک آدمی کا ایک معبد ہے۔

معبد مرد کریم اکرمتہ	معبد مرد لئیم اسقمتہ
شریف انسان کی عبادت گاہ (مقام) اکرمتہ ہے	کمین انسان کی عبادت گاہ اسقمتہ ہے

یعنی مرد کریم کا معبد تو اکرمت ہے اور لئیم کا معبد استمتہ ہے یعنی کریم کا اکرام کرو تو وہ اور شکر گزار ہو کر خوب کام کرے گا اور لئیم کو اگر چہ جوتے کے نیچے رکھو تب وہ کام کرتا ہے۔

مر کریماں رابدہ تا بردہند	مر لئیمان رابنون تا سرنہند
شریفوں کو (انعام) دے تاکہ پھل دیں	کمینوں کو پیٹ تاکہ اطاعت کریں

یعنی لئیموں کو مارتا کہ اطاعت کریں اور کریموں کو دے تاکہ پھل دیں (تو جب ہر ایک کے لئے معبد دوسرا ہے تو پھر حق تعالیٰ نے دونوں کے لئے الگ الگ معبد بھی بنایا ہے)۔

دوزخ آنہاراوٗ اینہار آمزید	لاجرم حق ہر دو مسجد یں آفرید
ان کے لئے دوزخ اور ان کے لئے "مزید"	لامحالہ اللہ (تعالیٰ) نے دو مسجدیں بنائیں

یعنی لامحالہ حق تعالیٰ نے دونوں مسجدیں پیدا فرمائیں دوزخ ان کے لیے اور ان کے لئے مزید یعنی اشقیا کے لئے تو دوزخ کو مسجد بنایا کہ وہ تو وہاں جاکر عبادت کریں گے اور کریموں کے لئے جنت کو جس میں ہر دم نعمت زیادہ ہے کہ وہ نعمت پاکر شکر گزار ہوں گے اور پھر عبادت حق اچھی طرح کریں گے آگے اس کی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا فرود آرند سر قوم زحیر	ساخت موسیٰ قدس در باب صغیر
تاکہ سرکش قوم سر جھکائے	(حضرت) موسیٰ نے بیت المقدس میں چھوٹا دروازہ بنایا

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک چھوٹا دروازہ بنایا تاکہ قوم سرکش سر نیچا کریں۔

دوزخ آن باب صغیرست و نیاز	زانکہ جباران بدند و سرفراز
دوزخ وہی چھوٹا دروازہ اور نیاز (مندی کی جگہ) ہے	کیونکہ وہ جابر اور متکبر تھے

یعنی اس لئے کہ وہ لوگ جبار تھے اور سر بلند تھے تو دوزخ وہی باب صغیر اور نیاز ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک چھوٹا سا دروازہ بنایا تھا تاکہ جو لوگ سجدہ نہیں کرتے وہ اس میں آکر جھکیں اور اس طرح ان کا سر جھکے تو اسی طرح حق تعالیٰ نے دوزخ کو بنایا ہے کہ جو لوگ یہاں خدا کی یاد نہیں کرتے وہ دوزخ میں جاکر خدا کو یاد کریں اور ما خلقت الجن والانس الخ کی غایت اس طرح ان پر مرتب ہو جائے آگے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو ظالم اور جابر سلاطین پیدا کیے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ جو لوگ خدا کے سامنے سرنگوں نہ ہوں وہ ان کے سامنے سر جھکادیں اور ان کو بڑا سمجھ کر ان کی تعظیم کریں تو ان کا عجز معلوم ہو کہ خدا کے سامنے تو نہ جھکے بندوں کے آگے جھکنا پڑا۔

بیان میں اسکے کہ حق تعالیٰ نے بادشاہوں کی صورت کو ان جباروں کے مسخر ہونیکا سبب بنایا ہے جو کہ مسخر حق نہیں ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے باب صغیر بیت المقدس میں جباران بنی اسرائیل کے جھکنے کے واسطے بنایا تھا کہ جب اس میں آویں تو عاجزی کریں اور حکم ہوا تھا کہ ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة الی آخرہ

آنچناں کہ حق زلحم و استخوان	از شہان باب صغیرے ساخت بان
اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے گوشت اور ہڈیوں سے	بادشاہوں کا چھوٹا دروازہ بنایا

یعنی اسی طرح حق تعالیٰ نے ہڈی اور گوشت کا بد بادشاہوں میں سے ایک باب صغیر بنایا ہے یعنی بادشاہوں کو ہڈی اور گوشت کا ایک باب صغیر بنایا ہے کہ جس طرح باب صغیر موسوی میں جبارین کو جھکنا پڑتا تھا اسی طرح جو خدا کے آگے نہ جھکیں ان کو ان بادشاہوں کے آگے جھکنا پڑتا ہے اب یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ بعض مرتبہ مقبولان حق اور مطیعین کو بھی تو بادشاہوں کے سامنے جھکنا پڑتا ہے تو پھر یہ غایت کہاں رہی۔ بات یہ ہے کہ یہ جو جھکتے ہیں تو کراہت کے ساتھ ان کو تعظیم مقصود نہیں ہوتی بخلاف ان جبارین کے کہ وہ ان کی تعظیم کے اعتبار سے جھکتے ہیں۔

اہل دنیا سجدۂ ایشان کنند	چونکہ سجدہ کبریا را دشمنند
دنیا دار ان کو سجدہ کرتے ہیں	کیونکہ وہ اللہ (تعالیٰ) کو سجدہ کرنے کے مخالف ہیں

یعنی اہل دنیا ان کو سجدہ کرتے ہیں چونکہ وہ حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے دشمن ہوتے ہیں۔

ساخت سرگین دانگئے محراب شان	نام آن محراب میر و پہلوان
ان کے لئے گوبر خانے کو محراب بنایا	اس محراب کا نام حاکم اور پہلوان ہے

یعنی حق تعالیٰ نے ایک گوہ دان ہے اس کو ان اشقیا کے لئے محراب بنایا ہے کہ وہاں جا کر یہ جھکتے ہیں اور اس گوہ دان کا نام امیر صاحب پہلوان صاحب وغیرہ وغیرہ ہے اور یہ سب اس لئے ہے کہ۔

لائق ایں حضرت پاکے نیند	نے شکر نے لیک درصورت نے اند
تم پاک دربار کے لائق نہیں ہو	پاک لوگ گنا ہیں تم صرف نرکل ہو

یعنی وہ (اشقیا) اس درگاہ پاک کے لائق نہیں ہیں نے شکر نہیں ہیں لیکن صورت میں نے ہیں یعنی صورت تو

انسانی ہے مگر حقیقت انسانی نہیں ہے۔

آن سگاں را ایں خران خاضع شوند	شیر را عارست کو را بگروند
یہ کمینے ان کتوں کے تابعدار ہوتے ہیں	شیروں کی توہین ہے کہ وہ اس کے گرویدہ ہوں

یعنی وہ کتے ان گدھوں کے مطیع ہوتے ہیں اور شیر کو تو عار آتی ہے کہ اس کے تابع ہوں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کی اطاعت کے یہ لوگ لائق نہ تھے تو ان سگان دنیا کے مطیع ہوئے۔

گربہ باشد شحنۂ ہر موش خو	موش کہ بود تاز شیران ترسداد
ہر موش خصلت کا کوتوال بلی ہوتی ہے	چوہا کس قابل ہے کہ وہ شیروں سے ڈرے

یعنی بلی ہر موش خصلت کی کوتوال ہوتی ہے چوہا کون ہوتا ہے جو کہ شیروں سے ڈرے یعنی دیکھو چوہا بلی سے تو ڈرتا ہے مگر شیر سے نہیں ڈرتا تو اسی طرح یہ اشقیا شاہان دنیا سے تو ڈرتے ہیں مگر حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو گویا موش خصلت ہیں۔

خوف ایشان از کلاب حق بود	خوف شان کے ز آفتاب حق بود
ان کو اللہ (تعالیٰ) کے کتوں سے خوف ہوتا ہے	آفتاب حق سے انہیں ڈر کہاں ہوتا ہے

یعنی ان کو حق کے کتوں سے خوف ہوتا ہے اور آفتاب حق سے کب خوف ہوتا ہے (اس لئے کہ وہ آفتاب حق کی معرفت ہی نہیں رکھتے اس سے ڈریں کیا)

ربی الاعلیٰ ست ورد آن مہاں	رب ادنی در خور ایں ابلہاں
سرداروں کا وظیفہ ربی الاعلیٰ ہے	رب ادنیٰ ان بیوقوفوں کے لائق ہے

یعنی ان سرداروں کا تو ورد ربی الاعلیٰ ہے اور ان بیوقوفوں کے لائق رب ادنی ہے یعنی یہ تو ان شاہان دنیوی ہی کے مطیع ہوتے ہیں اور اہل اللہ اللہ کے مطیع ہوتے ہیں۔

موش کے ترسد ز شیران مصاف	بلکہ آن آہو تگاں مشک ناف
جنگ کے شیروں سے چوہا کب ڈرتا ہے؟	بلکہ وہ آہو قدم مشک کی ناف والے (ڈرتے ہیں)

یعنی چوہا شیران جنگ سے کب ڈرتا ہے بلکہ وہ آہو قدم مشک ناف (ڈرتے ہیں اس لئے کہ چوہے کو شیر کی معرفت ہی نہیں ہے اور آہو کو معرفت ہے اسی طرح عارفین حق تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ان کی اطاعت کرتے ہیں اور غیر عارف نہیں ڈرتا اور نہ اطاعت کرے)

رو بہ پیش دیگ لیس ای کاسہ لیس	تش خداوند و ولی نعمت نویس
اے دیگ چاٹنے والے پیالہ چاٹنے والے کے پاس جا	تو اس کو آقا اور ولی نعمت لکھ

یعنی اے کاسہ لیس تو دیگ لیس کے پاس جا اور تو اس کو خداوند اور ولی نعمت لکھ یعنی اے دنیادار تو دنیادار ہی

کے پاس جا اور اس کی خوشامد کر۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بس کن ار شرحے بگویم دور دست	خشم گیرد میر دہم داند کہ ہست
ختم کر اگر میں لمبی تفصیل کروں گا	حاکم غصہ کرے گا اور سمجھے گا کہ وہ (کچھ) ہے

یعنی بس کر اگر میں کوئی شرح طویل کہوں گا تو امیر غصہ ہو جاوے گا۔ اور جانے گا کہ کچھ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں بہت کچھ شاہان دنیا کی مذمت کروں گا تو امیر صاحب خفا ہو جاویں گے اور دوسری خرابی یہ ہوگی کہ ان کو خیال ہوگا کہ ہم کچھ ہیں جب تو ہماری اس قدر ہجو کی جا رہی ہے اور ہماری شان کچھ ہے جب تو اس کو توڑا جا رہا ہے تو اس کو اپنے اوپر کچھ گمان ہو جاوے گا لہٰذا میں اس کو یہیں تک رکھتا ہوں اور آگے بیان نہیں کرتا۔

حاصل ایں آمد کہ بد کن اے کریم	بالئیماں تا نہد گردن لئیم
خلاصہ یہ نکلا کہ اے شریف ! برائی کر	کمینوں کے ساتھ تاکہ کمینہ اطاعت کرے

یعنی حاصل یہ ہے کہ اے کریم تم لئیموں کے ساتھ سختی کرو تا کہ لئیم اطاعت قبول کرے۔

بالئیم نفس چون احسان کند	چوں لئیماں نفس بد کفران کند
جب تو کمینے نفس کے ساتھ احسان کرے گا	تو وہ بد نفس کمینوں کی طرح کفران کرے گا

یعنی نفس لئیم کے ساتھ جب (کوئی) احسان کرے تو لئیموں کی طرح نفس بد ناشکری کرتا ہے۔

زیں سبب بد کاہل محنت شاکرند	اہل نعمت طاغی اند و ماکرند
یہی سبب ہوا کہ محنتی شکرگزار ہیں	مالدار سرکش اور مکار ہیں

یعنی یہ سبب ہے کہ اہل محنت تو شاکر ہیں اور اہل نعمت طاغی ہیں اور ماکر ہیں یعنی چونکہ نفس لئیم مصیبت ہی میں درست رہتا ہے لہٰذا جو اہل مصیبت ہیں وہ تو شاکر ہیں اور جو اہل نعمت ہیں وہ طاغی ہیں اس لئے کہ۔

ہست طاغی بگلرزرین قبا	ہست شاکر خستہ و صاحب عبا
سردار زریں قبا والا سرکش ہے	خستہ (حال) اور گدڑی والا شکر گزار ہے

یعنی طاغی تو بڑے اور زریں قبا ہیں اور شاکر خستہ اور صاحب عبا ہیں۔ یعنی اکثر ایسا ہے ورنہ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں کہ جس قدر نعمت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر وہ زیادہ شکر کرتے ہیں ان کو غرور وغیرہ نہیں ہوتا تو یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

شکر کے روید ز املاک و نعم	شکر می روید ز بلوا و سقیم
نعمتوں اور ملکیتوں سے شکر کہاں اُگتا ہے؟	شکر ابتلاء اور بیماری سے اُگتا ہے

یعنی شکر املاک و نعم سے کب اُگتا ہے شکر تو بلاؤں اور بیماریوں سے جمتا ہے یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے ورنہ بہت مرتبہ اس کے خلاف بھی ہوتا ہے کہ وہ نعمت کو دیکھ کر شکر کرتے ہیں آگے ایک صوفی کی حکایت لاتے ہیں کہ اس کو

کھوئی پر دستر خوان پڑا ہوا دیکھ کر وجد ہوا تو لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا کہ مجھے اس کو دیکھ کر یاد آیا کہ کبھی اس کے اندر روٹیاں ہوں گی تو دیکھئے اوپر جو کہا تھا کہ اہل محنت شاکر ہوتے ہیں تو یہ صوفی چونکہ مجاہدہ وریاضت کئے ہوئے تھا اس کو تصور نعمت پر وجد ہوا اب حکایت سنئے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی سرکشی کا سبب یہ تھا کہ ان پر انعامات واحسانات کئے گئے کیونکہ پاجی لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب ان کے ساتھ نیکی کی جاتی ہے تو وہ اس کے عوض میں برائی کرتے ہیں جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو دیکھو تمہارا نفس بھی پاجی ہے اور اس کو نیکی راس نہیں۔ پس تم اس کے ساتھ برائی کرنا اور مجاہدات سے اس کو نڈھال کر دینا اس وقت یہ مطیع ہوگا۔ احسان کریم کے موافق ہے نہ کہ لئیم کے۔ کریم کے ساتھ جب احسان کیا جاتا ہے تو وہ اس کا بدلا سات سونیکیوں سے کرتا ہے اور لئیم کی حالت اس کے برعکس ہے۔ اس پر جب سختی کی جاتی ہے اس وقت وہ وفادار غلام ہوتا ہے۔ دیکھو کافر لوگ نعمتوں کے اندر تو ظلم و ستم کرتے ہیں اور ہرگز اطاعت حق پر آمادہ نہیں ہوتے مگر جب دوزخ میں جائیں گے تو اس وقت ربنا ربنا پکاریں گے کیونکہ پاجیوں کی عادت ہے کہ وہ سختی ہی سے ٹھیک ہوتے ہیں اور جب ان کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے تو اکھڑ بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی عبادت گاہ دوزخ ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ وحشی جانور بدون جال کے قابو میں نہیں آتا۔ اور چور کی عبادت گاہ قید خانہ ہی ہوتی ہے۔ جہاں کہ وہ خدا کو ہر وقت یاد کرتا ہے۔ نیز چونکہ آدمی کی پیدائش کا مقصود اطاعت حق سبحانہ ہے اور کفار دنیا میں عبادت واطاعت کرتے نہیں لہذا ان کے لئے دوزخ کو عبادت خانہ بنایا گیا کہ اچھا تم وہاں عبادت نہیں کرتے تو یہاں کرو اس پر یہ شبہ نہ کرنا کہ آدمی تو ہر قسم کے کام کرتا ہے پھر یہ کیسے کہا گیا کہ اس کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ گو آدمی کو ہر کام میں دخل ہے لیکن سوائے طاعت کے اور کوئی کام مقصود اصلی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے ماخلقت الجن والانس الالیعبدون اس کلام میں حق سبحانہ نے مقصود خلقت انسان کو منحصر فرمایا ہے۔ عبادت واطاعت میں پس معلوم ہوا کہ انسان کی خلقت سے عبادت کے سوا اور کوئی امر مقصود نہیں اور توضیح اس کی اس مثال سے ہوگی کہ کتاب سے مقصود علم ہے مگر بااین ہمہ وہ اور کام میں بھی آ سکتی ہے۔ مثلاً اگر تم اس کو تکیہ بنالو تو بن جائے گی اگر اس سے روٹی پکالو تو پک جائے گی وغیرہ وغیرہ لیکن مقصود اس سے یہ نہیں کہ اس کو تکیہ بنایا جاوے بلکہ مقصود اصلی علم عقل ہدایت اور نفع خاص ہے۔ پس اگر کتاب سے وہ کام نہ لیا جاوے جس کے لئے وہ ہے بلکہ اس سے دوسرے کام لئے جاویں تو سراسر حماقت ہے علیٰ ہذا تلوار کا مقصود اصلی اپنی حفاظت ہے اور اس کے ساتھ ہی کھونٹے کا کام بھی دے سکتی ہے۔ پس اگر تم اس کو کھونٹا بنالو تو گویا کہ فتح کے مقابلہ میں تم نے بدبختی کو ترجیح دی اور

اس کو اختیار کیا اس سے معلوم ہو گیا کہ انسان سے مقصود عبادت ہے اور مع ہذا وہ دوسرے کام بھی کر سکتا ہے لیکن اس کا دوسرے کاموں میں منہمک ہونا اس کی بدبختی ہے اب ہم کہتے ہیں کہ گو مقصود خلقت انسان سے معرفت حق سبحانہ اور اطاعت ہے لیکن ہر قسم کے آدمی کے لئے ایک جداگانہ معبد ہے پہلے آدمیوں کا معبد تو محل وانعام واکرام ہے اور پاجیوں کا معبد محل تکلیف۔ کیونکہ یہ عام قاعدہ ہے کہ اگر پاجیوں سے اطاعت کرانا ہو تو ان کو خوب مارنا چاہئے تاکہ وہ مطیع ہو جاویں اور اگر بھلے مانسوں سے کام لینا ہو تو ان پر انعام واکرام کرنا چاہئے تاکہ وہ کام دیں۔ اسی اصول کی بناء پر حق سبحانہ نے دو مسجدیں بنائیں ایک دوزخ جو کافروں کے لئے ہے اور دوسری جنت جو مصداق ولدینا مزید اور عبادت گاہ مومنین ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کھڑکی بنائی تھی تاکہ ذلیل لوگ اس میں جھکیں کیونکہ یہ لوگ متکبر ومغرور تھے۔ حق سبحانہ کے سامنے سر جھکانے سے ان کو عار تھی۔ اس لئے ان کے سریوں جھکوائے گئے پس دوزخ کو بھی اسی کھڑکی کی مثل اور محل خضوع سمجھو وہ باب صغیر دوزخ ایسا ہی ہے جیسے کہ دنیا میں بادشاہوں کے گوشت اور ہڈیوں کی ان کے لئے کھڑکی بنائی گئی ہے۔ کیونکہ جب اہل دنیا حق سبحانہ کو سجدہ کرنے کے مخالف ہیں تو ان سے بادشاہوں کے سامنے سجدہ کرالیا گیا اور گوہ دانوں کو ان کی محراب عبادت بنایا گیا۔ جس کا لقب دنیا میں معزز اور بہادر وغیرہ ہے کیونکہ یہ کمبخت ناپاک اس درگاہ پاک کے قابل نہیں ہیں کہ وہاں سجدہ کریں اس لئے ان کی محراب بھی ویسی ہی تجویز کی گئی جیسے یہ خود تھے یعنی گوہ دان اور گوہ کے تھیلے یہ کتے اہل دنیا گدھوں کے سامنے تو ذلت اختیار کرتے ہیں مگر حق سبحانہ کی اطاعت سے ان کو عار آتی ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ چوہا بلی سے ڈرتا ہے اور شیر سے نہیں ڈرتا۔ حالانکہ دونوں میں کوئی بھی نسبت نہیں یوں ہی یہ لوگ بھی حق سبحانہ کے کتوں (اہل دنیا) سے تو ڈرتے ہیں مگر حق سبحانہ سے جو کہ آفتاب حقیقی ہیں نہیں ڈرتے بلکہ ان سے اہل اللہ ڈرتے ہیں چنانچہ وہ سردار تو ربی الاعلیٰ کہتے ہیں یعنی جو سب سے اعلیٰ ہے وہ میرا پروردگار ہے اور یہ احمق ان کی ضد ہیں کہ بزبان حال ربی الادنی کہتے ہیں یعنی ذلیلوں کو معبود بناتے اور ان کی پرستش کرتے ہیں اور ہر ایک کا طریق اس کے موافق ہے کیونکہ کفار خست ودناءت میں چوہے کی مثل ہیں اس لئے وہ حق سبحانہ سے نہیں ڈرتے جس طرح چوہا شیران جنگی سے نہیں ڈرتا اور اہل اللہ اپنی پاکیزگی اور عمدگی میں آہو مشک کے مثل ہیں اس لئے وہ حق سبحانہ سے ڈرتے ہیں جس طرح آہوئے مشک شیر سے ڈرتا ہے اب مولانا کفار کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ او پیالہ چاٹنے والو حق سبحانہ کے دربار میں تمہارا کچھ کام نہیں تم ہانڈی چاٹنے والوں ہی کے پاس جاؤ اور انہیں کو خداوند اور ولی نعمت لکھو وہ تمہارے مناسب اور تم ان کے مناسب۔ گوشت خردندان سگ اب مولانا متنبہ ہو کر فرماتے ہیں کہ بس جی اس کو ختم کرو کیونکہ اگر میں مفصل شرح کروں گا تو معزز حضرات خفا ہوں گے کہ ہماری توہین کرتے ہیں (یہ فقرہ بطور ظرافت کے ہے نہ کہ بوجہ خوف کے) اور سمجھیں گے کہ ہم بھی کچھ ہیں تب ہی تو یہ ہماری طرف متوجہ ہیں گو برائی ہی کے ساتھ ہیں خلاصہ مقصد یہ ہے کہ پاجیوں کو مطیع کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ان کے ساتھ برائی کی جاوے تاکہ وہ مطیع ہوں۔ پس نفس کے ساتھ کبھی سکوت نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ جب کوئی اس پاجی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ

پاجیوں کی طرح ناشکری کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ مبتلائے تکالیف لوگ شاکر ہیں اور خوش عیش لوگ سرکش اور مکار ہیں۔ معزز طبقہ کے خوش پوشاک لوگ سرکش ہیں اور کمبل پوش خستہ حال شکرگزار۔ کیونکہ ریاست اور نعمتوں سے شکر پیدا نہیں ہوتا بلکہ شکر سختی اور تکلیف سے پیدا ہوتا ہے (یادرکھو کہ یہ حالت اہل نفس لوگوں کی ہے نہ کہ اہل اللہ کی جو نفس کا خاتمہ کر چکے ہیں چنانچہ خود ہماری تقریر سے واضح ہے پس اہل اللہ کے حال سے شبہ نہ ہونا چاہئے)

شرح شبّیری

ایک صوفی کا عشق خالی دسترخوان پر جو کہ کھانے سے خالی تھا

صوفی بر میخ روزے سفرہ دید	چرخ میزد جامہارا می درید
ایک صوفی نے ایک دن کھونٹی پر دسترخوان دیکھا	رقص کرتا تھا اور کپڑے پھاڑتا تھا

یعنی ایک صوفی نے کھونٹی پر ایک دسترخوان دیکھا تو چکر کرنے لگا اور کپڑے پھاڑنے لگا یعنی اس کو وجد ہو گیا۔

بانگ میزد نک نوائے بینوا	قحط ہاؤ درد بارانک دوا
چیختا تھا یہ بے سامان کا سامان ہے	یہ قحطوں اور دردوں کی دوا ہے

یعنی آواز دیتا تھا کہ یہ بے نوایوں کا توشہ ہے اور قحط اور دردوں کی یہ دوا ہے۔

چونکہ درد و سوز او بسیار شد	ہر کہ صوفی بود با او یار شد
جب اس کا درد اور سوزش بڑھی	جو بھی صوفی تھا اس کا ساتھی ہو گیا

یعنی جبکہ درد و سوز اس کا زیادہ ہوا اور جو کوئی صوفی تھا اس کے ساتھ یار ہو گیا یعنی جس قدر صوفی تھے وہ بھی اس کی حالت کو دیکھ کر اس کے شریک ہو گئے اور وہ بھی وجد کرنے لگے۔

کخ کخے وہا و ہوئے می زدند	تا کہ چندیں مست و بیخودی شدند
قہقہہ اور نعرے مارتے تھے	یہاں تک کہ بہت زیادہ مست و بیخود ہو جاتے تھے

یعنی قہقہہ اور ہائے ہو کر رہے تھے یہاں تک کہ خوب مست و بیخود ہو گئے۔

بوالفضولے گفت صوفی را کہ چیست	سفرہ آویختہ از نان تہی است
ایک لغو انسان نے صوفی سے کہا یہ کیا ہے؟	لٹکا ہوا دسترخوان روٹی سے خالی ہے

یعنی ایک بوالفضول نے صوفی سے کہا کہ کیا ہے ایک دسترخوان روٹی سے خالی لٹکا ہوا ہے یعنی ایک آدمی نے کہا کہ میاں دسترخوان لٹکا ہوا ہے اس پر وجد کیسا ہے۔

گفت رو رو نقش بے مغیستے	تو بجو مستی کہ عاشق نیستی
اس (صوفی) نے کہا جا' جا تو بے روح تصویر ہے	تو ہستی کی تلاش کر' کیونکہ تو عاشق نہیں ہے

یعنی صوفی نے کہا کہ جا جا کہ تو نقش بے معنی ہے تو مستی کو تلاش کر اس لئے عاشق نہیں ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ مولانا نے اوپر بیان کیا تھا کہ شکر ریاست اور نعمت سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ مصیبت اور تکلیف سے پیدا ہوتا ہے اس کی تائید میں ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی صوفی نے کھونٹی پر دستر خوان پڑا ہوا دیکھا۔ اس کو دیکھتے ہی اس پر وجد کی حالت طاری ہوگئی اور اس نے ناچنا اور کپڑے پھاڑنا شروع کیا۔ اور کہنے لگا کہ ارے یہ مفلسوں کی دولت ہے اور بھوک اور تکلیف کا علاج ہے جبکہ اس کا درد و سوز زیادہ بڑھا تو جو وہاں اور صوفی تھے ان پر بھی وہی حالت طاری ہوگئی اور وہ بھی اس کے ساتھ وجد میں شریک ہو گئے یہ قہقہے لگاتے اور ہاؤ ہو کرتے رہے حتیٰ کہ بیحد مست اور بیخود ہو گئے کسی بیہودہ پیٹ بھرے نے کہا کہ ارے بات کیا ہے جو تم اتنے خوش ہو رہے ہو ایک دستر خوان پڑا ہوا ہے جس میں روٹی دوٹی کچھ بھی نہیں۔ صوفی نے جواب دیا کہ جا لمبا بن تو ایک بے معنے تصویر ہے تو محض غافل ہے اور عاشق نہیں ہے ہم تجھے اس کا راز کیونکر سمجھائیں یہ تو اجمال ہے اس کی تشریح دو طرح سے ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ صوفی لوگ بھوکے تھے اس لئے وہ روٹی کے طالب اور قدر دان تھے اور شدت گرسنگی سے یہ کیفیت ان کی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ روٹی دیکھنا یا کھانا تو درکنار روٹی کے ظرف کو دیکھنے میں بھی لطف آتا تھا اور چونکہ وہ نعمت الٰہی کے قدر دان تھے اور نعمت کی قدر کرنا بھی شکر ہے اس لئے وہ شاکر تھے اور اس شکر کا منشا ان کی تکلیف اور مصیبت تھی برخلاف اس کے دوسرا شخص چونکہ عیش میں تھا اس لئے وہ مبتلائے غفلت تھا اور روٹی کی قدر اس کے دل میں نہ تھی اس لئے وہ ان پر ہنستا تھا اور قدر نہ کرنے کے سبب ناشکر تھا۔ **وھذا ھو الظاھر**۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صوفی طالب حق تھا اور دستر خوان کے خالی ہونے سے اسے اس لئے خوشی ہوئی کہ اس کا خالی ہونا مناسب ہے۔ بھوک کے اور بھوک ذریعہ ہے حصول غذائے روحانی کا اور علاج ہے امراض روحانیہ کا اور تغذی و شفائی روحانی مطلوب ہے تو خلوی سفرہ ذریعہ ہوا مطلوب کا اور جس طرح مطلوب لذت بخش ہے یوں ہی ذریعہ مطلوب بھی لذت بخش ہے اس لئے ان کو خالی دستر خوان دیکھنے سے خوشی ہوئی اور معترض چونکہ غیر طالب حق تھا اس لئے اس نے ان کی حرکت کو لغو سمجھا اور اعتراض کر دیا اس پر صوفی نے جواب دیا کہ تو عاشق حق سبحانہ نہیں ہے اس لئے تجھے دستر خوان کے خالی ہونے کی قدر نہیں اور تو نہیں جانتا کہ یہ کس مطلوب کے حصول کا ذریعہ ہے اس واقعہ سے بھوک کی فضیلت اور اس کا موصل الی اللہ ہونا ظاہر ہوا اور سیری کا نقص اور اس کا مانع وصول ہونا ثابت ہوا اور بھوک از جملہ مصائب ہے اور سیری از قبیل نعم۔ پس ثابت ہوا کہ نعم مانع شکر نہیں اور مصائب باعث شکر

شرح شبّیری

عشق نان بے نان غذائے عاشق است	بند ہستی نیست ہر کو صادق است
عشق جو روٹی ہوتے ہوئے روٹی ہی عاشق کی غذا ہے	جو صادق ہے وہ وجود کا پابند نہیں ہے

یعنی عشق روٹی کا بے روٹی کے غذا عاشق کی ہے اور جو صادق ہے وہ مقید ہستی نہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ تو عاشق نہیں ہے لہذا تو اس کو ڈھونڈھ کہ روٹی ہے یا نہیں ہم کو تو تصور کافی ہے ہم کو اس محسوس کی ضرورت نہیں ہے بلکہ بے اس نان محسوس کے ہم کو غذا ملتی ہے اصل میں معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس صوفی نے جو دسترخوان دیکھا اور اس سے ذہن غذائے محسوس کی طرف منتقل ہوا اس غذائے محسوس سے غذائے معنوی کی طرف ذہن منتقل ہو گیا بس اس پر وجد کر رہا تھا اور صوفیہ معنویات کو عدم سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں اور وہ عدم اضافی ہوتا ہے نہ کہ حقیقی تو ان کا یہ کہنا کہ تم مستی کو تلاش کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس مستی محسوس کو ڈھونڈو۔ ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہم کو مستی معنوی جس کو عدم سے تعبیر کیا جاتا ہے کافی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

عاشقاں را کار نبود از وجود	عاشقاں را ہست بے سرمایہ سود
عاشقوں کو وجود سے واسطہ نہیں ہوتا ہے	عاشقوں کا نفع بغیر سرمایہ کے ہوتا ہے

یعنی عاشقوں کو وجود (محسوس) سے کام نہیں ہے عاشقوں کو بے سرمایہ (محسوس) کے نفع ہوتا ہے۔

بال نے وگرد عالم می پرند	دست نے دگوز میداں می برند
پر نہیں ہیں اور عالم کے چاروں طرف اڑتے ہیں	ہاتھ نہیں ہے اور میدان سے گیند لے جاتے ہیں

یعنی بازو (محسوس) نہیں ہے اور عالم کے گرد اڑتے ہیں۔ ہاتھ (محسوس) نہیں ہیں اور گیند میدان سے لے جاتے ہیں (اس لئے کہ ان کی سیر اور ان کی ترقی تو معنوی ہوتی ہے اس کے لئے ان محسوسات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی) آگے اس کی ایک نظیر لاتے ہیں کہ۔

آن فقیرے کوز معنی بوئے یافت	دست بریدہ ہمی زنبیل بافت
وہ فقیر جس نے حقیقت کی خوشبو حاصل کر لی	ہاتھ کٹا ہوا ہونے پر جھولی بنتا تھا

یعنی وہ فقیر جس نے کہ بو معنی سے پائے ہاتھ کٹے ہوئے بھی زنبیل بنتا تھا (تو دیکھئے ان کو اس دست محسوس کی ضرورت نہ تھی ان کے لئے دست معنوی موجود تھا)

عاشقاں اندر عدم خیمہ زدند	چوں عدم یک رنگ و نفس واحدند
عاشقوں نے عدم میں خیمہ لگایا ہے	عدم کی طرح یکساں اور ایک جان ہو گئے ہیں

یعنی عاشق لوگ عدم میں خیمہ لگاتے ہیں اور مثل عدم کے یک رنگ اور نفس واحد ہیں۔ مطلب یہ کہ جو عاشق ہیں ان کو اس ہستی محسوس کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اس ہستی معنوی کے محتاج ہوتے ہیں جس کو کہ عدم سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کے اعتبار سے وہ عدم کی طرح یک رنگ ہوتے ہیں کہ جس طرح عدم میں باعتبار وجود کے تشتت نہیں ہے بلکہ نسبۃ کم ہے اسی طرح ان کے اندر بھی تشتت اور اختلاف نہیں رہتا اگر چہ تشخصات مختلف ہوتے ہیں مگر اختلاف اور تشتت نہیں ہوتا۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ آپ کو ہی معلوم ہوتا ہوگا ہم کو تو کچھ لطف نہیں آتا تو آگے مثالوں سے اس استبعاد کو دور فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ یہاں سے مولانا کا کلام شروع ہوتا ہے اور وجہ ربط یہ ہے کہ اوپر چونکہ عاشق کی ایک حیرت انگیز صفت بیان کی تھی جو غیر عاشقوں کے خلاف تھی یعنی دستر خوان میں باوجود روٹی نہ ہونے کے اس کو دیکھ کر خوش ہونا لہذا یہاں سے مولانا عاشق الٰہی کے حیرت انگیز اور اس کے ساتھ مخصوص صفات کو گناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقعی عاشقوں کے اوصاف غیر عاشقوں کی صفات سے ممتاز اور حیرت انگیز ہوتے ہیں چنانچہ ایک صفت ان کی یہ ہے کہ جو دوسروں میں نہیں کہ ان کی غذا عشق ہے جس کو غذا ہونے کے اعتبار سے روٹی اور نفس الامر کے لحاظ غیر نان کہا جا سکتا ہے (اس توجیہ پر عشق نان بے نان ترکیب اضافی نہ ہوگی اور نان بے نان کنایہ جوع سے نہ ہوگا بلکہ نان بے نان صفت ہوگی عشق کی۔ اے عشقے کہ او بوجہے نان است و باعتبارے غیر نان۔ اور اس توجیہ سے محشین کی توجیہ کا بے لطف بلکہ غیر صحیح ہونا ظاہر ہو جاوے گا کیونکہ اس وقت معنے یہ ہوں گے کہ عاشق خدا کی غذا بھوک کا عشق ہے ولا یخفی سخافتہ) اور دوسری صفت یہ کہ وہ صادق ہیں اور جو صادق ہوتے ہیں وہ ہستی میں محبوس نہیں ہوتے لہذا ان کو وجود سے خواہ اپنا ہو یا غیر کا کچھ کام نہیں وہ تو نیستی اور فنا چاہتے ہیں اور نیستی ہی سے ان کو دولت وصال ہاتھ آتی ہے تو گویا کہ ان کو بے مال کے نفع ملتا ہے یہ ایک عجیب بات ہے اور دیکھو ان کے بازو نہیں ہوتے مگر عالم کا چکر لگاتے ہیں یعنی اپنے کشف سے عالم کی حالت معلوم کرتے ہیں نیز ان کے ہاتھ نہیں ہوتے مگر میدان سے گیند اڑا لے جاتے ہیں (یعنی وصال محبوب سے کامیاب ہو کر دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں اور کوئی حیلہ وتدبیر ذاتی نہیں رکھتے کیونکہ فانی ہوتے ہیں اور خودی کو مٹا چکتے ہیں یہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے کو حق سبحانہ کا تابع بنا کر کرتے ہیں) عام محسوسات میں بھی تم کو اس کی نظیر ملے گی دیکھو وہ فقیر شیخ اقطع جن کو معنی اور حقیقت کا پتہ لگ گیا تھا بدون ہاتھ کے زنبیل بنتے تھے پس بلا ہاتھ کے گیند اڑا لے جانا بہت ہی قریب فہم ہو گیا اور دیکھو چونکہ عشاق ہستی کو فنا کر کے نیستی میں سکونت اور بود وباش اختیار کرتے ہیں اس لئے عدم کی صفت حاصل کر لیتے ہیں اور جس طرح اعدام میں تمایز نہیں ہوتا یونہی یہ بھی سب ایک رنگ اور مثل ایک جان

کے ہوتے ہیں یعنی چونکہ ان کے اغراض و مقاصد میں اختلاف نہیں ہوتا جو کہ منشا تفرق ہے اس لئے سب ایک جان دو قالب ہوتے ہیں۔ (تنبیہ قولہ عشق نان بے نان غذائے عاشق است میں یہ بھی احتمال ہے کہ مقولہ صوفی ہو اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ ہم تو روٹی کے عاشق ہیں اور ہماری غذا تو روٹی کا عشق ہے نہ کہ روٹی پس ہم کو اس کے تصور میں بھی مزہ آتا ہے اور اس کے ظرف کو دیکھ کر بھی ہم آپ میں نہیں رہتے اس لئے تیری غذا روٹی ہے اور تو ہستی نان چاہتا ہے اور نیستی سے تجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ یہ تقریر صوفی بر میخ الخ ز جوان اشعار کے متصل پیشتر شرح ہو چکے ہیں) کی مذکورۂ بالا دو توجیہوں میں سے پہلی توجیہ کی مؤید ہے۔)

شرح شبّیری

شیر خوارہ کے شناسد ذوق لوت	مر پری را بوئے باشد لوت پوت
دودھ پیتا بچہ' کھانوں کا ذائقہ کب پہچانتا ہے	پری کے لئے خوشبو اقسام کا کھانا ہوتا ہے

یعنی شیر خوار بچہ غذا کا ذوق کب پہچانتا ہے اور جن کی بو ہی غذا ہوتی ہے (مشہور ہے کہ جنات کا غذاؤں کی بو سونگھ کر پیٹ بھر جاتا ہے تو مولانا بناء علی المشہور فرما رہے ہیں) مطلب یہ ہے کہ دیکھو بچہ کو غذا کے مزہ کی خبر نہیں ہوتی اسی طرح جن خوشبو سے غذا حاصل کر سکتا ہے اور تم نہیں کر سکتے تو اس طرح اگر اس کو بھی تم نہ سمجھ سکو اور اہل اللہ سمجھ لیں تو کیا استبعاد ہے آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

آدمی کے بو برد از بوئے او	چونکہ خوئے اوست ضد خوئے او
آدمی اس خوشبو کا سراغ کب پا سکتا ہے	کیونکہ اس کی عادت اس کی عادت کے خلاف ہے

یعنی آدمی کب بو لے جاتا ہے اس کی بو سے جبکہ خو اس کی ضد ہے اس کی خو کا مطلب یہ کہ جس طرح کہ جن بو سے غذا حاصل کر لیتے ہیں تو اس کی تم کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی اس لئے کہ تمہاری خاصیت اور ہے اور ان کی خاصیت اور ہے۔

یابد از بوئے آن پری بوئے کش	تو نیابی آن ز صد من لوت خوش
پری اس کی خوشبو سے ایسی راحت حاصل کرتی ہے کہ اس کو	تو سو من اچھی خوراک سے نہیں پا سکتا ہے

یعنی وہ جن بو کا کھینچنے والا بو سے وہ چیز پالیتا ہے کہ تم سو من عمدہ غذا سے بھی نہیں پا سکتے (اس لئے کہ تم تو بے کھائے ہوئے اس سے متمتع نہیں ہو سکتے اور وہ صرف بو سونگھ کر اس سے متمتع ہو سکتے ہیں اسی طرح اگر اہل اللہ ایک چیز سے غذا حاصل کر سکیں اور تم نہ کر سکو تو اس میں استبعاد ہی کیا ہے) آگے ایک اور مثال فرماتے ہیں کہ۔

پیش قبطی خون بود آن آب نیل	آب باشد پیش سبطی جمیل
قبطی کے لئے نیل کا پانی خون ہے	اچھے سبطی کے لئے پانی ہے

یعنی قبطی کے آگے تو آب نیل خون ہو جاتا ہے اور سبطی جمیل کے سامنے وہ پانی ہوتا ہے (تو دیکھو ایک کے لئے خون اور ایک کے لئے پانی)

جادہ باشد بحر ز اسرائیلیان	غرقہ گہ باشد ز فرعون عوان
دریا اسرائیلیوں کے لئے راستہ ہوتا ہے	ظالم فرعون کے لئے ڈوبنے کی جگہ ہوتا ہے

یعنی دریا اسرائیلیوں کے لئے تو راستہ ہو جاتا ہے اور فرعون عوان کے لئے غرق کی جگہ ہو جاتی ہے۔

باد بد بر عادیاں گرز و تبر	لیک بد بر ہود و بر قومش ظفر
ہوا قوم عاد پر گرز اور کلہاڑا تھی	لیکن حضرت ہودؑ اور ان کی قوم کے لئے فتح تھی

یعنی ہوا عادیوں کے لئے تو گرز و تبر ہوگئی تھی لیکن ہود اور ان کی قوم کے لئے فتح ہوگئی (کہ ان کے اعداء کو ہلاک کیا۔)

گلستاں باشد برابراہیم نار	لیک بر نمرود باشد زہر مار
آگ (حضرت) ابراہیمؑ پر چمن ہوتی ہے	لیکن نمرود پر سانپ کا زہر ہوتی ہے

یعنی آگ ابراہیم علیہ السلام پر تو گلستان ہو جاتی ہے لیکن نمرود پر زہر مار ہوتی ہے۔

بر سمندر باشد آتش خاندان	لیک باشد بردگر مرغان زیان
سمندر پر آگ خاندان ہوتی ہے	لیکن دوسرے پرندوں کے لئے تباہی ہوتی ہے

یعنی سمندر پر تو آگ گھر ہوتی ہے لیکن دوسرے جانوروں کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے (تو دیکھو ایک شے ایک کے لئے مضر اور دوسرے کو نافع تو اسی طرح اہل اللہ کو وہ اشیاء معنوی کارآمد ہوتے ہیں اور وہ ان محسوسات کے محتاج نہیں ہوتے اور تم کو یہ میسر نہیں ہے)

نزد عاشق درد و غم حلوا بود	لیک حوا بر خسان بلوا بود
عاشقوں کے لئے درد اور غم حلوا ہوتا ہے	لیکن کمینوں کے لئے حلوا مصیبت ہوتا ہے

یعنی عاشق کے لئے درد و غم حلوا ہوتا ہے لیکن خسوں پر یہی حلوا بلوا ہو جاتا ہے آگے اسی کی تائید میں ایک حکایت لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اب مولانا عشاق کے احوال عجیبہ سے استبعاد کو دور فرماتے ہیں اور معترض کے اعتراض کی بیہودگی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر چیز اور ہر شخص کے لئے کچھ مناسبات ہوتے ہیں سو وہ اپنی مناسب اشیاء سے واقف ہوتا ہے اور دوسروں کے مناسبات سے ناواقف۔ اسی لئے وہ دوسروں کی باتوں پر اعتراض کرتا ہے

مثلاً بچہ کی غذا دودھ ہے اس لئے وہ نہیں جانتا کہ لذیذ کھانوں میں کیا مزہ ہے اور پری کی غذا محض بو ہے تو آدمی جس کی غذا اجسام ہیں وہ کیسے جان سکتا ہے کہ بو بھی غذا ہو سکتی ہے کیونکہ اس کی طبیعت اور ہے اور پری کی اور۔ اور دیکھو آب نیل قبطی کے لئے خون ہے اور سبطی کے لئے پانی۔ دریا اسرائیلیوں کے لئے رہگذر ہے اور فرعون کے لئے محل غرق۔ آندھی عاد کے لئے گرز و تبر کی طرح مہلک ہے اور ہود اور ان کی قوم کے لئے آلہ فتح۔ آگ ابراہیم کے لئے گلستان ہے اور نمرود کے لئے سانپ کے زہر کی طرح مہلک۔ آگ سمندر کا گھر ہے اور دوسرے جانوروں کے لئے موجب ضرر علے ہذا عاشق کے لئے درد و غم حلوا ہوتے ہیں اور نالائقوں کے لئے حلوا بھی مصیبت ہے کہ ان کا حلوا کھاتے منہ دکھتا اور کھچڑی کھاتے پہنچا اترتا ہے یا یوں کہو کہ عشاق کے لئے مصائب بھی موجب راحت ہوتے ہیں کیونکہ ان کی بدولت وہ وصال محبوب سے متمتع ہوتے ہیں اور نا اہلوں کے لئے نعمائے الٰہیہ بھی مصیبت ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان میں مشغول ہو کر حق سبحانہ کو بھول جاتے ہیں۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اشیاء کے احوال اختلاف اشخاص و طبائع سے مختلف ہوتے ہیں جو شخص اس سے واقف ہے جو اس کے لئے حاصل ہے وہ اس اثر کا منکر ہے جو دوسروں کے لئے ہے حالانکہ وہ انکار اس کا بیہودہ ہے پس اس سے تم معترض کے اعتراض کی لغویت اور عاشق کے لئے ان عجائبات مذکورہ کا غیر مستبعد ہونا بخوبی سمجھ سکتے ہو۔ کیونکہ اعتراض اور استبعاد کی بنا دوسروں کی حالت کو اپنے اوپر قیاس کرنا ہے اور یہ باطل ہے جیسا کہ واضح ہو چکا اگر اس قدر بیان سے سیری نہ ہوئی ہو تو اور سنو۔

شرح شبّیری

یعقوب علیہ السلام کا یوسفؑ کے چہرہ سے جام حق کو پینے میں مخصوص ہونا اور بوئے یوسفؑ سے بوئے حق لینے میں اور بھائیوں کا ان دونوں صفتوں سے محروم رہنا

انچہ یعقوبؑ از رخ یوسفؑ بدید	وانچہ او از بوئے او اندر کشید
(حضرت) یعقوبؑ نے جو کچھ (حضرت) یوسفؑ کے رخ سے دیکھا	اور جو کچھ انہوں نے ان کی خوشبو سے باطن میں حاصل کیا

یعنی یعقوب علیہ السلام نے یوسفؑ کے رخ سے جو دیکھا اور جو کچھ کہ انہوں نے ان کی بو سے کھینچا۔

وانچہ دروے بود اندر وے بدید	خاص او بد او باخوان کے رسید
اور جو کچھ ان (یوسفؑ) کے اندر تھا انہوں نے دیکھا	وہ ان کی خصوصیت تھی بھائیوں کو کب حاصل ہو؟

یعنی جو چیز کہ ان کے اندر تھی انہوں نے ان میں دیکھ لی اور وہ انہیں کا خاصہ تھا وہ بھائیوں کو کب پہنچا

مطلب یہ کہ دیکھو یعقوبؑ یوسفؑ سے بوئے حق پاویں اور ان کے بھائی اس سے محروم رہیں۔

اوز عشقش خویش در چہ میکند	وان بکین از بہر او چہ میکند
یہ ان کے عشق سے اپنے آپ کو کنویں میں گرا رہے ہیں	وہ کینہ وری سے ان کے لئے کنواں کھود رہے ہیں

یعقوب علیہ السلام تو ان کے عشق کی وجہ سے اپنے کو کنویں میں کرتے ہیں اور وہ بھائی ان کے واسطے کنواں کھود رہے ہیں۔

سفرۂ او پیش این از نان تہی است	پیش یعقوبؑ است پر کو مشتہی است
ان (یوسفؑ) کا دسترخوان ان کے لئے روٹی سے خالی ہے	(حضرت) یعقوبؑ کے لئے بھرا ہوا ہے کیونکہ وہ خواہشمند ہیں

یعنی ان (یوسفؑ) کا دسترخوان ان (بھائیوں) کے سامنے تو خالی ہے اور یعقوبؑ کے سامنے پر ہے کیونکہ وہ اشتہار والے ہیں۔ (تو دیکھئے یوسفؑ اور یعقوبؑ میں مناسبت ہے اور بھائیوں میں اور ان میں مناسبت نہیں ہے)

روئے ناشستہ نہ بیند روئے حور	لاصلوٰۃ گفت الا بالحضور
بن دھلا منہ حور کا منہ نہیں دیکھتا ہے	آنحضورؐ نے فرمایا کہ نماز بغیر حضور (قلب) کے نہیں ہے

یعنی نجس حور کا منہ نہ دیکھے گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاصلوٰۃ الا بحضور (القلب) نجس سے مراد کافر مطلب یہ کہ حضور قلب اور صلوٰۃ میں اور مومن اور حور میں مناسبت ہے تو یہ تو ان کے ساتھ جمع ہو جاویں گے اور دوسروں کے ساتھ جمع نہ ہوں گے۔

عشق باشد لوت پوت جانہا	جوع ازین رویست قوت جانہا
عشق جانوں کے لئے قسم قسم کا کھانا ہے	اسی لئے بھوک جانوں کی غذا ہے

یعنی ارواح کی غذا عشق ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قوت ارواح جوع ہے مطلب یہ کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ الجوع طعام الصدیقین تو جو اہل اللہ ہیں ان کو اس غذائے ظاہری محسوس کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کی غذا عشق اور غذائے معنوی ہو جاتی ہے۔

جوع یوسفؑ بود مر یعقوب را	بوئے نانش می رسید از دور جا
(حضرت) یعقوبؑ کو (حضرت) یوسفؑ کی بھوک تھی	ان کو ان کی روٹی کی خوشبو دور سے پہنچ رہی تھی

یعنی یعقوبؑ کو یوسفؑ کی جوع تھی تو ان کو ان کی نان کی بو دور جگہ سے پہنچتی تھی۔ یعنی چونکہ وہ ان کے طالب تھے لہذا دور سے انہوں نے بوئے پیراہن محسوس کر لی۔

آنکہ بستد پیرہن را می شتافت	بوئے پیراہان یوسف می نیافت
میں نے پیرہن حاصل کیا تھا وہ دوڑ رہا تھا	(حضرت) یوسفؑ کے لباس کی خوشبو محسوس نہیں کر رہا تھا

یعنی جس نے کہ پیراہن (یوسفی) کو لیا اور وہ (اس کو لئے ہوئے) دوڑ رہا تھا اس نے بو پیراہان یوسفؑ کی نہ پائے۔

وانکہ صد فرسنگ زاں سو بود او	چونکہ بد یعقوب می بوئید او
وہ جو اس جانب سے سینکڑوں فرسخ تھا	چونکہ وہ حضرت یعقوبؑ تھے وہ خوشبو سونگھ رہے تھے

یعنی اور وہ کہ وہ سو فرسنگ اس طرف تھے چونکہ وہ یعقوب تھے وہ سونگھ رہے تھے (تو دیکھو چونکہ وہ لانے والا تو طالب یوسفؑ نہ تھا اس لئے وہ اس سے متمتع نہ ہو سکا اور یعقوب علیہ السلام طالب تھے وہ اس سے متمتع ہوئے اب مولانا اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ)

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب	حافظ علم است آنکس نے حبیب
بہت سے عالم ہیں جو سمجھ سے محروم ہیں	وہ عالم علم کا نگہبان ہے نہ کہ محبوب

یعنی بہت سے عالم ہیں جو عقل سے بے نصیب ہیں وہ شخص حافظ علم ہے نہ کہ کوئی بڑا آدمی یعنی جو لوگ کہ عالم بے عمل ہیں وہ علم کے محافظ ہیں باقی خود کامل نہیں اور چونکہ طالب حق نہیں لہذا اس علم سے متمتع نہیں ہوتے۔

مستمع از وے ہمی یابد مشام	گرچہ باشد مستمع از جنس عام
سننے والا اس کی خوشبو حاصل کر لیتا ہے	خواہ سننے والا عوام میں سے ہو

یعنی سننے والا اس سے خوشبو پاتا ہے اگر چہ وہ سننے والا عوام میں ہی سے ہو مطلب یہ کہ اس عالم سے جو اور لوگ سنتے ہیں وہ اگر چہ عوام ہی میں ان کو نفع ہوتا ہے اس لئے کہ وہ طالب ہوتے ہیں آگے اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ پیراہن بدستش عاریہ است	چون بدست آن نخاسی جاریہ است
کیونکہ اس کے پاس لباس عارضی ہے	جیسے کہ غلام فروش کے ہاتھ میں لونڈی ہوتی ہے

یعنی اس لئے کہ پیراہن اس کے ہاتھ میں عاریت ہے جیسے کہ نخاسی کے ہاتھ میں جاریہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح نخاسی کے پاس جاریہ ہوتی ہے کہ اس کو اس کے حسن و جمال سے کوئی واسطہ ہی نہیں اس کو اپنے ٹکوں سے کام اسی طرح عالم بے عمل یا وہ آرندہ پیراہن ہے کہ اس کو اس کی خوبی اور اس کے صفات سے کوئی غرض ہی نہیں۔ وہ صرف اس کی حفاظت کرتا ہے اور مثلاً جو خریدار جاریہ کا ہے وہ اس پر جان فدا کئے دیتا ہے اور سارا گھر بار اس پر سے نثار کرنے کو تیار ہے اس لئے کہ وہ اس کی قدر جانتا ہے اسی طرح جو طالب علم ہے وہ بھی علم پر سو جان سے قربان ہوتا ہے اور اس سے متمتع ہوتا ہے آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

جاریہ پیش نخاسی سرسری است	در کف او از برائے مشتری است
غلام فروش کے لئے وہ لونڈی تھوڑی دیر کے لئے ہے	اس کے قبضہ میں خریدار کے لئے ہے

یعنی جاریہ نخاسی کے سامنے تو ایک سرسری چیز ہے اور اس کے ہاتھ میں خریدار کے لئے ہے (چونکہ وہ اس کے پاس عارضی طور پر ہے لہذا اس سے متمتع بھی نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ ایک ہی شے ایک کے لئے کوئی اثر کرتی ہے اور دوسرے کے لئے

دوسرا اثر کرتی ہے تو اگر اہل اللہ غذائے معنوی کو حاصل کریں اور تم نہ کر سکو تو اس میں استبعاد ہی کیا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ دیکھو جو بات یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے چہرہ میں نظر آتی تھی اور جو سرور کہ ان کو ان کی بو سے حاصل ہوتا تھا اور جو خوبیاں کہ یوسف علیہ السلام میں تھیں اور جن کمالات کو یعقوب علیہ السلام ان کے اندر دیکھتے تھے یہ سب باتیں انہیں کے ساتھ مخصوص تھیں۔ بھائیوں کو ان کی ہوا بھی نہ لگی تھی۔ نیز یعقوب علیہ السلام تو ان کے غم میں اپنے کو ہلاک کئے دیتے تھے اور بھائی ان کے لئے کنواں کھودتے اور ان کو مارنے کی فکر میں تھے ان کو تو وہ خالی دستر خوان کی طرح معرا عن الکمالات دکھلائی دیتے تھے اور یعقوب علیہ السلام کے لئے روٹیوں سے پر دستر خوان کی طرح کمالات سے لبریز تھے۔ وجہ فرق کیا ہے وہ یہ کہ ان کو طلب اور عشق تھا اور بھائی اس سے بے بہرہ تھے اصل بات یہ ہے کہ بد طینت اور نالائق لوگوں کو حور کا چہرہ حسین نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ اخوان یوسفؑ کو یوسفؑ کا چہرہ نہ دکھلائی دیا۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بلا حضور کے نماز ہی نہیں ہوتی کیونکہ حقیقت صلوٰۃ مشاہدہ محبوب حقیقی ہے اور یہ بدوں حضور قلب کے نہیں ہوتا اور حضور قلب بدوں صفائی باطن وازالہ صفات رذیلہ کے نہیں ہوتا۔ اس لئے ضرورت ہوئی صفائی باطن اور ازالہ صفات ذمیمہ کی (اس شعر کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ کفار کو حور کا چہرہ نظر نہ آئے گا کیونکہ ان کو اس سے مناسبت نہیں۔ علی ہذا نماز بدوں حضور کے نہیں ہوتی کیونکہ نماز اور عدم حضور میں مناسبت نہیں اس موقع پر یہ دو مستقل نظیریں ہوں گی) اور چونکہ ان کو روئے خوب اس لئے دکھلائی نہیں دیتا کہ اس پر صفات نفسانیہ کا غلبہ ہوتا ہے اسی لئے ان کو اہل کمال سے عشق بھی نہیں ہوتا کیونکہ عشق اہل کمال تو ارواح کی غذا ہے اور وہ سراپا نفس ہیں تو ان کو یہ دولت کیونکر حاصل ہو سکتی ہے لہذا یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام سے عشق تھا اور بھائیوں کو نہ تھا جبکہ ارواح کی غذا عشق ٹھہرا تو اسی لئے کہا گیا ہے **الجوع طعام الصدیقین** یا یوں کہو کہ بھوک ارواح کی غذا ہے (اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ جوع استعارہ ہو عشق سے تب تو واضح ہے دوسری یہ کہ جوع اپنے حقیقی معنے پر ہو اس وقت اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ بھوک سے سورۂ نفس منکسر ہوتی ہے اور نفس کی قوت جس قدر گھٹے گی اتنی ہی روح کو قوت ہوگی اس لئے بھوک قوت روح کا سبب بعید ہے لہذا اس کو روح کی غذا کہا گیا اور وجہ تفریع غذائیت جوع بر غذائیت عشق یہ ہوگی کہ جوع سبب عشق ہے کیونکہ بھوک سے نفس کی قوت ٹوٹے گی اس سے صفات ذمیمہ زائل ہوں گی اس سے روح کو صفائی اور قوت حاصل ہوگی۔ اس سے اس کو عشق حق سبحانہ حاصل ہوگا۔ **والاقرب هو الاول كما يدل عليه البيت الآتي**) پس چونکہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی بھوک یعنی عشق اور طلب تھی اسی لئے ان کو دور دراز جگہ سے روٹی (یعنی اپنے مطلوب یوسف علیہ السلام) کی بو نہ آتی تھی اور جو شخص کہ سو فرسنگ ادھر تھا چونکہ وہ یعقوب (عاشق) تھا وہ اس کو سونگھتا تھا اسی طرح بہت

سے عالم ایسے ہیں جو علم با عمل سے بے بہرہ ہیں اور ان پر اس کا کچھ اثر نہیں لہذا گویا کہ ان کو علم ہی حاصل نہیں۔ ایسے لوگ علم کا صندوق ہیں اور خود کوئی کمال نہیں رکھتے مگر سننے والا اس سے متاثر ہوتا ہے گو وہ عامی ہو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ علم ان کے لئے نہیں ہے ان کے پاس تو بطور عاریت کے ہے اور منتفع ہونے والے اس سے مستعین ہیں جس طرح کہ وہ بردہ فروش کے پاس جاریہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے پاس برائے چندے ہوتی ہے اور وہ اس پر مشتری تک پہنچا دینے تک قابض ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ مشتری کے لئے ہوتی ہے اور وہی اس سے منتفع ہوتا ہے۔

شرح شبّیری

قسمت حق است روزی خواہ نے	ہر یکے را سوئے دیگر راہ نے
اللہ (تعالیٰ) کی تقسیم ہے نہ کہ روزی چاہنے والے کی	کسی کے لئے دوسرے کی جانب راستہ نہیں ہے

یعنی یہ تقسیم حق ہے روزی خواہ کی نہیں ہے اور ہر ایک کو دوسری کی طرف راہ نہیں ہے مطلب یہ کہ کسی انسان نے تو تقسیم کیا نہیں ہے کہ جو عمدہ عمدہ اپنے لئے رکھ لیتا یہ تو تقسیم حق ہے تو جو جس کے مناسب تھا ویسا اس کو کر دیا کسی نے خوب کہا ہے کہ۔

خالق نے ایک ایک سے بہتر کیا ہے خلق　　دارا کوئی کسی کو سکندر بنا دیا

تو ایک ہی شے ہے ایک کے لئے اور اثر ہے دوسرے کے لئے دوسرا اثر۔ آگے بھی اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

یک خیال نیک باغ آن شدہ	یک خیال زشت راہ این زدہ
ایک اچھا خیال اس کے لئے گلزار بن گیا	ایک برا خیال اس کے لئے راہزن بن گیا

یعنی ایک خیال خوب اس کے لئے تو وہ باغ ہو رہا ہے اور ایک برے خیال نے اس (دوسری) کی رہزنی کی ہے۔

آن خیالے از اثر باغے شدہ	وان خیالے عالمے برہم زدہ
وہ خیال نتیجہ کے اعتبار سے باغ ہو گیا	اس خیال نے جہان کو تہ و بالا کر دیا

یعنی وہ خیال تو اثر کی وجہ سے باغ ہو رہا ہے اور اس (دوسرے) خیال نے ایک عالم کو درہم برہم کر دیا ہے۔

آن خدائے کز خیالے باغ ساخت	وز خیالے دوزخ و جائے گداخت
وہ خدا (تعالیٰ) جس نے ایک خیال سے باغ بنا دیا	اور ایک خیال سے دوزخ اور پگھلنے کی جگہ (بنا دی)

یعنی وہ وہ خدا ہے کہ ایک خیال سے اس نے باغ بنایا اور ایک خیال سے دوزخ اور جگہ گھلنے کی بنائی۔

پس کہ داند راہ گلشنہای او	پس کہ داند جائے گلخنہائے او
اس کے باغوں کا راستہ کون جانتا ہے؟	اس کی بھٹیوں کا راستہ کون جانتا ہے؟

یعنی پس اس کے گلشنوں کی راہ کون جانتا ہے اور پھر اس کے گلخنوں کی راہ کا کس کو علم ہے۔

دیدہ بان دل نہ بیند در مجال	کز کدامین رکن جان آید خیال
دل کا محافظ تنگ و دو میں نہیں دیکھتا ہے	کہ جان کے کونسے گوشے سے یہ خیال آتا ہے

یعنی دل کی آنکھ والا جولانگاہ میں نہیں جانتا کہ کون سے رکن جان سے خیال آتا ہے یعنی دل کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ خیال خوب وزشت کہاں سے آرہے ہیں اور صاحب دل کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ میرے خیالات کہاں سے آرہے ہیں۔

جز مگر آن دل کہ دارد عون حق	کون او را نیست کردہ کون حق
سوائے اس دل کے جس کو اللہ (تعالیٰ) کی مدد حاصل ہو	اللہ (تعالیٰ) کے وجود نے اس کے وجود کو فنا کر دیا ہے

یعنی مگر سوائے اس دل کے جو کہ حق تعالیٰ کی مدد رکھتا ہے اور اس کی ہستی کو ہستی حق نے نیست کر دیا ہو۔ مطلب یہ کہ جو فنا فی الحق ہو چکا ہو وہ تو سمجھ سکتا ہے ورنہ دوسرے کو تو خبر بھی نہیں ہو سکتی۔ آگے اس خبر نہ ہونے کی مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر بدیدے مطلعش راز احتیال	بند کردے راہ ہر ناخوش خیال
اگر تدبیر سے اس کے آنے کی جگہ کو دیکھ سکتا	تو ہر برے خیال کا راستہ بند کر دیتا

یعنی اگر اس خیال کے مطلع کو چپکے سے دیکھ لیتا تو ہر برے خیال کی راہ بند کر دیتا (مگر)

کے رسد جاسوس را آنجا قدم	کہ بود مرصاد و در بند عدم
جاسوس کا وہاں قدم کب پہنچتا ہے	جو عدم میں محفوظ اور گھات کی جگہ ہو

یعنی جاسوس (عقل) کا قدم وہاں تک کب پہنچتا ہے جبکہ کمین گاہ بند عدم میں ہو مطلب یہ کہ اگر انسان کو معلوم ہو جایا کرتا کہ یہ میرا خیال کہاں سے ناشی ہے اور کہاں سے یہ خیالات آتے ہیں تو جس قدر خیالات برے ہوتے ان کو وہ آنے ہی نہ دیتا اور ان کے مطلع کو بند کر دیتا مگر جہاں سے یہ خیال آتے ہیں وہاں تک عقل کی رسائی ہی نہیں ہے اس لئے کہ یہ خیالات تو حق تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں وہاں کون جا سکتا ہے جو ان کے مطلع کو بند کرے ہاں ایک تدبیر ہو سکتی ہے وہ یہ کہ۔

دامن فضلش بکف کن کور وار	قبض اعمیٰ این بود اے شہر یار
اندھوں کی طرح اس کی رحمت کے دامن کو پکڑ لے	اے شاہ! اندھے کا پکڑنا یہ ہوتا ہے

یعنی اس کی دامن فضل کو ہاتھ میں اندھے کی طرح لے لے اور اندھے کا پکڑنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اے شہر یار یعنی بس اس کے فضل کا دامن پکڑ لو تو ان شاء اللہ کبھی نہ بھٹکو گے بس جدھر کو وہ چلے ادھر کو تم چلو اور کہتے ہیں کہ اندھا جو دامن پکڑتا ہے وہ بھی تو اس لئے تا کہ جدھر کو دامن والا چلے ادھر ہی کو یہ بھی چلے تو بس تم دامن حق کو

استوار پکڑلو۔ اب کوئی کہتا ہے کہ کیا اللہ میاں کے بھی دامن ہوتا ہے تو بتاتے ہیں کہ۔

دامن او امر و فرمان ویست	نیک بختے کہ تقی جان ویست
حکم اور فرمان اس کا دامن ہے	وہ نیک بخت ہے جس کی جان متقی ہے

یعنی ان کا دامن ان کے امر و فرمان ہیں اور وہ نیک بخت ہے اس کی جان گرمی والی ہے مطلب یہ کہ ان کے احکام پر چلنا اور فرمان کو بجالانا بھی دامن کو پکڑ کر چلنا ہے اور جس کو گرمی عشق حق نصیب ہے وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے۔

آن یکے در مرغزار و جوئے آب	واں یکے پہلوئے او اندر عذاب
ایک چمنستان اور پانی کی نہر میں ہے	اور ایک اس کے پہلو میں عذاب میں ہے

یعنی ایک کے لئے تو مرغزار اور جوئے آب ہے اور وہ ایک اس کا پہلو عذاب میں ہے۔ مطلب یہ کہ ایک خیال ہوتا ہے مگر ایک شخص کے لئے جنت ہے اور دوسرے کے لئے وہی دوزخ ہے۔

او عجب مانده کہ ذوق آن ز چیست	وان عجب مانده کہ ایں در حبس کیست
وہ تعجب میں ہے کہ اس کا لطف کس چیز میں ہے	اور وہ تعجب میں ہے کہ یہ کس پھندے میں ہے

یعنی وہ تعجب میں رہا ہے کہ اس کو خوشی کس کی ہے اور اس کو تعجب ہے کہ یہ کس کے حبس میں ہے (کہ جو غمگین ہے اور وہ اس کو غمگین دیکھ کر کہتا ہے کہ)

ہیں چرا خشکی کہ اینجا چشمہا است	ہیں چرا زردی کہ اینجا صد دواست
خبردار! تو کیوں خشک ہے، یہاں چشمے ہیں	خبردار تو کیوں پیلا ہے یہاں سینکڑوں دوائیں ہیں

یعنی ارے تو خشک کیوں ہو رہا ہے اس جگہ تو چشمے ہیں اور تو زرد کیوں ہے یہاں تو سو دوائیں ہیں۔

ہمنشینا ہیں بیا اے اندر چمن	گوید اے جان من نیارم آمدن
اے ساتھی! خبردار چمن میں آ جا	وہ کہتا اے دوست! میں نہیں آ سکتا

یعنی (وہ کہتا ہے) ارے اے ہمنشین انجمن میں آ تو وہ کہتا ہے کہ اے جان میں آ نہیں سکتا۔ (تو وہ پھر کہتا ہے کہ)

ہیں بیا جانان کہ پایت بستہ نیست	گویدش نے نے نتانم تو بایست
خبردار اے دوست! آ جا کیونکہ تیرے پاؤں بندھے ہوئے نہیں ہیں	وہ اس سے کہتا ہے، نہیں نہیں مجھ میں سکت نہیں تو ٹھہر جا

یعنی اے جان آ جا تیرا پاؤں بندھا ہوا تو نہیں ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ میں نہیں آ سکتا تو ٹھہر۔ ارہ مطلب یہ کہ ایک شخص ذکر اللہ میں خوش ہے اور وہ دوسرے سے کہتا ہے کہ میاں تم دنیا میں پھنس کر غمگین کیوں ہوتے ہو یہاں آ جاؤ دیکھو کیسی خوشی ہے وہ کہتا ہے کہ نہ مجھ سے تو ہوتا ہی نہیں وہ کہتا ہے کہ ارے اس میں بڑی لذت ہے اور یہ تو بڑا آسان ہے وہ کہتا ہے کہ ہو گا مگر مجھ سے تو کچھ بھی نہیں ہوتا تو دیکھ لیجئے ایک ہی شے ہے ایک کو آسان

ایک کو مشکل ایک کو آرام دہ ایک کو سوہان روح ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

یک مثل آمد درین معنی بگفت	بو کہ یابی زین بیان سر نہفت
اس سلسلہ میں ایک کہاوت کہی گئی ہے	شاید کہ تو اس بیان سے چھپے ہوئے راز کو محسوس کرلے

یعنی ایک مثال اس میں گفتگو میں آئی ہے شاید کہ تم اس بیان سے سر پوشیدہ کو پالو۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ ایک آقا اور ایک غلام جارہے تھے۔ غلام نمازی تھا راستہ میں نماز کا وقت آیا تو غلام اجازت لے کر نماز کو چلا گیا اور وہاں بہت دیر لگا دی آقا نے کہا کہ ارے بھائی آتا کیوں نہیں اس نے کہا کہ آنے نہیں دیتے۔ آقا نے کہا کون نہیں آنے دیتے۔ غلام بولا کہ جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتے وہ مجھے باہر نہیں آنے دیتے۔ یعنی حق تعالیٰ کہ مسجد کے دروازہ پر ہو اور اندر نہیں آسکتے۔ اسی طرح وہ مجھے روکے ہوئے ہیں تو دیکھئے ایک ہی شے نماز ہے ایک کو اس قدر آسان اور دوسرے کو اس قدر مشکل۔

اندرین معنی بگویم قصہ	گوش بکشا تابری زان حصہ
اس سلسلہ میں میں ایک قصہ سناتا ہوں	کان کھول لے تاکہ تو اس میں سے حصہ پالے

یعنی اس معنی میں میں ایک قصہ کہتا ہوں تو کان کھول تاکہ اس سے حصہ لے جاسکے (اب قصہ سنئے)

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اب رہی یہ بات کہ جو بات ایک کو حاصل ہوتی ہے دوسرے کو کیوں نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تقسیم حق سبحانہ کی ہے جو اس نے اپنی حکمت بالغہ کی بناء پر کی ہے خود لوگوں کی نہیں کہ جو جس چیز کو چاہے حاصل کر لے اس لئے کوئی شخص بطور خود دوسرے کی صفت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ دیکھو ایک خیال تو اچھا ہے جو صاحب خیال کے لئے باغ کی طرح فرحت افزا اور مسرت بخش ہے اور ایک خیال برا ہے جو صاحب خیال کو خوشی تک نہیں پہنچنے دیتا۔ اور ایک خیال تو اپنے اثر سے عالم کو گلشن بنا دیتا ہے (مثلاً خیال عدل) دوسرا خیال ہے کہ عالم کو تہ و بالا کر دیتا ہے (خیال جور) یہ کس کا پیدا کیا ہوا ہے وہ خدا ہی ہے جس نے ایک خیال کو باغ کی طرح مسرت بخش اور سرور افزا بنایا ہے اور دوسرے خیال کو دوزخ کی طرح موجب تکلیف اور گھلانے والا بنایا ہے جبکہ یہ تصرف کرنے والا خدا ہی ہے تو اب اس کے باغوں یعنی عمدہ خیالات اور اس کی دوزخوں یعنی برے خیالات کا راستہ کون جان سکتا ہے کہ وہ کہاں سے اور کیونکر آتے ہیں۔ دل جو لانگاہ روح میں چاروں طرف دیکھتا ہے کہ ان کا راستہ معلوم کروں کہ وہ کہاں سے آتے ہیں لیکن اس کو معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ کس دیوار میں کو پھوٹ آتے ہیں الا وہ دل جس کو حق سبحانہ کی تائید حاصل ہو اور مؤید بقوت قدسیہ ہو اور اپنی ہستی کو حق سبحانہ کی ہستی میں فنا کر کے متخلق باخلاق اللہ ہو گیا۔ اور خدا کے رنگ میں رنگ گیا ہو ہم نے کہا ہے کہ ہر دل نہیں دیکھ سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہر دل دیکھ سکتا کہ وہ خیالات کہاں سے پھوٹتے ہیں تو وہ

تدبیر سے ہر ناپسندیدہ خیال کا راستہ بند کر دیتا اور کبھی تکلیف دہ خیال نہ آنے دیتا۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ نیز چونکہ یہ شخص حق سبحانہ سے تعلق نہیں رکھتا اس لئے اس کی یہ تلاش ایسی ہوگی جیسے جاسوسوں کی اور جاسوس کی وہاں رسائی ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ گھات تو عدم و فنا میں محجوب ہے اور عدم و فنا تک اس جاسوسی کی رسائی ہے نہیں کیونکہ یہ ہستی میں محبوس ہے پس یہ وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے اور وہاں کی حالت کیونکر معلوم کر سکتا ہے پس اے جاسوس تو اس فکر کو چھوڑ دے اور حق سبحانہ کے فضل کا دامن پکڑ لے۔ کیونکہ اندھے کے لئے راستہ کو دیکھنے کی فکر لغو ہے اس کے لئے تو دامن پکڑ لینا ہی کافی ہے۔ دامن فضل حق اس کے اوامر ہیں۔ یعنی بس تو احکام پر کار بند رہ اور زائد فکروں کو چھوڑ دے یہی بڑی سعادت ہے کہ آدمی کی جان سوزش عشق الٰہی سے جلتی ہو اور وہ طلب حق میں منہمک ہو اور انکشاف اسرار کوئی مقصود کمال نہیں جس کی فکر میں آدمی پڑ جائے۔ اب تقسیم حق کی ایک اور دلیل سنو ایک شخص ایک باغیچہ میں نہر کے کنارہ بیٹھا ہے۔ دوسرا اس کے قریب ہی مصیبت میں مبتلا ہے مصیبت زدہ تعجب کر رہا ہے کہ اسے کاہے کی خوشی ہے اور وہ تعجب کرتا ہے کہ کمبخت تکلیف میں کیوں مقید ہے یہ میرے پاس کیوں نہیں آ جاتا کہ اسے راحت ہو یہ خیال کر کے وہ اس سے کہتا ہے کہ ارے تو پیاسا کیوں مر رہا ہے آ جا یہاں بہت چشمے ہیں اور تو بیمار کیوں ہے میرے پاس آ یہاں تیرے مرض کا علاج موجود ہے۔ ارے یار تو بھی اس محفل عیش و نشاط میں آ جا۔ مصیبت کیوں جھیل رہا ہے وہ کہتا ہے میں تو نہیں آ سکتا وہ پھر کہتا ہے کہ ارے آ جا تیرے پاؤں میں بیڑیاں تو نہیں پڑیں وہ اس پر بھی یہی جواب دیتا ہے کہ بس کرو جی تمہیں معلوم نہیں میں آ ہی نہیں سکتا۔ خلاصہ یہ کہ ایک شخص خوش و خرم ہے اور دوسرا تکلیف میں مبتلا ہے وہ بزبان حال کہتا ہے کہ تو بھی مجھ سا ہو جا وہ بزبان حال جواب دیتا ہے کہ میں ایسا نہیں کر سکتا اور قید حال بنا بر اغلب ہے ورنہ گفتگو میں بھی ایسا ہوتا ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہم اس مضمون کو ایک قصہ سے واضح کرتے ہیں شاید سمجھ میں آ جاوے اچھا اب میں بیان کرتا ہوں تم غور سے سنو تا کہ تم کو اس سے کچھ مل جاوے۔

شرح شبیری

حکایت ایک امیر کے غلام کی جو کہ نماز اور مناجات کا بہت شوق رکھتا تھا

در زمانے بود امیرے از کرام	بود سنقر نام او را یک غلام
ایک زمانہ میں بڑے لوگوں میں سے ایک حاکم تھا	اس کا ایک غلام سنقر نام کا تھا

یعنی ایک زمانہ میں ایک امیر کرام میں سے تھا اور اس کا سنقر نامی ایک غلام تھا۔

میر شد محتاج گرما بہ سحر	بانگ زد سنقر ہلا بردار سر
صبح کو حاکم کو حمام کی ضرورت ہوئی	اس نے پکارا سنقر! خبردار اٹھ جا

یعنی امیر کو صبح کے وقت نہانے کی ضرورت ہوئی تو آواز دی کہ سنقر ہوشیار ہو جاؤ اور سر اٹھا۔

تا بگرمابہ رویم از ناگزیر	طاس وایزار مندیل وگل از التون بگیر
تاکہ ضرورت کی وجہ سے ہم حمام میں جائیں	طشلا اور تہ بند اور (ملتانی) مٹی التون سے لیلے

یعنی تشلہ اور رومال اور منجن لونڈی سے لے لے تاکہ ہم ضرورتاً گرمابہ کو جاویں۔

بر گرفت و رفت با او دوبدو	سنقر آندم طاس و مندیل نکو
لے لیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلا	سنقر نے فوراً طشلا اور اچھا تہ بند

یعنی سنقر نے اسی وقت تشلہ اور عمدہ رومال لے لیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلا۔

آمد اندر گوش سنقر برملا	مسجدے بر رہ بدو بانگ صلا
صاف طور پر سنقر کے کان میں آئی	راستے میں مسجد تھی اور بلاوے کی آواز

یعنی ایک مسجد راہ میں تھی اور آواز اذان کی سنقر کے کان میں ظاہر طور پر آئی۔

گفت اے میر من ای بندہ نواز	بود سنقر سخت مولع در نماز
بولا اے میرے آقا! اے بندہ پرور	سنقر نماز کا بہت فریفتہ تھا

یعنی سنقر نماز کا بہت حریص تھا تو بولا کہ میرے امیر اور اے بندہ نواز۔

تا گزارم فرض وخوانم لم یکن	تو برین دکان زمانے صبر کن
تاکہ میں نماز ادا کروں اور لم یکن پڑھ لوں	آپ اس دکان پر تھوڑی دیر ٹھہریں

یعنی تم اس دوکان پر تھوڑی دیر ٹھہر و تاکہ میں فرض ادا کرلوں اور لم یکن پڑھ لوں (لم یکن پڑھنے سے یہ مراد ہے کہ نماز مختصری پڑھ لوں گا زیادہ طول نہ دوں گا)

منتظر از بادۂ پندار مست	رفت سنقر میر در دکان نشست
منتظر ہو کر غرور کی شراب سے مست	سنقر چلا گیا آقا دکان پر بیٹھ گیا

یعنی سنقر تو چلا گیا اور امیر صاحب دوکان پر منتظر بیٹھ گئے اور غرور سے مست تھے۔

کرد یک ساعت توقف بر دکان	میر از بہر دل آن زندہ جان
تھوڑی دیر دکان پر توقف کیا	آقا نے اس زندہ روح کی خاطر سے

یعنی امیر نے اس زندہ جان کی خاطر سے ایک گھڑی دوکان پر توقف کیا۔

از نماز و وردہا فارغ شدند	چوں امام و قوم بیرون آمدند
نماز اور وظیفوں سے فارغ ہو گئے	جب امامؒ اور لوگ باہر آئے

یعنی جب امام وقوم سب باہر نکل آئے اور نماز اور اوراد سے فارغ ہو گئے۔

سنقر آنجا ماند تا نزدیک چاشت	میر سنقر راز ماندے چشمداشت
سنقر چاشت کے وقت تک وہاں رہا	آقا ایک وقت تک سنقر کا منتظر رہا

یعنی سنقر اس جگہ اشراق کے قریب تک رہا تو امیر نے سنقر کا کچھ دیر تو انتظار کیا۔

گفت اے سنقر چرا نائی برون	گفت می نگزاردم اے ذوفنون
بولا اے سنقر! تو باہر کیوں نہیں آتا ہے؟	اس نے کہا اے ہنرمند! وہ مجھے نہیں چھوڑتا ہے

یعنی اس نے کہا کہ اے سنقر تو باہر کیوں نہیں آتا تو وہ بولا کہ اے ذوفنون مجھے چھوڑتا نہیں۔

صبر کن نک آمدم اے روشنی	نیستم غافل کہ درگوش منی
صبر کر اے روشنی! میں ابھی آیا	میں غافل نہیں ہوں تو میرے کان میں ہے

یعنی صبر کر میں ابھی آیا اے (صاحب) روشنی میں غافل نہیں ہوں آپ میرے کان میں ہیں۔ یعنی مجھے خود خیال ہے۔

ہفت نوبت صبر کرد و بانگ کرد	تا کہ عاجز گشت از تیباش مرد
اس نے سات بار صبر کیا اور آواز دی	حتیٰ کہ آقا اس کی ٹال مٹول سے عاجز آ گیا

یعنی سات مرتبہ آواز دی اور صبر کیا یہاں تک کہ اس کے انتظار سے یہ مرد عاجز ہو گیا۔

پاسخش ایں بود می نگزاردم	تا برون آیم ہنوز اے محترم
اس کا یہی جواب تھا مجھے نہیں چھوڑتا ہے	اے محترم! تاکہ میں ابھی باہر نکلوں

یعنی اس کا جواب یہی تھا کہ مجھے چھوڑتا نہیں تاکہ میں باہر آؤں اے محترم۔

گفت آخر مسجد اندر کس نماند	کیست وامیدارد آنجا کت نشاند
بالآخر اس نے کہا مسجد میں کوئی نہیں رہا	کون روکتا ہے وہاں تجھے کس نے بٹھا دیا ہے؟

یعنی آقا نے کہا کہ آخر مسجد میں تو کوئی نہیں رہا کون اس جگہ ہے جس نے کہ تجھے بٹھالیا ہے۔

گفت آنکہ بستہ استت از بروں	بستہ است او ہم مرا از اندروں
اس نے کہا وہی جس نے تجھے باہر باندھ دیا ہے	اسی نے مجھے اندر باندھا ہے

یعنی غلام نے کہا کہ جس نے کہ تجھے باہر باندھ رکھا ہے اسی نے مجھے اندر سے باندھ رکھا ہے۔

آنکہ نگزارد ترا کائی دروں	می نہ بگزارد مرا کائیم بروں
جو تجھے نہیں چھوڑتا ہے کہ تو اندر آئے	وہ مجھے نہیں چھوڑتا ہے کہ میں باہر نکلوں

یعنی وہ ذات کہ تجھے نہیں چھوڑتی کہ تو اندر آوے مجھے نہیں چھوڑتی کہ میں باہر آؤں۔

آنکہ نگزارد کز ایں سو پا نہی	او بدیں سو بست پائے ایں رہی
وہ جو تجھے نہیں چھوڑتا کہ تو اس طرف قدم دھرے	اسی نے اس جانب اس غلام کو پابستہ کر دیا ہے

یعنی جو کہ نہیں چھوڑتا کہ تم اس طرف پاؤں رکھو اسی نے اس غلام کے پاؤں اس طرف باندھ دیئے ہیں۔ (اور وہ ذات حق ہے تو دیکھو ایک ہی کام ایک کو مشکل دوسرے کو آسان) آگے مولانا اس کی مثال لاتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ کسی زمانہ میں ایک شریف امیر تھے اور سنقر نام ان کا ایک غلام تھا ایک روز صبح کے وقت ان کو حمام کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے آواز دی سنقر اٹھو۔ اور کٹنیرک سے طشت اور تولیہ اور سر دھونے کی مٹی لے لو تاکہ حمام چلیں۔ سنقر آیا اور اس نے طشت اور تولیہ وغیرہ پا لیا اور ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں ایک مسجد پڑتی تھی اس میں سے نماز کی آواز آئی سنقر کو چونکہ نماز کا شوق تھا اس لئے اس نے امیر سے کہا کہ حضور ذرا اس دکان پر تشریف فرما ہوں تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔ میں چھوٹی چھوٹی سورتیں لم یکن وغیرہ پڑھوں گا۔ یہ کہہ کر سنقر روانہ ہو گیا۔ اور امیر دکان پر اس کے انتظار میں بادۂ پندار میں مست بیٹھ گئے کیونکہ نماز میں تو کسر شان تھی نماز کے لئے کیسے جاتے وہ امیر اس زندہ دل کی دلجوئی کے لئے کچھ دیر تک دوکان پر بیٹھے رہے جبکہ امام اور مقتدی نماز اور درود وظائف سے فارغ ہو کر نکلے تو سنقر نہ نکلا وہ چاشت (اشراق یا چاشت معروف) تک وہیں رہا امیر نے ایک عرصہ تک تو انتظار کیا جب وہ نہ آیا تو آواز دی کہ اے سنقر تم آتے کیوں نہیں اس نے جواب دیا کہ جناب مجھے آنے نہیں دیتا ذرا توقف فرمایئے میں ابھی حاضر ہوا مجھے خود خیال ہے اور میں جناب کی طرف سے غافل نہیں ہوں۔ غرض یوں ہی سات مرتبہ اس نے آوازیں دیں اور ساتوں مرتبہ وہی جواب ملا۔ اور اس نے صبر کیا۔ آخر وہ اس کے غمزہ سے عاجز ہو گیا کیونکہ اس کا جواب ہر مرتبہ یہی ہوتا تھا کہ حضور مجھے آنے نہیں دیتا۔ بالآخر اس نے مجبور ہو کر کہا کہ مسجد میں تو کوئی شخص بھی نہیں رہا پھر تجھے کون روک رہا ہے اور کس نے بٹھلا رکھا ہے اس نے جواب دیا کہ حضور جس نے جناب کو باہر روک رکھا ہے اسی نے مجھے اندر روک رکھا ہے اور جو آپ کو اندر آنے نہیں دیتا وہی مجھے باہر نہیں آنے دیتا اور جو حضور کو اس طرف قدم نہیں بڑھانے دیتا وہی اس غلام کو اس طرف قدم نہیں بڑھانے دیتا۔ یعنی وہ حق سبحانہ ہیں جو مقلب القلوب ہیں اور جو لوگوں کو مختلف خیالات میں محبوس کرتے ہیں۔

شرح شبّیری

ماہیان را بحر نگزارد بروں	خاکیان را بحر نگزارد دروں
سمندر مچھلیوں کو باہر نکلنے نہیں دیتا	سمندر خشکی کے جانوروں کو اندر نہیں آنے دیتا ہے

یعنی مچھلیوں کو تو دریا باہر نہیں آنے دیتا اور خاکیوں کو بحر ہی اندر نہیں آنے دیتا۔ یعنی دیکھو دریا ایک شے ہے مگر مچھلیاں اس سے نکلنے میں ہلاکت سمجھتی ہیں اور مرغان خاکی اس کے اندر جانے میں اپنی ہلاکت متصور کرتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ۔

اصل ماہی زآب وحیوان از گل است	حیلہ و تدبیر اینجا باطل است
مچھلی کی اصل پانی سے ہے اور حیوان کی مٹی سے ہے	اس جگہ کوئی حیلہ اور تدبیر بیکار ہے

یعنی مچھلی کی اصل تو پانی سے ہے اور حیوان کی مٹی سے تو حیلہ وتدبیر اس جگہ باطل ہے مطلب یہ کہ چونکہ اصل فطرت سے اختلاف ہے لہذا نہ وہ دریا میں جا سکے اور نہ وہ دریا سے نکل سکے اور چونکہ اصل فطرت اس طرح ہے لہذا اس میں حیلہ وتدبیر بھی نہیں چلتی کہ حیلہ کر کے فطرت کو بدل کر خاکی دریا میں چلے جاویں یا مچھلیاں اس سے باہر نکل آویں تو اسی طرح جو کہ فنا فی اللہ ہو چکے ہیں وہ تو احکام حق میں خوش ہیں ان کو تو وہاں سے نکلنا موت ہے اور جو الگ ہیں ان کو ان کی بجا آوری موت ہے نہ وہ ادھر آ سکتے ہیں اور نہ وہ ادھر جا سکتے ہیں۔ اب یہاں سننے والے کو یاس ہو سکتی تھی کہ بس پھر تو کوئی امید ہی نہیں رہی جیسی اصل ہوگی اسی کے مطابق رہیں گے اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی لہذا آگے فرماتے ہیں کہ۔

قفل زفت است وکشاینده خدا	دست در تسلیم زن و اندر رضا
قفل بھاری ہے اور کھولنے والا اللہ (تعالیٰ) ہے	تسلیم اور رضا پر دستگاہ حاصل کرو

یعنی قفل تو عظیم ہے اور کھولنے والا خدا ہے تو تم ہاتھ تسلیم ورضا میں مارو مطلب یہ کہ اگر چہ قفل تو عظیم ہے مگر اس کو کھولنے والے حق تعالیٰ ہیں تم تسلیم ورضا حاصل کر لو اور راضی برضا رہو۔ ان شاء اللہ یہ قفل عظیم حق تعالیٰ کھول دیں گے۔

ذره ذره گر شود مفتاحہا	این کشایش جز نیست از کبریا
ایک ایک ذرہ اگر کنجیاں بن جائیں	یہ کشادگی بجز خدا کے (ممکن) نہیں ہے

یعنی ذرہ ذرہ اگر کنجیاں ہو جاویں تو یہ کھلنا سوائے حق تعالیٰ کے کسی سے نہیں ہے یعنی اگر تمام ذرات عالم کنجیاں بن جاویں تب بھی اس قفل کو سوائے خدا کے کوئی نہیں کھول سکتا۔

چون فراموشت شود تدبیر خویش	بخت یابی اے جوان از پیر خویش
جبکہ تجھ سے تیری تدبیر فراموش ہو جائے	اے جوان! تو اپنے پیر سے نصیبہ حاصل کرے گا

یعنی جبکہ تجھے اپنی تدابیر فراموش ہو جاویں گی تو اے جوان اپنے شیخ سے بخت پاوے گا مطلب یہ کہ جب تم تدابیر کو فنا کر دو گے تو تم کو کوئی رہبر مل جاوے گا اور وہ حق تعالیٰ تک پہنچا دے گا۔

چون فراموش خودی یادت کنند	بندہ گشتی وآنگہ آزادت کنند
جب تو خودی کو فراموش کر دے گا وہ تجھے یاد کریں گے	تو غلام بن جائے گا تو وہ تجھے آزاد کریں گے

یعنی جب تو اپنے کو فراموش کرے تو وہ تجھے یاد کریں تو غلام ہو جاوے اس وقت تجھے آزاد کریں (اس لئے کہ ارشاد ہے فاذکرونی اذکرکم یعنی مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ اور یاد کامل وہ ہے کہ اس میں اپنی بھی خبر نہ رہے تو بس جب اپنے کو بھلا دیا تو اس طرف سے اذکرکم صادق آ گیا۔ آ گے فرماتے ہیں کہ۔

گر تو خواہی حرّی و دل زندگی	بندگی کن بندگی کن بندگی
اگر تو آزادی اور دل کی زندگی چاہتا ہے	غلامی کر غلامی کر غلامی

یعنی اگر تم آزادی اور دل زندگی کے طالب ہو تو بندگی کرو بندگی (کہ اسی سے دل کو زندگی حاصل ہوگی)

از خودی بگزر کہ تا یابی خدا	فانی حق شو کہ تا یابی بقا
خودی سے گزر جا تاکہ تو خدا کو پالے	حق میں فنا ہو جا تاکہ تو بقا حاصل کرے

یعنی خودی سے گزر جا تا کہ تو خدا کو پالے اور فانی حق ہو جا تا کہ تو بقا کو پالے۔

گر ترا باید وصال راستین	محو شو واللہ اعلم بالیقین
اگر تجھے سچوں کا وصال درکار ہے	(تو) مٹ جا اور اللہ تعالیٰ یقیناً زیادہ جانتا ہے

یعنی اگر تجھے وصال صدیق کی ضرورت ہے تو تو محو ہو جا۔ واللہ اعلم بالیقین۔ تو بس فنا فی الحق ہو کر بقا حاصل ہوتی ہے اور اپنے کو مٹا کر خدا ملتا ہے خوب سمجھ لو آ گے پھر ان انبیاء علیہم السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ دیکھو سمندر ہے کہ مچھلیوں کو باہر نہیں آنے دیتا اور خاکیوں کو اندر نہیں آنے دیتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مچھلی کی اصل پانی ہے اور دیگر حیوانات کی مٹی۔ پس وہ اپنی جنس کو جاذب ہے اور غیر جنس کو مانع۔ اور بقائے مغائرت کے ساتھ کوئی تدبیر ایسی نہیں جس سے سمندر میں رہنے کے قابل ہو سکے۔ پس تم بھی مناسبت باحق سبحانہ پیدا کرو۔ اور مغائرت ومضادت کو دور کرو اس کی صورت یہ ہے کہ ہمہ تن منقاد حق سبحانہ اور راضی برضائے حق سبحانہ ہو جاؤ۔ تو گو قفل نہایت سخت ہے مگر خدا اس کو کھول بھی سکتا ہے یہ قفل کھل جاوے گا اور بدوں حق سبحانہ کے کھولے ہوئے اگر ذرہ ذرہ کنجیاں ہو جاوے اور کوشش اس کے کھولنے کی کرے تو ناممکن ہے بس اس کو خدا ہی کھول سکتا ہے بشرطیکہ تم خودی کو مٹا دو اور اپنی تدبیر کو بھول جاؤ۔ اور یہ بات کہ یہ کیونکر ہو اس کا طریقہ بھی ہم بتاتے ہیں اور اس کا پتہ دیتے ہیں دیکھو یہ خوش نصیبی تم کو اپنے شیخ سے حاصل ہوگی اس کا دامن پکڑو۔ پس جب تم کو اپنے شیخ کی بدولت یہ دولت حاصل ہو جائے گی اور تم اپنے کو بھول جاؤ گے اس وقت یہ قفل ٹوٹ جاوے گا۔ اور وہ بھی تم کو یاد کریں گے اور جبکہ تم بندگی اختیار کر لو گے اس وقت تم کو قید ناسوتی سے آزاد کر دیں گے پس اگر تم قید نفس سے آزادی اور زندہ دلی چاہتے ہو تو ضرور ضرور بندگی کرو۔ اور خودی کو چھوڑ دو تا کہ خدا کو پاؤ

اور فنافی الحق ہو جاؤ تا کہ بقاباالحق حاصل ہو اور اگر تم کو حقیقی محبوب کا وصال مطلوب ہے تو اپنے کو مٹاؤ واللہ اعلم۔

شرح شبیری

انبیاء علیہم السلام کا منکروں کے حق کو قبول کرنے سے مایوس ہو جانا قولہ تعالیٰ حتیٰ اذا ستیاس الرسل الخ

انبیاء گفتند در خاطر کہ چند	می دہیم ایں راؤ آنرا وعظ و پند
انبیاء نے دل میں کہا کہ کتنا	ہم اس اور اس کو وعظ اور نصیحت کریں؟

یعنی انبیاء علیہم السلام نے دل میں کہا کہ ہم کب تک اس کو اور اس کو وعظ و نصیحت کریں۔

چند کوبیم آہن سردے زغے	درد میدن در قفس ہیں تا بکے
گمراہی سے ٹھنڈے ہوئے لوہے کو ہم کب تک کوٹیں؟	ہاں پنجرے میں پھونک بھرنا کب تک؟

یعنی ایک آہن سرد کو ہم غلطی سے کب تک کوٹیں اور قفس میں پھونکنا کب تک۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی قفس میں پھونکے تو بجز اس کے کہ ساری پھونک بیکار جاوے اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے ہاں اگر مشک وغیرہ میں پھونکیں تو ہوا رکے اسی طرح ان لوگوں کے سمجھانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ یہ مانتے ہی نہیں اور اس کا اثر یہ نہیں ہوا کہ وہ تبلیغ ترک کر دیتے نہیں بلکہ صرف ان کو ان کے راہ پر آنے سے مایوسی ہو گئی کہ اب یہ ہدایت نہ پاویں گے۔

دم خر پیمودن آخر تا بچند	چوں نیفزاید جوئے جز ریشخند
گدھے کی دم ناپنا آخر کب تک	جبکہ سوائے مذاق کے اس میں ایک جو کا فائدہ نہیں ہے

یعنی گدھے کی دم کو آخر ناپنا کب تک جبکہ وہ ایک جو بھی بجز مسخرہ پن کے نہیں بڑھتے مطلب یہ کہ گدھے کی دم کو اگر ناپو تو وہ بڑھے گی تھوڑا جتنی تھی اسی قدر رہے گی۔ ہاں ایک مسخرہ پن زیادہ ہوتا ہے اسی طرح (ان کو سمجھانا فضول ہے اور فرماتے ہیں کہ)

جنبش خلق از قضاؤ وعدہ است	تیزیٔ دندان ز سوز معدہ است
مخلوق کی حرکت قضا اور وعدہ (الٰہی) سے ہے	دانتوں کی تیزی معدہ کی سوزش سے ہے

یعنی مخلوق کی جنبش قضا و قدر کی وجہ سے ہے اور دانتوں کی تیزی معدہ کی جلن سے ہوتی ہے یعنی جب خوب بھوک لگی ہو اس وقت دانت خوب تیز چلتے ہیں تو اسی طرح جب قضا و قدر سے توفیق ہوتی ہے اس وقت انسان کام کر سکتا ہے ورنہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

نفس اول راند بر نفس دوم	ماہی از سر گند باشد نے زدم
پہلے نفس نے دوسرے نفس پر حکم چلایا	مچھلی سر کی جانب سے سڑتی ہے نہ کہ دم کی جانب سے

یعنی نفس اول نے نفس دوم پر حکمرانی کی اور مچھلی سر کی طرف سے سڑتی ہے نہ کہ دم کی طرف سے۔ نفس اول سے مراد متصرف اول یعنی روح اور نفس دوم سے مراد انسان۔ مطلب یہ کہ اول روح ہی خراب ہے تو اس نے جب انسان پر حکمرانی کی تو وہ بھی ویسی ہی ہوگی اور جس کی اصل فطرت اچھی ہوتی ہے اس کے سب کام اچھے ہوتے ہیں دوسرے مصرعہ میں مثال دیتے ہیں کہ مچھلی سر کی طرف سے اول سڑتی ہے اسی طرح انسان ابتداء فطرت ہی سے خراب ہوتا ہے اور قضا وقدر نے جس طرح اصل میں بنادیا ویسا ہی رہتا ہے تو چونکہ کفار اصل فطرت سے منکر حق ہیں لہذا ابھی وہی حالت ہے۔

لیک ہم میدان وخر میران چو تیر	چونکہ بلغ گفت حق شد ناگزیر
لیکن سمجھ بھی لے اور تیر کی طرح گدھے کو ہانکتا رہ	چونکہ اللہ (تعالی) نے (تبلیغ کر) فرمایا (لہذا) ضروری ہے

یعنی لیکن جانتے بھی رہو اور گدھے کو تیر کی طرح چلاتے بھی رہو جبکہ حق نے بلغ فرمادیا ہے تو اب لاچاری ہے مطلب یہ کہ یہ بھی سمجھتے رہو کہ یہ مانیں گے نہیں ان کی اصل فطرت ہی خراب ہے مگر تبلیغ بھی کرتے رہو اس لئے کہ حق تعالیٰ نے بلغ کا حکم کردیا ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

تو نمیدانی کزیں دو کیستی	جہد کن چندانکہ بنی چیستی
تو نہیں جانتا کہ ان دو میں تو کون ہے؟	کوشش کر حتیٰ کہ تو جان لے کہ تو کیا ہے

یعنی تو نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے تو کون ہے تو کوشش کراتنی کہ تو دیکھ لے کہ تو کون ہے مطلب یہ کہ ابھی تجھے خبر نہیں ہے کہ آیا تو سعید ہے یا شقی ہے لہذا اتنی کوشش کر کہ تجھے یقیناً معلوم ہو جاوے کہ تو کون ہے اور علم یقینی موت کے بعد ہوگا لہذا مرنے کے وقت تک کوشش میں لگے رہو ممکن ہے کہ سعید ہی ہو ابھی سے شقی ہونے کا فیصلہ کس طرح کرتے ہو آگے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چوں نہی بر پشت کشتی بار را	بر توکل میکنی آن کار را
جب تو کشتی پر مال لادتا ہے	اس کام کو تو توکل (کی بناء) پر کرتا ہے

یعنی جب تم کشتی پر اسباب رکھتے ہو تو اس کام کو توکل پر کرتے ہو (اس لئے کہ)

تو نمیدانی کزیں ہر دو کئے	غرقہ اندر سفر یا ناجئے
تو نہیں جانتا کہ تو ان دو میں کونسا ہے	سفر میں ڈوبنے والا ہے یا بچنے والا ہے

یعنی تو نہیں جانتا کہ تو ان دونوں میں سے کون ہے سفر میں غرق ہونے والا ہے یا ناجی ہے یعنی دونوں

احتمال ہیں کہ ممکن ہے کہ کشتی ڈوب جاوے اور ممکن ہے کہ کنارہ لگے اور مال فروخت کر کے نفع ہو۔

گر بگوئی تا ندانم من کیم	در نخواہم تاخت بر کشتی و یم
اگر تو کہے کہ جب تک میں نہ جان لوں کہ میں کون ہوں	میں کشتی اور سمندر پر نہ جاؤں گا

یعنی اگر تو کہنے لگے کہ میں جب تک کہ معلوم نہ کرلوں کہ میں کون ہوں (اس وقت تک) میں کشتی یا دریا میں سوار نہ ہوں گا یعنی اگر تم کہو کہ جب تک مجھے خبر نہ ہو جاوے کہ آیا میں ڈوبوں گا یا بچوں گا اس وقت تک میں تو کشتی میں سوار ہوتا نہیں اور کہو کہ۔

من دریں رہ ناجیم یا غرقہ ام	کشف گردان کز کدامین فرقہ ام
میں اس راستے میں بچنے والا ہوں یا ڈوبنے والا	واضح کر دے میں کس فرقے میں سے ہوں

یعنی میں اس راہ میں ناجی ہوں یا غرق ہونے والا ہوں مجھے بتادو کہ میں کس فرقہ سے ہوں یعنی یا تو مجھے بتادو کہ میں ڈوبوں گا یا بچوں گا اور اگر نہیں بتاتے تو سن رکھو کہ۔

من نخواہم رفت ایں رہ باگمان	بر امید خشک ہمچوں دیگران
میں اس راستہ پر گمان کے ساتھ نہ جاؤں گا	دوسروں کی طرح خالی امید پر

یعنی میں تو اس راہ میں (صرف) شبہ پر اور امید خشک پر دوسروں کی طرح نہ چلوں گا۔

یعنی اگر تم کہو کہ جس طرح کہ اور لوگ صرف احتمال نجات پر چل کھڑے ہوتے ہیں میں ایسے احتمال پر نہ چلوں گا بلکہ مجھے بتادو یقیناً کہ میں بچوں گا یا نہ بچوں گا تو اگر تم اس طرح کہنے لگو یہ ہوگا کہ۔

ہیچ بازر گانئے ناید ز تو	زانکہ در غیب ست سر ایں دورو
تجھ سے کوئی تجارت نہ ہو سکے گی	کیونکہ ان دونوں رخوں کا راز غیب میں ہے

یعنی تجھ سے کوئی تجارت نہ ہو گی اس لئے کہ ان دونوں پہلوؤں کا راز تو غیب میں ہے یعنی کسی کو یقینی طور پر معلوم تو ہے نہیں اور بے یقین کے آپ سفر نہیں کرتے تو بس تجارت ہو چکی۔

تاجر ترسندہ طبع شیشہ جان	در طلب نے سود دارد نے زیاں
ڈرنے والا نازک دل تاجر	طلب میں نہ نفع کماتا ہے نہ نقصان

یعنی تاجر ڈرنے والا نازک جان طلب میں نہ نفع رکھے گا نہ نقصان یعنی اس کو نہ نفع ہو گا نہ نقصان آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بل زیاں وارد کہ محروم است وخوار	نور او یابد کہ باشد شعلہ خوار
بلکہ نقصان اٹھاتا ہے کیونکہ وہ محروم اور ذلیل ہے	نور وہ حاصل کرتا ہے جو شعلے کو نگلنے والا ہو

یعنی بلکہ نقصان ہی رکھے گا۔ کیونکہ محروم وخوار ہے نور تو وہ رکھے جو شعلہ خوار ہو یعنی جفاکش ہو اس کو نفع ہوتا ہے ورنہ ایسے نازک مزاجوں سے کیا ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ بر بوک است جملہ کارہا	کار دیں اولے کزیں یابی رہا
چونکہ تمام کاروبار امید پر ہے	(تو) دین کا کام زیادہ مستحق ہے کہ تو اس سے سبکدوش ہو جائے

یعنی جبکہ تمام کام احتمال پر ہیں تو دین کے کام اولیٰ ہیں کہ ان سے رہائی پاؤ مطلب یہ کہ جب معلوم ہو گیا کہ صرف احتمال نفع پر ہی کوشش کرتے ہیں تو تم کو بھی تو سعید ہونے کا احتمال تو ہے اسی احتمال پر دین کے کام کر دیہ کیا ضرور ہے کہ جب تم کو سعید ہونے کا یقین ہو جاوے جب ہی کام کرو اس احتمال پر کہ خدا کے یہاں تم شاید سعید ہو کیوں کام نہیں کرتے جیسا کہ وہ سوداگر صرف احتمال نفع پر تجارت کرتا ہے بلکہ اس کو تو اس میں احتمال ضرر بھی ہے اور کار دین میں تو احتمال ضرر ہے ہی نہیں تو افسوس ہے کہ یہاں تو یقین کے جویا ہو اور وہاں احتمال پر بھی کام شروع کر دو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست دستورے در ینجا قرع باب	جز امید اللہ اعلم بالصواب
اس جگہ دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت نہیں ہے	سوائے امید کے ، خدا بہتر جانتا ہے

یعنی اس جگہ سوائے امید کے قرع باب کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ باب حق کو کھٹکھٹانے میں سوائے امید کے یقین وغیرہ کی اجازت نہیں ہے کہ جب یقین ہو اس وقت تو کام کرو ورنہ نہیں بس یہاں تو کام امید کا ہے امید پر سب کام کرو۔

بیان اس کا کہ ایمان مقلد کا خوف ورجا میں ہے

داعی ہر پیشہ امید است و بوک	گرچہ گردن شان زکوشش شد چو دوک
ہر پیشے کی محرک امید اور تمنا ہے	اگرچہ ان کی گردن کوشش میں تکلے کی طرح ہو گئی ہے

یعنی ہر پیشہ کے لئے محرک امید واحتمال ہی ہے اگرچہ ان کی گردن کوشش سے مثل تکلے کے ہو جاوے یعنی اگرچہ کوشش کے مارے گردن تکلے کی طرح ہو جاوے مگر وہ ساری کوشش صرف ایک احتمال پر ہوتی ہے کہ شاید نفع ہو جاوے۔

بامداداں چوں سوئے دکان رود	بر امید و بوک روزی می رود
صبح کو وہ جب دکان کی جانب جاتا ہے	کمائی کی امید اور تمنا پر جاتا ہے

یعنی (تاجر) صبح کو جب دوکان کی طرف جاتا ہے تو امید اور احتمال روزی پر دوڑتا ہے۔

بوک روزی نبودت چوں میروی	خوف حرمان است تو چونے قوی
تجھے روزی کی امید نہ ہو تو کیوں جائے؟	محرومی کا ڈر ہے تو تو قوی کیوں ہے؟

یعنی شاید کہ تیرے لئے روزی نہ ہوتو تو کیوں جارہا ہے اور تجھے خوف حرمان ہے تو تو کس طرح قوی ہے۔

خوف حرمان ازل در کسب لوت	چون نکردت سست اندر جستجوت
روٹی کمانے میں ازلی محرومی کے ڈر نے	تجھے تیری جستجو میں ست کیوں نہ کیا؟

یعنی کسب روزی میں خوف حرمان ازلی نے تجھے جستجو میں ست کیوں نہ کردیا۔ مطلب یہ کہ احتمال تو نقصان کا بھی ہے۔ پھر کس طرح قوی ہوکر کوشش کررہے ہو اس میں اس احتمال پر چھوڑ نہیں بیٹھتے بلکہ۔

گوئی آرے خوف حرمان ہست پیش	ہست اندر کاہلی این خوف بیش
تو کہتا ہے کہ ہاں محرومی کا ڈر پیش (نظر) ہے	(لیکن) سستی میں یہ ڈر زیادہ ہے

یعنی کہتے ہو کہ ہاں خوف حرماں تو سامنے ہے (مگر) کاہلی میں یہ خوف اور زیادہ ہے (اور کہتا ہے کہ)

ہست در کوشش امیدم بیشتر	دارم اندر کاہلی افزوں خطر
کوشش میں مجھے زیادہ امید ہے	سستی میں مجھے زیادہ خطرہ ہے

یعنی کوشش میں تو مجھے امید زیادہ ہے اور کاہلی میں خطرہ زیادہ رکھتا ہوں یعنی کہتے ہو کوشش کرتا رہوں گا تو غالب امید نفع کی ہے اور اگر کوشش چھوڑ دوں گا تو پھر تو خطرہ زیادہ ہوجاوے گا۔ اور امید نفع مغلوب ہوجاوے گی مولانا اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

پس چرا درکار دین ای بدگمان	دامنت می گیرد ایں خوف زیان
اے بدگمان! پھر دین کے کام میں کیوں	یہ نقصان کا خوف تیرا دامن پکڑ لیتا ہے؟

یعنی پھر اے بدگمان کار دین میں یہ نقصان کا خوف تیرا دامن کیوں پکڑتا ہے مطلب یہ کہ جب کار دنیا میں خوف نقصان مانع کوشش نہیں ہوتا تو کار دین میں خوف نقصان مانع کیوں ہے دوسری شق پر کیوں نظر نہیں کرتے۔ نفع کا بھی تو احتمال ہے اس احتمال کی بناء پر کام میں لگو کہ نفع ہو۔

یا ندیدی کاہل ایں بازار ہا	درچہ سودند انبیاء و اولیا
کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اس بازار والے	انبیاء اور اولیاء کس قدر نفع میں ہیں

یعنی یا تو نے دیکھا نہیں کہ اس بازار والے کیسے نفع میں ہیں انبیاءؑ اور اولیاءؒ یعنی آیا تجھے خوف نقصان مانع ہے یا کہ تجھے اس کے اندر نفع ہی دکھائی نہیں دیتا۔ اور جو اس بازار کے سوداگر ہیں یعنی انبیاء اور اولیاء کیا تو نے ان کو کبھی نہیں دیکھا کہ وہ کیسے نفع میں ہیں اور کیا تم کو اس کی خبر نہیں ہے کہ۔

زین دکان رفتن چہ کان شان رونمود	اندریں بازار چون بستند سود
اس دکان سے جانے نے ان کو کیسی کان دکھائی	اس بازار میں انہوں نے کیسا نفع کمایا؟

یعنی اس دوکان سے جانے سے ان کوکیسی معدن نے منہ دکھایا اور اس بازار میں انہوں نے کس طرح نفع باندھا یعنی کیا تم نے ان کے نفعوں کو کبھی دیکھا نہیں ہے آگے حضرات انبیاء علیہم السلام کے کچھ معجزات بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ان حضرات کو یہ نفعے ہوئے اور وہ ایسے ہوگئے۔

آتش آنرا رام چون خلخال شد	بحر این را رام چون حمال شد
ان کے لئے آگ پازیب کی طرح فرمانبردار بنی	سمندر بوجھ اٹھانے والے کی طرح انکا فرمانبردار ہوا

یعنی آگ ان کے لئے خلخال کی طرح مطیع ہوگئی اور ان کے لئے دریا حمال کی طرح مطیع ہوگیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ خلخال پاؤں میں پڑا رہتا ہے اور حمال صاحب مال کا مطیع ہوتا ہے اسی طرح آگ اور دریا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطیع ہوگئے۔ یہ کیا تھا یہ اسی بازار حب حق کا سودا اور نفع تھا۔

از دم آن مردهٔ زنده شده	ابر آنرا سایه بانے آمده
ان کے پھونک مارنے سے مردہ زندہ ہوا	ابر ان کے لئے سائبان بنا

یعنی ان کی پھونک سے مردہ زندہ ہوتا تھا اور ابر ان کے لئے سائبان آیا۔ یعنی عیسےٰ علیہ السلام کے دم سے مردہ زندہ ہوتا تھا اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض مرتبہ ابر سایہ کر کے چلا ہے۔

آہن آنرا رام ہمچون موم شد	باد آنرا بنده و محکوم شد
لوہا ان کے لئے موم کی طرح فرمانبردار تھا	ہوا ان کی غلام اور محکوم ہوئی

یعنی لوہا ان کے لئے مثل موم کے ہوگیا اور ہوا ان کے لئے غلام اور محکوم ہوئی یعنی داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا موم نرم ہوتا تھا اور سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر تھی۔

شد براں در دفع دشمن چوب مار	عنکبوتے شد مر آنرا پرده دار
دشمن کو دفع کرنے کے لئے لکڑی ان کے لئے سانپ بنی	مکڑی ان کے لئے پردہ کرنے والی بنی

یعنی دفع دشمن میں ان کے لئے لکڑی سانپ بن گئی اور ایک مکڑی ان کے لئے پردہ دار ہوئی۔ یعنی موسیٰ کے لئے دفع دشمن میں عصا اژدہا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکڑی سے حفاظت ہوئی کہ غار ثور میں جب آپ پوشیدہ ہوئے تو مکڑی نے جالا تن دیا تھا تو یہ سب اسی یاد حق کا نفع اور اسی کا سود تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ یہ تو انبیاء ہیں کہ جن کے معجزے ظاہر و باہر ہیں حق تعالیٰ کے بہت سے اولیاء پوشیدہ ہیں کہ نہ کسی کو ان کی کرامات کی خبر اور نہ ان کی بزرگی کی اطلاع مگر ہیں سب مقبولان حق۔

معنے اس حدیث کے کہ ان للہ اولیاء اخفیاء

(حق تعالیٰ کے بہت سے اولیاء پوشیدہ ہیں)

قوم دیگر سخت پنہاں میروند	شہرۂ خلقان ظاہر کے شوند
کچھ دوسرے لوگ ہیں جو بہت پوشیدہ چلتے ہیں	(وہ) ظاہری مخلوق میں کب مشہور ہوتے ہیں

یعنی قوم دوسری سخت پوشیدہ آئی ہیں اور مخلوق ظاہری میں کب مشہور ہوتی ہیں۔

اینہمہ دارند و چشم ہیچکس	بر نیفتد بر کیا شان یک نفس
یہ سب کچھ رکھتے ہیں اور کسی کی نگاہ	ان کی بزرگی پر ایک دم کے لئے نہیں پڑتی

یعنی یہ سب کچھ رکھتے ہیں اور کسی کی نگاہ ان کی بزرگی پر ایک گھڑی کو نہیں پڑتی۔

ہم کرامت شان ہم ایشان در حرم	نام شان را نشود ابدال ہم
ان کی کرامت بھی (اور) وہ خود بھی حریم میں ہیں	ابدال بھی ان کا نام نہیں سنتے ہیں

یعنی ان کی کرامت بھی ہیں اور وہ حرم (حق) میں بھی ہیں (مگر) نام ان کا ابدال بھی نہیں سنتے۔ (تو دیکھئے حق تعالیٰ کے اولیاء ظاہر بھی ہیں اور خفی بھی ہیں اور یہ سب برکات وفیوض اسی فیض حق کے ہیں) آگے رجوع ہے ماقبل کی طرف اوپر کہا تھا۔ یا ندیدی کامل این بازار ہالخ کہ کیا تو نے اس بازار والوں کو نہیں دیکھا ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ"۔

یا نمیدانی کرمہائے خدا	کو ترا میخواند این سو کہ بیا
کیا تو نہیں جانتا کہ خدا کے کرم ہیں	جو تجھے پکارتے ہیں کہ اس طرف آ جا

یعنی یا کہ تو حق تعالیٰ کے انعامات کو نہیں جانتا کہ وہ تجھے بلا رہے ہیں کہ اس طرف آ۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ تجھے اپنے انعامات کی طرف بلا رہے ہیں۔

شش جہت عالم ہمہ اکرام اوست	ہر طرف کہ بنگری اعلام اوست
عالم کی شش جہت میں اس کے اکرام ہیں	تو جس طرف دیکھے اس کی نشانیاں ہیں

یعنی شش جہت عالم تمام اسی کا اکرام ہے اور جس طرف تو دیکھے اسی کی نشانیاں ہیں۔

چون کریمے گویدت آتش درا	اندر آزو دو مگو سوزد مرا
جب کریم تجھے کہے کہ آگ میں آ جا	جلد اندر آ جا اور نہ کہہ کہ وہ مجھے جلا دے گی

یعنی جیسا کوئی تم سے کہے کہ آگ میں چلے آؤ تو اس کے اندر آ جاؤ اور یہ مت کہو کہ مجھے جلا دے گی۔ کریم اسے مراد وہ ہے جس کو کہ دی آتی ہو سو اگر ایسا شخص یہ بھی کہے کہ آگ میں گر پڑ تو وہ چونکہ من اللہ ہو گا اس کا کہا

مان لینا جائز ہے ورنہ کسی دوسرے کے کہنے سے اپنے کو ہلاک کرنا حرام ہے۔ خوب یاد رکھو تو جب انبیاء علیہم السلام کے کہنے سے اپنے کو ہلاک کر سکتے ہو تو حق تعالیٰ اگر احکام شاقہ کا حکم فرمادیں۔ جس میں کہ بظاہر تعب بھی ہو تو کیا حرج ہے اس لئے کہ اگر ان کے احکام کو بجالاؤ گے تو یہ ہوگا کہ۔

کوز آتش نرگس و نسرین کند	وز میانش غنچہا سر بر زند
کیونکہ وہ آگ سے نرگس اور نسرین بنا دیتا ہے	اس کے اندر سے غنچے کھلتے ہیں

یعنی کیونکہ وہ آگ میں نرگس ؤ نسرین کردیں گے اور اس کے درمیان سے غنچہ سر نکالیں گے یعنی وہ اگر احکام شاقہ کا بظاہر حکم بھی کریں تو وہ اس کو آسان فرمادیں گے۔

در حقیقت آتش از ہیبت چو ماست	گا ذر دستار خوان انبیاء است
در حقیقت آگ خوف سے پانی کی طرح ہے	وہ انبیاء کے دستر خوان کا دھوبی ہے

یعنی حقیقت میں آگ (ان کریموں کی) ہیبت کی وجہ سے مثل پانی کے ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے دسترخوان دھوبی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ کریم آگ میں گرنے کو کہیں تو گر جاؤ اس لئے کہ ان کی ہیبت سے آگ مضر نہیں رہی ہے اور غیر مضر ہونے میں پانی کی طرح ہوگئی ہے اور انبیاءؑ کی تو دھوبی ہے آگے حضرت انس بن مالکؓ کی حکایت لاتے ہیں کہ ان کا دسترخوان میلا تھا انہوں نے آگ میں ڈال دیا تو جلا نہیں بلکہ صاف ہوگیا تو دیکھو آگ غیر مضر اور گا ذر ہوگئی اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ انبیاء علیہم السلام نے جب ان لوگوں کو بہت نصیحت کی اور ان پر کچھ اثر نہ ہوا تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم نے ہر ایک کو بہت کچھ نصیحت مگر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ یہ لوگ جو اپنی گمراہی سے ٹھنڈا لوہا بنے ہوئے ہیں آخران کو ہم کب تک کوٹیں اور سوراخ دار پنجرے میں کب تک پھونک بھرنے کی کوشش کریں۔ یہ ایک وسوسہ تھا جس کو انہوں نے یوں دفع کر دیا کہ ہر چند کہ مخلوق کی حرکات بحکم قضا وقدر ہیں اور جب ادھر ہی سے مدد ہو اور ان کے اندر طلب پیدا ہو تب ہی کچھ ہوسکتا ہے کیونکہ بدوں طلب کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ دانت اسی وقت چلتے ہیں جب پیٹ میں بھوک کی آگ لگی ہوئی ہو۔ اور چونکہ حق سبحانہ ان کی عقول پر حاکم اور متصرف ہیں اور ان کو منظور نہیں اس لئے کچھ نہیں ہوتا اور یہ فساد جو ان میں پیدا ہوا ہے اوپر ہی سے ہے۔ جس میں کوئی حکمت مضمر ہے کیونکہ مچھلی سر ہی کی جانب سے سڑتی ہے دم سے نہیں سڑتی۔ یہ سب کچھ ہے لیکن ہم کو اس فقط علم ہی تک محدود رکھنا چاہئے اس کا اثر عمل پر نہ ہونا چاہئے اور کام برابر کرتے رہنا چاہئے کیونکہ جب حق سبحانہ نے یہ حکم تبلیغ فرمایا ہے تو اس کی اطاعت ضروری ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح انبیاءؑ نے قدر کا راز سمجھ کر نصیحت کو نہیں چھوڑا اسی طرح تم بھی نہ چھوڑو یہ مانا کہ تم نہیں

جانتے کہ تمہارا کیا حشر ہوگا لیکن تم کو اس وقت تک کوشش کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ تم کو نتیجہ معلوم ہو جاوے اور تم جان جاؤ کہ مقبول ہو یا مردود نیک ہو یا بد اور یہ مرنے کے بعد ہوگا۔ تو مرتے وقت تک کوشش سے دست بردار نہ ہونا چاہئے دیکھو جب کشتی پر بوجھ لادتے ہو تو یہ کام تمہارا محض توکل ہی پر ہوتا ہے تم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تم دو فریق میں سے کس فریق میں ہو آیا ڈوب جاؤ گے یا بچ جاؤ گے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ صاحب جب تک میں یہ نہ جان لوں گا کہ میں ڈوبنے والا ہوں یا بچنے والا اس وقت تک نہ کشتی پر سوار ہوں گا نہ دریا میں چلوں گا۔ پس پہلے تم مجھے بتا دو کہ میں کس فریق میں ہوں آیا ڈوب جاؤں گا یا بچ جاؤں گا تب چلوں گا ورنہ میں اوروں کی طرح خالی امید اور محض گمان پر نہ جاؤں گا تو اس صورت میں تم سے ہرگز سوداگری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان دونوں پہلوؤں کی حقیقت پردہ غیب میں مستور ہے۔ دیکھو جو تاجر ڈرپوک اور نازک مزاج ہوتا ہے طلب دولت کے بارہ میں نہ اس کو فائدہ ہوگا نہ نقصان کیونکہ یہ دونوں باتیں تجارت کرنے کے بعد ہوتی ہیں اور وہ ڈر کے مارے تجارت ہی نہیں کرتا بس اس سے نفع یا نقصان کیونکر ہو بلکہ اگر نظر کو غائر کیا جاوے تو اس حالت میں اس کو نقصان ہی ہوگا کیونکہ محروم اور ذلیل ہوگا نور اس کو ملتا ہے جو آگ کھائے یعنی راحت جفاکش ہی اٹھاتا ہے پس چونکہ ہر کام کا مدار توقع اور امید پر ہے لہٰذا دین کا کام اس کا زیادہ مستحق ہے کہ احتمالات کی بناء پر اس کو نہ چھوڑا جاوے اور یہی صورت رہائی کی ہے۔ دین کے معاملہ میں بجز امید کے اور کسی طرح دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت ہی نہیں صرف یہ اجازت ہے کہ امید رکھو اور کام کرو۔ نہ اس کی اجازت ہے کہ کام چھوڑ دو اور نہ اس کی کہ تم نتیجہ کے پیچھے پڑو۔ دیکھو امید ہی وہ شے ہے جو آدمی کو ہر کام پر آمادہ کرتی ہے خواہ اس میں اس کو کتنی ہی مشقت برداشت کرنی پڑے اور خواہ اس کی گردن سوکھ کر کانٹا ہو جاوے۔ مثلاً تاجر جب صبح کو دوکان پر جاتا ہے تو رزق کی ضرور امید ہوتی ہے کیونکہ اگر امید نہیں ہوتی تو پھر کیوں جاتے ہو اور اگر محرومی کا خوف ہے تو تم کیسے اس کام پر مضبوط ہو۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ روٹی کمانے کے بارہ میں حرمان ازلی کا خوف بھی سامنے ہے مگر کاہلی میں یہ خوف اور بھی زیادہ ہے وہاں اگر احتمال تھا تو یہاں یقین ہے اور کوشش ہی میں کامیابی کی امید زیادہ ہے اور ترک سعی میں تو غلبہ حرمان ہی کو ہے پس دین کے کام میں خوف نقصان تمہارا دامن گیر کیوں ہوتا ہے اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں یا تو یہ کہ تم نہیں دیکھتے کہ اس بازار کے تاجر انبیاء اور اولیاء سعی کی بدولت کیسے کیسے نفعے اٹھا رہے ہیں اور دکان پر جانے سے ان کو کس قدر دولتیں مل رہی ہیں اور بازار میں ان کو کس قدر نفع ہوا ہے کہ بعض کے لئے آگ خلخال کی طرح مطیع ہو گئی بعض کا سمندر باربردار ہوا ہے اور بعض کے ہاتھوں مردے زندہ ہوئے ہیں اور بعض پر ابر سایہ کرتا تھا اور بعض کے ہاتھ میں لوہا موم ہو گیا اور بعض کی ہوا محکوم تھی۔ بعض کے لئے دفع دشمن کے واسطے لکڑی سانپ بن گئی اور بعض کی حفاظت کے لئے مکڑی نے جالا بنا دیا اور کچھ ایسے ہیں جو مخفی ہیں اور مخلوق میں مشہور نہیں۔ وہ دولت ہر قسم کی رکھتے ہیں لیکن ان کے کمال پر کسی کی نظر نہیں پڑتی۔ ان کو شرف بھی حاصل ہے اور قرب بھی مگر با ایں ہمہ ابدال تک بھی ان کا نام نہیں سنتے یا یہ کہ تمہیں حق سبحانہ کی عنایتیں معلوم نہیں کہ وہ خود تمہیں بلا رہے ہیں کہ ارے ادھر آ تمام عالم اس کے انعام سے پر ہے اور ہر طرف اس کے وجود اس کی وحدانیت اس کی عظمت وجلال اس کے لطف وکرم کی شہادتیں موجود

ہیں پس تم کو ان باتوں پر غور کرنا چاہئے اور اطاعت پر کمر بستہ ہونا چاہئے اور اگر کوئی بھی کریم تم سے یہ بھی کہے کہ تم آگ میں کود پڑو تب بھی اندیشہ ضرر کو پیش نظر نہ رکھنا چاہئے بلکہ اس میں فوراً کود پڑنا چاہئے کیونکہ وہ آگ ہی سے نرگس و نسرین منافع دنیویہ واخرویہ پیدا کر دے گا۔ اور اسی میں انواع واقسام کے پھول کھلیں گے۔ آگ تمہارے نزدیک آگ ہے اس کے سامنے تو مارے ڈر کے پانی ہے اور ممکن نہیں کہ خلاف منشاء کوئی تصرف کر سکے وہ تو انبیاء کے دستر خوان کا دھوبی ہے پس ان کے حکم کے ہوتے ہوئے کیسے ضرر پہنچا سکتی ہے اب وہ قصہ سنو جس سے معلوم ہو کہ آگ انبیاء کے دستر خوان کا دھوبی ہے۔

شرح شبّیری

حکایت انس بن مالکؓ کی رومال کو آگ میں ڈال دینے کی اور اس کے نہ جلنے کی

از انس فرزند مالک آمدہ است	کہ بمہمانے او شخصے شدہ است
انسؓ مالک کے بیٹے کی (بات) منقول ہے	کہ ایک شخص ان کا مہمان بنا

یعنی انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ان کی مہمانی میں ایک شخص ہوئے یعنی ایک شخص ان کے مہمان ہوئے۔

او حکایت کرد کز بعد طعام	دید انس دستار خوانرا زرد فام
اس نے بیان کیا ہے کہ کھانا کھانے کے بعد	(حضرت) انسؓ نے دسترخوان کو پیلا دیکھا

یعنی اس مہمان نے بیان کیا کہ کھانے کے بعد انسؓ نے دستر خوان کو زرد فام دیکھا یعنی شوربا لگا ہوا دیکھا۔

چرکن و آلودہ گفت ای خادمہ	اندر افگن در تنورش یک دمہ
میلا اور سنا ہوا فرمایا اے لونڈی!	ایک دم اس کو تنور میں ڈال دے

یعنی میلا اور آلودہ دیکھا تو فرمایا کہ اے خادمہ اس کو ایک دم کے لئے تنور میں ڈال دے۔

در تنور پرز آتش در فگند	آن زمان دستار خوانرا ہوشمند
آگ بھرے تنور میں ڈال دیا	فوراً دستر خوان کو (اس) ہوشمند نے

یعنی تنور آگ کے بھرے ہوئے میں اس ہوشمند نے اسی وقت دستر خوان کو ڈال دیا۔

جملہ مہمانان دران حیران شدند	انتظار دود کندوری بدند
سب مہمان اس (معاملے) میں حیران ہو گئے	دستر خوان کے دھوئیں کے منتظر تھے

یعنی سارے مہمان اس بات میں حیران تھے اور دستر خوان کے دھویں کے منتظر تھے یعنی منتظر تھے کہ وہ اب جلے گا اور دھواں اٹھے گا۔

بعد یک ساعت بر آورد از تنور	پاک و اسپید و ازان اوساخ دور
تھوڑی دیر کے بعد اس نے تنور سے نکالا	پاک اور سفید اور اس میل کچیل سے دور

یعنی بعد ایک گھڑی کے خادمہ نے تنور سے پاک اور سفید نکالا اور اس سے تمام میل کچیل دور تھے۔

قوم گفتند اے صحابی عزیز	چون نہ سوزید و منقی گشت نیز
لوگوں نے کہا اے معزز صحابی!	وہ کیوں نہ جلا اور صاف بھی ہوگیا

یعنی قوم نے کہا کہ اے صحابی عزیز یہ جلا کیوں نہیں (بلکہ) اور صاف بھی ہوگیا۔

گفت زانکہ مصطفے دست و دہان	بس بمالید اندریں دستار خوان
انہوں نے کہا اس لئے کہ مصطفیٰ نے ہاتھ اور منہ	اس دستر خوان سے بہت پونچھا ہے

یعنی فرمایا کہ اس لئے کہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ اور ہاتھ اس دستر خوان میں بہت پونچھے ہیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے دل ترسندہ از نار و عذاب	با چنان دست و لبے کن اقتراب
اے آگ اور عذاب سے ڈرنے والے دل!	ایسے ہاتھ اور ہونٹ سے نزدیک ہو جا

یعنی اے دل نار و عذاب سے ڈرنے والے تو ایسے دست و لب کے ساتھ نزدیکی حاصل کر لے۔

چون جمادے را چنین تشریف داد	جان عاشق را چہا خواہد کشاد
جب بے جان کو اس نے اتنی شرافت دیدی	عاشق کی جان کو کس قدر کشادگی دے گا؟

یعنی جبکہ ایک جماد کو ایسی خلقت عطا فرمائی تو جان کو تو کتنی کشادگی دیں گے (اور اب اس زمانہ میں) اقتراب اس دست و لب کے ساتھ یہ ہے کہ دست سے افعال سرزد ہوئے ہیں اور لب سے اقوال لہذا افعال و اقوال پر عمل کرنا یہی دست و لب کے ساتھ اقتراب ہے۔

مر کلوخ کعبہ را چون قبلہ کرد	خاک مردان باش اے جان در نبرد
کعبہ کے ڈھیلے کو جب اس نے قبلہ بنا دیا	اے جان! معرکہ میں مردان (حق) کی خاک بن جا

یعنی کعبہ کے ڈھیلوں کو جب قبلہ کر دیا تو تو اے جان مردان (حق) کے مقابلہ (نفس) میں خاک ہو جا مطلب یہ کہ دیکھ لو کہ ابراہیم علیہ السلام کا دست مبارک لگنے سے کعبہ کے اینٹ پتھر قبلہ ہو گئے تو بس تو بھی خاک مردان حق ہو جا کہ اس سے کام چلے گا اور نفس کے مقابلہ میں اسی وقت تم کو کامیابی ہوگی۔

بعد ازان گفتند باآن خادمہ	تو نگوئی حال خود باایںہمہ
اس کے بعد انہوں نے اس خادمہ سے کہا	یہ سب کچھ ہوتے ہوئے تو اپنا حال نہیں بتاتی

یعنی بعد اس کے سب نے اس خادمہ سے کہا کہ تو اپنا حال باوجود ان سب باتوں کے نہیں کہتی۔ مطلب یہ کہ ان کو تو اعتماد تھا اس وجہ سے انہوں نے کہہ دیا مگر تجھے تو چاہئے تھا کہ پوچھ لیتی باوجود خوف جلنے کے پھر تو نے ڈال دیا تو تو ذرا اپنا حال بیان کر کہ تجھے کیا ہو گیا تھا۔

چون فگندی زود ایں از گفت وے	گیرم او بردست در اسرار پے
ان کے کہنے سے تو نے جلدی سے کیوں ڈال دیا؟	میں نے مانا کہ ان کو رازوں کا پتہ لگ گیا تھا

یعنی ان کے کہنے سے تو نے جلدی سے کس طرح ڈال دیا ہم نے فرض کیا کہ وہ اسرار میں قدم لے گئے ہیں یعنی ہم نے فرض کیا کہ ان کو تو اسرار پر اطلاع تھی لہذا انہوں نے کہہ دیا تجھے کیا ہو گیا تھا کہ تو نے اس کو آگ میں جھونک دیا۔

اینچنیں دستار خوان قیمتے	چون فگندی اندر آتش ای ستی
ایسا قیمتی دستر خوان	اے بی بی! تو نے آگ میں کیسے ڈال دیا؟

یعنی ایسا قیمتی دستر خوان اری بی تو نے آگ میں کیونکر ڈال دیا۔

گفت دارم بر کریمان اعتمید	از عباداللہ دارم بس امید
اس نے کہا مجھے بزرگوں پر اعتماد ہے	میں اللہ کے (نیک) بندوں سے بہت امید رکھتی ہوں

یعنی اس خادمہ نے کہا کہ مجھے کریموں پر اعتماد ہے اور میں اللہ کے بندوں سے بہت امید رکھتی ہوں مطلب یہ کہ مجھے اعتماد تھا کہ اس میں کوئی مصلحت ہوگی اور مجھے تو اللہ کے بندوں سے بڑی بڑی امیدیں ہیں یہ تو کوئی بات نہ تھی۔

میز رے چہ بود اگر او گویدم	در رواندر عین آتش بے ندم
تو بند کیا ہوتا ہے اگر وہ مجھے کہیں	بلا جھجک آگ میں چلی جا
اندر افتم از کمال اعتقید	نیستم از اکرام انسیان نا امید
کہ اعتقاد کی وجہ سے اندر گھس جاؤں	میں ان کے کرم سے ناامید نہیں ہوں

یعنی کپڑا تو کیا اگر وہ مجھے فرماویں کہ عین آتش میں چلی جا تو بے پشیمانی کے میں کمال اعتقاد کی وجہ سے چلی جاؤں اور میں ان کے اکرام سے ناامید نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ ان پر مجھے اس قدر اعتماد اور اعتقاد ہے کہ اگر خود مجھے بھی آگ میں جانے کو کہیں تو میں خود بھی آگ میں چلی جاؤں اور اس کا یہ کہنا چونکہ غلبہ حال میں ہے لہذا بوجہ معذوری کے معاف ہے ورنہ بے غلبہ حال کے کسی غیر نبی کے کہنے سے ایسا کرنا اہلاک نفس ہے جو کہ حرام ہے اور کہتی ہے کہ۔

سر در اندازم نہ این دستار خوان	ز اعتماد بر کریم راز دان
میں اپنا سر ڈال دوں نہ (صرف) یہ دستر خوان	راز داں کریم کے بھروسے پر

یعنی میں تو سر ڈال دوں نہ کہ یہ دستر خوان بوجہ اعتماد ہر کریم راز دان کے یعنی چونکہ مجھے اعتماد ہے کہ یہ جو کر رہے ہیں اس میں مصلحت ہے لہٰذا دستر خوان تو کیا میں تو سر ڈالنے کو موجود ہوں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے برادر خود برین اکسیر زن	کم نباید صدق مرد از صدق زن
اے بھائی! اپنے آپ کو اس اکسیر سے رگڑ دے	مرد (کے اعتقاد) کی سچائی عورت کی سچائی سے کم نہیں ہونی چاہئے

یعنی اے بھائی اپنے کو اس اکسیر پر مار اور مرد کا صدق صدق زن سے کم تو نہ ہونا چاہئے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ اس کو اعتماد تھا اور اس نے ان حضرات سے تعلق پیدا کر کے اپنے کو کامل بنالیا تھا اسی طرح تم بھی اولیاء اللہ اور کاملین سے تعلق پیدا کرو کہ تم بھی کام کے ہو جاؤ گے۔ بھلا ایک عورت سے تو کم مت ہو۔

آن دل مردے کہ از زن کم بود	آن دلے باشد کہ کم ز اشکم بود
مرد کا وہ دل جو عورت کے دل سے کم ہو	وہ ایسا دل ہے جو پیٹ سے کم ہے

یعنی وہ دل اس مرد کا کہ جو عورت سے کم ہووے وہ وہ دل ہو جو شکم سے بھی (مرتبہ میں) کم ہے یعنی ذلیل و خوار ہونے میں وہ شکم سے گیا گزرا ہو چونکہ اوپر کہا تھا کہ ایسے حضرات کے دست و لب سے اقتراب حاصل کر و اس کے مناسب آگے حکایت لاتے ہیں کہ ایک حبشی غلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے چہرہ پر پھیر لیا تو اس کا چہرہ روشن ہو گیا تو اسی طرح اگر تم اس سے اقتراب پیدا کرو گے تو تمہارے قلوب اور چہرے سب روشن ہو جاویں گے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (واللہ اعلم بصحتہ) کہ ان کے یہاں ایک مہمان آئے۔ ان مہمان صاحب نے بیان کیا کہ کھانے سے فراغت پانے کے بعد انسؓ نے دستر خوان کو شوربے میں زرد اور میلا اور سالن میں سنا ہوا دیکھا تو لونڈی سے فرمایا کہ اس کو تھوڑی دیر تنور میں ڈال دو اس نے آگ سے لبریز تنور میں اس کو ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر تمام مہمان حیران ہوئے اور منتظر تھے کہ اب دستر خوان جلے گا اور اس سے دھواں نکلے گا تھوڑی دیر کے بعد جو دستر خوان نکالا تو پاک صاف اور سفید تھا۔ میل کچیل کچھ بھی باقی نہ رہا تھا لوگوں نے دریافت کیا اے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ صاف کیوں کر ہو گیا جلا کیوں نہیں انہوں نے فرمایا کہ وجہ یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دستر خوان سے ہاتھ منہ پونچھا تھا یہ وجہ ہے نہ جلنے کی پس اس سے تم ہمارے بیان کی تصدیق کرو اور عبرت پکڑو اور واضح ہو کہ تم کو جو آگ اور عذاب کا ڈر ہے اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ اس ہاتھ اور منہ سے تقرب حاصل کرو یعنی محبت اور اطاعت آنجناب پیدا کرو تم اس خوف سے مامون ہو جاؤ گے تم سمجھو کہ جنہوں نے ایک

جماد کو صوری اتصال اور قرب کی بدولت یہ شرف بخشا کہ وہ ضرر آتش سے محفوظ ہو گیا تو جان عاشق جس کو معنوی اتصال وقرب ہے اس پر کس قدر کرم کے دروازہ کھولیں گے اور اس پر کیا کیا عنایتیں نہ ہوں گی۔ دیکھو تو سہی آپ نے کعبہ کے پتھروں کو کیونکر قبلہ بنادیا اور اس کو کس قدر شرف عطا کیا۔ پس ان واقعات سے عبرت حاصل کرو اور مردان خدا کی خاک ہو جاؤ اپنے کو ان کے سامنے فنا کردو۔ دیکھو اس خادمہ نے اپنے کو کیونکر فنا کر رکھا تھا چنانچہ جب لوگ حضرت انس سے جواب سن چکے تو اس خادمہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم اپنی حالت کیوں نہیں بیان کرتیں کچھ تم بھی تو کہو ہم نے مانا کہ ان کو راز معلوم تھا اس لئے انہوں نے بے تکلف حکم دیدیا مگر تم کو تو راز معلوم نہ تھا تم نے ان کے کہنے سے اس قدر جلد دستر خوان کو آگ میں کیوں ڈال دیا اور اس قدر قیمتی دستر خوان کو آگ کے حوالہ کیسے کر دیا اس نے جواب دیا کہ مجھے اہل اللہ پر پورا بھروسہ ہے اور مجھے حق سبحانہ کے خالص بندوں سے بڑی امیدیں ہیں ازار کیا چیز ہے اگر وہ مجھ سے بھی کہیں کہ بے کھٹکے آگ میں گھس جا۔ تو مجھے ان سے اتنا اعتقاد ہے کہ فوراً آگ میں گر پڑوں۔ مجھے ان حضرات کی عنایت سے بہت کچھ امیدیں ہیں اور میں ناامید نہیں ہوں۔ اس لئے میں ہر اہل اللہ کے اعتماد پر صرف دستر خوان ہی نہیں بلکہ سر تک آگ میں جھونکنے کے لئے تیار ہوں۔ بس جب ایک عورت کے اعتقاد اور خلوص کی یہ حالت ہے تو تم کو عورت سے تو کم نہ ہونا چاہئے اور خود بھی کمال اعتقاد حاصل کر کے کندن ہو جانا چاہئے۔ یاد رکھو کہ جس مرد کا دل عورت کے دل سے بھی کم ہو وہ دل دل نہیں بلکہ پیٹ سے بھی ادنیٰ ہے کہ وہ جس کام کا ہے اس کو انجام دے رہا ہے اور یہ اپنے فرض سے غافل ہے اس پر نظر کر کے تم کو ان کے اکرام سے ناامید نہ ہونا چاہئے اور اعتماد کرنا چاہئے اور ان سے اتصال روحانی حاصل کرنا چاہئے کیونکہ یہ بڑے کریم ہیں اور ان کے ساتھ صوری اتصال میں بھی بڑی برکت ہے چہ جائیکہ معنوی۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کی تصدیق تم کو قصہ ذیل سے ہوگی۔

شرح شبیری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عرب کے قافلہ کی فریاد کو پہنچنا کہ تشنگی اور بے آبی کی وجہ سے عاجز ہو رہا تھا اور دل موت پر رکھے ہوئے تھا اور ان کے جانور بھی قریب بہ ہلاکت تھے

اندراں وادی گروہے از عرب	خشک شد از قحط باراں شاں قرب
اس وادی میں عرب کے ایک گروہ کی	مشکیں بارش کے قحط کی وجہ سے خشک ہو گئی تھیں

یعنی اس جنگل میں ایک عرب کے گروہ کے قحط بارش کی وجہ سے مشکیزے خشک ہو گئے تھے (چونکہ مشک میں پانی بھرنے سے وہ تر رہتی ہے ورنہ خشک ہو جاتی ہے تو چونکہ پانی تھا نہیں لہذا ساری مشکیں خشک ہو گئی تھیں)

کاروان مرگ بر خود خواندۂ	درمیان آن بیابان ماندۂ
وہ قافلہ جس نے اپنی موت کو دعوت دی تھی	اس جنگل میں رہ گیا تھا

یعنی اس بیابان میں رہے ہوئے اور موت کے قافلہ کو اپنے اوپر بلائے ہوئے۔

مصطفےٰ پیدا شد از رہ بہر عون	ناگہانے آن مغیث ہر دو کون
مصطفیٰ مدد کے لئے راستہ سے نمودار ہو گئے	اچانک دونوں جہان کے فریاد رس

یعنی ناگہاں وہ دونوں جہاں کے فریادرس (یعنی) مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ سے مدد کے واسطے پیدا ہو گئے یعنی ناگہاں اس جنگل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی گزر ہوا۔

بر تف ریگ ورہے صعب و سترگ	دید کانجا کاروانے بس بزرگ
ریت کی گرمی اور بڑے سخت راستہ پر	انہوں نے وہاں ایک بڑا قافلہ دیکھا

یعنی آپ نے ایک بہت بڑے قافلہ کو گرم ریت اور ایک بڑی سخت راہ پر دیکھا۔

خلق اندر ریگ ہر سو ریختہ	اشتران شان را زبان آویختہ
لوگ ریت میں ہر جانب بکھرے ہوئے	ان کے اونٹوں کی زبانیں لٹکی ہوئی

یعنی ان کے اونٹ زبان ڈالے ہوئے تھے اور لوگ ریتے میں ہر طرف پڑے ہوئے تھے۔

چند بارے سوئے آن کثبان دوید	رحمش آمد گفت ہین زوتر روید
چند یار ان ٹیلوں کی جانب دوڑو	ان کو رحم آیا فرمایا آگاہ! جلد جاؤ

یعنی آپ کو رحم آیا تو فرمایا کہ ہاں جلدی سے جاؤ۔ چند آدمی ان ٹیلوں کی طرف جاؤ۔

سوئے میر خود بزودی می برد	کہ سیاہے بر شتر مشک آورد
اپنے آقا کی جانب تیزی سے لے جا رہا ہے	کہ ایک حبشی اونٹ پر مشک لا رہا ہے

یعنی ایک حبشی اونٹ پر مشک لا رہا ہے اور اپنے امیر کی طرف جلدی سے لے جا رہا ہے۔

سوئے من آرید با فرمان مر	آن شتربان سیہ را با شتر
سختی سے میرے پاس لے آؤ	اس حبشی اونٹ والے کو مع اونٹ کے

یعنی اس حبشی اونٹ والے کو معہ اونٹ کے میرے پاس حکم قطعی کے ساتھ لاؤ مطلب یہ کہ اس کی رضا لینے کی حاجت نہیں ہے بس حکم قطعی ہے کہ اس کو میرے پاس لے آؤ۔

بعد یک ساعت بدیدند آنچنان	سوئے کثبان آمدند آن طالبان
تھوڑی دیر بعد انہوں نے ویسا ہی دیکھا	وہ تلاش کرنے والے ٹیلوں کی جانب پہنچے

یعنی وہ تلاش کرنے والے ٹیلوں کی طرف آئے تو ایک گھڑی کے بعد انہوں نے ویسا ہی دیکھا۔

بندۂ می شد سیہ با اشترے	راویہ پر آب چون ہدیہ برے
حبشی غلام مع اونٹ کے جا رہا تھا	ہدیہ لے جانے والے کی طرح مشک بھرے ہوئے

یعنی ایک غلام حبشی معہ ایک اونٹ کے مشک پانی سے بھری ہوئی ہدیہ لے جانے والے کی طرح جا رہا ہے

یعنی بہت اہتمام سے وہ اس مشک کو لے جا رہا ہے

پس بدو گفتند می خواند ترا	ایں طرف فخر البشر خیر الوریٰ
انہوں نے کہا میں ان کو نہیں جانتا وہ کون ہیں؟	انہوں نے کہا وہ چاند جیسے چہرے شکر جیسی عادت والے (ہیں)

پس ان لوگوں نے کہا کہ تجھے اس طرف فخر البشر اور خیر الوریٰ بلا رہے ہیں۔

گفت من نشناسم اور اکیست او	گفت او آن ماہ روئے قند خو
اس نے کہا میں ان کو نہیں جانتا وہ کون ہیں؟	انہوں نے کہا وہ چاند جیسے چہرے شکر جیسی عادت والے (ہیں)

یعنی اس نے کہا کہ میں ان کو نہیں پہچانتا کہ وہ کون ہیں تو صحابہ نے فرمایا کہ وہ ماہرو اور قند خو ہیں۔

سید و سرور محمدؐ نور جان	مہتر و بہتر شفیع مجرمان
سید ' اور سردار محمدؐ جو جان کا نور ہیں	سب سے بالا اور سب سے اعلیٰ گنہگاروں کے شفیع

یعنی سید اور سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم نور جان مہتر اور بہتر اور مجرموں کے شافع"

نوعہا تعریف کردندش کہ ہست	گفت مانا اومگر آن ساحراست
انہوں نے ان کی اس طرح کی تعریف کی جو تھی	اس نے کہا ہاں وہ شاید وہی جادو گر ہے

یعنی ان کی قسم قسم کی تعریفیں کیں کہ وہ (ایسے) ہیں تو بولا کہ شاید وہ فلاں ساحر ہیں۔

کہ گروہے راز بون کرد او بسحر	من نیایم جانب او نیم شبر
اس نے ایک جماعت کو جادو سے مغلوب کر دیا ہے	میں اس کی جانب آدھی بالشت نہ جاؤں گا

یعنی کہ ایک گروہ کو انہوں نے جادو سے مغلوب کر رکھا ہے تو میں ان کی طرف آدھی بالشت بھی نہ آؤں گا۔

کش کشانش آوریدند آن طرف	او فغان برداشت بر تشنیع وتف
وہ اس کو کھینچ تان کر کے ادھر لے آئے	اس نے برا کہنے اور گرم مزاجی میں شور شروع کر دیا

یعنی اس کو کھینچتے ہوئے اس طرف کو لائے اور وہ تشنیع وطعن میں غل مچا رہا تھا۔

چون کشیدندش بہ پیش آن عزیز	گفت نوشید آب و بردارید نیز
جب وہ اس کو ان معزز کے سامنے کھینچ لائے	انہوں نے فرمایا پانی پی لو اور لے بھی لو

یعنی جبکہ وہ اس کو اس عزیز کے سامنے لائے تو فرمایا کہ پانی پیو اور رکھ بھی لو۔

جملہ رازان مشک او سیراب کرد	اشتران و ہر کسے زان آب خورد
انہوں نے اس مشک سے سب کو سیراب کر دیا	اونٹوں اور ہر شخص نے اس سے پانی پیا

یعنی سب کو آپ نے اس مشک سے سیراب فرمایا۔ اونٹوں نے اور ہر شخص نے اس پانی سے پیا"۔

راویہ پر کرد و مشک از مشک او	ابر گردوں خیرہ شد از رشک او
مشک اور پکھال اس کی مشک سے بھر لی	آسمان کا ابر اس کے رشک سے حیران رہ گیا

یعنی بڑی اور چھوٹی سب مشکیں اس کی مشک سے بھر لیں اور ابر آسمانی بھی آپ کے رشک سے حیران رہ گیا یعنی اس کو حیرت تھی کہ میں بھی اس قدر فیاض نہیں ہوں جیسے کہ آپ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں کسے دیدہ است کز یک راویہ	سرد گردد سوز چندین ہاویہ
یہ کسی نے دیکھا ہے کہ ایک پکھال سے	اتنی دوزخوں کی سوزش ٹھنڈی ہو جائے

یعنی یہ کسی نے دیکھا ہے کہ ایک مشک سے اتنی دوزخوں کی آگ بجھ گئی ہو۔

این کسے دیدست کز یک مشک آب	گشت چندین مشک پر بے اضطراب
یہ کسی نے دیکھا ہے کہ ایک مشک پانی سے	بغیر پریشانی کے اتنی مشکیں بھر جائیں

یعنی یہ کسی نے دیکھا ہے کہ پانی کی ایک مشک سے اتنی مشکیں بے کسی اشکال کے بھر گئی ہوں۔

مشک خود روپوش بود و موج فضل	می رسید از امر او از بحر اصل
مشک آڑ تھی اور (اللہ کے) فضل کی موج	اس (اللہ تعالیٰ) کے حکم سے اصل سمندر سے پہنچ رہی تھی

یعنی مشک خود ایک حجاب تھا (ورنہ) فضل کی موج حکم حق سے دریائے اصل سے پہنچ رہی تھی یعنی یہ مشک تو ایک درمیان میں واسطہ اور حجاب تھی ورنہ اصل میں تو پانی دریائے اصل اور بحر رحمت میں سے آ رہا تھا آگے اس کے استعجاب کو دور فرماتے ہیں کہ۔

آب از جوشش ہمی گردد ہوا	واں ہوا گر دد ز سردی آبہا
پانی اس کے جوش سے ہوا بن جاتا ہے	ہوا ٹھنڈک سے پانی بن جاتی ہے

یعنی پانی اپنے جوش سے ہوا بن جاتا ہے اور وہ ہوا سردی کی وجہ سے پانی ہو جاتی ہے مطلب یہ کہ دیکھو اسباب ظاہری سے اکثر اوقات ہوا پانی بن جاتی ہے اور پانی ہوا بن جاتا ہے لیکن۔

بلکہ بے اسباب و بیروں زیں حکم	آب رویانید تکوین از عدم
بلکہ بغیر اسباب کے اور ان حکمتوں کے علاوہ	(اللہ کی) ایجاد نے عدم سے پانی پیدا کر دیا

یعنی بلکہ بے اسباب کے اور اس حکم سے باہر تکوین عدم سے پانی اگاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اسباب ظاہری سے تو ہوا سے پانی اور پانی سے ہوا بن جاتے ہیں لیکن بعض مرتبہ اس کے خلاف بھی ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہو رہا تھا کہ بے اسباب ظاہری کے حکم تکوینی عدم سے اس پانی کو پیدا کر رہا تھا اور یہ پانی آ رہا تھا آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو ز طفلی چوں سببہا دیدهٔ	در سبب از جہل بر چفسیدهٔ
چونکہ تو نے بچپن سے اسباب پر نظر رکھی ہے	تو نادانی سے سبب سے چمٹ گیا ہے

یعنی تو نے بچپن سے جب اسباب کو دیکھا ہے تو جہل کی وجہ سے سبب پر چپکا ہوا ہے۔

با سببہا از مسبب غافلے	سوئے این روپوشہا زان مائلی
تو اسباب کی وجہ سے سبب پیدا کرنے والے سے غافل ہے	اس وجہ سے تو ان آڑوں کی طرف مائل ہے

یعنی تو اسباب میں مسبب سے غافل ہے اور ان حجابات کی طرف اس وجہ سے مائل ہے۔

چوں سببہا رفت بر سر میزنی	ربنا و ربنا ها می کنی
جب اسباب فنا ہو جاتے ہیں تو سر پیٹتا ہے	اے ہمارے رب! اے ہمارے رب! بہت کرتا ہے

یعنی جب اسباب جاتے رہے تو سر پیٹتا ہے اور ربنا ربنا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اے انسان تو نے چونکہ بچپن سے ان اسباب ہی کو دیکھا ہے اس لئے تیری نظر میں صرف اسباب ہی ہیں اور تو مسبب سے غافل ہو رہا ہے اور تیری سمجھ میں بے اسباب ظاہری کے اس طرح پانی کا پیدا ہو جانا نہیں آتا۔ لیکن جب اسباب فنا ہو جاتے ہیں اور قضا و قدر کی طرف سے کوئی امر واقع ہوتا ہے تو اس وقت دعائیں کرتا ہے اور حق تعالیٰ کو پکارتا ہے کہ اے اللہ اسباب تو ہیں نہیں اب آپ ہی بچائیے اور آپ ہی پناہ دیجئے جب یہ دعا کرتا ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

رب مے گوید برو سوئے سبب	چون ز صنعم یاد کردی ای عجب
اللہ (تعالیٰ) فرما دیتا ہے سبب کی طرف جا	تعجب ہے تو نے میری کاریگری کو کیسے یاد کیا؟

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسباب ہی کی طرف جا تعجب ہے کہ تو نے مصنوع سے مجھے یاد کیا مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے مصنوع کو چھوڑ کر مجھے یاد کیا تو تو ہمیشہ اسباب ہی کی طرف متوجہ رہتا تھا تو اب کیوں اس طرف متوجہ ہوا جا اسباب ہی کی طرف جا جب ادھر سے یہ ارشاد ہوتا ہے تو انسان کہتا ہے کہ۔

گفت زیں پس من ترا بینم ہمہ	ننگرم سوئے سبب وان دمدمہ
(بندہ) کہتا ہے اس کے بعد صرف تجھ پر نظر رکھوں گا	سبب اور اس فریب کی جانب نظر نہ کروں گا

یعنی کہتا ہے کہ اس کے بعد میں بالکل تجھے ہی دیکھوں گا میں سبب اور مکر و فریب کی طرف نہ دیکھوں گا۔

یعنی انسان اس ارشاد حق کو سن کر عرض کرتا ہے کہ یا الٰہی اب آئندہ اسباب کی طرف نظر نہ کروں گا اور اب تو ہمیشہ

تمام امور کو آپ ہی کی طرف سے سمجھوں گا۔

گویدش رد والعادوا کارتست	اے تو اندر توبہ و میثاق سست
(اللہ تعالیٰ) اس سے فرمائے گا ردوالعادوا تیرا کام ہے	اے وہ! کہ تو توبہ اور عہد میں کمزور ہے

یعنی حق تعالیٰ اس سے فرماتے ہیں کہ تیرا کام ردوالعادوا ہے اے وہ کہ تو توبہ اور عہد میں سست ہے (حق تعالیٰ قرآن شریف میں ارشاد فرماتے ہیں۔ ولو تریٰ اذ وقفوا علی النار فقالوا یالیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا و نکون من المؤمنین بل بدالھم ما کانوا یخفون من قبل ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکذبون) مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسان تو جو وعدہ کرتا ہے کہ میں آئندہ اسباب کی طرف متوجہ نہ ہوں گا یہ وعدہ اور توبہ بالکل سست ہے اور تو اس وعدہ اور میثاق پر پورا رہنے والا نہیں ہے اس لئے کہ تیری تو وہ حالت ہے اور تو تو ایسا بھولنے والا ہے کہ جب جہنم کو دیکھ لے گا اور اس کے عذاب کا مشاہدہ کر لے گا تو اس وقت کہے گا کہ اگر میں دنیا میں لوٹ جاؤں تو اس مرتبہ جا کر ضرور عبادت حق کروں اور ایمان لاؤں لیکن چونکہ ہم علیم ہیں ہم جانتے ہیں کہ تو وہاں جا کر بھی ہمیں بھول جاوے گا اور اسی طرح شرک و معاصی میں مبتلا ہو جاوے گا تو بالکل جھوٹا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تو پھر اسباب کی طرف متوجہ ہو گا اور تو ان اسباب ہی میں لگے گا اور اپنے کاموں کو اب بھی ہماری طرف سے نہ سمجھے گا اور یہ تیرا توبہ کرنا اور تیرے یہ عہد و میثاق سب سست ہیں لیکن خیر سن لے کہ۔

لیک من آن ننگرم رحمت کنم	رحمتم پرست بر رحمت تنم
لیکن میں اس کا خیال نہیں کرتا، رحمت کرتا ہوں	میری رحمت وسیع ہے میں رحمت سے کام لیتا ہوں

یعنی لیکن میں اس کو نہیں دیکھتا اور رحمت کرتا ہوں میری رحمت زیادہ ہے میں رحمت پر تلتا ہوں۔

ننگرم عہد بدت بدہم عطا	از کرم ایندم چو میخوانی مرا
میں تیرے برے عہد کو نہیں دیکھتا بخشش کرتا ہوں	کرم کی وجہ سے، جبکہ تو مجھے پکارتا ہے

یعنی میں تیرے عہد بد کو نہیں دیکھتا بلکہ کرم کی وجہ سے تجھے عطا دیتا ہوں جبکہ تو مجھے پکار رہا ہے

از من آید جملہ احسان و وفا	وز تو بد عہدی و نسیان و خطا
میری طرف سے سراسر احسان اور وفا ہے	تیری جانب سے بدعہدی اور کوتاہی اور خطا ہے

یعنی مجھ سے تو بالکل احسان اور وفا آتا ہے اور تجھ سے بدعہدی اور نسیان اور خطا آتا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے انسان اور اے بندہ اگر چہ تو سست عہد اور توبہ شکن اور وعدہ فراموش ہے لیکن جب تو ہماری طرف متوجہ ہوا اور تو نے ہمیں پکارا تو اب ہماری رحمت و کرم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تجھے بخشتے ہیں اور تجھ پر رحم کرتے ہیں تو نے ہمیشہ بدعہدی اور وعدہ فراموشی کی ہے اور ہم نے ہمیشہ کرم کیا ہے اور عطا کی ہے۔ لہذا اسی

بناء پر ہم اب بھی تجھ پر رحم کرتے ہیں اور تیری اس بدعہدی پر جس کا کہ ہمیں علم ہے کہ تو کرے گا نظر نہیں کرتے سچ یہ ہے کہ رحمت حق بہانہ می جوید جو کچھ کی ہے اور بدعہدی وغیرہ غرض جو کی ہے وہ سب ہماری طرف سے ہے۔ اور اس طرف سے کرم اور انعامات ہی ہیں خوب کہا ہے۔

ترے کرم میں کمی کچھ نہیں کریم ہے تو مرا قصور ہے جھوٹا امیدوار ہوں میں اور فرماتے ہیں کہ

نقصان ز قابل ست وگرنہ علی الدوام فیض سعادتش ہمہ کس را برابر ست۔ غرضکہ انسان وہ وعدہ فراموش اور عہد شکن ہے کہ اس پر جو کچھ بھی گزر جاوے یہ اس کو فوراً ہی بھلا دینے والا ہے آگے خود انسان کی معذوری اسباب میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک معذوری ہمیں را دیدۂ	حاصل آنکہ در سبب پیچیدۂ
لیکن تو معذور ہے تونے بھی دیکھا ہے	خلاصہ یہ ہے کہ تو سبب میں الجھا ہے

یعنی حاصل یہ کہ تو سبب میں لپٹا ہوا ہے لیکن تو معذور ہے کہ تو نے اسی کو دیکھا ہے مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ اے انسان حاصل اس ساری گفتگو کا یہ ہے کہ تو بالکل اسباب میں لپٹا ہوا ہے اور تیری نظر اسباب ہی پر ہے لیکن تو اس میں کسی درجہ میں معذور بھی ہے اس لئے کہ ہوش سنبھالا تو اسباب ہی پر نظر پڑی اب تو مجاہدات اور ریاضات کے بعد تو اس حالت کو رفع کر سکتا ہے اور نظر خالق اور صانع پر کر سکتا ہے غرضکہ اس وقت یہ پانی اسباب ظاہری کے خلاف بحر رحمت اور فضل حق سے آ رہا ہے اور سب کو سیراب کر رہا تھا۔

یا محمدؐ چیست ایں اے بحر خو	قافلہ حیران شدند از کار او
اے محمدؐ اے (دریا خصلت) یہ کیا ہے؟	ان کے کارنامے سے قافلہ حیران ہو گیا

یعنی قافلہ آپ کے کام سے حیران رہ گیا (اور سب چیخ اٹھے کہ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اے دریا خصلت یہ کیا ہے۔

غرقہ کردی ہم عرب ہم کرد را	کردۂ روپوش مشک خورد را
آپ نے عربوں کو بھی اور کردوں کو بھی اس میں ڈبو دیا	آپ نے ایک چھوٹی مشک کو آڑ بنایا

یعنی آپ نے ایک چھوٹی مشک کو حجاب کر لیا ہے اور عرب اور کرد سب کو غرق کر دیا ہے مطلب یہ کہ سارے قافلہ والے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزے سے حیران اور ششدر رہ گئے اور بول اٹھے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بظاہر تو اس مشک خورد کو حجاب بنالیا ورنہ اپنے معجزے سے تمام عرب اور عجم کو سیراب کر دیا۔ اور پانی سب میں پہنچا دیا۔ عرب و کرد بطور مبالغہ کے کہدیا مطلب یہ کہ اس میں سے سینکڑوں آدمیوں کو سیراب کر دیا۔ غرض کہ سارے کے سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کے قائل ہو گئے اور مان گئے کہ

الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

غرض کہ اس غلام کی مشک اسی طرح بھری رہی اور قافلہ سارا کا سارا سیراب ہوگیا۔ آگے اس کی مشک کے بھرے رہنے اور اس حبشی غلام کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے سپید ہو جانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح مبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ایک وادی میں عربوں کی ایک جماعت کی یہ حالت تھی کہ بارش نہ ہونے اور پانی نہ ملنے کے سبب ان کی مشکیں خشک ہوگئی تھیں اور اس میدان میں ایک قافلہ پڑا ہوا تھا جو شدت مصیبت سے اپنی موت کی دعائیں مانگ رہا تھا کہ دفعۃً ان کی مدد کے لئے ہر دو عالم کے فریادرس (دنیا میں بذریعہ دعا و ہدایت اور عقبیٰ میں بذریعہ شفاعت) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے آتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا قافلہ گرم ریت اور دور دراز اور کٹھن راستہ پر پڑا ہوا ہے یہ دیکھ کر آپ کو رحم آیا اور فرمایا کہ تم میں سے چند آدمی ان ٹیلوں پر جاؤ دیکھو ایک حبشی مشک لا رہا ہے اور اپنے آقا کی طرف تیز جا رہا ہے تم اس حبشی کو اونٹ سمیت میرے پاس جبراً لے آؤ۔ وہ متلاشی ٹیلوں پر آئے تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ویسا ہی دیکھا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک حبشی غلام اونٹ پر سوار ہے اور اس کے پاس ایک بڑی مشک پانی سے بھری ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کسی کے واسطے ہدیہ لئے جاتا ہو اس سے انہوں نے کہا کہ تم کو فخر البشر خیر الوریٰ اس طرف بلاتے ہیں۔ اس نے کہا میں نہیں جانتا فخر البشر خیر الوریٰ کون ہیں اس پر ان میں سے کسی نے کہا کہ ماہر و شیریں خصال سرور سید بہتر مہتر شفیع مجرماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایسی ہی اور تعریفیں کیں کیونکہ آپ واقع میں ایسے ہی ہیں اس نے کہا ہو نہ ہو یہ وہی جادوگر ہے جس نے اپنے جادو سے ایک بڑی جماعت کو مغلوب کر لیا میں اس کی طرف تو آدھ بالشت بھی نہ چلوں گا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہ خوشی سے نہیں آتا تو وہ کھینچتے ہوئے اس طرف لائے اس نے چلانا شروع کیا اور طعن وتشنیع اور جلی کٹی باتیں کہنی شروع کیں۔ مگر انہوں نے اس پر کچھ توجہ نہ کی اور لے ہی آئے جبکہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تم سب اس میں سے پانی پی لو اور اپنی اپنی مشکیں بھر لو آپ نے اسی مشک سے سب کو سیراب کر دیا اور آدمیوں اور اونٹوں سب نے اس سے خوب اچھی طرح پانی پی لیا۔ اور اس کی ایک مشک سے چھوٹی بڑی مشکیں بھی پر کر لیں وہ مشک یوں ہی پانی دے رہی تھی کہ ابر آسمانی کو اس پر رشک ہوتا تھا اور وہ بھی متحیر تھا کہ اتنا چھوٹا ظرف اور اس میں اس قدر پانی کسی نے ایسا دیکھا ہے کہ ایک مشک سے اتنی دوزخوں کی آگ بجھ جاوے۔ یعنی اتنے پیٹوں میں ٹھنڈک پڑ جاوے اور کسی نے یہ دیکھا ہے کہ ایک مشک سے بے زحمت اتنی مشکیں بھر جائیں اصل بات یہ ہے کہ مشک تو ایک آڑ تھی ورنہ یہ موج فضل بحکم خداوندی بحر قدرت بے پایان

سے آ رہی تھی اس کی قدرت نہایت وسیع ہے۔ دیکھو پانی بخارات بن کر ہوا بنتا ہے اور ہوا سردی پاکر پھر پانی بن جاتی ہے بلکہ اس نے نوع آب کو عدم محض سے پیدا کیا ہے جب اس کی قدرت اتنی وسیع ہے تو اس میں کیا راز ہے کہ مشک آب کو حجاب بنایا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ تم نے بچپن سے اسباب ہی کو دیکھا ہے اس لئے تم اسباب ہی کو لئے ہوئے ہو۔ اور بلا سبب کے کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔ تم نے سبب میں مشغول ہو کر اس مسبب کو بھلا دیا ہے جس نے خود اسباب کو بنایا اور اس سے پھر کران حجابوں کی طرف مائل ہو گئے ہو لیکن جب اسباب ختم ہو جاتے ہیں اس وقت تم بھی سر پیٹتے اور اے اللہ یہ کر دے اے اللہ وہ کر دے کہتے ہو اور حق سبحانہ کی قدرت کا اعتراف کرتے ہو اس وقت حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ اب تمہیں میرا بلا اسباب کے فاعل ہونا کیسے یاد آیا تم تو اسباب ہی کو سب کچھ مانتے تھے بس جاؤ اسباب ہی کو ذریعہ مقصود بناؤ۔ اس پر تم کہتے ہو نہیں اے اللہ اب میں تجھی کو سب کچھ سمجھوں گا اور اسباب جو کہ دھوکے کی ٹٹی ہیں ان پر کبھی نظر نہ کروں گا۔ اس پر حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ تم اپنے عہد و پیمان میں بڑے بودے ہو تمہاری تو یہ حالت ہے کہ دوزخ کو دیکھ کر بھی معاصی میں مبتلا ہو لیکن ہم تمہارے پاجی پن پر نظر نہ کریں گے بلکہ تم پر رحمت کریں گے کیونکہ ہماری رحمت وسیع ہے اور ہم رحیم ہیں ہم تمہارے جھوٹے عہد کو نہ دیکھیں گے بلکہ جب اس وقت تم ہم سے مانگ رہے ہو تو ہم اپنے کرم سے تمہیں دینگے ہمارا کام احسان و وفا ہے اور تمہارا کام بدعہدی۔ بھول اور غلطی۔ خیر خلاصہ یہ کہ تم اسباب میں لپٹے ہوئے ہو مگر ایک حد تک معذور ہو کہ تم نے آنکھ کھول کر اسباب ہی دیکھے ہیں اس لئے آڑ کی ضرورت ہوئی خیر جب یہ واقعہ ہوا تو قافلہ متحیر ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ آپ نے ایک چھوٹی سی مشک کو آڑ بنا کر اس میں اتنا پانی نکالا کہ تمام عربوں اور کردوں کو گویا کہ اس میں ڈبو دیا۔

شرح شبّیری

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے اس غلام کی مشک کا غیب سے بھر جانا اور اس حبشی غلام کا گورا چٹا ہو جانا

اے غلام اکنون تو پر بین مشک خود	تا نگوئی در شکایت نیک و بد
اے غلام! اب تو اپنی مشک کو بھرا ہوا دیکھ لے	تا کہ تو شکایت میں برا بھلا نہ کہے

یعنی اے غلام تو اب اپنی مشک بھری ہوئی دیکھ لے تا کہ تو شکایت میں برا بھلا نہ کہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ارے غلام اب دیکھ لے کہ تیری مشک بھری ہوئی ہے کبھی تو پھر شکایت کرے کہ میرا پانی

لے لیا۔ اور مجھے خالی چھوڑ دیا۔ ہم نے لیا ہے لیکن تیری مشک ویسی کی ویسی ہی بھری ہوئی ہے۔

آن سیہ حیران شد از برہان او	می دمید از لا مکان ایمان او
وہ حبشی ان کے معجزے سے حیران ہو گیا	غیب سے اس کا ایمان اگنے لگا

یعنی وہ حبشی آپ کی برہان سے حیران رہ گیا۔ اور اس کا ایمان غیب سے اگ رہا تھا۔ یعنی حبشی حضرت کا یہ معجزہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اور اس کے قلب میں ایمان آنا شروع ہو گیا۔ اور نور ایمان اس کے قلب میں چمکنے لگا۔

چشمۂ دید از ہوا ریزان شدہ	مشک او روپوش فیض آن شدہ
اس نے ایک چشمہ دیکھا جو فضا سے بہہ رہا تھا	اس کی مشک اس کی آڑ بن گئی تھی

یعنی اس نے ایک چشمہ دیکھا جو کہ ہوا میں سے گر رہا ہے اور اس کی مشک اس فیض کے لئے حجاب ہو رہی ہے۔

زان نظر روپوشہا ہم بردرید	تا معین چشمۂ غیبے رسید
اس نے اس نظر سے پردوں کو چاک کر دیا	یہاں تک کہ اس نے غیبی چشمہ کا جاری پانی دیکھ لیا

یعنی اس نظر سے حجابات کو بھی اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ چشمہ غیبی کے مقام اجراء تک پہنچ گئی۔ مطلب یہ کہ اسے ایک چشمہ نظر آیا کہ جو ہوا میں گر رہا ہے اور اس کی مشک اس کے لئے حجاب ہو گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اس مشک میں سے یہ پانی آ رہا ہے اس کے بعد اس کی نگاہ سے وہ حجاب مشک بھی اٹھ گیا اور اس نے خود اس چشمہ کو دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ایک چشمۂ آب ابل رہا ہے اس کو دیکھ کر اس کی یہ حالت ہوئی کہ۔

چشمہا پر آب کرد آندم غلام	شد فراموشش ز خواجہ وز مقام
اس وقت وہ غلام آنکھوں میں آنسو بھر لایا	اس سے ٹھکانا اور آقا فراموش ہو گیا

یعنی اس وقت غلام نے آنکھیں پر آب کر دیں اور اس کو آقا اور قیام گاہ فراموش ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اس معجزہ کو دیکھ کر وہ غلام رونے لگا اور اسے نہ آقا یاد رہا اور نہ اسے قیامگاہ یاد رہی وہ سب کو بھول گیا اور حیرت میں رہ گیا۔

دست و پائش ماند از رفتن براہ	زلزلہ افگند در جانش آلہ
اس کے ہاتھ پاؤں راستہ چلنے سے درماندہ ہو گئے	خدا نے اس کی حالت میں ہلچل پیدا کر دی

یعنی اس کے ہاتھ پاؤں راستہ میں چلنے سے رہ گئے۔ اور اس کی جان میں حق تعالیٰ نے زلزلہ ڈال دیا یعنی وہ اس حالت کو دیکھ کر ششدر ہو گیا اور کانپنے لگا۔ اور اس بات نے اسے ایک مرتبہ ہلا ڈالا اور اس پر حالت سکر طاری ہو گئی۔

باز بہر مصلحت بازش کشید	کہ بخویش آ باز روائے مستفید
(آنحضورؐ نے) پھر اس کو مصلحتاً کھینچا	کہ اے طالب فیض! ہوش میں آ جا (اور) واپس جا

یعنی پھر مصلحت کی وجہ سے اسے واپس کھینچ کیا کہ اے مستفید آپے میں آ اور پھر چل مطلب یہ کہ اس حالت کے بعد حق تعالیٰ نے اس کو سکر سے صحو کی طرف کھینچا کہ خودی میں اور ہوش میں آ کر سلوک طے کرا سکے کہ استغراق اور سکر کی حالت میں ترقی نہیں ہوتی بلکہ سکون رہتا ہے سلوک نہیں ہوتا اس لئے اس کو حالت سکر سے حالت صحو کی طرف لائے تا کہ ترقی ہو۔

وقت حیرت نیست حیرت پیش تست	ایں زماں در رہ در آ چالاک و چست
(یہ) حیرت کا وقت نہیں ہے حیرت پیش آنے والی ہے	اب ہوشیاری اور چستی سے راہ (ہدایت) پر آ جا

یعنی حیرت کا وقت نہیں ہے۔ حیرت تیرے آگے ہے اس وقت تو راہ میں چالاک و چست ہو کر آ۔ مطلب یہ کہ سکر سے صحو کی طرف لانے میں گویا یہ ارشاد تھا کہ یہ وقت حیرت کا نہیں ہے بلکہ اس وقت تو وقت سلوک ہے مقام حیرت آگے آوے گا۔ وہاں حیران ہونا۔ یہاں تو ہوش میں آ کر راستہ چلو یہاں سے وہ حضرات جو کہ استغراق اور بے خودی کو بزرگی سمجھتے ہیں سن لیں کہ دیکھئے مولانا رومؒ جیسے صوفی اور شیخ کامل جن کو کہ ہر طبقہ مانتا ہے فرماتے ہیں کہ سکر اور استغراق میں سلوک طے نہیں ہوتا اس لئے حالت سکر کے بدلنے کی ضرورت واقع ہوئی اور اس کو ہوش میں لایا گیا۔ غرضکہ جب اس کو حالت سکر سے افاقہ ہوا تو اس نے فرط جوش و محبت میں یہ کیا کہ۔

دستہائے مصطفےٰ بر رو نہاد	بوسہائے عاشقانہ بس بداد
اس نے مصطفیٰ کے ہاتھ (اپنے) چہرے پر رکھے	بہت سے عاشقانہ بوسے دیئے

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو منہ پر رکھا اور عاشقانہ بوسے بہت سے دیئے۔

مصطفےٰ دست مبارک بر رخش	آنزمان مالید و کرد او فرخش
مصطفیٰ نے بابرکت ہاتھ اس کے چہرے پر	اس وقت ملے اور اس کو بابرکت بنا دیا

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اس کے چہرہ پر اس وقت مل دیا تو اس نے اس کو فرخ کر دیا۔ مطلب یہ کہ جب اس نے دست مبارک پر بوسے دیئے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے چہرہ پر پھیر دیا اور اس ہاتھ پھیرنے نے اس کو خوش نصیب اور نیک نہاد کر دیا۔

شد سپید آن زنگئ زادہ حبش	ہمچو بدر و روز روشن شد شبش
وہ زنگی حبش کی اولاد سفید ہو گیا	چودھویں کے چاند کی طرح اور اس کی رات روشن دن بن گئی

یعنی وہ زنگی زادہ حبشی سفید ہو گیا اور اس کی رات روز روشن اور بدر کی طرح ہو گئی۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پھیر دینے سے وہ حبشی حسین اور خوبصورت ہو گیا اور اس کی صورت جو رات کی طرح کالی تھی وہ بدر اور روز روشن کی طرح ہو گئی۔

گفتش اکنوں روبدو داگوئی حال	یوسفے شد در جمال و در دلال
انھوں نے اس سے فرمایا اب گاؤں چلا جا حال بیان کر دے	حسن اور ناز و انداز میں یوسف بن گیا

یعنی وہ جمال اور ناز میں ایک یوسف ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ اب گاؤں جا اور حالت کو بیان کر مطلب یہ کہ اس کا حسن حسن یوسفی ہو گیا اور اس کی حالت اور اس کے ناز و کرشمے بہت زیادہ ہو گئے جب اس کی یہ حالت ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب گاؤں میں جا کر اس سارے قصہ کو بیان کرتا کہ اور لوگوں کو بھی معلوم ہو اور کسی کو ہدایت ہو جاوے۔

پائے می نشناخت در رفتن ز دست	او ہمی شد بے سر و بے پائے و مست
چلنے میں ہاتھ پاؤں میں امتیاز نہ کرتا تھا	وہ اندھا دھن اور مست روانہ ہو گیا

یعنی وہ بے سر و پا اور مست جا رہا تھا وہ چلنے میں ہاتھ سے پاؤں کو نہ پہچانتا تھا مطلب یہ کہ اس قصہ کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو دیکھ کر اس کے اوپر ایک عجیب حالت ہو گئی کہ وہ مستوں کی طرح جا رہا تھا اور اسے اپنے وجود کی کچھ خبر نہ تھی بس وہ اس حالت میں مست تھا غرضکہ وہ گاؤں کی طرف چلا۔

سوئے خواجہ از نوامی کاروان	پس بیامد باد و مشک پر روان
قافلہ کی جانب سے آقا کی جانب	وہ دو بھری مشکوں کے ساتھ دوڑتا ہوا آیا

یعنی پس اپنے خواجہ کے پاس قافلہ کی طرف سے دو بھری ہوئی اور چلتی ہوئی مشکوں کے ساتھ آیا (یہاں دو مشک سے مراد دو آنکھیں ہیں) مطلب یہ ہے کہ قافلہ کے پاس سے روتا ہوا آیا اور اس کا یہ رونا رنج کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حیرت اور تعجب اور خوشی کے وقت میں بھی انسان کو رونا آ جاتا ہے۔ پس ایسی حالت میں وہ بھی روتا ہوا آیا اور آنکھوں کو دو مشک سے بوجہ زیادتی گریہ کے تشبیہ دی یعنی وہ بہت ہی رو رہا تھا۔

کان غلامش دیر می آمد نہ زود	خواجہ بر رہ منتظر بنشستہ بود
کیونکہ اس کا غلام تاخیر سے آیا تھا نہ کہ جلدی سے	آقا راستے پر منتظر بیٹھا تھا

یعنی آقا صاحب راستہ پر منتظر بیٹھے ہوئے تھے کہ اس کا وہ غلام نہ جلدی آتا تھا نہ دیر میں یعنی وہ آقا منتظر تھا کہ آج میرے غلام کو کیا ہو گیا کہ آ ہی نہیں چکتا اس بیچارہ کو اس ماجرے کی کیا خبر۔ اب آگے اس غلام کے آقا کے پاس پہنچنے کو اور آقا کے نہ پہچان سکنے کو بیان فرماتے ہیں۔

آقا کا اپنے غلام کو حسین وخوبصورت دیکھنا اور نہ پہچاننا اور اس سے کہنا کہ تو نے میرے غلام کو قتل کر دیا ہے اور اس کا خون تجھ پر سوار ہو گیا ہے جو تو آ گیا ہے

خواجہ از دورش بدید و خیرہ ماند	از تحیر اہل آن دہ رابخواند
آقا نے اس کو دور سے دیکھا اور حیران رہ گیا	حیرانی سے اس گاؤں والوں کو بلایا

یعنی آقا صاحب نے اس کو دور سے دیکھا تو حیران رہ گئے اور حیرت کی وجہ سے گاؤں والوں کو بلایا کہ۔

راویہ ما اشتر ماہست ایں	پس کجا شد بندۂ زنگی جبیں
یہ ہماری پکھال اور ہمارا ہی اونٹ ہے	تو کالے چہرے والا غلام کہاں گیا؟

یعنی مشک ہماری ہے اور اونٹ ہمارا ہے پھر وہ حبشی غلام کہاں گیا۔

آن یکے بدریست می آید ز دور	می زند بر نور روز از روش نور
وہ ایک چودھویں کا چاند ہے جو دور سے آ رہا ہے	اس کے چہرے کا نور دن کے نور پر پڑ رہا ہے

یعنی وہ ایک چاند ہے جو کہ دور سے چلا آ رہا ہے کہ اس کے چہرہ کا نور نور روز پر بڑھ گیا ہے۔

کو غلام ما گر سرگشتہ شد	یا بدو گرگے رسید و کشتہ شد
ہمارا غلام کہاں ہے؟ شاید آوارہ ہو گیا ہے	یا اس کو بھیڑیا ملا اور مارا گیا

یعنی ہمارا غلام کہاں ہے شاید راستہ بھٹک گیا یا اس کو کوئی بھیڑیا پہنچا اور مارا گیا۔

یا مگر او را بکشت ایں بد گہر	اشترش آورد اینجا از قدر
یا شاید اس بد ذات نے اس کو قتل کیا	اور تقدیر سے اس کو اونٹ یہاں لے آیا

یعنی یا شاید اس کو اس بدذات نے مار ڈالا ہے اور اس کو تقدیر کی وجہ سے اونٹ اس جگہ لے آیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اس آقا نے دور سے دیکھا کہ اونٹ اور مشک تو ہماری ہے اور غلام وہ ہے نہیں تو اول تو خود حیرت میں ہوا پھر اور لوگوں کو بلایا تا کہ اور لوگ بھی دیکھ لیں شاید میری نظر کچھ غلطی کر رہی ہو غرضکہ سب کو دکھلایا تو معلوم ہوا کہ بیشک وہ غلام نہیں ہے تو اب احتمالات پیدا ہوئے۔ کہ یا تو وہ کہیں راستہ بھول گیا ہے یا اس کو کہیں بھیڑیوں وغیرہ نے مار ڈالا ہے اور یہ کوئی اور شخص ہے باقی مشک وغیرہ ہماری مشک وغیرہ کے مثل ہے۔ وہ نہیں ہے پھر یہ احتمال

ہوا کہ شاید اس شخص نے ہی جو آ رہا ہے ہمارے غلام کو مار ڈالا ہے اور خود اونٹ اور مشک وغیرہ پر قبضہ کر کے کہیں لے جانا چاہتا تھا مگر تقدیر الٰہی سے اونٹ اس کو یہاں لے آیا اور یہ ہم تک پہنچ گیا ورنہ بھلا یہ کاہے کو یہاں آنے لگا تھا غرضکہ دور سے دیکھ دیکھ کر طرح طرح کے احتمالات پیدا ہو رہے تھے۔

چون بیامد پیش گفتش کیستے	از یمن زادی و یا ترکیستے
جب وہ سامنے آیا اس سے کہا تو کون ہے؟	تو یمن سے پیدا ہوا ہے یا ترک ہے؟

یعنی جب وہ سامنے آیا تو اس آقا نے اس سے کہا کہ تو کون ہے یمنی ہے یا ترکی ہے۔

کو غلامم را چہ کردی راست گو	گر بکشتی دانما حیلت مجو
میرے غلام کا تونے کیا کیا؟ سچ بتا	اگر تو نے قتل کیا ہے صاف کہہ دے حیلہ نہ ڈھونڈ

یعنی کہ میرے اس غلام کو تو نے کیا کیا سچ بتا اگر تو نے مار ڈالا ہے تو بتا دے حیلہ مت کر۔

گفت گر کشتم بتو چون آمدم	چون بپائے خود درین خون آمدم
اس نے کہا اگر میں نے قتل کیا ہے تو میں تیرے پاس کیوں آیا ہوں؟	اپنے پاؤں سے خود اس خون (کے معاملہ) میں کیوں حاضر ہو گیا ہوں؟

یعنی اس غلام نے کہا کہ اگر میں نے مار ڈالا ہے تو میں آ کس طرح گیا اور خود اپنے پاؤں سے اس خون میں کس طرح آ گیا۔ مطلب یہ کہ اس غلام نے کہا کہ بھلا اگر میں نے تمہارے غلام کو مار ڈالا ہوتا تو میں پھر یہاں کیوں آ جاتا میں تو فوراً بھاگ جاتا اور تیرے پاس ہرگز نہ آتا بلکہ میں تو تیرا وہی غلام ہوں۔

گفت نے نے در نگیرد بامنت	راست باید گفت سر دست این فنت
اس نے کہا نہیں نہیں تیری بات مجھے درست نہیں لگتی	سچ کہنا چاہئے یہ تیرا مکر بیکار ہے

یعنی اس آقا نے کہا کہ نہیں نہیں میرے اندر یہ بات اثر نہ کرے گی۔ تیری یہ بات بالکل فضول ہے سچ کہنا چاہئے۔

کو غلام من بگفت اینک منم	کردوست فضل یزداں روشنم
میرا غلام کہاں ہے؟ اس نے کہا یہ میں ہوں	اللہ کی مہربانی کے ہاتھ نے مجھے منور کر دیا ہے

یعنی (آقا نے کہا کہ) میرا غلام کہاں ہے تو غلام نے کہا کہ یہ میں ہی تو ہوں حق تعالیٰ کے دست فضل نے مجھے حسین کر دیا ہے۔

دیدہ ام صدرے و بدرے گشتہ ام	صاحب فضلے و قدرے گشتہ ام
میں نے صدر کا دیدار کیا ہے اور میں بدر بن گیا ہوں	مرتبہ اور بزرگی والا بن گیا ہوں

یعنی میں نے ایک صدر کو دیکھا ہے تو میں بدر ہو گیا ہوں اور صاحب فضل اور صاحب قدر ہو گیا ہوں۔

مطلب یہ کہ غلام نے کہا کہ میں ہی آپ کا وہ غلام ہوں لیکن میں نے ایک ایسی ذات کو دیکھا کہ جس کے دیکھنے

سے میری یہ حالت ہوگئی ہے اور مجھے یہ فضیلت اور مقدرت ملی ہے۔ جب اس آقا نے یہ سنا تو اس نے کہا کہ۔

ہی چہ می گوئی غلام من کجاست	ہیں نخواہی رست از من زبراست
خبردار! کیا کہتا ہے میرا غلام کہاں ہے؟	خبردار! تو سوائے سچی بات کے میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا

یعنی ارے تو کہہ کیا رہا ہے میرا غلام کہاں ہے ارے تو مجھ سے بجز سچائی کے چھوٹ نہیں سکتا۔

گفت اسرار ترا باآں غلام جملہ وا	گویم یکا یک من تمام
اس نے کہا اس غلام کے ساتھ تیرے راز	میں سب ایک ایک پورے بیان کیے دیتا ہوں

یعنی اس غلام نے کہا کہ تیرے تمام اسرار جو اس غلام کے ساتھ تھے میں ایک ایک کر کے ساری تجھ سے بیان کردوں۔

زاں زمانے کہ خریدی تو مراض	تا باکنوں باز گویم ماجرا
جب سے تونے مجھے خریدا ہے	اب تک کا قصہ دہرائے دیتا ہوں

یعنی جس وقت سے کہ تونے مجھے خریدا ہے اب تک کا سارا قصہ بیان کردوں۔

تابدانی کہ ہمانم در وجود	گرچہ از شبدیز من صبحے کشود
تاکہ تو جان لے کہ میں وجود میں وہی ہوں	اگرچہ میری سیاہی سے صبح نمودار ہو گئی ہے

یعنی تاکہ تو جان لے کہ میں وجود میں وہی ہوں اگرچہ میری تاریک رات میں سے ایک صبح نکل آئی ہے۔

رنگ دیگر شد ولیکن جان پاک	فارغ از رنگ است وازارکان خاک
رنگت بدل گئی ہے لیکن پاک جان	عناصر اربعہ اور رنگت سے خالی ہے

یعنی رنگ دوسرا ہو گیا لیکن جان پاک سے اور ارکان خاک سے فارغ ہے مطلب یہ کہ اس غلام نے کہا کہ دیکھو تم جو اس غلام سے اپنے اسرار بیان کیا کرتے تھے ان سب کو میں بیان کرسکتا ہوں اور جب سے تم نے مجھے خریدا ہے اس وقت سے اس وقت تک کے کل قصے جو گزرے ہیں میں بیان کرسکتا ہوں۔ جس سے تم کو صاف طور پر معلوم ہو جاوے گا کہ میں تمہارا وہی غلام ہوں اور میری صورت صرف بدل گئی ہے ورنہ میری اندرونی حالت اور میری روح سب وہی ہے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں آیا۔ اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب پانی پینے اور لینے سے لوگ فارغ ہوگئے تو آپ نے اس غلام سے فرمایا کہ اے میاں اپنی مشک پانی سے بھری ہوئی دیکھ لے ایسا نہ ہو کہ تو ہمیں برا بھلا کہے وہ حبشی آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور خدا کی طرف سے اس میں ایمان پیدا ہو گیا۔ صورت اس کی یہ ہوئی کہ اس نے دیکھا کہ میری مشک محض آڑ ہے

اور ہوا میں سے چشمہ بہ رہا ہے اس سے اس کی نظر آگے بڑھی کہ ہوا میں کہاں سے آ رہا ہے اور اس کی نظر سر چشمۂ غیبی یعنی قدرت الٰہیہ تک پہنچی۔ اس سے وہ معتقد ہو گیا۔ اور ایمان لے آیا۔ اس وقت اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور نہ اس کو آقا کا خیال رہا نہ گھر کا اور اس کی جان میں کوسناٹا نکل گیا۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں اتنی طاقت نہ رہی کہ وہ راستہ چل سکے۔ مصلحت کے لئے حق سبحانہ نے اس کو پھر اس حالت سے نکالا اور حکم دیا کہ ہوش میں آ۔ اور اپنے گھر واپس جا۔ یہ وقت تحیر کا نہیں ہے تحیر کا وقت آگے آئے گا۔ اس وقت تو تو تیزی کے ساتھ راستہ پر ہو لے خیر جب اس کے حواس درست ہوئے تو اس نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اپنا منہ رکھا اور عاشقوں کی طرح بہت سے بوسے دیئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی براہ شفقت اس کے منہ پر ہاتھ پھیر کر اس کو مبارک کیا اس سے وہ زنگی اور حبشی زادہ گورا چٹا ہو گیا اور اس کا رات کی طرح تاریک چہرہ دن کی طرح روشن ہو گیا اور حسن و ناز انداز میں یوسف وقت بن گیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ اچھا اب گاؤں میں جاؤ اور یہ واقعہ بیان کرو ممکن ہے کہ اس معجزہ کو دیکھ کر اور لوگ بھی ایمان لائیں یہ حکم سن کر وہ روانہ ہو گیا اور چلنے میں اس کی یہ حالت تھی کہ بے سروپا اور مست وار جا رہا تھا نہ اس کو ہاتھ کا ہوش تھا نہ پاؤں کا پس وہ روتا ہوا قافلہ سے آقا کے پاس آیا آقا راستہ میں منتظر بیٹھا ہوا تھا کیونکہ وہ جلد نہ آیا تھا بلکہ اس کو دیر ہو گئی تھی۔ آقا نے اس کو دور سے دیکھا اور متحیر رہ گیا۔ اور متحیر ہو کر گاؤں کے لوگوں کو بلا لیا وہ سوچتا تھا کہ مشک بھی ہماری ہے اور اونٹ بھی ہمارا ہے زنگی غلام کیا ہوا یہ جو آ رہا ہے یہ تو ایک چودھویں رات کا چاند ہے اس کے چہرہ کی روشنی تو دن کی روشنی پر غالب آ رہی ہے۔ ہمارا غلام کیا ہوا معلوم ہو راستہ بھول گیا یا کوئی بھیڑیا پہنچ گیا اس نے کھا لیا اور وہ مار ڈالا گیا ممکن ہے کہ اسی بدذات نے اسے مار ڈالا ہو اور تقدیر سے اونٹ اسے یہاں لے آیا ہو وہ اسی طرح خیالات پکار رہا تھا کہ غلام اس کے سامنے آ گیا۔ جب وہ اس کے سامنے آیا تو اس نے کہا کہ تو کون ہے تو یمنی ہے یا ترکی میرا غلام کہاں ہے سچ بتا تو نے اسے کیا کیا۔ دیکھ اگر تو نے اسے مار ڈالا ہے تو دھوکا مت کرنا صاف صاف کہہ دینا اس نے کہا کہ اگر میں اسے مار ڈالتا تو آپ کے پاس کیسے آتا اور مرنے کے لئے اپنے پاؤں کیوں آتا۔ اس نے کہا کہ اس سے تو بچ نہیں سکتا۔ یہ تیرا دھوکہ بے اثر ہے تو سچ سچ کہہ دے میرا غلام کہاں ہے اس نے کہا میں ہی آپ کا غلام ہوں۔ حق سبحانہ کے دست عنایت نے مجھے منور کر دیا ہے۔ اسی کے ذریعہ سے مجھے مرتبہ عالی نصیب ہوا ہے اور اسی سے میں چودھویں رات کا چاند ہو گیا ہوں اور اسی کے سبب میں صاحب فضل اور عالی قدر ہو گیا ہوں۔ آقا نے پھر کہا ارے تو کیا کہہ رہا ہے سچ بتا کہ میرا غلام کہاں ہے دیکھ اگر تو اپنی خیریت چاہتا ہے تو سچ سچ کہہ دے کیونکہ تجھ کو میرے ہاتھ سے سچ ہی چھڑا سکتا ہے اور جھوٹ سے تو بچ نہیں سکتا اس نے کہا آپ کو یقین نہیں آتا میں ہی آپ کا غلام ہوں۔ اور اس غلام اور آپ کے درمیان جو راز ہیں میں ایک ایک بتائے دیتا ہوں اور جس وقت سے آپ نے مجھے خریدا ہے اس وقت تک کی ایک ایک بات بیان کئے دیتا ہوں تا کہ آپ کو معلوم ہو جاوے کہ میری ذات وہی ہے اگرچہ سیاہ رنگت جا کر گوری رنگت نکل آئی ہے میرا رنگ دوسرا

ہو گیا ہے مگر جان وہی ہے کیونکہ جان رنگ کے تابع نہیں۔ وہ تو رنگ عناصر اور خاک سب سے مبرا ہے پس رنگ کے بدل جانے سے اس پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

شرح شبّیری

آب نوشان ترک مشک و خم کنند	تن شناسان زود مارا گم کنند
پانی پینے والے مشک اور مٹکے کو چھوڑ دیتے ہیں	جسم کو پہچاننے والے جلد ہمیں گم کر دیتے ہیں

یعنی ظاہر بین لوگ ہم کو جلدی گم کر دیتے ہیں اور پانی کے پینے والے مشک اور خم سب کو ترک کر دیتے ہیں (آب نوش سے مراد حقیقت بین) مطلب یہ کہ جو ظاہر بین ہیں وہ تو ذرا سے تغیر ظاہری سے ہم کو پہچان نہیں سکتے اور جو حقیقت شناس لوگ ہیں وہ ان ظواہر کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور حقیقت کو دیکھتے ہیں اور جب اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تو اس شخص کو بھولتے نہیں۔

غرقۂ دریائے بیچون اندو چند	جان شناسان از عددہا فارغ اند
وہ بے مثال اور لامحدود دریا میں غرق ہیں	روح کو پہچاننے والے گنتی سے بے نیاز ہیں

یعنی حقیقت شناس لوگ عددوں سے فارغ ہیں اور وہ دریائے بیچون اور بے عدد میں غرق ہیں۔ یعنی ان کو اعداد و ظاہری پر نظر نہیں ہے بلکہ وہ تو حقیقت پر نظر رکھتے ہیں اور اسی کو دیکھتے ہیں جو کہ بے کیف و کم ہے اس میں تشخصات اور اعداد ہیں ہی نہیں۔ آگے مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

یار بینش شو نہ فرزند قیاس	جان شو و از راہ جان جانرا شناس
مشاہدہ کا یار بن گماں کا پابند نہ ہو	روح بن جا اور روح کی راہ سے روح کو پہچان

یعنی جان ہو جا اور جان کی راہ سے جان کو پہچان اور بصیرت کا ساتھی ہو نہ کہ قیاس کا تابع۔ مطلب یہ کہ حقیقت بین ہو اور قوی حسیہ کو چھوڑ کر قوی ملکیہ سے معرفت حق جو جان جان ہے حاصل کر اور بصیرت حاصل کر اس ظاہری قیاس کو ترک کر۔

بہر حکمت را دو صورت گشتہ اند	چوں ملک باعقل یک سررشتہ اند
حکمت کی وجہ سے دو صورتوں کے بن گئے ہیں	فرشتے اور عقل کی طرح جو ایک رشتہ میں منسلک ہیں

یعنی جیسا کہ فرشتہ عقل کے ساتھ ایک رشتہ ہیں اور حکمت حق کی وجہ سے دو صورت پر ہو گئے ہیں۔

درپئے ہم ہچو دنبال و سر اند	آں ملک باعقل چوں یک گوہر اند
دم اور سر کی طرح ایک دوسرے کے پیچھے ہیں	چونکہ فرشتے اور عقل ایک اصل سے ہیں

یعنی وہ فرشتہ عقل کے ساتھ جب ایک ذات ہیں تو ایک دوسرے کے پیچھے دم اور سر کی طرح ہیں۔

آں ملک چوں مرغ بال و پر گرفت	ویں خرد بگذاشت پر و فر گرفت
فرشتے نے پرند کی طرح بال اور پر اختیار کر لئے	اس عقل نے پروں کو چھوڑا اور شان و شوکت پائی

یعنی اس فرشتہ نے مرغ کی طرح بال و پر اختیار کر لیا اور اس عقل نے پر کو چھوڑ دیا اور شوکت و شان اختیار کیا۔

لاجرم ہر دو مناصر آمدند	ہر دو خوش رو پشت یک دیگر شدند
لامحالہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار بنے	دونوں بخوبی ایک دوسرے کے دو پشت بن گئے

یعنی آخر کار دونوں ایک دوسرے کے مددگار آئے۔ اور دونوں خوش خوش ایک دوسرے کی مدد ہو گئے مطلب یہ ہے کہ دیکھو عقل اور فرشتہ جیسا ایک ذات اور ایک لڑی میں منسلک تھے اور صرف حکمت الٰہیہ کے اقتضاء سے ان کی صورتیں دو تھیں تو دیکھو ایک دوسرے کا مددگار رہا اور صورت کے دو ہونے پر نظر نہ ہوئی بلکہ حقیقت پر نظر ہوئی کہ جب حقیقت ایک ہے تو وہ دونوں ایک ہی ہوئے جس سے صاف معلوم ہوا کہ صورت بدل جانے سے حقیقت نہیں بدلتی۔

ہم ملک ہم عقل حق ما واجدے	ہر دو آدم را معین و ساجدے
فرشتے بھی اور عقل بھی خدا کا ادراک کرنے والے ہیں	لہٰذا دونوں آدم کے مددگار اور سجدہ کرنے والے ہیں

یعنی فرشتہ اور عقل حق کو پہچاننے والے ہیں تو دونوں آدم کے مددگار اور ساجد ہوئے۔

نفس و شیطان بود ازل واحدے	بود آدم را عدو و حاسدے
نفس اور شیطان شروع سے ایک تھے	آدم کے دشمن اور حاسد تھے

یعنی نفس و شیطان اول ہی سے ایک تھے تو وہ آدم کے دشمن اور حاسد ہوئے۔ مطلب یہ کہ دیکھو عقل اور فرشتہ باوجود صورت کے اختلاف کے حق تعالیٰ کے پہچاننے میں ساتھ رہے اور ایک دوسرے کے مددگار رہے کیونکہ ان دونوں کی حقیقت تو ایک ہی تھی تو ان دونوں کی طبیعت کا مقتضا بھی یہی ہوا اور نفس و شیطان بھی اگرچہ صورت میں دو تھے لیکن حقیقت ایک ہونے کی وجہ سے دونوں کے دونوں آدمؑ کے دشمن اور نافرمان حق ہوئے تو دیکھئے اصل اعتبار حقیقت کا ہوا صورت کا نہ ہوا۔

آنکہ آدمؑ را بدن دید او رمید	وانکہ نور مؤتمن دید او خمید
جس نے آدمؑ کو (محض) جسم سمجھا وہ بدک گیا	جس نے امانت رکھا ہوا نور دیکھا وہ جھک گیا

یعنی جس نے کہ آدمؑ کے بدن کو دیکھا تو وہ فرنٹ ہو گیا اور جس نے کہ نور مؤتمن کو دیکھا تو وہ جھک گیا مطلب یہ کہ دیکھو جس نے آدمؑ کے صرف ظاہری بدن پر نظر کی وہ تو ان سے فرنٹ ہو گیا اور ان کا مطیع نہ ہوا اور جس نے کہ اس نور کو دیکھا جو کہ ان میں امانت رکھا گیا تھا اور وہی ان کی حقیقت تھی تو وہ ان کا مطیع و تابعدار ہو گیا۔

آن دو دیدہ روشنان بودہ ازین	دین دو را دیدہ ندیدہ غیر طین
وہ دونوں آنکھیں اس سے روشن ہو گئیں	ان دونوں کی آنکھوں نے مٹی کے سوا کچھ نہ دیکھا

یعنی ان دونوں کی آنکھیں اسی وجہ سے روشن ہوگئیں اور ان دونوں کی آنکھوں نے سوائے مٹی کے کسی شے کو نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ فرشتہ اور عقل نے جب حقیقت آدم کو دیکھ لیا تو سب منقاد ہو گئے اور ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور نفس و شیطان نے جب صرف ظاہر آدم ہی کو دیکھا اور کہا کہ خلقتہ من طین اس لئے وہ اندھے اور مردود ہوئے اور انہوں نے اطاعت نہ کی اب چونکہ یہاں تقدیر کی بحث آ گئی کیونکہ انہوں نے سجدہ کیا تو بھی حکم حق ہی سے کیا اور دوسروں نے نہ کیا تو وہ بھی حکم حق ہی سے نہ کیا اور یہ مضمون ایسا ہے کہ اس کو نہ کوئی کما حقہ بیان کر سکا اور نہ بیان کر سکتا ہے اور نہ اس کے سننے کے لوگ اہل ہیں لہذا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں بیان اکنوں چو خر در یخ بماند	چون نشاید بر جہود انجیل خواند
اب یہ بیان برف پر گدھے کی طرح رہ گیا	چونکہ یہودی کو انجیل نہیں سنائی جا سکتی

یعنی یہ بیان اب گدھے کی طرح برف میں رہ گیا جیسے کہ یہودی پر انجیل نہ پڑھنا چاہئے۔

کے توان با شیعہ گفتن از عمرؓ	کے توان بربط زدن در پیش کر
شیعہ سے (حضرت) عمرؓ کی بات کب کہی جا سکتی ہے؟	بہرے کے آگے سارنگی کہاں بجائی جا سکتی ہے؟

یعنی شیعہ سے عمرؓ کے حالات کب کہہ سکتے ہیں اور بہرے کے سامنے بربط کے اوپر کب مارتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ کوئی اہل نہیں ہے سب نااہل ہی ہیں اس لئے یہ بیان آگے کو نہیں چلتا۔ اور گدھے کی طرح دھنس گیا ہے جیسے کہ یہودی کے سامنے انجیل پڑھنا بے سود ہے اور شیعہ کے سامنے حضرت عمرؓ کے حالات بیان کرنا بے سود ہیں۔ بس اسی طرح ان نااہلوں کے سامنے اس قسم کے مضامین کا بیان کرنا بے سود ہے۔

لیک گر در دہ بگوشہ یک کس است	ہائے ہوئے کہ برآوردم بس است
لیکن اگر گاؤں کے گوشہ میں ایک شخص بھی ہے	جو میں نے ہائے اور ہو کی وہ بہت ہے

یعنی لیکن گاؤں کے گوشہ میں اگر کوئی شخص ہے تو جو مضامین کہ میں نے بیان کئے ہیں کافی ہیں۔

مستحق شرح را سنگ و کلوخ	ناطقے گردد مشرح با رسوخ
شرح کے لائق کے لئے، پتھر اور ڈھیلا	اچھی طرح تشریح کرنے والا گویا بن جاتا ہے

یعنی مستحق بیان کو تو پتھر اور ڈھیلا پورے پورے ناطق ہو جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ مولانا نے جو اوپر فرمایا تھا کہ نااہلوں کے سامنے اس قسم کے مضامین بیان نہ کرنا چاہئیں تو اب شبہ ہوا کہ ممکن ہے کہ ان نااہلوں ہی میں کوئی اہل بھی ہو تو اس کی خاطر سے بیان کر دینا چاہئے۔ لہذا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اہل ہے تو اس کو اس قدر

بیان کر دینا ہی کافی ہے اس لئے کہ جو طالب ہوتا ہے وہ ڈھیلے اور پتھروں تک سے اپنے مطلب کی بات نکال لیتا ہے تو میں نے تو کچھ بیان ہی کیا ہے اگرچہ نا مکمل ہی سہی تو اس سے تو اس کو پورے طور پر ہدایت ہو جاوے گی اور وہ اس سے سمجھ لے گا۔ آگے ایک دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہیں کہ دیکھو طالب اپنے مطلب کی بات نکال ہی لیتا ہے تو سمجھ لو کہ حق تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ طالبین کی طلب ہی پر پیدا فرمائی ہیں۔ لہٰذا طلب پیدا کرنی چاہئے تاکہ اس طرف سے عطا ہو۔

بیان میں اسکے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ دیا اور پیدا فرمایا سب طلب پر اور حاجت کی بناء پر فرمایا تو اپنے کو کسی شے کا محتاج بنانا چاہئے تاکہ حق تعالیٰ عطا فرماویں کہ ارشاد ہے

امن یجیب المضطر اذا دعاه

آن نیاز مریمے بودہ است و درد	کہ چنان طفلے سخن آغاز کرد
وہ (حضرت) مریمؑ کی نیازمندی اور درد تھا	کہ ایسے بچے نے بات کرنی شروع کر دی

یعنی وہ مریم علیہا السلام کا نیاز اور درد ہی تھا کہ جو ایک ایسے بچہ نے باتیں شروع کر دیں۔

جزو او بے او برائے او بگفت	جزو جزوت گفت دارد در نہفت
ان کے جزو نے بغیر ان کے (کہے) ان کے لئے گفتگو کی	ترا ہر جزو پوشیدہ طور پر بولنے والا ہے

یعنی ان ہی (مریم علیہا السلام کے جزو نے ان ہی کے واسطے کہا تو تیرا جزو جزو (بھی) پوشیدگی میں نطق رکھتا ہے مطلب یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو اس قدر بچہ تھے کہ ابھی تھوڑی ہی دیر کے پیدائش تھے لوگوں سے باتیں کیں اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مریمؑ نے جو آہ وزاری کی تھی اور دعا کی تھی کہ یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیا منسیا تو اس کی برکت یہ ہوئی کہ اس قدر ذرا سے بچہ ہو کر وہ بولے تو جس طرح عیسیٰ علیہ السلام ان کے جزو تھے اور انہوں نے ان کی برأت کی شہادت دی بس اسی طرح تمہارے اندر بھی تمام اجزاء بدن ناطق ہیں اور وہ ہمارے افعال حسن وقبیح پر گواہ ہیں اور ایک روز صاف طور پر گواہی دینگے۔

دست و پا شاہد شوندت اے رہی	منکرے را چند دست و پا نہی
اے غلام! تیرے ہاتھ پاؤں گواہ بنیں گے	تو انکار کے کتنے ہاتھ پاؤں لگائے گا

یعنی ارے میاں تیرے ہاتھ پاؤں گواہ ہو جاویں گے تو تو انکار کے لئے کہاں تک ہاتھ پاؤں مارے گا۔

مطلب یہ کہ کہاں تک انکار کرو گے جبکہ خود تمہارے اجزاء ہی تمہارے افعال پر گواہی دینگے غرضکہ جب طلب ہو تو سارے کام درست ہو جاتے ہیں اور اگر طلب ہی نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

ورنہ باشی مستحق شرح و گفت	ناطقہ ناطق ترا دید و بخفت
اگر تو تشریح اور گفتگو کا مستحق نہیں ہے	بولنے والے کی (قوت) ناطقہ نے تجھے دیکھا اور وہ سوئی

یعنی اور اگر تو شرح اور گفتگو کا مستحق نہیں ہے تو بولنے والے کے ناطقہ نے تجھے دیکھا اور سو گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو طلب کی برکت سے تو وہ بچہ جو بولنے کے قابل نہ تھا بولنے لگا اور اگر تم کو طلب نہیں ہے تو جو بولنے کے قابل ہیں وہ بھی تمہارے آگے آ کر تم کو نا اہل سمجھ کر چپ ہو جاویں گے اور کوئی بات نہ کہیں گے بس طلب پیدا کرو کہ جو سب چیزیں تم کو حاصل ہو جاویں۔

ہر چہ روئید از پے محتاج است	تا بیابد طالبے چیزے کہ جست
جو کچھ اگا ہے محتاج کے لئے اگا ہے	تاکہ طلبگار ہر وہ چیز پالے جس کو وہ ڈھونڈے

یعنی کہ جو شے پیدا ہوئی محتاج کے واسطے پیدا ہوئی یہاں تک کہ طالب نے اس شے کو پالیا جس کو کہ اس نے تلاش کیا مطلب یہ کہ جو شے پیدا ہوئی ہے وہ کسی طالب کی طلب پر اور کسی محتاج کی حاجت روائی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔

حق تعالیٰ کاین سمٰوات آفرید	از برائے دفع حاجات آفرید
حق تعالیٰ نے جو ان آسمانوں کو پیدا کیا	حاجتیں پوری کرنے کے لئے پیدا کیا

یعنی حق تعالیٰ نے جو یہ آسمان پیدا فرمائے ہیں تو حاجتوں کے دفع کرنے کے لئے پیدا فرمائے ہیں۔ (غرضکہ)

ہر کہ جویا شد بیابد عاقبت	مایہ اش دردست واصل مرحمت
جو جستجو کرتا ہے بالآخر پا لیتا ہے	اس کا سرمایا اور رحم کی جڑ درد ہے

یعنی جو شخص کہ طالب ہوا وہ آخر کار پالے گا اس کی پونجی اس کے ہاتھ میں ہوگی اور رحمت کی جڑ مطلب یہ کہ جو طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب کو پا ہی لیتا ہے پھر اس کی وہ پونجی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور رحمت حق اس کے ساتھ ہوتی ہے آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

ہر کجا دردے دوا آنجا رود	ہر کجا فقرے نوا آنجا رود
جہاں درد ہوتا ہے دوا وہاں پہنچتی ہے	جہاں فقر ہوتا ہے سامان وہاں پہنچتا ہے

یعنی جس جگہ کہ درد ہوتا ہے دوا وہیں جاتی ہے اور جہاں فقر ہوتا ہے بخشش وہیں جاتی ہے۔

ہر کجا مشکل جواب آنجا رود	ہر کجا پستی است آب آنجا رود
جہاں اشکال ہوتا ہے جواب وہاں جاتا ہے	جہاں پستی ہے پانی وہاں پہنچتا ہے

یعنی جس جگہ کہ مشکل ہوتی ہے جواب اسی جگہ جاتا ہے اور جس پستی ہوتی ہے پانی وہیں کو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ جب طلب ہوتی ہے جب ہی کوئی چیز ملتی ہے لہذا چاہئے کہ۔

آب کم جو تشنگی آور بدست	تا بجوشد آبت از بالا و پست
پانی کی تلاش نہ کر پیاس پیدا کر	تاکہ تیرے اوپر اور نیچے سے پانی جوش مارے

یعنی پانی کم تلاش کرو اور پیاس پیدا کرو تا کہ پانی تمہارے اوپر نیچے سب جگہ سے ابلے آگے اس کی نظائر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو بے طلب کے کوئی شے نہیں ملتی۔ فرماتے ہیں کہ۔

تا نزاید طفلک نازک گلو	کے رواں گردد ز پستان شیراو
جب تک نرم گلے والا بچہ پیدا نہیں ہوتا	اس کا دودھ پستان سے کہاں جاری ہوتا ہے؟

یعنی جب تک کہ بچہ نازک گلو پیدا نہیں ہوتا تو پستان سے اس کا دودھ کب رواں ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب تک بچہ پیدا نہیں ہوتا اور وہ دودھ کو طلب نہیں کرتا اس وقت تک دودھ پستان سے جاری نہیں ہوتا اور جب دودھ کا طالب یعنی بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دیکھو دودھ کس طرح ابلتا ہے اور جوش مارتا ہے لہذا۔

رو بدیں بالا و پستیہا بدو	تاشوی تشنہ و حرارت را گرو
جا' اس نشیب و فراز میں دوڑ	تاکہ تو پیاسا بنے' اور حرارت میں پھنسے

یعنی جا ان بلندیوں اور پستیوں میں دوڑ تا کہ تو پیاسا اور حرارت میں گروی ہو جاوے مطلب یہ کہ مجاہدات و ریاضات سے طلب پیدا کرو تو اس کے بعد یہ ہوگا کہ۔

بعد ازاں از بانگ زنبور ہوا	بانگ آب جو بنوشے اے کیا
اس کے بعد ہوا کی بھڑ کی آواز سے	اے معزز! تو نہر کے پانی کی آواز سنے گا

یعنی اس کے بعد ہوا کی مکھی کی آواز سے ندی کے پانی کی آواز سنو گے اے بزرگ۔ مطلب یہ کہ جب طلب پیدا ہو جاوے گی تو اس وقت ہر چیز میں سے تم کو اپنا مطلوب ہی دکھائی دے گا اور ہر شے سے تم کو اپنے مطلوب ہی کی طرف رسائی ہوگی۔

حاجت تو کم نباشد از حشیش	آب را گیری سوئے اومی کشیش
تیری ضرورت' گھاس سے کم نہ ہونی چاہیے	تو پانی لیتا ہے اور اس کو اس کی جانب لے جاتا ہے

یعنی تیری حاجت گھاس سے کم تو نہیں ہے کہ تو پانی کو پکڑتا ہے اور اس کی طرف کھینچتا ہے۔

گوش گیری آب را تو می کشی	سوئے زرع خشک تایا بد خوشی
تو پانی کا کان پکڑتا ہے (اور) اس کو تو کھینچتا ہے	خشک کھیتی کی جانب' تاکہ وہ تازگی حاصل کرے

یعنی تم پانی کا کان پکڑتے ہو اور سوکھی کھیتی کی طرف کھینچتے ہوتا کہ تری پاوے۔

زرع جان را کش جواہر مضمر است	ابر رحمت پر ز آب کوثر است
جان کی کھیتی کے لیے جس میں جواہر چھپے ہوئے ہیں	رحمت کا بادل، کوثر کے پانی سے بھرا ہوا ہے

یعنی جان کی کھیتی کے لئے جس میں کہ جواہر مضمر ہیں ابر رحمت آب کوثر سے پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو جب کھیتی سوکھ جاتی ہے تو وہ بزبان حال پانی کو طلب کرتی ہے لہذا تم اس کی طلب پر پانی کو کوشش کر کے لاتے ہو اور اس تک پہنچاتے ہو تو بھلا تم خیال کرو کہ جتنی اس گھاس کو پانی کی حاجت تھی تمہاری حاجت اس سے کم نہیں اور تم جتنے گھاس پر شفیق ہو اس سے زیادہ حق تعالیٰ تم پر شفیق ہیں اور اس گھاس کے سوکھنے سے جن چیزوں کے فوت ہونے کا خوف ہے اس سے کہیں زیادہ چیزوں کے فوت ہونے کا تمہارے خراب ہونے سے خوف ہے لہذا جب تم گھاس کی طلب پر اسے پانی دیتے ہو تو سوچو تو سہی کہ حق تعالیٰ تمہیں خراب ہوتے دیکھ کر اور باوجود تمہاری طلب کے تمہاری پیاس کو کیا نہ بجھادیں گے اور کیا تمہارا مطلوب تم کو حاصل نہ ہوگا ضرور بالضرور حاصل ہوگا پس طلب پیدا کرو کہ جو اصل چیز ہے اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنی رضا کی طلب اپنے اس بندہ کو اور ہر مسلمان کو نصیب فرماویں آمین یارب العالمین۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

تا سقاھم ربھم آید خطاب	تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب
تاکہ "ان کو ان کے رب نے سیراب کیا" کی بشارت آئے	پیاسا بن، اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے

یعنی تا کہ سقاھم ربھم خطاب آوے لہذا پیاسا رہ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ طلب پیدا کرو تا کہ اس طرف سے تم کو عطا ہو اور بحر رحمت جوش میں آ کر تم کو تمہارے مطلوب تک پہنچادے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ آگے ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں کہ اس غلام کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سن کر اسی گاؤں سے جس سے کہ وہ غلام آیا تھا ایک اور عورت آئی تا کہ وہ بھی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا امتحان کرے اور اس ذات بابرکات کے دیدار سے مشرف ہو۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ یہاں سے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو حالت اس آقا کی تھی وہی حالت ظاہر پرستوں کی ہے کہ وہ بھی ہم اہل اللہ کی صورت کو دیکھ کر ہماری حقیقت سے انکار کر دیتے ہیں اور ہم کو نہیں پہچان سکتے۔ برخلاف طالبین معنے کے کہ وہ صورت پر نظر نہیں کرتے بلکہ وہ معنی کو دیکھتے ہیں جس طرح کہ پانی کا طالب مشک اور مٹکے کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ پانی کو دیکھتا ہے یہ لوگ تن شناس نہیں ہوتے بلکہ روح شناس ہوتے ہیں ان کو تشخصات سے بحث نہیں ہوتی کیونکہ تعدد وتشخصات وابستہ کیف وکم ہیں اور

یہ لوگ دریائے بے کیف وکم میں غرق ہیں اس لئے کیف وکم پر ان کی نظر نہیں ہوتی۔ پس تم کو چاہئے کہ صورت کو چھوڑ واور اپنی روح کے ذریعہ سے اہل اللہ کی روح کو پہچانو اور ان کو اس آقا کی طرح غیر نہ سمجھو بلکہ ان کو اپنا یار جانو اور گمان کے پابند نہ ہو کیونکہ تمہاری روح اور اہل اللہ کی روح دونوں یوں ہی ایک رشتہ میں منسلک ہیں جس طرح فرشتہ عقل کے ساتھ لیکن بمقتضائے حکمت الٰہیہ دو صورتیں اختیار کر لی ہیں۔ فرشتہ اور عقل ہر دو بلحاظ ذات ایک ہی ہیں ایک دوسرے سے یوں ہی وابستہ ہیں جیسے سر اور دم گو صورتیں دونوں کی مختلف ہیں کہ فرشتوں نے پرندوں کی طرح بازو و پر لئے اور عقل نے پروں کو چھوڑ کر شوکت وشان لی۔ اسی لئے دونوں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں اور آپس میں ایسے متوافق ہیں جیسے ایک چیز کی رو و پشت اور ان کی تجانس وتوافق ہی کی وجہ ہے کہ ہر دو حق سبحانہ کو پہچاننے والے اور آدم کو سجدہ کرنے والے اور مدد دینے والے ہیں۔ علیٰ ہذا نفس وشیطان بھی اول ہی سے ایک ہیں اس لئے آدم کے دشمن اور حاسد ہیں پس ان میں جس نے آدم کے جسم پر نظر کی وہ ان سے بھاگا اور جس نے اس نورِ حق سبحانہ کو دیکھا جو ان میں ودیعت رکھا ہوا تھا انہوں نے اطاعت قبول کی اور اس کے سامنے جھک گئے۔ پس عقل وملک نے تو نور کو دیکھ کر آنکھ روشن کی اور نفس وشیطان نے بجز مٹی کے کچھ بھی نہ دیکھا۔ لہذا تم کو صفات ملکیہ اختیار کرنی چاہئیں اور عقل کو نفس پر غالب کر کے ارواح اہل اللہ کا موافق اور یار بننا چاہئے۔ اور نفس کو غالب کر کے تن پرست اور ظاہر بین نہ بننا چاہئے اور اپنے کو ان کا غیر اور دشمن اور حاسد نہ بنانا چاہئے یہاں تک پہنچ کر بیان یوں ٹھہر گیا جیسے گدھا برف میں ٹھہر جاوے کیونکہ مخاطب صحیح نہیں ہے یہود کے سامنے انجیل نہیں پڑھی جا سکتی۔ روافض کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل نہیں بیان کئے جا سکتے۔ بہرے کے سامنے بربط نہیں بجایا جا سکتا۔ بس جس طرح یہ سب بے جوڑ ہیں یوں ہی راز بیان کرنا اور نا اہل یہ بھی بے جوڑ ہیں لیکن اگر یہ کہا جاوے کہ سب کے سب تو نا اہل ہیں ہی نہیں کوئی تو اہل ہو ہی گا تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے لئے یہی شور و فغان کافی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں زائد کی ضرورت نہیں پس اگر تم مستحق شرح ہو تب تو یہ گفتگو ہے کہ جو مستحق شرح ہے اس کے لئے تو پتھر اور ڈھیلے بھی ناطق اور مشرح کامل ہو جاتے ہیں دیکھ لو مریم علیہا السلام کی بے کسی ہی تھی جس کی وجہ سے ذرا سے بچہ نے بولنا شروع کر دیا ان کے جزو نے بدوں ان کی فرمائش کے ان کے حق میں گواہی دینی شروع کی۔ پس تم بھی سمجھ لو کہ یوں ہی تمہارے اعضائے بھی خفیہ متکلم ہیں تم اس کا انکار نہ کرنا کیونکہ تمہارا انکار چلے گا نہیں اس لئے یہ امر ثابت ہے کہ ہاتھ پاؤں گواہی دینگے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ وہ پوشیدہ گفتار رکھتے ہیں۔ جب وہ پوشیدہ گفتار رکھتے ہیں تو اگر تم کو بھی ضرورت ہوگی تو خود تمہارے اعضاء ہی ساری تشریح کر دینگے۔ ہماری ضرورت نہیں اور اگر تم مستحق شرح وگفتگو نہیں ہو تو ناطق کی قوت گویائی بھی تمہیں دیکھ کر سو جاوے گی پس فضول فرمائشوں میں نہ پڑو ضرورت پیدا کرو۔ ضرورت ہی وہ شے ہے جس سے کام بنتے ہیں جو چیز پیدا ہوتی ہے سب حاجتمند ہی کے لئے ہوتی ہے تا کہ جو طالب حاجتمند جس چیز کو ڈھونڈے اسے مل جاوے۔ حق سبحانہ نے جو آسمان پیدا کئے ہیں یہ بھی دفع حاجت محتاجین ہی کے لئے کئے ہیں جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جس کو

حاجت ہوگی اور طالب صادق ہوگا ضرور اس کو اس کا مطلوب ملے گا۔ کیونکہ منی رحم تکلیف ہے جہاں تکلیف ہوتی ہے دوا وہیں جاتی ہے۔ اور جہاں محتاجی ہوتی ہے سامان وہیں جاتا ہے اور جہاں مشکل ہوتی ہے جواب وہیں جاتا ہے اور جہاں پستی ہوتی ہے پانی وہیں جاتا ہے پس تم پانی کو نہ ڈھونڈ و وہ تو گھر بیٹھے آ جائے گا بلکہ پیاس پیدا کرلو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر طرف سے تمہارے لئے پانی ابل پڑے گا۔ یعنی مطلوب کی فکر میں نہ پڑو وہ تو گھر بیٹھے ملے گا تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ حاجت پیدا کرلو اور بلا حاجت پیدا کئے کچھ نہیں ہوسکتا۔ دیکھو جب تک بچہ نازک گلو پیدا نہیں ہوتا جس کو دودھ کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت تک چھاتیوں سے دودھ جاری نہیں ہوتا۔ پس تم جاؤ اوپر نیچے دوڑ و تا کہ تمہارے اندر حرارت پیدا ہو اور پیاس لگے اس کے بعد زنبور ہوا کی آواز سے تم پانی کی آواز خود سن لوگے۔ مقصد یہ ہے کہ مطلوب کی فکر میں نہ پڑو بلکہ مطلوب کی حاجت پیدا کرنے میں جدوجہد کرو۔ مطلوب خود حاصل ہو جائے گا۔ تم غور تو کرو جب گھاس کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے تو پانی کو خود لے کر تم گھاس تک پہنچا دیتے ہو اور جب کھیتی خشک ہوتی ہے تو پانی کا کان پکڑ کے اس تک پہنچا دیتے ہو پس تمہاری حاجت آخر گھاس کی حاجت سے تو کم نہیں ہے کہ حق سبحانہ اس کی طرف التفات نہ فرماویں۔ نہیں بلکہ تمہاری جان کی کھیتی کیلئے جس میں جواہر مخفی ہیں آب رحمت باری آب کوثر ہے پس تم پیاس اور حاجت پیدا کرو تا کہ ادھر سے سقاھم ربھم شرابا طھورا کا خطاب آئے یعنی آب کوثر و رحمت سے تمہاری جان کو سیراب کیا جاوے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شرح شبّیری

ایک کافر عورت کا مع ایک شیر خوار بچہ کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کی وجہ سے بچہ کا گویا ہو جانا

سوئے پیغمبر دواں شد ز امتحاں	ہم ازاں دہ یک زنے از کافراں
امتحان کے لئے پیغمبرؐ کی طرف دوڑی	اسی گاؤں سے ایک عورت کافروں میں سے

یعنی اسی گاؤں میں سے ایک عورت کافروں میں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف امتحان کے لئے دوڑی۔

کودکے دو ماہہ زن را در کنار	پیش پیغمبر در آمد با خمار
دو مہینے کا بچہ عورت کی گود میں تھا	اوڑھنی اوڑھ کر پیغمبرؐ کے سامنے آئی

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اوڑھنی اوڑھے اس طرح آئی کہ ایک دو مہینہ کا بچہ عورت کی گود میں تھا۔

گفت کودک سلم الله علیک	یا رسول الله قد جئنا الیک
بچے نے کہا آپ پر اللہ کا سلام ہو	اے اللہ کے رسولؐ ہم آپ کے پاس آئے ہیں

یعنی بچہ نے کہا کہ یارسول اللہ آپ پر خدا کا سلام ہو ہم آپ کے حضور میں حاضر ہوئے ہیں۔

مادرش از خشم گفتش ہیں خموش	کیست افگند ایں شہادت را بگوش
اس کی ماں غصہ سے بولی خبردار! چپ	یہ شہادت کس نے تیرے کان میں ڈال دی؟

یعنی اس کی ماں نے غصہ سے اس بچہ کو کہا کہ ارے چپ تیرے کان میں اس گواہی کو کس نے ڈال دیا۔

ایں کیت آموخت اے طفل صغیر	کہ زبانت گشت در طفلی جریر
اے ننھے بچے! یہ تجھے کس نے سکھایا؟	کہ تیری زبان بچپن میں تیز بن گئی

یعنی ارے ذرا سے بچے تجھے یہ کس نے سکھا دیا کہ تیری زبان بچپن ہی میں چلنے لگی ہے۔

گفت حق آموخت وانگہ جبرئیل	در بیان با جبرئیلم من رسیل
اس نے کہا اللہ (تعالیٰ) نے سکھایا پھر جبرئیل نے	میں بیان کرنے میں جبرئیل کا ہم زبان ہوں

یعنی اس بچہ نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے سکھلایا ہے اور اس وقت جبرئیل نے۔ اور میں بیان میں جبرئیل کیساتھ ہمزبان ہوں۔ مطلب یہ کہ اس بچہ نے کہا کہ اول تو خدا نے سکھلایا ہے یعنی اس نے میرے دل میں ڈالا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کو یہ سکھلا دیا جائے تو اب جبرئیل علیہ السلام مجھے سکھلا رہے ہیں اور میں اب بولنے میں ان ہی کا ہم زبان ہوں وہ جو کہتے ہیں وہی میں کہتا ہوں۔

گفت کو گفتا کہ بالائے سرت	می نہ بینی کن ببالا منظرت
اس نے کہا وہ کہاں ہے کہا کہ تیرے سر پر	تو نہیں دیکھ رہی ہے' اپنی نگاہ اوپر کر

یعنی ماں نے کہا کہ (جبریل) کہاں ہیں تو بچہ نے کہا کہ تیرے سر پر ہیں۔ کیا تجھے نظر نہیں آتے اپنی نظر اوپر کو کر۔

ایستادہ برسر تو جبرئیل	مر مرا گشتہ بصد گونہ دلیل
تیرے سر پر جبرئیل کھڑے ہیں	وہ میرے لئے سینکڑوں طریقے سے رہنما بن گئے ہیں

یعنی تیرے سر پر جبرئیل کھڑے ہوئے ہیں اور میرے لئے سو طرح سے راہبر ہو رہے ہیں۔

گفت می بینی تو گفتا کہ بلے	برسرت تابان چو بدر کاملے
اس نے کہا تو دیکھ رہا ہے' کہا کہ ہاں	تیرے سر پر مکمل چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں

یعنی ماں نے کہا کہ کیا تو دیکھ رہا ہے تو بچہ نے کہا کہ ہاں (وہ تو) تیرے سر پر ایک بدر کامل کی طرح تابان ہیں۔

می بیاموزد مرا وصف رسول	زان علوم می رہاند زین سفول
وہ مجھے رسولؐ کی صفات بتا رہے ہیں	اس بلندی کے ذریعہ وہ مجھے پستی سے چھڑا رہے ہیں

یعنی وہ جبرئیل مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سکھلا رہے ہیں اور اس بلندی کی وجہ سے مجھے اس پستی سے چھڑا رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے جو بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے اس کے ذریعہ سے مجھے وہ اس پستی اور جہل سے چھڑا رہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مجھے سکھلا رہے ہیں۔ یہ باتیں تو اس بچہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اپنی ماں سے کیں۔ اب آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود اس سے سوالات فرماتے ہیں اور وہ جواب دیتا ہے۔

پس رسولش گفت اے طفل رضیع	چیست نامت باز گو و شو مطیع
پھر رسولؐ نے اس سے فرمایا اے دودھ پیتے بچے!	صاف بتا تیرا کیا نام ہے اور فرمانبردار بن ؟

یعنی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ سے کہا کہ اے شیر خوار بچے تیرا نام کیا ہے۔ بتا اور مطیع ہو جا۔

گفت نامم پیش حق عبدالعزیز	عبد عزے پیش ایں یکمشت حیز
اس نے کہا اللہ کے نزدیک میرا نام عبدالعزیز ہے	ان چند نالائقوں کے نزدیک عبد العزیٰ ہے

یعنی اس بچہ نے کہا کہ خدا کے نزدیک تو میرا نام عبدالعزیز ہے اور ان تھوڑے سے نامردوں کے نزدیک عبد عزے ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میرا نام خدا کے نزدیک تو عبدالعزیز ہے لیکن یہ کافر لوگ جو نامرد اور پست ہمت اور حقیر ہیں مجھے عبد عزیٰ کہتے ہیں (عزیٰ ایک بت کا نام ہے جس کو اہل عرب پوجتے تھے)

من ز عزے پاک و بیزار و بری	حق آنکہ دادت ایں پیغمبری
میں عزیٰ سے پاکؑ بیزار اور بری ہوں	اس ذات کی قسم جس نے آپ کو پیغمبری دی ہے

یعنی میں تو عزیٰ سے پاک اور بیزار اور بری ہوں۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو پیغمبری دی ہے۔

کودک دو ماہہ ہمچون ماہ بدر	درس بالغ گفتہ چون اصحاب صدر
چودھویں رات کے چاند جیسے دو مہینے کے بچہ نے	صدر نشینوں کی طرح پوری تقریر کی

یعنی دو مہینہ کے بچہ نے جو کہ ماہ کامل کی طرح تھا کامل سبق دیا۔ بڑے لوگوں کی طرح۔ مطلب یہ کہ اس دو مہینہ کے بچہ نے جو کہ رہبری اور ہدایت دینے میں بلد کامل کی طرح تھا بڑے لوگوں کی طرح گفتگو کی یہ سب اسی ذات والا صفات کے برکات ہیں۔

پس حنوط آندم ز جنت در رسید	تا دماغ طفل و مادر بو کشید
پھر اسی وقت جنت سے حنوط آئی	یہاں تک کہ بچہ اور ماں نے خوشبو سونگھی

یعنی پھر اس وقت جنت کی خوشبو آئی۔ یہاں تک کہ ماں اور بیٹے کے دماغ نے خوشبو کھینچی۔ مطلب یہ کہ ان باتوں کے بعد جنت کی خوشبو آئی اور ماں نے بھی سونگھی اور اس لڑکے کو بھی محسوس ہوئی۔ پھر تو یہ حالت ہوئی کہ۔

ہر دو می گفتند کز خوف سقوط	جان سپردن بہ برین بوئی حنوط
دونوں (خوشبو کے) زوال کے ڈر سے کہہ رہے تھے	اس حنوط کی خوشبو پر جان دے دینا بہتر ہے

یعنی دونوں کہتے تھے کہ زوال کے خوف سے جان دیدینا بہتر ہے اس خوشبو پر۔ مطلب یہ کہ ان کو خوف ہوا کہ کہیں یہ خوشبو جاتی نہ رہے تو کہتے تھے کہ بس سونگھتے ہی سونگھتے جان نکل جائے تو کیسی اچھی بات ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ تعریفش شہنشہ خود کند	جامد و نامیش صد مردق زند
وہ جس کی تعریف خود شہنشاہ کرے	بے جان و جاندار اس پر سینکڑوں شادیانے بجاتے ہیں

یعنی جس کی تعریف کہ خود بادشاہ کرے تو اشیاء وجامد اور نامی سب سینکڑوں تعریفیں کریں۔

آن کسے راکش معرف حق بود	جامد و نامیش صد صدق زند
وہ جس کی تعریف کرنے والا اللہ (تعالیٰ) ہو	بے جان اور جاندار اس کی سینکڑوں تصدیقیں کرتے ہیں

یعنی جس کا تعریف کرنے والا حق تعالیٰ ہو تو جامد اور نامی اس کی سینکڑوں تصدیقیں کریں۔ مطلب یہ کہ جس کا کہ خدا تعریف کرنے والا اور ثنا گو ہو اس کی تو نباتات اور حیوانات سب کے سب ثنا گو ہوں گے۔ تو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعریف کرنے والے حق تعالیٰ ہیں اس لئے ان کی ثنا گوئی میں ہر شے رطب اللسان ہے اور اس بچہ کا بول پڑنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنا کوئی محل تعجب نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

آن کسے راکش خدا حافظ بود	مرغ و ماہی مرد را حارس شود
وہ جس کا خدا نگہبان ہو	پرند اور مچھلی اس کے پہرے دار ہوتے ہیں

یعنی جس شخص کا کہ خدا محافظ ہو مرغ و ماہی سب اس کے نگہبان ہوتے ہیں آگے اس پر ایک حکایت لاتے ہیں کہ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ چونکہ حق تعالیٰ تھے اس لئے جانور تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے نگہبان تھے۔ اب حکایت سنو۔

عقاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موزہ کو لے کر اڑ جانا اور اوپر جا کر اوندھا کر دینا تو اس سے ایک سیاہ سانپ کا گرنا

اندریں بودند کا و از صلا	مصطفیٰ بشنید از سوئے علا
لوگ اسی (انتظار) میں تھے کہ اذان کی آواز	اونچائی سے مصطفیٰ نے سنی

یعنی سب لوگ اسی گفتگو میں تھے کہ نماز کی آواز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلندی کی طرف سے سنی (صلا مخفف صلوٰۃ ہے)

خواست آبے و وضو را تازہ کرد	دست ورو را شست اوزاں آب سرد
پانی مانگا اور تازہ وضو کیا	اس ٹھنڈے پانی سے ہاتھ اور منہ دھویا

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور وضو تازہ کیا اور اس ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھویا مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو اگرچہ پہلے سے تھا لیکن آپ نے دوبارہ تازہ وضو کرنا چاہا۔

ہر دو پاشست و بموزہ کرد رائے	موزہ را بر بود یک موزہ ربائے
دونوں پاؤں دھوئے اور موزے کا ارادہ کیا	ایک موزہ لے اڑنے والا موزہ لے اڑا

یعنی دونوں پاؤں دھو کر موزہ کی طرف رائے فرمائی تو موزہ کو ایک موزہ کا اچکنے والا لے گیا۔ مطلب یہ کہ وضو فرما کر موزہ پہننے کا ارادہ کیا تو موزہ کو ایک جانور اچک کر لے اڑا۔

دست سوئے موزہ برد آن خوش خطاب	موزہ را بر بود از دستش عقاب
اس خوش خطاب نے موزے کی جانب ہاتھ کیا	باز ان کے ہاتھ سے موزہ اچک لے گیا

یعنی وہ خوش خطاب (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم) موزہ کی طرف ہاتھ لے گئے تو آپ کے دست مبارک میں سے عقاب موزہ کو لے گیا۔

موزہ را اندر ہوا برد او چو باد	پس نگوں کرد او وزاں مارے فتاد
وہ موزے کو ہوا کی طرح فضا میں لے اڑا	پھر اس کو اس نے اوندھا کیا اس میں سے سانپ گرا

یعنی وہ ہوا کی طرح موزہ کو لے اڑا پھر اسے اوندھا کر دیا تو اس میں سے ایک سانپ گرا۔

در فتاد از موزہ یک مارے سیاہ	زان عنایت شد عقابش نیک خواہ
موزے سے ایک کالا سانپ گرا	اس مہربانی کی وجہ سے باز آپ کا خیر خواہ بنا

یعنی موزہ میں سے ایک کالا سانپ گر پڑا اس عنایت خداوندی کی وجہ سے عقاب آپ کا خیر خواہ ہو گیا۔

پس عقاب آن موزہ را آورد باز	گفت ہیں بستان ورو سوئے نماز
پھر باز اس موزے کو واپس لایا	بولا ہاں لے لیجئے اور نماز کو جائیے

یعنی پھر عقاب اس موزہ کو واپس لے آیا۔ اور عرض کیا کہ یہ لیجئے اور نماز کے لئے تشریف لے جائیے اور (عرض کرنے لگا کہ)

از ضرورت کردم این گستاخئے	من ز ادب دارم شکستہ شاخئے
میں نے یہ گستاخی مجبوراً کی	میں ادب کی وجہ سے ٹوٹی ہوئی شاخ رکھتا ہوں

یعنی میں نے یہ ایک گستاخی بضرورت کی تھی (ورنہ) میں تو ادب کی وجہ سے بہت ہی منکسر ہوں۔ مطلب یہ کہ اس عقاب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے جو یہ گستاخی کی کہ آپ کے دست مبارک میں سے موزہ اچک لیا تو اس کی وجہ صرف ضرورت تھی ورنہ میں ہرگز ایسی گستاخی نہ کرتا میں تو حضور کے سامنے بہت ہی متواضع اور منکسر ہوں۔

بے ضرورت کش ہوا فتوی دہد	وائے کو گستاخ پائے می نہد
بغیر ضرورت کے جبکہ اس کو خواہش نفسانی فتوی دیدے	افسوس اس پر جو گستاخی سے پاؤں رکھے

یعنی افسوس ہے اس شخص پر جو کہ بے ضرورت گستاخانہ قدم رکھتا ہے (صرف اس لئے) کہ اس کو ہوائے نفسانی فتوی دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس نے عرض کیا کہ میں تو بہت ہی متواضع اور منکسر ہوں اور میں نے جو کیا وہ حقیقت میں گستاخی نہ تھی بلکہ ایک ضروری کام تھا۔ لیکن ان لوگوں پر سخت افسوس ہے جو کہ بلا ضرورت صرف خواہشات نفسانی کی وجہ سے حقیقۃً گستاخیاں کرتے ہیں۔

ایں جفا دیدیم و بود آن خود وفا	پس رسولش شکر گفت و گفت ما
یہ ظلم سمجھے اور وہ وفا (داری) تھی	پھر رسولؐ نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا ہم

یعنی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس (عقاب) کا شکر ادا فرمایا اور فرمایا کہ ہم تو اس کو جفا سمجھے تھے اور یہ تو وفا تھی۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا میاں ہم تو سمجھے تھے کہ تم نے ایک ظلم کیا کہ موزہ نہ پہننے دیا لیکن یہ تو سراسر وفاداری تھی۔

تو غم بردی و من در غم شدم	موزہ بر بودی و من درہم شدم
تونے غم ہٹایا اور میں غمگین ہوا	تو موزہ اچک لے گیا اور میں بگڑا

یعنی تو موزہ لے گیا اور میں پریشان ہوا تو تو میرا غم لے گیا اور میں غم میں مبتلا ہوا (اور فرمایا کہ)

دل دراں لحظہ بخود مشغول بود	گرچہ ہر غیبے خدا مارا نمود
(لیکن) دل اس وقت اپنے میں مشغول تھا	اگرچہ اللہ (تعالیٰ) نے ہمیں ہر غیب دکھا دیا ہے

یعنی اگرچہ تمام مغیبات (ضروریہ) خدا نے ہم کو دکھلائے ہیں لیکن اس وقت میں دل اپنی طرف مشغول تھا مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ضروری ضروری مغیبات ہم کو بتلا دی ہیں اور ہم ان پر مطلع ہیں۔ لیکن اس وقت چونکہ دوسری طرف توجہ تھی لہذا موزہ میں سانپ کے ہونے کی خبر نہ ہوئی۔ اس کو سن کر عقاب نے یہ جواب دیا کہ

دیدنم آن غیب را ہم عکس تست	گفت دور از تو کہ غفلت از تو رست
میرا غیب کو دیکھ لینا بھی آپ کا پر تو ہے	اس نے کہا یہ بات آپ سے بعید ہے کیونکہ آپ غفلت سے مبرا ہیں

یعنی عقاب نے کہا کہ یہ آپ سے یہ دور ہے کہ آپ سے غفلت پیدا ہو (بلکہ) یہ میرا دیکھنا بھی آپ ہی کا

عکس تھا۔ مطلب یہ کہ اس نے عرض کیا کہ آپ کی شان سے یہ بہت ہی بعید ہے کہ آپ سے غفلت ہو آپ سے خدانہ کرے غفلت کیوں ہوتی آپ تو ایسے ہوشیار اور بیدار ہیں کہ دوسروں پر بھی اس ہوشیاری کا عکس پڑتا ہے کہ میں نے جو اس سانپ کو دیکھ لیا اور مجھے معلوم ہو گیا یہ بھی صرف آپ ہی کی برکت تھی ورنہ بھلا میں اور اڑتا ہوا موزہ میں سانپ کیسے دیکھ سکتا تھا۔

مار در موزہ بہ بینم در ہوا	نیست از من عکس تست اے مصطفیٰ
میں فضا سے موزے میں سانپ دیکھ لوں	یہ میرا کام نہیں ہے اے مصطفیٰ! یہ آپ کا پرتو ہے

یعنی میں سانپ کو موزہ میں اڑتے ہوئے دیکھ لوں یہ مجھ سے نہیں ہے بلکہ اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا ہی عکس ہے۔ مطلب یہ کہ اس نے عرض کیا کہ میرا یہ دیکھ لینا بھی کوئی ذاتی کمال نہ تھا بلکہ یہ بھی آپ ہی کا پرتو اور عکس تھا کہ جس کی بدولت میری آنکھ نے اس کو دیکھ لیا ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ ادراک۔

بہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عکس نورانی ہمہ روشن بود	عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود
نورانی پرتو پورا روشن ہوتا ہے	ظلمانی پرتو بالکل بھٹی ہوتا ہے

یعنی نورانی شے کا عکس بالکل روشن ہی ہوتا ہے اور ظلمانی شے کا عکس بالکل سیاہ ہوتا ہے۔

عکس عبداللہ ہمہ نوری بود	عکس بیگانہ ہمہ کوری بود
اللہ کے نیک بندے کا پرتو بالکل نور ہوتا ہے	بیگانے کا پرتو بالکل اندھا پن ہوتا ہے

یعنی عبداللہ کا عکس بالکل نورانی ہوتا ہے اور بیگانہ کا عکس بالکل اندھا پن ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو حضرات اولیاء اللہ ہیں اور ان کے قلوب نورانی ہیں ان کا تو عکس بھی نورانی ہی ہوتا ہے اور جو لوگ کہ محجوب اور غیر اولیاء اللہ ہیں ان کا عکس بھی ظلمت اور حجاب ہی ہوتا ہے آگے ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

عکس ہر کس را بداں اے جان بہ بین	پہلوئے جنسے کہ میخواہی نشین
ہر شخص کے پرتو کو سمجھ لے اے جان! دیکھ لے	تو کس جنس کے پہلو میں بیٹھنا چاہ رہا ہے

یعنی ہر شخص کے عکس کو اے جان اس سے جانچ لے (اور پھر) جس کے پہلو میں چاہے بیٹھ۔ مطلب یہ کہ جب ہر شخص کا عکس مختلف پڑتا ہے اور ہر ایک کا اثر جداگانہ ہوتا ہے تو تم کو چاہئے کہ اول ہر شخص کی حالت کو اس کو عکس سے جانچ لو کہ اس کے ہمنشینوں پر اس کا کیا اثر اور کیا عکس ہے جب تم اس کو پہچان لو پھر جس کے پاس چاہو بیٹھو اٹھو۔ پھر تم کو ضرر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جب اس امر کی شناخت ہو گئی تو اب تو کوئی بات رہی ہی نہیں جس سے ضرر ہو سکے آگے اس قصہ کا وجہ عبرت ہونا بیان فرماتے ہیں۔

اس حکایت سے عبرت حاصل کرنے کی وجہ اور آیۃ ان مع العسر یسراً کے معنے

تا شوی راضی تو در حکم قضا	عبرت ست این قصہ اے جان مرترا
تاکہ تو اللہ (تعالیٰ) کے فیصلہ پر راضی ہو جائے	اے جان! تیرے لئے یہ قصہ باعث عبرت ہے

یعنی اے جان یہ قصہ تمہارے لئے عبرت کے قابل ہے تاکہ تم حکم قضا میں راضی رہو۔

چون بہ بینی واقعۂ بد ناگہاں	تاکہ زیرک باشی و نیکو گمان
جب تو اچانک کوئی برا واقعہ دیکھے	تاکہ تو ہوشیار اور نیک گمان بن جائے

یعنی تاکہ تم ہوشیار اور نیک گمان رہو جس وقت کہ ناگہاں کوئی ناگوار واقعہ کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ یہ قصہ بالا اس لئے تمہارے لئے عبرت کے قابل ہے کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ جو واقعہ قضا و قدر سے پیش آتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے اور جب یہ معلوم ہو جاوے گا تو پھر تم اس پر راضی رہو گے اور تم کو راضی رہنا آسان ہو جاوے گا۔

تو چو گل غندان گہہ سود و زیاں	دیگراں گردند زرد از بیم آں
تو نفع اور نقصان کے وقت پھول کی طرح کھلے	دوسرے اس کے ڈر سے پیلے پڑ جائیں

یعنی دوسرے لوگ تو اس کے خوف سے زرد ہو جاویں اور تم پھول کی طرح نفع نقصان کے وقت ہنستے رہو۔

خندہ نگزارد نہ گردد منثنی	زانکہ از گل گر تو برگش می کنی
وہ مسکرانا نہیں چھوڑتا ہے اور نہ مرجھاتا	کیونکہ اگر تو پھول کی پتیاں کر دے

یعنی اس لئے کہ اگر تم پھول کی پنکھڑیاں اکھاڑ دو تو وہ ہنسی کو چھوڑتا نہیں اور مرجھاتا نہیں۔

خندہ را من خود زخار آوردہ ام	گوید از خارے چرا افتم بغم
میں نے اپنی مسکراہٹ کانٹے سے لی ہے	وہ کہتا ہے میں کانٹے سے غم میں کیوں پڑوں؟

یعنی وہ پھول کہتا ہے کہ میں خار عدم سے کیوں غم میں پڑوں میں تو ہنسی کو عدم ہی سے لایا ہوں مطلب یہ کہ دیکھو پھول کو اگر تم پنکھڑی پنکھڑی الگ کر ڈالو تب بھی وہ ہنستا ہی رہتا ہے اور پژمردہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بزبان حال کہتا ہے کہ بھلا میں جو معدوم ہونے سے ملول اور پژمردہ ہوں تو مجھے اس کی کیا غرض ہے اس لئے کہ میری یہ ہنسی تو عدم ہی سے وجود میں آئی ہے تو اگر مجھ پر دوبارہ عدم طاہری ہوگا تو اس وقت بھی یہ ہنسی رہے گی پس اسی طرح تم کو چاہئے کہ جو ناگواری پیش آوے یہ سمجھو کہ ہم خود قضا و قدر سے آئے ہیں اور یہ بلا و مصیبت بھی قضا و قدر ہی سے

آئی ہے لہذا پریشان ہونا سخت غلطی ہے۔

ہر چہ از تو یا وہ گردد از قضا	تو یقین دان کہ خریدت از بلا
قضا کی وجہ سے جو چیز تجھ سے گم ہو جائے	تو یقین کرلے کہ اس نے تجھے مصیبت سے نجات دی ہے

یعنی جو شے کہ قضا کی وجہ سے تیرے پاس سے جاتی رہے تو تو یقیناً جان لے کہ تجھے بلا سے خرید لیا مطلب یہ کہ اگر تمہاری کوئی شے جاتی رہے اور تقدیر سے کسی چیز کا نقصان ہو جاوے تو اس پر راضی رہو اور یوں سمجھو کہ کوئی بلا خود ہماری ذات پر آنے والی تھی جو کہ چلو مال ہی پر ٹل گئی۔ فالحمد للہ۔

ما التصوف قال وجدان الفرح	فی الفواد عند اتیان الترح
تصوف کیا ہے کہا خوشی محسوس کرنا	دل میں رنج آنے کے وقت

یعنی (کسی شخص نے کسی سے پوچھا کہ) تصوف کیا ہے تو اس نے کہا کہ دل میں مصیبت کے آنے کے وقت خوشی پانا۔ مطلب یہ کہ جس وقت کوئی مصیبت آوے تو اس پر راضی رہنا اصل تصوف یہ ہے اب رہا رنج طبعی تو نہ تو وہ ممنوع ہے اور نہ مذموم بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ مصیبت کے وقت راضی رہے اور کوئی کلمہ خدا کی شکایت وغیرہ کا نہ کہے اور اگر رنج طبعی ہو تو مضائقہ نہیں ہے اور اس کی علامت کہ رنج طبعی ہے اور دل سے راضی ہیں یا اصل سے راضی ہی نہیں ہیں یہ ہے کہ اگر ایسے وقت میں شکوہ و شکایت کرتا ہے تب تو راضی نہیں ہے اور اگر شکایت نہیں ہے بلکہ صبر کیا تو معلوم ہوا کہ راضی ہے اور اس کو اصل تصوف حاصل ہے اور شکوہ و شکایت زبان ہی سے نہیں بلکہ دل میں بھی خدا کی شکایت پیدا نہ ہو۔

آں عقابش را عقابے دان کہ او	در ربود آن موزہ را زان نیکخو
اس سزا کو وہ باز سمجھ لے جو	ان نیک خصلت سے موزہ اڑا لے گیا

یعنی اس شخص کی مصیبت کو وہ عقاب جانو جو کہ موزہ کو اس نیک خصلت صلی اللہ علیہ وسلم سے اچک لے گیا تھا۔

تا رہاند پاش را از زخم مار	اے خنک عقلے کہ باشد بے غبار
تاکہ آپ کے پاؤں کو سانپ کے زخم سے بچائے	قابل مبارکباد ہے وہ عقل جو بے غبار ہے

یعنی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کو سانپ کے زخم سے بچاوے۔ ٹھنڈی ہو وہ عقل جو کہ بے غبار ہے۔ مطلب یہ کہ جو مصیبت کسی پر آوے تو اس مصیبت کو اس عقاب کی طرح جانو جو کہ موزہ لے گیا تھا کہ دیکھو اس میں کیسی مصلحت تھی حالانکہ بظاہر ناگوار معلوم ہوتا تھا تو بس تم بھی یہی سمجھو کہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہے جیسا کہ خود ارشاد حق ہے کہ **عسی ان تکرھوا شیئا و ھو خیر لکم و عسی ان تحبوا شیئا و ھو شر لکم**

گفت لاتا سوا علی مافاتکم	ان اتی السرحان واردی شاتکم
فرمایا جو تم سے جاتا رہے اس پر غم نہ کرو	اگر بھیڑیا آ جائے اور تمہاری بکری ہلاک کر دے

یعنی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شے جاتی رہے اس پر غمگین مت ہو اگرچہ بھیڑیا آوے اور تمہاری بکریوں کو خراب کر دے۔ مطلب یہ کہ جو چیز بھی جاتی رہے اس کو اسی طرف سے سمجھو اور اس کے مصالح پر غور کرو۔ اور اس پر غمگین مت ہو۔

گفت ہرچہ آن فوت شد غمگین مشو	زانکہ گر شد کہنہ آید باز نو
فرمایا جو چیز فوت ہو جائے (اس پر) غمگین نہ بن	کیونکہ اگر پرانی جاتی رہی ہے' نئی پھر آ جائے گی

یعنی فرمایا ہے کہ جو کچھ فوت ہو جاوے تو غمگین مت ہو اس لئے کہ اگر پرانا جاتا رہا تو نیا آ جاوے گا۔

گر بلا آید ترا اندہ مبر	ورزیاں بینی غم آن ہم مخور
اگر تجھ پر مصیبت آئے' غم نہ کر	اگر تو نقصان دیکھے اس کا غم نہ کھا

یعنی اگر تجھ پر کوئی بلا آوے تو رنجیدہ مت ہو اور اگر تو کوئی نقصان دیکھے تب بھی غم مت کھا (اس لئے کہ)

کان بلا دفع بلا ہائے بزرگ	واں زیاں منع زیانہائے سترگ
کیونکہ وہ مصیبت' بڑی مصیبتوں کے لئے دافع ہے	اور وہ نقصان بڑے نقصانوں کا مانع ہے

یعنی کیونکہ وہ بلا بہت سی بڑی بڑی بلاؤں کا دفعیہ ہے اور وہ نقصان بہت سے بڑے نقصانوں کی روک ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی بلا آوے یا کوئی نقصان ہو جاوے تو یوں سمجھو کہ نہ معلوم یہ کتنی بڑی بڑی بلاؤں اور نقصانوں کا دفعیہ ہے کہ اس کے آ جانے سے وہ سب ٹل گئے ورنہ نہ معلوم کیا سے کیا ہو جاتا۔

راحت جاں آمدا اے جان فوت مال	مال چوں جمع آمدا اے جاں شد وبال
اے عزیز! مال کا فوت ہونا جان کی حفاظت ہے	اے عزیز! جب مال جمع ہو جاتا ہے وبال جان ہو جاتا ہے

یعنی مال کا جاتا رہنا اے پیارے راحت جان ہے اور جب مال جمع ہو جاتا ہے تو پیارے وہ وبال ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ مال کے جاتے رہنے سے رنجیدہ نہ ہو اس لئے کہ مال کا فوت ہو جانا تو راحت ہے ورنہ جب یہ جمع ہو جاتا ہے تو وبال جان ہو جاتا ہے اب آگے ایک حکایت لاتے ہیں جس سے کہ معلوم ہوگا کہ مال کے فوت ہو جانے میں کس قدر بلاؤں کا دفعیہ ہے ورنہ نہ معلوم جان پر پڑے یا ایمان پر پڑے۔ غرض کہ فوت مال میں بے حد مصالح ہیں لیکن اس کو سن کر کوئی عاقل صاحب یہ نہ سمجھیں کہ پھر جس قدر مال ہے اس کو فوت کر دیا جائے بات یہ ہے کہ مال کے فوت ہو جانے میں مصالح ہیں فوت کر دینے میں کوئی مصلحت نہیں ہے اگر مال ہو اور شریعت کے مطابق ہو تو خدا کی نعمت ہے اس میں اسراف سے بچے اور اگر جاتا رہے تو صبر کرے۔ اب حکایت سنو

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح: نیز ایک کافرعورت گاؤں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتحان کے لئے آئی اور اس ہیئت سے آئی کہ اوڑھنی اوڑھے ہوئے تھی اور دو مہینہ کا بچہ بغل میں لئے ہوئے تھی بچہ نے کہا یارسول اللہ آپ پر خدا کا سلام ہو ہم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ جب ماں نے یہ سنا تو غصہ سے کہا چپ رہ ارے یہ گواہی تیرے کان میں کس نے ڈال دی اور یہ تجھے کس نے سکھلایا کہ تیری زبان بچپن ہی میں چلنے لگی۔ (اتنی سی جان ہاتھ بھر کی زبان) اس نے کہا اولا تو مجھے خدا نے یہ شہادت تعلیم فرمائی ہے اور اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے اور میں جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ بول رہا ہوں اس نے کہا جبرئیل کہاں ہیں بچہ نے کہا اماں تم دیکھتی نہیں آپ کے سر پر ہیں ذرا نظر تو اٹھاؤ جبرئیل آپ کے سر پر کھڑے ہوئے میری رہنمائی فرمارہے ہیں۔ اس نے کہا تجھے دکھلائی دیتے ہیں۔ بچہ نے کہا ہاں میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے سر پر چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہیں وہ مجھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سکھلا رہے ہیں اور وہی مجھ کو اس حضیض سے اوج پر پہنچا رہے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے شیرخوار بچے تیرا نام کیا ہے بیان کر دیکھ میرے حکم کی نافرمانی نہ کرنا کہ بیان نہ کرے اس نے عرض کیا کہ خدا کے نزدیک تو میرا نام عبدالعزیز ہے مگر یہ پست ہمت اور مختصر لوگ مجھے عبدالعزیٰ کہتے ہیں مگر مجھے عزٰے سے کوئی واسطہ نہیں میں اس سے بیزار اور بری ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ حق نے آپ کو پیغمبری عطا فرمائی ہے۔ غرض دو مہینہ کے بچے نے اس قدر اعلیٰ گفتگو کی جیسے اولیاء اللہ اور صاحب قوۃ قدسیہ کرتے ہوں۔ اس کے بعد جنت کی خوشبو آئی جو لڑکے نے بھی سونگھی اور اس کی ماں نے بھی اس کو سونگھ کر دونوں کہتے تھے کہ چونکہ اس خوشبو کے زوال کا اندیشہ ہے اس لئے اسی خوشبو سے ہماری جان نکل جائے تو بہتر ہے کہ ہم سے یہ خوشبو جدا ہی نہ ہو۔ واقعی بات یہ ہے کہ جس کی تعریف حق سبحانہ فرماتے ہیں کیا جمادات کیا نباتات کیا حیوانات سب اس کی تعریف کرتے ہیں اور جس کی تعریف خدا تعالیٰ فرماتے ہیں جمادات نباتات وحیوانات سب اس کی تصدیق کرتے ہیں اور جس کا خدا نگہبان ہوتا ہے مرغ و ماہی اس کی حفاظت کرتے ہیں چنانچہ یہی واقعہ ہو رہا تھا کہ اتنے میں بلندی سے اذان کی آواز آئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر پانی منگایا گو وضو آپ کو پیشتر سے تھا مگر آپ نے تازہ وضو کیا اور ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھویا۔ (مسح کرکے) پاؤں دھوئے اور جی میں آیا کہ موزہ پہنیں ایک اچکنے والا جانور موزہ اچک لے گیا۔ یعنی آپ نے موزہ اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور عقاب آپ کے ہاتھ میں سے اچک لے گیا۔ اور ہوا کی طرح ہوا میں لے اڑا اور وہاں جا کر اس کو الٹا تو اس میں سے سانپ گرا۔ دیکھو خدا کی عنایت تھی کہ عقاب خیرخواہ ہوگیا اور وہ کالا سانپ جو موزہ میں بیٹھا ہوا تھا گر پڑا اور موزہ پہننے کے قابل ہوگیا۔ اس کے بعد وہ عقاب موزہ کو واپس لایا اور کہا لیجئے اور نماز کو تشریف لے جائیے۔ میں نے یہ گستاخی محض ضرورت کے لئے

کی تھی ورنہ میں بے ادب نہیں ہوں بلکہ میں تو ادب کی وجہ سے حضور کے سامنے بہت ہی منکسر ہوں ہاں اس کی حالت نہایت قابل افسوس ہے جو بلا ضرورت محض خواہش نفسانی سے گستاخانہ قدم اٹھائے مگر الحمدللہ کہ میں ایسا نہیں ہوں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ ہم نے تو اس کو زیادتی سمجھا تھا لیکن یہ تو واقع میں خیر خواہی تھی تم میرا موزہ لے گئے اور مجھے ناگوار ہوا کہ دیکھو اس نے نماز کے لئے جانے میں مزاحمت کی تم نے میرا غم کھویا اور میں مغموم ہوا یہ میری غلطی تھی اگر چہ حق سبحانہ نے اکثر مغیبات ضرور یہ ہم پر ظاہر فرمائے ہیں اور ان میں سے یہ بھی تھا لیکن دل اپنی حالت میں مشغول تھا۔ اس لئے التفات نہ ہوا عقاب نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ آپ کو غفلت ہو میں نے جو دیکھا تو یہ بھی حضور ہی کا پر تو تھا میرا کوئی ذاتی کمال نہ تھا میں ہوا کے اندر اڑتا ہوا موزہ کے اندر سانپ دیکھ لوں یہ میرا کام نہیں بلکہ حضور ہی کا عکس ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ نورانی چیز کا عکس بھی نورانی ہی ہوتا ہے اور ظلمانی چیزوں کا عکس تاریک ہی ہوتا ہے اس لئے اہل اللہ کا پر تو بھی نورانی ہوتا ہے لہذا اس سے معرفت بڑھتی ہے اور اغیار کا عکس بالکل ظلمت ہوتا ہے کہ جو صفائی اور تنور پہلے سے ہوتا ہے وہ بھی یا زائل ہو جاتا ہے یا اس میں تکدر آ جاتا ہے علی تفاوت الاحوال پس اول تم کو ہر شخص کا عکس اس کی حالت سے جان لینا چاہئے پھر جس کے پہلو میں چاہو بیٹھو نیز اس قصہ سے تم کو عبرت حاصل کرنی چاہئے تاکہ تم حق سبحانہ کے حکم پر رضا مند ہو۔ اور جب اچانک کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو عقل سے کام لو اور خدا کے ساتھ حسن ظن رکھو کہ اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی اور جبکہ دوسرے لوگوں کے مارے خوف کے رنگت زرد ہو اس وقت تم کو اصلا ہراس نہ ہو بلکہ تم نفع اور نقصان ہر دو حالت میں پھول کی طرح کھلے رہو اس لئے کہ پھول کو کچھ بھی ملال نہیں ہوتا اگر تم اس کی پنکھڑی پنکھڑی الگ کر دو تب بھی وہ کھلا ہی رہتا ہے نہ ہنسنا چھوڑتا ہے اور نہ پژمردہ ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں معدوم ہونے سے ملول کیوں ہوں آخر یہ ہنسی جو مجھے ملی ہے یہ بھی تو عدم ہی سے ملی ہے اور عدم تو میرا وطن اصلی ہے پس اگر میرے اجزاء اپنے اصلی وطن کو چلے جائیں تو رنج کی کیا بات ہے پس تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے اور جو کچھ بحکم الٰہی تم سے جاتا رہے تم کو اس پر غم نہ کرنا چاہئے بلکہ سمجھنا چاہئے کہ یہ کسی بلا کا دفعیہ ہے کسی نے کسی درویش سے پوچھا کہ تصوف کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ناگوار واقعہ پیش آنے کے وقت بھی دل میں خوشی پانا پس تم سختی کو اسی عقاب کی مثل غم ربا سمجھا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ اڑا لے گیا تھا اور وہ اس لئے آتی ہے کہ تم کو تکلیف شدید سے بچاوے۔ پس تم کو عقل سے کام لینا چاہئے اور غلطی میں نہ پڑنا چاہئے۔ جو عقل غلطی سے بچے بڑی مبارک ہے۔ دیکھو حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے تم اس کا غم نہ کرو کیونکہ وہ حقیقت میں ایک بھیڑیا تھی اور بھیڑیے کا قاعدہ ہے کہ جب آتا ہے تو تمہاری بکری لے جاتا ہے پس اس سے بھی تم کو کوئی ضرر ہوتا ہم نے تم کو اس ضرر سے بچا دیا۔ مانا کہ ایک چیز تم سے جاتی رہی اس پر غم فضول ہے پس تم ہرگز غم نہ کرو کیونکہ اگر کوئی پرانی ضائع ہوگئی بلا سے اور نئی مل جاوے گی۔ خواہ اسی قسم کی یا اس سے بھی بڑھ کر پس اگر کوئی بلا آئے تو اس پر مغموم نہ ہونا چاہئے اور اگر نقصان ہو تو اس کا غم نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ بلا اور بڑی بلاؤں کا دفعیہ ہے اور

یہ نقصان دیگر بڑے نقصانوں کا مانع ہے چنانچہ مال کے ضائع ہونے سے جان کو راحت ہوتی ہے اور جب مال جمع ہو جاتا ہے تو وبال جان ہوتا ہے کہیں اس کی حفاظت کی فکر ہے کہیں اس کے لئے لوگوں سے لڑائی ہے کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے غرض کہ ایک مصیبت ہے اور جبکہ وہ نہ رہا سارے جھگڑوں سے نجات ہوگئی۔

شرح شبّیری

ایک شخص کا موسیٰ علیہ السلام سے جانوروں کی زبان سیکھنے کی استدعا کرنا

گفت موسےٰ را یکے مرد جواں	کہ بیا موزم زبان جانوراں
ایک نوجوان نے (حضرت) موسیٰ سے عرض کیا	کہ مجھے جانوروں کی زبان سکھا دیجئے

یعنی موسےٰ علیہ السلام سے ایک مرد جوان نے عرض کیا کہ مجھے جانوروں کی بولی سکھا دیجئے۔

تا بود کز بانگ حیوانات و دد	عبرتے حاصل کنم در دین حق
ہو سکتا ہے کہ حیوانات اور درندوں کی آواز سے	اللہ کے دین میں کوئی عبرت حاصل کر لوں

یعنی تاکہ ایسا ہو کہ درندوں اور چرندوں کی باتوں سے میں اپنے دین میں کوئی عبرت حاصل کر دوں۔

چوں زبانہائے بنی آدم ہمہ	در پے آبست و ناں و دمدمہ
چونکہ تمام اولاد آدم کی زبانیں	روٹی اور پانی، اور مکر کے لئے ہیں

یعنی چونکہ سب آدمیوں کی زبانیں پانی اور روٹی اور مکر وفریب کے واسطے ہیں۔

بو کہ حیوانات را ورد دگر	باشد از تدبیر ہنگام گزر
ہو سکتا ہے کہ حیوانات کا کوئی دوسرا معمول	ہو مرنے کے وقت کی تدبیر کا

یعنی شاید کہ حیوانات کے لئے کوئی دوسرا مشغلہ موت کی تدبیر (وغیرہ کے متعلق) ہو۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ مجھے حیوانات کی بولی سکھا دیجئے اس لئے کہ آدمی کی زبان تو دن رات اسی مشغلہ میں رہتی ہے کہ روٹی کا فکر کر لیا۔ پانی کا فکر کر لیا مکر وفریب کر لیا۔ ان کی بولیاں سن کر تو اسی طرف طبیعت کو میلان ہوتا ہے اور اگر حیوانات کی بولیاں معلوم ہو جائیں گی تو ممکن ہے کہ وہ کچھ اس طرف کے متعلق گفتگو کرتے ہوں اور سوچتے ہوں کہ موت کے واسطے تدابیر کرنا چاہئے۔ تو ان کی باتوں سے ہمیں بھی اس طرف توجہ ہو جاوے۔

گفت موسیٰ رو گزر کن زیں ہوس	کایں خطر دارد بسے در پیش و پس
(حضرت) موسیٰ نے فرمایا جا اس ہوس سے درگزر کر	کیونکہ یہ آگے اور پیچھے بہت سے خطرے رکھتا ہے

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جا اس ہوس سے درگزر۔ کیونکہ یہ بات آگے پیچھے بہت سے خطرے رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں بہت سے خطرے ہیں تو اس ہوس کو دل سے نکال دے۔

عبرت و بیداری از یزدان طلب	نہ از کتاب و از مقال و حرف و لب
عبرت اور آگاہی خدا سے مانگ	نہ کتاب اور گفتگو اور حروف اور ہونٹوں سے

یعنی عبرت اور بیداری خدا سے مانگ نہ کہ کتاب سے اور باتوں سے اور حرفوں سے اور لب سے مطلب یہ کہ میاں ان باتوں سے کہیں عبرت اور بیداری ہوا کرتی ہے۔ عبرت تو ہوا کرتی ہے توفیق حق سے تو خدا سے دعا کر بھلا ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔

گرم تر شد او زآن منعش کہ کرد	گرم تر گردد ہمے از منع مرد
وہ اس روکنے سے اور زیادہ (سر) گرم ہو گیا	روکنے سے انسان اور مصر ہو جاتا ہے

یعنی وہ آدمی اس منع کرنے سے اور بھی مصر ہوا۔ اور منع کرنے سے آدمی زیادہ مصر ہوا ہی کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو منع کیا تو اس کو اور زیادہ اشتیاق ہوا اور وہ اور بھی اصرار کرنے لگا کہ نہیں مجھے ضرور سکھا دیجئے۔ دوسرے مصرع میں ایک قاعدہ کلیہ فرماتے ہیں کہ بھائی منع کرنے سے تو ضد زیادہ ہوا ہی کرتی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ الانسان حریص لما منع غرضکہ اس کا اصرار اس لئے اور بھی زیادہ ہوا۔

گفت اے موسیٰ چو نور تو بتافت	ہر چہ چیزے بود از تو چیز یافت
اس نے کہا اے موسیٰ! جب سے آپ کا نور نمودار ہوا ہے	جو کچھ بھی تھا (اس نے) آپ سے کچھ پایا

یعنی اس نے عرض کیا کہ اے موسیٰ جبکہ آپ کا نور چمکا تو جو موجودات تھیں سب نے آپ سے کوئی چیز حاصل کی ہے۔

مرمرا محروم کردن زین مراد	لائق لطفت نباشد اے جواد
اس مقصد سے مجھے محروم کرنا	اے سخی! آپ کی مہربانی کے مناسب نہیں ہے

یعنی اے کریم مجھے اس مراد سے محروم کرنا آپ کے لطف کے لائق نہیں ہے۔

ایں زمان قائم مقام حق توئی	یاس باشد کہ مرا مانع شوی
اس وقت آپ اللہ (تعالیٰ) کے نائب ہیں	اگر آپ مجھے منع کریں گے تو مایوسی ہوگی

یعنی اس زمانہ میں خدا کے نائب آپ ہی ہیں تو اگر آپ مجھے اس امر میں مانع ہوں گے تو مجھے یاس ہو جاوے گی۔

مطلب یہ کہ اس نے عرض کیا کہ اے موسیٰ علیک السلام جب سے آپ کو نبوت ملی ہے تمام موجودات علیٰ فرق مراتب آپ سے فیضیاب ہوئے ہیں اور سب کو کچھ نہ کچھ فیض پہنچا ہے تو آپ بھلا مجھے جو میری مراد تک نہیں پہنچاتے یہ آپ کے لطف و کرم سے تو بہت ہی بعید ہے اس وقت آپ نائب حق ہیں اور حق تعالیٰ کے یہاں سے حکم ہے کہ لا تقنطوا

نا امید مت ہو اور مجھے آپ نا امید کئے دیتے ہیں نائب حق ہو کر نا امید نہ کیجئے بلکہ میری مراد کو پورا فرما دیجئے۔

گفت موسے یارب این مرد سلیم	سخرہ کردستش مگر دیو رجیم
(حضرت) موسیٰ نے فرمایا اے خدا! اس بھولے انسان کو	شاید ملعون شیطان نے اس کو بہکایا ہے

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ اے اللہ یہ آدمی تو بھولا ہے شاید اس کو شیطان ملعون نے مسخر کر لیا ہے۔

گر بیاموزم زیان کارش بود	ور نیاموزم دلش بد مے شود
اگر میں سکھا دوں وہ اس کے لئے نقصان دہ ہو گا	اگر نہیں سکھاتا ہوں تو اس کا دل برا ہو گا

یعنی اگر سکھاتا ہوں تو اس کے کام کا نقصان ہوتا ہے اور اگر نہیں سکھاتا ہوں تو اس کا جی برا ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ جب اس نے بہت ہی اصرار کیا اور موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ اس کو سیکھنے سے نقصان ہو گا اور وہ مانتا نہ تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں دعا کی کہ اے اللہ یہ آدمی ویسے تو بھولا معلوم ہوتا ہے مگر شیطان نے شاید اس کو خوب اچھی طرح بہکا دیا ہے جو یہ اس قدر اصرار کر رہا ہے اب مشکل یہ ہے کہ اگر سکھاتا ہوں تو اس کا نقصان ہوتا ہے اور نہ سکھاؤں تو اس کی دل شکنی ہوتی ہے اب کروں تو کیا کروں۔

گفت اے موسےٰ بیاموزش کہ ما	رد نکردیم از کرم ہرگز دعا
(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے موسیٰ! اس کو سکھا دے کیونکہ ہم نے	کرم سے ہرگز دعا رد نہیں کی ہے

یعنی ارشاد باری ہوا کہ اے موسیٰ آپ اس کو سکھا دیجئے اس لئے کہ ہم نے کرم کی وجہ سے کبھی دعا کو رد نہیں کیا۔

گفت یارب او پشیمانی خورد	دست خاید جامہ ہارا بر درد
(موسیٰ نے) فرمایا اے خدا! وہ شرمندہ ہو گا	ہاتھ چبائے گا کپڑے پھاڑے گا

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ وہ (بعد میں) پشیمان ہو گا۔ ہاتھ کاٹے گا اور کپڑوں کو پھاڑے گا۔ مطلب یہ کہ جب ارشاد حق سکھا دینے کا ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ اس کو اس بولی کے سیکھنے سے نقصان ہو گا جو کہ اس کو اس وقت معلوم نہیں ہوتا۔ اس وقت روتا پھرے گا اور پریشان اور پشیمان ہو کر ہاتھ کاٹے گا اور کپڑے پھاڑے گا۔ اور افسوس کرے گا۔ تو بہتر ہے کہ ابھی نہ سکھایا جاوے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

نیست قدرت ہر کسے را سازوار	عجز بہتر مایہ پرہیز گار
قدرت ہر ایک کے لئے مناسب نہیں ہے	عاجزی پرہیزگار کے لئے بہت اچھا سرمایہ ہے

یعنی ہر شخص کے لئے قدرت ہونا مناسب نہیں ہے پرہیزگار کا سرمایہ تو عجز ہی بہتر ہے۔

فقر زین رو فخر آمد جاودان	کہ بتقوے ماند دست نارسان
اسی لئے فقر ہمیشہ فخر ہے	نارسا ہاتھ پرہیزگاری میں رہتا ہے

یعنی فقر ہمیشہ اسی لئے مایہ فخر رہا ہے کہ محتاج کا ہاتھ تقوے ہی میں بند رہتا ہے۔

زاں غنا و زاں غنی مردود شد	کہ ز قدرت صبرہا پر رود شد
اسی لئے مالداری اور مالدار مردود ہوا ہے	کہ قدرت کے وقت بہت سے صبر رخصت ہو جاتے ہیں

یعنی غنا اور غنی اس لئے مردود ہوئے کہ قدرت کی وجہ سے صبر جاتے رہے۔

آدمی را عجز و فقر آمد اماں	از بلائے نفس پر حرص و غماں
آدمی کے لئے عجز اور فقر (باعث) امن ہے	حرص اور غموں سے بھرے نفس کی مصیبت سے

یعنی آدمی کیلئے نفس پر حرص وغم کی بلاؤں سے عجز وفقر جائے امن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے صاحب مقدرت اور غنی ہونا مناسب نہیں ہے اور ہر شخص کو دولت موافق نہیں ہوتی بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کو فقر ہی کی بدولت تقویٰ نصیب ہے کہ چونکہ ان کو کسی شے پر قدرت نہیں ہے اور وہ کچھ کر ہی نہیں سکتے اس لئے ان کا تقویٰ درست ہے اور اگر کہیں خدانخواستہ ایسے طبیعت والے صاحب قدرت ہوتے تو پھر تو خدا جانے کیا غضب ڈھاتے۔ کسی نے کہا ہے کہ

زاہد نہ داشت تاب جمال پری رخان　　　کنجے گرفت و ترس خدارا بہانہ ساخت

غرضکہ یہی وجہ ہے کہ اکثر مواقع میں فقر کو مایہ فخر کہا جاتا ہے کہ طبائع ضعیف ہیں تو اکثر جگہ فقر ہی بہتر ہے کہ نہ قدرت ہوگی اور نہ کوئی حرکت کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے غنی مردود ہو چکے ہیں کہ ان کو قدرت تھی اور پھر نہ سنبھل سکے نہ صبر کر سکے اور بلاہائے نفس میں مبتلا ہو گئے پس نفس وشیطان کی بلاؤں اور ان کے پھندوں سے امن تو فقر ہی میں ملتا ہے اس لئے کہ۔

آں غم آید ز آرزو ہائے فضول	کہ بداں خو کردہ است آں صید غول
بیکار آرزوؤں سے غم پیدا ہوتا ہے	جن کی اس شیطان کے قیدی نے عادت ڈال لی ہو

یعنی وہ غم فضول آرزوؤں ہی سے آتا ہے جس کا کہ یہ شیطان کا شکار عادی ہوتا ہے۔

آرزوئے گل بود گلخوارہ را	گل شکر نگوارد آں بیچارہ را
مٹی کھانے والے کو مٹی کی تمنا ہوتی ہے	اس بے چارے کو گلقند گوارا نہیں ہوتا ہے

یعنی مٹی کھانے والے کو مٹی ہی کی آرزو ہوتی ہے اس بیچارہ کے گل شکر ہضم ہی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ غموم و بلاہائے شیطانی ونفسانی تو فضول فضول آرزوؤں اور بیہودہ باتوں ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور فضول آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں مال ودولت کے ہونے سے۔ لہٰذا اصل جڑ سب چیزوں کی یہی حضرت مال ودولت ہی ہوئے۔ تو مال و دولت اگرچہ کیسی ہی نعمت حق ہو لیکن بعض آدمی کو موافق نہیں آتی۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ دیکھو جس کو مٹی کھانے

کی عادت ہوتی ہے وہ مٹی ہی کھاتا ہے اس کو گل شکر ہضم ہی نہیں ہوتی حالانکہ گل شکر ظاہر ہے کہ کیسی عمدہ اور لطیف اور نفیس چیز ہے تو اسی طرح دولت اگر چہ کیسی ہی نفیس ولطیف کیوں نہ ہو لیکن ہر شخص کے مناسب نہیں ہے۔ بس اسی طرح جانوروں کی بولی سمجھنا اور اس سے عبرت حاصل کرنا کیسا ہی اچھا کیوں نہ ہو لیکن اس شخص کے مناسب نہ تھا مگر اس کو جتنا منع کیا جاتا تھا اس کا اصرار اسی قدر زیادہ ہوتا تھا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حضرت حق کی طرف سے دوسری مرتبہ وحی آئی جس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص نے درخواست کی کہ مجھے جانوروں کی زبان سکھلا دیجئے تا کہ درندوں اور دیگر جانوروں سے میں دین کے متعلق نصیحت حاصل کروں کیونکہ آدمیوں کی گفتگو تو اعلی العموم روٹی پانی مکر وفریب سے تعلق رکھتی ہے ممکن ہے کہ جانوروں کو کوئی اور ہی درد ہو۔ اور ان کو اس جہان فانی کو چھوڑنے کی فکر ہو اور وہ اس کی تدابیر میں مصروف ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس خیال کو چھوڑ و اس میں ہر پہلو میں بہت سے خطرے ہیں۔ رہی عبرت اور تیقظ سو خدا سے دعا کرو وہ عطا فرما دیں گے۔ یہ بات نہ کتاب سے حاصل ہوتی ہے نہ گفتگو سے نہ الفاظ ولب سے انہوں نے جو منع کیا تو اس کو اور بھی زیادہ شوق ہوا کیونکہ منع کرنے سے آدمی کی حرص اور بڑھتی ہے اس نے عرض کیا کہ یا حضرت جب آپ کے نور نے عالم کو منور کیا تو جو بھی کوئی چیز تھی سب کو آپ کے دربار سے کچھ نہ کچھ مل گیا اور کوئی محروم نہیں رہا پس مجھے اپنے کرم سے محروم کرنا آپ کے الطاف فراواں کے شایان شان نہیں۔ اس وقت حضور ہی خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں اگر حضور کے یہاں سے میں محروم ہو گیا تو پھر کوئی امید حصول مدعا کی نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے دعا کی کہ اے اللہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے اس احمق کو مسخر کر لیا ہے اور میری نصیحت نہیں مانتا۔ اگر میں اس کو سکھلاتا ہوں تو اس کا نقصان ہے اور اگر نہیں سکھلاتا ہوں تو بددل ہوتا ہے مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حق سبحانہ نے فرمایا کہ تم سکھلا دو کیونکہ ہم دعا کو اپنے کرم سے رد نہیں کرتے اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ وہ احمق پشیمان ہوگا اور افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کپڑے پھاڑے گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ہر ایک کے لئے قدرت موافق نہیں طالب اتقاء کے لئے عجز ہی بہتر سرمایہ ہے۔ فقر اسی لئے ہمیشہ موجب فخر رہا ہے کہ محتاج کا معاصی تک نہ پہنچنے والا ہاتھ ہمیشہ تقوے ہی تک رہتا ہے اور دولتمندی اور دولتمند بالعموم اسی لئے مردود رہے ہیں کہ حصول قدرت کے سبب معاصی سے صبر نہ ہو سکا۔ پس عجز وفقر آدمی کو نفس حریص کی بلا اور طرح طرح کے آلام سے بچاتا ہے کیونکہ غم تو ان فضول آرزوؤں سے پیدا ہوتا ہے جن کا شیطان کے پھندے میں پھنسا ہوا آدمی خوگر ہوتا ہے چنانچہ جو شخص مٹی کھانے کا عادی ہے اس کو مٹی کی آرزو ہوتی ہے اور گل شکر اس کو ہضم نہیں ہوتی اور عادت ہوتی ہے قدرت وسامان ودولت

ہے تو تمام غموم کی جڑ یہی چیزیں ہیں جب یہ نہ ہوں گی تو پھر کوئی غم نہ ہوگا اور نہ کوئی آرزو ہوگی۔

شرح شبیری

حق تعالیٰ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی آنا کہ اس کو جو چیز وہ چاہتا ہے سکھلا دو

یعنی اس کے بعد حضرت حق سے وحی آئی کہ (اے موسیٰ) جاؤ اور وہ جو کچھ کہے لطف و مہربانی سے اس کو سنو۔

گفت یزداں کہ بدہ بالیست او	برکشا در اختیار آں دست او
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا تو اس کی مراد پوری کر دے	اختیار میں اس کا ہاتھ کھول دے

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مطلوب دیدو اور اختیار میں اس کا ہاتھ کھول دو۔ مطلب یہ کہ اس کے ہاتھ جواب عجز کی وجہ سے بندھ رہے ہیں اس کو کھول کر اس کو بااختیار کر دو اور وہ جو چاہتا ہے اس کو بتا دو تاکہ ہم امتحان کر سکیں اس لئے کہ اجر و مواخذہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ انسان کو اختیار بھی ہو اور اگر اختیار ہی نہیں تو پھر اجر و مواخذہ ہی کیا ہوگا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اختیار آمد عبادت را نمک	ورنہ می گردد بنا خواہ ایں فلک
اختیار ' عبادت کا نمک ہے	ورنہ بغیر ارادہ کے یہ آسمان (بھی) طواف کر رہا ہے

یعنی عبادت کے لئے اختیار نمک ہے ورنہ اضطراراً تو یہ آسمان بھی گردش میں ہے۔

گردش او را نہ اجر و نے عتاب	کاختیار آمد ہنر وقت حساب
اس کی گردش کا نہ ثواب ہے نہ عذاب ہے	کیونکہ حساب کے وقت اختیار معیار ہے

یعنی اس کی گردش کے لئے نہ اجر ہے اور نہ عذاب ہے کیونکہ حساب کے وقت تو اختیار ہی ہنر ہے مطلب یہ کہ جس طرح نمک سے کھانا پسندیدہ ہو جاتا ہے اسی طرح اختیار سے عبادت پسندیدہ ہو جاتی ہے ورنہ آخر بے اختیار کے تو آسمان و زمین سب گردش میں ہیں اضطراراً یہ سب کام میں ہیں لیکن چونکہ ان کو اختیار نہیں ہے اس لئے ان کے کام کا نہ کوئی اجر ہے اور نہ کوئی ان کو اس میں عذاب ہے بلکہ ایک کام ہے جو کہ سپرد کر دیا گیا ہے اور یہ بیچارے اس میں لگے ہوئے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ عالم خود مسبح آمدند	نیست آن تسبیح جبری مزدمند
تمام عالم خود تسبیح پڑھنے والے ہیں	(لیکن) وہ جبری تسبیح اجر کا سبب نہیں ہے

یعنی تمام عالم خود مسبح ہے لیکن اس اضطراری تسبیح سے کوئی نفع نہیں ہے غرضکہ اصل شے ہر کام میں اختیار ہے اسی کی وجہ سے اجر ملتا ہے اور یہی وہ شے ہے جو کہ فعل عبد کو موجب عقاب کر دیتی ہے آگے پھر ارشاد باری ہے کہ۔

تیغ در دستش نہ از عجزش بکن	تا کہ غازی گردد او یا راہ زن
اس کے ہاتھ میں تلوار دیدے اس کا عجز ختم کر دے	تاکہ وہ غازی بنے یا ڈاکو

یعنی اس کے ہاتھ میں تلوار رکھ دو اور عجز سے اس کو برطرف کر دو تاکہ (معلوم ہو کہ) غازی ہوتا ہے یا ڈاکو مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ اس کو سکھا دو تاکہ اس کے بعد معلوم ہو کہ اس کو اچھی جگہ استعمال کرتا ہے یا بری جگہ استعمال کرتا ہے اور جب تک اس نے سیکھا ہی نہیں اس وقت تو اس کا امتحان ہو ہی نہیں سکتا۔اور ارشاد ہے کہ۔

زانکہ کرمنا شد آدم ز اختیار	نیم زنبور عسل نیمش مار
اختیار کی وجہ سے (ہی) آدم کرمنا (کا مصداق) بنا	اس کا نصف شہد کی مکھی نصف سانپ ہے

یعنی اس لئے کہ آدم اختیار ہی کی وجہ سے کرمنا ہوا ہے کہ وہ اختیار آدھا تو شہد کی مکھی ہے اور آدھا سانپ ہے۔

مومنان کان عسل زنبور دار	کافراں خود کان زہرے ہمچو مار
مومن شہد کی مکھی کی طرح شہد کی کان ہیں	کافر زہر کی کان میں سانپ کی طرح ہیں

یعنی مومن لوگ تو شہد کی مکھی کی طرح شہد کی کان ہیں اور کافر لوگ سانپ کی طرح زہر کی کان ہیں۔

زانکہ مومن خورد بگزیدہ نبات	تا چو نحلے گشت ریق او حیات
کیونکہ مومن نے اچھے بوٹے کھائے ہیں	یہاں تک کہ شہد کی مکھی کی طرح اس کا لعاب (آب) حیات بنا ہے

یعنی اس لئے کہ مومن نے تو چھٹی ہوئی شکر کھائی یہاں تک کہ شہد کی طرح اس کا تھوک موجب حیات ہوا۔

باز کافر خورد شربت از صدید	ہم ز قوتش زہر شد در وے پدید
پھر کافر نے پیپ کا شربت پیا	اس کی غذا سے بھی اس میں زہر پیدا ہو گیا

یعنی پھر کافر نے شربت پیپ کا کھایا تو اس کی روزی سے اس میں زہر ہی ظاہر ہوا۔مطلب یہ کہ انسان کو جو خلعت ولقد کرمنا بنی آدم عطا ہوا ہے اس کا سبب یہ اختیار ہی تو ہے کہ چونکہ یہ عبادت حق باختیار خود کرتا ہے لہٰذا اس کا اکرام ہوا ورنہ اس کو دیگر اشیاء پر کیا فضیلت صرف اس اختیار ہی نے اس کا یہ مرتبہ کر دیا ہے اب اس اختیار کے دو پہلو ہیں ایک تو اچھا مثل شہد کے اور ایک برا مثل سانپ کے مومنین نے چونکہ اس اختیار کو عبادت حق میں خرچ کیا تو ان کو مراتب عالیہ نصیب ہوئے اور کفار نے چونکہ ان کو دوسری طرف خرچ کیا لہٰذا ان کو اس کا بدلہ ویسا ہی ملا۔غرضکہ جیسا جس نے کیا ویسا بھرا۔آگے فرماتے ہیں کہ۔

اہل الہام خدا عین الحیات	اہل تسویل ہواسم الممات
خدا کے الہام والے (آب) حیات کا چشمہ ہیں	خواہش نفسانی کے طمع والے موت کا زہر ہیں

یعنی الہام خداوندی والے تو چشمۂ حیات ہیں اور ہوائے نفسانی کو سنوارنے والے موت کے زہر ہیں مطلب یہ کہ جو لوگ اولیاء اللہ ہیں وہ تو چشمہ حیات ہیں کہ ان کے ذریعہ سے حیات ابدی اور حیات روحانی نصیب ہوتی ہے۔ اور جو لوگ خواہشات نفسانی کے متبع ہیں وہ گویا کہ زہر قاتل ہیں۔

در جہان این مدح وشاباش وزہے	ز اختیار است و حفاظ و آگہے
دنیا میں یہ تعریف، اور شاباش اور واہ واہ	اختیار اور مروت اور آگاہی کی وجہ سے ہے

یعنی دنیا میں یہ تعریف اور شاباش اور واہ واہ اختیار و حفاظت اور آگاہی ہی کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں دیکھ لو کہ جس کی کوئی تعریف کرتا ہے وہ اسی وجہ سے کہ اس شخص نے کوئی کام اپنے اختیار سے اچھا کیا ہو اور اگر کسی سے کسی نے زبردستی کوئی اچھا کام کرالیا تو اس کی کوئی بھی تعریف نہیں کرتا تو معلوم ہو گیا کہ اچھائی اور برائی سب اختیار ہی کی بدولت ہے آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

جملہ رندان چونکہ در زنداں روند	متقی و زاہد و حق خوان شوند
تمام اوباش جب قید خانے میں جائیں گے	متقی اور پرہیزگار اور اللہ کو پکارنے والے بن جائیں گے

یعنی سارے بدمعاش جبکہ قید خانہ میں جاتے ہیں تو متقی اور زاہد اور خدا کی یاد کرنے والے ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو دنیا میں جب بدمعاش لوگ قید خانہ میں جاتے ہیں تو کیسے نیک بن جاتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے وجہ صرف یہی ہے کہ وہاں افعال بد پر قدرت تو ہوتی نہیں اور اختیار باطل ہو جاتا ہے۔ پس نیک ہو جاتے ہیں لیکن اس وقت کی نیکی قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ دیکھو اگر کوئی شخص کہے کہ میں (خدانخواستہ) اس قدر مدت جیل میں رہا اور میں نے اس میں رہتے ہوئے کسی کی چوری نہیں کی تو ہر سننے والا یہی کہے گا کہ یہ تو کوئی کمال نہیں۔ کمال جب ہے کہ تو شہر میں ہو اور تجھے چوری کا موقعہ بھی ملے اور پھر چوری نہ کرے پس اسی طرح اگر بعد مرنے کے دوزخ میں جاتے وقت (نعوذ باللہ منہ) کوئی توبہ کرے کہ اب گناہ نہ کروں گا وہ توبہ کارآمد نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو یہ ثواب ہے کہ گناہ کر سکتے ہیں تمام سامان موجود ہیں اور پھر ایک خوف حق ہے جو اس گناہ کی طرف رخ بھی نہیں کرنے دیتا۔ یہ ہے اس اختیار سے اچھا کام لینا اور یہی ہے وہ اختیار جس کی وجہ سے کہ انسان کا اکرام ہوا ہے۔ ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب آگے خود اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ قدرت رفت کاسد شد عمل	ہین کہ تا سرمایہ نستاند اجل
چونکہ قدرت جاتی رہی عمل کھوٹا ہو گیا	خبردار! موت سرمایہ کو نہ چھین لے

یعنی جبکہ قدرت جاتی رہی تو عمل بیکار ہو گیا۔ ہوشیار رہنا کہ کہیں سرمایہ کو موت نہ لے لے مطلب یہ کہ ذرا ہوشیار رہو کہیں موت آ جاوے اور یہ اختیار بالکل باطل ہو جاوے موت کے آنے سے پہلے پہلے عمل کر لو ورنہ اس کے بعد تو سارے اعمال بیکار ہو جاویں گے۔

قدرتت سرمایۂ سودست ہیں	وقت قدرت را نگہدار و بہ بیں
آگاہ! نفع کا سرمایہ تیری قدرت ہے	قدرت کے وقت کی نگہداشت کر اور دیکھ لے

یعنی تمہارا اختیار ہی نفع کی پونجی ہے اختیار کے وقت کی حفاظت کرو اور دیکھتے بھالتے رہو۔ مطلب یہ کہ اس وقت فرصت کو غنیمت جانو اور اس حالت میں جبکہ حق تعالیٰ نے اختیار دے رکھا ہے اس سے کام لو ورنہ اس کے بعد اس کو تلاش کرو گے اور اس کا کہیں پتہ نہ ہوگا۔

آدمی بر خنگ کرمنا سوار	در کف درکش عنان اختیار
انسان "کرمنا" کے گھوڑے پر سوار ہے	اس کی عقل کے ہاتھ میں اختیار کی باگ ہے

یعنی آدمی کرمنا کے گھوڑے پر سوار ہے اور اس کے ادراک کے ہاتھ میں اختیار کی باگ ہے۔ مطلب یہ کہ انسان اکرام حق کے گھوڑے پر سوار ہے اور باگ اس کے ہاتھ میں اختیار کی ہے اگر اس نے اس باگ اختیار کو سیدھا رکھا اور راہ راست پر لے چلا تو وہ گھوڑا یعنی اکرام صحیح وسالم رہا اور یہ صاحب اکرام اور مکرم رہے اور اگر اس باگ اختیار کو ٹیڑھا رکھا اور کہیں بے راہ چلا تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گھوڑا کہیں گڑھے وغیرہ میں جا پڑا اور اس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے اور بیکار ہو گیا اور یہ شخص بھی صاحب اسپ صاحب اکرام نہ رہا۔ غرضکہ جو اکرام ہے اور جو ذلت ہے جو اجر ہے اور جو عذاب ہے وہ سب اس اختیار ہی کی بدولت ہے۔ لہٰذا ارشاد حق ہوا کہ اس کو جو یہ کہتا ہے سکھا دو تا کہ یہ عاجز نہ رہے اس کے بعد دیکھیں گے کہ یہ اس اختیار کو کس جگہ استعمال کرتا ہے آیا اچھی جگہ استعمال کرتا ہے یا بری جگہ اس طرف سے یہ ارشاد ہوا لیکن نبی کو جو امت پر رحمت ہوتی ہے اس کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو ایک مرتبہ اور سمجھانا چاہا اور فرمایا کہ۔

باز موسیٰ داد پند او را بہ مہر	کہ مرادت زرد خواہد کرد چہر
(حضرت) موسیٰ نے محبت سے پھر اسے نصیحت کی	کہ تیری مراد چہرہ پیلا کر دے گی

یعنی پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو محبت سے نصیحت کی کہ ارے تیری مراد تیرا چہرہ زرد کر دے گی مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ تیری یہ آرزو اور یہ مراد تجھے بعد میں شرمندہ اور زرد رو کر یگی تو خوب سمجھ لے۔

ترک این سودا بگو وز حق بترس	دیو دا دستت برائے مکر درس
اس جنون کو چھوڑ اور اللہ (تعالیٰ) سے ڈر	شیطان نے مکر کے لئے تجھے سبق پڑھایا ہے

یعنی اس خیال کو چھوڑ اور خدا سے ڈر کہ تجھے شیطان نے مکر کی وجہ سے یہ سبق دیا ہے۔

ہیں برو درد سر خود کم طلب	کایں مرادت افگند در صد تعب
خبردار! اپنا درد سر نہ مول لے	کیونکہ یہ تیری مراد سینکڑوں مشقتوں میں ڈال دے گی

یعنی ارے جا اپنا درد سر مت ڈھونڈ کہ یہ مراد تجھے سینکڑوں مصیبتوں میں ڈال دے گی۔

مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ اس خیال سے درگزر یہ خیال شیطانی ہے تو بہت مصیبت میں پڑے گا۔ غرضکہ جب بہت سمجھایا تو ذرا ذرا ہوش آیا کچھ سمجھ آئی لیکن رہی وہی مرغ کی ایک ٹانگ صرف اس قدر کمی ہوئی کہ پہلے تو تمام جانوروں کی بولی سیکھنے کی تمنا تھی اب صرف اپنے گھر کے پلے ہوئے کتے اور مرغ کی بولی سیکھنے کی آرزو رہ گئی جس کو مولانا آگے بیان فرماتے ہیں کہ۔

اس طالب کا صرف مرغ خانگی اور کتے کی زبان سیکھ لینے پر قانع ہو جانا اور موسیٰ علیہ السلام کا اس کو قبول فرمالینا

گفت بارے نطق سگ کو بر درست	نطق مرغ خانگی کاہل پرست
اس نے کہا کم از کم کتے کی بولی جو دروازہ پر ہے	گھریلو مرغ کی بولی جو پردار ہے

یعنی اس شخص نے کہا کہ اچھا اس کتے کی بولی جو کہ دروازہ پر ہے اور اس مرغ خانگی کی بولی جو کہ پرندہ ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ اچھا ایک کتے کی اور ایک مرغ کی جو کہ میرے یہاں پلے ہوئے ہیں بولی سکھا دیجئے کہ ایک چوپایہ ہے اور ایک پرندہ ہے اور پھر رات دن میرے سامنے رہتے ہیں باتیں کرتے ہیں تو میں یہی سمجھا کروں اور سنا کروں۔ غرضکہ جب اس نے نہ مانا تو موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ۔

گفت موسیٰ ہیں تو دانی زور سید	نطق این ہر دو شود بر تو پدید
(حضرت) موسیٰ نے فرمایا ہاں تو جان لے گا اس (اللہ) سے (اجازت) آ گئی	ان دونوں کی بولی تجھے معلوم ہو جائے گی

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تو جان لے گا اور ان دونوں کی بولی تجھ پر ظاہر ہو جاوے گی۔ لے اب تو مقصود مل گیا۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اس کے بعد حضرت حق سبحانہ کی طرف سے وحی آئی کہ جایئے جو کچھ وہ کہے اس کو مہربانی سے سنئے اور اس کی خواہش پوری کر کے اس کو عاجز سے مختار بنایئے تا کہ وہ امتحان کے قابل ہو سکے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اختیار عبادت کے لئے ایسا ہے جیسا کہ کھانے کے لئے نمک۔ کیونکہ جس طرح کھانا نمک سے

پسندیدہ ہوتا ہے یوں ہی عبادت اختیار سے مرغوب ہوتی ہے ورنہ اضطراراً تو آسمان بھی چکر کھاتا ہے لیکن اس کی گردش پر نہ سزا ہے نہ جزا کیونکہ محاسبہ کے وقت اختیار ہی کو ایک اعلیٰ وصف سمجھا گیا اور یہی منی ہے جزا و سزا کا اور اختیار فلک میں معدوم ہے علیٰ ہذا تمام عالم تسبیح قہری کرتا ہے لیکن اس جبری تسبیح سے کیا فائدہ۔ طریقہ امتحان تو یہ ہے کہ تلوار ہاتھ میں دیدو اور عجز کو رفع کردو پھر دیکھو کہ وہ غازی ہوتا ہے یا ڈکیتی کرتا ہے چونکہ آدمی اختیار ہی کے سبب مکرم بنا ہے اور اس کو اختیار عطا کیا گیا ہے اسی لئے کچھ ان میں شہد کی مکھی ہو گئے اور کچھ سانپ۔ یا یوں کہو کہ ہر ایک من وجہ شہد کی مکھی ہو گیا اور من وجہ سانپ۔ پس مومن تو شہد کی مکھی کی طرح کان شہد بین اور کافر معدن زہر جیسا کہ سانپ ہوتا ہے کیونکہ مومن اپنے اختیار کو کام میں لائے اور جہتِ محمودہ کو غالب کیا تو شہد کی مکھی کی طرح کان عسل ہو گئے اور کفار نے اپنے اختیار سے جہت مذمومہ کو غالب کیا تو وہ معدن زہر ہو گئے۔ مومنین کی کان عسل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عمدہ نباتات کھائے ہیں اور معارف سے غذا حاصل کی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہد کی طرح ان کا تھوک مایہ حیات بن گیا۔ (لعله اشارة الى ماهو المشهور من انه قال صلى الله عليه وسلم سور المومن شفاء) اس کے خلاف کفار نے صدید کفر سے غذا حاصل کی تو اس کی غذا سے اس کے اندر زہر پیدا ہو گیا۔ پس ملہم من الحق چشمۂ آب حیات بن گئے۔ اور جو خواہشات نفسانیہ کی تلمیعات میں مبتلا ہیں وہ زہر ہلاہل ہو گئے۔ غرضکہ عالم میں تعریف اور شاباش اور واہ واہ سب اختیار اور محافظت حدود اور تیقظ ہی کی بناء پر ہے ورنہ جو قیدی جیلخانہ میں جاتے ہیں سب متقی اور پارسا اور خدا کو پکارنے والے ہو جاتے ہیں مگر کچھ بھی تعریف کی بات نہیں کیونکہ جب قدرت معصیت نہ رہی تو عمل بھی خراب ہو جاتا ہے تم کو متنبہ ہونا چاہئے کہ موت اس دولت کو تم سے نہ چھین لے کیونکہ قدرت ہی منفعت کا سرمایہ ہے پس تم کو وقت قدرت کی حفاظت کرنی چاہئے اور اسے ضائع نہ کرنا چاہئے کیونکہ آدمی اسپ کرامت پر اسی لئے سوار ہے کہ اس کے ادراک کے ہاتھ میں اختیار کی باگ ہے ورنہ اس میں اور اوروں میں کیا فرق ہے یہ مضمون اضطراری تو ہو چکا اب اصل قصہ سنو۔ موسیٰ علیہ السلام نے شفقت سے پھر اسے نصیحت فرمائی اور کہا کہ تمہاری مراد تو بہت جلدی حاصل ہو جاوے گی مگر بہتر یہ ہے کہ تم اس خیال کو چھوڑ دو اور اپنے نفس سے ڈرو۔ دیکھو شیطان نے دغا کے لئے تم کو یہ فریب دیا ہے جاؤ اور دردسری مول نہ لو کیونکہ اس مقصد سے بہت تکلیف ہو گی اس نے کہا اچھا زیادہ نہیں صرف ایک کتے کی زبان سکھلا دو جو میرے دروازہ پر ہے اور ایک مرغ خانگی کی جو باز ور کھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو جان اور جا تیرا مدعا حاصل ہو گیا۔ اور تجھ پر ان دونوں کا نطق منکشف ہو گیا۔

شرح شبّیری

بامداداں از برائے امتحان	ایستاد او منتظر بر آستان
صبح کو آزمائش کے لئے	وہ چوکھٹ پر منتظر کھڑا ہو گیا

یعنی صبح کو وہ شخص امتحان کے واسطے چوکھٹ پر منتظر کھڑا ہو گیا۔

خادمہ سفرہ بیفشاند و فتاد	پارۂ نان بیات آثار زاد
خادمہ نے دستر خوان جھاڑا اور گرا	باسی روٹی کا ٹکڑا کھانے کا بقیہ

یعنی خادمہ نے دستر خوان جھاڑا تو رات کے روٹی کے ٹکڑے جو کہ کھانے کے آثار تھے گرے۔

در ربود آنرا خروسے چوں گرو	گفت سگ کردی تو برما ظلم رو
مرغ اس کو گروی (چیز) کی طرح اچک لے گیا	کتے نے کہا جا تو نے ہم پر ظلم کیا

یعنی اس کو مرغا گروی شے کی طرح لے بھاگا تو کتے نے کہا کہ ارے جا تو نے ہم پر (بہت) ظلم کیا۔
مطلب یہ کہ مرغا اس ٹکڑہ کو اس طرح لے اڑا جیسا کہ کوئی اپنی گروی شے کو چھڑا کر لے کر بھاگتا ہے۔

دانۂ گندم تو دانی خورد و من	عاجزم از دانہ خوردن در وطن
تو گیہوں کا دانہ کھا سکتا ہے اور میں	وطن میں دانہ کھانے سے عاجز ہوں

یعنی تو تو گیہوں کا دانہ کھانا جانتا ہے اور میں گھر میں دانہ کھانے سے عاجز ہوں۔

گندم و جو را و باقی حبوب	می توانی خورد و من نے ای طروب
گیہوں اور جو اور باقی دانے	اے مست! تو کھا سکتا ہے اور میں نہیں (کھا سکتا)

یعنی ارے مسخرے گیہوں کو اور جو کو اور باقی دانوں کو تو تو کھا سکتا ہے اور میں نہیں (کھا سکتا)

این لب نانے کہ قسم ماست آن	می ربائی ایں قدر را از سگاں
یہ روٹی کا ٹکڑا جو ہمارا حصہ ہے	اتنے کو (بھی) تو کتوں سے اچک لیتا ہے

یعنی یہ ٹکڑہ روٹی کا جو کہ ہماری قسمت کا ہے تو اتنے کو بھی کتوں سے اچک لیتا ہے یعنی تو ہم کو یہ بھی نہیں کھانے دیتا

مرغے کا کتے کو جواب

پس خروسش گفت تن زن غم مخور	کہ خدا بد ہد عوض زیں بہ دگر
پھر مرغ نے اس سے کہا چپ ہو جا غم نہ کر	کیونکہ اللہ (تعالیٰ) اس سے بہتر دوسرا بدلہ دے گا

یعنی تب مرغے نے اس کتے سے کہا کہ چپ رہ غم مت کھا کہ خدا اس سے بہتر دوسرا عوض دے گا۔

اسپ این خواجہ سقط خواہد شدن	روز فردا سیر خور کم کن حزن
اس آقا کا گھوڑا مر جائے گا	کل کو پیٹ بھر کر کھانا غم نہ کر

یعنی کل کو اس آقا کا گھوڑا مرے گا تو تو خوب سیر ہو کر کھانا غم کو کم کر۔

مرسگان را عید باشد مرگ اسپ	روزی وافر بود بے جہد و کسب
گھوڑے کا مرنا کتوں کی عید ہوتی ہے	بغیر محنت اور کمائی کے بہت خوراک ہوتی ہے

یعنی کتوں کو تو گھوڑے کا مرنا عید ہے کیونکہ بے مشقت اور کمائی کے بھرپور روزی ملتی ہے۔

اسپ را بفروخت چون بشنید مرد	پیش سگ شد آن خروسک روئے زرد
مرد نے جب سنا' گھوڑا فروخت کر دیا	وہ بیچارہ مرغ کتے کے آگے شرمندہ ہوا

یعنی اس نے جو سنا تو گھوڑے کو فروخت کر دیا۔ تب تو کتے کے آگے وہ مرغا شرمندہ ہوا (کہ بات غلط نکلی)

روز دیگر ہمچنان نان را ربود	آن خروس و سگ بر ولب برکشود
دوسرے دن بھی اسی طرح سے روٹی لے اڑا	وہ مرغ' اور کتے نے اس پر لب کشائی کی

یعنی دوسرے دن بھی اسی طرح روٹی کو وہ مرغا لے بھاگا تو کتے نے اس سے کہا۔

کائے خروس عشوہ دہ چندیں دروغ	ظالمی و کاذبی و بے فروغ
کہ اے مرغ! مکار اس قدر جھوٹ	تو ظالم ہے' اور تو جھوٹا ہے' اور بے اعتبار ہے

یعنی کہ اے مرغے مکار اتنا جھوٹ تو ظالم ہے اور کاذب ہے اور بے فیض ہے۔

اسپ کش گفتی سقط گردد کجاست	کور اختر گوئی محروم ز راست
وہ گھوڑا جس کے بارے میں تو نے کہا تھا کہ وہ مرے گا' کہاں ہے؟	تو اندھا نجومی ہے' سچائی سے محروم ہے

یعنی جس گھوڑے کو کہ تو نے کہا تھا کہ مرے گا وہ کہاں ہے تو اندھا ستاروں کا بتانے والا ہے۔ اور تو سچ سے محروم ہے۔
مطلب یہ کہ کتے نے کہا کہ ارے مرغ تو بڑا جھوٹا ہے تو اس اندھے کی مثل ہے جو کہ باوجود اندھے ہونے کے کہے کہ میں ستاروں کو دیکھ رہا ہوں بھلا تجھے کیا خبر تھی کہ گھوڑا مریگا تو نے فضول علی الٹپ ہی ہانک دیا کہ وہ مرے گا تو تو کھالینا۔

گفت او را آن خروس با خبر	کہ سقط شد اسپ او جائے دگر
اس باخبر مرغ نے اس سے کہا	کہ اس کا گھوڑا دوسری جگہ مر گیا ہے

یعنی اس مرغ باخبر نے کہا اس کا گھوڑا دوسری جگہ جا کر مر گیا ہے۔

اسپ را بفروخت جست او از زیان	آن زیان انداخت او بر دیگران
گھوڑے کو فروخت کر دیا اور نقصان سے بچ گیا	اس نے وہ نقصان دوسروں پر ڈال دیا

یعنی گھوڑے کو اس نے فروخت کر دیا اور نقصان سے (بظاہر) بچ گیا (لیکن) اس نے اس نقصان کو

دوسروں پر ڈال دیا۔ یعنی جس بیچارہ نے گھوڑا خریدا ہے اس نے اپنا نقصان اس پر ڈالا کہ اب اسے نقصان ہوا۔

لیک فردا استرش گردد سقط	مرسگاں را باشد این نعمت فقط
لیکن کل کو اس کا خچر مرے گا	وہ صرف کتوں کے لئے نعمت ہو گا

یعنی لیکن کل کو اس کا خچر مرے گا تو یہ نعمت تو صرف کتوں ہی کے لئے ہوگی مطلب یہ کہ اس مرغے نے کہا کہ اگرچہ یہ گھوڑے کو فروخت کرآیا تو اس سے کیا ہوتا ہے اب اس کا خچر مرجاوے گا۔ تو تو اس کو خوب کھانا۔

زود استر را فروشید آں حریص	یافت از غم وز زیاں آندم محیص
اس لالچی نے فورا خچر بیچ ڈالا	اس وقت (بھی) وہ رنج اور نقصان سے نجات پا گیا

یعنی اس حریص نے جلدی سے خچر کو بھی فروخت کر دیا اور غم اور نقصان سے اس وقت چھٹکارا پالیا۔ مطلب یہ کہ اس کو سن کر وہ آقا صاحب اس خچر کو بھی فروخت کرآئے اور اس وقت اس نقصان سے چھوٹ گئے کہ جو وہ مرتا تو ان کا نقصان ہوتا تو اپنے نزدیک تو اس وقت نقصان سے خلاصی پائی لیکن یہ خبر نہیں کہ یہ خلاصی صرف اسی وقت کی ہے پھر اچھی طرح پڑے گی۔

روز ثالث گفت سگ باآں خروس	اے امیر کاذباں باطبل وکوس
تیسرے دن کتے نے اس مرغ سے کہا	اے نقارے اور گھنٹے کے ساتھ جھوٹوں کے سردار

یعنی تیسرے دن کتے نے مرغے سے کہا کہ اے جھوٹوں کے بادشاہ مع طبل وکوس کے یعنی تو ڈنکے کی چوٹ پر جھوٹ بولتا ہے۔ یہ نہیں کہ کوئی پوشیدہ بات ہو اور بولا کہ۔

تا بکے گوئی دروغے بے فروغ	دوغی اے نااہل دوغی دوغ دوغ
تو نہ چلنے والا جھوٹ کب تک بولے گا؟	اے نااہل! تو چھاچھ ہے' تو چھاچھ ہے' چھاچھ' چھاچھ

یعنی یہ۔ بے رونق جھوٹ تو کب تک بولے گا۔ اے نالائق تو جھوٹا ہے اور جھوٹا ہے اور جھوٹا ہے اور جھوٹا ہے (دوغ سے مراد جھوٹا اور مکر کرنے والا ہے ورنہ اصل معنے تو اس کے چھاچھ کے ہیں)

گفت او بفروخت استر راشتاب	لیک فرادا لیش غلام آید مصاب
کہا' اس نے خچر جلدی سے بیچ دیا	لیکن کل کو اس کا غلام بیمار پڑے گا

یعنی مرغ نے کہا کہ اس نے خچر کو تو جلدی سے فروخت کر دیا لیکن کل کو اس کا غلام مصیبت زدہ ہوگا یعنی کل کو اس کا غلام مرے گا۔

چون غلام او بمیرد نان ہا	برسگ و خواہندہ ریزند اقربا
جب اس کا غلام مرے گا روٹیاں	کتوں اور مانگنے والوں پر (اسکے) رشتہ دار بہادیں گے

یعنی جب اس کا غلام مرے گا تو عزیز و اقارب کتوں اور فقیروں کو روٹیاں دیں گے۔

رست از خسران و رخ را بر فروخت	این شنید و آں غلامش را فروخت
نقصان سے بچ گیا اور چہرے کو روشن کر لیا	یہ سنا اور اس نے اس غلام کو بیچ ڈالا

یعنی (اس آقا نے) یہ سنا اور اپنے اس غلام کو فروخت کر دیا (اور بظاہر) نقصان سے چھوٹ گیا۔ اور چہرہ کو روشن کر لیا۔ مطلب یہ کہ اس غلام کو فروخت کر کے بہت ہی خوش ہوئے کہ خوب نقصانوں سے بچے لیکن ابھی خبر نہیں ہے۔ آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا۔

رستم از سہ واقعہ اندر زمن	شکر ہا می کرد و شادیہا کہ من
زمانے میں تین حادثوں سے بچ گیا	شکریے ادا کرتا تھا اور خوشیاں کہ میں

یعنی شکر کرتا تھا اور خوشیاں کرتا تھا کہ میں زمانہ میں تین واقعوں سے چھوٹ گیا۔

دیدۂ سوء القضا را دوختم	تا زبان مرغ و سگ آموختم
بری قضا کی آنکھ سی دی ہے	جب سے میں نے مرغ اور کتے کی بولی سیکھ لی ہے

یعنی جبکہ میں نے مرغ اور کتے کی بولی سیکھ لی تو میں نے سوء القضاء کی آنکھ کو سی دیا۔ مطلب یہ کہ بہت ہی خوش ہو رہا تھا کہ میں نے جو مرغ اور کتے کی بولی سیکھ لی ہے تو میں دیکھو تین نقصانوں سے بچ گیا اور اب مجھ پر سوء القضاء کا داؤ نہیں چل سکتا۔ میں نے اب تو قضا و قدر سب کو ہرا دیا۔ اب میں کسی سے دب نہیں سکتا اس لئے کہ میرا جو نقصان ہونے والا ہوگا اس کو فوراً ہی الگ کر دیا کروں گا۔ غرضکہ وہ اس میں خوش ہوتا تھا اور یہ خبر نہ تھی کہ اب کی باری مجھ پر ہی ہے۔ غرضکہ اب بیچارہ مرغ کو کتے سے بہت ہی شرمندگی ہوئی کہ اس سے اس قدر وعدے کئے اور ایک بھی پورا نہ ہوا تو آگے اس کے شرمندہ ہونے کو اور پھر خود آقا صاحب کی موت کی خبر دینے کے واقعہ کو بیان فرماتے ہیں۔

مرغ کا کتے کے آگے تین وعدوں کے غلط ہو جانے سے شرمندہ ہونا

کائے خروس ژاژ خا کو طاق جفت	روز دیگر آن سگ محروم گفت
اے بکواسی مرغ! اکہرا اور دہرا کہاں ہے؟	دوسرے دن اس محروم کتے نے کہا

یعنی دوسرے دن اس محروم کتے نے کہا کہ اے مرغ بیہودہ گو وہ طاق و جفت (وعدے) کہاں ہیں یعنی تو نے جو مختلف وعدے مجھ سے کئے تھے بتا وہ کہاں ہیں۔

خود نپرد جز دروغ از وکر تو	چند چند آخر دروغ و مکر تو
تیرے گھونسلے سے سوائے جھوٹ کے کچھ نہیں اڑتا ہے	تیرا مکر اور جھوٹ آخر کس قدر؟

یعنی تیرا مکر اور جھوٹ آخر کہاں تک اور تیرے آشیانہ سے سوائے جھوٹ کے کچھ اڑتا ہی نہیں مطلب یہ کہ تو ہمیشہ جھوٹ ہی بولتا ہے۔

کہ بگردیم از دروغے ممتحن	گفت حاشا از من و از جنس من
کہ ہم کسی جھوٹ میں مبتلا ہوں	اس نے کہا مجھ سے اور میری قوم سے بعید ہے

یعنی اس نے کہا کہ مجھ سے اور میری جنس سے یہ دور ہے کہ ہم ایک جھوٹ کی وجہ سے ذلیل ہوں۔

ہم رقیب آفتاب و وقت جو	ما خروسان چون موذن راست گو
ہم سورج پر نظر رکھنے والے اور وقت کی جستجو کرنے والے ہیں	ہم مرغ، موذن کی طرح سچ بولنے والے ہیں

یعنی ہم مرغے مثل موذن کے راست گو ہیں۔ ہم آفتاب کے پاسبان ہیں اور وقت کے تلاش کرنے والے یعنی ہم کو وقت کی پہچان ہے اور ہم ٹھیک وقت پر اذان دیتے ہیں تو پھر ہم جھوٹ کیسے بولتے۔

گر کنی بالائے ما طشتے نگوں	پاسبان آفتابیم از درون
اگر تو ہم پر طشت اوندھا کر دے	ہم اندر سے سورج کے نگہبان ہیں

یعنی ہم پاسبان آفتاب اندر سے ہیں۔ اگر تم کوئی طشت ہمارے اوپر اوندھا کر دو۔ مطلب یہ کہ اگر تم ہمیں کسی چیز کے اندر بند بھی کر دو تب بھی ہم اندر سے ٹھیک وقت کو پہچان لیں گے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

در بشر واقف ز اسرار خدا	پاسبان آفتاب اند اولیا
انسانوں میں خدا کے رازوں سے واقف ہیں	اولیاء سورج کی نگہداشت کرنے والے ہیں

یعنی اولیاء اللہ آفتاب (حقیقی) کے پاسبان ہیں اور (صورت) بشر میں اسرار خدا سے واقف ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ مرغ باوجود طشت کے اندر بند ہونے کے آفتاب ظاہری کے نکلنے اور غروب ہونے کو معلوم کر لیتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ صورت بشری میں جو کہ حجاب ہے مشاہدہ اسرار حق اور حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ آگے پھر مرغے کا قول ہے کہ۔

داد ہدیہ آدمی را در جہاز	اصل مارا حق پئے بانگ نماز
سامان میں آدمی کو ہدیہ میں دی ہے	ہماری نسل اللہ (تعالیٰ) نے نماز کی اذان کے لئے

یعنی ہمارے آباؤ اجداد کو بانگ نماز کے لئے حق تعالیٰ نے آدمی کو جہیز میں دیا ہے۔ مطلب یہ کہ مرغا بولا کہ ہم ایسے راست گو ہیں کہ حق تعالیٰ نے جب آدم کو سب چیزیں عنایت فرمائیں تو منجملہ ان کی ایک مرغ جو ہمارے آباؤ اجداد میں سے تھا نماز کا وقت بتانے کو عنایت فرمایا تھا۔ اس سے ہماری راست گوئی پر دلیل ملتی ہے

اور ہماری راست گوئی یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ۔

گر بہ ناہنگام سہو ما رود	در اذان آن مقتل ما می شود
اگر بے وقت ہم سے بھول ہو جائے	اذان میں وہ ہمارے قتل کا سبب بنتی ہے

یعنی اگر ناوقت میں ہم سے اذان میں سہو ہو جاوے تو وہ ہمارے قتل کا سبب ہو جاتا ہے (پہلے یہ قاعدہ تھا کہ جو مرغ بے وقت اذان دے اس کو منحوس سمجھ کر ذبح کر دیتے تھے) تو اس مرغ نے کہا کہ ہماری راست گوئی اس حد تک ہے کہ اگر کبھی سہو بھی ہو تو گردن ماری جاوے پھر ہم جھوٹ کیسے بولیں۔

گفت ناہنگام حی علی الفلاح	خون ما را می کند خوار و مباح
بے وقت حی علی الفلاح کہنا	ہمارے خون کو ذلیل اور جائز کر دیتا ہے

یعنی ناوقت حی علی الفلاح کہنا ہمارے خون کو خوار و مباح کر دیتا ہے۔

آنکہ معصوم آمد و پاک از غلط	آن خروس وحی جان آمد فقط
وہ جو بے گناہ اور غلطی سے پاک ہے	وہ صرف روح کی وحی کا مرغ ہے

یعنی وہ کہ معصوم و پاک غلطی سے آیا ہے وہ خروس وحی جان ہے فقط مطلب یہ کہ معصوم غلطی سے وہ حضرات ہی ہیں جو کہ ملہم من اللہ ہیں۔ باقی ہم سے بھی غلطی ہو جاتی ہے مگر جب غلطی کرتے ہیں مارے جاتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ ہم اکثر امور میں سچے ہی ہیں۔

آن غلامش مرد پیش مشتری	شد زیان مشتری آن یکسری
اس کا وہ غلام خریدار کے پاس مر گیا	وہ بالکل خریدار کا نقصان بنا

یعنی وہ اس کا غلام خریدار کے پاس مر گیا۔ اور خریدار کے لئے سراسر نقصان ہوا۔

او گریز اند مالش را و لیک	خون خود را ریخت اندریاب نیک
اس نے اپنا مال بچا لیا ' لیکن	اس نے اپنا خون بہایا' اس کو خوب سمجھ لے

یعنی اس نے اپنے مال کو الگ کر دیا لیکن اپنے خون کو ریختہ کر لیا۔ اس کو خوب سمجھ لے۔ مطلب یہ کہ اس پر ایک بلا آنے والی تھی سو اول اس کے مال پر آ گئی اس نے اس کو فروخت کرنا شروع کر دیا تو اب خود اس پر پڑے گی۔ اور اس مال کے علیحدہ کرنے سے اس نے اپنا خون ریختہ کر لیا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

یک زیان دفع زیانہا می شدے	جسم و مال ماست جانہا را فدے
ایک نقصان بہت سے نقصانات کا دفعیہ ہو جاتا	ہمارا جسم اور مال جانوں کا فدیہ ہے

یعنی ایک نقصان بہت سے نقصانات کا دفعیہ ہو جاتا ہے اور ہمارا جسم و مال جان کا فدیہ ہے۔

پیش شاہان در سیاست گستری	می دہی تو مال سر رامی خری
بادشاہوں کے روبرو، انصاف کرنے میں	تو مال دے دیتا ہے اور سر بچا لیتا ہے

یعنی بادشاہوں کے سامنے سیاست گستری میں تم مال دیتے ہو اور سر کو خرید لیتے ہو۔

اعجمی چون گشتۂ اندر قضا	می گریزانی زد اور مال را
چونکہ قضاء (خداوندی) کے معاملہ میں تو بیگانہ ہے	اللہ (تعالیٰ) سے تو مال کو چھپاتا ہے

یعنی تو قضا میں کیا انجان بن گیا ہے کہ حق تعالیٰ سے مال کو الگ کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں اگر کہیں پھنس جاتے ہو اور خوف جان ہوتا ہے تو مال دیکر جان کو چھڑا لیتے ہو تو اگر قضاء حق میں تمہاری جان پر کوئی بلا آوے تو کیا وجہ ہے کہ وہاں مال کو الگ کرتے ہو اور جان کو خطرہ میں ڈالتے ہو۔

زانکہ مالت برتو گر صدقہ شود	آن زیانے نیست سود تو بود
کیونکہ تیرا مال، اگر تجھ پر قربان ہو جائے	وہ نقصان نہیں ہے، تیرا نفع ہوتا ہے

یعنی اس لئے کہ اگر تیرا مال تجھ پر صدقہ ہو جاوے تو وہ نقصان نہیں ہے تیرا تو نفع ہوگا۔ (اس لئے کہ مال دیکر جان بچ جاوے گی۔)

مرغے کا مالک کی موت کی خبر دینا

لیک فردا خواہد او مردن یقین	گاؤ خواہد گشت وارث در حنین
لیکن وہ کل کو یقیناً مرے گا	(اس کے) غم میں وارث گائے ذبح کرے گا

یعنی لیکن کل کو یقیناً وہ خود مریگا۔ اور غم میں وارث لوگ گائے کاٹیں گے۔

صاحب خانہ بخواہد مرد و رفت	روز فردا نک رسیدت لوت زفت
گھر کا مالک مرے گا اور جائے گا	کل کو تجھے ضرور چکنی غذا ملے گی

یعنی صاحب خانہ مریگا اور جاوے گا تو کل کو یہ تجھے غذائے عظیم ملے گی۔ (اور وہ غذا یہ ہے کہ)

پارہائے نان و لا لنگ طعام	درمیان کوئے یابد خاص و عام
روٹی کے ٹکڑے اور لنگر اور کھانا	ہر خاص و عام گلی میں پائے گا

یعنی روٹی کے ٹکڑے اور کھانے کا لنگر محلہ میں خاص و عام سب کو ملے گا۔

گاؤ قربانی و نانہائے تنک	بر سگان و سائلان ریزد سبک
قربانی کی گائے اور ہلکی چپاتی	کتوں اور بھکاریوں پر بہائے گا

یعنی قربانی کی گائے اور چھلکے کتوں اور سائلوں پر جلدی جلدی گریں گے۔

مرگ اسپ واستر و مرگ غلام	بد قضا گردان این مغرور خام
گھوڑے اور خچر کا مرنا اور غلام کا مرنا	اس نے مال بڑھا لیا اور اپنا خون بہایا

یعنی گھوڑے اور اونٹ اور غلام کی موت اس مغرور خام کی قضا گردان تھی۔ یعنی ان کی موت سے اس پر سے قضا ٹل جاتی اور یہ بچ جاتا۔

از زیان مال و درد آن گریخت	مال افزون کرد و خون خویش ریخت
یہ مال کے نقصان اور اس کی تکلیف سے بھاگا	اس نے مال بڑھایا اور اپنا خون بہایا

یعنی مال کے نقصان اور اس کے درد سے بھاگا مال تو زیادہ کرلیا اور اپنا خون ریختہ کیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این ریاضتہائے درویشان چراست	کاین بلا برتن بقائے جانہا است
یہ درویشوں کے مجاہدے کیوں ہیں؟	اس لئے کہ جسم کی تکلیف جانوروں کی بقا ہے

یعنی یہ درویشوں کی ریاضتیں کس لئے ہیں اس لئے ہیں کہ بدن پر بلا کا ہونا جان کے لئے بقا ہے۔ یعنی اولیاء اللہ جو ریاضتیں کرتے ہیں اس میں یہی مصلحت ہے کہ بدن پر امور شاقہ برداشت کر کے جان کی حفاظت کرتی ہیں اور بعد فناء اس تن کی بقاء ابدی حاصل کرتے ہیں۔

تا بقائے خود نہ بیند سالکے	چون کند تن را سقیم و ہالکے
جب تک سالک اپنی بقا نہ سمجھے	تو جسم کو بیمار اور فنا کیوں کرے؟

یعنی جب تک کہ کوئی سالک اپنی بقا نہ دیکھ لے تو اپنے بدن کو سقیم و ہالک کس طرح کرے یعنی اگر سالک یہ نہ دیکھے کہ بعد افناء اس تن کے مجھے بقائے ابدی حاصل ہوگی تو وہ کیوں مجاہدات کرے۔ مجاہدات کی وجہ یہی ہے کہ ان حضرات نے افناء تن میں ابقاء جان کو مشاہدہ کرلیا ہے۔

دست کے جنبد بایثار و عمل	تا نہ بیند دادہ را جانش بدل
ایثار اور عمل میں ہاتھ کب ہلے	جب تک کر دیئے ہوئے کا بدلہ جان کے لئے نہ سمجھ لے

یعنی ہاتھ ایثار و عمل میں کب ہلتا ہے جب تک کہ اس (معطی) کی جان بدل نہ دیکھ لے یعنی بے اس کے کہ انسان اپنی کوئی غرض نہ دیکھ لے کوئی کام نہیں کرتا۔

آنکہ بدہد بے امید و سود ہا	آں خدایست آں خدایست آں خدا
جو بغیر امید اور نفع کے دیتا ہے	وہ تو خدا ہے وہ خدا ہے وہ خدا ہے

یعنی جو کہ بے کسی امید اور نفع کے دیتا ہے وہ خدا ہے اور خدا ہے اور خدا۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے

افعال معلل بالا اغراض والعلل نہیں ہوتے ان میں حکم ضرور ہوتی ہیں مگر ان سے کسی اپنی غرض کا حصول مقصود نہیں ہوتا بلکہ سراسر عبد ہی کی غرض ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

یا ولی حق کہ خوئے حق گرفت	نور گشت و تابش مطلق گرفت
یا اللہ کا دوست جس نے اللہ کے اخلاق حاصل کر لئے ہیں	جو نور بن گیا ہے اور مطلق چمک حاصل کر لی ہے

یعنی یا ولی حق جس نے کہ خوئے حق اختیار کر لی اور نور ہو گیا اور تابش مطلق لے لی مطلب یہ کہ یا تو حق تعالیٰ بلا کسی غرض کے عطا فرماتے ہیں اور یا اولیاء اللہ جو کہ فنا فی الحق ہو گئے ہیں۔ مگر فرق اس قدر ہے کہ حق تعالیٰ کے عطاء میں تو بالکلیہ غرض عبد ہی کی ہوتی ہے غرض حق ہے ہی نہیں اور اولیاء اللہ میں غرض دوسرے کی غالب ہوتی ہے اور اپنی مغلوب۔ تو گویا کہ اپنی غرض ہے ہی نہیں مثلاً وہ ارشاد و ہدایت کرتے ہیں تو اس میں ان کو دوسروں کی مصالح پر زیادہ نظر ہوتی ہے بہ نسبت اپنی مصالح کے اور یہ امر مشاہد ہے اور یہ اس لئے ہے کہ۔

کو غنی انست و جزا و جملہ فقیر	کے فقیرے بے عوض گوید کہ گیر
کیونکہ وہ بے نیاز ہے اور اس کے علاوہ سب محتاج ہیں	محتاج بغیر بدلے کے کب کہتا ہے کہ لے لے

یعنی اس لئے کہ وہ غنی ہے اور سوا اس کے سب فقیر ہیں تو کوئی فقیر بے عوض کے کب کہتا ہے کہ لے۔ یعنی اگر کسی فقیر کے پاس کوئی شے ہو تو وہ دوسرے کو کب دے گا جب تک کہ اس کو اس کا کوئی بدلہ نہ ملے اسی طرح یہ اہل دنیا بھی ہیں کہ ان کو جب تک کسی عوض کی امید نہیں ہوتی اور کوئی غرض ان کی حاصل نہیں ہوتی اس وقت تک یہ بھی کوئی کام نہیں کرتے اور اولیاء اللہ بلا اپنی کسی غرض غالب کے نفع پہنچاتے ہیں۔ آگے اہل دنیا کی مثال ہے کہ۔

تا نہ بیند کودکے کہ سیب ہست	او پیاز گندہ را ندہد ز دست
جب تک بچہ نہ دیکھ لے کہ سیب ہے	وہ بدبودار پیاز کو نہیں چھوڑتا ہے
ایں ہمہ بازار بہر ایں غرض	بر دکانہا شستہ بر بوئے عوض
یہ تمام بازار (والے) اسی غرض سے	بدلے کی امید پر دکانوں پر بیٹھے ہوئے رہیں

یعنی یہ سب (اہل) بازار اس غرض کے واسطے دوکانوں پر عوض کی طلب میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

صد متاع خوب عرضہ میکنند	واندرون دل عوضہا می تنند
سینکڑوں عمدہ سامان پیش کرتے ہیں	اور دل میں بدلوں کی فکر کرتے ہیں

یعنی سینکڑوں عمدہ اسباب پیش کرتے ہیں اور دل میں عوض کو تن رہے ہیں یعنی اہل بازار خوب چیزیں پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی خیر خواہ ہیں مگر دل میں روپیوں کا حساب لگا رہے ہیں تو دیکھئے بے عوض کے کوئی کام نہیں کرتے۔

یک سلامی نشنوی اے مردِ دیں	کہ نگیرد آخرت آن آستین
اے دیندار! تو ایک سلام بھی نہ سنے گا	جو بالآخر (تیری) آستین نہ پکڑے

یعنی اے مردِ دین تو ایک سلام نہ سنے گا کہ جو آخر میں وہ آستین نہ پکڑے یعنی جو کوئی سلام بھی کرتا ہے وہ بھی بے غرض نہیں آخر میں ضرور کوئی اپنی غرض پیش کرے گا۔

بے طمع نشنیدہ ام از خاص و عام	من سلامے اے برادر والسلام
میں نے (کسی) خاص و عام سے بغیر لالچ کے نہیں سنا ہے	ایک سلام (بھی) اے بھائی! والسلام

یعنی بے طمع کے میں نے خاص و عام سے اے بھائی کوئی سلام نہیں سنا ہے والسلام یعنی اگر کسی نے سلام بھی کیا اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی غرض ہوتی ہے۔

جز سلام حق تو ہاں آنرا بجو	خانہ خانہ جا بجا و کو بہ کو
سوائے اللہ (تعالیٰ) کے سلام کے تو ضرور اس کی جستجو کر	گھر گھر، جگہ جگہ اور کوچے کوچے

یعنی سوائے سلام حق کے (کہ وہ بے غرض ہے) ہاں تو اسی کو گھر گھر اور جگہ جگہ اور کوچہ کوچہ تلاش کر۔ اب یہاں کسی کو تلاش ہوئی کہ وہ سلام حق کہاں سے ملے گا تو بتاتے ہیں کہ۔

از دہان آدمی خوش مشام	ہم پیام حق شنیدم ہم سلام
صحیح الدماغ آدمی کے منہ سے	میں نے سنا ہے اللہ (تعالیٰ) کا پیغام بھی (اور) سلام بھی

یعنی آدمی خوش مشام کے منہ سے میں نے پیام حق بھی سنا ہے اور سلام (حق) بھی مطلب یہ ہے کہ ان حضرات سے جو کلمات اور سلام و پیام جو سنو وہ گویا کہ پیام و سلام حق ہے تو حق کے سلام کو ان حضرات کے پاس تلاش کرو انشاء اللہ یہیں ملے گا۔

وین سلام باقیان بر بوئے آن	من ہمی نوشم بدل خوشتر ز جان
بقیہ لوگوں کا سلام (بھی) اسی کی خوشبو کی وجہ سے	میں دل سے سنتا ہوں جو جان سے زیادہ پیارا ہے

یعنی اور یہ سلام باقیوں کا اسی کی امید پر میں دل و جان سے سنتا ہوں یعنی اور لوگوں کے سلام جو سنتا ہوں یہ بھی صرف اس لئے کہ ان ہی میں بعض اہل اللہ بھی ہوتے ہیں تو شاید کسی ولی کا سلام نصیب ہو جاوے۔

زان سلام او سلام حق شدہ است	کآتش اندر دودمان خود زدست
اس کا سلام تو اللہ تعالیٰ کا سلام بن گیا ہے	کیونکہ اس نے اپنے خاندان کو آگ لگا دی ہے

یعنی اس لئے کہ اس کا سلام سلام حق ہے کیونکہ اس نے اپنے خاندان میں آگ لگائی ہے یعنی چونکہ یہ فانی فی الحق ہو چکا ہے لہٰذا اس کا سلام گویا سلام حق ہے۔

مردہ است از خود شدہ زندہ برب	زان بود اسرار حقش درد و لب
وہ فانی بالذات ہے باقی باللہ ہے	اسی لئے اس کے دونوں ہونٹوں میں خدائی اسرار ہوتے ہیں

یعنی اپنے سے تو مردہ ہے اور حق سے زندہ ہے اس لئے اسرار حق اس کے دونوں لبوں میں ہیں یعنی چونکہ فانی بحق ہو چکا ہے لہذا اسرار حق اس کو معلوم ہونے لگے ہیں۔

مردن تن در ریاضت زندگی ست	رنج این تن روح را پایندگی ست
ریاضت میں جسم کا مرنا، زندگی ہے	اس جسم کی تکلیف روح کی استواری ہے

یعنی تن کا ریاضت میں فنا ہونا زندگی (جان) ہے اور اس بدن کی تکلیف روح کے لئے بقا ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ وہ درخواست کنندہ موسیٰ علیہ السلام سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر آیا اور اگلے دن صبح کے وقت امتحان کے لئے دروازہ پر منتظر ہو کر کھڑا ہوا کہ دیکھوں میں کتے اور مرغے کی زبان سمجھتا ہوں یا نہیں۔ اتنے میں خادمہ آئی اور اس نے دسترخوان جھاڑا اس میں سے رات کے کھانے کے بچے کچھے ٹکڑے نیچے گرے ان کے گرتے ہی ان کو مرغا اس طرح لے اڑا جس طرح وہ اس کے پاس گروی ہوں یہ دیکھ کر کتے نے کہا کہ جاؤ جی تم نے تو ہم پر بڑا ظلم کیا تو تو غلہ بھی کھالیتا ہے اور میں مکان میں غلہ کھا نہیں سکتا تو تو گیہوں جو اور ہر قسم کا اناج کھالیتا ہے اور میں نہیں کھا سکتا۔ ہمارا حصہ تو یہی روٹی کا کنارہ تھا سو اس کو بھی اڑا لے جاتا ہے اور اتنا بھی ہمیں نہیں دیتا اس پر مرغ نے اس سے کہا کہ ذرا خاموش رہ رنج مت کر خدا تجھے اس کا عوض اس سے بہتر دے گا۔ کل کو میاں کا گھوڑا مریگا تو خوب پیٹ بھر کر کھانا رنجیدہ مت ہو جب گھوڑا مریگا تو کتوں کی عید ہوگی اور بے زحمت و مشقت بہت سا رزق ملے گا۔ یہ سن کر اس نے گھوڑے کو بیچ دیا اور مرغ کو کتے سے سخت ندامت ہوئی۔ دوسرے دن بھی اسی طرح مرغے نے روٹی اڑالی اور کتے نے پھر شکایت کی اور کہا کہ او فریبی مرغے اتنا جھوٹ۔ تو ظالم ہے تو بڑا جھوٹا ہے۔ تیری بات بالکل قابل اعتبار نہیں تو نے جو کہا تھا کہ گھوڑا مرے گا بتا تو سہی کہاں مرا تو اپنی پیشین گوئیوں کے سبب سچ سے بالکل محروم ہے۔ واقف کار مرغے نے جواب دیا کہ مرا تو ہے مگر دوسری جگہ مرا ہے۔ میاں نے اس کو بیچ دیا اور خود نقصان سے بچ گئے اور وہ نقصان دوسرے کے سر ڈال دیا۔ لیکن تو گھبرا نہیں کل کو اونٹ مرے گا اور وہ صرف کتوں ہی کا حصہ ہوگا۔ یہ سن کر اس حریص نے اونٹ کو بھی بیچ دیا اور رنج اور نقصان سے چھوٹ گیا۔ تیسرے روز کتے نے پھر مرغے سے کہا کہ او جھوٹوں کے صاحب نوبت و نشان بادشاہ تو کب تک جھوٹ بول کر مجھے فریب دے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو سراسر فریب بالکل دھوکا اور مجسم دغا ہے اس نے کہا میں کیا کروں اس نے فوراً ہی اونٹ کو بیچ دیا۔ اچھا تو صبر کر کل کو اس کا غلام مریگا اور جب غلام مرے گا تو عزیز و اقارب

کتوں اور فقیروں کو روٹیاں دیں گے اس نے یہ سنا اور غلام کو بھی بیچ ڈالا۔ اور اس طرح نقصان سے بچ گیا اور بہت خوش ہوا اور بڑے شکر کئے اور بہت خوشیاں منائیں کہ میں فی الحال تین واقعوں سے بچ گیا جب سے کہ میں نے جانوروں کی زبان سیکھی ہے سوء القضاء کی آنکھ بند کردی کہ وہ مجھے نقصان نہ پہنچا سکی۔ دوسرے دن پھر اس محروم کتے نے کہا کہ او فضول گو مرغے وہ تیری بیہودہ پیشین گوئیاں کہاں ہیں۔ تیرے مکر اور جھوٹ کی بھی کوئی انتہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرے آشیانہ میں بالکل جھوٹ ہی جھوٹ بھرا ہوا ہے اور اس سے جھوٹ ہی نکلتا ہے یعنی تو مجسم جھوٹ ہے۔ اس نے کہا کہ میں اور میری جنس اس سے منزہ ہے کہ وہ جھوٹ بول کر ذلیل ہو۔ ہم مرغے موذن کی طرح سچے ہیں۔ ہم آفتاب کے نگران اور وقت کے متلاشی رہتے ہیں اگر ہم پر طشت بھی ڈھانپ دیا جاوے تب بھی ہم اندر ہی سے آفتاب کی نگرانی کرتے ہیں۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جس طرح جانوروں میں مرغ آفتاب کا نگران ہے یوں ہی آدمیوں میں اہل اللہ آفتاب حقیقی کے نگران اور اس کے اسرار سے واقف ہیں۔ اس کو ختم کر کے پھر مرغ کا بیان شروع کرتے ہیں اس کے بعد مرغ نے کہا کہ حق سبحانہ نے ہمارے جد امجد کو نماز کی اطلاع کے لئے آدم علیہ السلام کو منجملہ دیگر سامان کے عطا فرمایا تھا اگر کسی دن بے وقت اذان دینے میں ہم سے سہو ہو جاتا ہے اور ہم سہواً ایسا کر بیٹھتے ہیں تو وہ ہمارے قتل کا ذریعہ ہو جاتا ہے اور ہمارے بیوقت حی الفلاح کہنے سے ہمارا خون نا قابل وقعت اور مباح ہو جاتا ہے اور ہم کو ذبح کر ڈالا جاتا ہے۔ اب مولانا استطراداً فرماتے ہیں کہ غلطی سے جو محفوظ ہیں وہ وہی مرغ حق سبحانہ ہیں جن کی ارواح ملہم من اللہ ہیں۔ یعنی اہل اللہ خواہ بالعموم کما ہو مذہب البعض او علی الخصوص یعنی انبیا تو کما ہو المذہب المشہور۔ یہ مضمون استطراداً بیان کر کے پھر مقولہ مرغ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرغ نے کہا کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا بلکہ غلام مشتری کے یہاں مرا ہے اور اس سے مشتری کا سراسر نقصان ہوا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس نے اپنا مال ہلاکت سے بچا لیا لیکن خوب سمجھ لو کہ اس نے اپنا خون کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ایک نقصان اور بہت سے نقصانوں کا دفعیہ ہو جاتا کیونکہ ہمارا مال ہمارا جسم ہماری جانوں کا فدیہ ہے ان پر آفت آنے سے جان کی آفت ٹل جاتی ہے۔ مقدمات میں حکام کے یہاں تو تم مال صرف کر کے جان بچا لیتے ہو لیکن قضائے الٰہی کے بارہ میں تم نادان کیوں ہو گئے ہو اور خدا سے مال کو کیوں بچاتے ہو۔ یہ مضمون استطرادی ختم کر کے پھر مرغ کا مقولہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرغ نے کہا کہ یہ سب کچھ ہوا لیکن کل کو وہ خود مرے گا اور وارث اس کے ماتم میں گائے ذبح کریں گے کل جب میاں مریں گے اس وقت تجھ سے جتنا کھایا جاوے کھانا۔ روٹیوں کے ٹکڑے لنگر اور کھانے خوب تقسیم ہوں گے اور گلی میں کیا عام کیا خاص سب کو حصہ ملے گا اور قربانی کی گائے اور چپاتیاں کتوں اور سائلوں سب کو خوب ملیں گی۔ یہاں تک مرغ کا مقولہ ختم ہو گیا اب مولانا فرماتے ہیں کہ گھوڑے اونٹ اور غلام کا مرنا اس احمق دھوکہ کھانے والے شخص کی جان سے بلا کو دفع کرنے والا تھا لیکن اس نے مال کے نقصان اور اس کی تکلیف کو گوارا نہ کیا اور مال کو بڑھا کر اپنی جان دی۔ تم سمجھتے ہو کہ سالکین ریاضتیں کیوں کرتے ہیں اس کا

راز یہی ہے کہ جسم پر مصیبت اٹھا کر جان کو بچاتے ہیں کیونکہ جسمانی مصیبت جان کی بقا کا ذریعہ ہے سمجھو تو سہی جب تک کوئی سالک اپنی جان بچتے ہوئے نہ دیکھے گا اس وقت تک وہ اپنے جسم کو کیسے مریض اور فنا کر سکتا ہے کیونکہ جب تک آدمی اپنے ایثار اور اپنے فعل کا بدل نہیں دیکھ لیتا اس وقت تک ایثار وعمل کے لئے اس کا ہاتھ ہل نہیں سکتا۔ جو بلا توقع نفع دیتا ہے وہ صرف خدا ہے صرف خدا ہے صرف خدا ہے اور اس کے بعد وہ ولی حق جو متخلق باخلاق اللہ ہو گیا اور سراسر نور بن گیا اور تابش مطلق حاصل کر لی وہ غنی اور بے غرض ہے اس کے علاوہ جتنے ہیں سب محتاج غرض ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے بچوں ہی کو دیکھو کہ جب تک وہ سیب نہیں دیکھ لیتے اور یہ نہیں سمجھ لیتے کہ پیاز دیکر ہم کو سیب ملے گا اس وقت تک وہ سڑے ہوئے پیاز کو بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے یہ جتنے بازار ہیں سب غرض ہی کے لئے ہیں اور جو کوئی دوکان پر بیٹھتا ہے صرف عوض کی خاطر گو ہر قسم کا اعلیٰ سے اعلیٰ سامان خریدار کے سامنے رکھتے ہیں مگر دل میں غرض رکھتے ہیں تم کوئی سلام ایسا نہ سنو گے جو آخیر میں کسی نہ کسی وقت تمہاری آستین نہ پکڑے اور جس سے کوئی غرض مقصود نہ ہو۔ بھائی میں نے تو نہ کسی خاص سے بے غرض سلام سنا ہے نہ عام سے۔ سب کی اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر ظاہر ہوتی ہے بجز حق سبحانہ کے سلام کے وہ ضرور بے غرض ہوتا ہے۔ بس اس کو گھر گھر گلی گلی جگہ جگہ ڈھونڈو۔ بعض خوش دماغ آدمیوں (اہل اللہ) کے منہ سے میں نے پیام حق سنا ہے بس اوروں کا سلام میں اسی توقع پر بدل بلکہ جان سے زیادہ محبت کے ساتھ سنتا ہوں کہ شاید ان میں کوئی سلام حق بھی سنائی دے جاوے یا یہ کہ یہ سلام اس سے مناسبت صوری رکھتے ہیں اس لئے میں انہیں سنتا ہوں اب اس کی وجہ سنو کہ اہل اللہ کا سلام سلام حق کیوں ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنا سامان ہستی جلا دیا۔ اور فانی فی الحق ہو گئے وہ اپنے سے مردہ اور خدا کے ساتھ زندہ ہیں یعنی فانی فی الحق اور باقی بالحق ہیں اس لئے ان کی زبان پر اسرار خداوندی ہوتے ہیں پس یاد رکھو کہ ریاضت میں جسم کا فنا ہو جانا یہ مرنا نہیں ہے بلکہ سراسر حیات طیبہ ہے اور اس جسم کے تکالیف بقائے روح کا ذریعہ ہیں۔

شرح شبّیری

گوش بنہادہ بد آں مرد خبیث	می شنیدا از خروسش ایں حدیث
وہ خبیث انسان کان لگائے ہوئے تھا	یہ بات وہ اپنے مرغ سے سن رہا تھا

یعنی وہ مرد خبیث کان لگائے ہوئے تھا اور اپنے مرغے سے اس بات کو سن رہا تھا (کہ کل کو ہم خود ٹین ہوں گے)

اس شخص کا موسیٰ علیہ السلام کی طرف جلدی سے دوڑنا جبکہ اپنے مرنے کی خبر سنی

چون شنیدا یہا رواں شد تیز و تفت	بر در موسیٰ کلیم اللہ رفت
جب اس نے یہ سنا تیزی اور تندی سے دوڑا	(حضرت) موسیٰ کلیم اللہ کے دروازے پر گیا

یعنی جب ان باتوں کو سنا تو خوب تیز روانہ ہو کر دروازہ موسیٰ کلیم اللہ پر گیا۔

روہمی مالید بر خاک او زبیم	کہ مرا فریاد رس زیں اے کلیم
وہ خوف سے زمین پر چہرہ رگڑ رہا تھا	کہ اے کلیم! اس (معاملے) میں میری مدد کیجئے

یعنی وہ خاک پر خوف (موت) سے منہ ملتا تھا کہ اے کلیم اس سے میری فریادرسی کیجئے یعنی مجھے موت سے بچایئے۔

گفت رو بفروش خود رأ و برہ	چونکہ استا گشتہ بر جہ زچہ
فرمایا جا اپنے آپ کو بیچ ڈال اور چھٹکارا پالے	چونکہ تو ماہر بن گیا ہے کنویں سے کود نکل

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جا اپنے کو بیچ دے اور چھوٹ جا جبکہ تو استاد ہو گیا ہے تو کنویں سے کود جا۔

بر مسلمانوں زیاں انداز تو	کیسۂ و ہمیانہا را کن دو تو
تو مسلمانوں کو نقصان پہنچا دے	ہمیانوں اور تھیلی کو دوگنا کر لے

یعنی مسلمانوں پر نقصان ڈال دے اور تھیلی اور ہمیانوں کو دوگنا کر لے۔

من درون خشت دیدم ایں قضا	کہ در آئینہ عیاں شد مرترا
میں نے اس قضا کو اینٹ میں سے دیکھ لیا ہے	جو آئینہ میں تجھ پر ظاہر ہوئی ہے

یعنی میں نے اس قضا کو اینٹ ہی میں دیکھ لیا تھا جو کہ آئینہ میں تجھے ظاہر ہوا ہے (خشت کہتے ہیں بے صیقل کے لوہے کو) مطلب یہ کہ تجھے تو بعد وقوع کے مشاہدہ ہوا اور میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا۔

عاقل اول بیند آخر را بدل	اندر آخر بیند از دانش مقل
عقلمند شروع میں دل سے انجام کو دیکھ لیتا ہے	عقل کا کوتاہ آخر میں دیکھتا ہے

یعنی عاقل تو انجام کو اول ہی دل سے دیکھ لیتا ہے اور عقل سے مفلس آخر میں دیکھتا ہے۔

باز زاری کرد کائے نیکو خصال	مرمرا برسر مزن بر رو ممال
وہ پھر رویا کہ اے نیک عادت!	میرے سر پر نہ ماریئے منہ پر نہ ملئے

یعنی اس نے پھر آہ وزاری کی کہ اے نیکو خصال مجھے سر پر مت مار اور منہ پر مت مل یعنی مجھے بچالو۔

از من آں آمد کہ بودم نا سزا	نا سزایم را تو دہ حسن الجزا
مجھ سے وہی ہوا کیونکہ میں نالائق تھا	مجھ نالائق کو آپ اچھا بدلہ دے دیجئے

یعنی مجھ سے تو وہ آیا اس لئے کہ میں نالائق تھا تو میری نالائقی کی آپ اچھی جزا دیجئے۔

گفت تیرے جست از ست اے پسر	نیست سنت کاید آن واپس بسر
فرمایا اے بیٹا! تیر کمان سے نکل گیا	سنت الٰہی نہیں ہے کہ وہ دوبارہ واپس آئے

یعنی فرمایا کہ اے صاحبزادہ تیر کمان سے نکل گیا اب قاعدہ نہیں کہ وہ پھر واپس آوے۔

لیک درخواہم ز نیکو داورے	تا کہ ایماں آں زماں باخود برے
ہاں بہترین انصاف والے سے میں درخواست کروں گا	تاکہ تو اس وقت اپنے ساتھ ایمان لے جائے

یعنی لیکن میں اچھی عدالت سے یہ مانگوں گا کہ تو اس (موت کے) وقت ایمان اپنی ساتھ لے جاوے۔

چونکہ ایمان بردہ باشی زندۂ	چونکہ باایمان روی پایندۂ
جب تو ایمان کو (ساتھ) لے جائے گا تو زندہ ہے	جبکہ تو ایمان کے ساتھ جائے گا، ٹھیک رہے گا

یعنی جبکہ تو ایمان کو لے گیا ہو تو زندہ ہے اور جبکہ تو باایمان جاوے تو تو باقی ہے (اب آثار مرگ شروع ہوتے ہیں)

ہم در آندم حال بر خواجہ بگشت	تا دلش شورید آوردند طشت
اسی وقت، آقا کا حال دگرگوں ہو گیا	یہاں تک کہ اس کا دل متلایا، لوگ طشت لائے

یعنی اسی وقت میاں کی حالت بدلی یہاں تک کہ دل اس کا متلایا اور لوگ طشت (سلابچی وغیرہ) لائے (لوگ سمجھے کہ قے ہونے سے دل ہلکا ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ)

شورش مرگ است نے ہیضہ طعام	قے چہ سودت دارد اے بدبخت خام
موت کی تنگی ہے، نہ کہ کھانے کی بدہضمی	اے بدبخت ناقص! قے تیرے لئے کیا مفید ہے

یعنی یہ جوش موت ہے نہ کہ کھانے کا ہیضہ تو قے تجھے کیا فائدہ دے گی اے بدبخت خام یعنی اگر بدہضمی وغیرہ ہو تو قے سے کچھ تسکین ہو مگر یہ تو شورش مرگ ہے۔ قے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔

چار کس بردند تا سوئے وثاق	ساق می مالید او بر پشت ساق
(اس کو) چار آدمی گھر تک لے گئے	وہ پنڈلی پر پنڈلی رگڑتا تھا

یعنی چار آدمی گھر تک لے گئے اور (کرب کی وجہ سے) پنڈلی پر پنڈلی مار رہا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

پند موسیٰ نشنوی شوخی کنی	خویشتن بر تیغ پولادی زنی
تو (حضرت) موسیٰ کی نصیحت نہیں سنتا ہے گستاخی کرتا ہے	اپنے آپ کو فولاد کی تلوار پر مارتا ہے

یعنی موسیٰ کی نصیحت کو تو سنتا نہیں اور شوخی کرتا ہے تو اپنے کو تیغ فولادی پر مارتا ہے۔

شرم ناید تیغ را از جان تو	آں تست ایں اے برادر آں تو
تیری جان (لینے سے) تلوار کو شرم نہیں آتی ہے	اے بھائی! یہی تیرا حصہ ہے، تیرا حصہ ہے

یعنی تلوار کو تیری جان سے شرم نہ آوے گی اے بھائی یہی تیرے مناسب ہے یہی ہے۔ یعنی جب تو تلوار پر

اپنے کو مار رہا ہے تو یاد رکھ کہ تلوار تو کاٹ ہی دے گی اس کو شرم نہ آوے گی کہ وہ تجھے نہ کاٹے اور بس تمہارے مناسب یہی ہے کہ تمہارے ساتھ وہ ایسا کرے۔

موسیٰ علیہ السلام کا اس شخص کے ایمان کی سلامتی کیلئے دعا کرنا

گفت موسیٰ در مناجات آں سحر	کاے خدا ایماں ازو مستاں مبر
اس صبح کو (حضرت) موسیٰ نے دعا میں عرض کیا	کہ اے خدا! اس کا ایمان نہ لے نہ چھین

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس صبح کو مناجات میں فرمایا کہ اے خدا ایمان اس سے مت لے اور مت لے جا۔

بادشاہی کن برو بخشا کہ او	سہو کرد و خیرہ روئی و غلو
شاہی برت' اس کو بخش دے کیونکہ اس نے	غلطی اور شوخی اور زیادتی کی ہے

یعنی آپ مرحمت خسروانہ کیجئے اور بخش دیجئے کہ اس نے سہو اور خیرہ روئی اور غلو کیا ہے۔

گفتمش ایں علم نے درخورد تست	دفع پندارید قولم را و سست
میں نے اس سے کہا تھا' کہ یہ علم تیرے لائق نہیں ہے	میری بات کو اس نے ٹال مٹول اور کمزور سمجھا

یعنی میں نے اس سے کہا کہ یہ علم تیرے لائق نہیں ہے تو اس نے میرے قول کو ٹالنا اور سست سمجھا۔

دست را بر اژدہا آنکس زند	کہ عصا را دستش اژدہا کند
اژدھے پر وہ شخص ہاتھ ڈالے	جس کا ہاتھ' لاٹھی کو اژدہا بنا دے

یعنی اژدہا پر تو ہاتھ وہ مارے جو کہ عصا کو اس کا ہاتھ اژدہا بنا لے۔

سرِ غیب آنرا سزد آموختن	کہ تو اند لب ز گفتن دوختن
غیب کا راز سیکھنا اس کے لئے مناسب ہے	جو بولنے سے ہونٹ سی سکے

یعنی اسرار غیب کا سیکھنا اس شخص کی لائق ہے جو کہ لب کو کہنے سے سی سکے یعنی جوان کو چھپا سکے اس کو سیکھ لینا بھی مناسب ہے۔

درخور دریا نشد جز مرغ آب	فہم کن واللہ اعلم بالصواب
دریائی پرند کے سوا دریا کے لائق نہیں ہے	سمجھ جا' اور اللہ صحیح بات زیادہ جانتا ہے

یعنی دریا کے لائق کوئی نہیں ہے سوائے مرغ آبی کے ذرا سمجھ لو واللہ اعلم بالصواب۔

او بدریا رفت و مرغ آبی نبود	گشت غرقہ دست گیرش اے ودود
وہ دریا میں گھس گیا اور دریائی پرند نہ تھا	ڈوب گیا اے خدا اس کی دستگیری فرما

یعنی وہ دریا میں چلا گیا اور مرغ آبی نہ تھا اب وہ غرق ہو گیا ہے اے اللہ آپ اس کی دستگیری کیجئے یعنی اس نے یہ حرکت کر لی جو کہ اس کی لائق نہ تھی اب اے اللہ آپ دستگیری فرمادیں۔

حق تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام کی دعا کو قبول فرمانا

یعنی اس دعا کو حق تعالیٰ نے قبول فرمالیا اور اس پر بہ سبب اس کے عجز و افتقار کے رحم فرمایا۔

گفت بخشیدم با و ایمان منم	ورتو خواہی این زمان زندش کنم
فرمایا ہاں میں نے اس کو ایمان بخشا	اگر تو چاہے تو میں اس کو ابھی زندہ کردوں

یعنی فرمایا حق تعالیٰ نے کہ میں نے اس کو ایمان بخشا اور اگر تم چاہو تو میں اسی وقت اس کو زندہ کردوں۔

بلکہ جملہ مردگان خاک را	زندہ سازیم این زمان بہر تو ما
بلکہ زمین کے تمام مردوں کو	ہم تیرے لئے ابھی زندہ کر دیں

یعنی بلکہ تمام زمین کے مردوں کو ہم اس وقت آپ کی خاطر زندہ کر دیں۔

گفت موسیٰ ایں جہاں مردنست	آں جہاں انگیز کانجا روشن است
(حضرت) موسیٰ نے عرض کیا یہ فنا کا جہان ہے	اس جہان میں اٹھا لے کیونکہ وہ روشن جگہ ہے

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جہان تو مرنے کا ہے اس جہان میں اٹھائے کہ وہ جگہ روشن ہے۔

ایں فنا جا چوں جہاں بود نیست	بازگشت عاریت بس سود نیست
یہ فنا کی جگہ چونکہ (ہمیشہ) رہنے کا جہان نہیں ہے	عارضی واپسی ہے تو کوئی فائدہ نہیں ہے

یعنی یہ فنا کی جگہ جب رہنے کی جگہ نہیں ہے تو عاریت کا واپس دینا فائدہ نہیں ہے یعنی اگر اس وقت اس کو زندگی مستعار واپس بھی مل گئی تو پھر چھن جائے گی لہٰذا اس سے بہتر ہے کہ اس عالم کی راحت نصیب فرمایئے اب جو وقت رحمت دیکھا تو اوروں کی شفاعت بھی فرماتے ہیں کہ۔

رحمتے افشان بر ایشان ہم کنون	در نہانخانہ لدینا محضرون
ان پر اب رحمت نازل فرما	"لدینا محضرون" کے مخفی مقام میں

یعنی اب ان پر بھی رحم فرمایئے نہانخانہ میں اور لدینا محضرون میں یعنی ملک عدم میں اپنے پاس اوروں پر بھی رحم فرمایئے۔ اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ ہم نے جو قصہ بیان کیا ہے اس لئے ہے کہ۔

تا بدانی کہ زیان جسم و مال	سود جان باشد رہاند از وبال
خبردار سمجھ جا کہ جسم اور مال کا نقصان	جان کا نفع ہے (اس کو) وبال سے رہائی دے دیتا ہے

یعنی تا کہ تم جان لو کہ جسم و مال کا نقصان جان کا نفع رکھتا ہے اور وبال سے چھڑاتا ہے۔

بس ریاضت را بجان شو مشتری	چون سپردی تن بخدمت جان بری
بس مجاہدے کو (دل و) جان سے اختیار کر	جب تو جسم کو خدمت میں لگا دے گا نجات پا جائے گا

یعنی بس ریاضت کے جان و دل سے خریدار ہو جاؤ جبکہ تم نے تن خدمت میں سپرد کر دیا تو تم تو جانبر ہو جاؤ گے۔

در ریاضت آیدت بے اختیار	سر بنہ شکرانہ دہ اے کامیار
اور اگر بلا ارادہ تجھ سے ریاضت ہو جائے	اے کامیاب اطاعت کر، شکر ادا کر

یعنی اور اگر تمہارے پاس ریاضت بے اختیار آ دے تو سر رکھ اور شکر کر اے کامیاب۔ مطلب یہ کہ ریاضت کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری۔ ایک اضطراری۔ اختیاری تو یہ کہ اپنے اختیار سے نفس پر جبر کر اور ریاضت میں مشغول ہو اور اضطراری مجاہدہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ دیکھتے ہیں کہ یہ خود تو باز رہتا نہیں تو وہ اس شخص کو کسی مرض یا مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ جس سے یہ اس کام کو کر ہی نہیں سکتا تو اس کو مجاہدہ اضطراری کہتے ہیں اور جب حق تعالیٰ ایسا کرتے ہیں تو اس شخص کو ان مصائب پر صبر دیتے ہیں اور اس صبر سے اس کے درجات میں ترقی ہوتی ہے تو اس سے پہلے شعر میں تو فرمایا تھا کہ خود مجاہدہ کرو اور اس میں فرماتے ہیں کہ اگر مجاہدہ اضطراری میں مبتلا ہو جاؤ تو صبر کرو اور اطاعت کرو۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

چون حقت داد آں ریاضت شکر کن	تو نکردی او کشیدت ز امر کن
جب اللہ (تعالیٰ) نے تجھے وہ ریاضت عطا کر دی تو شکر یہ ادا کر	تو نے خود نہیں کی اس نے تجھے "کن" کے حکم کے ذریعہ کھینچا ہے

یعنی جب حق تعالیٰ نے تجھے ریاضت دی تو تو شکر کر تو نے نہیں کیا تو حق تعالیٰ نے امر کن سے تجھے کھینچ لیا یعنی تکویناً تجھے کام میں لگا دیا۔ مگر یہ حکم تکوینی مثل جمادات کے نہیں ہے کہ وہ اس طرح کام میں لگ رہے ہیں کہ ان کو شعور نہیں بلکہ یہاں امر تکوینی مع شعور کے ہے کہ کام لے رہے ہیں اور اس شخص کو معلوم ہے کہ ہاں اس سے یہ مقصود ہے لہٰذا اس پر صبر کرتا ہے۔ آگے ایک عورت کی حکایت لاتے ہیں کہ اس کے بچے زندہ نہ رہتے تھے وہ بہت غمگین تھی کہ خواب میں ایک باغ دیکھا کہ وہ اس کے لئے تیار ہے اور اس کے سارے بچے اس کے اندر موجود ہیں اور اس سے کہا گیا کہ تو خود تو کام کرتی نہ تھی ہم نے یہ مصائب تجھ پر مسلط کر کے تجھے صبر دیا اور پھر تیرے درجات رفیع کئے اور یہ باغ وغیرہ دیا تو دیکھو یہ عورت مجاہدہ اضطراری میں تھی اور اس نے صبر کیا تو درجات عطا ہوئے اسی طرح تم بلاؤں اور مصائب پر صبر کرو تو تم کو بھی درجات عالیہ عطا ہوں گے۔ اب حکایت سنو۔

حکایت اس عورت کی کہ بچے اس کے زندہ نہ رہتے تھے تو وہ حق تعالیٰ کے آگے روئی تو جواب ملا کہ یہ تیری ریاضت اور مجاہدہ کے عوض میں ہے

این حکایت بشنو دوعظے شمر	تا نگردی خستہ از نقص و ضرر
یہ حکایت سن اور نصیحت حاصل کر	تا کہ تو نقصان، اور تکلیف سے خستہ (دل) نہ ہو

یعنی یہ حکایت سن اور (اس کو) ایک وعظ شمار کرتا کہ تو نقص وضرر سے خستہ نہ ہو۔ یعنی اگر کوئی ضرر ہو یا کوئی مرض وغیرہ آوے تو تو اس سے غمگین مت ہونا۔ اور اس حکایت کو پیش نظر رکھنا کہ جس طرح کہ اس کو درجات عالیہ ملے اسی طرح تم کو بھی ملیں گے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب مرغا یہ باتیں کر رہا تھا تو آقا کان لگائے ہوئے اس کی یہ باتیں سن رہا تھا۔ جب اس نے اپنا مرنا سنا تو بہت گھبرایا اور موسیٰ علیہ السلام کے دولت خانہ کی طرف دوڑا خوف کے مارے منہ کو خاک پر ملتا تھا اور کہتا تھا کہ اے کلیم مجھے اس بلا سے بچائیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جا اب اپنے کو بیچ کر اس مصیبت سے چھوٹ جا آخر تو تو ردقضا میں بڑا ماہر ہو گیا ہے۔ کنویں سے کیوں نہیں نکل جاتا نکل جا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر اپنی تھیلی اور ہمیانی بھر۔ ارے احمق جس وقت کہ اس آئینہ کو جلا نہیں ہوئی تھی میں تو اسی وقت اس قضا کو دیکھ رہا تھا تو نے تو اسے آئینہ صیقل ہونے پر ہی دیکھا ہے یعنی میں نے ابتدا ہی میں سوچ لیا تھا کہ اس کا یہ انجام ہوگا اور تو نے اس وقت دیکھا جبکہ بالکل تیرے سامنے آ گیا عاقل جو ہوتے ہیں وہ انجام کو اول ہی میں دیکھ لیتے ہیں اور عقل سے بے بہرہ لوگ آخر میں دیکھتے ہیں اور پھر رویا اور کہا کہ حضور بھگو بھگو کر میرے سر میں جوتیاں نہ ماریں اور مجھے شرمندہ نہ کریں واقعی مجھ نالائق سے نالائقی ہوگئی۔ آپ میری نالائقی کا معاوضہ بھلائی سے فرمادیں۔ فرمایا کہ اب تو تیر کمان سے نکل گیا ہے اور یہ طریقہ نہیں کہ وہ واپس ہو لیکن حق سبحانہ کی بہتر حکومت سے اس کی درخواست کروں گا کہ تیرا ایمان پر خاتمہ ہو جب تیرا ایمان پر خاتمہ ہوگا تو تو واقع میں زندہ ہی ہے اور جبکہ تو ایمان اپنے ساتھ لے گیا تو تو حقیقت میں باقی ہی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اور اس کی حالت بگڑنی شروع ہوئی حتیٰ کہ اس کا جی متلایا اور لوگ قے کے لئے طشت لائے کوئی اس سے کہے کہ یہ موت کا ہیجان ہے یہ بدہضمی کی قے نہیں ہے کہ اس سے طبیعت ہلکی ہو جاوے اور بدنصیب احمق تجھے اس سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ غرضکہ چار شخص اسے چارپائی پر لٹا کر اس کے گھر لے گئے اور وہ نزع کی حالت میں پنڈلی سے پنڈلی رگڑتا تھا اس سے کوئی کہے کہ احمق تو موسیٰ کی نصیحت نہیں سنتا اور ضد کرتا ہے اور اپنے کو فولادی تلوار سے بھڑاتا ہے۔ تجھے خیال

نہیں ہوتا کہ تلوار تیری جان کا کچھ لحاظ نہ کرے گی۔ اب اپنے کئے کی سزا بھگت تیری یہی سزا ہے خیر جب وہ چلا گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کا ایمان سلب نہ کرنا اور اس کو باایمان مارنا آپ مراحم خسروانہ کو کام فرمادیں اور اس کو معاف فرمادیں اس نے بڑی غلطی کی۔ بڑی نالائقی کی اور بہت زیادتی کی میں نے تو اس سے کہا تھا کہ یہ علم تیرے موافق نہیں ہے مگر اس نے میری بات کو معمولی سمجھا اور سمجھا کہ ٹالنے کے لئے کہتے ہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ خطرات میں پڑنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بلکہ وہ صرف اہل اللہ کا کام ہے کیونکہ اژدھے پروہی ہاتھ ڈال سکتا ہے جس کے ہاتھ میں یہ کمال ہو کہ وہ لاٹھی کو اژدہا بنا ے اور راز غیب اس کو جاننا زیبا ہے جو اس کو افشاء نہ کرسکے۔ دیکھو ہر جانور دریا میں نہیں جاسکتا۔ اس میں صرف دریائی جانور ہی جاسکتا ہے۔ پس اسی سے تم سمجھ لو کہ راز غیب کا جاننا مقربین بارگاہ علام الغیوب ہی کو زیبا ہے۔ خیر تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اللہ یہ دریائی جانور نہ تھا اور دریا میں گھس گیا اور ڈوب گیا۔ آپ اس کی دستگیری فرمایئے۔ حق سبحانہ نے دعا کو قبول فرمایا اور اس کے عجز و افتقار پر رحم فرمایا اور کہا کہ اچھا میں نے اسے ایمان بخشا اور اگر تم کہو تو میں اسے زندہ بھی کردوں بلکہ ایک وہ کیا اگر تم کہو تو تمہاری خاطر میں تمام مردوں کو زندہ کردوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جہان تو فانی ہے اس کی زندگی تو کوئی معتد بہ چیز نہیں ہے ہاں آپ اسے اس عالم میں زندہ فرمایئے جو روشن ہے اور یہ جہان تو کوئی رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ واپسی اگر ہوگی بھی تو برائے چندے لہذا بے سود ہے اور اس کے ساتھ ان لوگوں پر بھی رحم فرمایئے جو عدم کے تہہ خانہ میں مستور اور آپ کے سامنے حاضر ہیں۔ اس سے تم کو سمجھنا چاہئے کہ جسم و مال کا نقصان جان کا نفع ہے کہ وہ جان کو وبال سے چھڑاتا ہے اور یہ سمجھ کر ریاضت کا جان و دل سے خریدار ہونا چاہئے جب تم جسم کو حق سبحانہ کے سپرد کردوگے تو جان ہلاکت سے بچالوگے اور اگر کوئی ریاضت بلا اختیار تم کو پیش آ جاوے تو اس کے سامنے سر جھکادو اور شکر کرو اور جب حق سبحانہ کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو شکر کرو کیونکہ تم نے ریاضت نہ کی تھی حق سبحانہ نے اپنے حکم سے تم سے ریاضت لی۔ دیکھو یہ قصہ سنو مگر قصہ کی طرح نہ سننا بلکہ اس کو ایک وعظ اور نصیحت سمجھنا تاکہ اگر تم کو کوئی نقصان یا ضرر پہنچے تو اس سے تم کبیدہ خاطر نہ ہو۔

شرح شبیری

آن زنے ہر سال زائیدے پسر	بیش از شش مہ نبودے عمر ور
وہ عورت ہر سال لڑکا جنتی ہے	(لیکن) وہ چھ ماہ سے زیادہ عمر والا نہ ہوتا

یعنی ایک عورت ہر سال ایک لڑکا جنتی تھی اور وہ بچہ چھ ماہ سے زائد عمر والا نہ ہوتا تھا۔

یا سہ مہ یا چار مہ گشتے تباہ	نالہ کرد آن زن کہ افغان اے الٰہ
تین مہینے یا چار مہینے میں تباہ ہو جاتا	وہ عورت روئی کہ اے خدا! فریاد ہے

یعنی یا تین ماہ یا چار ماہ (زندہ رہتا پھر) تباہ ہو جاتا تو اس عورت نے نالہ کیا کہ اے اللہ۔

نہ مہم بارست و سہ ماہم فرح	نعمتم زو تر رو از قوس قزح
میرے لئے نو مہینے تکلیف اور تین مہینے خوشی ہے	میری نعمت دھنک کمان سے زیادہ جلدی جانے والی ہے

یعنی میرے لئے نو ماہ تو بوجھ ہے اور تین ماہ فرحت ہے میری نعمت تو قوس قزح سے بھی جلدی جانے والی ہے۔

پیش مردان خدا کردے نفیر	ایں شکایت آن زن از درد نذیر
خاصان خدا کے سامنے شکایت کرتی	وہ عورت ' اس تکلیف کے ہولناک درد سے

یعنی مردان حق کے آگے اس شکایت کی وہ عبرت درد ڈرانے والے کی فریاد کرتی۔

بیست فرزندش چنین در گور رفت	آتشے در جان او افتاد و تفت
اس طرح بیس بچے قبر میں گئے	شورش اور آگ اس کی جان میں لگ گئی

یعنی بیس بچے اس کے اسی طرح گور میں گئے تو اس کی جان میں ایک آگ اور جلن پڑ گئی۔

تا شبے بنمود او را جنتے	باغکے سبزی خوشی بے منتے
یہاں تک کہ اس کو ایک رات جنت نظر آئی	جو ایک سرسبز عمدہ بے دریغ باغ تھا

یعنی یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اسے ایک رات ایک جنت دکھلائی ایک باغ سرسبز عمدہ بے محنت کے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

باغ گفتم نعمت بے کیف را	سبز گفتم خلد دارالضیف را
میں نے بے کیف نعمت کو باغ کہہ دیا	میں نے دائمی مہمان خانے کو سبز کہہ دیا

یعنی میں نے نعمت بے کیف کو باغ کہدیا۔ اور خلد دار الضیف کو سرسبز کہدیا۔

ورنہ لاعین رأت چہ جائے باغ	گفت نور غیب را یزدان چراغ
ورنہ باغ (کے ذکر کا) کیا سوال ہے وہ تو ایسا ہے کہ کسی آنکھ نے اس کو نہیں دیکھا	اللہ (تعالیٰ) نے غیبی نور کو چراغ فرمایا ہے

یعنی ورنہ (وہ تو) لاعین رأت ہے چہ جائیکہ باغ اور فرمایا ہے نور غیب کو حق تعالیٰ نے چراغ۔

مثل نبود ایں مثال آں بود	تا برد بو آنکہ او حیران بود
مثل نہیں ہے یہ اس کی مثال ہے	تاکہ جو حیران ہے وہ کچھ سراغ پا لے

یعنی یہ مثل نہیں ہے اس کی مثال ہے تاکہ بو لے جاوے وہ شخص کہ وہ حیران ہے مطلب یہ کہ اگر میں نے جنت کو سرسبز وغیرہ کہدیا تو کیا ہے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح تو یہ مثل (بکسر المیم) نہیں بلکہ مثالیں تقریب فہم کے لئے ہیں آگے پھر قصہ فرماتے ہیں۔

حاصل آنرا دید آں زن مست شد	زاں تجلی آن ضعیف از دست شد
خلاصہ یہ ہے اس (عورت) نے اس کو دیکھا وہ عورت مست ہوگئی	اس تجلی سے وہ کمزور عورت مدہوش ہو گئی

یعنی حاصل یہ کہ اس عورت نے اس کو دیکھا اور مست ہوگئی اور اس تجلی سے وہ ضعیف از خود رفتہ ہوگئی۔

دید در قصرے بنشتہ نام خویش	آن خود دانستش آن محبوب کیش
اس نے ایک محل پر اپنا نام لکھا دیکھا	اس نیک اطوار نے اس کو اپنا جانا

یعنی اس نے ایک محل میں اپنا نام لکھا دیکھا تو اس کو اس محبوب کیش نے اپنی ملک جانا۔

بعد ازان گفتند کاین نعمت وراست	کو بجان بازی بجز صادق نخاست
اس کے بعد انہوں نے (اس سے) کہا کہ یہ نعمت اس کی ہے	جس نے جانبازی سے سوائے خدا کے کچھ نہ چاہا ہو

یعنی اس کے بعد (فرشتوں نے) کہا کہ یہ نعمت اس کے لئے ہے جو کہ جانبازی سے سوائے صادق کے نہ اٹھا یعنی جس نے کہ ہمیشہ طلب صادق ہی کی اس کے لئے یہ نعمتیں ہیں۔

خدمت بسیار می بایست کرد	مرترا تا برخوری زین چاشت خورد
بہت زیادہ عبادت کرنی چاہیے	تاکہ تو اس ناشتہ سے فائدہ حاصل کرے

یعنی تجھے خدمت بسیار کرنی چاہئے تھی تاکہ تو اس چاشت سے پھل کھاتی۔

چوں تو کاہل بودی اندر التجا	آن مصیبتہا عوض دادت خدا
چونکہ تو دعا کرنے میں سست تھی	خدا نے اس کے بدلے میں تجھے وہ مصیبتیں دیدی ہیں

یعنی جبکہ تو دعا میں کاہل تھی تو خدا نے یہ مصیبتیں (اس مجاہدہ کے) عوض میں دیدیں۔ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو تجھے مراتب علیا پر فائز فرمانا تھا اور اس کے لئے مجاہدات شاقہ کی ضرورت تھی اور اس میں تو کاہل تھی لہٰذا حق تعالیٰ نے ان مصائب کو تیرے لئے عوض بنادیا کہ ان پر تو نے صبر کیا تو یہ درجات مل گئے جب اس نے یہ سنا تو بولی کہ۔

گفت یارب تا بصد سال وفزون	این چنینم دہ بریز از من تو خون
اس نے عرض کیا اے خدا! سو سال اور زیادہ تک	مجھے اسی طرح (مصیبتیں) دے میرا خون بہا دے

یعنی اس نے کہا کہ اے اللہ سو برس بلکہ زیادہ تک تو اسی طرح مجھے عطا فرما اور خون گرا یعنی اسی طرح اولاد کو عنایت فرما اور مار۔ تاکہ درجات علیہ نصیب ہوں۔

اندر آن باغ او چو آمد پیش پیش	دید روے جملہ فرزندان خویش
اس باغ میں جب وہ زیادہ آگے آئی	اس نے اس میں اپنے سب بچے دیکھے

یعنی اس باغ میں جو وہ آگے آگے آئی تو اس نے اس میں اپنے سارے بچوں کو دیکھا۔

گفت از من گم شد از تو گم نشد	بے دو چشم غیب کس مردم نشد
اس نے عرض کیا مجھ سے وہ گم ہوئے تجھ سے گم نہ ہوئے	غیب کی دونوں آنکھوں کے بغیر کوئی انسان نہ بنا

یعنی بولی کہ (اے خدایہ) مجھ سے تو گم ہو گئے تھے آپ سے گم نہ ہوئے تھے (آپ کے پاس موجود تھے مولانا فرماتے ہیں کہ) بے غیب کی دو آنکھوں کے کوئی آدمی نہیں ہوا۔

تو نکردی فصد و از بینی دوید	خون افزون تاز تپ جانت رہید
تو نے فصد نہ کرائی اور ناک سے نکلا	بڑھا ہوا خون حتیٰ کہ تیری جان بخار سے بچ گئی

یعنی تو نے فصد نہ کی تو ناک سے خون زائد دوڑ گیا یہاں تک کہ جان تیری تپ سے چھوٹ گئی۔ مطلب یہ کہ تم مجاہدہ اختیاری میں مشغول نہ ہوئے تو خدا نے تم کو اضطراری میں لگا دیا۔ یہاں تک کہ تم اس عذاب سے بچ گئے اور درجات تم کو مل گئے۔

مغز ہر میوہ بہ است از پوستش	پوست داں تن را و مغز آن دوستش
ہر پھل کا مغز اس کے چھلکے سے بہتر ہے	جسم کو چھلکا سمجھ اور اس کے دوست کو مغز سمجھ

یعنی ہر میوہ کا مغز اس کے پوست سے بہتر ہے تو تم تن کو تو پوست جانو اور مغز اس کے اس دوست کو یعنی روح کو۔

مغز نغزے دارد آخر آدمی	یکدمے آنرا طلب گرزان دمی
آخر آدمی (بھی) عمدہ مغز رکھتا ہے	تھوڑی دیر کے لئے اس کی طلب کر اگر تو اس خون کا ہے

یعنی آخر آدمی تو ایک مغز نفیس رکھتا ہے تو تو اگر اس دم سے ہے تو ایک دم اس کو طلب کر یعنی اگر آدم ہے تو تو اس مغز نغز یعنی روح کو طلب کر اور اس کی پرورش کر اور پرورش تن کو چھوڑ۔ آگے حضرت حمزہؓ کی حکایت لاتے ہیں کہ وہ آخر میں بے زرہ کے لڑائی میں آیا کرتے تھے کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ یہ جسم چونکہ کوئی حفاظت کی شے نہیں ہے لہذا اس کی حفاظت کو ترک کر دیا تو دیکھو تم بھی ایسا ہی کرو۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ ایک عورت کے ہر سال بچہ پیدا ہوتا تھا لیکن چھ مہینہ سے زیادہ نہ جیتا تھا یا تین مہینے کا ہو کر مر جاتا تھا یا چار مہینے کا۔ بالآخر وہ رو پڑی اور کہا کہ اے اللہ نو مہینے تک تو میں حمل کی مصیبت میں رہتی ہوں اور تین مہینے کے لئے مجھے خوشی حاصل ہوتی ہے میری نعمت تو قوس قزح سے بھی جلدی زائل ہو جاتی ہے اس میں کیا راز ہے۔ اہل اللہ کے سامنے بھی وہ عورت اس ڈرانے والی تکلیف کی شکایت کرتی تھی کیونکہ بیس بچے اس بیچاری کے

مرکر قبرستان میں جا چکے تھے۔اس لئے اس کے بدن میں غم کی آگ شعلہ زن تھی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک روز خواب میں اسے جنت دکھلائی دی۔اوراس نے دیکھا کہ ایک سرسبز اور نہایت عمدہ باغ ہے جس میں کسی چیز کی کمی نہیں۔اب مولانا استطر ادا فرماتے ہیں کہ جنت تو بے کیف متعارف ہے اوران باغوں کی مثل نہیں۔مگر میں نے اس لئے باغ کہدیا کہ دنیا میں باغات تمام نعمتوں کی جڑ سمجھے جاتے ہیں ورنہ اس کی صفت تو یہ ہے کہ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطرت علیٰ قلب بشر. ان متعارف باغوں کی اس کے سامنے کوئی بھی حقیقت نہیں۔یہ جو میں نے کہا ہے تمثیلاً وتقریباً الی الافہام کہا ہے اور تمثیل میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حق سبحانہ خود اپنے کو چراغ سے تشبیہ دیتے ہیں اور فرمایا ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح. یہ محض تقریب فہم اور تمثیل کے لئے ہے ورنہ کجا نور حق کجا چراغ۔پس باغ اس کی مثل نہیں ہے بلکہ مثال ہے اور یہ تمثیل ان لئے اختیار کی گئی تاکہ ناواقفوں کو بھی اس کا پتہ لگ جاوے اور نہ اصل کیفیت تو اس کی مشاہدہ ہی سے معلوم ہوتی ہے (اس سے کسی ناواقف کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ مولانا جنت ودوزخ جسمانی کا انکار کر رہے ہیں۔اوران کے نزدیک جنت ودوزخ ایک روحانی چیز اور صرف خیالات خوش کن درنجدہ کا نام ہے جیسا کہ اس زمانہ کے روشن خیال لوگوں کا خیال ہے کیونکہ یہ تو نصوص صریحہ کے خلاف ہے بلکہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ حقیقۃً اس میں درخت بھی ہیں اس میں نہریں بھی ہیں۔اس میں شراب بھی ہے اس میں محلات بھی ہیں اور یہ سب امور حقیقتاً ہیں نہ کہ تشبیہاً چنانچہ مولانا اسی مضمون میں اس کی طرف اشارہ بھی کریں گے۔اور آئندہ اس کو تفصیلاً بھی بیان کریں گے لیکن وہ اس قدر عجیب اور نفیس ولطیف ہیں کہ ان کی واقعی نفاست ولطافت کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی اور اس لئے ان باغات وغیرہ سے اس کو کچھ بھی مناسبت نہیں پس تم اس کو اپنے باغات وغیرہ کی مثل نہ سمجھ بیٹھنا) خلاصہ یہ کہ وہ عورت اس کو دیکھ کر مست ہوگئی اور اس کا نور دیکھ کر وہ بیچاری آپ میں نہ رہی اس نے دیکھا کہ ایک محل میں میرا نام لکھا ہوا ہے اس نے سمجھا کہ یہ میرے لئے ہے۔غیب سے ندا آئی کہ یہ محل حقیقت میں اس کے لئے تھا جو جانبازی میں خالص ثابت ہوا ہو اور اس غذائے چاشت کو کھانے کے لئے بہت بڑی خدمت کی ضرورت تھی لیکن چونکہ تم حق سبحانہ کی طرف رجوع کرنے میں کاہل تھیں اس لئے تمہاری خدمتوں کی عوض تم کو تکلیفیں دی گئیں تاکہ تم اس کے مستحق ہوسکو یہ سمجھ کر اس نے کہا کہ اے اللہ سو سال تک بلکہ اس سے بھی زیادہ مجھے تکلیف دیجئے اور یوں ہی مجھے زار و نزار کیجئے۔میں بخوشی رضامند ہوں اس کے بعد جب اور آگے بڑھی تو اس نے اپنے سب بچوں کی صورتیں دیکھیں اس نے کہا کہ اے اللہ اب معلوم ہوا کہ یہ مجھ سے گم ہوگئے تھے مگر تجھ سے گم نہ ہوئے۔تیرے پاس تو یہ نہایت حفاظت اور آرام سے ہیں۔اب مجھے صبر آگیا اب مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھ جب تک حالت غیبیہ اس پر منکشف نہیں ہوئی پریشان رہی اور رضا وتسلیم اس کے اندر پیدا نہ ہوئی مگر جب حالت غیبیہ کا مشاہدہ ہوگیا اس وقت سکون ہوگیا۔واقعی بات یہ ہے کہ جس کو غیب بین آنکھیں عطا نہیں ہوئیں وہ آدمی نہیں خیر یہ تو استطرادی گفتگو تھی اب اصل مقصد سنو۔وہ یہ کہ حق سبحانہ جو کچھ تکلیف دیتے ہیں اس میں

مصلحتیں ہوتی ہیں۔ پس تم کو صابر و شاکر رہنا چاہئے۔ مثلاً تمہارے جسم میں خون کی زیادتی ہوگئی ہے اور اندیشہ ہے کہ بخار چڑھ جاوے یا بخار چڑھ بھی گیا ہے مگر تم فصد نہیں کراتے پس وہ اپنی رحمت سے نکسیر چلا دیتا ہے جس سے تمہاری جان بخار کی زحمت سے چھوٹ جاتی ہے یاد رکھو کہ ہر میوہ میں مغز اس کے پوست سے اچھا ہوتا ہے پس تمہارے اندر بھی دو چیزیں ہیں ایک پوست دوسرا مغز۔ پوست تو تن ہے اور روح مغز ہے آخر آدمی کے اندر بھی تو عمدہ مغز موجود ہے پس اگر تو نسل آدم علیہ السلام سے ہے اور الولد سر لابیہ کا مصداق ہے تو اسے طلب کر یعنی اس کی فکر کر اور جسم کے پیچھے نہ پڑ۔

شرح شبّیری

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لڑائی میں بے زرہ کے تشریف لانا

در جوانی حمزہ عم مصطفے	باز رہ مے شد مدام اندر وغا
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا (حضرت) حمزہؓ جوانی میں	ہمیشہ جنگ میں زرہ پہن کر آتے

یعنی جوانی میں حمزہؓ عم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی میں ہمیشہ مع زرہ کے جاتے تھے۔

اندر آخر چونکہ در غزو آمدے	بے زرہ خود را بہ صفہا بر زدے
آخر (عمر) میں جب وہ جہاد میں آتے	بغیر زرہ کے اپنے آپ کو صفوں سے بھڑا دیتے

یعنی اخیر عمر میں جبکہ لڑائی میں آتے تو بے زرہ کے اپنے کو صفوں میں ڈالتے۔

اندر آخر حمزہ چون در صف شدے	بے زرہ سرمست در غزو آمدے
آخر (عمر) میں جب (حضرت) حمزہؓ صف میں آتے	جہاد میں بغیر زرہ کے مست ہو کر آتے

یعنی اخیر میں حمزہؓ جب صف میں آتے تو بے زرہ کے سرمست کی طرح غزو میں آجاتے۔

سینہ باز و تن برہنہ پیش پیش	در فگندے در صف شمشیر خویش
سینہ کھلا ہوا جسم برہنہ آگے آگے	اپنے آپ کو تلواروں کی صف میں ڈال دیتے

یعنی سینہ کھلا ہوا اور تن برہنہ آگے آگے صف شمشیر میں اپنے کو ڈال دیتے۔

خلق پرسیدند کاے عم رسول	اے ہزبر صف شکن شاہ فحول
لوگوں نے دریافت کیا کہ اے رسولؐ کے چچا!	اے صفوں کو شکست دینے والے شیر بہادروں کے بادشاہ

یعنی لوگوں نے پوچھا کہ اے عم رسول اور اے شیر صف شکن اور شاہ مرداں۔

نے تو لاتلقوا بایدیکم اللے	تہلکہ خواندے ز پیغام خدا
کیا آپ نے "نہ ڈالو تم اپنے آپ کو	ہلاکت میں" اللہ کے پیغام میں نہیں پڑھا ہے؟

یعنی کیا آپ نے لاتلقوا بایدیکم الے تھا کہ پیغام خدا سے پڑھا نہیں ہے۔

پس چرا تو خویش را در تہلکہ	می در اندازی چنین در معرکہ
پھر کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں	ڈالتے ہیں اس طرح میدان جنگ میں ؟

یعنی بس آپ کیوں اپنے کو ہلاکت میں اور اس طرح معرکہ میں ڈالتے ہیں۔

چون جواں بودی وزفت وسخت زہ	تو نمی رفتی سوئے صف بے زرہ
جب آپ جوان اور بھاری اور سخت کمان تھے	تو آپ صف کی جانب بغیر زرہ کے نہیں جاتے تھے

یعنی جب آپ جوان اور مضبوط اور سخت زہ والے تھے تو آپ صف بے زرہ نہیں جاتے تھے۔

چون شدی پیرو ضعیف و منحنی	پردہائے لا ابالی می زنی
جب آپ بوڑھے اور کمزور اور کبڑے ہو گئے	(تو) بے پرواہی کا راگ الاپتے ہیں

یعنی جبکہ آپ بوڑھے اور ضعیف اور منحنی ہوگئے تو اب بے پروائی کے پردہ کو مارتے ہو۔

لاابالی وار با تیغ و سنان	می نمائی دار و گیر و امتحان
بے پروائی کے ساتھ تلوار اور نیزہ لے کر	جنگ اور زور آزمائی کرتے ہیں

یعنی لاابالی کی طرح مع تیغ وسنان کے آپ امتحان میں دار و گیر کھاتے ہیں۔

تیغ حرمت می ندارد پیر را	کے بود تمیز تیغ و تیر را
تلوار بوڑھے کا احترام نہیں کرتی ہے	تلوار اور تیر کو تمیز کہاں ہے

یعنی تلوار کسی بوڑھے کی عزت نہیں کرتی اور تیغ و تیر کو کب تمیز ہوتی ہے (کہ یہ بزرگ ہیں اور یہ نہیں ہیں اس کے آگے جو پڑے گا وہ اس کو کاٹے گی)

کے روا باشد کہ شیرے ہمچو تو	کشتہ گردد زار بردست عدو
کب مناسب ہو گا کہ آپ جیسا شیر	دشمن کے ہاتھ سے بری طرح قتل ہو؟

یعنی کب مناسب ہے کہ ایک آپ جیسا شیر دست عدو سے مارا جاوے یعنی اگر آپ فرمادیں کہ میں مرنے کو ایسا کرتا ہوں تو ہمیں یہ گوارا نہیں ہے کہ آپ ایسا کریں۔

زین نسق غمخوارگان بے خبر	پند می دادند او را از عبر
بے خبر ہمدرد اس طرح کی	عبرتوں سے ان کو نصیحت کرتے تھے

یعنی اس طرح سے غمخوار لوگ (حقیقت سے) بے خبران کو عبرتوں سے نصیحت کر رہے تھے یعنی وہ ان کو ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ دیکھو ایسا مت کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

حضرت حمزہؓ کا جواب

مرگ می دیدم وداع این جہان	گفت حمزہؓ چونکہ بودم من جوان
اس دنیا کو چھوڑنا موت سمجھتا تھا	(حضرت) حمزہ نے فرمایا جبکہ میں جوان تھا

یعنی حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ جبکہ میں جوان تھا تو اس جہان کے رخصت کرنے کو موت سمجھتا تھا۔

پیش اژدرہا برہنہ کے شود	سوئے مردن کس برغبت کے رود
اژدھوں کے آگے کون ننگا ہوتا ہے؟	موت کی طرف رغبت کون جاتا ہے؟

یعنی کوئی شخص مرنے کی طرف رغبت سے کب جاتا ہے اور اژدہا کے آگے برہنہ کب ہوتا ہے۔

نیستم این شہر فانی راز بون	لیک از نور محمد من کنوں
میں اس فانی شہر کا پابند نہیں ہوں	لیکن اب محمدؐ کے نور سے

یعنی لیکن اب میں نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس دنیائے فانی سے عاجز نہیں ہوں۔

پر ہمی بینم ز نور حق سپاہ	از بردن حس ز لشکر گاہ شاہ
اللہ کے نور کے سپاہیوں سے بھرا ہوا دیکھتا ہوں	حواس سے بالا تر شاہ کی لشکر گاہ کو

یعنی اس حس سے خارج لشکر شاہ (حق تعالیٰ) کی میں نور حق سے سپاہ پر دیکھتا ہوں یعنی مجھے حواس باطنیہ سے جنود غیبیہ نظر آرہے ہیں اور میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔

شکر آنکہ کرد بیدارم ز خواب	خیمہ در خیمہ طناب اندر طناب
اس کا شکر یہ جس نے مجھے نیند سے بیدار کر دیا ہے	خیمے ہی خیمے، طنابیں ہی طنابیں

یعنی خیمہ در خیمہ اور طناب در طناب ہیں اور شکر اس کا کہ اس نے مجھے خواب سے بیدار کر دیا۔

امر لاتلقوا بگیرد او بدست	آنکہ مردن پیش چشمش تہلکہ است
وہ "نہ ڈالو" کا حکم ہاتھ میں تھامے	جس کی نگاہ میں مرنا ہلاکت ہے

یعنی وہ شخص کہ اس کی نگاہ میں مرنا ہلاکت ہے وہ امر لاتلقوا الخ کو ہاتھ میں لے گا۔

سارعوا آید مر او را در خطاب	آنکہ مردن پیش او شد فتح باب
اس کے لئے خاص "جلد کرو" کا خطاب آیا	جس کے لئے مرنا باب (رحمت) کا کھلنا بن گیا ہے

یعنی وہ شخص کہ اس کے آگے مرنا فتح باب (غیب) ہے تو اس کو خطاب میں سارعوا آیا ہے یعنی ان کے لئے تو یہ خطاب ہے کہ ایسے کاموں میں جلدی اور مسارعت کرو ان کے لئے خطاب لاتلقوا نہیں ہے اس لئے کہ وہ اس کو ہلاکت سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جوانی میں حضرت حمزہؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہمیشہ لڑائی میں زرہ پہن کر جاتے تھے مگر اخیر عمر میں جب وہ صف جنگ میں جاتے تھے تو نشہ حب حق میں چور ہوتے تھے اور جہاد میں بدوں زرہ کے شریک ہوتے تھے اور حالت یہ ہوتی تھی کہ سینہ بھی کھلا ہوتا تھا جسم بھی برہنہ ہوتا تھا اور آگے آگے ہوتے تھے اور اپنے کو تلواروں میں ڈال دیتے تھے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ اے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور اے شیر خدا اور صف شکن شاہ مردان کیا آپ نے حکم خداوندی لاتلقوا بایدیکم الی التهلكة نہیں پڑھا۔ جب پڑھا ہے تو پھر کیا بات ہے کہ آپ ایسے معرکہ میں گھس کر اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں جبکہ آپ جوان بھی تھے موٹے تازے بھی تھے قوی بھی تھے اس وقت تو آپ صف جنگ میں بلا زرہ کے نہ جاتے تھے اور جب بڈھے ضعیف ونحیف ہوئے اس وقت آپ لاپروائی کے پردے اپنے اوپر ڈالتے ہیں اور نہایت بیباکانہ تیغ وسنان سے مزاحمت اور زور آزمائی کرتے ہیں۔ آپ خیال فرمائیں کہ تلوار بڑھاپے کی کچھ وقعت نہیں کرتی۔ بھلا تیغ وتیر کو کیا تمیز کہ کون قابل وقعت ہے اور کون نہیں پس یہ جائز نہیں کہ آپ سا بہادر دشمن کے ہاتھ سے مارا جائے آپ اپنی حفاظت کیجئے۔ غرض اسی طرح ان کے نادان دوست ان کو مصائب سے ڈراتے اور نصیحت کرتے تھے مگر حمزہ رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ جواب دیا کہ صاحبو جب میں جوان تھا اس وقت اس جہان سے رخصت ہونے کو موت سمجھتا تھا اور یہ یقینی امر ہے کہ موت کی طرف آدمی رغبت سے نہیں جاتا اور اژدہے کے سامنے ننگا نہیں جاتا۔ اس لئے یہ سب احتیاطیں کرتا تھا لیکن اب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے مجھ پر حقیقت حال منکشف ہوگئی ہے اور اب جب دنیا مجھ پر غالب نہیں رہی میں عالم محسوسات سے باہر حق سبحانہ کی چھاؤنی دیکھ رہا ہوں اور نور حق کی سپاہ سے اسے لبریز پاتا ہوں۔ خیمہ پر خیمہ اور طنابوں پر طنابیں قائم ہیں میں ان کا نہایت مشکور ہوں جنہوں نے مجھ پر حقیقت حال کو منکشف کرکے جہل مرکب سے رہائی دی۔ اور گویا کہ میں سوتا تھا انہوں نے مجھے جگا دیا اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ حق سبحانہ نے لاتلقوا بایدیکم الی التهلكة فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو موت کو ہلاکت سمجھے وہ اس پر کاربند ہو۔ اور جو مرنے کو وصال حق سبحانہ کا دروازہ کھلنا سمجھتا ہے اس کے لئے تو سارعوا الی مغفرة من ربكم و جنة الخ خطاب ہے اور اس کو تو موت کے لئے ترغیب ہے۔

شرح شبّیری

الحذر اے مرگ بینان دارعوا	العجل اے حشر بینان سارعوا
ڈرو! اے موت دیکھنے والو! بازی لے جاؤ	جلدی کرو! اے حشر دیکھنے والو پھرتی کرو

یعنی اے موت دیکھنے والو بچو اور اے حشر دیکھنے والو جلدی کرو۔ مطلب یہ کہ اے وہ لوگو جو کہ موت سے ڈرتے ہو الگ ہو جاؤ اور موت سے بچ جاؤ اور جو لوگ کہ موت کی اور حشر کی حالت ان کے پیش نظر ہے اور وہ موت سے نہیں ڈرتے وہ آگے بڑھیں اور جلدی کریں اور فرماتے ہیں کہ۔

الصلا اے لطف بینان افرحوا	البلا اے قہر بنان اترحوا
دعوت ہے اے مہربانی سمجھنے والو! خوش ہو جاؤ	مصیبت ہے! اے قہر سمجھنے والو! غم کرو

یعنی اعلان ہے اے لطف کے دیکھنے والو خوش ہو اور بلا ہے اے قہر کے دیکھنے والو ہلاک ہو جاؤ یعنی اے وہ لوگو جو کہ موت کو لطف جانتے ہو وہ تو اس سے خوش رہو اور جو کہ اس کو قہر سمجھتے ہو وہ اس سے ڈرو اور ہلاک ہو۔

ہر کہ یوسف دید جان کردش فدا	ہر کہ گرگش دید برگشت از ہدا
جس نے یوسف سمجھا اس نے جان قربان کی	جس نے اس کو بھیڑیا سمجھا وہ ہدایت سے برگشتہ ہوا

یعنی جس نے کہ (موت کو) یوسف دیکھا تو اس پر جان فدا کر دی اور جس نے اس کو گرگ دیکھا وہ ہدایت سے برگشتہ ہو گیا۔

مرگ ہر یک ای پسر ہمرنگ اوست	پیش دشمن دشمن و بر دوست دوست
اے بیٹا! ہر شخص کی موت اس کے ہمرنگ ہے	دشمن کے سامنے دشمن' دوست کے لئے دوست (ہے)

یعنی اے لڑکے ہر ایک کی موت اس کے ہمرنگ ہے دشمن کے آگے دشمن ہے اور دوست پر دوست ہے یعنی جیسے اس کے حالات ہوتے ہیں اس کے موافق اس کی موت بھی ہوتی ہے آگے مثال ہے کہ۔

پیش ترک آئینہ را خوش رنگی است	پیش زنگی آئینہ ہم زنگی ست
ترک کے سامنے آئینہ خوش رنگ ہے	حبشی کے سامنے آئینہ بھی حبشی ہے

یعنی ترک کے آگے آئینہ خوش رنگ ہے اور زنگی کے سامنے آئینہ بھی زنگی ہے یعنی دیکھو آئینہ ایک ہی شے ہے مگر جو ترک اس میں دیکھے تو وہ خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور اگر کوئی زنگی اس میں دیکھے تو وہ آئینہ بھی سیاہ ہو جاتا ہے تو اس آئینہ میں تو کوئی خرابی نہیں ہے بلکہ اس رائے ہی میں خرابی ہے تو اسی طرح موت فی نفسہ تو ایک عمدہ اور خوش صورت ہے مگر خود انسان ہی میں خرابی ہوتی ہے تو یہ ناگوار معلوم ہوتی ہے اور اگر وہ اچھا ہوتا ہے تو یہ بھی اچھی معلوم ہوتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

آنکہ می ترسی زمرگ اندر فرار	ترس از خویشست ای جان ہوشدار
تو جو بھاگنے میں موت سے ڈرتا ہے	اے جان سمجھ لے تیرا ڈر خود اپنے آپ سے ہے

یعنی وہ کہ تو بھاگنے میں موت سے ڈرتا ہے تو یہ تیرا خوف اپنے ہی سے ہے اے جان ہوش رکھ مطلب یہ کہ تو جو موت کی ڈراؤنی صورت سے ڈر رہا ہے یہ موت سے خوف نہیں بلکہ یہ خوف اپنی ہی ذات سے ہے اس لئے کہ یہ زشتی اور یہ خرابی جو موت میں پیدا ہوئی ہے یہ تمہارے ہی حالات ہیں تو گویا کہ اپنے ہی سے ڈر رہے ہو۔

زشت روئے تست نے رخسار مرگ	جان تو ہمچون درخت و مرگ برگ
تیرا چہرہ بھدا ہے نہ کہ موت کا رخسار	تیری جان درخت کی مانند ہے اور موت پتا ہے

یعنی زشت تو تیرا منہ ہے نہ کہ رخسار موت کا اور تیری جان مثل درخت کے ہے اور موت پتے ہیں۔ تو جیسا درخت ہوگا ویسے ہی پتے ہوں گے۔ علی ہذا جیسی تمہاری حالت ہوگی ویسی ہی تمہاری موت ہوگی۔

از تو رستست ار نکویست ار بدست	ناخوش و خوش بر ضمیرت از خوداست
وہ تجھ سے اگی ہے خواہ اچھی ہے خواہ بری ہے	تیرے دل پر بری اور اچھی تیری وجہ سے ہے

یعنی اگر نیکی ہے اور اگر بدی ہے (سب) تجھ سے ہی پیدا ہوئی ہیں اور اچھا اور برا تیرے دل پر تیری ہی طرف سے ہے۔

گر بخارے خستہ خود کشتۂ	در حریر و قز دری خود رشتۂ
اگر تو کانٹے سے زخمی ہوا ہے تو نے خود بویا ہے	اور اگر تو ریشمین اور پشمینہ کے کپڑے میں ہے تو نے خود کاتا ہے

یعنی اگر کسی کانٹے سے تو زخمی ہوا ہے تو نے خود بویا ہے اور اگر حریر وقز میں ہے تو تو نے خود ہی کاتا ہے مطلب یہ کہ جو حالت ہے وہ تمہاری حالت کا عکس اور اثر ہے اب یہاں کسی کو شبہ ہوا کہ اگر ہم کو دوزخ میں جلایا جاوے گا (نعوذ باللہ منہ) تو ہم نے دنیا میں کسی کو آگ میں نہ جلایا تھا پھر یہ اس کے ہمرنگ کہاں ہوا۔ اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

لیک نبود فعل ہمرنگ جزا	ہیچ خدمت نیست ہمرنگ عطا
لیکن عمل جزا کا ہمرنگ نہیں ہوتا ہے	کوئی خدمت گزاری بخشش کے ہمرنگ نہیں ہے

یعنی لیکن کوئی فعل ہمرنگ جزا کے نہیں ہوتا اور کوئی خدمت ہمرنگ عطا کے نہیں ہے مطلب یہ کہ اعمال پر جو جزا ملتی ہے وہ ان کے ہمرنگ نہیں ہوتی کہ جیسا عمل ہو بعینہ ویسی ہی جزا بھی ہو بلکہ اس کا اثر ہوتا ہے بعینہ ویسی ہی نہیں ہوتی آگے اس کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

مزد مزدوران نمی ماند بکار	کان عرض دین جوہرست و پائدار
مزدوروں کی مزدوری کام کے مشابہ نہیں ہے	کیونکہ وہ عرض ہے اور یہ پائیدار جوہر ہے

یعنی مزدوروں کی مزدوری کام کے مشابہ نہیں کیونکہ وہ (کام) تو عرض ہے اور یہ (مزدوری) جوہر اور پائدار ہے (پھر دونوں یکساں کہاں ہوئے دونوں الگ الگ ہیں)

آن ہمہ سختی و زورست و عرق	دیں ہمہ سیم ست و زرست و طبق
وہ سب سختی اور طاقت اور پسینہ ہے	یہ سب چاندی ہے اور سونا ہے اور طباق ہے

یعنی وہ (کام) تو بالکل سختی اور زور ہے اور پسینہ ہے اور یہ (مزدوری) بالکل چاندی ہے اور سونا ہے اور طبق ہے (تو دیکھو عمل کے ہمرنگ جزا نہیں ہے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر ترا آید ز جائے تہمتے	کرد مظلومیت دعا در محنتے
اگر تجھ پر کسی جگہ تہمت لگے	مظلوم نے مصیبت میں تیرے لئے بددعا کی ہے

یعنی اگر تجھے کسی جگہ سے کوئی تہمت لگے تو تیرے مظلوم نے مصیبت میں دعا کی ہے۔

تو ہمی گوئی کہ من آزادہ ام	بر کسے من تہمتے ننہادہ ام
تو کہتا ہے کہ میں بے قصور ہوں	میں نے کسی پر تہمت نہیں رکھی ہے

یعنی تو کہتا ہے کہ میں تو آزاد ہوں میں نے کسی پر تہمت نہیں لگائی ہے۔

تو گناہے کردۂ شکل دگر	دانہ کشتی دانہ کے ماند بہ بر
تونے دوسری صورت کا گناہ کیا ہے	تونے دانہ بویا ہے دانہ پھل کے مشابہ کب ہوتا ہے؟

یعنی تونے ایک گناہ دوسری شکل کا کیا ہے تونے دانہ بویا دانہ پھل کے کب مشابہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ مثلاً تم کو کسی نے تہمت لگائی تو تم اس فکر میں پڑے کہ میں نے تو کسی کو تہمت لگائی نہیں ہے۔ جس کے بدلہ میں مجھے تہمت لگی مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ضرور نہیں ہے کہ تم کسی کو تہمت ہی لگایا کرو بلکہ تم نے کوئی اور گناہ کیا ہے اس کا یہ بدلہ ہے۔

اوز نا کردو جزا صد چوب بود	گوید او من کے زدم کس را بعود
اس نے زنا کیا اور سزا سو درے ہوئے	وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی کے درے کب مارے ہیں؟

یعنی اس نے زنا کیا اور جزا سو لکڑیاں تھیں تو وہ کہتا ہے کہ میں نے کسی کو کب لکڑی سے مارا ہے۔

نے جزائے آن زنا بود این بلا	چوب کے ماند زنا را در جزا
کیا اس زنا کی سزا یہ بلا نہیں ہے؟	درے، زنا سے سزا میں کہاں مشابہ ہیں؟

یعنی کیا اس زنا کی جزا یہ بلا نہ تھی تو لکڑی جزا ہونے میں زنا کے کب مشابہ ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جزا افعال کے مشابہ اور مماثل نہیں ہوتی مگر ان دونوں میں تناسب ہوتا ہے کہ اس تناسب کی بدولت وہ جزا جزا ہوئی آگے اس کی نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

مار کے مانند عصا را اے کلیم	درد کے مانند دوا را اے حکیم
اے کلیم! سانپ لاٹھی سے مشابہ کہاں ہے؟	اے حکیم! درد دوا کے مشابہ کہاں ہے؟

یعنی سانپ لکڑی کے کب مشابہ ہے اے کلیم اور درد دوا کے کب مشابہ ہے اے حکیم۔ یعنی دیکھو عصا اور مار میں کوئی تماثل نہیں مگر مناسبت ہے دوا اور مرض میں کوئی تشابہ نہیں مگر مماثلت ہے۔

تو بجائے آن عصا آب منی	چون بیگفندی شد آن شخص سنی
تونے اس عصا کی بجائے منی کا نطفہ	جب ڈالا تو وہ خوبصورت انسان بنا

یعنی تونے بجائے اس عصا کے آب منی کو جب ڈال دیا تو وہ ایک شخص مضبوط ہوگیا۔

یار شد یا مار شد آن آب تو	زاں عصا چونست این اعجاب تو
تیرا وہ نطفہ یار بنا' یا سانپ بنا	(پھر) تیرا یہ تعجب لاٹھی پر کیوں ہے؟

یعنی وہ تیرا آب منی یار ہوگیا یا مار ہوگیا تو اس عصا سے یہ تیرا اعجاب کیا ہے۔ مطلب یہ کہ اس آب منی کا یہ اثر اور بدلا ہے مگر اس میں اور اس میں کیا مشابہت ہے۔ خود فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ ماند آب آن فرزند را	ہیچ ماند نے شکر مرقند را
نطفہ اس بیٹے سے کوئی مشابہت رکھتا ہے؟	گنا شکر سے کوئی مشابہت رکھتا ہے؟

یعنی کیا لڑکا اس پانی کے کچھ مشابہ ہے اور کیا نیشکر قند کے مشابہ ہے (تو دیکھ لو جزائیں اپنے اصل اعمال کے مشابہ نہیں ہیں) آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

چون سجودے یار کوعے مرد کشت	شد دران عالم سجود او بہشت
جب کسی نے سجدہ یا رکوع بویا	اس جہان میں اس کا سجدہ بہشت بن گیا

یعنی جب کوئی سجدہ یا رکوع کسی نے بویا تو اس عالم میں اس کا سجود بہشت ہوگیا۔

چونکہ پرید از دہانش حمد حق	مرغ جنت ساختش رب الفلق
جب اس کے منہ سے اللہ کی تعریف نکلی	رب الفلق نے اس کو جنت کا پرند بنا دیا

یعنی جبکہ اس کے منہ سے حمد حق نکلی تو اس کو رب الفلق نے مرغ جنت بنا دیا

حمد و تسبیحت نماند مرغ را	گرچہ نطفہ مرغ بادست وہوا
تیری حمد اور تسبیح ' پرند کے مشابہ نہیں ہے	اگرچہ پرند کا نطفہ باد اور ہوا ہے

یعنی اس کی حمد و تسبیح مرغ کے مشابہ نہیں ہیں اگرچہ نطفہ مرغ کا باد ہے اور ہوا (بعض جانوروں کو سنا ہے کہ

کسی سے جفتی کرتے نہیں دیکھا بلکہ وہ صرف منہ سے منہ ملاتے ہیں اسی سے نطفہ قرار پاتا ہے تو اسی طرح فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کا نطفہ بادِ ہوا ہے مگر پھر بھی حمد و تسبیح اس مرغ جنت کے مشابہ نہیں ہے۔

چون ز دستت رست ایثار و زکات	کشت این دست آن طرف نخل و نبات
جب ایثار اور زکات تیرے ہاتھ سے اگی	اس ہاتھ نے اس طرف کھجور اور پودا بو دیا

یعنی جبکہ تمہارے ہاتھ سے ایثار و زکوٰۃ اگا تو اس ہاتھ نے اس طرف نخل و نباتات بو دیئے۔

آب صبرت آب جوئے خلد شد	جوئے شیر خلد مہر تست و ود
تیرے صبر کا پانی، جنت کی نہر کا پانی ہے	جنت کی دودھ کی نہر تیری محبت اور دوستی ہے

یعنی تمہارا آب صبر جنت کی ندی کا پانی ہو گیا اور خلد کی جوئی شیر تمہاری محبت اور الفت ہے (تو دیکھو تماثل تو نہیں مگر مناسبت سب میں ہے)

ذوق طاعت گشت جوئی انگبین	مستی و شوق تو جوئے خمر بین
عبادت کا ذوق، شہد کی نہر بنا	اپنی مستی اور شوق کو، شراب کی نہر سمجھ

یعنی ذوق طاعت تو جوئے انگبین ہو گئی اور تم اپنی مستی اور شوق جوئے خمر دیکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو چونکہ انگبین میں اور ذوق طاعت میں ایک مناسبت تھی اور مستی اور جوش میں اور شراب میں مناسبت تھی تو جنت ہر شے کی جزا اور اس کے مناسب ہوئی کہ جوئے خمر تو مستی اور جوش کے بدلے میں ملی اور جوئے انگبین ذوق طاعت کے جزا میں ملی اور صبر کے بدلے میں جوئے آب اور محبت اور الفت حق کے بدلے میں جوئے شیر ملی غرضکہ ہر شے کے اجزاء میں اس کے ساتھ ایک مناسبت ضرور ہے لیکن تماثل نہیں ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

این سببہا آن اثرہا را نماند	کس نداند چونش جائے آن نشاند
یہ اسباب ان نتیجوں کے مشابہ نہیں ہیں	کوئی نہیں جانتا کہ ان کو انکی جگہ کیوں بٹھایا ہے؟

یعنی یہ اسباب ان اثرات کے مشابہ نہیں ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ اس (اثر) کو اس (سبب) کی جگہ کس طرح بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ ان اسباب و اثرات میں چونکہ تماثل اور تشابہ نہیں تھا اس لئے کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ اس سبب کا یہ اثر کس طرح ہو گیا۔ لیکن جب دیکھا جاتا ہے تو مناسبت ضرور نکلتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سببہا چون بفرمان تو بود	چار جوہم مر ترا فرمان نمود
یہ اسباب چونکہ تیرے حکم میں تھے	چاروں نہروں نے بھی تیری تابعداری کی

یعنی یہ اسباب جب تیرے اختیار میں تھے تو چاروں ندیوں نے بھی تیری فرمانبرداری کی۔ مطلب یہ کہ اسباب دنیاوی مثل صبر و مہر وغیرہ کے جب تمہارے اختیار میں تھے اور تم ان کو اپنے اختیار سے بجالاتے تھے تو جو ندیاں کہ ان

اسباب کے اثرات تھیں وہ بھی جنت میں تمہارے اختیار اور تمہارے کہنے میں ہوئیں کہ جہاں چاہوان کو لے جاؤ۔

ہر طرف خواہی روانش می کنی	آن صفت چون بد چنانش میکنی
جس طرف تو چاہے ان کو جاری کرتا ہے	وہ صفت جس طرح تھی ویسا ہی تو ان سے کرتا ہے

یعنی تم جس طرف چاہوان کو روانہ کر لیتے ہو جس طرح کہ وہ صفت تھی اسی طرح اس کو کر لیتے ہو۔ مطلب یہ کہ جس طرح وہ سبب اور صفت تمہارے کہنے میں تھی اور تم کو ان پر اختیار تھا پس اسی طرح وہ اثرات بھی تمہارے اختیار میں ہوں گے کہ جہاں چاہوان کو لے جاسکو گے آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

چون منی تو کہ در فرمان تست	نسل آن در امر تو آیند چست
جبکہ تیری منی تیرے حکم میں ہے	اس کی نسل تیرے حکم میں چست ہے

یعنی جیسے کہ تیری منی کہ تیرے حکم میں ہے تو اس کی نسل تیرے کہنے میں چست و چالاک ہوتی ہے۔

می دود بر امر تو فرزند تو	کہ منم جزوت کہ کردیش گرو
تیرا لڑکا تیرے حکم پر دوڑتا ہے	کہ میں تیرا جزو ہوں جو تو نے گروی رکھا تھا

یعنی تیرے حکم پر تیرا لڑکا دوڑتا ہے اور (بزبان حال کہتا ہے) کہ میں تیرا جزو ہوں جس کو کہ تو نے گروی کیا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو تمہاری منی تمہارے کہنے میں ہوتی ہے کہ اس کو جس وقت چاہو جہاں چاہو ڈال دو تو اس منی سے آگے جو اولاد تمہاری پیدا ہوتی ہے وہ بھی تمہارے کہنے میں ہوتی ہے کہ تم نے پکارا بیٹا وہ دوڑا ہوا آتا ہے کہ جی ابا تو اس کا اس طرح تمہارے تابع ہونا اسی لئے ہے کہ جس شے کا کہ وہ اثر اور نتیجہ ہے وہ شے تمہاری حکم اور کہنے میں تھی تو بس چونکہ یہ افعال سب تمہارے اختیار میں تھے اس لئے ان کی جزائیں بھی تمہارے اختیار میں ہوئیں۔

آن صفت در امر تو بود این جہاں	ہم در امر تست آن جوہا رواں
اس دنیا میں یہ سبب تیرے حکم میں تھا	وہ جاری نہریں بھی تیرے حکم میں ہیں

یعنی وہ صفت اس جہان میں تمہارے کہنے میں تھی تو وہ ندیاں بھی تمہارے حکم کے موافق روانہ ہوئیں۔

آن درختان مرترا فرمان برند	کان درختاں از صفاتت با برند
وہ درخت تیرا حکم بجا لائیں گے	کیونکہ وہ درخت تیری صفتوں کی وجہ سے پھلدار ہیں

یعنی وہ درخت (جنت بھی) تیری فرمانبرداری کرتے ہیں کیونکہ وہ درخت تیرے اعمال کی وجہ سے باثمر ہیں۔

چوں بامر تست اینجا ایں صفات	پس در امر تست آنجا آن جزات
چونکہ اس جگہ یہ صفتیں تیرے حکم میں ہیں	تو تیرے وہ بدلے اس جگہ تیرے حکم میں ہیں

یعنی جب تیرے حکم میں اس جگہ یہ صفات ہیں تو اس جگہ وہ تیری جزائیں (بھی) تیرے حکم میں ہیں۔

مطلب یہ کہ یہ اعمال حسنہ جب تیرے اختیار میں تھے اور تو ان کو باختیار خود بجالاتا تھا تو جنت کی وہ جزائیں اور ان کے بدلے بھی تیرے کہنے میں اور تیرے حکم کے موافق ہوئے۔

چوں ز دستت زخم بر مظلوم رست	آن درختے گشت آزان زقوم رست
جب تیرے ہاتھ سے مظلوم پر زخم لگا	وہ درخت بنا اس سے تھور اگا

یعنی جب تیرے ہاتھ سے زخم مظلوم پر ہوا تو وہ ایک درخت ہو گیا اور اس سے زقوم اگا۔

چون ز خشم آتش تو در دلہا زدی	مایۂ نار جہنم آمدی
چونکہ تو نے دلوں میں غصہ سے آگ لگائی	تو جہنم کی آگ کا سرمایہ بنا

یعنی جبکہ تو نے غصہ سے آگ دلوں میں لگائی تو تو نار جہنم کا پونجی ہوا۔

آتشت اینجا چو آدم سوز بود	انچہ از وے زاد مرد افروز بود
اس جگہ تیری آگ چونکہ انسان کو جلانے والی تھی	جو کچھ اس سے پیدا ہوا وہ انسان کو جلانے والا تھا

یعنی تیری آگ جو اس جگہ آدمی کی جلانے والی تھی تو جو کچھ اس سے پیدا ہوا وہ انسان کا جلانے والا ہوا۔

آتش تو قصد مردم می کند	نار کز وے زاد بر مردم زند
تیری آگ انسانوں کا قصد کرتی ہے	جو آگ اس سے پیدا ہوئی انسانوں پر بھڑکتی ہے

یعنی تیری آگ آدمی کا قصد کرتی ہے اور جو آگ اس سے پیدا ہوئی وہ آدمی پر لگتی ہے۔

آن سخنہائے چو مار و کژدمت	مار و کژدم گشت می گیرد دمت
وہ تیری باتیں سانپ اور بچھو جیسی	سانپ اور بچھو بنیں اور تیرا دم گھونٹتی ہیں

یعنی وہ تیری سانپ بچھو جیسی باتیں سانپ بچھو ہو گئیں اور تیرا دم پکڑنے لگیں مطلب یہ کہ نیک کاموں کی جزا تو ویسی ہی ملی کہ جو سب تمہارے کہنے میں ہوئی اور سب اشیاء عمدہ اور آرام دہ تھیں اور جو اعمال تم نے برے کئے ان کی جزا بھی ویسی ہی ملی جیسے کہ تم نے کسی پر ظلم کیا تو اس سے آخرت میں ایک درخت پیدا ہوا جس کا پھل زقوم جیسی بری چیز تھا۔ علے ہذا تم کو غصہ آیا تو وہ چونکہ ایک آگ تھی لہذا اس سے آتش دوزخ میں تمہارے لئے اشتعال پیدا ہو گیا۔ کہ وہ آتش غضب اوروں کو جلاتی تھی تو اب اس کی جو جزا ہے یعنی آتش دوزخ وہ تم کو جلانے لگی۔ علی ہذا تم جو لوگوں کو سخت وسست باتیں کہا کرتے تھے جو کہ تکلیف رسانی میں سانپ بچھو کی طرح تھیں تو ان کی جزا بھی سانپ بچھو کی طرح ہوئیں جو کہ تم کو ڈسنے لگیں اور تم کو انہوں نے خوب درست کر دیا آگے بھی اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

اولیاء را داشتے در انتظار	انتظار رستخیزت گشت بار
تو نے دوستوں کو انتظار میں رکھا	قیامت کا انتظار تیرے لئے بار ہے

یعنی تو دوستوں کو انتظار میں رکھا کرتا تھا تو وہ قیامت کا انتظار تیرے لئے بار ہوگا۔

وعدۂ فردا و پس فردائے تو	انتظار حشرت آمد وائے تو
تیرا کل اور پرسوں کا وعدہ	تیرا حشر کا انتظار بنا تجھ پر افسوس ہے

یعنی تیرا کل کا اور پرسوں کا وعدہ تیرے لئے انتظار حشر ہوگیا افسوس ہے تجھ پر۔

منتظر مانی دران روز دراز	در حساب و آفتاب جان گداز
اس لمبے دن میں تو منتظر رہے گا	حساب اور جان کو پگھلانے والے سورج میں

یعنی تو اس روز دراز میں حساب اور آفتاب جانگداز میں منتظر رہے گا (کیونکہ)

کاسمان را منتظر می داشتی	تخم فردا رہ روم می کاشتی
اس لئے تونے آسمان کو منتظر رکھا	تو نے "کل کو راہ روی اختیار کرونگا" کا بیج بویا

یعنی کہ (اہل) آسمان کو تو منتظر رکھا کرتا تھا اور فردا رہ روم کا بیج بویا کرتا تھا (آسمان سے مراد اہل آسمان ہیں ظرف بول کر مظروف مراد لیا ہے) مطلب یہ کہ اہل حقوق سے ان کے حقوق ادا کرنے میں وعدے کل اور پرسوں کے کیا کرتا تھا اور ان کو ٹلایا کرتا تھا اور منتظر رکھا کرتا تھا بس اسی طرح تم قیامت کے روز آفتاب تیز اور حساب کے وقت میں منتظر کھڑے رہو گے اور اس وقت اس انتظار میں رکھنے کا بدلا تم کو ملے گا۔

خشم تو تخم سعیر و دوزخ است	ہیں بکش این دوزخت را کاین فخ ست
تیرا غصہ آگ اور دوزخ کا بیج ہے	آگاہ! اپنی اس دوزخ کو بجھا دے کیونکہ یہ جال ہے

یعنی تیرا غصہ دوزخ کا بیج ہے ارے تو اس دوزخ کو مار کیونکہ یہ پھونک ہے مطلب یہ کہ تیرا غصہ جزا کے اعتبار سے آتش دوزخ ہے تو تو اس آتش غضب کو بجھا کیونکہ یہ آتش غضب اس دوزخ کے لئے پھونک ہے کہ جیسے کوئی آگ کو دھونکا کرتا ہے تو اسی طرح تمہارا یہ غصہ آتش دوزخ کو بڑھا اور زیادہ کر رہا ہے اب آگے اس آتش غضب کی بجھانے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ۔

کشتن این نار نبود جز بنور	نورک اطفا نارنا نحن الشکور
اس آگ کو بجز نور کے نہیں بجھایا جا سکتا	تیرے نور نے ہماری آگ بجھا دی ہم شکر گزار ہیں

یعنی اس آگ کو بجھانا بجز نور کے نہیں ہوسکتا۔ (کہ دوزخ بھی کہتی ہے کہ اے مومن) تیرے نور نے میری آگ کو بجھا دیا۔ (تو گزر جا) ہم مشکور ہیں۔ مطلب یہ کہ اس نار کے بجھانے کے لئے نور باطن کی ضرورت ہے جب تم کو نور باطن حاصل ہو جاوے گا اس وقت یہ نار جاتی رہے گی اور دلیل اس کی کہ نور سے یہ نار بجھ جاوے گی یہ ہے کہ دیکھو حدیث میں ہے کہ جب مومن دوزخ سے اوپر ہو کر پل صراط پر سے گزرے گا تو دوزخ پکارے گی کہ

جزیا مؤمن فان نورک اطفاناری کہ اے مومن جلدی گزر جا کہ تیرے نور نے میری نار کو بجھادیا۔ تو اب دیکھئے کہ نور باطن مومن کی وجہ سے نار دوزخ بجھنے لگی تو اسی طرح اگر تم نور باطن حاصل کرلو گے تو تمہاری نار غضب بھی بجھ جاوے گی۔ آگے فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے ہم کو وہ نور باطن حاصل ہے ہم اس کے از حد شکر گزار ہیں اور اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

گر تو بے نور آوری حلمے بدست	آتشت زندہ است و در خاکستر است
اگر تو بغیر نور کے بردباری اختیار کرے گا	تیری آگ زندہ ہے اور راکھ میں (دبی) ہے

یعنی اگر تو بے نور کے حلم حاصل کرلے گا تو تیری آگ زندہ ہے اور راکھ میں ہے۔

آن تکلف باشد و روپوش ہیں	نار را نہ کشد بغیر نور دین
خبردار! وہ تکلف اور ڈھکن ہو گا	آگ کو دین کے نور کے سوا کوئی نہیں بجھا سکتا

یعنی ہاں وہ تو تکلف اور روپوش ہوگا اور نار کو تو سوائے نور دین کے کوئی بجھاتا نہیں۔ مطلب یہ کہ اگر نور دین تم کو حاصل نہیں ہے اور تم نے بہ تکلف حلم اپنے اندر پیدا کر بھی لیا تب بھی سمجھ لو کہ وہ قابل اعتبار نہیں ہے کیونکہ تکلف کب تک رہے گا۔ آخر ایک دفعہ وہ تکلف ٹوٹے گا اور پھر وہ نار غضب ظاہر ہو جاوے گی یہ تو ایسا ہے کہ جیسے راکھ میں آگ دبادو کہ بظاہر تو آگ معلوم نہیں ہوتی لیکن ذرا ہوا سے بھی اگر راکھ ہٹ گئی تو فوراً آگ ظاہر ہو جاوے گی بس وہ حلم تکلفی اگر ذرا بھی کوئی ٹھیس لگی تو ٹوٹ جاوے گا اور پھر وہ نار ظاہر ہو جاوے گی لہٰذا معلوم ہوگیا کہ بجز نور دین کے اور کوئی شے اس آگ کی فرد کرنے والی نہیں ہے اسی لئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

تا نہ بینی نور دین ایمن مباش	کاتش پنہان بود یک روز فاش
جب تک تو دین کا نور نہ دیکھ لے مطمئن نہ ہو	کیونکہ دبی ہوئی آگ ایک دن کھل جائے گی

یعنی جب تک تم نور دین نہ دیکھ لو بے خوف مت ہو کیونکہ (وہ) پوشیدہ آگ ایک دن ظاہر ہو گی۔ مطلب یہ کہ جب تک نور ۔ینا حاصل نہ ہوا اس وقت تک اس نار غضب سے بے خوف مت ہو کیونکہ جو حلم کہ بہ تکلف حاصل کیا گیا ہے یہ ایک دن زائل ہوگا اور آتش غضب پھر ظاہر ہوگی لہٰذا نور دین ہی حاصل کرو۔

نور آبے دان و ہم بر آب چفس	چونکہ داری آب از آتش مترس
نور کو پانی سمجھ اور پانی سے وابستہ ہو جا	جب تو پانی رکھتا ہے آگ سے نہ ڈر

یعنی نور تو ایک پانی جانو اور پانی ہی پر چپک جاؤ۔ اور جبکہ تم پانی رکھتے ہو تو آگ سے مت ڈرو مطلب یہ کہ نور ایمانی کو پانی سمجھو جیسے کہ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اسی طرح یہ نور ایمانی آتش غضب کو بجھا دیتا ہے تو اگر تمہارے پاس نور ایمانی ہے تو پھر تم کسی آگ سے بھی مت ڈرو کیونکہ۔

آب آتش را کشد کاتش بخو	می بسوزد نسل فرزندان او
پانی آگ کو بجھا دیتا ہے کیونکہ آگ عادتاً	اس کی نسل اور اولاد کو جلا دیتی ہے

یعنی پانی تو آگ کو بجھاتا ہے اور آگ (اپنی) خصلت میں اس پانی کے لڑکوں کی نسل کو جلا دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ آگ اور پانی میں تو ضد ہے پانی تو آگ کو بجھاتا ہے اور آگ اس پانی کی لڑکوں کی نسل کو جو کہ درخت ہیں جلا دیتی ہے بس اسی طرح وہ نور ایمانی اس آتش غضب کو بجھا دیتا ہے۔ اور جہاں غضب ہوتا ہے وہ اس نور ایمانی کے اثرات کو جن سے کہ وہ نور پیدا ہوتا ہے جلا دیتا ہے لہذا تم نور ایمانی کامل حاصل کرو کہ جس سے وہ غضب کی آگ بالکلیہ فنا ہو جاوے آگے اس نور کے حصول اور اس آگ کے بجھنے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ۔

سوئے آن مرغابیان رو روز چند	تا ترا در آب حیوانی کشند
کچھ دن ان مرغابیوں کی طرف جا	تاکہ وہ تجھے آب حیات میں لے جائیں

یعنی ان مرغابیوں کی طرف چند دن کے لئے جا تاکہ تجھے آب حیوانی میں کھینچیں (مرغابیوں سے مراد اولیاء اللہ ہیں کیونکہ اس سے قبل نور ایمانی کو پانی سے تشبیہ دی تھی تو اولیاء اللہ کو جن کو کہ وہ نور ایمانی حاصل ہے مرغابیوں سے تشبیہ دیتے ہیں) مطلب یہ کہ چند روز اولیاء اللہ کی خدمت میں جا کر رہو تاکہ وہ تم کو آب حیات پلا دیں اور اس آگ کو بجھا دیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

مرغ خاکی مرغ آبی ہم تن اند	لیک ضد انند و آب و روغن اند
خاکی اور آبی پرند یکساں جسم کے ہیں	لیکن ایک دوسرے کی ضد ہیں اور پانی اور تیل ہیں

یعنی مرغ خاکی اور مرغ آبی ایک طرح کے ہیں لیکن (آپس میں) ضد ہیں اور آب و روغن (کی طرح) ہیں مطلب یہ کہ اولیاء اللہ اور غیر اولیاء اللہ صورت اور ظاہر میں سب ایک طرح کے ہیں لیکن دھوکہ نہ کھانا کہ غیر اولیاء اللہ کے پھندے میں جا پڑو کیونکہ ظاہر میں تو دونوں ایک ہیں لیکن حقیقت میں اور اصل میں دونوں ضدین ہیں ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔

ہر یکے بر اصل خود رانندہ اند	احتیاطے کن بہم مانندہ اند
ہر ایک اپنی اصلیت پر چلانے والا ہے	احتیاط کر (دونوں) باہمی مشابہ ہیں

یعنی ہر ایک اپنے قاعدہ پر چلتے ہیں تو تو احتیاط کر کہ سب آپس میں مشابہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ اور غیر اولیاء اللہ جو گمراہ ہیں سب ظاہر صورت یکساں ہیں اور ہر ایک کا طریق اور مشرب علیحدہ ہے لہذا ذرا احتیاط ہی رکھنا کہیں اولیاء اللہ کے دھوکہ میں غیر اولیاء اللہ اور گمراہوں کے پھندے میں نہ پھنس جانا آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

ہمچناں کہ وسوسہ و وحی ہست	ہر دو معقول اند لیکن فرق ہست
جیسا کہ وسوسۂ اور الست کا الہام	دونوں عقل ہیں لیکن (دونوں میں) فرق ہے

یعنی جس طرح کہ وسوسہ اور وحی کہ دونوں عقلی ہیں لیکن (باہم) فرق ہے (وحی سے مراد الہام) مطلب یہ کہ دیکھو الہام اور وسوسہ دونوں امور باطنیہ اور احوال قلب میں سے ہیں لیکن پھر ایک دوسرے میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ ایک قابل عمل ہے اور دوسرا بالکل غیر قابل عمل ہے تو اسی طرح اولیاء اللہ اور غیر اولیاء اللہ میں بھی فرق ہے لیکن بظاہر دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ بظاہر وحی اور وسوسہ بھی یکساں ہی معلوم ہوتے ہیں۔

رختہا را می ستایند اے امیر	ہر دو دلالان بازار ضمیر
اے امیر! دونوں سامان کی تعریف کر رہے ہیں	دونوں دل کے بازار کے دلال ہیں

یعنی دونوں بازار قلب کے دلال ہیں اور اے امیر اسبابوں کو لے لیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دونوں دل کے بازار کے دلال اور دونوں اسباب کو چھین لیتے ہیں لیکن فرق اس قدر ہے کہ ایک تو عمدہ اسباب کو چھین لیتے ہیں اور دوسرے خراب کو چھین لیتے ہیں لہذا احتیاط ضروری ہے۔

فرق کن سر دو فکرت چون نخاس	گر تو صراف دلی فکرت شناس
بردہ فروش کی طرح اپنے دونوں فکروں کے بھید میں فرق کر	اگر تو دل کا صراف ہے، اپنے فکر کی پہچان

یعنی اگر تو صراف دل ہے تو اپنے فکر کو پہچان اور بردہ فروش کی طرح اپنے دو فکر میں فرق کر لے مطلب یہ کہ اگر تم خود کھوٹے کھرے کو پہچان سکتے ہو تو خود پہچان لو کہ آیا کونسا فکر تمہارا از قبیل الہام اور قابل عمل ہے اور کونسا از قبیل وسوسہ اور غیر قابل عمل ہے۔

لاخلابہ گوئی و مشتاب و مران	ورنہ دانی ایں دو فکرت از گمان
"دھوکا نہ ہو" کہہ دے اور جلدی نہ کر اور آگے نہ بڑھا	اگر تو گمان سے ان دونوں فکروں کو نہ سمجھ سکے

یعنی اگر تم ان دونوں فکروں کو تردد کی وجہ سے نہ جانو تو لاخلابہ کہہ دو اور دوڑ دھوپ مت اور چلاؤ مت۔

غبن ناید بر تو و بر خوان تو	تا نماند در تفکر جان تو
تجھ پر اور تیرے گھر پر ٹوٹا نہ آئے	تاکہ تیری جان فکر میں نہ پڑے

یعنی تاکہ تیری جان تفکر میں نہ رہے اور تجھ پر اور تیرے اسباب پر غبن نہ آوے مطلب یہ کہ اگر تم خود نقاد نہیں ہو اور تم وسوسہ اور الہام میں فرق نہیں کر سکتے ہو تو اس وقت خود راستہ سلوک کا طے نہ کرو بلکہ لاخلابہ (یعنی دھوکہ نہیں ہے) کہہ دو تاکہ پھر غبن وغیرہ میں تم مبتلا نہ ہو اور نفس و شیطان تم کو دھوکہ اور غبن نہ دے سکیں۔ اوپر جو کہا ہے کہ لاخلابہ کہہ دو آگے اس لاخلابہ کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح شبّیری

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا فرماتے ہیں (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت حمزہؓ کے مقولہ کا تتمہ ہو) کہ اے وہ

لوگو جو موت کو موت سمجھتے ہو تم بچو ایسا نہ ہو مر جاؤ۔ اور اے وہ لوگو جو اس کو حیات ابدی سمجھتے ہو جلدی کرو۔ اور اس کی طرف دوڑو بڑی دولت ہے اور اے موت کو عنایت حق سمجھنے والو تمہیں اطلاع کی جاتی ہے تم خوش ہو کہ ایک دن تم کو یہ لطف ضرور میسر ہوگا اور اے وہ لوگو جو اس کو قہر سمجھتے ہو تمہارے لئے مصیبت ہے تم ملول اور رنجیدہ ہو۔ اب مولانا عنوان بدلتے ہیں اور خطاب کو چھوڑ کر فرماتے ہیں کہ جو لوگ موت کو یوسف سمجھتے ہیں وہ تو اس پر جان فدا کرتے ہیں اور مرنے کے لئے مرتے ہیں اور جو اس کو بھیڑیا سمجھتے ہیں وہ راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں اور منشاء اختلاف یہ ہے کہ ہر شخص کی موت اس کے مناسب ہے کیونکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے شفاف آئینہ تو جو آئینہ شفاف ہوگا وہ چہرہ کی رنگت اختیار کرلے گا۔ پس اگر وہ ترک ہے تو آئینہ بھی خوش رنگ ہوگا اور اگر زنگی ہے تو آئینہ بھی زنگی ہی ہوگا۔ پس اسی طرح موت بھی ہے کہ جو لوگ خود اچھے ہیں ان کی موت بھی اچھی ہے اور جو برے ہیں ان کی موت بھی بری ہے پس جو لوگ موت سے ڈر کر بھاگتے ہیں ان سے کوئی کہے کہ ارے احمق تو جو موت سے ڈر کر بھاگتا ہے۔ یہ تیری حماقت ہے تو درحقیقت موت سے نہیں بھاگتا بلکہ خوب سمجھ لے کہ تو اپنے سے بھاگ رہا ہے کیونکہ تو جو موت سے بھاگتا ہے تو اس کو برا سمجھ کر مگر موت بدرو نہیں ہے بلکہ تو خود بدرو ہے تیری جان بمنزلہ درخت کے ہے اور موت بمنزلہ پتوں کے اور قاعدہ ہے کہ جیسا درخت ہوگا ویسے ہی پتے ہونگے۔ علیٰ ہذا جیسی تیری جان ہوگی ویسی ہی تیری موت ہوگی اور چونکہ وہ تجھی سے پیدا ہوئی ہے خواہ اچھی ہو یا بری اس لئے اگر تو اچھا ہے تو موت بھی اچھی ہے اور اگر تو برا ہے تو موت بھی بری ہے یوں ہی جو خوشی یا ناخوشی تیرے دل پر طاری ہوتی ہے وہ بھی تجھی سے پیدا ہوتی ہے چنانچہ اگر تم کو کانٹا لگا ہے تو وہ بھی تمہارا بویا ہوا ہے اور اگر تم حریر اور ریشم ہو تو وہ بھی تمہارا کاتا ہوا ہے لیکن کوئی فعل جزا کے مشابہ نہیں ہوتا اور کوئی خدمت عطا کی مماثل نہیں ہوتی۔ مزدوروں کی مزدوری کے کام کے مشابہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ محنت عرض ہے اور مزدوری جوہر وہ غیر باقی ہے اور یہ باقی وہ تکلیف اور قوت اور مشقت ہے یہ طباق بھر چاندی سونا اگر تم پر کہیں سے تہمت لگے تو وہ اس لئے ہے کہ تمہارے مظلوم نے کسی تکلیف میں بددعا کی ہے تم کہتے ہو کہ میں تو بالکل آزاد ہوں اور میں نے کسی پر تہمت نہیں لگائی ہے۔ یہ سچ ہے مگر تم نے گناہ دوسری صورت میں کیا ہے اور ایک دانہ بویا ہے یہ اس کا پھل ہے اور قاعدہ ہے کہ دانہ پھل کے مشابہ نہیں ہوتا۔ پس لازم ہے کہ یہ بھی تمہارے فعل کے مشابہ نہ ہو۔ دیکھو آدمی زنا کرتا ہے تو سو درہ اس کو سزا ملتی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے تو کسی کو لکڑی سے نہیں مارا تھا مجھے کس بات کا بدلا ملا۔ لیکن کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ خیال صحیح ہے اور کیا یہ زنا کا بدلا نہیں ہے ضرور ہے حالانکہ دروں کو زنا سے کچھ مشابہت نہیں پس معلوم ہوا کہ ترتب جزا علی الفعل کے لئے مماثلت ضرور نہیں بلکہ مطلق ترتب شی علی الشی کے لئے بھی مماثلت شرط نہیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی تھی اور صورت خشبیہ پر صورت ثعبانیہ مرتب ہوئی تھی۔ ان دونوں میں کونسی مماثلت ہے علیٰ ہذا درد پر دوا مرتب ہوتی ہے۔ ان دونوں میں کونسی مشابہت ہے اگر تم کو لاٹھی کے سانپ بننے میں کچھ تعجب ہو تو تم بجائے لاٹھی کے منی کو سمجھو۔ دیکھو جب تم منی کو رحم میں ڈالتے ہو تو اس سے آدمی بن جاتا

ہے اس کے بعد یا سانپ کی طرح موذی بن جاتا ہے یا خیر خواہ دوست بن جاتا ہے پس دیکھو منی سے سانپ بن گیا۔ اب لاٹھی سے سانپ بن جانا کونسی تعجب کی بات ہے کہ تم کو تعجب ہو۔ اچھا لکڑی اور سانپ کو جانے دو یہ تو ہے کہ منی سے بچہ بنتا ہے اچھا یہی بتلاؤ کہ منی اور لڑکے میں کونسی مشابہت ہے اور دیکھو گنے سے شکر پیدا ہوتی ہے بھلا دیکھو کہ گنے اور شکر میں کوئی مشابہت ہے جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ فعل اور اس کی جزا میں اور ایک شئے اور اس سے پیدا ہونے والی چیز میں مماثلت اور مشابہت لازم نہیں تو اب سمجھو کہ جب آدمی دنیا میں رکوع و سجود و دیگر طاعات کرتا ہے تو اس سے آخرت میں اس کو بہشت ملتی ہے تو گویا کہ اس کی طاعات بیج تھیں اور بہشت اس کا ثمرہ ہے اور جبکہ اس کے منہ سے حمد حق سبحانہ نکلتی ہے تو اس سے بحکم حق سبحانہ جنت میں جانور پیدا ہوتے ہیں (اس مقام پر یہ تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ جنت بجمیع اجزائہا آدمی کو اس کی طاعات کے صلہ میں ملتی ہے پس مولانا اولاً مطلق طاعات کے صلہ میں جنت کے ملنے کو بتلایا اب اس کی مجموعہ طاعات کے اجزاء اور جنت کے اجزاء میں مناسبت دکھلاتے ہیں مولانا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ افعال و طاعات مادۂ جنت ہیں جیسا کہ سرسری نظر سے مفہوم ہوتا ہے۔ پس چونکہ حمد کا منہ سے نکلنا مناسبت رکھتا تھا۔ پرند کے اڑنے سے اس لئے فرمادیا کہ حمد جانور ہوگئی ورنہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے باقی آئندہ مضامین کو بھی ایسا ہی سمجھو) پس دیکھو کہ اگر چہ پرند کا مادہ ہوا ہوتی ہے اور تسبیح کا مادہ بھی ہوا ہے مگر تاہم پرند اور تسبیح میں کوئی مشابہت نہیں اور جب تمہارے ہاتھ سے کوئی خیرات یا زکوٰۃ نکلتی ہے تو اس سے جنت میں درخت اور سبزہ پیدا ہوتا ہے۔ اور تمہارے صبر کے پانی سے جنت کی نہر کا پانی پیدا ہوتا ہے اور تمہاری محبت سے جوئے شیر پیدا ہوتی ہے اور ذوق طاعات سے جوئے شہد پیدا ہوتی ہے اور تمہاری مستی و شوق سے جوئے شراب بنتی ہے یہ تمام اسباب اپنے آثار کے مماثل نہیں ہیں اور کوئی نہیں جانتا کہ ان افعال کی جزا ان کو کیوں قرار دیا گیا۔ اور کیسے ان آثار کو ان اسباب پر مرتب کیا گیا۔ دلیل انی اس امر کی کی نعمائے جنت تمہارے افعال کے آثار ہیں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ اسباب تمہارے اختیار میں تھے اسی طرح وہ چاروں نہریں وغیرہ بھی تمہارے قبضہ میں ہوں گی اور جس طرف تم ان کو لیجاؤ گے اسی طرف جائیں گے اور جس صفت پر تمہاری صفات تھیں کہ ان میں تم کو ہر طرح تصرف کا اختیار حاصل تھا یہی حالت ان نہروں کی بھی ہوگی کہ تم جیسا چاہو گے ان کے ویسا ہی بنالو گے دنیا میں بھی اس کی نظیر موجود ہے دیکھو چونکہ منی تمہارے اختیار میں ہوتی ہے اسی طرح اس سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ بھی تمہارے اختیار میں ہوتی ہے اور تمہارا بچہ تمہارے اشارہ پر چلتا ہے اور گویا کہ وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں آپ کا وہی جزو ہوں جس کو آپ نے رحم مادر میں محفوظ کیا تھا لہٰذا آپ کو مجھ پر وہی اختیار حاصل ہے جو اس پر تھا پس جس طرح تمہاری صفات دنیا میں تمہارے قبضہ میں تھیں یوں ہی جنت کی نہریں بھی تمہارے کہنے میں ہوں گی۔ علی ہذا درخت بھی تمہارے مطیع ہوں گے کیونکہ وہ بھی پھل والے تمہاری صفات و افعال ہی سے ہوئے ہیں۔ پس خلاصہ یہ کہ جب تمہارے صفات و افعال تمہارے کہنے میں ہیں تو آخرت میں جو ان کی جزا ہوگی وہ بھی تمہارے کہنے میں ہوگی۔ اب سنو کہ جس طرح افعال حسنہ سے

نتائج حسنہ پیدا ہوتے تھے یوں ہی افعال سیئہ سے برے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً جب تمہارے ہاتھ سے کسی کو زخم پہنچتا ہے تو اس سے دوزخ میں زقوم کا درخت پیدا ہوتا ہے اور جب بے جا غصہ سے تم دوسروں کے دل جلاتے ہو تو اس سے تم دوزخ کا ایندھن بنتے ہو اور چونکہ دنیا میں تمہارے غصہ کی آگ لوگوں کے دلوں کو جلاتی تھی اس لئے دوزخ کی آگ جو اس سے پیدا ہوئی ہے۔ تمہیں جلائے گی اور جبکہ تمہارے غصہ کی آگ لوگوں پر حملہ کرتی ہے تو اس سے جو آگ پیدا ہوگی وہ خود تم پر حملہ کریگی اور تمہاری باتیں جو سانپ بچھو کی طرح ضرر رساں ہیں وہ سانپ بچھو بن کر تمہارا گلا دبائیں گی اور چونکہ تم اولیاء اللہ یا عام اہل حقوق کو انتظار میں رکھتے ہو اس لئے انتظار قیامت کا بار تم پر پڑے گا اور یہ آج کل کے وعدے انتظار قیامت کی صورت میں ظاہر ہوں گے اور تم کو اس طول طویل دن میں دھوپ اور حساب میں رہ کر آخری نتیجہ کا اس لئے انتظار کرنا پڑے گا کہ تم آسمان کو بھی منتظر رکھتے تھے اور کل چلوں گا کل چلوں گا کا بیج بوتے تھے مطلب یہ ہے کہ تم اہل اللہ کی نصیحتوں پر آج کل آج کل کرتے تھے۔ لہٰذا تم ان کو بھی منتظر رکھتے تھے اور آسمان کو بھی کیونکہ آسمان کو سعود عمل نیک کا انتظار رہتا تھا اور دیگر اہل حقوق کا منتظر ہونا تو ظاہر ہے پس تم ان سب کو منتظر رکھنے کی جزا میں اس انتظار میں مبتلا ہوگے اب سنو کہ تم کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تمہارا غصہ دوزخ کا بیج ہے پس تم کو اس دوزخ کو ٹھنڈا کرنا چاہئے کیونکہ یہ مصائب کا جال ہے اگر بے احتیاطی کروگے تو ضرور مصائب میں پھنسوگے اور یہ آگ اسی وقت بجھ سکتی ہے جبکہ نور دین حاصل ہو کیونکہ نور دین ہی میں آتش دوزخ کے بجھانے کی خاصیت ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے جب تو پل صراط سے گزرے گا اس وقت دوزخ کہے گی جزیا مومن فان نورک اطفانار ی واللہ اعلم باصحۃ)

اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ ہم کو یہ نور حاصل ہے پس تم کو نور دین حاصل کرنا چاہئے یہ بھی یاد رکھو کہ اگر نور دین حاصل نہ ہو اور کسی اور طرح سے تم حلم حاصل کرلو تو یہ سمجھنا کہ آگ بجھی نہیں ہے بلکہ راکھ میں چھپی ہوئی ہے جہان راکھ ہٹی وہ چمکی یہ تکلیف اور تستر ہے نہ کہ بجھنا۔ کیونکہ نور دین کے علاوہ کوئی چیز اس آگ کو بجھانے والی ہے ہی نہیں پس جب تک تم اپنے دل میں نور دین نہ دیکھ لو اس وقت تک بے خوف نہ ہونا کیونکہ یہ چھپی ہوئی آگ ایک روز ضرور ظاہر ہوگی پس نور دین کو اس آگ کا پانی سمجھو اور اسے لپٹو اور جب تمہارے پاس پانی ہو اس وقت تم کو آگ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ پانی آگ کو فنا کر دیتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ آگ پانی کی اولاد کو فنا کرتی ہے یعنی ان مرکبات کو جلاتی پھونکتی ہے جن میں پانی کو دخل ہے مثلاً نبات اثمار وغیرہ۔ اب تم کو یہ فکر ہو گی کہ وہ پانی کیونکر ملے جس سے یہ آگ فنا ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ تم اس بحر کی مرغابیوں (اہل اللہ) کے پاس چند روز رہو وہ تم کو اس آب حیات میں غوطہ دینگے اور اس کے بعد پھر اس آگ سے تم کو کچھ بھی خطرہ نہ ہوگا۔ یاد رکھو کہ بعض مرغ خاکی اور مرغ آبی صورت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر حقیقت کے لحاظ سے ان میں تباین ہوتا ہے اور ان کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے پانی اور تیل کہ دونوں سائل ہیں مگر ایک آتش کش ہے اور ایک آگ کو زندہ کرنے والا اور ہر ایک اپنی اصل پر چل رہا ہے پس تم کو بہت احتیاط کرنی چاہئے اور دھوکے بازوں سے بچنا

چاہیے اس لئے کہ دونوں صورت میں بہت ملتے جلتے ہیں جس سے غلطی کا قوی احتمال ہے اور ان میں وہی نسبت ہے جو کہ وسوسہ اور الہام میں کہ دونوں امر عقلی وغیر محسوس ہیں مگر پھر بھی باہم فرق ہے وسوسہ اور الہام دونوں بازار باطن کے دلال ہیں اور ہر ایک اس میں سے کچھ کچھ لیتا ہے پس اگر تم صراف دل ہو تو تم اپنے خیال کو خود ہی پہچان لو کہ یہ وسوسہ سے یا الہام اور جس طرح بردہ فروش اچھے برے مال میں تمیز کرتا ہے اسی طرح تم ان دونوں فکروں میں تمیز کرلو اور اگر تم خود ان دونوں کو نہیں پہچان سکتے تو کہہ دو لا خلابہ اور اس خیال پر عمل کرنے میں جلدی مت کرو اور کسی صراف کو دکھلا لو جب وہ ایک شق متعین کردے اس وقت اس پر عمل کرو اور بلا دکھلائے نہ کرو تا کہ تمہاری جان تردد میں نہ پھنسے اور تم پر اور تمہاری غذا پر نقصان واقع نہ ہو۔

شرح شبّیری

خرید و فروخت میں غبن سے بچنے کا حیلہ

آن یکے یاری پیمبر را بگفت	کہ منم در بیعہا باغبن جفت
ایک صحابی نے پیغمبرؐ سے عرض کیا	کہ میں معاملات میں ٹوٹے سے دوچار ہوتا ہوں

یعنی اس ایک صحابی نے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں بیوع میں غبن کے ساتھ ہوں مطلب یہ کہ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے خرید و فروخت میں اکثر لوگ دھوکہ دیتے ہیں۔

مکر ہر کس کو فروشد یا خرد	ہمچو سحر است و ز راہم می برد
جو شخص بیچتا ہے یا خریدتا ہے اس کی مکاری	جادو کی طرح ہے اور مجھے گمراہ کر دیتا ہے

یعنی ہر اس شخص کا مکر جو کہ خریدے یا بیچے جادو کی طرح ہے کہ مجھے بے راہ کر دیتا ہے یعنی ہر شخص کا مکر مجھ پر چل جاتا ہے اور لوگ مجھے دھوکہ دیدیتے ہیں۔

گفت در بیعے کہ ترسی از غرار	شرط کن سہ روز خود را اختیار
فرمایا کہ جس معاملہ میں تو دھوکے سے ڈرے	تین دن کے لئے اپنے لئے خیار کی شرط کرلے

یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بیع میں تم کو دھوکہ کا خوف ہو تو تم اپنے لئے تین روز کے لئے خیار شرط کرلیا کرو۔

کہ تانی ہست از رحمان یقین	ہست تعجیلت ز شیطان لعین
کیونکہ آہستہ روی یقیناً خدا کی جانب سے ہے	تیری جلد بازی ملعون شیطان کی جانب سے ہے

یعنی کہ اطمینان یقیناً حق تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تمہاری جلدی شیطان ملعون کی طرف سے ہے مطلب یہ

ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میاں جب خرید فروخت کیا کرو اور اس میں تمہیں خوف ہو کہ اس میں دھوکہ کیا جاوے تو اس میں خیار شرط کرلیا کرو تو پھر تین دن میں اپنے نفع نقصان کو تم خوب سوچ سمجھ سکو گے اور اطمینان سے کام ہوگا کیونکہ اطمینان سے کام کرنا تو حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور جلدی کرنا شیطان کا کام ہے لہذا اطمینان سے خوب سوچ سمجھ کر کام کیا کرو۔ حدیث میں یہ قصہ اس طرح ہے کہ قال رجل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی اخدع فی البیوع فقال اذا بایعت فقل لاخلابۃ ولی الخیار ثلثۃ ایام تو دیکھئے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دھوکہ سے بچنے کے لئے فرمایا کہ لاخلابۃ کہہ لیا کرو تو بس اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ دھوکہ سے بچنے کے لئے لاخلابۃ کہہ لیا کرو۔ آگے اطمینان سے کام کرنے والوں کی مثالیں اور فائدے بیان کرتے ہیں کہ۔

پیش سگ چون لقمہ نان افگنی	بو کند آ نگہ آخورد اے معتنی
تو جب کتے کے سامنے روٹی کا ٹکڑا ڈالتا ہے	اے خوشہ چین! وہ سونگھتا ہے پھر کھاتا ہے

یعنی کتے کے آگے جب تم روٹی کا ٹکڑا ڈالو گے تو وہ (اول) سونگھے گا اور اس وقت اس کو کھاوے گا اے خوشہ چین۔

او بہ بنی بو کند ما با خرد	رو ببویش خوش بعقل منتقد
وہ ناک سے سونگھتا ہے، ہم عقل سے	جا ان کو پرکھی ہوئی عقل سے اچھی طرح سونگھ لے

یعنی وہ تو ناک سے سونگھتا ہے اور ہم عقل سے تو تو اس کے سونگھنے سے پرکھنے والی عقل تک جا مطلب یہ کہ دیکھو جب تم کتے کو ٹکڑا ڈالتے ہو تو وہ اس کو سونگھ لیتا ہے جب کھاتا ہے کیونکہ وہ سونگھنے سے اس کے اندر اگر زہر وغیرہ ہو تو اس کو معلوم کرلیتا ہے لہذا ڈالتے ہی کھا نہیں جاتا بلکہ اطمینان سے کھاتا ہے بس اسی طرح تم کو چاہئے کہ جس طرح وہ ناک سے سونگھتا ہے اور ہر شے کے عیب وصواب کو معلوم کرلیتا ہے اسی طرح تم ہر شے کے عیب و صواب کو عقل سے معلوم کرلو اور خوب اطمینان سے سوچ سمجھ کر کام کرو جلدی مت کرو آگے فرماتے ہیں کہ۔

باتانی گشت موجود از خدا	تا بہ شش روز ایں زمین و چرخہا
خدا کی جانب سے آہستگی کے ساتھ موجود ہوئے	چھ دن میں یہ زمین اور آسمان

یعنی حق تعالیٰ سے یہ زمین وآسمان چھ دن میں اطمینان سے ہی موجود ہوئے (ورنہ)

ورنہ قادر بود او از کن فیکون	صد زمین و چرخ آوردے برون
ورنہ وہ قادر تھا کہ کن فیکون کے ذریعہ	سینکڑوں زمین اور آسمان پیدا کر دیتا

یعنی ورنہ حق تعالیٰ قادر تھے کہ (حکم) کن فیکون سے سینکڑوں زمین وآسمان باہر لے آتے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو باوجودیکہ اس امر پر قدرت تھی کہ ایک کن کے حکم سے ایسے ایسے سینکڑوں آسمان وزمین پیدا فرما دیتے لیکن حق تعالیٰ نے آسمان وزمین کو چھ روز میں جو پیدا کیا تو بظاہر اس کے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ بندوں کو

اطمینان سے کام کرنا سکھلایا جاوے۔

آدمی را اندک آں ہمام	تا چہل سالش کند مرد تمام
وہ شہنشاہ آدمی کو رفتہ رفتہ	اس کے چالیس سال میں پورا مرد بناتا ہے

یعنی آدمی کو وہ بادشاہ چالیس برس تک تھوڑا تھوڑا کر کے پورا آدمی کرتا ہے۔

گرچہ قادر بود کاندر یک نفس	از عدم پراں کند پنجاہ کس
اگرچہ وہ قادر تھا کہ ایک دم میں	عدم سے پچاس شخص روانہ کر دے

یعنی اگرچہ حق تعالیٰ قادر تھے کہ ایک دم میں عدم سے پچاس آدمی اڑا دیتے مطلب یہ کہ دیکھو حق تعالیٰ انسان کو چالیس برس تک تھوڑا تھوڑا بناتے ہیں اور اس کے بعد اس کو انسان کامل بناتے ہیں اور چالیس برس کے بعد پورا آدمی ہوتا ہے ورنہ وہ تو اس پر بھی قادر تھے کہ ایک دم میں اور ایک حکم کن میں پچاس آدمی کو پیدا فرماویں۔

بود عیسےٰ رادمے کز یک دعا	بے توقف زندہ کردے مردہ را
(حضرت) عیسیٰ کی ایسی پھونک تھی کہ ایک دعا سے	مردے کو بلاتوقف زندہ کر دیتے

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک پھونک تھی کہ وہ دعا کی وجہ سے بلاتوقف مردہ کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔

خالق عیسیٰ نہ بتواند کہ او	بے توقف مردم آرد تو بتو
(کیا حضرت) عیسیٰ کا پیدا کرنے والا نہیں کرسکتا کہ وہ	بے توقف تہ بہ تہ انسان پیدا کر دے؟

یعنی کیا عیسیٰ علیہ السلام کے خالق تعالیٰ شانہ بلاتوقف تہ بتہ آدمی نہیں کر سکتے (لیکن)

این تانی از پئے تعلیم تست	کہ طلب آہستہ باید بے شکست
یہ آہستہ روی ' تیری تعلیم کے لئے ہے	اس لئے کہ طلب آہستہ اور مسلسل چاہئے

یعنی یہ اطمینان تمہاری تعلیم کے واسطے ہے کہ طلب آہستہ اور بے انقطاع کے چاہئے مطلب یہ کہ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام ایک پھونک میں مردہ کو باذن حق زندہ فرما دیتے تھے تو کیا خالق عیسیٰ علیہ السلام کو اتنی بھی قدرت نہ ہو گی کہ وہ ایک دم میں کسی کو پیدا فرما دے ضرور اس سے بھی کہیں زیادہ قدرت ہے لیکن یہ اطمینان سے کام کرنا اور دیر لگانا صرف بندوں کی تعلیم کے لئے ہے ورنہ حق تعالیٰ کو اس طرح کام کرنے کی کیا ضرورت ہے ان کے تو حکم میں کل کام ہوتے ہیں لہٰذا انسان کو چاہئے کہ آہستگی سے بلاانقطاع کے طلب میں لگا رہے آگے اس اطمینان سے کام کرنے کی وجہ سے پاک رہنے اور مقصود کے حاصل ہونے کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

جوئے کوچک کہ دائم می رود	نے نجس گردد نہ گندہ می شود
وہ چھوٹی سی نہر جو ہمیشہ جاری رہتی ہے	(وہ) نہ تو ناپاک ہوتی ہے نہ گندہ

یعنی وہ نالہ جو کہ ہمیشہ چلتا ہے نہ تو نجس ہوتا ہے اور نہ گندہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو چھوٹا سا نالہ جو کہ آہستہ آہستہ برابر چلتا رہے وہ نجاست کے پڑ جانے سے بھی نجس اور گندہ نہیں ہوتا پس اسی طرح تم آہستہ آہستہ طلب میں لگے رہو گے اور طلب چھوڑ دو گے نہیں تو ہمیشہ آرام سے پاک وصاف رہو گے۔

زین تانی زائد اقبال و سرور	این تانی بیضہ دولت چون طیور
یہ آہستہ روی اقبال (مندی) اور خوشی پیدا کرتی ہے	یہ آہستہ روی انڈا ہے (اور) دولت پرندوں کی طرح ہے

یعنی اس اطمینان سے اقبال اور سرور پیدا ہوتا ہے اور یہ اطمینان بیضہ ہے اور دولت پرندوں کی طرح ہے مطلب یہ کہ اس اطمینان کی مثال تو انڈے جیسی ہے اور دولت واقبال پرندوں کی طرح ہیں تو جس طرح انڈے سے جانور نکلتا اور پیدا ہوتا ہے اسی طرح اس اطمینان سے کام کرنے کی برکت سے دولت وسرور پیدا ہوتا ہے اب یہاں کوئی اعتراض کرتا ہے کہ بھلا اطمینان کا اور دولت کا کیا جوڑ ہے تو آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

مرغ کے ماند بہ بیضہ اے عنید	گرچہ از بیضہ ہمی آید پدید
اے سرکش! پرند انڈے سے کب مشابہ ہے؟	اگرچہ وہ انڈے سے پیدا ہوتا ہے

یعنی ارے معاند جانور بیضہ کے کب مشابہ ہوتا ہے اگرچہ بیضہ ہی سے نکلتا ہے مطلب یہ کہ جس طرح مرغ اور بیضہ میں کوئی تماثل اور تشابہ نہیں ہوتا لیکن مرغ نکلتا اسی بیضہ ہی سے ہے تو اسی طرح دولت پیدا تو اس تانی ہی سے ہوتی ہے اگرچہ بظاہر کوئی ان میں جوڑ نہ ہو۔

باش تا اعضائے تو چون بیضہا	مرغہا زایند اندر انتہا
ٹھہر کہ تیرے اجزاء انڈوں کی طرح	آخر میں پرند جنیں

یعنی ٹھہر تا کہ تیرے اعضاء بیضوں کی طرح آخر میں بہت سے مرغ جنیں۔ مطلب یہ کہ جلدی مت کر ذرا ٹھہر ارہ کہ تیرے یہی اعضاء آخر میں دولت واقبال کو جمع کر لیں گے جیسے کہ آخر میں انڈوں میں سے جانور نکل آتا ہے اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ اطمینان سے کام کرتے ہیں لیکن ان کو اقبال وسرور حاصل نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

بیضۂ مار ارچہ ماند در شبہ	بیضۂ کنجشک را دورست رہ
سانپ کا انڈا اگرچہ مشابہت میں یکساں ہے	چڑیا کے انڈے سے (لیکن دونوں میں) بہت فرق ہے

یعنی سانپ کا انڈا اگرچہ صورت میں چڑیا کے انڈے کے مشابہ ہے (مگر) راہ بہت دور ہے۔

دانی اے عاقل کہ ماند سین بشین	در نوشتن لیک در نقطہ بہ بین
اے عقلمند! تو جانتا ہے کہ سین شین کے مشابہ ہے	لکھنے میں لیکن نقطہ پر غور کر لے

یعنی اے عاقل تو جانتا ہے کہ سین و شین لکھنے میں مشابہ ہوتے ہیں لیکن نقطہ میں دیکھ۔

دانه آبی بدانه سیب نیز	گرچه ماند فرقها دان اے عزیز
بہی کا بیج بھی سیب کے بیج سے	اگرچہ مشابہ ہے (لیکن) اے عزیز! بہت فرق سمجھ

یعنی بہی کا دانہ بھی سیب کے دانہ کے اگرچہ مشابہ ہوتا ہے (لیکن) اے عزیز فرق جانو۔

برگہا ہمرنگ باشد در نظر	میوہا ہر یک بود نوع دگر
پتے دیکھنے میں ایک رنگ کے ہوتے ہیں	ہر ایک کا پھل دوسری قسم کا ہوتا ہے

یعنی پتے دیکھنے میں ہمرنگ ہوتے ہیں (لیکن) میوے ہر ایک کے دوسری قسم کے ہوتے ہیں۔

برگہائے جسمہا مانندہ اند	لیک ہر جانے بریعے زندہ اند
پتے (یعنی) جسم (باہمی) مشابہ ہیں	لیکن ہر جان مختلف پیداوار کے ساتھ زندہ ہے

یعنی جسموں کے پتے (بھی) مشابہ ہیں لیکن ہر جان اپنی آمدنی سے زندہ ہے۔

خلق در بازار یکساں می روند	آن یکے در ذوق و دیگر دردمند
لوگ بازار میں یکساں جاتے ہیں	(لیکن) ان میں سے ایک شوق سے دوسرا تکلیف سے

یعنی مخلوق بازار میں یکساں چلتی ہیں وہ ایک تو مزہ میں اور دوسرے دردمند ہیں۔

ہمچنان در مرگ یکسان می رویم	نیم در خسران و نیمے خسرویم
اسی طرح موت (کے بازار) میں ہم یکساں جاتے ہیں	ہم میں سے نصف ٹوٹے میں ہیں اور نصف شاہ ہیں

یعنی اسی طرح موت میں ہم سب ایک طرح جاتے ہیں (لیکن) آدھے خسران میں ہیں اور آدھے خوش ہیں۔ مطلب یہ کہ بات یہ ہے کہ تمام چیزوں میں ایسا تفاوت ہے کہ جس کی وجہ سے ہر شخص کے لئے باوجود مشابہت کے اثرات مختلف پیدا ہوتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے سانپ اور چڑیا کے انڈے تو مشابہ ہوتے ہیں لیکن بچے مختلف نکلتے ہیں۔ علی ہذا بہی اور سیب کے دانے صورت میں مشابہ ہوتے ہیں لیکن ایک سے بہی پیدا ہوتی ہے اور دوسرے سے سیب پیدا ہوتا ہے غرضکہ ہر شخص کے لئے اثرات یکساں ظاہر ہونا ضروری نہیں ہے اسی طرح اور سب مثالوں کو منطبق کر لیا جاوے کہ دیکھو سارے آدمی ایک ہی طرح مرتے ہیں کہ روح کے نکلنے سے سب مر جاتے ہیں لیکن کوئی وہاں جا کر خوش رہتا ہے اور کوئی خاسر و نامراد رہتا ہے۔

این سخن پایاں ندارد باز گو	از بلال و از ہلال و کار او
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے پھر کہہ	(حضرت) بلالؓ اور ہلال اور ان کے کارنامے کی بات

یعنی یہ بات تو انتہا نہیں رکھتی تو پھر بلال اور ہلال اور اس کے کام سے بیان کرو۔ مطلب یہ کہ اس امر کا

بیان کہ کون موت کے بعد خوش رہتا ہے اور کون خاسر رہتا ہے تو یہ بیان تو بہت طویل ہے لہذا تم اس بیان کو چھوڑ کر حضرت بلالؓ کی وفات کا قصہ بیان کرو کہ جس سے ان کا خوشی سے جان دینا معلوم ہو۔ اب آگے قصہ سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ دیکھو ایک صحابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ حضور میں خرید و فروخت میں بہت نقصان اٹھاتا ہوں جو شخص کچھ خریدتا یا بیچتا ہے وہ کچھ ایسا جادو کرتا ہے کہ مجھے مغالطہ میں آجانا پڑتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جس بیچ میں تم کو دھوکہ کا اندیشہ ہو اس میں دوسرے شخص سے یہ کہہ دیا کرو کہ بھائی دھوکہ نہیں ہمیں تین دن کا اختیار ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ جن معاملات میں شبہ ہو ان میں توقف کرنا اچھا ہے اور جلدی کرنا برا دیکھو جب تم کتے کے آگے لقمہ ڈالتے ہو وہ اسے سونگھتا ہے اور پھر کھاتا ہے پس وہ تو ناک سے سونگھتا ہے اور ہم کو پرکھی ہوئی اور کھری عقل سے سونگھنا چاہئے اور دیکھو حق تعالیٰ نے توقف کیساتھ چھ دن میں زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے ورنہ وہ قادر تھا کہ ایک کن سے سو زمین و آسمان بنا دیتا۔ علیٰ ہذا وہ آدمی کو رفتہ رفتہ چالیس سال کی مدت میں کامل آدمی کرتا ہے اگرچہ وہ قادر ہے کہ ایک دم میں پچاس مکمل انسان عدم سے وجود میں لے آئے چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کو ایک پھونک عطا ہوئی تھی یعنی وہ ایک دعا سے بے تامل مردہ کو زندہ کر دیتے تھے تو کیا خالق عیسیٰ ایسا نہیں کر سکتا کہ بے تامل بہت سے انسانوں کو عدم سے وجود میں لے آئے۔ ضرور کر سکتا ہے پھر اس توقف کا کیا سبب ہے وہ یہی ہے کہ تم اس سے سبق حاصل کرو کہ طلب میں آہستگی چاہئے مگر سلسلہ منقطع نہ ہونا چاہئے قید عدم انقطاع کا راز یہ ہے کہ دیکھو چھوٹی نہر آہستہ چلتی ہے اور منقطع نہیں ہوتی اس لئے نہ وہ ناپاک ہوتی ہے نہ سڑتی ہے لیکن اگر جریان رک جاوے تو نجس بھی ہو سکتی ہے اور گندہ بھی تو سمجھو کہ تانی سے خوش اقبالی اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔ تانی گویا کہ ایک بیضہ ہے اور دولت اس کا بچہ تم تانی کرو اور آہستہ آہستہ کام کرتے رہو پھر دیکھنا کہ آخر میں بیضوں کی طرح تمہارے اعضاء سے کیسے کیسے بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن اتنی بات یاد رکھو کہ گو اعضاء صورت میں سب یکساں ہیں مگر ان سے نتائج مختلف پیدا ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تشابہ کے ساتھ ان میں فرق بھی ہے مثلاً سانپ کا انڈا صورت میں چڑیا کے انڈے سے ملتا ہوا ہے مگر با ایں ہمہ ان میں بون بعید ہے اور ہر ایک کی استعداد میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ علے ہذا تم سمجھو کہ سین و شین میں صورت میں تشابہ ہے مگر نقطوں کا فرق بھی ہے اور دیکھو بعض مختلف درختوں کے پتے ہمشکل ہوتے ہیں مگر ان کے میوے مختلف ہوتے ہیں پس یوں ہی اجسام بھی متشابہ ہیں لیکن ان کی ارواحیں مختلف پیداواروں کے ساتھ زندہ ہیں کسی میں کچھ پیداوار ہوتی ہے کسی میں کچھ اور دیکھو لوگ بازار میں چلتے پھرتے ہیں مگر باوجود تماثل صوری کے معنوی تفاوت بھی ان میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ مثلاً ایک خوش اور شگفتہ ہوتا ہے دوسرا ملول اور رنجیدہ اسی طریقہ سے تم موتوں کا تفاوت بھی سمجھ سکتے ہو حالانکہ ہم سب ایک ہی

طرح مرتے ہیں مگر پھر بھی بہت فرق ہوتا ہے بعض لوگ تو خسارہ میں ہوتے ہیں اور بعض بادشاہوں کی طرح راحت وعیش میں خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ اب بلال کی حالت اور ان کا واقعہ بیان کرنا چاہئے۔

شرح شبّیری

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خوشی کیساتھ وفات پانا

چوں بلال از ضعف شد ہمچوں ہلال	رنگ مرگ افتاد بر روئے بلال
جب (حضرت) بلالؓ کمزوری سے چاند کی طرح ہو گئے	(حضرت) بلالؓ کے چہرے پر موت کے آثار آ گئے

یعنی بلالؓ جب ضعف کی وجہ سے ہلال کی طرح ہو گئے اور بلال کے چہرہ پر موت کا رنگ پڑا۔

جفت او دیدش بگفتا و احرب	پس بلالش گفت نے نے واطرب
ان کی بیوی نے ان کو دیکھا کہا ہائے لٹ گئے	تو (حضرت) بلالؓ نے ان سے کہا نہیں نہیں خوشی ہے

یعنی ان کی بیوی نے دیکھا تو بولیں کہ افسوس ہے تو بلال نے ان سے کہا کہ نہیں نہیں خوشی ہے۔

تا کنوں اندر حرب بودم ز زیست	تو چہ دانی مرگ چہ عیش است چیست
اب تک میں زندگی سے مصیبت میں تھا	تو کیا جانے موت میں کس قدر عیش ہے اور کیا چیز ہے؟

یعنی اس وقت تک میں زندگی کی وجہ سے افسوس میں تھا اور تو کیا جانے کہ موت کیسی عیش ہے اور کیا ہے۔

این ہمی گفت ورخش در عین گفت	نرگس وگل برگ ولالہ می شگفت
وہ یہ کہہ رہے تھے اور گفتگو کے درمیان ان کا چہرہ	نرگس اور گلاب کی پتیوں اور لالہ (کی طرح) کھل رہا تھا

یعنی یہ فرماتے تھے اور ان کا چہرۂ مبارک عین گفتگو کے وقت نرگس اور گل برگ اور لالہ کو کھلا رہا تھا۔

تاب رو و چشم پر انوار او	می گواہی داد بر گفتار او
چہرے کی رونق، اور ان کی پرنور آنکھیں	ان کے قول پر گواہی دے رہی تھیں

یعنی ان کی چہرۂ پرنور کی اور آنکھوں کی رونق ان کی باتوں پر گواہی دے رہی تھی۔ مطلب یہ کہ جب حضرت بلالؓ کے چہرہ پر آثار موت ظاہر ہوئے تو ان کی بیوی صاحبہؓ افسوس کرنے لگیں کہ اب یہ انتقال فرما جاویں گے تو حضرت بلالؓ فرمانے لگے کہ نہیں نہیں خوشی کا مقام ہے اور فرحت کا وقت ہے کیونکہ میں تو اس زندگی کی وجہ سے مصیبت میں تھا کہ یہ جسم ناسوتی مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ اب میں روح ہو کر اور اس جسم ناسوتی کو ترک کر کے قرب حق میں زیادہ ہو جاؤں گا۔ اور فرمانے لگے کہ تمہیں کیا خبر ہے کہ موت میں کیسی عیش ہے اور کیسے مزے ہیں وہ تو ایک بہت

ہی عمدہ شے ہے جو کہ محبوب ومحب میں از دیاد قرب کا باعث ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ان کا کہنا صرف زبان ہی سے نہ تھا بلکہ وہ ان باتوں کو دل سے کہہ رہے تھے اور اس گفتگو کے وقت ان کے چہرہ پر جو ایک رونق تھی وہ اس امر کو بتا رہی تھی کہ یہ ساری باتیں سچی ہیں اور یہ دل سے کہہ رہے ہیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

هر سیه دل خود سیه دیدے ورا	مردم دیده سیه آمد چرا
ہر سیہ دل ان کو کالا دیکھتا	آنکھ کی پتلی کالی کیوں واقع ہوئی ہے؟

یعنی ہر سیہ دل ان کو (صرف) سیاہ ہی دیکھتا ہے تو (بھلا) آنکھ کی پتلی کیوں سیاہ ہے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ سیاہ دل ہیں ان کو حضرت بلالؓ کے اندر کا نور نظر نہیں آتا تھا وہ صرف یہ دیکھتے تھے کہ وہ ایک حبشی ہیں اور ان کے اندر جبکہ وہ سیاہ ہیں نور کہاں سے آیا تو بھلا ہم یہ پوچھتے ہیں کہ آنکھ کی پتلی میں باوجود اس کے سیاہ ہونے کے نور کیوں ہے معلوم ہوا کہ سیاہ ہونا نور ہونے کے منافی نہیں ہے بلکہ۔

مردم نادیده آمد رو سیاه	مردم دیده بود مرآت ماه
نابینا انسان روسیاہ ہوئے	آنکھوں والے چاند کا آئینہ ہوتے ہیں

یعنی بے پتلی کے آدمی روسیاہ ہے اور پتلی والا آدمی چاند کا آئینہ ہے مطلب یہ کہ دیکھو جس شخص میں وہ سیاہ پتلی نہیں ہوتی وہ روسیاہ اور اندھا کہلاتا ہے اور جس میں وہ ہوتی ہے اس کو بینا اور روشن چشم کہتے ہیں غرضکہ سیاہ منافی نورانی ہونے کے نہیں ہے۔ آگے مولانا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہیں کہ۔

خود کہ بیند مردم دیدہ ترا	در جہان جز مردم دیدہ فزا
آپ کو آنکھ کی پتلی کون سمجھ سکتا ہے	دنیا میں سوائے روشنی بڑھانے والی پتلی کے؟

یعنی اے آنکھ کی پتلی تم کو خود جہان میں کون دیکھ سکتا ہے سوائے نگاہ کے بڑھانے والے آدمی کے۔ مطلب یہ کہ اے بلال تمہاری اصلی حالت کو سوائے اس شخص کے جو کہ مبصر ہو اور آنکھ والا ہو اور نورانی ہو وہی معلوم کر سکتا ہے ورنہ دوسرے کسی شخص کو تو خبر بھی نہیں ہو سکتی۔ اور وہ تم کو صرف ایک حبشی غلام ہی خیال کرے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون بغیر مردم دیده اش ندید	پس بغیر او که در رنگش رسید
جبکہ ان (بلالؓ) کو آنکھ کی پتلی کے علاوہ کوئی نہ سمجھ سکا	تو اس (آنکھ کی پتلی کے) سوا کون ان (بلال) کے رنگ کو پہنچ سکتا ہے

یعنی جب سوائے آنکھ کی پتلی کے اس کو کسی نے نہیں دیکھا تو پھر اس کے سوا اور کون ہوگا جو اس کے رنگ میں پہنچا۔

پس جزا و جملہ مقلد آمدند	در صفات مردم دیدہ بلند
ان (آنکھ کی پتلی) کے علاوہ سب مقلد ہیں	بلند آنکھ کی پتلی کے صفات کے بارے میں

یعنی اس سوا اس کے سب مقلد ہیں صفات میں مردمک دیدہ کے بلند۔ مطلب یہ کہ جب حضرت بلالؓ کی

حقیقت کو بجز اس بصیرت والے کے اور کوئی پہچان ہی نہیں سکتا تو پھر اس بصیرت والے کے سوا جس نے بھی اس کو دیکھا اس نے صرف رنگ ہی رنگ دیکھا اور اس کو کچھ بھی نظر نہ آیا آگے پھر حضرت بلالؓ کی بیوی کا مقولہ ہے۔

گفت جفتش الفراق اے خوشخصال	گفت نے نے الوصالست این فصال
ان کی بیوی نے کہا اے خوش خصلت! جدائی ہے	انہوں نے فرمایا نہیں نہیں یہ جدائی وصال ہے

یعنی ان کی بیوی نے کہا کہ اے خوشخصال فراق ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں نہیں۔ یہ جدائی تو عین وصل ہے (کیونکہ یہاں سے جدا ہوکر قرب حق اور وصل حق نصیب ہوگا جو کہ عین مقصود اور وصل حقیقی ہے)

گفت جفت امشب غریبے میروی	از تبار و خویش غائب می شوی
بیوی نے کہا! آج کی رات مسافر بنکر جا رہے ہو	خاندان اور اپنوں سے غائب ہو رہے ہو

یعنی بیوی صاحبہ نے کہا کہ آج کی رات تم سفر میں جا رہے ہو اور عزیز واقارب سے غائب ہو رہے ہو۔

گفت نے نے بلکہ امشب جان من	می رسد خود از غریبی در وطن
انہوں نے فرمایا نہیں نہیں بلکہ آج کی رات میری جان	خود مسافرت سے وطن میں جا رہی ہے

یعنی حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ نہیں نہیں بلکہ آج کی رات تو میری جان سفر سے وطن میں پہنچ رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آج تو اس کو دار فانی سے علیحدگی کے بعد وطن اصلی میں جگہ ملے گی اور یہ وہاں جاوے گی پھر سفر میں جانا کہاں ہوا بلکہ میں تو وطن اصلی میں جا رہا ہوں پھر کیا غم ہے اور اس کا وطن اصلی ہونا ظاہر ہے۔

گفت اے جان و دلم و احسرتاہ	گفت نے نے جان من یا دولتاہ
انہوں نے عرض کیا اے میری جان اور دل افسوس ہے	انہوں نے فرمایا نہیں نہیں اے میری جان! بڑی خوش نصیبی ہے

یعنی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ اے میری جان و دل افسوس ہے تو حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ نہیں نہیں میری جان خوب دولت ہے۔ مطلب یہ کہ جب ان کی بیوی صاحبہ ان کے انتقال پر افسوس کرنے لگیں تو حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ افسوس مت کرو کیونکہ مجھے تو ایک دولت مل رہی ہے اور وہ قرب و وصل حق تھا۔

گفت رویت را کجا بینیم ما	گفت اندر حلقۂ خاص خدا
انہوں نے عرض کیا ہم آپ کا چہرہ کہاں دیکھیں گے	فرمایا خدا کے خاص حلقہ میں

یعنی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ آپ کے چہرۂ (مبارک) کو کہاں دیکھیں گے تو حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے حلقہ خاص میں۔ مطلب یہ کہ جب بیوی صاحبہ افسوس کرنے لگیں کہ اب یہ چہرہ کہاں نظر آوے گا اور کس طرح اس کو دیکھ سکیں گے تو آپ نے فرمایا کہ جب متوجہ بحق ہوگی اسی وقت تم کو میرا چہرہ نظر آجاوے گا چہرہ نظر آنے سے مراد قرب ہے۔ مقصود یہ ہوا کہ چونکہ میں اب خدا تعالیٰ کے پاس جا رہا ہوں لہذا

تم جب متوجہ بحق ہوگی تو تم کو میرا قرب حاصل ہو جاوے گا اور تم کو تسلی ہو جایا کریگی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

حلقۂ خاصش بتو پیوستہ است	گر نظر بالا کنی نے سوئے پست
اس کا خاص حلقہ تجھ سے جڑا ہوا ہے	اگر تو اوپر کو نظر رکھے نہ کہ پستی کی جانب

یعنی حق تعالیٰ کا حلقۂ خاص تم سے ملا ہوا ہے اگر تم بلند نظری کرو نہ کہ پستی کی طرف۔ مطلب یہ کہ اگر تم متوجہ بحق ہو اور اس طرف اپنی توجہ کروگی اور اس دنیائے دنی پر لات ماروگی تو" انشاء اللہ تم کو میرا قرب اور تسلی جو کہ مقصود قرب ہے حاصل ہو جایا کریگی کیونکہ۔

اندران حلقہ زرب العالمین	نور می تا بدچو در حلقہ نگین
اس حلقہ میں رب العالمین کا	نور اس طرح چمکتا ہے جیسا کہ (انگوٹھی کے) حلقہ میں نگینہ

یعنی اس حلقہ میں رب العالمین کا نور چمکتا ہے جیسے کہ انگوٹھی میں نگینہ۔ مطلب یہ کہ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ تم جب متوجہ بحق ہوگی تو تمہارے قلب میں نورانیت پیدا ہوگی اور اس نورانیت سے تم کو تسلی حاصل ہوگی یا یہ کہا جاوے کہ اس نور سے تمہارے قلب میں صفائی پیدا ہوگی اور اس صفائی سے تم کو کشف ہونے لگے گا اور تم مجھے دیکھ لیا کروگے۔ غرضکہ حاصل یہ کہ توجہ بحق کرنے سے تم کو قرب یا قرب سے جو مقصود ہے یعنی تسلی حاصل ہو جایا کرے گی۔ آگے پھر بیوی صاحبہ کا مقولہ ہے۔

گفت ویران گشت این خانہ دریغ	گفت اندرمہ نگر منگر بہ میغ
انہوں نے عرض کیا افسوس ہے یہ گھر ویران ہوگیا	فرمایا چاند کو دیکھ ابر کو نہ دیکھ

یعنی بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ افسوس یہ گھر اجڑ گیا تو حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ چاند کو دیکھو ابر کو مت دیکھو۔ مطلب یہ کہ جب بیوی صاحبہ نے فرمایا کہ افسوس یہ گھر اجڑ گیا اور ویران ہوگیا تو انہوں نے تو ظاہری گھر کو مراد لیا تھا جیسا کہ محاورہ ہے اور جیسا کہ اوپر سے ان کے کلام سے تمام یہی ظاہری اشیاء مراد ہیں لیکن اوپر سے بھی اور یہاں بھی حضرت بلالؓ ان کے الفاظ کو دوسرے معنی کی طرف لے گئے یعنی انہوں نے مکان سے مراد تن لیا تو ان کے جواب میں فرمایا کہ تم چاند کو دیکھو ابر کو مت دیکھو۔ مطلب یہ کہ روح کو دیکھو اور اس تن ظاہری کو مت دیکھو کہ یہ خراب ہو رہا ہے یا ویران ہو رہا ہے بلکہ اس پر نظر کرو کہ میری روح کو اس سے کیا کچھ آرام اور راحت اور چین نصیب ہو رہا ہے لہٰذا اب افسوس کرنا فضول ہے اب آگے مولانا اس تن ظاہری کے موت سے ویران کر دینے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ موت کے ذریعہ سے اس تن ظاہر کو کیوں ویران کر دیا جاتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ چونکہ روح کے کیفیات و حالات زیادہ تھے جو اس تن ظاہر کے اندر نہ سما سکتے تھے اس لئے روح کو اس تن سے جو کہ اس کے بجائے گھر کے تھا الگ کر دیا گیا تا کہ وہ اپنے تمام اسباب یعنی علوم و معارف کو بڑھا سکے اور ان کو ترقی دے سکے اور اس تن کی کوٹھڑی میں مقید نہ رہنا پڑے یہ تو خلاصہ تھا اب اصل کو سنئے۔

بدن کے موت سے ویران ہو جانے کی حکمت

قوم انبہ بود و خانہ مختصر	کرد ویران تا کند معمور تر
لوگ زیادہ تھے اور گھر مختصر (تھا)	ویران کیا تا کہ زیادہ آباد کرے

یعنی ویران کر دیا تا کہ خوب عمدہ کر دیں کیونکہ قوم زیادہ تھی اور گھر چھوٹا تھا (قوم سے مراد علوم و معارف ہیں) مطلب یہ کہ قاعدہ ہے کہ جب گھر چھوٹا ہوا اور آدمی زیادہ ہوں تو اس مکان کو توڑ کر دوسرا مکان اس سے بڑا بنایا کرتے ہیں تا کہ سارے آدمی اس میں سما سکیں۔ بس اسی طرح چونکہ علوم و معارف زیادہ تھے اور یہ بدن ان کے لئے مکان تنگ تھا تو اس مکان تن کو ویران کر کے دوسرا مکان بنایا گیا تا کہ وہ سب علوم اس میں رہ سکیں اور روح ان میں اور ترقی کر سکے تو اس بدن کے ویران کرنے میں یہ حکمت ہوئی کہ روح کے لئے دوسرا مکان اس سے زیادہ وسیع اور خوبصورت اور عمدہ بنایا جاوے گا آگے پھر مقولہ حضرت بلالؓ کا ہے فرماتے ہیں کہ۔

پر شدا کنوں نسل جانم شرق و غرب	من چو آدم بودم اول حبس کرب
اب میری جان کی نسل سے مشرق و مغرب بھر گئی	میں شروع میں (حضرت) آدمؑ کی طرح بے چینی میں تھا

یعنی میں آدمؑ کی طرح اول محبوس کرب تھا اور اب میری جان کی نسل شرقاً غرباً پر ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ حضرت آدمؑ اول تو آب و گل میں محبوس رہے اور ان کو جسم عطا نہ ہوا تو وہ اس حالت میں تنگ ہو رہے تھے اسی طرح میں بھی اس دنیا میں رہ کر تکلیف میں تھا اور تنگ ہو رہا تھا پھر بعد میں جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو جسم عنصری عطا ہوا اور اس کے ذریعہ سے ان کی اولاد شرقاً غرباً پھیل گئی بس اسی طرح اب میں اس دنیا سے نکل کر جو روح ہو گیا ہوں تو میرے علوم و معارف بھی بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور تمام میں پھیل گئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

شاہ گشتم قصر باید بہر شاہ	من گدا بودم دریں خانہ چو چاہ
میں شاہ ہو گیا بادشاہ کے لئے قلعہ چاہیے	میں اس کنویں جیسے گھر میں فقیر تھا

یعنی کہ میں اس کنویں جیسے گھر میں فقیر تھا (اور اب) میں بادشاہ ہو گیا ہوں تو بادشاہ کے لئے تو محل کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ میں اس دنیا میں تو علوم و معارف سے خالی اور ان کا محتاج تھا تو میرا دل اس ویرانہ میں اور تنگ جھونپڑی میں یعنی دنیا میں لگتا تھا لیکن اب جو میں بادشاہ ہو گیا ہوں اور مجھے علوم و معارف کا مال و دولت مل گیا ہے تو اب مجھ کو ضرورت ہے کہ میں محل میں رہوں اور میرے لائق محل یہاں ہے نہیں لہذا ضروری ہوا کہ میں کسی ایسے مقام پر جاؤں جہاں وہ محل مجھے ملے اور وہ مقام عدم ہے لہذا اب وہیں جانا ضروری ہوا۔

مردہ را خانہ و مکان گورے بس است	قصرہا خود مر شہاں را مانس است
مردے کے لئے ایک قبر گھر اور مکان کافی ہے	قلعے شاہوں کے لئے مانوس ہیں

یعنی محلات خود بادشاہوں کے انس کی جگہ ہے اور مردہ کے لئے گھر اور مکان ایک گور کافی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو بادشاہوں کا دل تو محلات ہی میں لگتا ہے اور مردوں کے لئے ایک گور کافی ہے وہی ان کا مکان اور وہی ان کے لئے محل ہے تو چونکہ اہل دنیا بالکل مردوں کی مثل ہیں لہذا ان کو یہ دنیا ہی کے مکان اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

انبیاء را تنگ آمد ایں جہاں	چون شہان گشتند اندر لا مکان
انبیاء کے لئے یہ جہان تنگ ہو گیا	(تو) شاہوں کی طرح لامکان میں چلے گئے

یعنی یہ جہان انبیاء علیہم السلام کے لئے تنگ معلوم ہوا تو وہ بادشاہوں کی طرح لامکان میں چلے گئے۔

مرد گانرا اینجہاں بنمود فر	ظاہرش زفت و بہ معنی تنگ تر
مردوں کو اس جہان نے شان و شوکت دکھائی	جس کا ظاہر وسیع ہے اور حقیقتاً بہت تنگ ہے

یعنی مردوں کے لئے اس جہان نے شوکت دکھلائی تو اس کا ظاہر تو بڑا ہے اور اندر سے بالکل تنگ ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو انبیاء علیہم السلام چونکہ بادشاہ تھے ان کا دل اس دنیا کے تنگ جھونپڑے میں نہ لگا اور وہ یہاں جب تک رہے پریشان ہی رہے۔ لہذا وہ یہاں سے نکل کر عدم میں چلے گئے اور وہاں اپنے محلات میں رہے اور چونکہ اہل دنیا مردہ ہیں لہذا ان کو اسی میں راحت و آرام ہے اور یہ اسی کو وسیع و فراخ خیال کرتے ہیں حالانکہ اس کی حالت یہ ہے کہ ظاہر میں تو خوب بڑا ہے اور اصل میں بالکل تنگ ہے۔ اب آگے اس کے تنگ ہونے کو ایک دلیل سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر نبودے تنگ این افغان ز چیست	چون دوتا شد ہر کہ در وے بیش زیست
اگر وہ تنگ نہ ہوتا تو یہ چیخ پکار کیوں ہے؟	جو اس میں زیادہ جیتا ہے دوہرا کیوں ہو جاتا ہے؟

یعنی اگر یہ تنگ نہ ہوتا تو یہ شور و غل کس لئے ہے اور جو شخص کہ کچھ روز زیادہ زندہ رہا وہ دوہرا کیوں ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر یہ دنیا مکان تنگ نہ ہوتی تو اس کے رہنے والے گھبرایا کیوں کرتے کہ جسے دیکھو پریشان ہے جسے دیکھو تفکرات میں غلطاں و پیچاں ہے اور پھر یہ کہ جہاں کسی کو ذرا زیادہ دن زندہ رہنا پڑا اور وہ بیچارہ دوہرا ہوا کمر جھک گئی تو آخر یہ کمر کیوں جھک جاتی ہے۔ یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ یہ مکان بہت ہی تنگ ہے کہ جس کی تنگی کی وجہ سے انسان زیادہ روز تک اس میں سیدھا کھڑا بھی نہیں ہو سکتا بلکہ تھوڑے دنوں میں اس کے حالات سے تنگ آ کر اور تھک کر جھک جاتا ہے جس سے اس کی تنگی صاف طور پر واضح ہوتی ہے۔

در زمان خواب چون آزاد شد	زان مکان بنگر کہ جان چون شاد شد
نیند کی حالت میں جب آزاد ہو جاتا ہے	اس مکان سے دیکھ جان کیسی خوش ہوتی ہے

یعنی خواب کے وقت میں کیسا آزاد ہو گیا اور اس مکان سے دیکھو کہ جان کس طرح خوش ہوئی مطلب یہ کہ دیکھو خواب کہ ایک نمونہ ہے عدم کا اور اس دنیا سے تھوڑا سا تغافل ہے لیکن اس میں جا کر انسان کیا کچھ

خوش ہوتا ہے اور کیسا آزاد ہو جاتا ہے کیونکہ اس دنیا سے تو غفلت ہوتی ہے تو اس کو بالکل راحت و آرام ہی ہوتا ہے تو جب بالکل اس دنیا سے علیحدگی ہو جاوے تو پھر ظاہر ہے کہ کیسا کچھ عیش حاصل ہوگا آگے بھی اسی راحت و آرام کی تشریح فرماتے ہیں کہ دیکھو خواب میں یہ نفع ہے کہ۔

ظالم از ظلم طبیعت باز رست	مرد زندانے ز فکر حبس جست
ظالم طبیعت کے ظلم سے چھوٹ گیا	قیدی قید کی فکر سے نکل گیا

یعنی ظالم تو طبعی ظلم سے چھوٹ گیا اور قیدی آدمی قید کی فکر سے نکل گیا۔ یعنی خواب میں جا کر ظالم تو اپنے اس ظلم طبعی سے چھوٹ گیا اور اتنی مدت کے لئے وہ ظلم سے باز آ گیا اور جو قیدی ہے اس کو اپنی قید کی فکر نہ رہی بلکہ وہ خواب میں جاتے ہی ایسا ہو گیا گویا کہ بالکل ہی آزاد تھا۔

این زمین و آسمان بس فراخ	سخت تنگ آمد بہنگام مناخ
یہ زمین اور آسمان جو بہت وسیع ہیں	ڈیرہ ڈالنے کے وقت بہت تنگ نکلے

یعنی یہ زمین و آسمان بہت فراخ سونے کے وقت بیحد تنگ معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ انسان جب سو جاتا ہے تو اس کو زمین و آسمان جو کہ ایسے فراخ اور وسیع ہیں بالکل تنگ معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر خواب میں ہوتا ہے تو جب نمونہ عدم میں جا کر یہ آسمان و زمین تنگ معلوم ہوتے ہیں تو اصل عدم کے مقابلہ میں تو کیوں تنگ نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کے سامنے یہ سب بالکل تنگ و تاریک جھونپڑا معلوم ہوگا۔

چشم بند آمد فراخ و سخت تنگ	خندۂ او گریہ فخرش جملہ ننگ
(یہ دنیا) بہت وسیع اور بہت تنگ نظر بندی ہے	اس کی ہنسی رونا ہے اس کا فخر ذلت ہے

یعنی یہ ایک نظر بندی ہے کہ وسیع ہے اور بے حد تنگ ہے اس کی ہنسی رونا ہے اور اس کا فخر بالکل ننگ ہے مطلب یہ کہ اس جہان میں عجب ایک نظر بندی ہے کہ ظاہر میں وسیع معلوم ہوتا ہے اور اصل میں بے حد تنگ ہے اور اس کی ہنسی انجام کے اعتبار سے بالکل رونا ہی رونا ہے اور اس میں جو چیزیں کہ مایہ فخر ہیں وہ اصل میں بالکل شرم اور ننگ کی باتیں ہیں۔ آگے دنیا کے ظاہر میں وسیع اور باطن میں تنگ ہونے کو مثالوں سے واضح فرماتے ہیں۔

دنیا کی مثال جو کہ ظاہر میں وسیع ہے اور باطن میں تنگ ہے اور خواب کی تشبیہ موت سے جو کہ اس تنگی سے چھوٹنا ہے

ہمچو گرما بہ کہ تفسیدہ بود	اندر آئی جانت بخسیدہ بود
حمام کی طرح جو گرم ہو	تو اندر آئے تیری جان پژمردہ ہوتی ہے

یعنی مثل حمام کے جو کہ گرم کیا گیا ہو تو اندر آوے تو تیری جان گھٹنے لگے۔

زان تپش تنگ آیدت جان وکلیل	گرچہ گرمابہ عریض است وطویل
اس گرمی سے تیری جان تنگ اور عاجز آ جاتی ہے	اگرچہ حمام چوڑا اور لمبا ہے

یعنی اگرچہ حمام لمبا چوڑا ہے (لیکن) اس تپش سے تیری جان تنگ اور پریشان ہوتی ہے۔

پس چہ سود آمد فراخے منزلت	تا برون نائی نہ بکشاید دلت
تو جگہ کی وسعت سے تجھے کیا فائدہ ہے؟	جب تک تو باہر نہیں آتا ہے' تیرا دل نہیں کھلتا

یعنی جب تک کہ تو باہر نہ آوے تیرا دل نہ کھلے پھر گھر کی فراخی تیرے کیا کام آئی۔ مطلب یہ کہ دیکھو ایک حمام ہے جو کہ بہت لمبا چوڑا ہے لیکن اس کو خوب گرم کیا گیا ہے جس سے کہ تمہارا دل اس میں گھبرانے لگا ہے اور جب تک تم باہر نہ آؤ گے تمہارا دل ٹھکانے نہ لگے گا اور اس میں رہتے ہوئے تم پریشان ہی رہو گے حالانکہ اس حمام کا مکان خوب وسیع وفراخ ہے تو بس اسی طرح جو حضرات کہ اس دنیا کی برائیوں پر نظر رکھتے ہیں ان کا دل بھی باوجود اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کے نہیں لگتا اور وہ اس میں پریشان ہی رہتے ہیں آگے اسی کی ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

در بیابان فراخے می روی	یا کہ کفش تنگ پوشی اے غوی
اور جنگل وسیع میں تو چلے	یا کہ اے گمراہ! تو تنگ جوتا پہنے

یعنی یا تو اے سرکش تنگ جوتا پہنے اور ایک وسیع جنگل میں تو چلے۔

برتو زندان آمد آن صحرا ودشت	آن فراخی بیابان تنگ گشت
وہ جنگل' اور میدان تیرے لئے قید خانہ ہو گا	جنگل کی وہ وسعت' تنگ ہو جائے گی

یعنی وہ بیابان کی وسعت تنگ ہو گئی اور وہ جنگل اور میدان تجھ پر قید خانہ ہو گیا۔

کو دران صحرا چو لالہ بر شگفت	ہر کہ دید او مرترا از دور گفت
وہ اس جنگل میں لالے کی طرح کھلا ہے	جس نے تجھے دور سے دیکھا' کہا

یعنی جس نے تجھے دور سے دیکھا تو وہ بولا کہ وہ اس جنگل میں لالہ کی طرح کھل رہا ہے۔

از برون در گلشنے جان در فغان	او نمی داند کہ تو چون ظالمان
باہر سے چمن میں ہے' جان فریاد میں ہے	وہ نہیں سمجھتا کہ تو ظالموں کی طرح

یعنی وہ (دیکھنے والا) نہیں جانتا کہ تو ظالموں کی طرح باہر سے تو گلشن میں ہے اور جان مصیبت میں ہے۔

مطلب یہ کہ دوسری مثال۔ یوں سمجھو کہ تم ایک تنگ جوتا پہن کر ایک وسیع جنگل میں چلو تو دیکھنے والا تو یوں سمجھتا ہے کہ تم خوب آرام کے ساتھ اس لق ودق جنگل میں بے رکاوٹ کے چلے جا رہے ہو لیکن تمہاری حالت یہ ہے

کہ سخت مصیبت میں ہو اور وہ لق و دق لمبا چوڑا جنگل تمہارے لئے کچھ بھی فرحت بخش نہیں ہے بلکہ سخت تکلیف دہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح دنیا میں رہنے والوں کو یوں سمجھا جاتا ہے کہ بہت عیش و آرام میں ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ جسے دیکھو وہ مصیبت میں ہے جسے دیکھو کسی نہ کسی آفت میں مبتلا ہے اب آگے موت کو خواب سے مثال دیتے ہیں کہ۔

خواب تو آن کفش بیرون کردنست	کہ زمانے جانت آزاد از تن است
تیری نیند اس جوتے (جسم) کو اتار دینا ہے	کیونکہ اس وقت تیری جان جسم سے آزاد ہے

یعنی تمہاری نیند اس جوتہ کو نکال ڈالنا ہے کہ ایک زمانہ کے لئے تیری جان تن سے آزاد ہے مطلب یہ کہ تمہارا سو جانا ایسا ہے جیسا کہ وہ چلنے والا اس جوتہ کو اتار دے کہ چونکہ کچھ دیر کے لئے تن سے اور اس عالم سے غفلت ہوگئی ہے اس لئے راحت و آرام میں ہو تو جب دنیا سے بالکل ہی علیحدگی ہو جاوے گی اس وقت کو خیال کرو اور اس راحت و آرام پر قیاس کرلو کہ کیسا کچھ آرام اور کیسی کچھ راحت ہوگی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

اولیا را خواب ملک است اے فلان	ہمچو آن اصحاب کہف اندر جہان
اے فلاں! اولیاء کیلئے نیند سلطنت ہے	جس طرح دنیا میں اصحاب کہف

یعنی نیند اولیاء اللہ کے لئے بادشاہی ہے اے فلاں جیسے کہ وہ اصحاب کہف کے لئے جہان میں۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کو نیند بجائے بادشاہی کے ہے اس لئے کہ ان کو نیند میں چونکہ اس جہان سے علیحدگی ہو جاتی ہے گویا کہ ان کو بادشاہی مل گئی ان کو ایسی خوشی ہوتی ہے۔

خواب می بینند و آنجا خواب نے	در عدم در میروند و باب نے
وہ خواب دیکھتے ہیں اور وہاں نیند نہیں ہے	وہ عدم میں چلے جاتے ہیں اور دروازہ نہیں ہے

یعنی خواب دیکھتے ہیں اور اس جگہ خواب نہیں ہے عدم میں جاتے ہیں اور دروازہ نہیں ہے مطلب یہ کہ بے سوئے ہوئے عالم عدم کا مشاہدہ کرتے ہیں اور لوگ جن امور کو سو کر دیکھتے ہیں وہ بے سوئے ہوئے ان کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اور عالم عدم میں چلے جاتے ہیں حالانکہ ظاہر میں کوئی دروازہ نہیں بلکہ بذریعہ کشف کے ان کو اس عالم کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور وہ سب چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ غرضکہ ثابت ہوگیا کہ یہ دنیا تنگ ہے اور اس میں اہل اللہ کا دل گھبراتا ہے۔ اب آگے پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل فرماتے ہیں کہ۔

خانۂ تنگ و درون جان چنگلوک	کرد ویران تا کند قصر ملوک
گھر تنگ ہے اور اندر جان اٹیرن ہے	اس کو ویران کیا تاکہ شاہوں کا محل بنائے

یعنی گھر تنگ تھا اور اندر جان اٹیرن ہو رہی تھی تو ویران کر دیا تا کہ بادشاہی محل بنا دے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ میری جان اس تنگ بدن کے مکان میں گھٹ رہی تھی تو اب اس بدن کو حق تعالیٰ نے ویران کر دیا

تا کہ اس کو محل شاہی بنا دے۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

چنگلو کم چون جنین اندر رحم	نہ مہہ گشتم شد این نقلان مہم
میں اٹیرن ہوں جیسا کہ رحم میں بچہ	مجھے نو مہینے ہو گئے ہیں یہ انتقال ضروری ہے

یعنی میں ایسا اٹیرن ہو رہا ہوں جیسے کہ پیٹ میں بچہ اور میں نو مہینے کا ہو گیا ہوں تو یہ منتقل ہونا ضروری ہوا۔ مطلب یہ کہ اب میں علوم و معارف حاصل کر کے کامل ہو چکا ہوں جیسے کہ بچہ پیٹ میں گوشت پوست حاصل کر کے پورا ہو جاتا ہے تو جس طرح کامل ہو جانے کے بعد وہ نکلنا چاہتا ہے اور اس رحم کو جو اس عالم کی نسبت کر تنگ ہے چھوڑ کر اس عالم میں آنا چاہتا ہے بس اسی طرح میں بھی اب کامل ہو گیا ہوں میں بھی اس عالم کو ترک کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ عالم اس عالم اخروی کے مقابلہ میں رحم سے بھی چھوٹا ہے لہذا یہاں سے نکلنا ضروری ہوا۔

گر نباشد درد زہ بر مادرم	من درین زندان میان آذرم
اگر میری ماں کو درد زہ نہ ہوتا	میں اس قید خانہ میں آگ میں ہوتا

یعنی اگر میری ماں کو درد زہ نہ ہو تو میں اس قید خانہ میں آگ میں ہوں۔

مادر طبعم ز درد مرگ خویش	می کند زہ تا رہد برہ زمیش
میری مادر طبیعت اپنی موت کے درد سے	زہ میں ہے تا کہ بھیڑ کا بچہ بھیڑ سے نکل آئے

یعنی میری مادر طبع اپنی موت کے درد سے درد زہ کرتی ہے تا کہ بچہ بھیڑ سے چھوٹ جاوے۔

تا چرد آن برہ در صحرائے سبز	ہیں رحم بکشا کہ گشت آن برہ گبز
تا کہ وہ بھیڑ کا بچہ سرسبز میدان میں چگے	ہاں رحم کو کھول کیونکہ وہ بھیڑ کا بچہ فرب ہو گیا ہے

یعنی تا کہ وہ بچہ سرسبز جنگل میں چرے ارے رحم کھول دو کہ بچہ خوب ڈبل ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو اگر ماں کو درد زہ کی تکلیف نہ ہو تو وہ بیچارہ بچہ پیٹ میں سے کس طرح باہر آوے بلکہ وہ تو وہیں گھٹ گھٹ کر مر جاوے تو جب اس کو درد زہ کی تکلیف ہوتی ہے جب ہی تو وہ بچہ نکل کر سرسبز جنگل میں چرتا ہے اور پھر کامل ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر اس بدن کو اور روح کو نزع کی ذرا سی کلفت نہ ہو تو پھر یہ روح جو اس میں پھنسی ہوئی ہے کس طرح نکلے۔ اور کس طرح علوم و معارف کو حاصل کرے۔ یہ تو جب ہی حاصل کر سکتی ہے جبکہ اس تن عنصری کو تکلیف ہو اور پھر یہ روح اس سے الگ ہو پھر اس کا کمال اور جمال دیکھو۔

درد زہ گر رنج آبستان بود	بر جنین اشکستن زندان بود
درد زہ اگرچہ حاملہ کے لئے موجب تکلیف ہوتا ہے	بچے کے لئے قید خانہ کا ٹوٹنا ہوتا ہے

یعنی درد زہ اگرچہ حاملہ کے لئے تکلیف ہوتی ہے (لیکن) بچہ پر قید خانہ کا ٹوٹنا ہوتا ہے۔

حاملہ گریان زرہ کاین المناص	وان جنین خندان کہ پیش آمد خلاص
حاملہ درد زہ سے روتی ہے کہ بچاؤ کی جگہ کہاں ہے	اور وہ بچہ ہنستا ہے کہ چھٹکارا درپیش ہے

یعنی حاملہ تو دردزہ سے رورہی ہے کہ چھٹکارا کہاں ہے اور وہ بچہ خوش ہے کہ چھٹکارا سامنے آگیا مطلب یہ کہ حاملہ کے لئے تو دردزہ مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ اس سے چھوٹنا چاہتی ہے لیکن بچہ کو اس سے بیحد خوشی ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ چھٹکارے کا وقت آگیا اور اب اس قید خانہ سے چھٹکارا ہوگا تو اسی طرح جو حضرات کہ کامل ہوگئے ہیں وہ اس دنیا میں گھبراتے ہیں اور جب نزع ہوتی ہے اور نزع کی تکلیف ہوتی ہے تو ان کی روح خوش ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اس سے چھٹکارا ہوا آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہرچہ زیر چرخ ہستند امہات	از جماد و از بہیمہ وز نبات
جو مائیں آسمان کے نیچے ہیں	جمادات' اور حیوانات' اور نباتات سے

یعنی آسمان کے نیچے جو مائیں ہیں جمادات سے اور جانوروں میں سے اور نباتات میں سے۔

ہر یکے از درد غیرے غافل اند	جز کسانیکہ نبیہ و عاقل اند
ہر ایک دوسرے کے درد سے غافل ہے	سوائے ان کے جو خبردار اور عقلمند ہیں

یعنی کہ ہر ایک دوسرے کے درد سے غافل ہیں سوائے ان لوگوں کے جو کہ سمجھدار اور عاقل ہیں۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جس قدر مائیں ہیں ان کو صرف اپنے درد کی خبر ہوتی ہے اور وہ اپنے درد کی مصیبت سے چھوٹنا چاہتی ہیں باقی ان کو دوسرے کے درد اور مصیبت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بس وہ تو یہ چاہتی ہیں کہ ہم پر جو مصیبت ہے وہ جاتی رہے گی اگرچہ بچہ کو اندر کیسی ہی مصیبت ہو ہاں جو حضرات کہ عاقل ہیں ان کو دوسروں کے درد کا بھی احساس ہوتا ہے اور وہ اس کا بھی خیال کرتے ہیں۔

انچہ کوسہ داند از خانہ کسان	بلمہ از خانہ خودش کے داند آن
جو بچگی داڑھی والا لوگ کے گھر کے بارے میں جانتا ہے	لمبی داڑھی والا اپنے گھر کے بارے میں بھی کب جانتا ہے؟

یعنی بے داڑھی والا آدمی دوسرے لوگوں کے گھر کی جن چیزوں کو جانتا ہے داڑھی والا آدمی خود اپنے گھر کی چیزوں کو کب جانتا ہے مطلب یہ کہ بے داڑھی والا آدمی چونکہ گھروں کے اندر جاتا ہے اس کو تو دوسروں کے گھروں کی بھی خبر ہوتی ہے اور جو بڑا داڑھی والا آدمی ہو جاتا ہے اس کو اپنے گھر کی بھی بعض چیزوں کی خبر نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں بے ریش سے مراد عقلمند ہے اور باریش سے مراد بیوقوف ہے کیونکہ زیادہ عمر ہونے سے آدمی سٹھیا ہی جاتا ہے تو مقصود یہ ہوا کہ عاقل آدمی (یعنی اہل اللہ کہ اصلی عاقل وہی ہیں) تو دوسروں کے درد کی اور تکلیف کی بھی خبر رکھتے ہیں اور جو بیوقوف ہیں (یعنی اہل دنیا) ان کو خود اپنی ہی پڑی رہتی ہے اور اپنی بھی خبر اچھی

طرح اور پوری طرح نہیں ہوتی۔

انچہ صاحب دل بداند حال تو	تو ز حال خود ندانی اے عمو
صاحب دل جو کچھ تیرے حال کے بارے میں جانتا ہے	اے چچا! تو خود (ویسا) اپنی حالت کو نہیں جانتا ہے

یعنی صاحب دل جو بات تیری حالت کی جانتا ہے چچا تو اپنے حال کو نہیں جانتا۔

انچہ بیند در جبینت اہل دل	کے بہ بینی در خود اے از خود خجل
صاحب دل جو کچھ تیری پیشانی میں دیکھتا ہے	اے اپنے آپ سے شرمندہ! تو خود اپنے بارے میں کب جانتا ہے؟

یعنی جو بات تیری پیشانی میں اہل دل دیکھتا ہے اے وہ کہ اپنے سے شرمندہ ہے تو اپنے اندر کب دیکھے گا۔ مطلب یہ کہ تیری حالت کو جس قدر کہ اہل دل جانتے ہیں اور وہ پہچان لیتے ہیں تو اس قدر بھی اپنی حالت کو پہچان نہیں سکتا کیونکہ تجھے اس قدر سمجھ اور عقل ہی نہیں ہے آگے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ اہل دل کیوں سمجھ لیتے ہیں اور غیر اہل کو کیوں خبر نہیں ہوتی۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جبکہ بلال رضی اللہ عنہ ضعف سے مانند ہلال ہو گئے تو آپ کے چہرہ پر موت کی زردی چھا گئی اور آثار وفات نمایاں ہو گئے ان کی بیوی نے جب یہ حالت دیکھی تو کہا ارے ہم تو لٹ گئے اس پر حضرت بلال نے فرمایا کہ نہیں نہیں یہ بڑی خوشی کا وقت ہے اب تک تو میں اس زندگی کے ہاتھ سے مصیبت میں تھا مگر اب عیش کا زمانہ آیا ہے تم اس سے گھبراتی ہو۔ تمہیں کیا معلوم کہ موت میں کیسی راحت ہے اور موت کیا چیز ہے وہ یہ کہہ رہے تھے اور اس وقت ان کا چہرہ نرگس اور گل برگ اور لالہ کی طرح شگفتہ ہو رہا تھا ان کے چہرہ اور پر انوار آنکھوں کی رونق ان کے اس بیان کی شہادت دے رہے تھے اب مولانا فرماتے ہیں کہ سیہ دل لوگ ان کو صرف سیاہ رنگ حبشی دیکھتے تھے اس لئے ان کو خاطر میں نہ لاتے تھے مگر ہم ان احمقوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر سیاہ ہونا ہی دلیل حقارت ہے تو آنکھوں کی پتلی سی شریف اور عزیز چیز کیوں سیاہ ہے پس معلوم ہوا کہ رنگ ظاہری کوئی چیز نہیں بلکہ مدار شرف وعزت کمال ہے پس بلال کو کیوں محقر سمجھا جاتا ہے جب معلوم ہوا کہ مدار تعظیم وتحقیر ذلت وعزت کمال پر ہے نہ کہ رنگ پر تو جو لوگ کور باطن ہیں وہ گو گورے رنگ کے ہوں مگر حقیقت میں سیاہ ہیں اور صاحب بصیرت گو سیاہ رنگ ہوں مگر حقیقت میں وہ حق سبحانہ کا آئینہ ہیں اب حضرت بلال کو خطاب فرما کر کہتے ہیں کہ اے صاحب بصیرت یا اے آنکھ کی پتلی بلال تمہیں بجز اہل کمال کے جو دوسروں کی بصیرت بڑھانے والے یا خود کامل بصیرت رکھنے والے ہیں دوسرا کون دیکھ سکتا ہے اور اس کو آپ کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے اب خطاب ہے غیبت کی طرف التفات فرما کر کہتے ہیں کہ جب ان کو بجز ارباب بصیرت کے کوئی نہیں دیکھ سکتا تو ان کی رنگت کی تہ کو بھی دوسرا نہیں پہنچ سکتا اور اس کی قدر نہیں کر سکتا۔ دیکھنے والے تو ارباب بصیرت ہی ہیں لیکن اگر ان کے علاوہ کوئی اور کسی عالی نظر شخص کے صفات کا معترف اور اس کے کمالات کا معتقد ہو تو

مقلد ہوگا۔ نہ کہ محقق اس استطرادی مضمون کو ختم فرما کر پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی بیوی نے کہا کہ اب کوئی دم میں جدائی ہونے والی ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں یہ اصلی جدائی نہیں بلکہ یہ جدائی حق سبحانہ کے ساتھ وصال ہے ان کی بیوی نے کہا کہ آج کی رات آپ گھر سے بے گھر ہو نگے اور اپنے کنبہ اور اپنے عزیزوں سے غائب ہوں گے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں نہیں بلکہ آج کی رات تک میری روح گھر سے بے گھر تھی اب وہ اپنے اصلی وطن میں پہنچے گی۔ ان کی بیوی نے کہا کہ اے میرے پیارے سخت افسوس ہے کہ آپ انتقال فرمانے کو ہیں انہوں نے جواب دیا کہ نہیں نہیں افسوس کی کوئی بات نہیں یہ تو بڑی دولت ہے ان کی بیوی نے کہا کہ ہم اب آپ کا چہرہ کہاں دیکھیں گے انہوں نے فرمایا کہ خدا کے حلقہ خاص اور اس کی آغوش رحمت میں اگر تم یہ کہو کہ وہاں تک ہماری رسائی کیونکر ہو سکتی ہے تو یاد رکھو کہ اگر تم عالی نظری اختیار کرو اور پست ہمت نہ بنو دنیا پر لات مار دو تو وہ حلقہ تم سے بہت ہی قریب ہے اور تم بہت جلد وہاں تک پہنچ سکتے ہو اس حلقہ رحمت میں حق سبحانہ کا نور یوں چمکتا ہے جیسے انگوٹھی کے حلقہ میں اس کا نگینہ۔ پس وہ نور میرے دیکھنے کا ذریعہ بن جائے گا۔ (اور یہ بھی ممکن ہے کہ حلقہ خاص خدا سے مراد گروہ اہل اللہ ہو۔ اس وقت گروہ اہل اللہ میں حضرت بلال کو دیکھنے کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ تمام اہل اللہ چونکہ صفات میں متشابہ ہوتے ہیں اس لئے ان کا دیکھنا گویا کہ حضرت بلال ہی کا دیکھنا ہے اور یہ توجیہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس حلقہ میں تم کو قوت کشفیہ حاصل ہوگی اور تم اس سے مجھے دیکھ سکتی ہو) ان کی بیوی نے کہا کہ ہائے ہمارا گھر اجڑ گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ چاند کو دیکھو ابر کو نہ دیکھو یعنی جسم کی حالت دیکھنے کے قابل نہیں ہے بلکہ روح کی حالت قابل لحاظ ہے (یاد رکھو کہ بیوی کے سوال میں ایک لفظ میں اور معنی ہوتے ہیں اور حضرت بلال کے جواب میں اس کے دوسرے معنے یا بیوی کے گفتگو کا منشا اور ہوتا ہے اور حضرت بلال کے جواب کا معنی دوسرا۔ اور یہ اس قبیل سے ہے جیسے یسئلونک عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج. یامثل سوال لاحملنک علی الادهم و جواب مثل الامیر یحمل علی الادهم و الاشهب اور اول سے یہی روش چلی آ رہی ہے چنانچہ یہاں بیوی نے گھر سے مکان متعارف مراد لیا اور حضرت بلال نے اس کو خانہ تن پر محمول کر کے جواب دیا۔ فتنبہ لہ) حق سبحانہ نے میرے خانہ تن کو اس لئے ویران کیا ہے کہ اس کو دوبارہ آباد کرے کیونکہ آدمی (واردات) زیادہ ہو گئے تھے اور گھر چھوٹا تھا۔ اس میں ان کی گنجائش نہ تھی پہلے تو میں حضرت آدم علیہ السلام کی طرح تنہائی کی تکلیف میں مقید تھا اب جبکہ حق سبحانہ نے میری نسل بڑھائی اور میری روح سے علوم و معارف کے چشمے ابلے تو ان کی کثرت کی یہاں تک نوبت پہنچی کہ مشرق و مغرب ان سے پر ہو گئی پس یہ جہان مجھ پر تنگ ہو گیا اور نقل مکان کی ضرورت ہوئی۔ نیز پہلے تو میں مفلس تھا اور اس کنویں کی طرح تنگ مکان دنیا میں رہتا تھا اب میں بادشاہ ہو گیا ہوں۔ لہذا میں اس تنگ مکان میں نہیں رہ سکتا۔ میرے لئے قصر شاہی سے وسیع مکان کی ضرورت ہے۔ بادشاہوں کا جی تو محلات ہی میں لگتا ہے رہے مردے ان کے رہنے کے لئے گور کافی ہے پس اس عالم میں اہل دنیا ہی رہ سکتے ہیں میں نہیں رہ سکتا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ انبیاء علیہم السلام اور ورثا انبیاء پر یہ مکان دنیا تنگ ہوا اس لئے انہوں نے جیتے جی ہی اس عالم کو چھوڑ دیا اور بادشاہوں کی طرح قصر لامکان میں رہنے لگے۔ رہے مردے

اہل دنیا سوان کو یہی جہان باشوکت وشان نظر آیا جو بظاہر نہایت عالیشان ہے اور حقیقت میں نہایت تنگ اس لئے انہوں نے یہیں رہنا پسند کیا۔ ہم نے اس جہان کو حقیقت میں تنگ اس لئے کہا کہ اگر یہ فی الواقع تنگ نہ ہوتا تو یہ پریشانی۔ شور وشیون نالہ وفغان جورات دن ہم اس مکان کے رہنے والوں میں دیکھتے ہیں کیوں ہوتا اور یہ کیوں ہوتا کہ جتنا زیادہ کوئی اس مکان میں رہتا ہے اسی قدر اس کی کمر جھکتی جاتی ہے کیونکہ فراخی تو مستلزم راحت ومسرت ہے نہ کہ موجب آلام۔ وہموم۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جہان واقع میں تنگ ہے اور اس کی تائید اس سے ہوسکتی ہے کہ جب آدمی سوتا ہے اور اس عالم سے چھوٹ کر اس کو عالم غیب سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی ساری کدورتیں مٹ جاتی ہیں اور وہ تر وتازہ اور خوش وخرم ہو جاتا ہے نہ اسے کوئی رنج ہوتا ہے نہ تکلیف اور روح طبیعت ونفس کے ظلم سے چھوٹ جاتی ہے اور قیدی جیل خانہ کے فکر سے رہائی پاتا ہے اور یہی حالت اوروں کی ہوتی ہے پس ثابت ہوا کہ زمانہ اقامت دنیا میں یہ بظاہر نہایت کشادہ آسمان وزمین فی الحقیقت نہایت تنگ ہیں اور ان کی ظاہری فراخی اور واقعی تنگی ایک نظر بندی ہے اور اس کا رونا حقیقت میں ہنسی ہے اور اس کا فخر حقیقت میں ننگ۔ اب بھی اگر سمجھ میں نہ آیا ہو تو اسی مضمون کو ہم اور مثالوں سے سمجھاتے ہیں سنو یہ عالم ایسا ہے جیسا حمام کہ نہایت فراخ اور عالی شان ہوتا ہے اور گرم بھی ہوتا ہے جس میں تم داخل ہوتے ہو تو تمہاری جان اکڑ جاتی ہے جیسے گرم ہو کر پوستین اکڑ جاتا ہے۔ دیکھو باوجودیکہ وہ حمام خوب لمبا چوڑا ہے لیکن اس کی گرمی سے تمہاری جان تنگ اور زچ ہوتی ہے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ جب تک تم وہاں سے نکلتے نہیں تمہارا جی خوش نہیں ہوتا۔ اور تمہاری طبیعت نہیں کھلتی۔ پس جب یہ حالت ہے تو وہ ظاہری فراخی کس کام کی لہذا وہ کالعدم ہے اور تنگی اس کی قابل اعتبار ولحاظ ہے لہذا اگر اس کو یوں کہا جاوے کہ حمام فراخ نہیں بلکہ تنگ ہے تو اس اعتبار سے صحیح ہے یا یوں کہہ کہ تم تنگ جوتا پہن کر ایک وسیع میدان میں چل رہے ہو پس وہ بیابان کی فراخی تمہارے لئے تنگی ہو جاتی ہے اور وہ لق ودق جنگل تمہارے لئے جیل خانہ ہو جاتا ہے مگر جو شخص تم کو دور سے دیکھتا ہے وہ اپنے دل میں کہتا ہے کہ یہ تو لالہ کی طرح شگفتہ اور نہایت راحت میں ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ تم ظالموں کی طرح بظاہر تو خوش وخرم ہو مگر تمہاری روح مصیبت میں گرفتار ہے پس جبکہ تم جاگتے ہوتے ہو اس وقت تمہاری حالت ویسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ وہ شخص جو میدان میں تنگ جوتا پہن کر چلتا ہے اور جب تم سو جاتے ہو تو ایسی حالت ہوتی ہے جیسا کہ وہ جوتا نکال دیا گیا کیونکہ اس وقت تمہاری جان آلام وہموم دنیاوی سے نجات پاتی ہے اب سمجھو جو حالت تمہاری خواب میں ہوتی ہے وہی اہل اللہ کی اس عالم میں ہوتی ہے لہذا یہ دنیا ہی ان کے لئے خواب ہے۔ ان کی حالت ایسی ہے جیسے کہ اصحاب کہف کہ وہ دنیا میں ہیں مگر سوتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ حقیقۃً سوتے ہیں اور یہ حقیقۃً نہیں سوتے بلکہ بیداری ہی میں عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بدوں دروازہ موت وخواب کے عالم غیب میں پہنچ جاتے ہیں جبکہ یہ استطرادی مضمون معلوم ہو چکا تو پھر حضرت بلالؓ کی گفتگو سنو انہوں نے فرمایا کہ یہ مکان تنگ ہے اور میری جان اس میں اٹیرن ہو رہی ہے اس لئے حق سبحانہ نے اسے ویران کیا تا کہ میرے لئے قصر شاہی تیار کرے میں اس مکان میں یوں اٹیرن ہو رہا ہوں جیسے کہ رحم میں بچہ اب چونکہ میں نو مہینہ کے بچہ کی طرح اس مکان کو چھوڑنے کے قابل ہو گیا ہوں اس لئے نقل مکانی

میرے لئے ضروری ہوئی اگر میری ماں کو دردزہ نہ ہوتو میں لامحالہ اس جیل خانہ میں بے قرار رہوں گا۔ پس ضرور ہوا کہ میری ماں یعنی طبیعت کو دردزہ کی تکلیف ہو لہذا وہ اپنی موت کی تکلیف سے گویا کہ دردزہ میں مبتلا ہے تا کہ میری روح اس سے جدا ہو اور تا کہ وہ اس سے جدا ہو کر عالم غیب کے فیوض سے متغذی ہو پس اس کو حکم ہوا کہ اپنے رحم کا منہ کھول کہ بچہ بڑا ہو گیا ہے اس کو ضرورت ہے کہ یہ تجھ سے جدا ہو جاتا کہ میری طبیعت کو نزع کی تکلیف ہے لیکن میری روح کا فائدہ ہے جس طرح کہ حاملہ کو دردزہ کی تکلیف ہوتی ہے اور بچہ کے لئے وہ جیل خانہ کا ٹوٹنا ہوتا ہے حاملہ تو دردزہ کی تکلیف میں مبتلا ہو کر روتی اور ہائے اللہ میں کیا کروں ہائے اللہ میں کہاں جاؤں کہتی ہے اور بچہ حالاً خوش ہوتا ہے کہ اس کو قید خانہ سے رہائی ہوتی ہے اس پورے مضمون سے تین باتیں مستفاد ہوئیں اول یہ کہ اہل عالم تنگی میں ہیں اور اہل اللہ اپنی تکلیف کو محسوس کرتے ہیں مگر اہل دنیا ان کی تکلیف کا احساس نہیں کرتے دوم یہ کہ اہل اللہ اہل دنیا کی تکلیف کا احساس کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اہل دنیا اپنی تکلیف کا احساس نہیں کرتے چونکہ یہ تینوں امر مستبعد ہیں اس لئے مولانا کلام آئندہ سے اس استبعاد کو دور فرماتے ہیں کہ جس قدر ہائیں کیا جمادات کیا حیوانات کیا نباتات آسمان کے نیچے ہیں علی العموم دوسرے کی تکلیف کا احساس نہیں رکھتیں بجز ان کے جو عاقل اور بیدار مغز ہیں اور بے ریش لڑکا جس قدر دوسرے لوگوں کے گھروں کی اندرونی حالت سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اس سے نہ شرم ہوتی ہے نہ پردہ۔ اتنا لمبی داڑھی والا احمق خود اپنے گھر کی حالت نہیں جانتا۔ اس سے تینوں استبعاد دفع ہو گئے اس کے بعد ایک ضروری امر کو تفریع کے طور پر تصریحاً بیان کیا جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس سے تم سمجھو کہ اہل اللہ جس قدر تمہاری حالت سے واقف ہو سکتے ہیں اس قدر تم خود اپنی حالت نہیں جان سکتے اور تمہارے بشرہ وغیرہ سے جو حالت وہ جان سکتے ہیں تم اس کو اپنے اندر نہیں دیکھ سکتے پس تم کو ان کی تقلید کرنی چاہئے اور ان کی ہدایات پر کار بند ہونا چاہئے اپنی رائے کو دخل نہ دینا چاہئے۔

شرح شبّیری

بیان میں اس کے کہ جو کچھ غفلت اور کاہلی اور تاریکی ہے سب تن سے ہے

غفلت از تن بود چون تن روح شد	بیند او اسرار را بے ہیچ بد
غفلت جسم کی وجہ سے تھی جب جسم روح بنا	وہ یقینی طور پر اسرار کو دیکھتا ہے

یعنی غفلت تو بدن سے تھی جب بدن روح ہو گیا تو وہ اسرار کو بے کسی علاج کے دیکھ لے گا مطلب یہ کہ یہ غفلت تو اس جسم عنصری کی وجہ سے ہے کہ اس عالم کے لئے پردہ اور حجاب ہو رہا ہے لیکن جب اولیاء اللہ کے جسم میں بھی صفات روح پیدا ہو گئے تو انہوں نے جسم ہی سے ان اشیاء کو دیکھ لیا اور ان کا مشاہدہ کر لیا جن کا کہ روح کر سکتی ہے۔

بس یہ وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کے تو جسم پر بھی صفات روح غالب ہوتے ہیں اور ہماری روح پر بھی صفات جسم غالب ہوتے ہیں لہذا وہ تو مشاہدہ کر لیتے ہیں اور ہم کو نظر نہیں آتا۔ آ گے اس کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

چون زمین برخاست از جو فلک	نے شب و نے سایہ باشد نے دلک
جب زمین آسمان کی فضا سے نکل جائے	نہ رات ہوگی اور نہ سایہ اور نہ زوال

یعنی جب زمین جو فلک سے اٹھ جاوے تو نہ رات ہو نہ سایہ ہو نہ غروب آفتاب ہو (جو کہتے ہیں زمین و آسمان کے درمیانی میدان کو)

ہر کجا سایہ است و شب یا سایگہ	از زمین باشد نہ از افلاک و مہ
جہاں کہیں سایہ اور رات یا سائے کی جگہ ہے	وہ زمین کی وجہ سے نہ آسمانوں اور چاند سے

یعنی جہاں کہیں سایہ ہے اور رات ہے یا سایہ کی جگہ ہے زمین ہی کی وجہ سے ہے نہ کہ افلاک اور چاند کی وجہ سے مطلب یہ کہ دیکھو اگر آسمان کے بیچ میں سے زمین ہٹ جاوے تو کل اشیاء مشاہد ہو جاویں نہ تو رات رہے نہ آفتاب غروب ہو بلکہ سب چیزیں سامنے رہیں اسی طرح اگر یہ صفات جسم نہ رہیں تو پھر سب چیزیں سامنے ہی رہیں اور روح کو علوم و معارف کا مشاہدہ ہوتا رہے کوئی ضروری شئے اس سے غائب نہ ہو۔ یہ غیوبت تو جسم کی وجہ سے ہے کہ جو اس عالم کے اشیاء کے مشاہدہ کے اور اس شخص کے درمیان میں حائل ہو رہا ہے۔ آ گے ایک دوسری مثال ہے کہ۔

دو پیوستہ ہم از ہیزم بود	کے ز آتشہائے مستنجم بود
دھواں ایندھن سے وابستہ ہوتا ہے	نہ کہ روشن کرنے والے شعلوں سے

یعنی دھواں لکڑی سے ملا ہوا ہوتا ہے دہکتی ہوئی آگ میں کب ہوتا ہے۔ (تو بس اسی طرح جو حضرات روشن ہو گئے ہیں ان میں یہ کثیف چیزیں نہیں ہیں اور جو ابھی لکڑی کی طرح ہیں اور منور نہیں ہوئے ان کے اندر یہ کثیف چیزیں موجود ہیں)

وہم افتد در خطا و در غلط	عقل باشد در اصابتہا فقط
وہم خطا اور غلطی میں مبتلا ہوتا ہے	درستگی میں صرف عقل ہوتی ہے

یعنی وہم تو خطا میں اور غلطی میں پڑتا ہے اور عقل فقط صواب میں پہنچنے کے لئے ہوتی ہے مطلب یہ کہ وہم جو کہ عکس عقل ہے وہ تو اکثر غلطی میں رہتا ہے ہاں عقل ہمیشہ ٹھیک ہی چلتی ہے تو جو حضرات عاقل ہیں وہ تو ہمیشہ ہر شئے کو درست طرح پر سمجھیں گے اور دوسرے لوگ وہم ہی میں رہیں گے۔

ہر گرانی و کسل خود از تن است	جان زخفت جملہ در پریدن است
ہر گرانی اور سستی جسم کی وجہ سے ہے	جان ہلکے پن سے پوری اڑان میں ہے

یعنی تمام گرانی اور کسل تن کی وجہ سے ہے اور جان ان سب کے سو جانے سے اڑنے میں ہے مطلب یہ کہ

گرانی اور کسل وغیرہ تو آثار تن میں سے ہے اور جب یہ آثار جاتے رہتے ہیں اور آثار تن ضعیف ہو جاتے ہیں تو پھر روح عالم بالا کی طرف پرواز کرتی ہے۔

روئے سرخ از کثرت خونہا بود	روئے زرد از جنبش صفرا بود
سرخ چہرہ خونوں کی کثرت سے ہوتا ہے	زرد چہرہ صفرے کی حرکت کی وجہ سے ہوتا ہے

یعنی سرخ منہ تو خون کی کثرت سے ہوتا ہے اور زرد منہ صفرا کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

رو سفید از قوت بلغم بود	باشد از سودا کہ روا دہم بود
سفید چہرہ بلغم کی قوت سے ہوتا ہے	سودا کی وجہ ہوتی ہے کہ چہرہ کالا ہوتا ہے

یعنی سفید منہ بلغم کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ بات سودا کی وجہ سے ہوتی ہے کہ منہ کالا ہو مطلب یہ ہے کہ دیکھو آثار کے اختلاف سے صورت میں اختلاف ہوا کہ خون کی زیادتی کی وجہ سے سرخ چہرہ ہوا اور علی ہذا تو بس اسی طرح اختلاف آثار سے اور اختلاف بھی واقع ہوتا ہے کہ اگر دنیاوی اثر پڑے گا تو ویسا حال ہوگا اور اگر دینی اثر ہوگا تو ایسا حال ہوگا۔

در حقیقت خالق آثار اوست	لیک جز علت نہ بیند اہل پوست
در حقیقت آثار پیدا کرنے والا وہ ہے	لیکن کھال والے علت کے سوا کچھ نہیں دیکھتے ہیں

یعنی حقیقت میں آثار کا خالق تو وہ ہے لیکن اہل ظاہر سوائے علت کے اور کچھ نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ تمام احوال پیدا تو ہوتے ہیں آثار سے لیکن وہ آثار خالق تعالیٰ شانہ کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں تو جو اہل ظاہر ہیں ان کی نظر تو صرف ان آثار اور علل ہی پر رہتی ہے اور جو اولیاء اللہ ہیں وہ اس خالق کو دیکھتے ہیں اور ان آثار سے اس کے وجود باوجود پر استدلال کرتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

مغز کو از پوستہا آوارہ نیست	از طبیب وعلت اورا چارہ نیست
مغز جو چھلکوں سے جدا نہیں ہے	طبیب اور بیماری سے اس کو مفر نہیں ہے

یعنی جو مغز کہ پوست سے علیحدہ نہیں ہے طبیب اور مرض سے اس کے لئے علاج نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جو عقل کہ اوصاف بشری سے خالی نہیں ہے اور جس میں کہ اوصاف بشری غالب ہیں اس عقل کو طبیب اور مرض سے چھٹکارا نہیں ہے یعنی وہ عقل مریض ہے اور اس کو طبیب کی ضرورت ہے۔

چون دوم بار آدمی زادہ بزاد	پائے خود برفرق علتہا نہاد
جب انسان دو بار پیدا ہوا	اس نے علتوں کے سر پر اپنا پاؤں رکھ دیا ہے

یعنی جب آدمی دوسری مرتبہ پیدا ہوا تو اس نے اپنا پاؤں علتوں کے سر پر رکھا۔

علت اولیٰ نباشد دین او	علت اخری ندارد کین او
پہلی علت اس کا دین نہیں ہوتی	آخری علت اس سے دشمنی نہیں رکھتی ہے

یعنی علت اولیٰ اس کا دین نہیں ہوتا۔اور علت اخری اس کا کین نہیں رکھتا۔(علت اولیٰ سے مراد علت بعیدہ ہے کیونکہ اس شخص کی نسبت تو وہ اولیٰ ہے لیکن اصل میں بعید ہے اور علت اخریٰ سے مراد علت قریبہ ہے) مطلب یہ ہے کہ جب آدمی دوسری مرتبہ پیدا ہوتا ہے یعنی اوصاف بشریہ سے نکل کر اس کے اندر اوصاف روح غالب ہوتے ہیں تو اس کی نظر علت بعیدہ پر نہیں رہتی بلکہ علت قریبہ پر اس کی نظر ہوتی ہے اور وہ اصل علت اسی کو سمجھتا ہے اور وہ خالق تعالیٰ شانہ ہے کہ وہی اصل میں ہر شی کی علت ہے اور وہی علت قریبہ ہیں اور جب اس کی نظر اس علت قریبہ پر ہوتی ہے تو اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ

می پرد چون آفتاب اندر افق	با عروسے صدق وصفوف در تتق
وہ افق میں سورج کی طرح۔ اڑتا ہے	خلوص اور سچائی کی دلہن کیساتھ درپردہ

یعنی وہ آفتاب کی طرح افق میں اڑتا ہے صدق وصفا کی عروس کے ساتھ پردۂ عروسی میں (تتق اس پردہ کو کہتے ہیں جو کہ عروس کے آگے سب سے قریب کا پردہ ہوتا ہے) مطلب یہ کہ یہ شخص پھر پرواز کرتا ہے اور صدق و صفا کے ساتھ قرین رہتا ہے اور بہت ہی عالی حوصلہ ہو جاتا ہے اور اس کی پرواز بہت ہی عالی ہو جاتی ہے۔

بلکہ بیرون از افق وز چرخہا	بے مکان باشد چو ارواح ونہی
بلکہ وہ افق اور آسمانوں سے باہر	بے مکان ہو جاتا ہے جیسا کہ روحیں اور عقلیں

یعنی بلکہ افق سے اور آسمانوں سے باہر بے مکان عقول اور ارواح کی طرح ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ اس شخص کا عروج ان آسمانوں سے بھی بلند ہو جاتا ہے اور عقول اور ارواح کی طرح لامکانی ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے اندر صفات روح وعقل ہی غالب ہوتے ہیں لہذا اس کی پرواز کل مکانات سے بلند ہو کر لامکان تک پہنچتی ہے لیکن ہم کو جو یہ عروج نہیں ہوتا باوجودیکہ عقل تو ہمارے اندر بھی ہے اس کی وجہ بتاتے ہیں کہ۔

پس عقول ماست سایہ اے عمو	می فتد چون سایہ در پاہائے او
اے چچا! ہماری عقلیں سایہ ہیں	سایہ کی طرح اس کے پاؤں پڑتی ہیں

یعنی اے چچا ہماری عقول سایہ ہیں اور اس کے پاؤں میں سایہ کی طرح پڑے رہتے ہیں مطلب یہ کہ چونکہ ہماری عقلیں ان کی عقول کی سایہ ہیں اس لئے جہاں تک خود ان کی عقل کی رسائی ہوتی ہے وہاں تک ہماری رسائی نہیں ہوتی بلکہ جہاں ان کی عقل ہوتی ہے وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں خلاصہ اس کا یہ ہے کہ دیکھو اصل احکام کے ثبوت کے لئے نص ہے اور اس کے بعد قیاس مجتہد ہے تو جہاں نص ہوتی ہے وہاں قیاس کرنا مجتہد کو جائز نہیں

ہے اور وہاں تک قیاس کی رسائی نہیں ہے اسی طرح چونکہ ہماری عقول کا درجہ ان کی عقول کے بعد ہے لہذا ہماری عقول کی رسائی وہاں تک نہیں ہوتی جہاں تک کہ ان کی عقول کی رسائی ہوتی ہے۔ یہ تو خلاصہ تھا اب اصل بیان کو سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ یہاں سے مولانا اس امر کی وجہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل اللہ کو دوسرے لوگوں کے احوال کیوں معلوم ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ منشا جہل وغفلت تن ہے نہ کہ روح چونکہ یہ لوگ تن کو فنا کر کے سراسر روح ہو گئے ہیں اس لئے لامحالہ یہ لوگ اسرار پر مطلع ہوتے ہیں دیکھو اگر وسط فلک سے زمین علیحدہ ہو جاوے تو نہ رات رہے گی نہ سایہ نہ زوال بلکہ تمام جونور سے ہر وقت معمور رہے گا پس یہی حالت بالکل جسم وروح کی ہے اگر جسم فنا ہو جاوے تو تاریکی جہل کا نام نہ رہے گا۔ اور سراسر نور علم ہی ہوگا (مگر اس سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب تاریکی جہل نہ رہے گی تو لازم ہے کہ روح کو کل اشیاء کا بحیث لا یعزب عنه مثقال ذرة علم ہو جاوے حالانکہ یہ باطل ہے کیونکہ اس سے مقصود اس جہل کی نفی ہے جس کا منشا جسم تھا ورنہ تاریکی وظلمت امکان ہنوز موجود ہے جو علم محیط سے مانع ہے اور کمل اہل اللہ وانبیاء حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی جو اشیاء مخفی رہیں اس کا منشاء یہی ظلمت امکان تھی نہ کہ تاریکی جسم امید ہے کہ اس تقریر سے وہ تمام شبہے رفع ہو جائیں گے جو مولانا کے بیان سے اہل اللہ کے علم محیط کے متعلق ناواقفین کو واقع ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ روح انسانی کے لئے دو قسم کی تاریکیاں ہیں ایک تو ظلمت جسم جو کہ عارضی اور قابل زوال ہے دوسری ظلمت امکان جو اصلی اور ناممکن الزوال ہے پس جس جہل کا منشاء ظلمت جسمانی ہو وہ جہل فنائے جسم سے مرتفع ہو جائے گا اور جس جہل کا منشاء ظلمت امکان ہو وہ فنائے جسم سے مرتفع نہ ہوگا لیکن چونکہ ظلمت قابل شدت وضعف ہے اس لئے اس میں بانارہ حق وافاضہ علوم کمی ہوتی رہتی ہے مگر بالکلیہ زائل نہیں ہو سکتی۔ پس انبیاء علیہم السلام اور کمل عرفاء کو جو باوجود فناء تن کے بعض اشیاء کا علم نہیں ہوتا اس کا سبب وہ ظلمت امکان ہوتی ہے جس میں بعد انارہ حق وافاضۂ علم کمی آتی جاتی ہے۔ اس مضمون کو ہم تقریب فہم کے لئے ایک حسی مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک شخص ہے کہ اس کے سامنے لوہے کی چادر کھڑی ہوئی ہے جو کہ اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے اس وقت وہ شخص بیرونی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا۔ اب چادر کو الگ کر دیا جاوے یا اسے جالی دار بنا دیا جاوے تو اب وہ ان اشیاء کو دیکھنے لگے گا۔ جن کو وہ لوہے کی کثافت کے باعث نہ دیکھ سکتا تھا مگر ان اشیاء کو اب بھی نہیں دیکھ سکتا جن کو اس کی محدود قوت بصری دیکھنے سے قاصر ہے اب وہ دوربین یا خوردبین یا مجلی بصر دواؤں کا استعمال کرے تو اس سے اس کی نظر اور زیادہ ہو گی اور جو چیزیں پہلے نہ دکھلائی دیتی تھیں اب دکھلائی دینے لگیں گی۔ مگر اب بھی وہ قوت محدود ہی رہے گی اور بہت سی اشیاء اب بھی اس کو نہ دکھلائی دیں گی لیکن جب وہ پہلے سے زیادہ قوی دوربین یا خوردبین یا مجلی بصر دواؤں کا استعمال کریگا تو اس کی نظر اور تیز ہو گی مگر پھر بھی وہ محدود ہی رہے گی اور بہت سی اشیاء اب بھی اس کو دکھلائی نہ دیں گی غرضکہ اس کی نظر بڑھتی تو ضرور رہے گی مگر ہر

مرتبہ محدود ہی رہے گی کسی وقت بھی اس کی قوت بینائی غیر محدود نہیں ہو سکتی۔ پس یہی حالت تم اہل اللہ کی سمجھو کہ فنائے جسم یعنی تجلیہ جسم کے بعد بھی ان کی قوت مدرکہ محدود ہی رہتی ہے اور افاضہ علوم و معارف سے اس میں ترقی ضرور ہوتی ہے مگر ترقی پر بھی وہ محدود ہی رہتی ہے۔ واللہ اعلم) پس جہاں کہیں سایہ ہے یا رات ہے یا محل سایہ ہے اس کا منشاء زمین ہی ہے نہ کہ افلاک اور چاند دھواں جو ایک تاریک چیز ہے ہمیشہ لکڑی ہی سے پیدا ہوتا ہے جو کہ جسم کثیف ہے آگ سے پیدا نہیں ہوتا۔ پس جہل عارضی بھی جسم ہی سے پیدا ہوگا نہ کہ روح سے اور غلطی و وہم کرتا ہے جو ایک جسمانی قوت ہے نہ کہ عقل جو ایک قوت روحانی ہے مگر اپنی قوت کے محدود ہونے سے تمام اشیاء کا ادراک نہیں کر سکتی جو گرانی اور کسل ہے وہ جسم ہی کے سبب ہے۔ رہی جان سو وہ تو اپنی خفت کے سبب عروج ہی میں ہے۔ یہ اسباب مذکورہ مسببات مزبورہ کا یوں ہی سبب ہیں۔ جس طرح کہ کثرت خون سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور ہیجان صفرا سے چہرہ زرد ہو جاتا ہے قوت بلغم سے منہ سفید ہو جاتا ہے اور سودا سے منہ سیاہ ہو جاتا ہے لیکن یہ اسباب ان آثار کے پیدا کرنے والے نہیں۔ پیدا کرنے والے حق سبحانہ ہی ہیں ہاں عادۃً ان اسباب کو خلق آثار میں دخل ضرور ہے لیکن ظاہر بین لوگ غلطی یہ کرتے ہیں کہ وہ مؤثر حقیقی کو نہیں دیکھتے بلکہ اعتقاداً یا عملاً علل ظاہرہ و اسباب عادیہ ہی پر نظر رکھتے ہیں اور جو ارواح کہ اجسام سے علیحدہ نہیں ہیں اور اجسام کو ہنوز فنا نہیں کر چکی ہیں ان کے لئے امراض یعنی حاجات بھی ضروری ہیں۔ اور ان کے دفع کے لئے طبیب یعنی اسباب عادیہ بھی لابدی نہیں مگر جبکہ آدمی ایک مرتبہ اپنے کو فنا کر کے پھر بقا حاصل کرتا ہے اس وقت وہ علتوں کو بے حقیقت سمجھتا ہے نہ وہ علل بعیدہ کا معتقد ہوتا ہے اور نہ علل قریب اس کو ضرر پہنچاتی ہیں بلکہ وہ تو یوں بلند پرواز ہوتا ہے جیسے کہ آفتاب افق میں اور وہ تو پردہ کے اندر عروس صدق و صفا کے ساتھ ہم آغوش ہوتا ہے بلکہ وہ تو افق اور آسمانوں سے بھی اوپر اور عقول و افہام کی طرح لامکانی ہوتا ہے یعنی اس کی نظر بالذات غیر اللہ پر نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطمح نظر صرف حق سبحانہ ہوتے ہیں وہ حقیقۃً انہی کو موثر جانتا ہے اور اسباب کا جو کسی قدر دخل مانتا ہے وہ بھی اس طرح کہ ان کا دخل بھی بحکم حق سبحانہ ہی ہے ورنہ یہ فی نفسہا کوئی چیز نہیں جبکہ اس کی رفعت شان کی یہ حالت ہے تو ہماری عقول اس کے سامنے یوں ہی بے حقیقت اور ضعیف اور اس کے یوں ہی تابع ہیں جیسے آفتاب کے لئے سایہ۔

شرح شبیری

نص مطلق کو جو کہ بے قید ہوتی ہے قیاس سے تشبیہ دینا

مجتہد ہر گہ کہ باشد نص شناس	اندران صورت نیندیشد قیاس
مجتہدؒ جبکہ نص سے واقف ہوتا ہے	وہ اس صورت میں قیاس نہیں کرتا ہے

یعنی مجتہد جس وقت کہ نص شناس ہوتا ہے تو اس صورت میں قیاس کو نہیں سوچتا مطلب یہ کہ جب مجتہد کو کسی صورت میں نص مل جاتی ہے تو وہ اس صورت میں قیاس سوچتا ہی نہیں بلکہ اسی نص پر عمل کرتا ہے۔

چون نیابد نص اندر صورتے	از قیاس آنجا نماید عبرتے
اگر کسی صورت میں اس کو نص نہیں ملتی ہے	قیاس سے اس مقام پر تعبیر کرتا ہے

یعنی جب کسی صورت میں نص نہیں پاتا تو قیاس سے اس جگہ اعتبار کرتا ہے یعنی جب کسی صورت میں نص نہیں ملتی تو اس وقت قیاس پر عمل کرتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

نص وحی روح قدسی دان یقین	وان قیاس عقل جزوی تحت این
قدسی روح کے الہام کو تو نص سمجھ	اور ناقص عقل کا قیاس اس سے کم ہے

یعنی نص کو یقیناً روح قدسی کی وحی جانو اور وہ عقل جزوی کا قیاس اس کے نیچے ہے (وحی روح قدسی سے مراد علوم ذوقیہ ہیں اور قیاس عقل جزوی سے مراد کسبیہ ہیں) مطلب یہ ہے کہ علوم ذوقیہ تو مثل نص کے ہیں اور علوم کسبیہ قیاس کی طرح ہیں تو جہاں علوم ذوقیہ کی رسائی ہوتی ہے وہاں علوم کسبیہ کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ

عقل از جان گشت با ادراک وفر	روح او را کے شود زیر نظر
عقل، روح سے باعلم و شوکت بنی	روح اس کے ماتحت کب ہو سکتی ہے؟

یعنی عقل جان سے ہی تو با ادراک وفر ہوئی ہے تو روح اس کے زیر نظر کب ہو سکتی ہے مطلب یہ کہ عقل کو جو کچھ حاصل ہوا ہے یہ روح ہی کا تو ظل ہے اور اسی کا تو اثر ہے پھر بھلا عقل روح کو کب احاطہ کر سکتی ہے کیونکہ جس ادراک سے اس کا احاطہ کرنا چاہئے وہ تو خود اسی کا فیضان ہے۔

لیک جان در عقل تاثیرے کند	زان اثر آن عقل تدبیرے کند
لیکن روح عقل میں اثر کرتی ہے	اس اثر سے وہ عقل تدبیر کرتی ہے

یعنی لیکن جان عقل میں کوئی تاثیر کرتی ہے تو اس اثر سے وہ عقل کوئی تدبیر کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب عقل پر روح اپنا پرتو ڈالتی ہے اور کچھ اثر اس میں کرتی ہے تو وہ عقل بھی کچھ تدبیر کرنے لگتی ہے۔

نوح وار ار صدمتے زد در تو روح	کویم و کو کشتی و طوفان نوح
اگر روح نے نوح کی طرح تجھ میں اثر کیا ہے	سمندر کہاں ہے کشتی اور نوح کا طوفان کہاں ہے؟

یعنی نوح کی طرح اگرچہ کوئی اثر روح نے تمہارے اندر کیا بھی تو کہاں دریا اور کہاں کشتی اور کہاں طوفان نوح۔ مطلب یہ ہے کہ اگر عقل میں روح نے کچھ اثر کر بھی دیا لیکن بھلا وہ افعال روح کہاں سے آویں گے یعنی اس اثر سے وہ اصلی افعال روح تو پیدا نہیں ہو سکتے تو پھر بھلا کہاں وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

عقل اثر را روح پندارد و لیک	نور خور از قرص خور دور است نیک
عقل، تاثیر کو روح سمجھ جاتی ہے لیکن	سورج کا نور، سورج کی ٹکیہ سے بہت دور ہے

یعنی عقل اثر کو روح خیال کرتی ہے لیکن خورشید کا نور خورشید کی ٹکیا سے بہت دور ہے مطلب یہ کہ عقل کی رسائی ان آثار تک تو ہو جاتی ہے اور وہ ان آثار روح ہی کو روح سمجھنے لگتی ہے لیکن بھلا کہاں وہ آثار اور کہاں وہ روح اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی دھوپ کو اور آفتاب کو ایک سمجھے تو بھلا کہاں خود آفتاب اور کہاں اس کی شعاع یعنی دھوپ آگے فرماتے ہیں کہ۔

زان بقرصے سالکے خورسند شد	تا ز نورش سوئے قرص افگند شد
سالک اس (نور) کی وجہ سے ٹکیہ پر خوش ہوا	یہاں تک کہ اس کے نور سے ٹکیہ کی جانب روانہ ہوا

یعنی ایک سالک اس لئے قرص پر راضی ہو گیا تاکہ اس کے نور سے ٹکیا کی طرف پھینکا گیا ہو جاوے (قرص اول سے مراد افعال و مجاہدات اور قرص ثانی سے مراد ذات حق) مطلب یہ ہے سالک جو افعال اور مجاہدات پر راضی ہو گیا اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تاکہ یہ نور قرص خود اس قرص تک اس کو پہنچا دے یعنی یہ افعال حق ذات حق تک رسائی کرا دے اور یہ راہبر ہو جاوے۔

زانکہ ایں نورے کہ اندر سافل است	نیست دایم روز و شب او آفل است
اس لئے کہ یہ نور جو عالم سفلی میں ہے	مستقل نہیں ہے روز و شب میں وہ غروب کر جانے والا ہے

یعنی اس لئے کہ یہ نور جو کہ سافل میں ہے دایم نہیں ہے رات دن غروب ہونے والا ہے مطلب یہ کہ نور خورشید جو کہ زمین پر پڑ رہا ہے یہ تو ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے۔ بلکہ ہر گھڑی غروب اور زائل ہونے والا ہے اور قرص خورشید ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس کو غروب نہیں ہے بلکہ وہ کسی نہ کسی جگہ ظاہر ہی رہتی ہے تو جو شخص کہ ان افعال کے مشاہدہ میں ہو گا جو کہ نور خورشید کی مانند ہیں وہ تو ہمیشہ زوال میں رہے گا۔

وانکہ اندر قرص دارد باش و جا	غرقۂ آن نور باشد دائما
وہ جو ٹکیہ میں قیام اور جگہ رکھتا ہے	وہ ہمیشہ اس نور میں غرق رہتا ہے

یعنی اور جو شخص کہ قرص میں ٹھکانہ اور جگہ رکھتا ہے تو وہ اس نور میں ہمیشہ غرق رہتا ہے۔

نے سحابش رہ زند نے خود غروب	وا رہید او از فراق سینہ کوب
نہ ابر اس کے لئے مانع بنتا ہے نہ خود ڈوبنا	وہ سینہ پیٹنے والی جدائی سے نجات پا گیا

یعنی نہ بادل اس کے لئے رہزن ہوا اور نہ خود غروب وہ فراق سینہ کوب سے چھوٹ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص افعال سے گزر کر خود ذات باری تعالیٰ کے قرب میں آ گیا اس کو اب افعال سے استدلال کی ضرورت نہیں رہی بلکہ وہ تو ہمیشہ اور ہر وقت نور ہی نور میں غرق رہے گا۔ اس کو کبھی بھی ذہول نہ ہو گا اور جو صرف آثار ہی پر رہا اور اس مؤثر پر اس کی نظر نہ ہوئی وہ ہمیشہ زوال میں رہے گا خوب سمجھ لو آگے فرماتے ہیں کہ۔

این چنین کس اصلش از افلاک بود	یا مبدل گشت گر از خاک بود
ایسے شخص کی اصل آسمانوں سے ہوتی ہے	اگر وہ خاک سے تھا تو تبدیل ہوگیا ہے

یعنی ایسے شخص کی اصل یا تو افلاک سے تھی یا اگر خاک سے تھی تو بدل گئی۔

زانکہ خاکے را نباشد تاب آن	کہ زند بروے شعاعش جاودان
کیونکہ خاکی میں اس کی طاقت نہیں ہوتی ہے	کہ اس پر اس کی شعاع ہمیشہ پڑے

یعنی اس لئے کہ خاکی کو اس کی تاب نہیں ہوتی کہ اس پر اس خورشید کی شعاع ہمیشہ پڑتی رہے۔ مطلب یہ کہ ایسا شخص یا تو اصل ہی سے اس پر صفات روح کا غلبہ ہوتا ہے اور یا یہ کہ تھا تو غلبہ عناصری کا لیکن اس کی حالت بدل گئی اور غلبہ صفات روح کا ہوگیا۔ اب اس کے اندر یہ بات پیدا ہوسکتی ہے ورنہ اگر صفات روح کا غلبہ نہ ہوتو اس نورافگنی کی تو وہ تاب بھی نہیں لاسکتا۔ آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

گر زند بر خاک دائم تاب خور	آنچنان سوزد کہ ناید زو ثمر
اگر زمین پر ہمیشہ سورج کی شعاع پڑے	ایسی جل جائے کہ اس سے پھل نہ پیدا ہو

یعنی اگر خاک پر ہمیشہ خورشید تپش ڈالے تو وہ اس طرح جل جاوے کہ اس سے پھل نہ آوے مطلب یہ کہ اگر زمین پر سخت دھوپ ہی پڑتی رہے تو ظاہر ہے کہ تمام زمین جل کر سیاہ ہوجاوے اور پھر نہ اس میں کوئی درخت ہوسکے اور نہ کوئی پھل پیدا ہوسکے تو اسی طرح اگر ہر گھڑی اور ہر وقت تجلی ہی میں رہے تو وہ بھی جل جاوے اور پھنک جاوے اور وہ بھی اس کی تاب نہیں لاسکتا۔ آگے ایک دوسری مثال ہے کہ۔

دائم اندر آب کار ماہے است	مار را با او کجا ہمراہی است
ہمیشہ پانی میں رہنا، مچھلی کا کام ہے	سانپ کی اس کے ساتھ ہمراہی کہاں ہوسکتی ہے؟

یعنی ہمیشہ پانی میں رہنا مچھلی کا کام ہے سانپ کو اس کے ساتھ کب ہمراہی ہے مطلب یہ کہ جو اولیاء اللہ ہیں وہ ہر وقت مورد تجلی رہ سکتے ہیں اور ان کے اندر اس قدر تحمل ہوسکتا ہے ورنہ جو عوام ہیں وہ اس تجلی کو ہر وقت برداشت نہیں کرسکتے۔ آگے مکاروں کے مکر کو کھولتے ہیں کہ۔

لیک در کہ مار ہائے پرفن اند	اندرین یم ماہیہا می کشند
لیکن پہاڑوں میں بہت سے پرفن سانپ ہیں	جو اس سمندر میں مچھلیوں کو مار رہے ہیں

یعنی لیکن پہاڑ میں بہت سے مکار سانپ ہیں جو کہ اس دریا میں مچھلی پن کرتے ہیں۔

مکر شان گر خلق راشیدا کند	ہم ز دریا تاسہ شان رسوا کند
ان کی مکاری اگرچہ لوگوں کو فریفتہ کرتی ہے	(لیکن) دریا سے ان کی گھبراہٹ ان کو رسوا کرتی ہے

یعنی ان کا مکر اگر مخلوق کو شیدا کر لے تو ان کا دریا سے گھبرانا ان کو رسوا کر دے گا۔ مطلب یہ کہ بہت سے مکار ایسے ہیں جو کہ ظاہر میں صوفی صافی اور زاہد و متقی بنتے ہیں اور ہوتے ہیں مکار تو اگر ان کا مکر ایک دفعہ لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا بھی لے گا لیکن جب شریعت کی کسوٹی پر رکھ کر ان کو پرکھا جاوے گا تو آخر ان کی قلعی کھل جاوے گی اور معلوم ہو جاوے گا کہ ان کی کیا حالت ہے کیونکہ شریعت پر ہر وقت عمل کرنے سے ان کا دل گھبراوے گا اس سے صاف معلوم ہو جاوے گا کہ ان کا تقوے اور زہد سب بناوٹ کا تھا۔

ذاندرین یم ماہیان تو سن اند	مار را از سحر ماہی می کنند
اس سمندر میں قوی مچھلیاں ہیں	جو سانپ کو تدبیر سے مچھلی بنا دیتی ہیں

یعنی اور اس دریا میں بڑی زبردست مچھلیاں ہیں جو کہ سانپ کو جادو سے مچھلی بنا لیتی ہیں۔

گر تو ماری شو قرین ماہیاں	تا شوی چو ماہیان در یم رواں
اگر تو سانپ ہے، مچھلیوں کا ساتھی بن جا	تاکہ مچھلیوں کی طرح سمندر میں چلے

یعنی اگر تو سانپ ہے تو تو مچھلیوں کے قریب رہ تاکہ تو مچھلیوں کی طرح دریا میں روانہ ہو۔ مطلب یہ کہ جیسے کہ اس دنیا میں مکار بہت ہیں اسی طرح ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کہ عوام کو اولیاء اللہ بنا دیں تو اگر تم عوام میں سے ہو اور تم کو قرب حق حاصل نہیں ہے تو تم ان حضرات کے قرب و جوار میں رہو اس سے تم کو قرب حق نصیب ہو جاوے گا۔ آگے ان حضرات کی صفت کرتے ہیں کہ۔

ماہیان قعر دریائے جلال	بحر شان آموختہ سحر حلال
دریائے جلال کی گہرائی کی مچھلیاں	(کہ) سمندر نے ان کو حلال جادو سکھا دیا ہے

یعنی (وہ) دریائے جلال کے گڑھے کی مچھلیاں ہیں اور دریا نے ان کو سحر حلال سکھا دیا ہے۔

بس محال از تاب ایشان حال شد	نحس آنجا رفت و نیکو فال شد
بہت سے محال ان کی طاقت سے واقعہ بن گئے ہیں	منحوس وہاں پہنچا ہے اور نیک بخت بن گیا ہے

یعنی بہت سے ناممکن امور ان کے فیض سے ممکن ہو گئے منحوس اس جگہ گیا اور نیک فال ہو گیا۔

زہر آنجا رفت و شکر شد یقین	سنگ آنجا رفت گوہر شد ثمین
وہاں زہر گیا ہے اور یقیناً شکر بن گیا ہے	وہاں پتھر گیا ہے اور قیمتی جوہر بن گیا ہے

یعنی وہاں زہر گیا اور یقیناً شکر ہو گیا اور وہاں پتھر گیا اور قیمتی موتی ہو گیا۔

خاک زر شد سنگ گوہر پائے سر	می نہ بیند جز بشر چشم بشر
خاک سونا، پتھر جوہر، پاؤں سر پر ہو گیا ہے	انسان کی آنکھ ان کو سوائے بشر کے کچھ نہیں سمجھتی ہے

یعنی خاک سونا ہوگئی اور پتھر موتی ہوگیا اور پاؤں سر ہوگیا اور چشم انسان سوائے بشر کے کسی کو نہیں دیکھتی۔
مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات دریائے جلال حق کے مچھلیاں ہیں اور حق تعالی نے ان کو ایسا تصرف عطا فرمایا ہے کہ بعض اوقات کسی کے اوپر ایسی نظر ہوتی ہے کہ وہ کام کا بن جاتا ہے تو چاہئیے کہ ان حضرات سے لگا رہے ایک نہ ایک دن کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا۔ اس لئے کہ ان حضرات کی برکت و تصرف سے بہت سی ناممکن چیزیں وجود میں آ گئیں۔ اور زہر ان کی برکت سے شکر کی طرح خوشگوار بن گیا۔ علیٰ ہذا اور چیزیں کہ وہ مضر تھیں لیکن ان حضرات کی برکت سے وہی چیزیں بے ضرر بلکہ مفید بن گئیں لیکن جس کو صفات روح حاصل نہیں ہیں اور صرف بشر ہی ہے وہ تو ان کے اندر کسی اور شے کو نہ دیکھے گا بلکہ وہ تو صرف ان کی صفت بشریت ہی پر نظر رکھے گا۔ اس کو کسی بات کی بھی ان کے کمالات میں سے خبر نہ ہوگی۔ جیسے کہ کفار کہا کرتے تھے کہ یہ نبی کیسے ہیں جیسے ہم ہیں ویسے ہی یہ ہیں کھانا کھاتے ہیں پانی پیتے ہیں تو ان کو سوائے اس کے اور ان کے کمالات باطنی نظر ہی نہ آتے تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

تا قیامت گر بگویم زین کلام	صد قیامت بگزرد وین ناتمام
اگر میں یہ بات قیامت تک بیان کروں	سو قیامتیں گزر جائیں گی اور یہ ناتمام رہے گی

یعنی اگر میں اس کلام کو قیامت تک بیان کروں تو سینکڑوں قیامتیں گزر جاویں اور یہ ناتمام ہی ہو۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کی صفات اگر ہم قیامت تک بھی بیان کریں تب بھی ختم نہیں ہوسکتیں۔ لہذا اب ہم ان کے بیان کو بند کرتے ہیں اب مولانا کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ کسی کو ان کا سننا ناگوار ہو اور سمجھے کہ یہ مضامین تو بارہا بیان ہو چکے ہیں اور پھر ان ہی کو بیان کرنے لگتے ہیں اور اس لئے کوئی اکتاوے تو آگے ان آداب کو بیان فرماتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا مرید کو شیخ کا کلام سننے کے وقت ضروری ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا عقول ناقصہ کا ادنیٰ اور روح کا اعلیٰ ہونا دوسرے انداز سے بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولاً مقدمہ کے طور پر یہ سمجھو کہ جب مجتہد کے پاس نص ہوتی ہے تو اس صورت میں وہ قیاس نہیں کرتا اور جبکہ اس کو نص نہیں ملتی اس وقت قیاس سے ایک شے کا حکم دوسرے کے لئے ثابت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نص قیاس سے فائق اور مجتہد اس حالت میں جبکہ وہ نص رکھتا ہو خود اپنے سے اعلیٰ ہے بحالیکہ وہ قیاس کرے جب یہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھو کہ نص وہ الہام ہے جو ارواح کاملہ کو ہوتا ہے پس لامحالہ عقل جزوی کا استنباط اس سے ادنیٰ ہوگا اور روح کامل عقل ناقص سے اعلیٰ ہوگی۔ وہذا ہو المدعیٰ۔ نیز عقل کو جو کچھ ادراک و شوکت حاصل ہے وہ روح ہی کی بدولت ہے پس روح اس کی محکوم کیسے ہوسکتی ہے اور جبکہ عقل روح کی محکوم ہے تو اس کو روح سے کیا نسبت۔ اس سے بھی ارواح کاملہ کا تفوق بر عقول ناقصہ واضح ہوگیا۔ عقل روح میں تصرف نہیں کرتی بلکہ روح خود

عقل میں تاثیر کرتی ہے جس کے باعث عقل تدبیر کرتی ہے اب مولانا عقل کو مخاطب کر کے اس کی کمی کو ظاہر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے عقل اگر روح نے جو کہ مثل نوحؑ ہے نوحؑ کی طرح تیرے اندر تاثیر کی ہے اور تجھے کسی قدر اپنے رنگ میں رنگا ہے تو اس سے تو اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کرنا کیونکہ دریا کشتی اور طوفان نوح یعنی وہ اسباب و علامات کہاں ہیں جن سے تو نوح دروح کی ہمسری کی مستحق ہو۔ یہاں ایک اور بات بتلا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب روح عقل میں تاثیر کرتی ہے تو وہ اس اثر ہی کو روح سمجھ جاتی ہے لیکن یہ اس کی غلطی ہے اثر اور شے ہے موثر دوسری شے۔ نورآفتاب اور قرص آفتاب میں بہت فرق ہے۔ اب مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ اثر اور چیز ہے اور موثر اور۔ اور آفتاب اور ہے اور اس کا نور اور۔ اسی وجہ سے سالک نے آثار قدرت حق پر قناعت نہیں کی اور ذات کا طالب ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آثار قدرت سے ذات تک پہنچ گیا کیونکہ یہ نور یعنی آثار قدرت جو عالم میں ہیں فانی ہیں اور ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں نیز جو شخص کہ قرص خورشید میں اپنا مسکن بنالیتا ہے اور فنا فی اللہ ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ نور میں غرق رہتا ہے نہ ابراس کی رہزنی کر کے اسے اس نور سے جدا کر سکتا ہے نہ غروب۔ غرضکہ وہ مفارقت سے جس کا نتیجہ سینہ کوبی ہے چھوٹ جاتا ہے یعنی کوئی مانع اس کو حق سبحانہ سے محجوب نہیں کر سکتا۔ لہذا وہ وصال ابدی سے متمتع ہوتا ہے۔ ایسا شخص یا تو وہ ابتداء ہی ملکوتی الاصل ہوتا ہے یا کسب سے اس کو یہ کمال حاصل ہوتا ہے اور ابتداءً وہ ناسوتی الاصل ہوتا ہے پھر کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور یہ ہم نے کیوں کہا کہ اس کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خاک رہ کر اس کو یہ صفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ خاک میں اتنی قوت نہیں ہے کہ ہمیشہ آفتاب حقیقی کی شعاعوں کو برداشت کر سکے۔ آفتاب حقیقی کی تو شان ارفع واعلیٰ ہے اگر یہ آفتاب ظاہری بھی اس پر ہمیشہ اپنی شعاعیں ڈالتا رہے تو وہ یوں بھم ہو جاوے کہ اس سے قابلیت انبات جاتی رہے نیز حق سبحانہ گویا کہ ایک بحر ہیں اور سمندر میں ہمیشہ مچھلی ہی رہ سکتی ہے جو کہ مائی الاصل ہے سانپ جو کہ خاکی الاصل ہے اس میں نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ بھی ایک دلیل ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاکی اپنی اصل پر رہ کر کمال مذکور حاصل نہیں کر سکتا تم کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ سانپ جو کہ خاکی الاصل ہے سمندر میں نہیں رہ سکتا جس کا مطلب یہ تھا کہ خاکی الاصل میں جب تک کہ اس کی کایا پلٹ نہ ہو وصال حق سبحانہ کی قابلیت نہیں لیکن اتنا اور معلوم کر لینا چاہئے کہ وہ عالم میں بڑے بے چالاک سانپ پڑے ہوئے ہیں جو اس بحر حقیقی کی مچھلی ہونا ظاہر کرتے ہیں یعنی بہت سے بنے ہوئے لوگ ہیں جو اپنے کو مقرب حق سبحانہ ظاہر کرتے ہیں مگر ان کا دھوکہ چل نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر وہ مخلوق کو اپنے پھندے میں لے بھی آئیں گے تو کیا ہے پانی سے ان کی وحشت ان کی حقیقت کھول دے گی۔ یعنی ان سے افعال واقوال واحوال ایسے صادر ہونگے جن سے ارباب بصیرت ان کی بناوٹ کو سمجھ جاویں گے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی جان لو کہ جہاں یہ بنے ہوئے لوگ ہیں وہیں حقیقی اور سچے اہل اللہ بھی ہیں تم سب کو ایک لکڑی سے نہ ہانکنا۔ یہ لوگ ایسے کامل ہیں کہ اپنے اثر سے نااہلوں کو اہل مجوبین کو عارف سانپوں کو مچھلی بنا سکتے ہیں پس اگر تو سانپ یعنی محجوب ہے تو ان مچھلیوں

(اہل اللہ) سے قریب ہوتا کہ تو بھی ان کی فیض صحبت سے دریا میں چلنے کے قابل اور وصل حق سبحانہ کے لائق ہو سکے۔ یہ لوگ جو بحر جلال کی تہ تک پہنچنے والی مچھلیاں ہیں ان کو بحر حقیقی (حق سبحانہ) نے حلال جادو تعلیم فرمایا ہے جس سے وہ قلب ماہیت کر سکتے ہیں پس ان کے پرتو سے وہ چیز جو بادی النظر میں محال معلوم ہوتی ہے متحقق بالفعل ہو جاتی ہے اور وہاں منحوس بھی جا کر سعید ہو جاتا ہے وہاں زہر شکر ہو جاتا ہے پتھر وہاں پہنچ کر ایک قیمتی موتی ہو جاتا ہے وہاں مٹی سونا اور پتھر موتی اور پاؤں سر ہو جاتا ہے۔ غرضکہ کامل کا یا پلٹ ہو جاتی ہے باوجود یکہ یہ لوگ ایسے صاحب کمال ہیں مگر عوام ان کو اپنی ہی مثل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ان هذا الا بشر مثلنا خیر یہ گفتگو تو کبھی ختم ہی نہ ہوگی اگر قیامت تک بھی میں تفصیل کرتا رہوں گا۔ تب بھی ناتمام ہی رہے گی لہذا اس کو ختم کرنا چاہئے۔

شرح شبّیری

شیخ کی زبان سے حکمت فیضان کے وقت سننے والوں اور مریدوں کے لئے آداب

برملولان این مکرر کردن است	نزد من عمرے مکرر بردن است
تنگدلوں پر یہ مکرر کرنا ہے	میرے نزدیک دو بار زندگی حاصل کرنا ہے

یعنی اکتانے والوں پر یہ مکرر کہنا ہے اور میرے نزدیک ایک عمر دوبارہ لے جانا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگ ان مضامین کو مکرر سمجھ کر ان سے اکتاتے ہیں اور میرے نزدیک ان سے ایسا نشاط ہوتا ہے کہ گویا کہ ایک جدید عمر حاصل ہوگئی اور نئی زندگی مل گئی۔

شمع از برق مکرر بر شود	خاک از تاب مکرر زر شود
شمع مکرر نور سے اونچی ہوتی ہے	مٹی مکرر گرمی سے سونا بن جاتی ہے

یعنی شمع دوبارہ روشن کرنے سے بڑھتی ہے اور خاک مکرر تپش سے سونا ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر شمع کو بار بار جلاتے رہو اور اس میں دیا سلائی لگاتے رہو تو اس کی روشنی زیادہ ہی ہوگی کم تو ہونے سے رہی۔ علے ہذا خاک پر جب بار بار آفتاب کی تپش پڑتی ہے تو دیکھو وہ سونا ہو جاتی ہے تو اسی طرح ان مضامین کی تکریر سے قلب میں نورانیت زیادہ ہوتی ہے اب آگے ایک عام قاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر ہزاران طالب اند و یک ملول	از رسالت باز می ماند رسول
اگر ہزاروں طالب ہوں اور ایک رنجیدہ	پیغام پہنچانے سے رسول رک جاتا ہے

یعنی اگر ہزاروں طالب ہوں اور ایک اکتانے والا ہو تو رسالت سے رسول باز رہ جاتا ہے مطلب یہ کہ اگر مجمع میں

ایک اکتانے والا ہو اور ہزاروں سائل ہوں تو اس اکتانے والے کا اثر پڑتا ہے اور وہ رسالت سے عاجز ہو جاتا ہے۔

این رسولان ضمیر و راز گو	مستمع خواہند اسرافیل خو
یہ دل کے پیغام رساں اسرار بیان کرنے والے	(حضرت) اسرافیل کی عادت والا سننے والا چاہتے ہیں

یعنی یہ دل راز گو کے رسول۔ سننے والا اسرافیل کی خصلت کا چاہتے ہیں مطلب یہ کہ یہ جو اولیاء اللہ ہیں جو کہ دل راز گو کے رسول ہیں اور اس کے رازوں کو ظاہر کرتے ہیں یہ بھی یوں چاہتے ہیں کہ ہماری باتوں کا سننے والا ایسا مستعد ہو کہ ہمہ تن ہماری ہی طرف متوجہ رہے۔

نخوتے دارند و کبرے چون شہان	چاکری خواہند از اہل جہان
وہ شاہوں کی سی نخوت اور بڑائی رکھتے ہیں	دنیا داروں سے خدمتگاری چاہتے ہیں

یعنی ایک نخوت اور کبر بادشاہوں کی طرح رکھتے ہیں اور اہل جہان سے ملازمت چاہتے ہیں۔

تا ادبہا شان بجاگہ ناوری	از رسالت شان چگونہ برخوری
جب تک تو ان کے اداب بجا نہ لائے	ان کے پیغام سے تو کیسے فائدہ اٹھائے گا؟

یعنی جب تک کہ ان کے آداب کو تو بجانہ لاوے گا ان کی رسالت سے کس طرح پھل کھاوے گا۔

کے رسانند آن امانت را بتو	تا نہ باشی پیش شان راکع دوتو
تجھے وہ امانت کب پہنچائیں گے؟	جب تک کہ ان کے سامنے رکوع میں دہرا نہ ہو جائے

یعنی وہ امانت کو تجھ تک کب پہنچاویں گے جب تک کہ تو ان کے آگے دوہرا نہ جھکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اہل اللہ جب اپنا فیض پہنچاتے ہیں تو ان کا دل یہ چاہتا ہے کہ کوئی سننے والا ہو کہ بس ہمہ تن گوش ہو جاوے اور ان کے پاس جو طالب ہو کر جاوے اس کی آزمائش اور طلب کے دیکھنے کے لئے وہ اول اول ظاہراً نخوت اور تکبر کرتے ہیں اور استغنا سے کام لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کس کو طلب ہے جو کہ باوجود ہماری اس قدر بے رخی کے بھی لپٹے بس وہ اس خدمت کے طلبگار ہیں جو کہ طلب پر دلالت کرے اور جس وقت تک کہ طلب معلوم نہ ہوگی اس وقت تک وہ اس امانت کو جس کو وہ اپنے اندر لئے ہوئے ہیں تم تک نہ پہنچاویں گے وہ اپنی خدمت کے طلب گار نہیں ہوتے ان میں تکبر نہیں ہوتا ہاں اول طلب دیکھتے ہیں اور یہی ان کے آداب میں سے ہے کہ اول طلب پیدا کر لو پھر دیکھئے ان کے آداب وہ نہیں ہیں جیسے کہ اور لوگوں کے آداب ہوتے ہیں بلکہ ان کے آداب میں سے تو یہی ہے کہ اول طلب پیدا ہو جاوے۔ بس پھر کوئی غم نہیں ہے آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہر ادب شان کے ہمی آید پسند	کامدند ایشان زایوان بلند
ان کو ہر ادب کب پسند آئے گا	کیونکہ وہ اونچی بارگاہ سے آئے ہیں

یعنی ہر ادب ان کو پسند نہیں آتا۔ کیونکہ وہ ایوان بلند سے آئے ہیں۔

نے گدایانند کز ہر خدمتے	از تو دارند اے مزور منتے
وہ محتاج نہیں ہیں کہ ہر خدمت سے	اے فریبی وہ تیرے احسان مند ہوں

یعنی وہ فقیر نہیں ہیں کہ ہر خدمت کی وجہ سے اے طالب وہ تیرا احسان لیں۔ مطلب یہ کہ ان کے لئے ہر ادب کافی نہیں کہ بعضے لوگ ان کے ساتھ تکلف کا برتاؤ کرتے ہیں تو ان کو یہ ادب پسند نہیں آتا بلکہ ان کو تو وہی ایک خدمت کہ جس سے طلب معلوم ہو جاوے پسند ہے وہ کوئی فقیر تو ہیں نہیں کہ جو اس کی عمر بھر کسی نے خدمت نہ کی ہو تو وہ ذرا سی خدمت سے بھی تمہارا ممنون ہو ان کی خدمت تو جب تک ان کی مرضی کے موافق نہ ہو گے وہ ہرگز خوش نہیں ہو سکتے لہذا چاہیئے کہ اہل اللہ کی خدمت اسی طرح کریں جس سے ان کو راحت ہو اور جو خدمت کہ ان کو پسند آدے ورنہ ایسی خدمت سے کیا فائدہ کہ جس سے ان کو الٹی کوفت ہو غرضکہ ان کے کلام کے وقت کا ادب یہی ہے کہ ہمہ تن گوش ہو جاؤ۔ اب یہ قاعدہ تو اس امر کو مقتضی تھا کہ مولانا آگے کچھ نہ بیان کریں کیونکہ لوگ اکتانے لگے ہیں مگر مولانا اپنے نفس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

لیک بابے رغبتہائے ضمیر	صدقہ سلطان بیفشان وامگیر
لیکن دل کی بے رغبتوں کے باوجود	شاہی خیرات بکھیر دے بند نہ کر

یعنی لیکن باوجود قلوب کی بے رغبتی کے صدقہ سلطان نثار کرو اور سمیٹو مت۔ مطلب یہ کہ باوجود بے رغبتی کے بھی علوم ربانی کے بیان کو بندمت کرو اور بیان کرو۔

اسپ خودران اے رسول آسمان	در ملولان منگر واندر جہان
اے آسمانی قاصد! اپنا گھوڑا دوڑا دے	بے رغبت لوگوں اور دنیا کو نہ دیکھ

یعنی اے رسول آسمانی اپنا گھوڑا چلاؤ۔ اکتانے والوں میں اور جہاں میں مت دیکھو کیونکہ۔

فرخ آن ترکے کہ استیزہ نہد	اسپش اندر خندق آتش جہد
مبارک ہے وہ شہسوار جو اختلاف کو (بالائے طاق)	اس کا گھوڑا آگ کی خندق کود جائے

یعنی مبارک ہے وہ سوار جو کہ لڑائی رکھے (باوجودیکہ) اس کا گھوڑا آگ کی خندق میں کود ے۔

گرم گرداند فرس را آنچناں	کہ کند آہنگ اوج آسمان
وہ گھوڑے کو ایسا گرم کر دے	کہ وہ آسمان کی بلندی کا قصد کرے

یعنی گھوڑے کو ایسا گرم کرے کہ وہ بلندی آسمان کا قصد کرے۔ مطلب یہ کہ اے رسول غیبی تم اپنے فیوض کو روکو مت اور باوجود لوگوں کی بے رغبتی کے بیان کرتے رہو کیونکہ اصل سوار تو وہی ہے کہ باوجودیکہ گھوڑا خندق آتش

میں جارہا ہے لیکن اس پر جماز ہے تو بس تم بھی ان لوگوں کی بے رغبتی اور ملال کو مت خیال کرو۔ بلکہ تم بیان کرتے رہو کیونکہ یہ تو صدقہ سلطانی ہے پھر کیوں کسی سے دریغ رکھتے ہو تم تو سب کو دو اب جس کا دل چاہے لے اور جو محروم رہے اس کور ہنے دو اس کی وجہ سے اور حقداروں کو کیوں محروم کیا جاوے تمہاری تو یہ حالت ہونی چاہئے کہ۔

چشم را از غیر و غیرت دوختہ	ہمچو آتش خشک و تر را سوختہ
بیگانے اور غیرت سے آنکھ بند کر لی ہو	خشک اور تر کو آگ کی طرح جلا دیا ہو

یعنی غیر اور غیرت سے آنکھ کو سی کر آگ کی طرح خشک و تر سب کو آگ لگائے ہوئے۔

گر پشیمانی برد عیبے کند	آتش اول در پشیمانی زند
اگر پشیمانی اس کی عیب گیری کرے	پہلے پشیمانی ہی میں آگ لگا دے

یعنی مگر پشیمانی لے جاوے تو ایک عیب کرتا ہے۔ اول تو پشیمانی ہی میں آگ لگا دے۔

خود پشیمانی نہ روید از عدم	چون بہ بیند گرمی صاحب قدم
خود پشیمانی ہی عدم سے وجود میں نہیں آتی ہے	جبکہ وہ صاحب قدم کی گرمی کو دیکھتی ہے

یعنی خود پشیمانی عدم سے پیدا نہیں ہوتی ہے جبکہ وہ صاحب قدم کی گرمی کو دیکھ لیتی ہے۔ مطلب یہ کہ رسول حق کی تو یہ حالت ہونی چاہئے کہ وہ غیر حق سے اور غیرت سے سب سے آنکھ کو بند کرے بس خدا کے واسطے سارے کام کرے اور یہ نہ سوچے کہ کسی کو نفع ہوا ہے یا نہیں کہ اسی سے تو پشیمانی ہوگی کہ افسوس ہم نے فضول ہی محنت کی۔ بس یہ سمجھے کہ یہ کام خدا کے لئے کر رہے ہیں اور خدا ثواب دیگا تو پھر خواہ کوئی سنے یا نہ سنے ثواب ملے ہی گا۔ پھر پشیمانی کیسی بلکہ جب کوئی سرگرمی سے کام میں لگا ہوا ہو تو پھر اس کے پاس پشیمانی بھی نہیں آتی۔ پشیمانی بھی ان ہی کے پاس آتی ہے جو کہ ڈھل مل یقین ہوتے ہیں خوب سمجھ لو۔ بس کام میں لگے رہو اور خوب علوم و معارف کو بیان کرو کسی کے سننے نہ سننے کی پرواہ مت کرو کہ تمہارا کام پہنچانا ہے اور خدا اس کام کا تم کو اجر دے گا وہ ہر وقت میں تم کو ملے گا خواہ کوئی سنے یا نہ سنے۔ خوب سمجھ لو۔ اب یہاں کسی کو شبہ ہوا کہ بھلا پشیمانی کی کیا خبر کہ یہ سرگرمی سے کام میں لگا ہوا ہے اور یہ لاپرائی سے جو وہ ان دونوں میں فرق کریگی اور سرگرمی والے کے پاس نہ آوے گی اور دوسرے کے پاس آوے گی آگے اسی کا جواب ہے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ دیکھو حیوانات باوجود غیر ذوی العقول ہونے کے اپنے دشمنوں کو پہچانتے ہیں اور دشمن دوست میں فرق کرتے ہیں تو اسی طرح پشیمانی بھی جانتی ہے اور سرگرم رہ رو کو اور غیر کو خوب جانتی ہے۔ خوب یاد رکھو۔ اب آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

قد تم الربع الثالث من الدفتر الثالث من المثنوی المعنوی و للہ الحمد

19

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔لوگ ان مضامین کو بار بار سن کرا کتا گئے ہیں اس لئے ختم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے لیکن گو اکتانے والوں کوتو مکرر معلوم ہوتا ہے مگر مجھے اس سے بار بار حیات تازہ حاصل ہوتی ہے۔تم تعجب نہ کرنا کہ تکرار تازہ حیات کا سبب کیونکر ہوسکتی ہے اس لئے محسوسات میں بھی اس کی نظیر موجود ہے اس لئے کہ شمع لگا تار روشنی سے زیادہ اونچی یا روشن ہوتی ہے اور آفتاب کی گرمی کے لگا تار پہنچنے سے مٹی سونا ہو جاتی ہے یہ سب کچھ ہے لیکن اگر سو طالب ہوں اور ان میں ایک برداشتہ خاطر ہوتو قاعدہ ہے کہ ولی جو مضامین الہامیہ کو پہنچاتا ہے اس کی طبیعت رک جاتی ہے اور وہ مضامین بیان نہیں کرسکتا۔اور راز اس کا یہ ہے کہ یہ پیغام بر جو اسرار الہیہ کے بیان کرنے والے اہل دل ہیں یہ چاہتے ہیں کہ سننے والا یوں ہمہ تن گوش ہو جیسے اسرافیل حکم نفخ سننے کے لئے ہمہ تن گوش کھڑے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے دماغ شاہانہ ہوتے ہیں اور یہ نہایت غیور ہوتے ہیں اس لئے شائبہ ذلت کو بھی پسند نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں کہ لوگ ہمارے محتاج ہوں اور غلامانہ برتاؤ کریں بس جب تک تم ان کا پورا پورا ادب نہ بجالاؤ گے اس وقت تک تم ان کی پیغامبری سے متمتع نہیں ہو سکتے۔اور جب تک تم ان کے سامنے نہ جھکو گے اس وقت یہ امانت خداوندی تم کو نہیں دے سکتے مگر یہ بھی یاد رکھو کہ ہر ادب بھی ان کو پسند نہیں ہے کیونکہ یہ تو بڑے قصر شاہی سے آئے ہیں اس لئے ان کا دماغ بھی نہایت عالی ہے لہذا ممکن ہے کہ ایک شے کو تم ادب سمجھو مگر ان کے نزدیک وہ بے ادبی ہو۔اس لئے ادب وہ ہونا چاہئے جس کو وہ ادب سمجھیں یہ لوگ کچھ بھیک مانگنے والے نہیں ہیں کہ جو خدمت تم کرو وہ شکر کے ساتھ اس کو قبول کرلیں بلکہ یہ نہایت مستغنی ہیں اس لئے خدمت ان کی مرضی کے موافق ہونی چاہئے۔یہاں تک پہنچ کر پھر مولانا کو جوش ہوا اور فرماتے ہیں کہ اے حسام الدین مانا کہ لوگ ملول ہیں اس لئے آپ کا جی نہیں چاہتا کہ اسرار بیان کریں لیکن آپ خدا کے لئے اوپرے ہی دل سے بیان کیجئے مگر بیان کیجئے اسرار کو روکئے نہیں اور اے آسمانی قاصد آپ اپنا کام کئے جایئے اور جہان اور اہل جہان پر نظر نہ کیجئے مبارک ہے وہ شہسوار کہ لڑائی قائم کرے اور اپنے گھوڑے کو آگ کی خندق میں ڈال دے اور اپنے گھوڑے کو اس قدر تیز کرے کہ قلعہ تو قلعہ آسمان پر پہنچنے کا قصد کرے۔یعنی کیا کہنا ہے اس ولی کا جو تمام موانع کو اٹھا کر اپنے کام میں مصروف رہے۔نہ غیر اللہ کو خاطر میں لائے اور نہ غیرت ناقدر دانی کو کام میں لائے بلکہ آگ کی طرح درجہ توجہ میں تمام ماسوی اللہ کو جلا ڈالے اور کسی پر بھی نظر نہ کرے۔اگر ناقدر دانی کے سبب پشیمانی اس پر ملامت کرے اور کہے کہ تو نے ان ناقدر دانوں کے سامنے یہ گفتگو کیوں کی تو سب سے پہلے اس پشیمانی ہی کو آگ لگائے یہ گفتگو بطور فرض وتقدیر کے ہے ورنہ جب حق سبحانہ کو مطمح نظر بنالیا جاوے گا اور پشیمانی اس قدیم الذات والصفات کے جلال پر نظر کرے گی تو وہ عدم سے وجود ہی میں نہ آئے گی۔کیونکہ حق سبحانہ تو

پشیمانی کے دشمن ہیں اور ہر چیز اپنے دشمن کو پہچانتی ہے لہذا ناممکن ہے کہ کسی کے اپنے کسی فعل میں حق سبحانہ مطمح نظر ہوں اور اس فعل پر پشیمانی ہو یہ توجیہ اس وقت ہے جبکہ صاحب قدم کو بکسر قاف پڑھا جاوے لیکن اگر اس کو بفتح قاف پڑھا جاوے تو معنی یہ ہونگے کہ جب اس تیز رفتار بزرگ کی مستعدی کو دیکھے گی تو پشیمانی وجود ہی میں نہ آوے گی آگے اس کی تائید ہے کہ ہر شے اپنے دشمن کو پہچانتی ہے اور فرماتے ہیں اسپ داند بانگ وبوئے شیر راٰ۔

حامداً ومصلیاً ومسلماً

ربع چہارم دفتر ثالث کلید مثنوی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شرح شبّیری

ہر حیوان کا اپنے دشمن کو پہچاننا اور اس شخص کے خسران کا بیان کہ ایسے شخص سے دشمنی کرے کہ اس سے حذر ممکن نہ ہو اور نہ اس سے الگ ہونا ممکن ہو

اسپ داند بانگ و بوئے شیر را	گرچہ حیوانست الاّ نادرا
گھوڑا شیر کی آواز اور بو کو جانتا ہے	اگرچہ جانور ہے مگر بہت کم

یعنی گھوڑا اگرچہ حیوان ہے (مگر) شیر کی بو اور اس کی آواز کو جانتا ہے مگر نادر یعنی شاذ و نادر ایسا ہوتا ہے کہ وہ نہ پہچان سکے ورنہ اکثر پہچان لیتا ہے۔

بل عدوئے خویش را ہر جانور	خود بد انداز نشان و از اثر
بلکہ ہر جانور اپنے دشمن کو	علامت اور نشان سے پہچان لیتا ہے

یعنی بلکہ اپنے دشمن کو ہر جانور خود نشان و اثر سے جان لیتا ہے۔

روز خفاشک نیارد بر پرید	شب برون اید چو دزدان جرید
چمگادڑ دن میں نہیں اڑ سکتی ہے	رات کو اکیلے چوروں کی طرح نکلتی ہے

یعنی خفاش دن کو نہیں اڑ سکتی ہے ہاں رات کو چوروں کی طرح باہر آتی ہے یعنی دیکھو خفاش نے بھی اپنی ضد اور مخالف کو پہچان لیا آگے اس سے انتقال فرماتے ہیں کہ

از ہمہ محروم تر خفاش بود	کہ عدوئے آفتاب فاش بود
سب سے زیادہ محروم چمگادڑ ہے	کیونکہ وہ روشن سورج کی دشمن ہے

یعنی سب سے زیادہ محرم خفاش ہے کہ وہ دشمن آفتاب ظاہر کی ہے۔

نے بہ نفرین تاندش مقہور کرد	نے تو اندر در مصافش زخم خورد
نہ نفرت کی وجہ سے اس کو مغلوب کر سکتی ہے	نہ تو میدان میں اس کا مقابلہ کر سکتی ہے

یعنی نہ تو اس کی مصاف میں زخم کھا سکتی ہے اور نہ نفرت سے اس کو چھوڑ سکتی ہے یعنی اس نے ایسے سے مخالفت کی کہ نہ اس پر غالب آسکے اور نہ اس سے متنفر ہو کر اس کو کہیں نکال سکے۔ بلکہ بیچاری خود ہی اس سے محروم رہتی ہے۔

بر نہ در اندز قہرش تار و پود	آنگہ آن خورشید از احسان وجود
غصہ سے اس کا تانا بانا نہیں پھاڑتا ہے	پھر بھی وہ سورج احسان اور سخاوت کی وجہ سے

یعنی اس وقت وہ خورشید احسان وجود کی وجہ سے اس کا تانا بانا اس پر غصہ کی وجہ سے الگ نہیں کرتا۔ یعنی اس کا حلم دیکھئے کہ باوجود اس کی نفرت اور مخالفت کے وہ اس کو کچھ بھی نہیں کہتا۔

از برائے غصہ و قہر خفاش	آفتابے کے بگرداند قفاش
چمگادڑ کے غصہ اور غضب کی وجہ سے	سورج اپنا رخ کب موڑتا ہے؟

یعنی آفتاب اپنی قفا کو خفاش کے غصہ اور قہر کی وجہ سے کب پھراتا ہے۔ (بلکہ)

ورنہ خفاشش کجا مانع شود	غایت لطف و کمال او بود
ورنہ چمگادڑ کہاں اس کو روک سکتی ہے؟	(یہ) اس کا انتہائی کرم اور کمال ہے

یعنی یہ اس کا غایت لطف و کمال ہے ورنہ خفاش اس کو کہاں مانع ہو۔ یعنی آفتاب جو غروب در روپوش ہوتا ہے یہ اس لئے نہیں کہ وہ اس خفاش سے کوئی نفرت رکھتا ہے یا وہ اس کا دشمن ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اپنی لطف و کرم کی وجہ سے وہ الگ ہو جاتا ہے تا کہ یہ بھی باہر نکل کر پھر پھرائے ورنہ کہاں خفاش اور کہاں آفتاب۔

تا بود ممکن کہ گردانی اسیر	دشمن ار گیری بحد خویش گیر
تاکہ یہ ممکن ہو کہ تو اس کو قابو میں کر لے	اگر تو دشمن بنائے تو اپنے رتبہ کے اعتبار سے بنا

یعنی دشمن اگر اختیار کرو تو اپنی حد کے موافق اختیار کرو تا کہ یہ ممکن ہو کہ تم اس کو قید کر لو۔

ابلہ است او ریش خود بر می کند	قطرہ با قلزم کہ استیزہ کند
وہ بیوقوف ہے اپنی داڑھی نوچتا ہے	قطرہ جب سمندر سے دشمنی کرے

یعنی قطرہ دریائے قلزم کی ساتھ جو لڑائی کرے تو وہ بیوقوف ہے اپنی داڑھی اکھاڑتا ہے یعنی یہ بیوقوف خود ہی ہلاک ہوگا۔

حنجر و حلق قمر چون بر درد	حیلت او از سبالش نگذرد
چاند کا گلا اور سینہ وہ کیسے پھاڑ سکتی ہے؟	اس کی تدبیر اس کی مونچھوں سے آگے نہیں بڑھتی ہے

یعنی اس کا حیلہ اس کی مونچھ سے تجاوز نہیں کرتا تو حجرہ اور حلق قمر کا کیونکر پھاڑے گا یعنی جیسے کہ مثل مشہور ہے کہ بھیڑ کی لات گھٹنے تک۔ اسی طرح ان کا حیلہ ان ہی تک ہے آگے یہ آفتاب یا قمر تک کیا پہنچ سکتے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

باعدو آفتاب این بد عتاب	اے عدو آفتاب آفتاب
یہ گفتگو تو سورج کے دشمن سے تھی	اے سورج کے سورج کے دشمن!

یعنی عدو آفتاب سے (ہمارا) یہ عتاب تھا تو اے آفتاب آفتاب کے عدو (تیرا کیا حال ہوگا) یعنی تو جو عدو حق ہے تیرا کیا حال ہوگا جبکہ آفتاب ظاہری کے عدو کی یہ حالت ہے۔

اے عدو آفتابے کز فرش	می بلرزد آفتاب و اخترش
اے اس سورج کے دشمن جس کی شان و شوکت سے	سورج اور اس کے ستارے لرزتے ہیں

یعنی اے عدو اس آفتاب کے کہ اس کے دبدبہ سے آفتاب اور اس کے ستارے سب کانپتے ہیں۔

تو عدو اونہ خصم خودی	چہ غم آتش را کہ تو ہیزم شدی
تو اس کا دشمن نہیں ہے اپنا دشمن ہے	آگ کو کیا فکر ہے جبکہ تو ایندھن ہو گیا ہے

یعنی تو اس کا عدو نہیں ہے اپنا دشمن ہے آگ کو کیا غم اگر تو لکڑی ہو جاوے یعنی اگر تو اس کا دشمن ہو جاوے اور اپنے کو ہلاک کرنے لگے تو اس کو کیا غم ہے۔

اے عجب از سوزشت او کم شود	یاز درد و غصہ ات پرغم شود
تعجب ہے اگر تیرے جلنے سے وہ کم ہو جائے	یا تیرے درد اور غصہ سے وہ غمگین ہو

یعنی تعجب ہے کہ تمہاری سوزش سے وہ کم ہو یا تمہارے درد و مصیبت سے وہ پرغم ہو۔ مطلب یہ کہ اس کو اصل میں تو کوئی پرواہ نہ تھی مگر اس کی رحمت اس کو متقاضی ہے کہ وہ تمہاری درد مصیبت پر رحم کرے مگر اس کا رحم ایسا نہیں ہے جیسا کہ آدمی کا ہوتا ہے کہ اس کے اندر انفعال ہوتا ہے ہرگز نہیں۔ حق تعالیٰ کے یہاں فضل تو ہے مگر انفعال نہیں ہے وہ خود متاثر نہیں ہوتے آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

رحمتش نے رحمت آدم بود	کہ مزاج رحم آدم غم بود
اس کی رحمت، انسان کی رحمت نہیں ہے	انسان کی رحمت کی ملاوٹ غم ہوتا ہے

یعنی اس کی رحمت آدمی کی رحمت نہیں ہوتی کیونکہ آدمی کے رحم کا مزاج تو غم ہوتا ہے یعنی انسان کی رحمت تو بعد انفعال کے ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس سے منزہ ہیں۔

رحمت مخلوق باشد غصہ ناک	رحمت حق از غم و غصہ است پاک
مخلوق کی رحمت، غصہ سے ملی ہوتی ہے	اللہ کی رحمت، غم و غصہ سے پاک ہے

یعنی مخلوق کی رحمت تو غصہ ناک ہوتی ہے اور رحمت حق غم وغصہ سے پاک ہوتی ہے یعنی مخلوق کی رحمت کا اثر تو جب ہوتا ہے جبکہ خود یہ متاثر اور منفعل ہوں اور حق تعالیٰ تاثر سے پاک ہے بلکہ وہاں صرف اثر اور فعل ہے انفعال وتاثر نہیں ہے۔

رحمت بیچون چنین دان اے پسر	ناید اندر وہم ازوے جز اثر
اے بیٹا! بے مثال کی رحمت کو یوں سمجھ	کہ سوائے نشان کے وہ سمجھ میں نہیں آتی ہے

یعنی اے صاحبزادے رحمت بیچوں کو اسی طرح جانو اس سے سوائے اثر کے کچھ وہم میں نہیں آتا یعنی اس کا اثر تو ظاہر ہوتا ہے باقی اس سے رحم کو کوئی تاثر یا انفعال نہیں ہوتا۔ تو بس حق تعالیٰ کی رحمت کو آثار اور مثالوں سے تو معلوم کر سکتے ہو۔ باقی اس کی کنہ کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں۔

ایک چیز کو مثال سے اور تقلیداً جان لینے میں اور اس کی ماہیت کے معلوم کرنے میں فرق

ظاہر است آثار میوہ رحمتش	لیک کہ داند جز او ماہیتش
اس کی رحمت کے پھل کے آثار ظاہر ہیں	لیکن اس کی حقیقت سوائے اس کے اور کون جانتا ہے؟

یعنی اس کی رحمت کے میوے کے آثار تو ظاہر ہیں لیکن اس کے سوا اس کی ماہیت کو کون جانتا ہے۔

ہیچ ماہیات اوصاف کمال	کس نداند جز بآثار و مثال
کمالی اوصاف کی ماہیتیں	کوئی شخص سوائے نشانات اور مثال کے نہیں جانتا ہے.....

یعنی اوصاف کمال کی ماہیات کو کوئی بجز آثار ومثال کے نہیں جانتا ہے آگے مثال ہے کہ۔

طفل ماہیت نداند طمث را	جز کہ گوئی ہست آں خوش چوں شکر
بچہ کو عورت سے جماع کرنے کی (لذت کی) خبر نہیں ہے	سوائے اس کے کہ تو کہہ دے وہ شکر جیسا خوش (ذائقہ) ہے

یعنی بچہ جماع کی ماہیت کو نہیں جانتا سوائے اس کے کہ تم کہو حلوہ کی طرح ہے۔

طفل را نبود ز وطے زن خبر	جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر
بچہ کو عورت سے جماع کرنے کی (لذت کی) خبر نہیں ہے	سوائے اس کے کہ تو کہہ دے وہ شکر جیسا خوش (ذائقہ) ہے

یعنی بچہ کو عورت کی وطی کی خبر نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ تم کہہ دو کہ وہ شکر کی طرح اچھی ہوتی ہے۔

کے بود ماہیت ذوق جماع	مثل ماہیات حلوا اے مطاع
جماع کی لذت کی حقیقت کب ہوتی ہے؟	اے جناب! حلوے کی ماہیتوں جیسی

یعنی ذوق جماع کی ماہیت حلوہ کی ماہیت کی طرح کب ہوتی ہے اے مطاع۔

لیک نسبت کرد از روئے خوشی	باتو آن عاقل کہ تو کودک وشی
لیکن لذت کی حیثیت سے نسبت دیدی	اس عقلمند نے تیرے لئے چونکہ تو بچہ کی طرح ہے

یعنی لیکن اس عاقل نے باعتبار عمدہ ہونے کے (حلوہ سے) نسبت کر دی۔ اس لئے کہ تو کودک وش ہے (لہذا تجھے امثلہ سے سمجھایا جاتا ہے)

تا بداند کودک آنرا از مثال	گر نداند ماہیت با عین حال
تاکہ بچہ اس کو مثال سے سمجھ لے	اگر اس کی واقعی حقیقت نہیں سمجھ سکتا ہے

یعنی تاکہ بچہ اس کو مثال سے جان لے اگرچہ ماہیت کو عین حال سے نہ جانے یعنی اس کو جو مثال حلوہ وغیرہ سے دیتے ہیں تو اس لئے تاکہ بچہ اگر ماہیت کو نہ سمجھ سکے تو خیر مثال سے کچھ تو سمجھ لے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی کن ذات کو تو کوئی جان نہیں سکتا تو امثلہ سے سمجھاتے ہیں کہ اسی سے کچھ پتہ چلے۔

پس اگر گوئی بدانم دور نیست	ور بگوئی کہ ندانم زور نیست
پس اگر تو کہے کہ میں جان گیا تو بھی بعید نہیں ہے	اور اگر تو کہے کہ میں نہیں جانتا ہوں تو بھی جھوٹ نہیں ہے

یعنی پس اگر تم کہو کہ میں جانتا ہوں تو بھی بعید نہیں ہے (کیونکہ مثال سے تو جانتے ہی ہو) اور اگر کہو کہ میں نہیں جانتا تو یہ جھوٹ نہیں ہے (اس لئے کہ اس کی ماہیت سے ناواقف ہو) آگے اور مثال ہے کہ۔

گر کسے گوید کہ دانی نوح را	آن رسول حق و نور روح را
اگر کوئی کہے کہ تو نوحؑ کو جانتا ہے	اس اللہ کے رسول اور روح کے نور کو

یعنی اگر کوئی کہے کہ تم نوحؑ کو اس رسول حق اور نور روح کو جانتے ہو۔

گر بگوئی چون ندانم کان قمر	ہست از خورشید و مہ مشہور تر
اگر تو کہے کہ میں کیوں نہیں جانتا ہوں کیونکہ وہ چاند ہیں	جو سورج اور چاند سے زیادہ مشہور ہیں

یعنی اگر تم کہو کہ میں کیونکر نہ جانوں گا کیونکہ وہ قمر خورشید و ماہ سے بھی زیادہ مشہور ہیں۔

کود کان خورد در کتابہا	وان اما مان جملہ در محرابہا
چھوٹے بچے مکتبوں میں	اور تمام امام محرابوں میں

یعنی چھوٹے بچے مکتبوں میں اور وہ سارے امام لوگ محرابوں میں۔

نام او خوانند در قران صریح	قصہ اش گویند از ماضی فصیح
ان کا نام صاف طور پر قرآن میں پڑھتے ہیں	ان کا گذشتہ قصہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں

یعنی ان کا نام قرآن شریف میں صریحاً پڑھتے ہیں اور ان کا ماضی کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

گرچہ ماہیت نشد از نوح کشف	راست کو دانیش تو از روئے وصف
اگرچہ (حضرت) نوح کی حقیقت واضح نہیں ہوئی ہے	سچ ہے کہ تو ان کو اوصاف کے اعتبار سے جانتا ہے

یعنی سچ ہے کہ اس کو تم از روئے وصف جانتے ہو اگرچہ نوح کی ماہیت منکشف نہ ہوئی یعنی تمہارا یہ کہنا کہ میں نوح کو جانتا ہوں صحیح ہے اس لئے کہ اوصاف سے تو جانتے ہی ہو اور لوگوں سے ان کا ہونا سنا تو ہے تو یہ بھی صحیح ہے۔

آن گزیدہ حق و محض روح را	ور بگوئی من چہ دانم نوح را
اس اللہ کے برگزیدہ اور خالص روح کو	اگر تو کہے میں (حضرت) نوح کو کیا جانوں؟

یعنی اور اگر کہو کہ میں نوح کو کیا جانوں اس برگزیدہ حق اور محض روح کو۔

ہمچو اوئے داند او را اے فتی	من کجا دانستن او از کجا
اے نوجوان! ان کو ان جیسا ہی جان سکتا ہے	میں کہاں اور ان کا جاننا کہاں

یعنی کہاں میں اور کہاں ان کا جاننا ارے میاں ان کو ان جیسا ہی کوئی جانے (اور تم کہو کہ)

پشۂ کے داند اسرافیل را	مورلنگم من چہ دانم فیل را
مچھر (حضرت) اسرافیل کو کیا جانے؟	میں لنگڑی چیونٹی ہوں میں ہاتھی کو کیا جانوں؟

یعنی میں تو مور لنگ ہوں میں ہاتھی کو کیا جانوں اور ایک مچھر اسرافیل کو کیا جانے۔

کہ بماہیت ندانیش اے فلان	این سخن ہم راست ست از روئے آن
اے فلاں! ان کی حقیقت کے اعتبار سے تو ان کو نہیں جانتا ہے	یہ بات بھی صحیح ہے اس لئے کہ

یعنی یہ بات بھی سچ ہے اس سبب سے کہ اے شخص تو ان کو ماہیت سے نہیں جانتا یعنی اگر تم کہو کہ میں نوح علیہ السلام کو نہیں جانتا یہ بھی صحیح ہے اس لئے کہ تم ان کی ماہیت سے بے خبر ہو تو دیکھو ایک شے کو امثلہ سے اور تقلیداً تو جانتے ہو اور اس کی ماہیت کی خبر نہیں۔ اسی طرح حق تعالیٰ کی کنہ ذات کو تو کوئی نہیں جانتا ہاں امثلہ سے اور تقلیداً کچھ معلوم کر لیتے ہیں۔

حالت عامہ بود دریاب تو	عجز از ادراک ماہیت عمو
عوام کی حالت ہوتی ہے، تو حاصل کر لے	اے چچا! ماہیتوں کے ادراک سے عجز

یعنی ادراک ماہیت سے عاجز ہونا یہ حالت عوام کی ہے تو اس کو خوب سمجھ لے۔

پیش چشم کاملان باشد عیان	زانکہ ماہیات و سر سر آن
کاملوں کی آنکھ کے سامنے کھلا ہوا ہوتا ہے	کیونکہ ماہیتیں اور ان کے راز کا راز

یعنی اس لئے کہ ماہیات اور سرسران کا کاملوں کی آنکھ کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں (ماہیات سے مراد ماہیات حوادث اور سرسر سے مراد صفات) مطلب یہ ہے کہ اشیاء کی ماہیات وصفات اولیاء اللہ کے سامنے سب منکشف ہیں آگے اس کے استبعاد کو دور فرماتے ہیں کہ۔

در وجود از سر حق و ذات او	دور تر از فہم و استبصار کو
اللہ اور اس کی ذات کے راز سے' وجود میں	فہم و بصیرت سے زیادہ دور اور کوئی چیز نہیں ہے

یعنی موجودات میں صفات حق اور اس کی ذات سے زیادہ فہم واستبصار سے کون بعید ہے۔

چونکہ آں مخفی نماند از محرمان	ذات وصفے چیست کان ماند نہان
جبکہ محرموں سے وہ پوشیدہ نہیں رہتا	تو کس کی ذات اور صفت ہے جو پوشیدہ رہے گی؟

یعنی جبکہ وہ (ذات) ہی محرموں سے مخفی نہ رہی تو ذات وصفی تو کیا ہے جو پوشیدہ رہے گی۔ (شعر عجز از ادراک الخ سے شعر چونکہ او مخفی نماند تک کی شرح خود حضرت والا صاحب ادراک نے تحریر فرما کر دی ہے اس کو بعینہ درج ذیل کیا جاتا ہے وہو ہذا)

فائدہ:۔شرح اس مقام کی یہ ہے کہ یہ امر تو مقرر ہے کہ حق تعالٰی کی ذات وصفات کی کنہ کسی ممکن کو معلوم نہیں پس ان اشعار میں انکشاف کنہ ذات عندالعارف کا حکم کرنا مقصود نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر چند کہ ذات و صفات حق کے ساتھ جو علم متعلق ہوتا ہے وہ بوجہ انکشاف بواسطہ صورت ذہنیہ کے علم حصولی ہے عامہ کو بھی خواص کو بھی مگر دونوں میں یہ فرق ہے کہ خواص کا یہ علم حصولی تو مشابہ علم حضوری کے ہے اور عامہ کا اس کے مشابہ نہیں وجہ مشابہت یہ کہ علم حضوری میں خود ذات مدرک کی بلاواسطہ صورت کے حاضر عندالمدرک ہوتی ہے جیسے نفس کو اپنے ذات وصفات کا علم۔ پس خواص کی ذات وصفات کو بوجہ فنا کے چونکہ ذات وصفات حق کے ساتھ ایک گونہ اتحاد اصطلاحی ہے اس لئے ذات وصفات حق اس کے نزدیک گویا اس طرح حاضر ہیں جیسے اپنی ذات وصفات اور اپنی ذات وصفات اس کے نزدیک بذواتہا وحقائقہا حاضر ہیں۔ پس ذات وصفات حق بھی اس کے نزدیک گویا بذواتہا وحقائقہا حاضر ہیں اسی کو مولانا مجازاً انکشاف ذات سے تعبیر کر دیا۔ بخلاف عامہ کے کہ ان کو یہ اتحاد حاصل نہیں پس ان کا علم حصولی مشابہ علم حضوری کے نہیں بلکہ اس میں محض صورت حاضر ہے حقیقت حاضر نہیں اور خود علم حضوری میں بھی مدرک کی کنہ معلوم ہونا لازم نہیں چنانچہ نفس کو اپنی کنہ معلوم نہیں۔ چنانچہ عقلاً کا اختلاف اس کی حقیقت میں معلوم ہے سو اس کے مشابہ میں تو انکشاف کنہ کا کیسے لازم ہوگا۔ پس محذور انکشاف کنہ کا بھی لازم نہ آیا اور توجیہ انکشاف ذات کی بھی ہوگئی اور اس حکم کے مجاز ہونے کے قرینہ سباق میں ہے کہ شعر زانکہ ماہیات الخ میں ماہیات کے انکشاف کا حکم کیا ہے حالانکہ یقینی ہے کہ بہت اشیاء حادثہ کی ماہیت یعنی جنس وفصل حقیقی عارفین کو

معلوم نہیں چنانچہ ظاہر ہے پس یہاں بھی ان کا امتیاز عامہ سے بیان کرنا مقصود ہے کہ خواص کو ان اشیاء کا مظہر اسماء ہونا معلوم ہے جو عامہ کو معلوم نہیں۔ پس دونوں جگہ صرف امتیاز عوام وخواص کا حکم کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ انکشاف تام بالمعنی المتبادر اور ایک قرینہ سیاق میں ہے قطب گوید الخ کہ اس میں اس انکشاف کو حال قرار دیا ہے اور جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ انکشاف عقلی نہیں ہے حال ہے اور یہ وہی حال ہے جس کو فناء کہتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حال میں انکشاف تام ضروری نہیں۔ البتہ غیر اہل حال سے اس میں امتیاز لازم ہے اور مراد اس حال سے وہی فناء ہے جس میں اصطلاحا اتحاد کا حکم کیا جاتا ہے۔ انتہی بلفظہ سلمہ اللہ تعالیٰ۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

عقل بحثی گوید این دور ست وکو	بے ز تاویلے محالے کم شنو
بحث کرنے والی عقل کہتی ہے کہ یہ بعید ہے اور کہاں ہے؟	کسی ناممکن کو بغیر تاویل کے نہ سن

یعنی عقل بحثی کہتی ہے کہ یہ دور ہے اور کہاں ہے بے کسی تاویل اور محال کے کم سنو۔ یعنی عقل ظاہر کہتی ہے کہ ماہیت حق کا انکشاف تو بالکل محال ہے یہ تو ممکن ہی نہیں ہے۔

قطب گوید مر ترا اے سست حال	انچہ فوق حال تست آید محال
قطب تجھے کہتا ہے کہ اے سست حال!	جو تیری حالت سے بالا ہے تجھے محال (نظر) آتا ہے

یعنی قطب کہتا ہے کہ اے سست حال جو شئے کہ تیرے حال سے زیادہ ہے وہ تجھے محال معلوم ہوتی ہے آگے اس کو اور قریب بہ فہم فرماتے ہیں کہ۔

واقعاتے کہ کنونت بر کشود	نے کہ اول ہم محالت می نمود
وہ واقعات جو تجھ پر اب کھلے ہیں	کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ پہلے محال نظر آتے تھے؟

یعنی جو واقعات کہ اب تم پر کھل گئے ہیں کیا اول محال نہ معلوم ہوتے تھے۔ مطلب یہ کہ بہت سی باتوں کو تم اول محال سمجھتے تھے اور اب وہی باتیں ممکن الوقوع ہیں تو اسی طرح تم ماہیت ذات کے انکشاف کو محال سمجھتے ہو مگر جو تم پر یہ حال ہو جاوے تو تم اس کو ممکن سمجھنے لگو گے آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون رہانیدت زدہ زندان کرم	تیہ را بر خود مکن حبس ستم
جب تجھے کرم (خداوندی) نے دس قید خانوں سے آزاد کر دیا ہے	ظلم کر کے تیہ کو اپنے لئے قید خانہ نہ بنا

یعنی جبکہ سخت زندان سے تم کو کرم نے چھڑا دیا ہے تو تم جنگل کو اپنے لئے ستم کی وجہ سے حبس مت کرو یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے تم کو مشکلات سے چھڑا دیا ہے تو اب تم اس فراخی کی قدر کرو اور اس کو اپنے لئے تو خونہ مت بناؤ۔

چون خلاصی یافتی از صد بلا	فقر را بر خود مکن رنج و عنا
جب تو سینکڑوں مصیبتوں سے نجات پا گیا ہے	فقر کو اپنے اوپر رنج و مشقت نہ بنا

یعنی جبکہ تو نے سینکڑوں بلاؤں سے خلاصی پالی تو نفر کو اپنے اوپر رنج و مصیبت مت کر و یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے تجھ کو خلاصی عنایت فرمائی ہے تو پھر تو کیوں خود مصیبت میں پڑتا ہے۔

سہل گیرش تا نگردد مشکلت	ورنہ شد شکر چو زہر قاتلت
اس کو آسان سمجھ تا کہ وہ تیرے لئے مشکل نہ بنے	ورنہ شکر تیرے لئے قاتل زہر بنے گی

یعنی تو اس کو سہل فرض کرتا کہ تجھے مشکل نہ ہو جاوے ورنہ شکر تیرے لئے زہر قاتل ہو جاوے گی یعنی یہی کشف ذات جو کہ اس قدر سہل ہے اور شکر کی طرح شیریں و گوارا ہے اگر تو اس کو مشکل سمجھے گا تو یہی سخت مشکل ہو جاوے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ

سوئے بحث خویش تازاے بوالحسن	کاین سخن پایان ندارد جان من
اے ابوالحسن اپنی بحث کی جانب آ	اے جان من! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے

یعنی اے بوالحسن اپنی بحث کی طرف چلو کہ یہ بات کہیں انتہا نہیں رکھتی اے جانمن یعنی تم نے جو شروع میں کہا تھا کہ ایک شے کو ایک وقت میں موجود اور معلوم اور غیر موجود اور غیر معلوم کہہ سکتے ہیں اس بحث کو دوبارہ بیان کرو اس لئے کہ ذات حق کا بیان تو کہیں انتہا ہی نہیں رکھتا تو اس کو یہیں تک رہنے دو۔

نسبت اثبات با نفی از نخست	گر بیانش میکنی بر گو درست
اثبات اور نفی کی نسبت کا شروع سے	اگر تو بیان کرتا ہے تو ٹھیک بیان کر

یعنی اثبات کی نفی کے ساتھ اول سے جو نسبت ہے اگر تم اس کو بیان کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک کر دو یعنی پوری طرح بیان کر دو کہ وہ کیا ہے۔ اب آگے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایک چیز میں از روئے نسبت کے اختلاف کے نفی واثبات میں تفریق ہونا

نفی آن یک چیز و اثباتش رواست	چون جہت شد مختلف نسبت دوتاست
ایک ہی چیز کی نفی اور اثبات درست ہے	جب جہت بدل گئی نسبتیں دو ہو گئیں

یعنی ایک شے کی نفی اور اثبات (دونوں) جائز ہیں جبکہ جہت مختلف ہو گئی تو نسبت دو ہو گئیں۔ مطلب یہ کہ جہت کے اختلاف سے احکام بدل جاتے ہیں اس کو منطقیوں نے بھی تناقض کی وحدات ثمانیہ میں سے ایک بیان کیا ہے بلکہ بعض نے تو آٹھ کی جگہ اس کو ہی کہا ہے کہ اگر صرف نسبت اور جہت مختلف ہو تو تحقق تناقض کا ہو جاویگا تو فرماتے ہیں کہ نسبت اور جہت کے اختلاف سے نفی و اثبات شے کا بدل جاتا ہے آگے ایک مثال فرماتے ہیں۔

مارمیت اذ رمیت نسبت است	نفی اثبات است ہر دو مثبت است
تونے نہیں پھینکا جب کہ تونے پھینکا" نسبت کے اعتبار سے	نفی اور اثبات ہے دونوں درست ہیں

یعنی مارمیت اذ رمیت نسبت کی وجہ سے ہے۔نفی اور اثبات دونوں ثابت ہیں یعنی دیکھو مارمیت بھی فرماتے ہیں اوراذ رمیت بھی تو یہ دونوں نفی واثبات نسبت سے ہیں کہ نسبت کے بدل جانے سے نفی بھی ثابت اور اثبات بھی آگے اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ۔

آن تو افگندی چوں بر دست تو بود	تو نیفگندی کہ قوت حق نمود
"تونے پھینکا" چونکہ تیرے ہاتھ سے ہوا	"تونے نہیں پھینکا" چونکہ طاقت اللہ نے دی ہے

یعنی آپ نے وہ تو پھینک دیا جو کہ آپ کے دست مبارک میں تھا (یہ معنی تو رمیت کے ہو گئے) اور آپ نے نہیں پھینکا اس لئے کہ قوت تو حق تعالیٰ نے ہی دی (یہ معنے مارمیت کے ہیں)

زور آدم زادہ راحدے بود	مشت خاک اشکست لشکر کے شود
انسان کی طاقت کی ایک حد ہے	ایک مٹھی مٹی ایک لشکر کی شکست (کا سبب) کب ہوسکتی ہے؟

یعنی آدم زادہ کے زور کی تو ایک حد ہوتی ہے تو ایک مٹھی خاک ایک لشکر کی شکست کب ہوسکتی ہے مطلب یہ کہ قوت حق اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آدمی کی قوت تو یہ ہے کہ بہت سے بہت دو تین چار پانچ بس اتنے آدمیوں پر وہ خاک پڑسکتی تھی یہ جو ایک لشکر کا لشکر اندھا ہو گیا یہ کس نے کر دیا معلوم ہوا کہ قوت تھی تو بس معلوم ہوا کہ باعتبار ظاہر کے تو رمی حضور سے ہوئی اور قوت حق تعالیٰ کی تھی تو نسبت کی وجہ سے حکم بدل گیا۔آگے اور تشریح فرماتے ہیں کہ۔

مشت مشت تست افگندن زماست	زین دو نسبت نفی و اثباتش رواست
مٹھی تو تیری مٹھی ہے اور پھینکنا ہمارا ہے	ان دو نسبتوں کی وجہ سے اس کی نفی اور اثبات درست ہے

یعنی مٹھی تو آپ کی مٹھی تھی اور پھینکنا ہماری طرف سے تھا تو ان دونوں نسبتوں کی وجہ سے اس کا نفی واثبات (دونوں) جائز ہیں۔آگے دوسری مثال ہے کہ۔

یعرفون الانبیاء اضداد ہم	مثل مالا یشتبہ اولاد ہم
انبیاء کو ان کے مخالفین پہچانتے ہیں	اس طرح جس طرح کہ ان کو اپنی اولاد میں شبہ نہیں ہوتا ہے

یعنی انبیاء کو ان کے اضداد ایسا پہچانتے ہیں جیسے کہ نہیں مشتبہ ہوئیں اولاد ان کی یعنی جس طرح کہ ان پر ان کی اولاد کبھی مشتبہ نہیں ہوتی اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی کبھی مشتبہ نہیں ہوتے بلکہ بالکل صاف طور پر پہچانتے ہیں۔

ہمچو فرزندان خود دانند شان	منکران با صد دلیل و صد نشان
ان کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں	منکر لوگ دلیلوں اور سینکڑوں علامتوں سے

یعنی منکر لوگ ان کو اپنے بچوں کی طرح سو علامتوں اور نشانیوں سے پہچانتے ہیں۔

لیک از رشک وحسد پنہان کنند	خویشتن را بر ندانم می زنند
لیکن رشک اور حسد سے چھپاتے ہیں	اپنے آپ کو "ہم نہیں جانتے" کا مصداق بناتے ہیں

یعنی لیکن رشک وحسد کی وجہ سے چھپاتے ہیں اور اپنے کو ندانم پر مارتے ہیں یعنی باوجود پہچاننے کے جاہل اور انجان بنتے ہیں۔

پس چو یعرف گفت چوں جائے دگر	گفت لایعرفہم غیرے فذر
پس جبکہ "وہ پہچانتا ہے" فرمایا دوسری جگہ کیوں	"ان کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا پس رہنے دے" فرمایا

یعنی پس جبکہ یعرف فرمایا تو کیوں دوسری جگہ لایعرفہم غیری فرمایا ہے۔ پس چھوڑ دے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یعرفونہ کما یعرفون ابنائھم اور دوسری جگہ حدیث میں ہے کہ اولیائی تحت قبائی لایعرفھم سوائی. تو دیکھو معرفت کو ثابت بھی فرمارہے ہیں۔ اور اس کی نفی بھی فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

انہم تحت قبائی کامنون	جز کہ یزدان شان نداند زازمون
وہ میری قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں	ان کو خدا کے سوا آزمائش سے کوئی نہیں جانتا ہے

یعنی وہ اولیاء میری قبا کے نیچے پوشیدہ ہیں اور سوائے حق تعالیٰ کے ان کو کوئی آزمائش سے نہیں جانتا یعنی دیکھو یہاں ان کے پہچاننے کی نفی فرمارہے ہیں تو بس معلوم ہوا کہ نفی ہے ان کی حقیقت کے پہچاننے سے اور اثبات ان کی صورت کے پہچاننے کا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہم بہ نسبت گیر این مفتوح را	کہ بدانی و ندانی نوح را
اس کھلی ہوئی بات کو بھی تو نسبت کی وجہ سے سمجھ لے	کہ تو نوح کو جانتا بھی ہے اور نہیں جانتا ہے

یعنی اس مفتوح کو بھی نسبت ہی سے فرض کرو کہ تم نوح کو جانتے بھی ہو اور نہیں بھی جانتے یعنی اوپر جو کہا تھا کہ ایک صورت ہے کہ تم نوح کو جانتے بھی ہو اور جانتے بھی نہیں ہو تو یہ معرفت اور عدم معرفت بھی نسبت ہی کی وجہ سے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

زین نمط بسیار آمد در خبر	کان بہ نسبت باشدائے جان معتبر
اس طرح کی بات حدیث میں بہت آئی ہے	اے جان! کہ وہ نسبت کی وجہ سے معتبر ہوتی ہے

یعنی اس طریق سے خبر میں بہت آیا ہے کہ وہ نسبت سے ہی معتبر ہوتا ہے یعنی ایسا بہت ہوتا ہے کہ تبدل نسبت سے حکم بدل جاوے۔ آگے اسی مضمون سے فناء وبقاء کے مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک ہی شخص کو ایک حیثیت سے فانی اور دوسری حیثیت سے باقی کہہ سکتے ہیں۔

درویش کامل کے فناء و بقاء کا مسئلہ

ور بود درویش آن درویش نیست	گفت قائل در جہان درویش نیست
اور اگر درویش ہو گا تو وہ درویش نہیں ہے	ایک کہنے والے نے کہا' دنیا میں کوئی درویش نہیں ہے

یعنی ایک کہنے والے نے کہا کہ جہان میں درویش نہیں ہے اور اگر کوئی درویش ہے تو وہ درویش نہیں ہے۔ (اس لئے کہ)

نیست گشتہ وصف او در وصف ہو	ہست از روئے بقائے ذات او
اس کا وصف اللہ کے وصف میں نیست ہو گیا ہے	اس کی ذات کی بقا کے اعتبار سے وہ "ہے"

یعنی ہست تو از روئے بقائے ذات کے ہے اور اس کا وصف وصف میں نیست ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ درویش کامل اپنی ذات کے اعتبار سے تو باقی ہے کہ اس کی ذات اور اس کا جثہ جسم موجود ہے لیکن اوصاف کے اعتبار سے وہ فانی ہے اس لئے کہ اس کے اوصاف اوصاف حق میں فنا ہو چکے ہیں۔ لہذا ایک حیثیت سے موجود اور باقی ہے اور دوسری حیثیت سے معدوم و فانی ہے۔ آگے اس کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

نیست باشد ہست باشد در حساب	چوں زبانہ شمع پیش آفتاب
"نہیں ہے" ہوتا ہے (لیکن) حساب میں "ہے"	جیسا کہ شمع کا شعلہ' سورج کے بالمقابل

یعنی جیسے کہ شمع کی لو آفتاب کے سامنے کہ نیست ہوتی ہے اور حساب میں ہست ہوتی ہے یعنی آفتاب کے سامنے روشنی کے اعتبار سے تو نیست ہے مگر جو حساب لگاؤ تو کہو کہ ایک یا دو یا تین مثلاً شمعیں جل رہی ہیں تو ہست و نیست دونوں ہیں۔

بر نہی پنبہ بسوزد زان شرر	ہست باشد ذات او تا تو اگر
روئی رکھ دے وہ اس شعلہ سے جل جائے گی	اس کی ذات موجود ہوتی ہے' حتی کہ اگر تو

یعنی اس کی ذات تو ہست ہوتی ہے یہاں تک کہ تو اگر روئی رکھ دے تو وہ اس شرر سے جل جاوے (لیکن)

کردہ باشد آفتاب او را فنا	نیست باشد روشنی ندہد ترا
سورج نے اس کو فنا کر دیا ہوتا ہے	معدوم ہوتا ہے' تجھے روشنی نہیں دیتا ہے

یعنی نیست ہوتی ہے کہ تجھے روشنی نہیں دیتی آفتاب اس کو فنا کئے ہوئے ہوتا ہے آگے اس کی ایک مثال ہے کہ۔

چوں در افگندی و دروی گشت حل	در دو صد من شہد یک اوقیہ خل
جب تو نے ڈال دیا اور وہ اس میں حل ہو گیا	دو سو من شہد میں ایک اوقیہ سرکہ

یعنی دو سو من شہد میں ایک اوقیہ سرکہ جب تم نے ڈال دیا اور وہ اس میں حل ہو گیا۔

نیست باشد طعم خل چون می چشی	ہست یک وقیہ فزون چون میکشی
جب تو چکھے گا سرکہ کا مزہ معدوم ہو گا	جب تو وزن کرے گا ایک اوقیہ بڑھا ہوا ہے

یعنی جب تم چکھو تو سرکہ کا مزہ نیست ہے اور جب (ترازو میں) کھینچو تو ایک اوقیہ زیادہ ہے۔ (تو یہ ہست و نیست ایک ہی جگہ دونوں موجود ہیں کہ ایک حیثیت سے ہست اور دوسری سے نیست و معدوم ہے۔)

پیش شیرے آہوئے بیہوش شد	ہستیش در ہست او روپوش شد
ایک ہرن شیر کے سامنے بے ہوش ہو گیا	اس کی ہستی اس کی ہستی میں چھپ گئی

یعنی کسی شیر کے سامنے کوئی آہو بیہوش ہو گیا اور اس کی ہستی اس شیر کی ہستی میں روپوش ہو گئی۔ (تو دیکھو ظاہر جثہ موجود مگر پھر اس کو نیست کہتے ہیں) آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اوپر بیان کیا تھا کہ حق سبحانہ کی گرمی سے پشیمانی ہی پیدا نہ ہوگی کیونکہ حق سبحانہ پشیمانی کے دشمن ہیں اور پشیمانی ان کو جانتی ہے اس کے بعد کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں جن میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہر جانور اپنے دشمن کو پہچانتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو گھوڑا شیر کی آواز اور بو کو باوجود دور ہونے کے بھی پہچانتا ہے اور اگر نہیں پہچان سکتا تو شاذ و نادر بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہر جانور اپنے دشمن کو اس کی خاص علامات اور خاص آثار سے پہچانتا ہے دیکھو خفاش تک بھی اپنے دشمن کو پہچانتا ہے اسی لئے دن میں نہیں اڑ سکتا بلکہ چوروں کی طرح رات کو نکلتا ہے اب یہاں سے ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ محروم خفاش ہے کہ وہ آفتاب ظاہر کا دشمن ہے کیونکہ نہ یہ جنگ میں اس کا زخم کھا سکتا ہے اور نہ اپنی بدگوئی اور نفرت سے اس کو اپنے سے الگ کر سکتا ہے باوجود اس کے وہ آفتاب اپنے احسان و کرم سے اپنے قہر سے اس کے پرزے نہیں اڑا دیتا اور یہ جو آفتاب خفاش کی ناخوشی اور رنج کے سبب اپنا رخ بدل دیتا ہے یہ اس کی انتہائی مہربانی اور اس کا کمال ہے ورنہ خفاش کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ اس کو طلوع ہونے سے روک دے۔ اس سے کوئی کہے کہ احمق دشمن اپنی حد کے اندر رہنا تاکہ کسی وقت تو اس کو اپنے قبضہ میں لا سکے۔ دیکھ اگر تو آفتاب سے مخالفت کرے گا تو اس کا نتیجہ بجز اپنے ضرر کے اور کچھ نہ ہوگا چنانچہ اگر قطرہ قلزم سے مخالفت کرے تو وہ احمق ہے کہ اپنی ڈاڑھی اکھاڑ رہا ہے اس کی تدبیر خود اسی تک محدود رہے گی اور وہ مونچھوں پر تاؤ دیکر خوش ہولے گا کہ میں نے یہ کیا۔ آفتاب پر اس کی مخالفت کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ آفتاب کی تو یہ شان ہے کہ قمر سے عظیم الشان جسم کی گردن اتار سکتا ہے اور اس کا گلا پھاڑ سکتا ہے یعنی اس کو بے نور کر سکتا ہے پھر خفاش کی کیا حقیقت ہے یہ عتاب تو دشمن آفتاب ظاہری پر ہے۔ پس اے آفتاب آفتاب یعنی حق سبحانہ کے دشمن اور اے اس آفتاب کے

دشمن جس کی شوکت سے آفتاب وستارے لرزتے ہیں۔ یادرکھ کہ تو اس کا دشمن نہیں ہے بلکہ خود اپنا دشمن ہے کیونکہ تیری مخالفت سے اس کو کچھ ضرر نہیں ہوسکتا۔ بلکہ خود تم کو ضرر ہوگا۔ اور اس ضرر کی بھی اس کو کچھ پروا نہیں کیونکہ اگر تو ایندھن ہو جاوے تو آگ کو کیا پرواہ وہ بے تامل پھونک ڈالے گی۔ تیرے جلنے سے اس میں کچھ کمی آ جاوے یا تیرے رنج اور تکلیف سے وہ آشفتہ ہو جاوے ناممکن ہے۔ حق سبحانہ کی رحمت آدمیوں کے رحم کے مماثل نہیں ہے کیونکہ آدمی کو رحم میں غم کی آمیزش ہوتی ہے اور مخلوق کی رحمت رنج سے پر ہوتی ہے اور حق سبحانہ کی رحمت غم و رنج سے پاک وصاف ہے اس کی رحمت بے کیف ہے اس کو ایسا سمجھو کہ وہ خود وہم میں نہیں آسکتی ہاں اس کے آثار سمجھ میں آسکتے ہیں اس کی رحمت ایک میوہ ہے جس کے آثار ظاہر ہیں مگر اس کی ماہیت تو کوئی نہیں جا سکتا۔ ایک رحمت ہی پر کیا منحصر ہے اس کے جملہ اوصاف کمال کو بجز آثار ومثال کے کوئی نہیں جان سکتا۔ اس کے اوصاف کے لحاظ سے لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے جماع کے لحاظ سے بچہ کی۔ بچہ جماع کی ماہیت سے واقف نہیں ہوسکتا بجز اس کے کہ تم اس سے کہو کہ وہ حلوے کی طرح مزیدار ہے۔ نیز بچہ کو وطی زن کی خبر نہیں ہوسکتی۔ بجز اس کے کہ تم اس سے کہو کہ وہ شکر کی طرح لذیذ ہے مگر تم سمجھتے ہو لذت جماع کی ماہیت ماہیت حلوا کے مماثل نہیں ہے پھر جو اس عاقل نے تم سے اس کو حلوہ کی مثل کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ابھی لڑکے ہو اس لئے اسے لذت بخش ہونے کے لحاظ سے ایسا کہدیا ہے تا کہ بچہ اس کو مثال سے فی الجملہ جان لے اگر چہ اس کی ماہیت کو نہ جان سکے جو کہ عین حال ہے اس لحاظ سے اگر تم یہ کہو کہ میں جماع کو جانتا ہوں تو کچھ بعید نہیں۔ اور اگر یہ کہو کہ میں نہیں جانتا تو بھی جھوٹ نہیں۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ تم نوحؑ کو جانتے ہو جو کہ خدا کے رسول اور نور روح تھے پس اگر تم یہ کہو کہ کیوں نہیں جانتا وہ ماہتاب تو اس آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ مشہور ہیں۔ چھوٹے بچے مکتبوں میں اور امام محرابوں میں قرآن میں ان کا صاف صاف نام اور ان کا گذشتہ فصیح قصہ پڑھتے ہیں۔ تو اس وصف سے تم کو وہ سچا سمجھے گا۔ اگر چہ اس سے نوح علیہ السلام کی ماہیت منکشف نہیں ہوئی اور اگر یہ کہو کہ میں ان کو کیا جان سکتا ہوں ان کو تو وہی جانے جو ان کا سا ہو۔ میں ایک چیونٹی ہوں پھر ہاتھی کو کیا جان سکتا ہوں۔ اور مچھر اسرافیل کو کیا جان سکتا ہے یعنی مجھ میں اور ان میں بعد المشرقین ہے پھر میں ان کو کیا جان سکتا ہوں۔ تو یہ بات بھی ٹھیک ہے کیونکہ تم ان کو حقیقت کے اعتبار سے نہیں جانتے۔ بس یہی حالت اوصاف حق سبحانہ کی ہے کہ ان کو لوگ آثار کے ذریعہ سے جانتے ہیں اور ماہیت کے لحاظ سے نہیں جانتے پس یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ وہ جانتے ہیں اور یہ بھی کہ نہیں جانتے۔ مگر ماہیت کا نہ جاننا یہ عام لوگوں کی حالت ہے نہ کہ خواص کی کیونکہ کاملین پر تو ماہیات ممکنات اور ان کے باطن (اسماء الہیہ) کے باطن (صفات الٰہیہ) سب منکشف ہیں مگر اجمالاً دیکھو عالم وجود میں سرحق یعنی ذات حق سے زیادہ تعقل اور بینش سے دور کوئی چیز نہیں بس جبکہ وہ بھی اہل اللہ سے مخفی نہیں اور وہ اس کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں تو پھر کوئی وصف کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے عقل جدال پسند کہتی ہے کہ ذات وصفات حق سبحانہ کا ادراک بکنہہا محال ہے۔ بس جن نصوص سے ایسا معلوم ہو وہ خلاف عقل اور محال ہونے کے سبب قابل تاویل ہیں عارف کامل اس کے

جواب میں کہتا ہے کہ یہ محال بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ جو تیری حد سے باہر ہو وہ تیرے نزدیک محال ہے مگر یہ اصول ہی غیر مسلم ہے بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ جو پہلے تجھے محال معلوم ہوتے تھے اور اب وہ تجھ پر منکشف ہو گئے ہیں جبکہ حق سبحانہ نے تجھے جہالت کے گاؤں کے قید خانہ سے نکال کر علم استدلالی کے میدان وسیع میں پہنچایا ہے تو اب تو اس کو اپنے اوپر ظلم کر کے جیل خانہ بنا لے اور جبکہ حق سبحانہ نے تجھے سینکڑوں مصیبتوں سے نکالا ہے تو ویرانہ میں رہ کر فقر کی تکالیف نہ اٹھا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر شہر کشف وشہود میں پہنچ اور اس کو آسان سمجھ ایسا نہ ہو کہ وہ باوجود فی نفسہ آسان ہونے کے تیرے خیالی اشکال سے تیرے لئے مشکل ہو جاوے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو گا تو جو چیز واقع میں شکر کی طرح مفید اور خوشگوار اور لذت بخش تھی وہ تیرے لئے سم قاتل کی طرح مضر ہو جاوے گی۔ اچھا اس گفتگو کو چھوڑ دو اور وہی کہو جو کہہ رہے تھے۔ کیونکہ یہ گفتگو ختم ہونے والی نہیں ہے اور اگر تم پہلے سے اثبات ونفی کا آپس کا تعلق بیان کر رہے ہو جیسا کہ واقع ہے تو اسی کو ٹھیک طور پر بیان کرو۔ اچھا سنو بات یہ ہے کہ جب جہات مختلف ہوں اور نسبتیں دو ہوں تو ایک شئے کا اثبات اور اس کی نفی ہر دو جائز ہیں چنانچہ مــا رمیــت اذ رمیــت اختلاف نسبت ہی کی بناء پر ہے۔ اور نفی واثبات دونوں صحیح ہیں۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مارا یعنی تم سے اس کا صدور ہوا اور تم نے نہیں مارا یعنی جو آثار اس پر مرتب ہوئے ان کا تعلق تمہاری قدرۃ حادثہ سے نہیں بلکہ ہماری قدرت سے ہے کیونکہ انسانی قدرت محدود ہے اس میں یہ قوت نہیں کہ ایک لشکر کو ایک خاک کی مٹھی سے شکست دے دے۔ پس مٹھی تو تمہاری ہی تھی اور بحیثیت خاصہ پھینکنا جس پر انہزام لشکر مرتب ہو یہ ہمارا فعل تھا پس جہات مختلف ہو گئیں اور اختلاف جہات ونسبت سے نفی واثبات ہر دو جائز ہیں اور سنو فرمایا گیا ہے کہ معاندین انبیاء کو پہچانتے ہیں اور یوں پہچانتے ہیں کہ ان کو اصلا شبہ نہیں جیسا کہ ان کو اپنی اولادوں کے پہچاننے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اور وہ ان کو اسی طرح سینکڑوں علامات اور دلائل سے پہچانتے ہیں جس طرح کہ وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں لیکن رشک وحسد سے اس علم کو چھپاتے ہیں اور اپنے کو انجان بناتے ہیں۔ پس جبکہ حق سبحانہ ایک جگہ یہ فرماتے ہیں کہ معاندین جانتے ہیں تو دوسری جگہ یہ کیسے فرماتے ہیں کہ ان کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا تم ان کی معرفت کا خیال چھوڑ دو کیونکہ وہ میرے قبائے ستر میں مستور ہیں اور میرے سوا ان کو اپنی تحقیق و تفتیش سے کوئی نہیں جا سکتا۔ سو بات وہی ہے کہ یہ امر بھی اختلاف جہات سے ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کا جاننا اور نہ جاننا یعنی مخالفین ان کے نبی ہونے کو جانتے ہیں مگر ان کے کمالات عالیہ سے میرے سوا کوئی واقف نہیں اسی قسم کی بہت سی باتیں احادیث میں ہیں جن میں نفی واثبات اختلاف نسبت کی طرف راجع ہے اور سنو ایک شخص کہتا ہے کہ کوئی درویش عالم میں نہیں اور اگر ہو بھی تو بھی نہیں۔ اب یہ دیکھو کہ وہ کہتا ہے کہ ہو بھی تب بھی نہیں ہے پس اس نے ایک شئے کے لئے وجود وعدم دونوں ثابت کر دیئے۔ اور یہ فی نفسہ صحیح ہے کیونکہ ذاتاً وہ موجود ہے اور اس کے اوصاف اوصاف حق میں فنا ہو چکے ہیں مثلاً شعلۂ شمع آفتاب کے سامنے موجود بھی ہوتا ہے اور معدوم بھی۔ ذاتاً تو وہ موجود ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر تم اس پر روئی رکھ دو تو وہ جل جاوے گی اور اس لحاظ سے وہ معدوم

ہے کہ اس کی روشنی آفتاب کی روشنی میں فنا ہوگئی ہے اور سنو دوسرے شہد میں ایک اوقیہ سرکہ ملا دو جبکہ تم اس کو ڈال دو گے اور وہ اس میں مل جائے گا تو جب چکھو گے تو سرکہ کا مزہ نہ پاؤ گے۔ دیکھو مزہ اس کا فنا ہو گیا اور جب تولو گے تو ایک اوقیہ زائد ہوگا۔ پس دیکھو کہ ذات موجود ہے اور دیکھو شیر کو دیکھ کر ہرن ششدر رہ گیا پس اس کی ہستی شیر کی ہستی میں چھپ گئی۔ کیونکہ گو اس کی ذات موجود ہے مگر آثار حیوۃ سب فنا ہو گئے اور حس و حرکت سب جاتی رہی۔

شرح شبّیری

این قیاس ناقصاں برکار رب	جوشش عشقست نہ ترک ادب
اللہ (تعالیٰ) کے معاملہ میں ناقصوں کا یہ قیاس	ادب کو ترک کرنے کی وجہ سے نہیں ہے، عشق کا جوش ہے

یعنی یہ ناقصوں کو کار رب پر قیاس کرنا جوش عشق ہے نہ کہ ترک ادب کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کی صفات کو اور خود ذات کو جو ہم امثلہ ناقصہ سے بیان کرتے ہیں یہ صرف جوش عشق ہے کہ دل چاہتا ہے معلوم کرنے کو اور کنہ معلوم ہونا محال ہے لہٰذا اسی طرح کام چلاتے ہیں ورنہ یہ اس طرح مثالیں دینا خدانخواستہ ترک ادب کی وجہ سے نہیں ہے۔

نبض عاشق بے ادب بر می جہد	خویش را در کفۂ شہ می نہد
عاشق کی نبض بلا (لحاظ) ادب تڑپتی ہے	اپنے آپ کو شاہ کے پلڑے میں رکھتی ہے

یعنی عاشق کی نبض بے ادب کودتی ہے اور اپنے کو دست شاہ میں رکھتی ہے یعنی عاشق ظاہر حالت میں بے ادب معلوم ہوتا ہے اور اس کی ظاہری حرکات و کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ سخت بے ادب ہے مگر اصل اور باطن میں اس سے زیادہ باادب کوئی نہیں ہوتا آگے خود فرماتے ہیں۔

بے ادب تر نیست زو کس در جہاں	باادب تر نیست زو کس در نہاں
دنیا میں اس سے زیادہ بے ادب کوئی نہیں ہے	درپردہ اس سے زیادہ باادب کوئی نہیں ہے

یعنی اس سے زیادہ کوئی جہان میں بے ادب نہیں ہے اور اس سے زیادہ باادب باطن میں کوئی نہیں ہے مطلب یہ کہ ظاہراً تو وہ بے ادب ہوتا ہے مگر باطن میں بے حد باادب ہوتا ہے۔

ہم بہ نسبت دان وفاق اے منتخب	ایں دو ضد باادب با بے ادب
اے برگزیدہ! جمع ہونا بھی نسبت کی وجہ سے سمجھ	با ادب اور بے ادب ان دو ضدوں کا

یعنی اے منتخب اس موافقت ضدین باادب اور بے ادب کو بھی نسبت ہی سے جانو مطلب یہ کہ ایک شخص میں جو ہم نے دو حیثیتیں بتائی ہیں کہ وہ باادب بھی ہے اور بے ادب بھی ہے یہ بھی اسی نسبت اور حیثیت کے لحاظ سے ہے۔

بے ادب باشد چو ظاہر بنگری	کہ بود دعویٰ عشقش ہمسری
جب تو دیکھے گا وہ بظاہر بے ادب ہو گا	کیونکہ اس کا عشق کا دعویٰ، برابری ہے

یعنی بے ادب ہوتا ہے جبکہ تم ظاہر کو دیکھو کیونکہ اس کے عشق کا دعویٰ کرنا تو ہمسری ہے یعنی عشق خدا کا دعویٰ کرنا بھی تو بہت بڑی بات ہے تو اگر اس کو دیکھو کہ دعویٰ عشق حق کرتا ہے تو یہ عاشق سخت گستاخ معلوم ہوتا ہے۔

چوں بباطن بنگری دعویٰ کجاست	او و دعویٰ پیش آں سلطاں فناست
جب تو حقیقت کو دیکھے گا ' دعویٰ کہاں ہے؟	وہ اور اس کا دعویٰ شاہ کے سامنے معدوم ہیں

یعنی جب باطن کو دیکھو تو دعویٰ کہاں ہے وہ اور دعویٰ اس سلطان کے سامنے فنا ہے۔ یعنی ظاہراً تو مدعی عشق حق ہوتا ہے لہذا گستاخ معلوم ہوتا ہے اور باطن میں اگر دیکھا جاوے تو دعویٰ عشق تو کہاں خود اس کی ہستی بھی حق تعالیٰ کے سامنے فنا ہو چکی ہے۔ اس حیثیت سے باادب بدرجہ اکمل معلوم ہوتا ہے آگے ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

مات زید زید اگر فاعل بود	لیک فاعل نیست کو عاطل بود
"زید مر گیا" زید اگرچہ فاعل ہے	لیکن وہ کرنے والا نہیں ہے' کیونکہ وہ بیکار ہے

یعنی مات زید (میں) زید اگرچہ فاعل ہے لیکن فاعل نہیں کیونکہ وہ تو عاطل ہے۔

او ز روئے لفظ نحوی فاعل است	ورنہ او مفعول و موتش قاتل است
وہ نحوی اصطلاح کے اعتبار سے فاعل ہے	ورنہ وہ مفعول ہے اور موت اس کی قاتل ہے

یعنی وہ لفظ نحوی کے اعتبار سے تو فاعل ہے ورنہ وہ مقتول ہے اور موت اس کی قاتل ہے مطلب یہ کہ مات زید میں زید کو فاعل کہتے ہیں مگر وہ فاعل تو کیا وہ تو خود معطل ہو چکا ہے وہ تو اصل میں مقتول موت ہے مگر ظاہری الفاظ کے اعتبار سے فاعل ہے تو اسی طرح ظاہر حالت کے اعتبار سے یہ عاشق گستاخ و بے ادب ہے ورنہ اصل میں نہایت باادب ہے۔

فاعلے چہ کو چناں مقہور شد	فاعلیہا جملہ ازوے دور شد
وہ فاعل کیسا وہ ایسا مغلوب ہے	تمام فاعلی اس سے دور ہو گئی ہے

یعنی فاعل تو کیا وہ تو ایسا مقہور ہوا ہے کہ تمام فاعلیتیں اس سے دور ہو گئی ہیں یعنی زید فاعل کیا بن سکتا ہے وہ تو ایسا مفعول بنا ہے کہ ساری فاعلیت ختم ہو گئی مگر ظاہر الفاظ کے اعتبار سے فاعل ہی ہے تو ایک شے ایک حیثیت سے مفعول اور دوسری سے فاعل۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں کہ بخارا میں غلام سے کوئی خطا سرزد ہوئی تو آقا اس نے سخت ناراض ہوا وہ غلام خوف جان کی وجہ سے وہاں سے بھاگ گیا لیکن آقا سے اس کو محبت زیادہ تھی اس لئے اس سے جدا نہ رہ سکا لہذا پھر بے باکانہ آ کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

تو اس کا یہ کھڑا ہونا ظاہراً تو سخت گستاخی پر حال ہے مگر اندر دیکھو کہ اس کے دل میں اس آقا کی کس قدر وقعت تھی چونکہ یہاں اس مضمون کو بیان کیا تھا اس مناسبت سے آگے اس حکایت کو لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ان ناقصین شیر وہرن وغیرہ کی حالت کو حق سبحانہ کی حالت پر قیاس کرنے کو کوئی گستاخی نہ سمجھے بلکہ یہ جوش عشق ہے۔ عاشق کی نبض گستاخانہ دھڑکتی ہے کیونکہ اس کا دعویٰ عشق بظاہر حق سبحانہ کی گونہ ہمسری کا دعویٰ کرنا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بظاہر حال تو اس سے زیادہ گستاخ کوئی نہیں اور باطن میں اس سے زیادہ باادب کوئی نہیں یہ موافقت ضدین یعنی باادب اور بےادب کا جمع ہونا بھی اختلاف جہت سے ہے۔ جب تم اس کی ظاہری حالت کو دیکھو تو تم اسے بےادب کہو گے کیونکہ وہ حق سبحانہ کے عشق کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے مگر جب تم اس کے باطن پر نظر کرو تو تم کو معلوم ہوگا کہ کیسا دعویٰ وہ خود اور اس کا دعویٰ دونوں حق سبحانہ کے سامنے فنا ہیں اس کی مثال ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ مات زید میں زید فاعل ہے لیکن وہ حقیقت میں فاعل نہیں ہے کیونکہ وہ تو معطل ہے وہ نحویوں کے اعتبار سے فاعل ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے دیکھو تو وہ مقتول ومفعول ہے اور موت اس کی قاتل اور فاعل موثر بھلا وہ کیا فاعل ہوسکتا ہے جو اس قدر مغلوب ہو کہ ساری فاعلیتیں اس سے منفک ہو جائیں۔

شرح شبّیری

قصہ صدر جہان کے وکیل کا کہ متہم ہوا تھا اور بخارا سے خوف جان کی وجہ سے بھاگ گیا تھا پھر عشق نے اس کا گریبان پکڑا (اور بخارا میں آگیا) کیونکہ جانبازی کرنا جانان کے لئے سہل ہوتی ہے

در بخارا بندۂ صدر جہاں	متہم شد گشت از صدرش نہاں
بخارا میں صدر جہاں کا ایک غلام	متہم ہوگیا اس کے دربار سے غائب ہو گیا

یعنی بخارا میں صدر جہاں کا غلام متہم ہو گیا تو اپنے صدر سے پوشیدہ ہو گیا۔

مدت دہ سال سرگرداں بگشت	گہ خراساں گہ قہستاں گاہ دشت
دس سال تک مارا مارا پھرا	کبھی خراسان میں کبھی کہستان میں کبھی جنگل میں

یعنی دس برس کی مدت تک وہ سرگرداں پھرا کبھی خراساں میں اور کبھی قہستان میں اور کبھی جنگل میں۔

از پس دہ سال او از اشتیاق	گشت بے طاقت ز ایام فراق
دس سال کے بعد وہ عشق کی وجہ سے	جدائی کے زمانہ سے بے بس ہوگیا

یعنی بعد دس برس کے وہ اشتیاق کی وجہ سے ایام فراق سے بے طاقت ہوگیا۔

گفت تاب فرقتم زیں پس نماند	صبر کے داند خلاعت را نشاند
اس نے کہا اس کے بعد جدائی کی طاقت مجھ میں نہیں رہی ہے	صبر، فراق کے ڈر کو کہاں فرو کر سکتا ہے؟

یعنی کہنے لگا کہ اس کے بعد مجھے فرقت کی تاب نہ رہی اور صبر کب جانے خلاعت کو بٹھلاتا۔ خلاعت مرض وغیرہ سے گھلنا) مطلب یہ کہ صبر اور غم خوری یکجا کب جمع ہوسکتے ہیں۔ جب اس کو اس کی فرقت میں اندوہ والم تھا تو پھر صبر کہاں ہوسکتا تھا آگے فراق سے اشیاء کے خراب ہونے کی نظائر فرماتے ہیں کہ۔

ز فراق ایں خاکہا شورہ شود	آب زرد و گندہ و تیرہ شود
فراق سے یہ زمینیں شور بن جاتی ہیں	پانی زرد اور گندہ اور گدلا ہو جاتا ہے

یعنی فراق کی وجہ سے یہ خاک شورہ ہو جاتی ہیں اور پانی زرد اور گندہ اور تیرہ ہو جاتا ہے یعنی خاک کو اگر پانی سے مفارقت ہو یا پانی کو پانی سے مفارقت ہو تو وہ خراب ہو جاتے ہیں۔

باد جان افزا وخم گردد وبا	آتشے خاکسترے گردد ہبا
روح پرور ہوا، ناموافق وبا بن جاتی ہے	آگ، راکھ فضا کے ذرے بن جاتی ہے

یعنی ہوا جو جان افزا ہو وہ ناگوار اور وبا ہو جاتی ہے اور آگ خاکستر اور ہبا ہو جاتی ہے۔ یعنی جب ہوا بند ہو جاوے اور دوسری ہوا اس تک نہ پہنچے تو وہ خراب ہو جاتی ہے علیٰ ہذا آگ بھی بجھ جاتی ہے۔

باغ چوں جنت شود دارالمرض	زرد درریزاں برگ او اندر حرض
جنت جیسا باغ، بیماری کا گھر بن جاتا ہے	خرابی سے اس کے پتے زرد اور جھڑنیوالے بن جاتے ہیں

یعنی جنت جیسا باغ (بارش کی مفارقت سے) دارالمرض ہو جاتا ہے زرد اور اس کے پتے گرنیوالے مرض میں (مبتلا ہو جاتے ہیں) یعنی اگر باغ کو بارش نہ پہنچے تو وہ سوکھ ساکھ کر خراب وخستہ ہو جاتا ہے۔

عقل دراک از فراق دوستان	ہمچو تیر انداز اشکستہ کمان
دوستوں کی جدائی سے حساس عقل	ٹوٹی ہوئی کمان والے، تیر انداز کی طرح ہے

یعنی عقل مدرک دوستوں کے فراق کی وجہ سے مثل اس تیرانداز کے ہے جو شکستہ کمان ہو یعنی فراق دوستان میں عقل انسان بیکار ہو جاتی ہے۔

دوزخ از فرقت چناں سوزاں شدہ است	بیداز فرقت چناں لرزاں شدہ است
دوزخ، فراق سے اس قدر جلانے والی بن گئی ہے	بید، فراق سے اس قدر لرزنے والی بن گئی ہے

یعنی دوزخ فرقت کی وجہ سے اس قدر سوزاں ہو رہی ہے اور بید فرقت کی وجہ سے اس قدر کانپ رہا ہے یعنی

دوزخ میں جو اس قدر شورش ہے یہ اس فرقت کی وجہ سے ہے جو کہ اس کو بظاہر حق تعالیٰ سے ہے علیٰ ہذا بید بھی اپنے معشوق کی یاد میں کانپ رہا ہے یہ مضامین اکثر شاعرانہ ہیں۔ جیسے کہ مشہور ہے مطلب یہ ہے کہ فرقت میں اکثر اشیاء خراب ہو جاتی ہیں تو اسی طرح فرقت صدر جہان میں وہ غلام خراب وخستہ تھا آگے فرماتے ہیں۔

گر بگویم از فراق چوں شرار	تا قیامت یک بود از صد ہزار
اگر میں چنگاریوں جیسے فراق کے متعلق کہوں	قیامت تک لاکھ میں سے ایک ہو گا

یعنی اگر میں فراق کو جو مثل شرر کے ہے بیان کروں تو قیامت تک لاکھ میں سے ایک ہو گا یعنی لاکھوں حصہ بھی اس کے خواص اور اس کے افعال کا قیامت تک بیان نہیں ہو سکتا۔

پس ز شرح سوز او کم زن نفس	رب سلم رب سلم گوئے بس
لہٰذا اس کی سوزش کی تشریح نہ کر	بس، خدا بچا، خدا بچا کہتا رہ

یعنی پس اس کی سوز کی شرح سے کم دم مارو بس رب سلم رب سلم کہتے رہو یعنی اس کی سوز کو زیادہ مت بیان کرو اور رب سلم رب سلم کہتے رہو بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ہر چہ از وے شاد گردی در جہاں	از فراق او بیندیش آں زماں
تو دنیا میں، جس چیز سے خوش ہو	اسی وقت، اس کی جدائی کو سوچ لے

یعنی جہان میں جس چیز سے کہ تم شاد ہو تو اس وقت اس کے فراق سے بھی ڈرو۔

زانچہ گشتی شاد بس کس شاد شد	آخر از وے جست ہمچوں باد شد
جس چیز سے تو خوش ہوا ہے بہت سے خوش ہو چکے ہیں	بالآخر اس سے وہ چیز مل گئی ہے اور ہوا جیسی ہو گئی ہے

یعنی جس چیز سے تم شاد ہوئے بہت لوگ شاد ہو چکے ہیں آخر ان سے نکل کر ہوا کی طرح چلی گئی۔

از تو ہم بجہد تو دل بروے منہ	پیش ازاں کو بجہد از تو تو بجہہ
وہ تجھ سے بھی نکل بھاگے گی، اس سے دل نہ لگا	اس سے پہلے کہ وہ تجھ سے بھاگے تو اس سے بھاگ جا

یعنی تجھ سے بھی نکل جاوے گی تو اس پر دل مت رکھ اس سے قبل کہ وہ نکلے تو اس سے نکل جا یعنی قبل ازیں کہ وہ تمہیں چھوڑے تم ہی اس کو چھوڑ دو۔

ہمچو مریم گوئی پیش از فوت ملک	نفس را کہ اعوذ بالرحمٰن منک
ملک کے فوت ہونے سے پہلے ہی (حضرت) مریم کی طرح کہہ دے	نفس سے میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں

یعنی ملک کے فوت ہونے سے پہلے مریمؑ کی طرح نفس سے کہہ دو کہ اعوذ بالرحمٰن منک۔ مطلب یہ کہ اس سے قبل کہ نفس تم پر قابو پاوے اور تمہارے ملک کو تباہ و برباد کرے تم مریمؑ کی طرح اس سے پناہ مانگو کہ جب ان کے پاس

جبرئیل آئے تو انہوں نے بوجہ عدم شناخت کے کوئی مفسدہ سمجھ کر اعوذ بالرحمٰن منک کہا تھا تو یہاں تو مفسدہ ظاہر ہے تم اس نفس سے پناہ مانگو آگے جبرئیل کا مریمؑ کے پاس آنے اور ان کے پناہ مانگنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ دیکھو بخارا میں صدر جہان کا ایک غلام تھا وہ کسی معاملہ میں متہم ہوا اور اپنے آقا سے چھپ گیا دس برس تک سرگرداں پھرا کیا کبھی خراسان میں کبھی قہستان میں اور کبھی جنگل میں۔ دس سال کے بعد فرط اشتیاق اور طول زمانہ فرق سے بے طاقت ہو گیا اور کہا کہ اب مجھ میں جدائی کی طاقت نہیں واقعی بات یہی ہے کہ صبر مفارقت کو کب پاس بیٹھنے دیتا ہے اور صبر وفراق کہاں جمع ہو سکتے ہیں۔ مفارقت ہی سے خاک شورہ بن جاتی ہے کیونکہ جب قوی نامیہ وغیرہ اس سے جدا ہو جاتی ہیں تو شورہ بن جاتی ہے اور مفارقت ہی سے آب گندہ زرد اور میلا ہوتا ہے کیونکہ جب صفائی اور خلوص اس سے جدا ہوا یہ باتیں پیدا ہو جاتی ہیں مفارقت ہی سے روح افزا ہوا گندہ اور وبا کا سبب بن جاتی ہے اس لئے کہ جب صرافت اس کی جدا ہوگئی یہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور مفارقت ہی سے آگ خاکستر اور فنا ہو جاتے ہیں کیونکہ جب ہوا وغیرہ اشیاء مشتعلہ سے اسے انفکاک ہوتا ہے تو وہ بجھ جاتی ہے مفارقت ہی سے بہشت کی مانند سرسبز و شاداب باغ دار المرض بن جاتا ہے کیونکہ جب بہار چلی گئی تو پتے زرد ہو کر گرنے لگتے ہیں۔ غرض میں فراق کے مصائب کہاں تک بیان کروں اگر اس چنگاری کی مانند فراق کے اوصاف بیان کروں تو قیامت تک بیان کرنے پر بھی لاکھوں حصہ نہ بیان ہو لہٰذا اس کی شورش کے بیان کو چھوڑ کر یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ تو ہمیں اس مصیبت سے بچا اب سنو کہ جس چیز سے تم کو خوشی ہو اس کی مفارقت کے رنج کا بھی خیال کر لیا کرو کیونکہ جس چیز سے تم خوش ہو تم سے پہلے بھی بہت خوش ہو چکے ہیں لیکن آخر وہ شے ان سے بھی ہوا کی طرح جدا ہوگئی پھر تمہارے پاس کیسے رہ سکتی ہے ضرور تم سے بھی علیحدہ ہوگی لہٰذا تم اس سے دل ہی نہ لگاؤ اور قبل اس کے کہ وہ تم سے جدا ہو تمہیں اس سے جدا ہو جاؤ اور اس اپنے ملک کے زوال سے پہلے ہی تم مریم علیہا السلام کی طرح اعوذ بالرحمٰن منک کہدو۔ تفصیل واقعہ مریم حسب ذیل ہے۔

شرح شبّیری

روح القدس کا آدمی کی صورت میں مریمؑ کے سامنے ان کے غسل اور برہنگی کی حالت میں ظاہر ہونا اور ان کا خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگنا

دید مریمؑ صورتے بس جانفزا	جانفزائے دلربائے در خلا
حضرت مریمؑ نے ایک روح پرور صورت دیکھی	خلوت میں جو بڑی روح پرور اور دلربا تھی

یعنی مریمؑ نے خلوت میں ایک صورت بہت ہی جانفزا اور دلبرا دیکھی۔

پیش او بررست از روئے زمین	چوں مہ و خورشید آں روح الامیں
ان کے سامنے زمین سے نکل آئے	جبرئیلؑ چاند اور سورج جیسے

یعنی مریمؑ کے سامنے وہ روح الامین مثل ماہ و خورشید کے نکل آئے۔ یعنی زمین میں سے پیدا ہو گئے۔

از زمیں بررست خوبے بے نقاب	آں چناں کز شرق روید آفتاب
ایک حسینؑ بے نقاب زمین سے نمودار ہوا	جس طرح مشرق سے سورج نمودار ہوتا ہے

یعنی زمین سے ایک خوبصورت بے نقاب نکلے جیسے شرق سے آفتاب نکلتا ہے۔

لرزہ بر اعضائے مریم او فتاد	کو برہنہ بود و ترسید از فساد
(حضرت) مریمؑ کے اعضاء پر کپکپی طاری ہو گئی	کیونکہ وہ ننگی تھیںؑ اور خرابی سے ڈریں

یعنی اعضائے مریمؑ پر لرزہ پڑ گیا کیونکہ وہ برہنہ تھیں اور فساد سے ڈریں۔ یعنی چونکہ وہ برہنہ تھیں تو انہوں نے ان کو پہچانا نہیں لہذا سمجھیں کہ کوئی مفسد ہے لہذا وہ کانپنے لگیں۔

صورتے کہ یوسف ار دیدے عیاں	دست از حیرت بریدے چوں زناں
وہ ایسی صورت (تھی) کہ اگر (حضرت) یوسف اس کو دیکھ لیتے	عورتوں کی طرح حیرت سے ہاتھ کاٹ لیتے

یعنی ایسی صورت کہ اگر یوسفؑ بھی عیاناً دیکھ لیں تو نساء (مصر) کی طرح حیرت سے ہاتھ کاٹ لیں۔

ہمچو گل پیشش بروئید او ز گل	چوں خیالے کہ برآرد سر ز دل
وہ زمین سے' پھول کی طرح ان کے سامنے اگ آئے	جس طرح خیال دل سے سر ابھارتا ہے

یعنی پھول کی طرح ان کے سامنے وہ مٹی سے پیدا ہو گئے مثل ایک خیال کے جو کہ دل سے سر نکالے۔ یعنی وہ اس طرح نکل آئے جیسے کہ پھول مٹی سے نکل آتا ہے اسی طرح وہ زمین سے نکل آئے۔

گشت مریم بیخود و در بے خودی	گفت بجہم در پناہ ایزدی
(حضرت) مریمؑ بے اختیار ہو گئیں' اور بیخودی میں	فرمایا میں خدا کی پناہ میں آتی ہوں

یعنی مریمؑ (ان کو دیکھ کر) بیخود ہو گئیں اور بیخودی میں بولیں کہ میں تو پناہ حق میں جاتی ہوں یعنی میں خدا سے پناہ مانگتی ہوں۔

زانکہ عادت کردہ بود آں پاک جیب	در ہزیمت رخت بردن سوئے غیب
کیونکہ ان پاکدامن نے عادت ڈال رکھی تھی	عاجزی میں' غیب کی طرف رجوع کرنے کی

یعنی چونکہ وہ پاک دامن ہزیمت میں رخت کو غیب کی طرف لے جانے کی عادت ڈالے ہوئے تھیں یعنی ان کی عادت تھی کہ جب کوئی ایسی بات ہوتی تھی تو غیب کی طرف متوجہ ہوتی تھیں اس حالت میں بھی وہ اس طرف متوجہ ہوئیں اور بولیں کہ اعوذ بالرحمٰن منک۔

حازمانہ ساخت آنحضرت حصار	چوں جہانرا دید ملکے بے قرار
پختہ کاری سے اس دربار کو قلعہ بنا لیا تھا	چونکہ انہوں نے دنیا کو بے ٹکاؤ ملک سمجھ لیا تھا

یعنی جبکہ مریمؑ نے (اس) جہان کو ایک ملک بے قرار (وزائل وفانی) دیکھا تو حازم کی طرح اس درگاہ میں قلعہ بنالیا۔ یعنی جب اس دنیا کو فانی دیکھا تو بس وہ ہر کام میں حضرت حق کی طرف متوجہ ہوتی تھیں۔

کہ نیابد خصم راہ مقصدش	تابگاہ مرگ حصنے باشدش
تاکہ شیطانؔ اپنے مقصد کا راستہ نہ پائے	تاکہ موت کے وقت وہ ان کا قلعہ بنے

یعنی وقت موت تک ان کے لیے وہ ایک حصن ہوگا کہ کوئی خصم ان کے مقصد پر نہ آوے گا۔ مطلب یہ کہ یہ وہ حصن ہے کہ اس حصن میں ان کے مقصد تک کسی دشمن کی رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔

یورتگہ نزدیک آں دژ برگزید	از پناہ حق حصارے بہ نہ دید
اس قلعہ کے نزدیک انہوں نے قیام گاہ منتخب کی	انہوں نے اللہ کی پناہ سے زیادہ بہتر کوئی قلعہ نہیں دیکھا

یعنی پناہ حق سے کوئی حصار بہتر نہ دیکھا تو گھر اس قلعہ کے نزدیک اختیار کرلیا یعنی انہوں نے حق تعالیٰ سے پناہ مانگی اور کہا کہ اعوذ بالرحمٰن منک۔

کہ ازو می شد جگر ہا تیر دوز	چوں بدید آں غمزہائے عقل سوز
جن سے جگر زخمی ہوتے تھے	جب انہوں نے وہ عقل سوز ادائیں دیکھیں

یعنی جب کہ ان غمزہائے عقل سوز کو دیکھا جن سے کہ جگر تیر دوز ہوتے تھے (تو ان ہی کی پناہ میں چلی گئیں) اور غمزوں سے مراد افعال ہیں) یعنی جب انہوں نے حق تعالیٰ کے افعال وقدرۃ کو ایسا دیکھا کہ وہ تمام عقول پر غالب ہیں اور ان پر کسی کا بس نہیں چلتا تو بس وہ ان ہی کی پناہ میں آگئیں اور ان کی تو یہ قدرت اور وہ شان ہے کہ۔

خسروان ہوش بیہوش شدہ	شاہ و لشکر حلقہ در گوش شدہ
عقل کے شہنشاہ بیہوش ہو گئے تھے	شاہ اور لشکر اس کے حلقہ بگوش بن گئے تھے

یعنی شاہ اور لشکر سب اس کے حلقہ بگوش ہیں اور خسرواں ہوش اس کے بے ہوش ہیں یعنی تمام شاہان دنیا اور ان کے لشکر اور بڑے بڑے عقلاء سب اس کے سامنے زبوں ہیں اس کے آگے کسی کی نہیں چلتی لہذا اس ہی کی پناہ ایسی ہے کہ جہاں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔

صد ہزاراں شاہ مملوکش برق	صد ہزاراں بدر رادادہ بدق
لاکھوں بادشاہ غلامی کی وجہ سے اسکے مملوک ہوگئے تھے	لاکھوں چودھویں کے چاندوں کو اس نے گہناؤ میں مبتلا کر دیا تھا

یعنی لاکھوں بادشاہ غلامی کی وجہ سے اس کے مملوک اور لاکھوں بدر کو وہ گھٹنے میں دیئے ہوئے ہیں۔ یعنی اس کے سامنے سب زبوں اور کم ہیں کوئی اس کی برابر کا نہیں۔

زہرہ نے مر زہرہ را تادم زند	عقل کلش چوں بہ بیند کم زند
زہرہ کے پتہ نہیں کہ دم مارے	جب اس کو عقل کل دیکھ لے (کاروبار) چھوڑ دے

یعنی زہرہ کو طاقت نہیں ہے کہ دم مارے اور عقل کل اس کو جب دیکھ لے تو پوشیدہ ہو جاوے یعنی اس کی قدرت اور اس کے جمال کے آگے سب ہیچ ہیں اس لئے حضرت مریم ان کی پناہ میں آ گئیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

من چہ گویم چوں مرا بردوخت است	دمگہم را دمگہ او سوخت است
میں کیا بتاؤں جبکہ اس نے مجھے چھلنی کر دیا ہے	اس کے مظاہر نے میرا گلا جلا دیا ہے

یعنی میں کیا بیان کروں جبکہ مجھے اس نے سی دیا ہے اور میرے نطق کو اس کے نطق نے جلا دیا ہے یعنی میں حق تعالیٰ کی شان کیا بیان کر سکتا ہوں مجھے تو حق تعالیٰ کے جلال نے چپ کر دیا ہے اور میں اس میں فنا ہو چکا ہوں۔

دود آں نارم دلیلم من برو	دور ازان شہ باطل ما عبروا
میں اس آگ کا دھواں ہوں میں اس کی نشانی ہوں	اس شاہ سے دور ہے لوگوں نے جو تعبیر کی ہے وہ باطل ہے

یعنی میں اسی آگ کا دھواں ہوں اور میں اس پر دلیل ہوں اس شاہ سے دور اور باطل ہے جو لوگ تعبیر کرتے ہیں یعنی میں تو اسی کا ظل ہوں اور اس پر دال ہوں تو میری ہستی ہی اس کے وجود پر دلیل ہو سکتی ہے اس لئے کہ مصنوع سے صانع پر استدلال ہوتا ہے باقی جو صفات کہ لوگ بیان کرتے ہیں وہ بالکل باطل ہیں اور اس کی شان سے بیحد بعید ہیں۔

خود نباشد آفتابے را دلیل	جز کہ نور آفتاب مستطیل
سورج کے لئے کوئی دلیل نہیں ہوتی	سورج کے لمبے نور کے سوا

یعنی خود آفتاب کی کوئی دلیل سوائے نور آفتاب کے جو کہ مستطیل ہو نہیں ہوتی یعنی آفتاب کے وجود کی دلیل خود اس کا وہ نور ہی ہے اس پر کسی دوسری دلیل کے قائم کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے تو اسی طرح حق تعالیٰ کے وجود پر کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی دلیل ہے۔

سایہ کہ بود تا دلیل او بود	این بستش کہ ذلیل او بود
سایہ کیا ہوتا ہے جو اس کی دلیل بنے	اس کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اس کا تابع ہو

یعنی سایہ کون ہے کہ اس کی دلیل ہوگا یہی کافی ہے کہ وہ اس کا ذلیل ہو جاوے۔ یعنی سایہ بھلا اصل کی

دلیل کیا بن سکتا ہے وہ اگر اس کا عاجز اور اس کا دلیل رہے یہی کافی ہے ورنہ کہاں سایہ اور کہاں اصل تو ہمارا وجود وجود حق پر کیا دلیل ہو سکتا ہے کہاں ہم اور کہاں وہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ مریم علیہا السلام نے خلوت میں ایک نہایت جانفزا اور دلربا صورت دیکھی یعنی جبرئیل علیہ السلام ان کے سامنے ہی زمین میں سے پیدا ہوئے اور انہوں نے دیکھا کہ زمین سے ایک بے نقاب خوب صورت شخص یوں برآمد ہوا جیسے کہ مشرق سے آفتاب نکلتا ہے ان کو دیکھتے ہی مریم علیہ السلام کا جسم تھر تھر کانپنے لگا کیونکہ وہ برہنہ تھیں اور ان کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کوئی خرابی واقع ہو کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ایسا خوبصورت شخص جس کو اگر یوسف علیہ السلام بھی دیکھ لیتے تو زنان مصر کی طرح وہ بھی حیرت سے اپنے ہاتھ کاٹ لیتے۔ پھول کی طرح ان کے سامنے زمین سے یوں پیدا ہوا جیسے کہ دل سے خیال ظاہر ہوتا ہے یہ دیکھ کر مریم علیہا السلام بدحواس ہو گئیں اور کہا کہ اب کوئی چارہ نہیں بجز اس کے کہ میں حق سبحانہ سے پناہ لوں کیونکہ ان عفیفہ کی یہ عادت تھی کہ جب کبھی کسی مصیبت سے مغلوب ہوتی تھیں تو اپنے کو حق سبحانہ کے حوالہ کر دیتی تھیں اور ان سے پناہ لیتی تھیں کیونکہ جب انہوں نے دیکھا کہ یہ عالم فانی ہے تو غایت حزم سے انہوں نے حضرت حق کو اپنا پناہ دہندہ بنایا اور بہت ہی خوب کیا کیونکہ وہ ان کے انتقال کے وقت تک ان کا یوں پناہ دہندہ رہے گا کہ کوئی دشمن ان پر قابو نہ پا سکے گا۔ پس جب انہوں نے دیکھا کہ اس شخص کے غمزے عقل کو فنا کر دینے والے اور جگر کے پارے ہو جانے والے ہیں گو اب تک مجھ پر ان کا کچھ اثر نہیں ہوا لیکن نفس وشیطان انسان کے دشمن ہیں کیا عجب ہے کہ مجھ پر نفس وشیطان کا جادو چل جاوے۔ تو انہوں نے خدا کی پناہ سے بہتر کوئی قلعہ نہ دیکھا لہذا اسی کے قریب چوکی بنا لی اور اس کی پناہ میں آ گئیں۔ اور سمجھا کہ یہاں کسی کا قابو نہیں چل سکتا۔ اس لئے کہ شاہان دنیا اور ان کے لشکر سب اس کے حلقہ بگوش ہیں اور بڑے بڑے عقلاء اس کے سامنے بے ہوش ہیں لاکھوں بادشاہ اس کے غلام ہیں اور لاکھوں حسین اس کے فراق میں مدقوق ہیں۔ زہرہ کی کیا طاقت ہے کہ اس کے سامنے دم مار سکے اس کی تو یہ حالت ہے کہ عقل کل بھی اسے دیکھ کر اپنے نقص کا اعتراف کرتی ہے۔ پس نہ وہاں کسی کا زور چل سکتا ہے نہ تدبیر اور نہ وہ حسن سے متاثر ہو سکتا ہے لہذا کوئی تدبیر نہیں جس سے کوئی مجھ پر قبضہ حاصل کر سکے۔ یہ توجیہ تو اس وقت ہے جبکہ چوں شرط موخر ہو اور از پناہ حق الخ جزائے مقدم اور شاہ ولشکر الخ علت مضمون مستنبط از جزا اور یہ بھی ممکن ہے کہ چوں بدید اور اشعار مابعد شرط موخر ہوں اور از پناہ حق الخ جزائے مقدم اس وقت حاصل یہ ہوگا کہ حضرت مریم علیہا السلام نے جب دیکھا کہ حضرت حق خود محبوب حقیقی اور شہنشاہ حقیقی ہیں نہ ان کے سامنے کسی کا زور چل سکتا ہے نہ تدبیر نہ حسن اس لئے ان کے پناہ میں آ گئیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں اس کے کمالات کیا بیان

کروں اس نے تو میرا منہ سی دیا ہے اور اس کی گویائی نے میرے بیان کو فنا کر دیا ہے کیونکہ میں ہوں ہی کیا چیز میں تو اس آگ کا دھواں اور اس علت کا معلول اور اس کی وجود کی دلیل ہوں تو بہ تو بہ حاشاء عن ذلک میں نے جو کچھ کہا سب غلط ہے۔ آفتاب کی دلیل تو خود اس کا پھیلنے والا نور ہے۔ سایہ کی کیا مجال ہے کہ وہ اس کی دلیل بن سکے اس کے لئے تو یہ ہی کافی ہے کہ وہ اس کا ایک ذلیل وابستہ ہو۔

شرح شبّیری

این جلالت در دلالت صادق است	جملہ ادراکات پس او سابق است
یہ بڑائی (اپنی) دلالت میں سچی ہے	تمام ادراکات پیچھے ہیں، وہ آگے ہے

یعنی یہ جلیل ہونا دلالت کرنے میں صادق ہے۔ تمام قوی مدرکہ پیچھے ہیں اور وہ سابق ہے۔ یعنی اس کا جلیل وعظیم ہونا ہی اس کے وجود پر دلیل کافی ہے ورنہ جس قدر قوی مدرکہ ہیں سارے اس کے کنہ کے دریافت کرنے میں پس ہیں اور وہ سب سے سابق ہے۔

جملہ ادراکات برخرہائے لنگ	او سوار باد پران چوں خدنگ
تمام ادراکات لنگڑے گدھوں پر سوار ہیں	وہ تیر کی طرح اڑنے والی ہوا پر سوار ہے

یعنی تمام قوی مدرکہ خرہائے لنگ پر (سوار) ہیں اور وہ باد پراں پر جو مثل خدنگ کے ہے سوار ہے۔

گر گریزد کس نیابد گرد شہ	ور گریزند او بگیرد پیش رہ
اگر شاہ بھاگے کوئی اس کی گرد نہیں پا سکتا	اور اگر لوگ بھاگیں تو وہ (شاہ) آگے کا راستہ روک دے

یعنی اگر بھاگے تو کوئی شخص گرد شاہ کو پا نہیں سکتا۔ اور وہ بھاگے تو راستہ کا آگا روک لے یعنی اور قوی مدرکہ اگر اس کا ادراک کرنا چاہیں تو اس تک کیا اس کی گرد تک رسائی نہیں ہوسکتی۔ اور اگر وہ ادراک کرنا چاہے تو کوئی نکل کر جا نہیں سکتا۔ قرآن شریف میں موجود ہے۔ ولا یحیطون بشیء من علمه الا بماشاء تو جب تمام قوی مدرکہ اس کے آگے عاجز ہیں تو پھر اس کی کنہ کو کیاں بیان کرسکتے ہیں۔ آگے قوی کے افعال کو کہ یہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتے ہیں اور کسی وقت بیکار نہیں رہتے مگر بعض مرتبہ بعض اشیاء کے ادراک میں تھک جاتے ہیں تو بس جب اس دنیاوی مدرکات کے ادراک میں ان کا یہ حال ہے تو پھر ادراک حق میں تو کیوں نہ تھکیں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

جملہ ادراکات را آرام نے	وقت میدانست وقت جام نے
جملہ ادراکات کو سکون نہیں ہے	میدان کا وقت ہے، جام کا وقت نہیں ہے

یعنی تمام قوی مدرکہ کو آرام نہیں ہے (بلکہ ان کے لئے) وقت میدان ہے وقت جام نہیں ہے۔ یعنی جس

طرح کہ میدان میں ہروقت کام میں رہتے ہیں اسی طرح یہ بھی کام میں لگے رہتے ہیں اور جام نوشی بیکاری میں ہوتی ہے تو یہ بیکار ہی نہیں ہیں کہ جو جام نوشی کریں بلکہ یہ حالت ہے کہ۔

آن یکے وہمے چو بازے می پرد	وان یکے چون تیر مغفرمی درد
ایک خیالی باز کی طرح اڑتا ہے	اور ایک تیر کی طرح خود کو پھاڑتا ہے

یعنی وہ ایک وہم تو باز کی طرح اڑتا ہے اور وہ ایک (نگاہ) تیر کی طرح مغفر کو پھاڑتی ہے یعنی جس طرح کہ تیر خود کو پھاڑ دیتا ہے اسی طرح نگاہ اجسام کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔

وان دگر چوں کشتی با بادیان	وان دگر اندر تراجع ہر زمان
اور دوسرا بادبان والی کشتی کی طرح ہے	اور دوسرا ہر وقت تردد میں ہے

یعنی اور وہ دوسرا (شامہ وسامعہ) مثل کشتی کے مع بادبان کے ہے اور وہ دوسرا (عقلیہ) تراجع میں ہے ہر وقت۔یعنی ایک بات کو سوچو پھر اسی کو سوچتا ہے تو یہ ہروقت تراجع میں ہے کہ الٹ پھیر کرتی رہتی ہے۔

چون شکارے می نماید شان زدور	جملہ حملہ می فزایند آن طیور
جب ان کو کوئی شکار دور سے نظر آتا ہے	وہ سب پرند حملہ کرتے ہیں

یعنی ان کو جب دور سے کوئی شکار دکھائی دیتا ہے تو یہ سارے طیور حملہ کرتے ہیں یعنی جب کوئی مدرک ان کو معلوم ہوتا ہے تو یہ سارے اس طرف کو اس کے ادراک کے لئے چلتے ہیں۔

چونکہ ناپیدا شود حیران شوند	ہمچو چغدان سوئے ہر ویران شوند
جب وہ غائب ہو جاتا ہے' سب حیران ہوتے ہیں	الوؤں کی طرح ہر ویرانے میں چلے جاتے ہیں

یعنی جب وہ مدرک غائب ہو جاتا ہے تو سارے حیران رہ جاتے ہیں اور چغدوں کی طرح ویرانہ کی طرف جاتے ہیں یعنی بس پھر ان کی کچھ نہیں چلتی اور حیران رہ جاتے ہیں۔

منتظر چشمے بہم یک چشم باز	تا کہ پیدا گردد آن صید نیاز
اس طور پر منتظر کہ ایک آنکھ کھلی ہوئی ایک آنکھ بند	تاکہ وہ نیازمندی کا شکار نظر آ جائے

یعنی منتظر ہیں ایک آنکھ کھلی ہوئی اور ایک بند تا کہ وہ صید نیاز ظاہر ہو جاوے (چشمے بہم یک چشم باز کنایہ ہے غایت انتظار سے) یعنی بے انتہا اس کے ظہور کے منتظر رہتے ہیں۔

چون بماند دیر گویند از ملال	صید بود آن خود عجب یا خود خیال
جب وہ دیر تک (مخفی) رہتا ہے تھک کر کہتے ہیں	تعجب ہے' وہ شکار تھا' یا خود خیال (تھا)

یعنی جب وہ دیر تک (غائب) رہتا ہے تو ملال کی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ صید تھا یا کوئی خیال تھا یعنی اکتا کر

کہتے ہیں کہ میاں یہ مدرک صرف وہم ہی تھا یا کوئی واقع میں شی تھی اب مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مصلحت آنست تا یک ساعتے	قوتے گیرند و زور از راحتے
مصلحت یہ ہے کہ تھوڑی دیر	آرام کے ذریعہ قوت اور طاقت پیدا کر لیں

یعنی مصلحت وہ ہے کہ ایک گھڑی کے لئے قوت اور زور راحت سے لے لیں یعنی وہ تھک جاتے ہیں اور آگے کام نہیں دیتے اس میں بھی مصلحت ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ادراک سے ان میں جو ملال پیدا ہو گیا ہے اور وہ تھک گئے ہیں اس راحت سے سب زائل ہو جاوے اور وہ پھر تازہ دم ہو کر ادراک میں مشغول ہوں۔ لہذا ان کو ایک حد پر پہنچا کر بیکار کر دیتے ہیں کہ جس سے وہ راحت حاصل کرتے ہیں۔ اس مضمون سے مولانا کو رات کی مصلحت کی طرف انتقال ہوا کہ جیسے ان کو راحت دی جاتی ہے اسی طرح رات سے بھی سب اعضاء کو راحت ملتی ہے لہذا آگے رات کے مصالح ہی کو بیان فرمانا شروع کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ۔

گر نبودے شب ہمہ خلقان ز آز	خویشتن را سوختندے ز اہتزاز
اگر رات نہ ہوتی تمام لوگ حرص کیوجہ سے	بھاگ دوڑ میں اپنے آپ کو جلا ڈالتے

یعنی اگر رات نہ ہوتی تو تمام مخلوق حرص کی وجہ سے اپنے کو ہلنے سے جلا لیتے۔ یعنی اگر رات نہ آیا کرتی تو حرص مال کی وجہ سے چوبیس گھنٹہ کمانے ہی میں لگے رہتے تو آخر ہلاک ہو جاتے تو رات کے ہونے میں یہ مصلحت ہے کہ دن بھر کے کام کے تھکے ہوئے آرام کرتے ہیں اور پھر کام کے لئے تازہ دم ہو جاتے ہیں۔

از ہوس و ز حرص سود اندوختن	ہر کسے دادے بدن را سوختن
ہوس اور نفع کمانے کی حرص سے	ہر شخص جسم کو پھونک ڈالتا

یعنی نفع کی جمع کرنے کی ہوس اور حرص کی وجہ سے ہر شخص بدن کو جلا لیتا۔ یعنی اپنے کو ہلاک کر لیتا اور کسی وقت آرام نہ کرتا۔ مگر اب یہ ہوتا ہے کہ۔

شب پدید آید چو گنج رحمتے	تا رہند از حرص خود یک ساعتے
رحمت کے خزانے کی طرح رات ہو جاتی ہے	تا کہ تھوڑی دیر کے لئے حرص سے نجات پا جائیں

یعنی رات ایک گنج رحمت کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے تا کہ یہ اپنی حرص سے ایک گھڑی کے لئے چھوٹ جاویں۔ اب رات کے مصالح کو بیان کرنے سے مولانا کا ذہن قبض باطن کی طرف منتقل ہوا کہ جس طرح کہ رات میں ایک قسم کی بے نوری اور ظلمت ہوتی ہے اسی طرح قبض میں بھی احوال وغیرہ نہیں ہوتے۔ اور واردات بند ہو جاتے ہیں جو مشابہ ظلمت کے ہے لیکن جس طرح کہ رات کے بعد دن ہوتا ہے اور رات دن کے کام کرنے کے لئے نہیں ہوتی ہے اور دن میں جو کسل ہو گیا تھا اس کی مزیل ہوتی ہے اسی طرح بسط میں جو بعض مرتبہ کسل ہو

جاتا ہے اور انسان حقائق و معارف کے بیان سے تھک جاتا ہے تو قبض سے وہ کسل دور ہو جاتا ہے اور علوم و معارف و واردات عود کر آتے ہیں بلکہ اور زیادتی کے ساتھ عود کرتے ہیں لہذا آگے قبض کے فوائد بیان فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو	آن صلاح تست آئس دل مشو
اے سالک! جب تجھ پر قبض طاری ہو	وہ تیری بھلائی ہے، مایوس دل نہ بن

یعنی اے سالک جبکہ تجھے قبض ہو تو وہ تیری صلاح ہے تو ناامید مت ہو یعنی اس میں تیرے لئے بہت سے منافع ہیں۔ تو اس قبض سے محرومی مت سمجھ اور ناامید مت ہو بلکہ کام میں لگا رہ۔

زانکہ در خرجے دران بسط و کشاد	خرج را دخلے بباید ز اعتداد
کیونکہ تو اس قبض و بسط میں صرف کرنے میں ہے	خرچ کے لئے ذخیرے میں سے آمد چاہیے

یعنی اس لئے کہ تو بسط و کشادگی میں تو خرچ میں ہے اور خرچ کے لئے ایک معتبر آمدنی کی ضرورت ہے مطلب یہ کہ سالک کو جب بسط ہوتا ہے تو قاعدہ ہے کہ علوم و معارف کو زیادہ بیان کرتا ہے تو فرماتے ہیں کہ بسط میں تو معارف و حقائق کا خرچ ہی خرچ ہے آمدنی نہیں ہے تو اگر آمدنی نہ ہو تو سب فنا ہو جاویں۔ لہذا بعد بسط کے قبض ہوتا ہے تا کہ اس خرچ کی جگہ آب آمدنی ہو۔ اور پھر آمدنی اور خرچ سب برابر ہو جاوے اور یکساں حالت رہنے میں نقصان ہے آگے یکساں حالت سے نقصان ہونے کی نظیر فرماتے ہیں کہ۔

گر ہمارہ فصل تابستان بدے	سوزش خورشید در بستان زدے
اگر ہمیشہ گرمی کا موسم ہوتا	سورج کی گرمی باغ کو پھونک دیتی

یعنی اگر تمام فصل گرمی کی ہوتی تو خورشید کی سوزش باغ میں اثر کرتی۔

منبتش را سوختے از بیخ و بن	کہ دگر تازہ نہ گشتے آن کہن
اس کی کیاریوں کو جڑ اور بنیاد سے ایسا جلا دیتی ہے	کہ وہ پرانا بھی (ترو) تازہ نہ بنتا

یعنی اس (باغ) کی نسبت کو بیخ و بن سے جلا دیتی کہ وہ پرانا پھر تازہ نہ ہوتا۔

گر ترش رویست آن دے مشفق است	صیف خندانست واما محرق است
اگر وہ خزاں ترشرو ہے تو مہربان (بھی) ہے	گرمی کا موسم مسکرانے والا ہے لیکن جلانے والا ہے

یعنی خزان اگرچہ ترشرو ہے لیکن مشفق ہے اور گرمی خندان ہے مگر جلانے والی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر تمام فصلوں میں گرمی رہا کرتی جو کہ موسم بہار ہے تو یہ نتیجہ ہوتا کہ تمام درخت اور تمام پودے جل بھن کر خاک ہو جاتے لیکن اب سردی آ جاتی ہے اور وہ سرسبزی اور وہ موسم بہار نہیں رہتا جو کہ ظاہراً ناگوار معلوم ہوتا ہے مگر یہ تو دیکھو کہ یہ خزان اور یہ سردی ان تمام چیزوں کو سرسبزی کے قابل بنا رہی ہے کہ ان اشیاء میں جو حرارت آفتاب

سرایت کر گئی تھی سردی نے آ کر اس کو معتدل کر دیا تو اسی طرح بسط کے بعد جو قبض ہوتا ہے وہ بھی تم کو علوم و معارف کے قابل بنا رہا ہے اور تمہارے اندر ایک ملال اور کسل ہو گیا ہے اس کو دور کر کے تازہ بناتا ہے کہ پھر جو بسط ہو تو پہلے سے زیادہ علوم و معارف حاصل ہوں آگے خود فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ قبض آمد تو در روے بسط بین	تازہ باش و چین میفگن بر جبین
جب قبض طاری ہو تو اس میں بسط کا مشاہدہ کر	تازہ رہ پیشانی پر شکن نہ ڈال

یعنی جبکہ قبض آیا تم اس میں بسط دیکھو اور تازہ رہو جبین پر شکن مت ڈالو۔ یعنی قبض سے پریشان مت ہو بلکہ اس کے اندر بھی تم بسط کو دیکھو اور یہی سمجھو کہ انشاء اللہ یہ قبض خود آلہ ہے بسط کا تو اس سے تنگدل مت ہو اس لئے کہ۔

کودکان خندان و دانایان ترش	غم جگر را باشد و شادی زشش
بچے خوش ہیں اور عقلمند غمگین ہیں	غم جگر کے لئے اور خوشی پھیپھڑے سے ہے

یعنی بچے جو خوش ہوتے ہیں اور دانا لوگ ترش ہوتے ہیں اور غم جگر میں ہوتا ہے اور خوشی پھیپھڑے میں مطلب یہ کہ دیکھو بچے تو ہمیشہ خوش رہتے ہیں ان کو کوئی غم ہی نہیں ہے اس لئے کہ نادان ہیں اور جو دانا ہیں وہ ہمیشہ متفکر اور غمگین رہتے ہیں اور دیکھو جگر جو ایک عضو رئیس ہے اس سے تو تعلق غم کو ہے اور پھیپھڑہ جو ایک عضو مرؤس ہے اس کا تعلق خوشی سے ہے تو اسی طرح تم کو اگر قبض کا غم ہو تو یہ خوش ہونے کی بات ہے کہ معلوم ہو کہ تم دانا اور رئیس ہو۔

چشم کودک ہمچو خر در آخر است	چشم عاقل در حساب آخر است
بچے کی نظر گدھے کی طرح آخور پر ہے	عقلمند کی نظر آخرت کے حساب پر ہے

یعنی لڑکے کی نگاہ تو گدھے کی طرح آخور میں ہے اور عاقل کی نگاہ حساب آخر میں ہے یعنی بچہ کا تو صرف یہ کام ہے کہ کھالیا اور کھیل لیا اسے کچھ بھی غم نہیں اور جو عاقل و دانا ہیں وہ سینکڑوں تفکرات میں رہتے ہیں تو تمہارا رنج اور قبض کی حالت میں رہنا بتا رہا ہے کہ تم عاقل ہو پھر پریشان ہونے کی کونسی بات ہے۔

او در آخر چرب می بیند علف	وین ز قصاب آخرش بیند تلف
وہ آخور میں لذیذ گھاس دیکھتا ہے	اور یہ قصائی سے بالآخر اپنی ہلاکت دیکھتا ہے

یعنی وہ (بچہ) تو آخور میں غذا کو چرب دیکھ رہا ہے اور یہ آخر کار قصاب سے اس کا تلف ہونا دیکھ رہا ہے۔ یعنی نادان تو عمدہ غذائیں دیکھ کر خوب کھاتا ہے اور عاقل سمجھتا ہے کہ ان کو کھا کر قصائی کے ہاتھوں ذبح ہونا ہے تو وہ ان کو نہیں کھاتا۔ اسی طرح بسط میں نادان تو خوش رہتا ہے اور جو دانا ہیں وہ جانتے ہیں کہ صرف بسط کا انجام بہتر نہیں ہے لہذا وہ قبض سے بھی خوش ہوتے ہیں۔

آن علف تلخ است کین قصاب داد	بہر لحم ما ترازوئے نہاد
جو گھاس قصائی نے دی ہے وہ کڑوی ہے	اس نے ہمارے گوشت کے لئے ترازو تیار کر لی ہے

یعنی وہ غذا تلخ ہے جو کہ اس قصاب نے دی اس نے ہمارے گوشت کے لئے ترازو رکھی ہے یعنی چونکہ اس غذا سے اس کو ہمارا گوشت کھانا مقصود ہے کہ وہ موٹا کر کے کاٹے لہذا اس کی یہ غذا عاقل کے لئے تو تلخ اور ناگوار ہوگی اور جو نادان ہے وہ خوب مزہ اڑائے گا تو اسی طرح بسط کے جو ضرر ہیں عاقل تو ان کو سمجھ کر قبض سے خوش ہوگا اور جو نادان ہے وہ اس بسط ہی میں رہ کر اپنے اوقات ضائع کرے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

روز حکمت خور علف کانزا خدا	بے عوض دادست و از محض عطا
جا! دانائی کی گھاس کھا' جو خدا نے	مفت عنایت کی ہے اور خالص عطیہ ہے

یعنی جا حکمت کی غذا کھا کہ اس کو خدا نے بے عوض کے دیا ہے اور محض عطا سے (دیا ہے تو بس غذائے حکمت کو حاصل کرو کہ وہی اصل غذا ہے) آگے فرماتے ہیں کہ

فہم نان کردی نہ حکمت اے رہی	چونکہ حق گفتت کلوا من رزقہ
اے بندے! تو روٹی سمجھا نہ کہ حکمت	جبکہ اللہ نے تجھ سے فرمایا اس کا رزق کھاؤ

یعنی جبکہ حق تعالیٰ نے تم سے کہا کلوا من رزقہ تو تم نے روٹی سمجھی نہ کہ حکمت اے آزاد یعنی حق تعالیٰ جو کلوا من رزقہ فرمایا تو تم سمجھے کہ روٹی کے کھانے کا حکم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ روٹی ہی کے کھانے کا صرف حکم نہیں ہے بلکہ اس سے اکل حکمت بھی مراد ہے اور اسی بنا پر بیضاوی نے ممارزقناھم ینفقون کی تفسیر میں کہا ہے کہ من انوار المعرفۃ یفیضون تو دیکھو ایک تفسیر کی بنا پر رزق میں انوار معرفت بھی داخل ہیں تو ان کے حصول اور اکل کا بھی حکم ہے۔

رزق حکمت بہ بود در مرتبت	تا گلو گیرت نباشد عاقبت
رتبے میں حکمت کا رزق' بہتر ہوتا ہے	اس لئے کہ انجام میں وہ تیرا گلا پکڑنے والا نہ ہوگا

یعنی مرتبہ میں رزق حق حکمت ہے کہ وہ انجام میں تمہاری گلوگیر نہ ہوگی مطلب یہ کہ رزق دنیاوی تو بعض مرتبہ گلوگیر ہو جاتا ہے مگر حکمت وہ رزق حق ہے کہ یہ کبھی تمہاری گلوگیر نہ ہوگی۔

این دہان بستی دہانے باز شد	کو خورندہ لقمہائے راز شد
تو نے یہ منہ بند کیا تو ایسا منہ کھلا	جو اسرار کے لقمے کھانے والا بنا

یعنی تم نے اس منہ کو بند کر لیا تو ایک (اور) منہ کھل گیا کہ وہ لقمہ ہائے راز کا کھانے والا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے اس منہ کو لذات دنیاوی سے بند کر لیا تو ایک اور منہ جو کہ غذائے روحانی اور حکمت کا کھانے والا تھا وہ کھل گیا اور یہ چیزیں حاصل ہو گئیں۔

گرز شیر ایں دیوتن را وا بری	در فطام او بسے نعمت خوری
اگر تو اس جسم کے شیطان کو دودھ سے ہٹا لے گا	اس کا دودھ چھڑانے میں بہت سی نعمتیں کھائے گا

یعنی اگر دودھ سے اس دیوتن کو تم قطع کردو تو اس دودھ چھڑانے سے تم بہت نعمتیں کھاؤ گے (شیر سے مراد لذات دنیاوی) یعنی اگر تم لذات دنیاوی کو ترک کردو تو اس ترک سے تم کو آخرت کی نعمتیں میسر ہوں گی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ترک جوشے کردہ ام من نیم خام	از حکیم غزنوی بشنو تمام
میں نے ادھ کچرے کو جوش نہیں دیا ہے	حکیم غزنوی سے ، مکمل سن لے

یعنی مجھ نیم خام نے تو ادھر کچرا بیان کیا ہے حکیم غزنوی سے تم پوری طرح سنو (ترک لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ گوشت کو پوری طرح نہیں پکاتے بلکہ نیم پخت کر کے کھاتے ہیں لہٰذا ادھ کچری بات کو ترک جوش کہنے لگتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ میں نے تو اس مضمون بالا کو ادھورا بیان کیا ہے پوری طرح بیان نہ کرسکا تم حکیم غزنوی (یعنی حکیم سنائی) سے سنو وہ پوری طرح سے بیان کرتے ہیں۔

در الٰہی نامہ گوید شرح این	آں حکیم غیب فخر العارفین
اس کی شرح "الٰہی نامہ" میں بیان کی ہے	اس اسرار کے دانا اور عارفوں کے فخر نے

یعنی الٰہی نامہ میں اس کی شرح وہ حکیم غیب فخر العارفین فرماتے ہیں (الٰہی نامہ حکیم سنائی کی ایک کتاب کا نام ہے اس میں انہوں نے اس مضمون کو پوری طرح بیان کیا ہے جس کو مولانا نقل فرماتے ہیں کہ

غم خورو نان غم افزایاں مخور	زانکہ عاقل غم خورد کودک شکر
غم کھا اور غم بڑھانے والوں کی روٹی نہ کھا	کیونکہ عقلمند غم کھاتا ہے، بچہ شکر کھاتا ہے

یعنی غم کھاؤ اور غم افزایوں کی روٹی مت کھاؤ۔ اس لئے کہ عاقل غم کھاتا ہے اور بچہ شکر یعنی غم دین کھاؤ اور دنیا کی فرحت کو حقیر و ذلیل سمجھو اس لئے کہ جو دانا ہیں وہ تو ہمیشہ تفکرات و غموم ہی میں رہتے ہیں اور جو نادان ہیں وہ بیشک اس میں رہتے ہیں کہ ہر وقت خوشی ہی رہے گی مگر یاد رکھو کہ۔

قند شادی میوۂ باغ غم ست	ایں فرح زخم ست آں غم مرہم ست
خوشی کی شکر ، غم کے باغ کا میوہ ہے	یہ خوشی زخم ہے اور غم مرہم ہے

یعنی قند شادی باغ غم کا میوہ ہے اور یہ فرح زخم ہے اور وہ غم مرہم ہے یعنی اول غم ہوتا ہے تب سرور و فرحت دائمی میسر ہوتی ہے یاد رکھو کہ باغ غم کا میوہ خوشی ہی ہے اور یہاں غم سے مراد قبض اور خوشی سے مراد بسط ہے تو مطلب یہ ہے کہ بعد قبض کے بسط ہوتا ہے اور اس بسط میں جو بعد قبض کے ہو زیادہ سرور اور فرحت ہوتی ہے لہٰذا فرماتے ہیں کہ۔

غم چو بینی در کنارش کش بعشق	از سر ربوہ نظر کن در دمشق
تو جب غم دیکھے اس کو محبت سے بغل میں لے لے	دمشق کو ٹیلے پر سے دیکھ

یعنی جب غم کو دیکھو تو اس کو محبت سے کنار میں لے لو اور ٹیلہ سے دمشق میں نظر کرو (چونکہ دمشق اونچائی پر

ہے اس لئے کہا کہ از سر ربوہ نظر کن) مطلب یہ ہے کہ جب قبض وارد ہو تو اس سے متنفر مت ہو بلکہ اس کو شوق محبت سے قبول کرو اور پھر اس مجاہدہ سے جو تم کو اس کے قبول کرنے میں ہوگا علوم و معارف حاصل کرو۔ جیسا کہ دمشق میں علوم وفنون بہت زیادہ ہیں مگر چونکہ بلندی پر ہے تھوڑی تکلیف کر کے اوپر چڑھنے کی ضرورت ہے پھر جب چڑھ جاؤ گے تو انشاء اللہ علوم و معارف کے دروازے کھل جاویں گے۔

عاقل از انگور می بیند ہمی	عاشق از معدوم شے بیند ہمی
عقلمند انگور میں شراب دیکھتا ہے	عاشق معدوم میں موجود کو دیکھتا ہے

یعنی عاقل انگور میں شراب کو دیکھتا ہے اور عاشق معدوم میں سے شے کو دیکھتا ہے مطلب یہ کہ جو عاقل ہیں وہ تو انجام کو سوچ لیتے ہیں تو جس امر کا انجام اچھا ہوتا ہے اگر چہ اس میں بالفعل کلفت ہو اس کو اختیار کرتے ہیں اور جو عاشق ہیں وہ معدوم میں سے شے کو دیکھ رہے ہیں کہ ابھی تک محبوب کی طرف سے بظاہر کچھ ملا نہیں ہے مگر وہ اس نہ ملنے کو بھی ملنا کہہ رہے ہیں تو بس جب قبض ہو تو عقل و عشق دونوں کا مقتضا اس کو قبول کرنا اور اس سے متوحش نہ ہونا ہے کیونکہ اس کا انجام بخیر ہے اور اگر چہ بظاہر سلب علوم ہے مگر اس عدم میں اشیاء کا مشاہدہ کرنا چاہئے اس لئے کہ اس کا انجام بہتر ہوگا ان شاء اللہ آگے اس پر مثال کے طور پر ایک چھوٹی سی حکایت لاتے ہیں کہ۔

جنگ میکردند حمالاں پریر	تو مکش تا من کشم حملش چو شیر
پرسوں بوجھ اٹھانے والے جھگڑ رہے تھے	تو نہ اٹھا تاکہ میں شیر کی طرح اس کا بوجھ اٹھا لوں

یعنی پرسوں حمال لڑ رہے تھے کہ تو مت کھینچ تاکہ میں اس کا بوجھ مثل شیر کے کھینچوں۔ یعنی حمال کسی اسباب پر لڑ رہے تھے کہ تو مت اٹھا اس کو تو میں اٹھاؤں گا تو دیکھو باوجودیکہ اس بوجھ کا اٹھانا ایک مشقت تھی مگر ہر ایک اس مشقت کے برداشت کرنے کو موجود تھا اس لئے کہ۔

زانکہ زاں رنجش ہمے دیدند سود	حمل را ہر یک زدیگر می ربود
کیونکہ انہوں نے اس تکلیف کو مفید سمجھا تھا	(اسلئے) بوجھ کو ایک دوسرے سے اچکتا تھا

یعنی اس لئے کہ اس تکلیف سے وہ نفع دیکھ رہے تھے تو ہر ایک بوجھ کو دوسرے سے اچکتا تھا۔ یعنی چونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس وقت مشقت ہے مگر انجام میں پیسے ملیں گے لہذا ہر شخص متمنی تھا کہ اس بوجھ کو میں اٹھاؤں اور اس مشقت کو میں برداشت کروں اب فرماتے ہیں کہ۔

مزد حق کو مزد آں بے مایہ کو	ایں دہد گنجیت مزد و آں تسو
کہاں اللہ (تعالیٰ) کی مزدوری کہاں اس مفلس کی مزدوری	یہ تجھے مزدوری میں خزانہ دیگا وہ کوڑی

یعنی مزدوری حق کہاں اور اس بے مایہ کی مزدوری کہاں یہ (حق تعالیٰ) تجھے مزدوری ایک خزانہ دیں گے اور وہ ایک تسو۔

مطلب یہ کہ جبکہ حمال ایک انسان بے مایہ کی مزدوری پراس قدر رنج کے متحمل ہونے کو گوارا کرتے ہیں حالانکہ پیسہ دو پیسہ ہی ملیں گے تو بھلا جہاں کہ مزد حق تعالیٰ کی امید ہو جو کہ ذرا سے کام پر ایک عظیم الشان خزانہ عطا فرمائیں گے وہاں تو کیوں طلب نہ کرنا چاہیے تو جب قبض میں علوم و معارف حاصل ہوتے ہیں تو اس تھوڑی سی مشقت کو گوارا کر لینا کیا مشکل ہے۔

گنج زرے کہ چو خسپی زیر ریگ	با تو باشد آں نباشد مردہ ریگ
سوئے کا ایسا خزانہ کہ جب تو مٹی کے نیچے سوئے گا	وہ تیرے پاس ہو گا' وہ موروثی مال نہ ہو گا

یعنی ایسا گنج زر کہ جب تو زیر خاک سووے گا تو وہ تیرے ساتھ ہوگا۔ وہ میراث میں نہ رہے گا۔ یعنی جو خزانہ کہ مزدوری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ملے گا وہ وہ خزانہ ہوگا کہ قبر میں بھی تمہارے ساتھ ہوگا اور دوسری چیزوں کی طرح دنیا میں مال میراثی ہو کر نہ رہے گا۔

پیش پیش آں جنازت می رود	مونس گور و غریبی مے شود
وہ تیرے جنازے کے آگے آگے چلے گا	مسافرت اور قبر میں غم خوار ہو گا

یعنی تمہارے جنازہ کے آگے آگے چلے گا اور مونس گور اور مسافرت کا ہوگا یعنی جنازہ کے ساتھ ساتھ بھی وہی چلے گا قبر میں اور اس جہان سے سفر کرتے بھی وہی ساتھ ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ انسان کے ساتھ ان کے اعمال ہی جاویں گے۔ اور اعمال ہی پر جزا ملتی ہے تو بس انسان کے ساتھ اصل میں تو وہ انعامات حق ہی ہیں لہذا چاہئے کہ اس نعمت کو حاصل کر و اور اس قبض سے دل پریشان نہ ہو کہ اس سے انعامات حق تم پر فائض ہوں گے آگے فرماتے ہیں کہ۔

بہر روز مرگ ایندم مردہ باش	تا شوی باعشق سرمد خواجہ تاش
موت کے دن کے لئے ' اس وقت مردہ بن جا	تاکہ تو سرمدی عشق کا ساتھی بنے

یعنی روز مرگ کے واسطے اسدم مردہ ہو جاتا ہے کہ عشق دائمی کے ساتھ تو خواجہ تاش ہو۔ یعنی موت سے پہلے فنا حاصل کر و تا کہ پھر وہ عشق دائمی اور حیات دائمی تم کو نصیب ہو۔

صبر می بیند ز پردہ اجتہاد	روئے چوں گلنار و زلفین مراد
صبر' مجاہدے کے پردے میں سے دیکھتا ہے	مقصود کا گلنار جیسا چہرہ اور دو زلفیں

یعنی صبر پردۂ مجاہدہ سے دیکھ رہا ہے۔ روئے مثل گلنار کے ہے اور زلفیں مراد ہیں مطلب یہ کہ صبر مجاہدہ و ریاضت سے حاصل ہوتا ہے اور پھر اس کے پھل بے حد شیریں اور لذیذ ہوتے ہیں لہذا اگر کوئی مشکل یا مجاہدہ ہو تو اس سے غمگین مت ہو اس لئے کہ۔

غم چو آئینہ است پیش مجتہد	کاندراں ضد می نماید روئے ضد
مجاہدہ کرنے والے کے لئے غم آئینہ جیسا ہے	کہ اس ضد میں (اس کی) ضد کا چہرہ نظر آتا ہے

یعنی غم مجاہدہ کرنے والے کے آگے مثل آئینہ کے ہے کہ اس میں ایک ضد روئے ضد کو دکھا دیتی ہے یعنی جس طرح کہ آئینہ میں جیسی شے ہوتی ہے ویسی نظر آ جاتی ہے اور اضداد سب ممتاز ہو جاتے ہیں لہٰذا اسی طرح غم سے بھی پوری حالت و کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔

بعد ضد رنج آں ضد دگر	رو دہد یعنی کشاد و کروفر
مقابل رنج کے بعد دوسرا مقابل	نظر آتا ہے یعنی کشادگی اور شان و شوکت

یعنی ضد رنج کے بعد وہ دوسری ضد منہ دکھائی ہے یعنی کشادگی اور کروفر یعنی اس رنج اور غم کے بعد کشادگی او کروفر سامنے ہوتا ہے اور اس قبض کے بعد بسط نصیب ہوتا ہے آگے اس قبض و بسط کے مفید ہونے کی اور صرف قبض یا صرف بسط رہنے کی مضرت بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں دو وصف از پنجہ و دستت بہ بیں	بعد قبض مشت بسط آید یقیں
ان دونوں باتوں کو اپنے ہاتھ اور پنجے سے سمجھ لے	مٹھی بند کرنے سے یقیناً فراخی آتی ہے

یعنی ان دونوں وصف (قبض و بسط) کو اپنے پنجہ اور ہاتھ سے دیکھ لو کہ بعد مٹھی بند کرنے کے یقیناً بسط آتا ہے یعنی جب مٹھی بند کر لیتے ہو تو اس کے بعد پھر مٹھی کھلتی ہے۔

پنجہ را گر قبض باشد دائما	یا ہمہ بسط او بود چوں مبتلا
اگر مٹھی ہمیشہ بند رہے	یا ہمہ وقت کھلی رہے وہ مصیبت میں رہے گا

یعنی مٹھی کو اگر قبض دائمی ہو جائے یا بالکل اس کو بسط ہو جاوے تو وہ مثل مبتلا کے ہو جاوے یعنی اگر ہمیشہ مٹھی بند ہی رہے یا کھلی ہی رہے تو دیکھو علامت مرض ہے یا نہیں اس کے لئے بسط و قبض دونوں ہوتے رہیں جب ہی صحت معلوم ہوتی ہے۔

زیں دو وصفش کار و کسب منتظم	چوں پر مرغ ایں دو حال اورا مہم
اس کے ان دونوں وصفوں سے کاروبار باقاعدہ ہے	جس طرح پرندے کے بازوؤں کیلئے یہ دونوں باتیں ضروری ہیں

یعنی یہ اس کے دونوں وصف کام اور کسب منتظم کے لئے مثل جانور کے پروں کے دونوں حال ضروری ہیں یعنی کاروبار کرنے کے لئے ان دونوں حالتوں کی ضرورت ہے کہ کبھی کھلیں اور کبھی بند ہوں جیسے کہ جانور کہ اگر اس کے بازو کھلے رہیں تو وہ کسی جگہ بیٹھ کر آرام نہیں کر سکتا۔ ہر وقت اڑا کرے اور اگر بند رہیں تو اڑ نہیں سکتا ایک جگہ پڑا پڑا سڑ جاوے۔ تو دونوں حالتیں ضروری ہیں تو پس پرواز باطنی اور کاروبار باطن کے لئے بھی دونوں حالتوں کی ضرورت ہے کہ کبھی بسط ہے تو کبھی قبض ہے اور جب دونوں حالتیں ضروری ہیں تو جس طرح کہ بسط سے خوش ہوتے ہو قبض سے بھی خوش ہونا ضروری ہے۔ اور اس سے دل تنگ ہونا سخت غلطی ہے لیکن طبعی تنگی تو یقیناً ہوگی کہ دل گھبراوے گا مگر تنگی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس سے پریشان ہو کر شکایت و حکایت نہ شروع کر دے

یا اس کی وجہ سے کام نہ چھوڑ بیٹھے کہ جب حالات وواردات ہی نہیں تو پھر کام ہی چھوڑ دو ورنہ اگر طبعی تنگی بھی نہ ہوتی تو بھلا وہ قبض ہی کیا ہوا لہذا اگر طبعی تنگی ہو اس کا مضائقہ نہیں اس سے پریشان نہ ہو۔ بلکہ کام میں لگا رہے کہ یہی مطلوب ہے۔ انشاء اللہ یہ سب حالات موصل الی المقصود ہو نگے قبض ہو یا بسط سب اسی طرف سے ہے یاد رکھو کہ اس میں لاکھوں مصلحتیں ہیں جن میں سے کچھ بیان کی گئی ہیں اور باقی بعض معلوم ہیں اور بعض معلوم بھی نہیں ہیں۔ پس تم اپنا شعار تفویض کر لو جس حال میں رکھیں رہو خوب کہا ہے۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

بس اصل مقصود قرب ہے وہ جس حال میں بھی میسر ہو اور جس طرح بھی حاصل ہو اسی میں لگے رہو انشاء اللہ کامیاب ہو گے۔ آگے پھر قصہ مریم کی طرف عود ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ پس اس کی عظمت ہی اس کی بچی دلیل ہے رہے ادراکات و مدرکات سوان میں سے اس تک کسی کی بھی رسائی نہیں لہذا وہ پیچھے ہیں اور حق سبحانہ وراء بلکہ وراء الوراء تمام ادراکات اس تک پہنچنے سے یوں عاجز ہیں جس طرح کہ کوئی لنگڑے گدھے پر سوار ہو اور حق سبحانہ ان سے یوں وراء الوراء ہیں جیسے کوئی تیر کی طرح ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو اور سوار خرلنگ سے آگے ہو اگر حق سبحانہ چاہیں کہ کسی ادراک کی رسائی ان تک نہ ہو تو کسی کو بھی ان کی معرفت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر ممکنات چاہیں کہ حق سبحانہ کے علم وقدرت وغیرہ کی رسائی ہم تک نہ ہو۔ تو ناممکن ہے جس طرح کہ سوار خرلنگ تو سوار باد کو نہیں پکڑ سکتا۔ لیکن اگر سوار خرلنگ بھاگے تو سوار باد اس کا آگا روک سکتا ہے جبکہ سلسلہ گفتگو ادراکات کی حالت تک پہنچا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مناسب ایک اور مضمون بھی بیان کر دیا جاوے وہ یہ کہ تمام ادراکات کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں۔ وقت ان کے لئے وقت میدان یعنی دوڑ دھوپ کا وقت ہے وقت جام یعنی وقت راحت و آرام نہیں اس لئے ایک ادراک تو باز کی طرح تیز جاتا ہے اور بہت جلد مقصد تک پہنچ جاتا ہے اور دوسرا تلوار کی طرح خود کو توڑتا ہے اور عقدہ ہائے لاینحل کو حل کرتا ہے (ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اول سے سرعت انتقال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے سے دقیقہ رسی و یہی ہما فرق) تیسرا بادبان والی کشتی کی طرح ہے یعنی اس کی رفتار اول کی رفتار سے کم ہے۔ چوتھا ان تینوں کے خلاف آگے سے پیچھے کو ہٹتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس علی حسب مراتب تمام ادراکات اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور جب کسی مقصد کی جھلک ان کو نظر آتی ہے تو اس تک پہنچنے کے لئے شکاری جانوروں کی طرح اس پر حملہ کرتے ہیں اور جب کہ وہ ان کی نظر سے غائب ہو جاتا ہے تو حیران رہ جاتے ہیں اور الوؤں کی طرح ہر طرف ٹامک ٹوئے مارتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہاں گیا۔ اور سب ایک آنکھ کھولے شکاری کی طرح منتظر ہوتے ہیں۔ کہ کسی طرح وہ

پھر نظر آ جائے۔ جب دیر تک اسی حالت میں رہتے ہیں اور ان کو کچھ پتہ نہیں چلتا تو تھک کر کہتے ہیں کہ ارے وہ کوئی واقعی شکار تھا یا کوئی خیال اور بے اصل شئے تھا۔ اچھا اس وقت یہی بہتر ہے کہ کچھ دیر آرام کریں اور دم لیں نئے سرے سے قوت حاصل کر کے پھر ڈھونڈیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حواس پر کلال و ملال طاری ہوتا ہے اور ان کو آرام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے پس اس مقصد کے لئے حق سبحانہ نے رات بنائی۔ کیونکہ اگر رات نہ ہوتی تو تمام مخلوق اپنی حرص کے سبب حرکات جسمانیہ و دماغیہ میں مصروف رہ کر اپنے کو فنا کر ڈالتے اور منفعت حاصل کرنے کی ہوس اور حرص سے ہر شخص اپنے جسم کو فنا کر ڈالتا۔ اس لئے رات خزانہ رحمت کی طرح مخلوق پر طاری ہوتی ہے تا کہ وہ کچھ دیر کے لئے اپنی حرص سے چھوٹ جاویں۔ اس سے تم کو ایک ضروری نتیجہ بھی نکالنا چاہئے وہ یہ کہ جب تم کو قبض پیش آوے تو اس سے تم کو ناامید نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ بسط و کشاد میں قویٰ و ادراکات وغیرہ کا صرف ہوتا ہے اور خرچ کے لئے معتد بہ آمدنی کی ضرورت ہے۔ پس اس آمدنی کے لئے قبض طاری کیا گیا۔ دیکھو گرمی کا زمانہ درختوں کے لئے بہار کا زمانہ ہے لیکن اگر یہی زمانہ ہمیشہ رہے تو آفتاب کی تابش درختوں کو پھونک ڈالے اور اس کی جڑ تک یوں بھون ڈالے کہ پھر وہ کبھی تازہ ہی نہ ہو سکے اور سردی کا زمانہ گو درختوں کے لئے ناگوار ہے لیکن ایک اعتبار سے وہ مشفق بھی ہے کیونکہ ان کو ہلاک عارضی میں مبتلا کر کے ہلاک ابدی سے بچاتا ہے اور گرمی گو بہار کا زمانہ ہے لیکن بہ صورت دوام پھونک دینے والی ہے پس نہ گرمی سراسر مفید ہے اور نہ سردی سراسر مضر بلکہ دونوں میں منفعتیں ہیں۔ پس قبض کو بھی تم سردی ہی کی مثل سمجھو اور جبکہ تم کو قبض پیش آئے تو اس میں بسط مآلی کو دیکھ کر خوش رہو اور پیشانی پر بل نہ ڈالو۔ اب ہم اس کے مناسب ایک اور مضمون سناتے ہیں وہ یہ کہ خوشی لڑکوں کا کام ہے۔ اور حزن عقلاء کا۔ نیز غم کا تعلق جگر سے ہے جو ایک عضو رئیس ہے اور خوشی کا پھیپھڑے سے جو اس کا خادم ہے۔ پس اس سے بھی تم کو قبض و بسط کا تفاوت معلوم ہو سکتا ہے۔ اچھا اب یہ سنو کہ لڑکوں کو خوشی اور عقلاء کو حزن کیوں ہوتا ہے بات یہ ہے کہ لڑکے کی نظر تو گدھے کی طرح صرف کھانے اور کھیلنے میں ہے اور عاقل کی نظر حساب آخرت میں ہے اس کو یہ کھٹکا لگا ہوتا ہے کہ ہمارا مقدمہ حق سبحانہ کی عدالت میں پیش ہوگا دیکھئے اس کا کیا نتیجہ ہو اس لئے لڑکا خوش رہتا ہے اور عاقل محزون۔ کیونکہ لڑکے کو تو صرف اپنے سامنے مزیدار کھانے ہی دکھلائی دیتے ہیں پھر اس کو رنجیدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے اور عاقل کو تو نفس و شیطان کے ہلاک کرنے کا خطرہ ہوتا ہے پھر وہ کیونکر مطمئن ہو سکتا ہے۔ اب سمجھو کہ جو غذائیں نفس و شیطان دیتے ہیں وہ حقیقت میں تلخ ہیں گو تم کو فساد مزاج کے باعث تلخ نہیں معلوم ہوتیں کیونکہ ان کا نتیجہ نہایت تلخ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہم کو یہ غذائیں کھلا کر مارنا چاہتا ہے۔ اور اس پر وہ یوں تیار ہے جیسے کہ قصائی نے گوشت تولنے کیلئے ترازو بھی تیار کر رکھی ہو۔ پس اس غذا کو چھوڑ دو۔ اور غذائے حکمت کھاؤ جو خدا تم کو بلا معاوضہ اور محض عنایت سے دیتا ہے اور اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض نہیں ہوتی بلکہ صرف تمہارا نفع مدنظر ہوتا ہے اس مقام پر ایک غلطی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ جب حق سبحانہ نے کلوا من رزقہ فرمایا تو تم اس سے یہ سمجھ بیٹھے کہ

صرف یہ ہی روٹیاں مراد ہیں نہ کہ حکمت۔ حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ ان روٹیوں کے کھانے کی اجازت بھی محض غذائے حکمت ہی کے لئے ہے کیونکہ وہ بقا کا سبب عادی ہیں اور اصل مقصود غذائے حکمت ہے پس اجازت کو صرف روٹیوں تک محدود کرنا سخت غلطی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ رزق حکمت روٹیوں سے بہتر ہے اور وجہ بہتری یہ ہے کہ رزق حکمت تمہارے گلے کا پھندا بن کر تم کو ہلاک نہیں کرسکتا اور متعارف روٹیاں جس طرح من وجہ مفید ہیں (جبکہ ان کو عبادت کا ذریعہ بنایا جاوے) یوں ہی مہلک بھی ہیں۔ (جبکہ ان کو خواہشات نفسانیہ کا آلہ بنایا جاوے) پس جبکہ ایک ایسی شئے کا حکم کیا گیا جو من وجہ مفید اور من وجہ مضر ہے گو بنائے حکمت جہت افادہ ہی ہے تو ایسی شئے جو سراسر مفید ہے اور جس میں مضرت ہے ہی نہیں کیونکر مامور بہ نہ ہوگی۔ جب یہ ثابت ہوا کہ غذائے حکمت اصالۃً مامور بہ ہے اور غذائے نان بوجہ اس کا وسیلہ ہونے کے تو اسی سے معلوم ہوا کہ تم کو بقدر ضرورت غذائے جسمانی پر اکتفا کرنا لازم ہے۔ **لان الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ** پس جبکہ تم غذائے ضروری پر اکتفا کر کے زیادہ سے منہ بند کرلو گے اس وقت ایک دوسرا منہ غذائے روحانی کے لئے کھلے گا جو کہ اسرار الٰہیہ کا لقمہ کھانے والا ہے اور اگر شیطان کے دودھ سے تم جسم کو علیحدہ کردو گے تو اس دودھ چھڑانے کی صورت میں تم کو بہت سی مٹھائیاں کھانے کو ملیں گی۔ اب مولانا اس مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھ ناقص نے خوشی و غم کے مضمون کو ناتمام بیان کیا ہے اور ایسا کردیا ہے جیسا کچھ کچا اور کچھ پکا گوشت مگر حکیم سنائی غزنوی سے اس کو پورا سنو۔ وہ قطب العارفین اور حکیم غیب اپنے الٰہی نامہ میں اس کی یوں شرح فرماتے ہیں کہ تم غم کھاؤ اور غم افزاؤں کی روٹیاں نہ کھاؤ اس لئے کہ عاقل کی غذا تو غم ہے اور نادانوں کی غذا لذت۔ یاد رکھو کہ باغ غم کا میوہ قند خوشی ہے اور خوشی ایک زخم ہے اور غم اس کا مرہم (اور راز اس کا یہ ہے کہ یہ تو مسلّم ہے کہ آدمی کے لئے نفع و نقصان دونوں ہیں چونکہ خوشی میں صرف منافع پر نظر ہوتی ہے اور مضرتوں سے غفلت ہوتی ہے اس لئے اس کو ان کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور غم میں مضرتوں پر نظر ہوتی ہے لہٰذا وہ ان سے بچنے کی امکانی کوشش کرتا ہے اور بچنے کے بعد وہ خوشی حاصل کرتا ہے واللہ اعلم۔)

پس جب تم غم دیکھو تو اس کو نہایت محبت سے آغوش میں لے لو۔ اور ٹیلوں پر سے دمشق کو دیکھو یعنی غم میں خوشی کو دیکھو کیونکہ مآل اس کا خوشی ہے۔ عقلاء کی نظر مآل پر ہوتی ہے چنانچہ وہ انگور میں شراب دیکھتے ہیں۔ نیز عاشق شئے معدوم میں اپنے مطلوب کو دیکھتا ہے۔ دیکھو پرسوں پلہ دار بوجھ کے لئے لڑ رہے تھے ایک کہتا تھا کہ اس کا بوجھ میں لے جاؤں گا دوسرا کہتا تھا کہ میں لے جاؤں گا۔ اس کی وجہ کیا تھی وہ یہی کہ ان کو تکلیف میں منفعت دکھلائی دیتی تھی اور اسی مالی منفعت کے لئے ایک دوسرے سے بوجھ چھینتا تھا۔ اب تم خیال کرو کہ کہاں حق سبحانہ کی مزدوری اور کہاں اس مفلس بوجھ والے کی مزدوری حق سبحانہ تم کو اس تکلیف کے معاوضہ میں خزانہ دیں گے اور یہ مالک بار چند پیسے۔ اور خزانہ بھی ایسا نہیں جیسا کہ دنیا کا خزانہ ہوتا ہے بلکہ وہ خزانہ زر جو اس وقت جبکہ تم مرجاؤ تمہارے ساتھ رہے اور وارثوں کی ملک ہو جاوے اور تمہارے جنازہ کے آگے آگے چلے۔ اور قبر اور بے کسی کی حالت میں تمہارا مونس

اور تمہارا مددگار ہو۔ پس جبکہ معمولی منفعت کے لئے تم بخوشی اور رغبت کے ساتھ تکالیف برداشت کرتے ہو تو ایسے عظیم الشان نفع کے لئے تو بالاولیٰ تم کو تکالیف برداشت کرنی چاہئیں جبکہ یہ امر محقق ہو گیا تو تم کو چاہئے کہ موت کے دن کی راحت کے لئے ابھی مر جاؤ تا کہ عشق ابدی تم کو حاصل ہو یاد رکھو کہ تمہارا صبر مجاہدہ کی آڑ میں مقصود کا چہرہ گلگون اور اس کی زلفیں دیکھ رہا ہے صاحب مجاہدہ کے سامنے غم ایک آئینہ کی مثل ہے کہ اسی میں اس کو خوشی نظر آتی ہے جب غم کا زمانہ گزر جاتا ہے اس وقت انبساط اور شان و شوکت حاصل ہوتی ہے اگر اب بھی تسکین نہ ہوئی ہو تو اپنے ہاتھ کے قبض و بسط کو دیکھو اور دیکھو کہ قبض کے بعد بسط یقیناً ہوتا ہے اور اس کے لئے ان دونوں وصفوں کی ضرورت ہے کیونکہ ہاتھ کے لئے ہمیشہ قبض ہو یا ہمیشہ بسط تو وہ بیمار ہو گا اور اس کے کاموں میں خلل آ جائے گا۔ اس کی کمائی اور اس کے کام ان ہی دونوں صفتوں سے باقاعدہ ہیں اور اس کے لئے یہ دونوں وصف یوں ہی ضروری ہیں جس طرح جانور کے بازو کے لئے ان کی ضرورت ہے اچھا اس مضمون کو ختم کر کے اب اصل قصہ کو پورا کرنا چاہئے۔

شرح شبّیری

جبرئیل علیہ السلام کا مریم علیہا السلام سے کہنا کہ میں رسول حق ہوں مجھ سے پریشان اور پوشیدہ مت ہو

چونکہ مریمؑ مضطرب شد یک زماں	ہمچنانکہ بر زمین آں ماہیاں
جب تھوڑی دیر کے لئے حضرت مریم تڑپیں	جیسے کہ خشکی پر مچھلیاں

یعنی مریم علیہا السلام جبکہ کچھ دیر اس طرح مضطرب ہوئیں جیسا کہ خشکی پر مچھلیاں۔

بانگ بروے زد نمودار کرم	کہ امین حضرتم از من مرم
کرم (خداوندی) کے جلوے نے انہیں پکارا	کہ میں خدا کا امین ہوں مجھ سے نہ بھاگئے

یعنی ان کو نمودار کرم نے آواز دی کہ میں امین حضرت حق ہوں مجھ سے بھاگو مت یعنی جو کہ کریم تھے انہوں نے کہا کہ میں امین اللہ یعنی جبرئیل ہوں مجھ سے بھاگو مت اور پریشان مت ہو اور کہا کہ۔

از سر افرازان عزت سر مکش	از چنیں خوش محرماں دم در مکش
(بارگاہ) عزت کے معززین سے سر نہ پھیرئیے	اتنے بہترین راز داروں سے سراسیمہ نہ ہو

یعنی حضرت حق کے سربلندوں سے سرکشی مت کرو اور ایسے اچھے محرموں سے دم مت کھینچو۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو اس عالم سے ہوں اور درگاہ الٰہی کا مقرب ہوں تو مجھ سے فساد و فتنہ کا خوف نہیں ہے لہٰذا تم ڈرو مت اب

یہاں شبہ ہوتا ہے کہ جب مریم علیہا السلام کو شبہ ہوا اور اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خود ہی یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں تو ان کو صرف نکے کہنے سے کیسے یقین آیا ان کو یہ شبہ کیوں نہ ہوا کہ ممکن ہے کہ یہ غلط کہتے ہوں اور کوئی مفسد ہو مولانا آگے ان کے اس قول کے صدق پر ایک علامت بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں ہمی گفت و ذبالہ نور پاک	از لبش می شد پیاپے بر سماک
وہ یہ کہہ رہے تھے اور پاک نور کی شاع	ان کے ہونٹوں سے پے در پے سماک (ستارہ) پر پہنچ رہی تھی

یعنی وہ (جبرئیل یہ فرما رہے تھے اور نور پاک کی لو ان کے لب سے برابر سماک پر جاری تھی مطلب یہ کہ وہ جو یہ گفتگو کر رہے تھے تو ان کے ان الفاظ کے ساتھ برابر ایک نور ان کے منہ سے ظاہر ہوتا تھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیشک ملکوتے ہیں ناسوتے اور مفسد نہیں ہیں اور بات یہ ہے کہ مریمؑ کو ان کو دیکھ کر درجۂ علم ضروری میں تو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کوئی مفسد وغیرہ نہیں ہیں باقی جب انہوں نے کہا اور بتایا کہ میں فرشتہ ہوں اس وقت ان کو پوری طرح معلوم ہو گیا اور یہ سمجھ گئیں کہ بیشک یہ فرشتہ ہیں اور کوئی مفسد نہیں ہیں آگے پھر حضرت جبرئیلؑ کا قول ہے فرماتے ہیں کہ۔

از وجودم مے گریزی در عدم	در عدم من شاہم و صاحب علم
آپ میرے وجود سے علیحدہ کیوں بھاگتی ہیں؟	میں آخرت کا شاہ اور علمبردار ہوں

یعنی میرے وجود سے تم عدم میں بھاگتی ہو اور عدم میں تو میں بادشاہ اور صاحب علم ہوں (عدم سے مراد عدم اضافی یعنی عالم غیب ہے) مطلب یہ کہ تم مجھ سے پناہ مانگتی ہو اور عالم غیب کی طرف متوجہ ہوتی ہو تو وہاں تو میری اور خوب سلطنت ہے وہاں تو تم مجھ سے بچ ہی نہیں سکتیں۔

خود بنہ و بنگاہ من در نیستی است	یک سوارہ نقش من پیش ستی است
میرا سامان اور گھر (ملک) عدم میں ہے	تھوڑی دیر کے لئے میری صورت جناب کے سامنے ہے

یعنی خود سامان اور خیمہ میرا نیستی میں ہے اور ایک تنہا نقش میرا بی بی کے سامنے ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں تو میں صرف ایک تنہا ہوں باقی عالم غیب میں تو میری سلطنت ہے فوج پلٹن ہے لہذا تمہارا مجھ سے پناہ مانگ کر اس طرف متوجہ ہونا فضول ہے کہ وہاں تو میں موجود ہوں۔

مریما بنگر کہ نقش مشکلم	ہم ہلالم ہم خیال اندر دلم
اے مریم! دیکھو میں ایک مشکل نقش ہوں	میں چاند بھی ہوں (اور) میں دل کے اندر خیال بھی ہوں

یعنی اے مریم دیکھ کہ میں نقش مشکل ہوں میں ہلال ہوں اور دل میں خیال بھی ہوں مطلب یہ کہ میں ایک عجیب نقش ہوں۔ کہ دو جگہ اور دو طرح میرا وجود ہو سکتا ہے کہ میں ظاہر میں بھی موجود ہوں کہ مجسم تمہارے سامنے کھڑا ہوا ہوں اور تمہارے دل میں بھی موجود ہوں کیونکہ ناسوتے نہیں ہوں بلکہ ملکوتے ہوں کہ جس کا ادراک خیال سے ہوتا ہے۔

چوں خیالے در دلت آمد نشست	ہر کجا کہ میگریزی با تو ہست
خیال جب تمہارے دل میں آیا بیٹھ گیا	جہاں بھی جاؤ وہ تمہارے ساتھ ہے

یعنی جیسے کہ کوئی خیال تمہارے دل میں آیا اور بیٹھ گیا تو تم جہاں کہیں جاؤں گی وہ تمہارے ساتھ ہوگا اسی طرح میں بھی چونکہ خیال میں ہوں لہذا جہاں تم ہوگی وہیں میں بھی ہوں گا اگر عالم غیب میں جاؤں گی تو وہاں موجود ہوں گا اور اگر دنیا میں رہوگی تو یہاں ساتھ ہوں۔

جز خیالے عارضی باطلے	کو بود چوں صبح کاذب آفلے
سوائے عارضی باطل خیال کے	جو صبح کاذب کی طرح غائب ہو جانے والا ہے

یعنی سوائے اس خیال کے کہ جو عارضی اور باطل ہو کہ وہ مثل صبح کاذب کے آفل ہوتا ہے (مگر)

من چو صبح صادقم از نور رب	کہ نگردد گرد روزم ہیچ شب
میں اللہ (تعالیٰ) کے نور سے صبح صادق کی طرح ہوں	کہ میرے دن کے پاس کوئی رات نہیں آتی ہے

یعنی میں نور رب سے مثل صبح صادق کے ہوں کہ میرے دن کے گرد کوئی شب نہیں پھرتی۔ یعنی میں ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں جو کاذب ہوتے ہیں اور جن کا خیال کاذب ہوتا ہے بلکہ میں مثل صبح صادق کے ہوں کہ میرے پاس کوئی کمی یا نقصان پھٹکنے نہیں پاتا۔

ہیں مگو لاحول عمران زادہ ام	کہ ز لاحول ایں طرف افتادہ ام
اے عمران کی بیٹی! مجھ پر "لاحول" نہ پڑھو	میں "لاحول" سے ہی اس طرف آیا ہوں

یعنی اے عمران زادی مجھ سے لاحول مت کہو کہ لاحول سے میں اس طرف پڑا ہوا ہوں۔

مرمرا اصل و غذا لاحول بود	نور لاحولے کہ پیش از قول بود
میری اصل اور غذا "لاحول" ہے	اس "لاحول" کا وہ نور جو لفظ سے پہلے ہے

یعنی میری اصل اور غذا لاحول ہی تھی۔ نور اس لاحول کا جو پہلے قول کے تھی۔ مطلب یہ ہے کہ تم جو لاحول پڑھتی ہو اور تعوذ کرتی ہو تو یہ چیزیں تو میری غذا اور اصل ہے اس لئے کہ فرشتوں کی غذا تو تسبیح و تحمید ہی ہے تو پھر جب ہماری غذا ہے تو ہم کو اس سے کیا خوف ہوگا تم شوق سے تعوذ وغیرہ کرو ہم کو اس سے کوئی گزند وغیرہ نہیں ہے۔

تو ہمی گیری پناہ از من بحق	من نگاریدہ پناہم از سبق
آپ مجھ سے اللہ (تعالیٰ) کی پناہ چاہ رہی ہیں	میں ازل میں اسی کی پناہ کی تحریر ہوں

یعنی تم مجھ سے حق تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہو اور میں سابق سے نگاریدہ پناہ کا ہوں یعنی جس سے کہ تم پناہ مانگ رہی ہو میں تو خود وہ پناہ ہوں اور جس سے کہ پناہ مانگ رہی ہو اسی کا بنایا ہوا ہوں پھر مجھ سے کہاں پناہ مانگتی ہو۔

آن پناہم من کہ مخلصہات بوز	تو اعوذ آری و من خود آن اعوذ
میں وہی پناہ ہوں جو آپ کی نجات کی جگہ ہے	آپ اعوذ پڑھتی ہیں میں خود ہی اعوذ ہوں

یعنی میں وہ پناہ ہوں جو تیری مخلص تھی تو اعوذ لاتی ہے اور میں خود وہ اعوذ ہوں۔ مطلب یہ کہ تم جو مجھ سے پناہ مانگتی ہو اور اعوذ پڑھ رہی ہو تو میں خود وہ اعوذ ہوں جو کہ تم کو شر شیاطین الانس والجن سے بچاتا تھا اس لئے کہ حق تعالیٰ جو کام لیتے ہیں وہ فرشتوں ہی کے ذریعہ سے لیتے ہیں تو وہ بولے کہ تم جن چیزوں سے پناہ مانگا کرتی ہو ان سے نجات دینے والا تو میں ہی ہوں پھر مجھ سے کیا پناہ مانگتی ہو۔ غرضکہ جبرئیلؑ نے فرمایا کہ تمہارا پناہ مانگنا بے سود ہے اس لئے کہ میں کوئی مفسد وغیرہ تو ہوں نہیں جس سے کہ تم کو خوف ہے میں تو ایک ملک ہوں اب آگے مولانا ایک عام مضمون فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب مریم علیہا السلام کچھ دیر تک یوں مضطرب رہیں جس طرح زمین پر مچھلیاں بے قرار رہتی ہیں تو اس نمونہ کرم حق سبحانہ نے آواز دی کہ آپ پریشان نہ ہوں اور مجھ سے بھاگیں نہیں میں امین خدا جبرئیلؑ ہوں آپ مجھ سے بھاگ کر عالم غیب میں پناہ لیتی ہیں حالانکہ عالم غیب میں تو میری سلطنت ہے اور میں وہاں نہایت شان وشوکت رکھتا ہوں۔ آپ کے سامنے تو صرف میرا وجود ہی ہے باقی سارا ساز وسامان تو میرا عالم غیب ہی میں ہے۔ آپ خیال رکھیں کہ میں ایک نقش مشکل ہوں اور میری مثال ایسی ہے جیسے چاند یا دل کا خیال یعنی جس طرح چاند آدمی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے اور اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ اور جس طرح خیال کا قاعدہ ہے کہ جب دل میں آتا ہے تو بس گھر ہی کر لیتا ہے اور جہاں تم جاتے ہو تمہارے ساتھ جاتا ہے یوں ہی میں بھی تم سے الگ نہیں ہوسکتا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ خیال جدا نہیں ہوتا اس سے وہ خیال مستثنےٰ ہے جو عارضی اور باطل ہو اور جو صبح کاذب کی طرح فنا ہو جانے والا ہو مگر میں صبح کاذب کی طرح آفل نہیں ہوں بلکہ حق سبحانہ کے نور سے صبح صادق کی طرح ہوں کہ کوئی تاریکی میرے پاس نہیں پھٹک سکتی۔ پس اے عمران زادی آپ مجھ پر لاحول نہ پڑھیں کیونکہ میں آپ کی لاحول ہی کی بدولت یہاں آیا ہوں کیونکہ جب آپ نے خدا پر بھروسہ کیا تو مجھے حق سبحانہ نے آپ کے پاس بھیجا نیز لاحول اور اعتماد برحق تو میری اصل غذا ہے اور تکلم لاحول سے پہلے سے میں نور لاحول کھا رہا ہوں۔ آپ اعوذ بالرحمٰن منک فرماتی ہیں اور مجھ سے بھاگ کر پناہ حق میں جانا چاہتی ہیں لیکن میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ میں پیشتر ہی سے حق سبحانہ کی پناہ کی زندہ تصویر ہوں اور میں وہی پناہ ہوں جس کو آپ رہائی کا ذریعہ بنانا چاہتی ہیں آپ اعوذ بالرحمٰن منک کہتی ہیں حالانکہ میں خود اعوذ (پناہ) ہوں۔

شرح شبّیری

آفتے نبود بتر از ناشناخت	تو بریاری ندانے عشق باخت
نہ پہچاننے سے زیادہ بڑی کوئی مصیبت نہیں ہے	تو معشوق کے پاس ہے اور عشق بازی نہیں جانتا

یعنی ناشناسی سے زیادہ کوئی آفت نہیں ہوتی۔ کہ تم یار کے نزدیک ہو اور عشق بازی کرنا نہیں جانتے۔ یعنی تم دوست کے پاس ہو اور وہ تمہارے پاس موجود ہے مگر چونکہ پہچانتے نہیں ہو لہذا اس سے بالکل الگ ہو۔ تم اس سے محبت کرنا جانتے ہو نہ کچھ جانتے ہو تو پھر بھلا ناشناسی سے زیادہ بہتر اور کیا شے ہوگی۔ اور مریمؑ نے پناہ وغیرہ مانگی یہ بھی سب ناشناسی کی وجہ سے تھا اور ناشناسی کے وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ

یار را اغیار پنداری ہمے	شادے را نام بنہادی غمی
تو معشوق کو غیر سمجھ رہا ہے	تو خوشی کو غمی کا نام دیتا ہے

یعنی یار کو اغیار سمجھتا ہے اور خوشی کا نام غم رکھتا ہے (اس لئے کہ تم کو یہ خبر ہی نہیں ہوتی کہ یہ خوشی ہے لہذا اس کو غم سمجھتے ہو اور یار کو بوجہ ناشناسی کے غیر سمجھ کر اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے)

این چنین لطفے کہ دارد یار ما	تو گریزانی ازو اے بیوفا
اس مہربانی کے ہوتے ہوئے ہمارا یار رکھتا ہے	اے بے وفا! تو اس سے بھاگتا ہے

یعنی ایسا لطف کہ جو ہمارا یار رکھتا ہے تو اس سے بھاگتا ہے اے بے وفا۔ یعنی ہمارا یار تو ایسے ایسے الطاف کرتا ہے اور تو بوجہ ناشناسی کے اس سے بھاگ رہا ہے اور ان الطاف کی قدر نہیں کرتا۔

این چنین نخلے کہ لطف یار ماست	چونکہ ما دزدیم نخلش دار ماست
کھجور کا ایسا درخت جو ہمارے یار کی مہربانی ہے	جبکہ ہم چور ہیں اس کا کھجور کا درخت ہمارے لئے سولی بنے

یعنی ایسا نخل کہ ہمارے یار کا لطف ہے جبکہ ہم چور ہیں تو اس کا نخل ہماری دار ہے۔ مطلب یہ کہ لطف دوست جو مثل نخل کے ہے کہ اس سے سب پھل کھاتے ہیں مگر چونکہ ہم چور ہیں تو ہم کو اس میں پھانسی دے جاتی ہے تو اسی طرح وہ لطف ہمارے لئے عذاب جان ہو جاتا ہے۔

این چنین مشکین کہ زلف میر ماست	چونکہ بے عقلیم آن زنجیر ماست
ایسی خوشبودار چیزیں جو کہ ہمارے آقا کی زلفیں ہیں	جبکہ ہم بے عقلی کریں وہ ہماری بیڑیاں ہیں

یعنی ایسی مشکیں کہ ہمارے میر کی زلف ہے جبکہ ہم بے عقل ہیں تو وہ ہماری زنجیر ہے یعنی ایک یار کی زلف مشکین ہو مگر جبکہ انسان اس کی قدر نہ جانے تو وہی اس کے لئے زنجیر ہو جاتی ہے یہ ساری باتیں اپنی ناشناسی اور ناقابلیت کی بدولت ہیں۔

این چنیں لطفے چو نیلے می رود	چونکہ فرعونیم چوں خون می شود
ایسی مہربانی جو نیل (دریا) کی طرح جاری ہے	جبکہ ہم فرعون ہیں' خون جیسی ہوجاتی ہے

یعنی ایسا لطف جو کہ مثل دریائے نیل کے چلتا ہے جبکہ ہم فرعون ہیں تو وہ ہم پر خون ہو جاتا ہے یعنی بوجہ ہماری بے قدری اور ناشناسی کے وہی شے جو کہ بہت لطیف اور عمدہ تھی وہی ہمارے لئے خراب ہو جاتی ہے جیسا کہ فرعونیوں پر آب دریائے نیل خون ہو جاتا تھا۔ تو دیکھو وہ شے جو کہ ایسی لطیف اور پاک وصاف تھی وہی ان پر آفت جان ہوگئی تو یہ خرابی اس کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ کمی اور خرابی خود ہماری طرف سے ہے۔

خون ہمی گوید من آبم ہیں مریز	یوسفم گرگ از تو ام اے پرستیز
خون کہتا ہے کہ میں پانی ہوں خبردار' مجھے نہ بہا	میں یوسف ہوں اے جھگڑالو! تیری وجہ سے بھیڑیا ہوں

یعنی خون کہتا ہے کہ ارے میں تو پانی ہوں گرامت۔ میں یوسف ہوں گرگ تو تیری وجہ سے ہو گیا ہوں اے پرستیز یعنی وہ چیز کہتی ہے کہ میرے اندر جو خرابی آ گئی ہے یہ تو صرف تمہارے اندر خرابی ہونے کی وجہ سے ہے کہ میں تم کو ایسی معلوم ہوتی ہوں ورنہ میں تو اچھی خاصی ہوں تو یہ بھی اسی ناشناسی کی وجہ سے ہے بلکہ ناشناسی میں یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

تو نمی بینی کہ یار برد بار	چونکہ با او ضد شدی گردد چو مار
تو نہیں دیکھتا ہے ' کہ بردبار دوست	جب تو اس کی ضد بنا وہ سانپ جیسا بن جاتا ہے

یعنی کیا تو دیکھتا نہیں ہے کہ یار بردبار جبکہ اس کے ساتھ تو ضد ہوا تو وہ سانپ کی طرح ہو جاتا ہے۔

لحم او و شحم او دیگر نشد	برقرار اول ست انساں کہ بد
اس کا گوشت' اور چربی نہیں بدلی	پہلے ہی کی طرح ہے جیسا کہ تھا

یعنی اس کا لحم و شحم تو دوسرا نہیں ہوا وہ تو اسی طرح ہے (مگر اس کا مثل ما ہو جانا) بجز تمہاری نظر گاہ کے نہیں ہوا۔ یعنی وہ جو تمہارے لئے مثل مار کے ہو گیا ہے یہ صرف اس لئے کہ تم اس کی ضد ہو گئے ہو اور تمہاری نظر میں ایسا ہو گیا ہے ورنہ اس کی طرف سے کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہے تو دیکھو یہ بھی اسی ناشناسی کی وجہ سے ہے کہ تم نے اس کی قدر نہ جانی۔ آگے اسی نوکر عاشق بخاری اور صدر جہان کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

اس وکیل کا عشق کی وجہ سے قصد کرنا کہ بخارا کو رجوع ہو

شمع مریم را بہل افروختہ	کہ بخارا می رود آن سوختہ
(حضرت) مریم کی شمع جلتی چھوڑ	کیونکہ وہ دل جلا بخارا کو جارہا ہے

یعنی شمع مریم کو جلتی ہوئی چھوڑ دو اس لئے کہ وہ سوختہ بخارا کی طرف جارہا ہے (شمع را افروختہ گذاشتن

کنایہ از چیزے رانا تمام گذاشتن) مطلب یہ کہ مریم کے قصہ کو یہیں تک رہنے دو اس کو نا تمام ہی رہنے دو چونکہ وہ جلا بھنا عاشق بخار ا کو جاتا ہے تو اس کا قصہ بیان کرو اس کی یہ حالت تھی کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مریم علیہا السلام کو جس قدر پریشانی لاحق ہوئی وہ جبرئیل علیہ السلام کو نہ پہچاننے سے پس سمجھ لو کہ کوئی آفت اپنے دوست کو نہ پہچاننے سے بڑھ کر نہیں ہے غضب کی بات ہے کہ تم اپنے محبوب کے پاس ہو اور اس سے عاشقانہ برتاؤ نہیں کر سکتے بلکہ یار کو غیر سمجھتے ہو اور تم نے اس شئے کا نام جو حقیقت میں خوشی ہے غم رکھ چھوڑا ہے محبوب حقیقی اس قدر تو عنایت کرتے ہیں پھر بھی تم اس سے بے وفا یا نہ بھاگتے ہو خلاصہ یہ کہ مولانا ان لوگوں کی شکایت اور ان کی حالت سے تعجب کرتے ہیں جن کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ اچھا نہیں ہے اور فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ قریب اور مہربان اور محبوب حقیقی ہیں مگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اس کے ساتھ غیروں کا سا معاملہ کرتے ہو آگے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں تقریر شبہ یہ ہے کہ تم تو حق سبحانہ کو مہربان کہتے ہو مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ وہ تکلیفیں دیتا ہے اور حاصل جواب یہ کہ وہ تو مہربان ہی ہے مگر ہماری نالائقی سے ہم کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ خود فرماتے ہیں ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم و یعفوا عن کثیر جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب حل اشعار سنو۔ فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے محبوب کا قد ایسا اعلیٰ درجہ کا درخت خرما یعنی عشاق کو بہت کچھ نفع پہنچانے والا ہے لیکن چونکہ ہم لوگ چوروں کی طرح مجرم ہیں اس لئے وہ بجائے اس کے کہ ہمارے لئے نافع ہوتا سولی کی طرح ہماری ہلاکی کا ذریعہ بن گیا ہے اور باوجودیکہ ہمارے محبوب کی زلف اس قدر مشکین اور مشام عشاق کو معطر کرنے والی ہے مگر ہماری بے عقلی کے سبب ہمارے لئے زنجیر ہو گئی ہے اور باوجودیکہ اس کا دریائے لطف نیل کی طرح بہہ رہا ہے مگر چونکہ ہم فرعون ہیں اس لئے وہ ہمارے لئے دریائے خون ہو گیا ہے وہ خون کہتا ہے کہ میں حقیقت میں خون نہیں بلکہ پانی ہوں تیرے لئے خون ہو گیا ہوں۔ پس تو مجھے مت گرا اور مجھ سے نفرت مت کر دیکھ اپنی حالت کو بدل دے اور میں واقع میں یوسف کی طرح مرغوب ہوں تیری نالائقی سے تیرے لئے بھیڑیئے کی طرح قابل نفرت ہو گیا ہوں پس تو مجھ سے مت بھاگ بلکہ اپنی اصلاح کر۔ اب اگر کوئی شبہ کرے کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شئے واقع میں پانی یا یوسف ہو اور دوسرے کے لئے وہ خون یا بھیڑیا ہو جاوے۔ تو یہ شبہ یوں دور ہو سکتا ہے کہ دیکھو ایک دوست ہوتا ہے لیکن جبکہ تم اس سے مخالفت کر لیتے ہو تو وہ تمہاری نظر میں سانپ ہو جاتا ہے اب دیکھو کہ باوجودیکہ نہ اس کا گوشت بدلا ہے نہ چربی اور وہی آدمی ہے جو پہلے تھا مگر تمہاری نسبت سے بدل گیا ہے۔ بس اسی طرح خون اور بھیڑیئے کو سمجھ لو۔ اچھا اب مریم علیہا السلام کی شمع کو تو روشن چھوڑ دو اور یہ بیان کرو کہ وہ جلا بھنا عاشق بخارا روانہ ہوتا ہے۔

شرح شبّیری

سخت بے صبر و در آتشدان تیز	رو سوئے صدر جہان کن میگریز
سخت بے صبری اور تیز بھٹی میں	(کہتا تھا) صدر جہاں کا رخ کر، بھاگ

یعنی سخت بے صبر تھا اور آتشدان تیز میں صدر جہان کی طرف منہ کئے ہوئے بھاگ رہا تھا مطلب یہ کہ وہ بے حد بے صبری کے ساتھ تیزی سے صدر جہان کی طرف کو جارہا تھا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این بخارا منبع دانش بود	پس بخارائیست ہر کانش بود
یہ بخارا عقل کا مخزن ہوتا ہے	جو اس طرح کا ہو وہ بخاری ہے

یعنی یہ بخارا منبع دانش ہوتا ہے پس بخاری ہے جو کہ وہ (یعنی صاحب دانش) ہو مطلب یہ ہے کہ بخارا سے مراد شیخ کامل ہے جو کہ منبع دانش ہوتا ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ یہ شخص بخارا کی طلب میں تھا تو جس طرح کہ بخارا منبع علوم وفنون تھا اسی طرح اصل بخارا وہ ہے جو کہ منبع علوم وفنون ہوتا ہے۔ یعنی شیخ کامل تو مستفیدین اس کو اسی طرح تلاش کرتے اور اس کی طرف اسی طرح دوڑتے ہیں بخارا سے شیخ کو صرف اس لئے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح کہ بخارا میں علوم وفنون کا زور ہے اسی طرح شیخ کامل بھی منبع علوم وفنون ہوتا ہے تو بس جو اس کا متلاشی ہے وہی بخاری ہے یعنی وہی طالب صادق ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

پیش شیخے در بخارا اندری	تا بخواری در بخارا ننگری
شیخ کے سامنے تو بخارا میں ہے	بخارا کو ذلت سے ہرگز نہ دیکھنا

یعنی تم بخارا میں ایک شیخ کے آگے ہو تو بخارا میں خواری سے ہرگز نگاہ مت کرنا۔ یعنی بخارا جو کہ منبع علوم ہے ایسی جگہ پر تم کسی شیخ کامل کے پاس ہو تو اس کے بخارائے دل میں خواری سے نظر مت کرو۔ اور اس کو حقیر وذلیل مت سمجھو اس لئے کہ یہ علامت خسران کی ہے۔

جز بخواری در بخارائے دلش	راہ ندہد جزر و مد مشکلش
اس کے دل کے بخارا میں عاجزی کے سوا	اس کی مشکلات کا مدوجزر راستہ نہیں دیتا ہے

یعنی بجز خواری کے اس کے بخارائے دل میں اس کی مشکل کا جزر و مد راہ نہیں دیتا ہے مطلب یہ کہ جب تک کہ تم خواری اور تواضع اور عجز اختیار نہ کرو گے اس وقت تک تم کو شیخ کے دل میں راہ نہ ہوگی اور اس کا جو اتار چڑھاؤ ہے اس سے کبھی بھی واقف نہ ہوگے تو بس اس کو حقیر نہ سمجھو اور اپنے کو حقیر بنا لو تب اس کے قلب کے اسرار تک رسائی ہو سکتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے خنک آنرا کہ ذلت نفسہ	وائے آنکس را کہ یردی رفثہ
خوش نصیب ہے وہ جس کا نفس فرمانبردار ہو گیا ہے	اس شخص پر حسرت ہے جس کی دولتیاں اس کو ہلاک کرتی ہیں

یعنی خوش ہے وہ کہ ذلیل ہو گیا نفس اس کا اور افسوس ہے اس شخص پر کہ اس کے قدم رکھنے نے اس کو ہلاک کیا (یہاں قدم رکھنے سے مراد بے ادبی کرنا ہے) مطلب یہ ہے کہ جس نے کہ اپنے نفس کو ذلیل بنالیا اور شیخ کامل کی قدر کی وہ تو فائض المرام ہو گیا اور جس نے کہ شیخ کی بے ادبی کی اور اس کی قدر نہ جانی اس نے اپنے کو ہلاک کرلیا تو بس شیخ کامل کی تلاش اور اس کے بعد اس کی قدر اور اس کا ادب ضروری ہے کہ اس سے فلاح دارین میسر ہوگی۔ اب آگے پھر اسی غلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

فرقت صدر جہان در جان او	پارہ پارہ کردہ بود ارکان او
صدر جہاں کی جدائی جو اس کی جان میں تھی	اس نے اس کے اعضاء کو پارہ پارہ کر دیا تھا

یعنی صدر جہان کی فرقت نے اس کی جان میں اس کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا یعنی اس کی اعضاء ظاہر و باطن دونوں خراب ہو چکے تھے اور قریب بہلاک تھے۔

گفت برخیزم ہمانجا واردم	کافرا گشتم دگر رہ بگردم
اس نے کہا میں اٹھتا ہوں اسی جگہ واپس ہوتا ہوں	اگر میں کافر ہو گیا ہوں تو دوسری راہ اختیار کرتا ہوں

یعنی کہنے لگا کہ میں اٹھتا ہوں اور وہیں جاتا ہوں اگرچہ میں نافرمان ہو گیا ہوں (مگر) دوبارہ پھر مطیع ہوتا ہوں۔

واروم آنجا بیفتم پیش او	پیش آن صدر نکو اندیش او
اسی جگہ واپس جاتا ہوں اس کے سامنے گرتا ہوں	اس (عاشق) کی بھلائی سوچنے والے صدر کے سامنے

یعنی میں جاتا ہوں اور اس کے سامنے جاپڑتا ہوں۔ سامنے اس صدر نکو اندیش کے یعنی بس جا کر اس کے سامنے جاپڑوں گا جو کچھ بھی کرے۔

گویم افگندم بہ پیشت جان خویش	زندہ کن یا سر ببر مارا چومیش
میں کہوں گا میں نے اپنی جان تیرے سامنے لاڈالی ہے	زندہ کر دے یا بھیڑ کی طرح ہمارا سر قلم کر دے

یعنی کہوں گا کہ میں نے اپنی جان کو تیرے سامنے ڈال دیا (اب تو) زندہ کر یا بھیڑ کی طرح سر کاٹ دے

یعنی وہ غلام بولا کہ بس اس کے سامنے جا کر کہدوں گا کہ

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

اور بولا یوں کہوں گا کہ۔

کشتۂ و مردہ بہ پیشت اے قمر	بہ کہ شاہ زندگان جائے دگر
اے چاند! تیرے سامنے مقتول اور مردہ ہونا	دوسری جگہ زندوں کا شاہ ہونے سے بہتر ہے

یعنی اے قمر تیرے آگے مردہ اور مقتول بہتر ہے کہ دوسری جگہ زندوں کا بادشاہ ہوں۔ (اور بولا کہوں کہ)

آزمودم من ہزاراں بار پیش	بے تو شیریں می نہ بینم عیش خویش
میں نے لاکھوں بار پہلے آزما لیا	میں تیرے بغیر اپنی زندگی میٹھی نہیں سمجھتا ہوں

یعنی میں نے پہلے ہزاروں بار آزمالیا ہے کہ بے تیرے اپنی زندگی شیریں نہیں دیکھتا (اب آگے جوش میں آ کر کہتا ہے کہ)

غن لی یا منیتی لحن النشور	ابر کے یا ناقتی تم السرور
اے میری تمنا! میرے دو بارہ زندہ ہونے کا گا نا گا	اے میری اونٹنی بیٹھ جا' سرور مکمل ہو گیا ہے

یعنی اے میری آرزو میرے لئے لحن نشور کو گا' اور اے میری ناقہ بیٹھ جا کہ سرور کامل ہو گیا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ جب میں وہاں پہنچوں گا تو اس وقت کہوں گا کہ اے میری آرزو جاگ اٹھ اور ایسا لحن گا کہ جس سے حیات ابدی حاصل ہو اور اے میری ناقہ اب بیٹھ جا اس لئے کہ سرور وصل محبوب کا تو پورا ہو چکا ہے۔ لہذا اب تلاش سے بیٹھ جا اس لئے کہ اب تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کہتا ہے کہ۔

ابلعی یا ارض دمعی قد کفی	اشربی یا نفس دو اقد صفا
اے زمین! میرے آنسو نگل جا جو کافی ہیں	اے نفس! وہ دوستی پی لے جو صاف ہو گئی ہے

یعنی اے زمین میرے اشک کو پی لے کہ وہ سوکھ گیا اور اے نفس محبت کو پی لے کہ وہ صاف ہو گیا۔ یعنی اب بوجہ سرور کے میرے آنسو بھی بند ہو گئے ہیں تو اب اے زمین تو ان آنسوؤں کو خشک کر لے اور اے نفس اس دوستی مصفا کو پی لے اس لئے کہ اب تو اس کے اندر سے تمام کدورات ختم ہو چکی ہیں۔

عدت یا عیدی الینا مرحبا	نعم ماروحت یا ریح الصبا
اے میری عید! تو ہماری طرف لوٹ آئی ہے' مرحبا	اے باد صبا! بہت عمدہ خوشبو ہے' جو تو نے مہکائی ہے

یعنی اے میری عید تو ہماری طرف لوٹ آئی ہے مرحبا ہے اور اچھی ہے وہ شئے کہ جو اے ریح صبا تو نے چلائی ہے مطلب یہ کہ وہ جوش میں آ کر کہہ رہا ہے کہ میں وہاں جا کر اس طرح عرض کروں گا اب پھر ان عاذلوں سے مخاطب ہوتا ہے کہ۔

گفت اے یاران رواں گشتم وداع	سوئے آں صدرے کہ میرست و مطاع
اس نے کہا اے دوستو! میں چلا الوداع	اس صدر کی جانب' جو سردار (واجب الاطاعت ہے)

یعنی کہنے لگا کہ اے یارو میں روانہ ہوتا ہوں رخصت طرف اس صدر کے جو کہ میر ہے اور مطاع ہے یعنی لوگوں سے کہا کہ لو اب رخصت میں تو وہاں صدر جہاں کے پاس جاتا ہوں۔

دمبدم در سوز بیریان می شوم	ہرچہ بادا باد آنجا می روم
میں دمبدم سوزش میں بھن رہا ہوں	جو کچھ ہونا ہے ہوئیں وہاں جاتا ہوں

یعنی میں دمبدم سوز میں جل رہا ہوں اب جو کچھ بھی ہو میں تو وہاں جاتا ہوں۔

گرچہ دل چون سنگ خارا می کند	جان من عزم بخارا می کند
اگر وہ (اپنا) دل سنگ خارا کی طرح بنا رہا ہے	میری جان بخارا کا قصد کر رہی ہے

یعنی اگرچہ (وہ صدر جہاں) دل کو سنگ خارا کی طرح کرتا ہے (لیکن) میری جان بخارا کا ارادہ کرتی ہے مطلب یہ کہ اگرچہ وہ میری طرف مائل نہیں ہے بلکہ اس نے مجھے مردود کر رکھا ہے مگر میں تو اب بخارا کا ارادہ کرتا ہوں اور وہاں جاتا ہوں میرا تو دل نہیں مانتا اس لئے کہ۔

مسکن یارست و شہر شاہ من	پیش عاشق این بود حب الوطن
وہ میرے یار کا وطن اور میرے شاہ کا شہر ہے	عاشق کے لئے یہی وطن کی دوستی ہے

یعنی (وہ بخارا) میرے یار کا مسکن ہے اور میرے دوست کا شہر ہے اور عاشق کے آگے یہی حب الوطن ہوتی ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میں بخارا جاؤں گا اس لئے کہ وہ میرے محبوب کا مسکن اور شہر ہے اور عاشق کے نزدیک حب الوطن یہی ہوتی ہے کہ جہاں اس کا محبوب ہو۔ پس جہاں کہیں وہ ہوگا اسی جگہ سے اس کو محبت ہوگی آگے ایک عاشق و معشوق کی حکایت لاتے ہیں کہ معشوق نے پوچھا کہ کونسا شہر سب میں اچھا ہے تو عاشق بولا کہ وہ شہر جس میں کہ تو موجود ہو تو دیکھو عاشق کے لئے حب الوطن یہی ہے کہ اس کا محبوب وہاں رہتا ہے۔ اب حکایت سنو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اچھا اے عاشق تم نہایت بے صبری اور اضطرار کے ساتھ بھاگو اور صدر جہان کے پاس چلو۔ یہ فرما کر مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ اور کہتے ہیں کہ دیکھو بخارا علم کا سرچشمہ ہے پس جو شخص صاحب علم ہوگا وہ بھی بخارا ہی ہے لہذا جبکہ تم اپنے شیخ کے پاس ہو تو بخارا ہی میں ہو پس دیکھو اس بخارا کی نہایت وقعت کرنا اور اس کو بنظر حقارت نہ دیکھنا اور اپنے کو اس کے سامنے ذلیل کرنا کیونکہ اس کی شکل جز روندم تم کو اس کے بخارائے دل میں نہ پہنچنے دے گی اور بدوں ذلت کے تم اس کے دل میں گھر نہ کر سکو گے وہ شخص نہایت مزہ میں ہے جس کا نفس اپنے شیخ کے سامنے ذلیل ہو۔ اور اس کی حالت نہایت قابل افسوس ہے جو ٹھوکر مار کر یعنی گستاخی کر کے ہلاک ہو جاوے۔ یہاں تک اس مضمون کو بیان کر کے پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کی جان میں جو صدر جہاں کی فرقت کا رنج جاگزین تھا اس نے اس کے ارکان جسم کو پارہ پارہ کر رکھا تھا اس نے کہا کہ میں تو اٹھ کر وہیں جاتا ہوں اور اگر میں اس سے بھاگ کر کافر عشق ہو گیا ہوں تو پھر نئے سرے سے

مسلمان ہوتا ہوں۔اب تو میں وہیں جاتا ہوں اور اس کے سامنے پڑ رہتا ہوں یعنی اپنے نیک خیال صدر جہان کے سامنے اور وہاں جا کر کہوں گا کہ میں نے تو اپنے کو حضور کے قدموں میں لا ڈالا ہے اب حضور کو اختیار ہے خواہ مجھے زندہ کریں یا ذبح کر ڈالیں۔میرا آپ کے سامنے مر جانا اور مارا جانا اس سے بہتر ہے کہ کہیں اور رہ کر میں زندوں کا بادشاہ ہوں۔میں اس سے قبل لاکھوں مرتبہ تجربہ کر چکا ہوں کہ آپ کی بجز کسی کام میں لطف نہیں۔پس اے میری آرزو میرے لئے زندہ کن گیت گا اور اے میری ناقہ خوشی تمام ہو چکی اور میں منزل مقصود تک پہنچ گیا۔اب تو بیٹھ جا اور اے زمین رونا ہو چکا اب تو آنسو پی لے۔اور اے نفس اب پن گھٹ صاف ہے تو پی لے اور اے عید مرحبا کہ تو واپس آئی اور اے بادصبا تو نے مجھے نہایت ہی خوش کیا۔اس نے اپنے دل سے یہ گفتگو کی اور کہا کہ اے دوستو اچھا لو رخصت میں تو اس صدر جہان کی طرف چل دیا جو میرا آقا اور واجب الاطاعت ہے کیونکہ میں ہر وقت سوز فراق سے کباب ہوتا ہوں مجھ سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی پس کچھ بھی ہو میں تو وہیں جاتا ہوں اگر چہ میری طبیعت مجھے پتھر بنائے دیتی اور جانے سے مانع ہوتی ہے مگر میری جان بخارا ہی کا عزم کرتی ہے کیونکہ وہ میرے یار کی رہنے کی جگہ اور میرے بادشاہ کا شہر ہے اور عاشق کیلئے حب وطن یہی ہے کہ وہ وطن محبوب سے محبت کرے۔

شرح شبّیری

ایک معشوق کا عاشق سے دریافت کرنا کہ شہروں میں سے کونسا شہر بہتر ہے

گفت معشوقے بعاشق کاے فتی	تو بغربت دیدۂ بس شہرہا
ایک معشوق نے عاشق سے کہا اے نوجوان!	تو نے مسافرت میں بہت سے شہر دیکھے ہیں

یعنی ایک معشوق نے عاشق سے کہا کہ ارے میاں تم نے سفر میں بہت سے شہر دیکھے ہیں۔

پس کدامین شہر زانہا خوشتر است	گفت آن شہرے کہ در وے دلبر است
ان میں سے کونسا شہر بہتر ہے؟	اس نے کہا وہ شہر جس میں معشوق ہے

یعنی پس کونسا شہر ان میں زیادہ عمدہ ہے اس عاشق نے کہا کہ وہ شہر جس میں کہ دلبر ہو۔

ہر کجا باشد شہ مارا بساط	ہست صحرا گر بود سم الخیاط
جہاں ہمارے شاہ کا ڈیرا ہو	وہ جنگل ہے خواہ سوئی کا ناکہ ہو

یعنی جس جگہ کہ ہمارے بادشاہ کی بود و باش ہو وہ صحرا ہے اگر چہ سوئی کا ناکا ہو یعنی اگر چہ وہ کتنی ہی تنگ و

تاریک جگہ ہو مگر جب وہاں محبوب ہو وہ بھی کشادہ اور فراخ صحرا معلوم ہوگا۔

جنت ست آن ار چہ باشد قعر چاہ	ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ
وہ جنت ہے خواہ کنویں کی گہرائی ہو	جہاں چاند جیسا یوسف ہو

یعنی جہاں کہیں ایک یوسف رخ مثل ماہ کے ہو وہ جنت ہے اگر چہ قعر چاہ ہو مطلب یہ کہ اگر چہ وہ کیسی ہی تکلیف دہ شے ہو مگر جب محبوب وہاں ہوگا تو اس کی معیت کی وجہ سے ساری کلفت خوشی سے مبدل ہو جاوے گی اور وہ ہی عاشق کہتا ہے کہ۔

با تو زندان گلشن ست اے دلربا	با تو دوزخ جنت است اے جانفزا
اے دلربا! تیرے ساتھ قید خانہ چمن ہے	اے روح پرور! تیرے ہوتے ہوے دوزخ جنت ہے

یعنی اے جانفزا تیرے ساتھ تو دوزخ جنت ہے اور اے دلربا تیرے ساتھ زندان گلشن ہے۔

بے تو شد ریحان وگل نار جحیم	شد جہنم با تو رضوان و نعیم
تیرے بغیر ریحان اور پھول دوزخ کی آگ بن گیا	تیرے ساتھ جہنم رضوان اور نعمت بن گئی

یعنی تیرے ساتھ تو جہنم رضوان اور نعیم ہو گیا اور بے تیرے ریحان وگل نار جحیم ہو گیا ہے۔

ور بود در قعر گورے منزلم	ہر کجا تو بامنی من خوشدلم
خواہ میری منزل قبر کے گڑھے میں ہو	جہاں تو میرے ساتھ ہے میں خوش دل ہوں

یعنی تو جہاں کہیں میرے ساتھ ہو میں خوشدل ہوں۔ اگر چہ قعر گور میں میری منزل ہو۔

کہ ترا بامن سر و سودا بود	خوشتر از ہر دو جہاں آنجا بود
جہاں تجھے میرا خیال ہو	دونوں جہاں سے زیادہ اچھی وہ جگہ ہے

یعنی وہ جگہ دونوں جہان سے خوشتر ہوتی ہے کہ مجھے تیرے ساتھ راز داری اور خیال ہو حاصل یہ کہ عاشق نے کہا کہ اے محبوب اگر تو ساتھ ہے تو ساری کلفتیں راحتیں ہیں اور اگر تیری جدائی ہے تو ساری راحتیں کلفتیں ہیں تو اسی طرح وہ غلام کہتا ہے کہ مجھے تو بس بخارا ہی پسند ہے اگر چہ مجھے وہاں جان کا خطرہ ہے مگر محبوب کی معیت تو حاصل ہوگی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عاشق صدر جہان شد بے قرار	پس دراز ست این سخن از انتظار
صدر جہاں کا عاشق بے قرار ہو گیا ہے	یہ بات بہت لمبی ہے انتظار کی وجہ سے

یعنی یہ بات تو بہت دراز ہے اور انتظار کی وجہ سے صدر جہان کا عاشق بے قرار ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اب وہ عاشق چونکہ بے قرار ہو رہا ہے لہٰذا ان باتوں کو ترک کر کے اس کا قصہ بیان کرو۔ آگے لوگوں کا اس کو سمجھانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ تشریح:۔کسی معشوق نے اپنے عاشق سے کہا کہ آپ نے سفر میں بہت سے شہر دیکھے ہیں ان میں کونسا شہر سب سے اچھا ہے اس نے جواب دیا کہ وہ شہر سب سے اچھا ہے کہ جس میں دلبر ہے۔ جہاں کہیں ہمارے بادشاہ کی بساط ہو وہ اگر سوئی کا ناکا بھی ہو تب بھی وہ صحرا ہے اور جہاں کہیں یوسف رخ اور ماہ تاباں کی مثل حسین ہو وہ اگر قعر چاہ بھی ہو تب بھی وہ جنت ہے۔(یہ مقولہ ٔ ذا سی عاشق کا ہے اور مراد معشوق مجازی ہے اور یا مولانا کا مقولہ ہے اور مراد معشوق حقیقی ہے علے ہٰذا اشعار آبندہ میں بھی ہر دو احتمال ہیں) تیرے ہوتے دوزخ بھی جنت ہے اور قید خانہ بھی گلشن ہے اور جہنم بھی مرغوب اور نعمت ہے اور تیرے بغیر گل وریحان بھی آتش دوزخ ہے۔ جہاں تو میرے ساتھ ہو میں نہایت خوش ہوں خواہ گور ہی میں میرا مسکن ہو۔ دونوں عالم سے میرے لئے وہ جگہ بہتر ہے جہاں مجھے تجھ سے واسطہ ہو۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ گفتگو تو بہت طویل ہے اس کو چھوڑو کیونکہ صدر جہان کا عاشق انتظار کرتے کرتے رونے لگا ہے اسے اس کے معشوق تک پہنچانا چاہئے۔

شرح شبّیری

دوستوں کا اس کو بخارا میں لوٹنے سے منع کرنا

گفت او را ناصحے کائے بخبر	عاقبت اندیش اگر داری ہنر
اس سے ایک نصیحت کرنے والے نے کہا اے بے خبر!	اگر تو لیاقت رکھتا ہے انجام سوچ لے

یعنی ایک ناصح نے اس سے کہا کہ اے بے خبر اگر تو کچھ ہنر رکھتا ہے تو انجام کو سوچ

در نگر پس را بعقل و پیش را	ہمچو پروانہ مسوزاں خویش را
عقل سے آگے پیچھے دیکھ لے	اپنے آپ کو پروانے کی طرح نہ جلا

یعنی عقل سے پس و پیش کو دیکھ لے اور پروانہ کی طرح اپنے کو جلامت۔ یعنی بے سوچے سمجھے جانا ٹھیک نہیں ذرا سوچ سمجھ لو کہ وہاں جانے کا کیا انجام ہوگا۔

چوں بخارا می روی دیوانۂ	لائق زنجیر و زنداں خانۂ
بخارا کو کیوں جاتا ہے تو دیوانہ ہے	قید خانہ اور بیڑی کے لائق ہے

یعنی تو بخارا کیوں جاتا ہے کیا دیوانہ ہے تو خود زنجیر اور جیل خانہ کے لائق ہے یعنی تو جو بخارا جا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عقل میں کچھ فتور آ گیا ہے۔ لہٰذا ضرور ہے کہ تجھے بند کر کے رکھیں اس لئے کہ وہاں جا کر بجز اس کے کہ تو اپنی جان کھودے گا اور کیا ہوگا کیونکہ اس کی یہ حالت ہے کہ۔

او ز تو آہن ہمی خاید ز خشم	او ہمی جوید ترا بانیست چشم
وہ تجھ سے غصہ میں لوہا چبا رہا ہے	وہ تجھے بیس آنکھوں سے تلاش کر رہا ہے

یعنی وہ تیری وجہ سے غصہ سے لوہا چباتا ہے اور وہ تجھے بیس آنکھوں سے ڈھونڈ رہا ہے مطلب یہ کہ بس وہ تیرا منتظر ہی بیٹھا ہے اور مارے غصہ کے دانت پیستا ہے تو گیا اور اس نے مروایا۔

می کند او تیز از بہر تو کارد	اوسگ قحط اوست وتوانبان آرد
وہ تیرے لئے چھری تیز کر رہا ہے	وہ قحط زدہ کتا ہے اور تو آٹے کی بوری ہے

یعنی وہ تیرے لئے چھری تیز کر رہا ہے اور وہ قحط کا (بھوکا) کتا ہے اور تو آٹے کا ڈھیر ہے یعنی تم دونوں کی ایسی مثال ہے لہذا وہ تجھے دیکھتے ہی کھا جاوے گا۔

چوں ہیدی و خدایت راہ داد	سوئے زندان می روی چونت فتاد
جبکہ تو بچ گیا اور خدا نے تجھے موقع دیا	تو قید خانہ کی طرف جا رہا ہے تجھے کیا پڑی ہے

یعنی جبکہ تو چھوٹ گیا اور خدا نے تجھے راہ دیدی تو (اب) زندان کی طرف جاتا ہے۔ تجھے کیا پڑا ہے یعنی سب نے کہا کہ تو بھاگ آیا اس کے بندگران سے چھوٹ گیا اب خود وہاں پھنسنے کو جا رہا ہے۔ تو بھلا تجھے ہو کیا گیا ہے۔ کیوں پھر جاتا ہے بلکہ تیری تو یہ حالت ہونی چاہئے تھی کہ۔

بر تو گر دہ گوں موکل آمدے	عقل بایستے کز ایشان کم زدے
اگر تیرے پاس دس قسم کے سپاہی پہنچتے	عقل کا تقاضہ ہے کہ تو ان سے نہ ملتا

یعنی تجھ پر اگر دس قسم کے سپاہی آتے تو عقل بھی چاہئے کہ تو ان سے کم مارتا۔ مطلب یہ کہ اگر تجھے پکڑنے کو سپاہی بھی آتے تب بھی عقل کا مقتضا تو یہ تھا کہ ان کو بھی پتہ نہ دیتا اور ان سے بھی الگ رہتا اور اب جبکہ کوئی سپاہی بھی نہیں ہے پھر کیا ہو گیا کہ موت کے منہ میں جاتا ہے۔

چون موکل نیست بر تو ہیچ کس	از چہ بستہ گشتہ بر تو پیش و پس
جبکہ تجھ پر کوئی شخص مقرر نہیں ہے	تیرا آگا پیچھا کیوں بندھ گیا؟

یعنی جبکہ تجھ پر کوئی موکل نہیں ہے تو تجھ پر پیش و پس کیوں بستہ ہو گیا یعنی تجھے انجام کیوں نہیں سوجھتا تجھ پر آخر کون زبردستی کر رہا ہے کہ تو وہاں چل رہا ہے انجام کو سوچ کہ وہاں جانے کا خطرہ ہے۔ لہذا وہاں مت جا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ

عشق پنہان کرد بود او را اسیر	آن موکل را نمی دید آن نذیر
مخفی عشق نے اس کو قیدی بنا لیا تھا	وہ ڈرانے والا اس سپاہی کو نہیں دیکھتا تھا

یعنی عشق پوشیدہ نے اس کو قید کر رکھا تھا تو وہ ڈرانے والا اس موکل کو نہ دیکھتا تھا یعنی وہ ملامت گر جو کہتا تھا کہ تجھ کوئی موکل وغیرہ بھی مسلط نہیں ہے پھر تو کیوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالتا ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے اوپر عشق نہفتہ مسلط تھا کہ وہ اس کو کشاں کشاں دیار محبوب کی طرف لے جا رہا تھا مگر اس ملامت گر کو اس موکل کی خبر نہ تھی وہ تو صرف ظاہر کو دیکھ رہا تھا کہ بظاہر اس پر کوئی سپاہی وغیرہ مسلط نہیں ہے آگے مولانا اور ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

ہر موکل را موکل مختفی است	ورنہ او در . سگ طبعی ز چیست
ہر سپاہی پر ایک چھپا ہوا سپاہی ہے	ورنہ کتے پن کا پابند کیوں ہے؟

یعنی سپاہی کے لئے ایک پوشیدہ سپاہی ہے ورنہ وہ سگ طبعی کی قید میں کس لئے ہے یعنی یہ سپاہی وغیرہ جو ظلم کرتے ہیں تو یہ اس لئے ظلم کے اندر پھنسے ہوئے ہیں کہ ان پر ایک اور پوشیدہ سپاہی ہے جو کہ ان سے یہ کام لے رہا ہے ورنہ کون شخص اس خباثت کو اپنے لئے گوارا کرتا ہے یہ سارے اس موکل نہفتہ کے تقاضے ہیں۔

خشم شاہ عشق بر جانش نشست	بر عوانی و سیہ روئیش بست
شاہ عشق کا غصہ اس کی جان پر نازل ہوا ہے	اس کو سپاہ گری اور روسیاہی سے وابستہ کر دیا ہے

یعنی شاہ عشق کا غصہ اس کی جان پر بیٹھ گیا تو اس کو ظلم و سیہ روئی پر باندھ دیا یعنی خشم حق ظالم پر مسلط ہے پس اس نے اس سے ظلم کرا رکھا ہے اور اس نے اس کو اس ظلم و سیہ روئی میں لگا رکھا ہے ورنہ اور کون شئے ہے کہ جو اس کو اس طرح کھینچ رہی ہے۔

می زند او را کہ ہیں او را بزن	زان عوانان نہان افغان من
وہ اس کو مارتا ہے کہ ہاں اس کو مار	ان مخفی سپاہیوں سے میری فریاد ہے

یعنی وہ اس (ظالم) کو مارتا ہے کہ ہاں اس (مظلوم) کو مار تو ان پوشیدہ سپاہیوں سے میرا افغان ہے۔ مطلب یہ کہ وہ پوشیدہ سپاہی تقاضا کرتا ہے کہ اس پر ظلم کر اس کو مار تب یہ ظالم کچھ کام کرتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ اس پوشیدہ سپاہی سے اللہ بچاوے اور خدا پناہ میں رکھے اس لئے کہ یہ ایک ایسی شے ہے کہ جو چاہے کرا لے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ہر کہ بینی در زیانے می رود	گرچہ تنہا با عوانے می رود
جس کو تو دیکھے کہ وہ تباہی میں جا رہا ہے	اگرچہ وہ اکیلا ہے کسی سپاہی کے ساتھ جا رہا ہے

یعنی تم جس کو دیکھو کہ کسی نقصان میں چل رہا ہے تو اگرچہ وہ تنہا ہے (مگر) ایک سپاہی کیساتھ جا رہا ہے یعنی اس کے ساتھ ایک سپاہی ہے کہ جو اس کے اندر تقاضا پیدا کر رہا ہے کہ اس کام کو کر ورنہ کون ایسا ہے کہ جو اپنے نقصان کا طالب ہوگا لہذا جب کسی کو دیکھو کہ وہ اپنے نقصان وہ کام کا مرتکب ہوتا ہے تو سمجھ لو کہ اس پر ایک سپاہی پوشیدہ مسلط ہے کہ اس کو کشاں کشاں اس طرف لا رہا ہے۔

گرازو واقف شدے افغان زدے	پیش آن سلطان سلطانان شدے
اگر وہ اس سے واقف ہوتا فریاد کرتا	شاہوں کے شاہ کے سامنے چلا جاتا

یعنی اگر یہ شخص اس سے واقف ہوتا تو فغاں کرتا اور اس سلطان سلطانان کے پاس جاتا یعنی اگر اس ظالم کو یا نقصان کرنے والے کو یہ خبر ہو جاتی کہ ایک سپاہی پوشیدہ مجھ پر مسلط ہے وہ مجھے لے جارہا ہے تو اس سے پناہ مانگتا اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے بچتا مگر اس کو تو خبر ہی نہیں ہے اور وہ اس پر مسلط ہے اور سوار ہے اور اگر اس کو خبر ہوتی تو اس کی یہ حالت ہو جاتی کہ۔

ریختے برسر بہ پیش شاہ خاک	تا اماں دیدے زدیو سہمناک
شاہ کے سامنے سر پر خاک ڈالتا	یہاں تک کہ خوفناک شیطان سے امن پا جاتا

یعنی بادشاہ (حق تعالیٰ) کے سامنے سر پر خاک ڈالتا تاکہ اس دیو سہمناک سے امن دیکھتا یعنی حق تعالیٰ کے سامنے تضرع وزاری کرتا تاکہ حق تعالیٰ اس عوان مسلط سے اس کو امن دیتے۔

میر دیدی خویش را اے کم زمور	زان ندیدی آن موکل را تو کور
اے چیونٹی سے کم! تو نے اپنے آپ کو سردار سمجھا ہے	اسی لئے تجھ اندھے نے وہ سپاہی نہیں دیکھا ہے

یعنی اے چیونٹی سے کم تو نے اپنے کو امیر دیکھا اس لئے تجھ اندھے نے اس موکل کو نہ دیکھا یعنی تو نے چونکہ اپنے کو بڑا سمجھا ہے اور سمجھتا ہے کہ جب ہم اتنے بڑے ہیں تو ہم پر کون مسلط ہوگا اس لئے تو نے اس موکل کو نہیں دیکھا ورنہ اگر تو اپنی حقیقت اور اس کی حالت کو دیکھتا تو ضرور تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیرے اوپر بھی کوئی ہے مگر تیری تو یہ حالت ہے کہ۔

غرہ گشتی زین دروغین پر و بال	پر وبالے کو کشد سوئے وبال
تو مصنوعی پر وبال سے مغرور بن گیا ہے	وہ پر و بال جو (تجھے) مصیبت کی طرف کھینچ رہے ہیں

یعنی تو ان جھوٹے پر وبال پر مغرور ہو گیا ہے ایسے پر وبال جو کہ وبال کی طرف کھینچتے ہیں یعنی تجھ کو جو قدرت حاصل ہوگئی ہے اور تھوڑا سا کام چل جاتا ہے بس اس پر مغرور ہو رہا ہے حالانکہ یہ جھوٹے پر وبال ایسے ہیں کہ جو تجھے وبال میں ڈال دیں گے اور جال میں پھنسا دینگے۔ یہ تیری قدرت تیرے کچھ کام نہ آوے گی بلکہ اور مقید کردے گی۔ اس لئے کہ۔

پر سبک دارد رہ بالا کند	چون گل آلودش گرانیہا کند
ہلکے پر رکھتا ہے، اوپر جاتا ہے	جب مٹی میں سن جاتے ہیں بھاری پن دکھاتے ہیں

یعنی جو پروں کو ہلکا رکھتا ہے وہ راستہ اوپر کی طرف کو کرتا ہے اور جب (وہ پر) گل آلود ہوگئے تو گرانیاں کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب تک پر ہلکے رہیں اس وقت تک تو جانور اوپر کو اڑتا ہے مگر جب اس کے پروں میں مٹی لگ جاتی ہے تو اس کے پر بھاری ہو جاتے ہیں اور وہ اوپر کی جانب کو اڑ نہیں سکتا تو اسی طرح جب تک انسان دنیا میں ملوث نہیں ہوتا

اس وقت تک تو وہ عالم بالا کی طرف عروج کرتا ہے لیکن جب دنیا میں پھنس جاتا ہے تو پھر عالم بالا کی طرف عروج نہیں کر سکتا ہے تو ہمارے قوی اور ہمارے پر و بال تو دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں اور اس میں آلودہ ہو گئے ہیں اس لئے ہمارے یہ پر و بال تو سوائے اس کے کہ ہمیں قعر مذلت میں لے جاڈالیں اور کیا ہوگا۔ اب آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

جہد کن پر را گل آلودہ مکن	لیک گوشت کر شد و پندم کہن
کوشش کر پروں کو مٹی میں نہ سان	لیکن تیرے کان بہرے ہو گئے ہیں اور میری نصیحت پرانی ہو گئی ہے

یعنی کوشش کر اور پر کو گل آلودہ مت کر لیکن تیرے کان تو بہرے ہو گئے ہیں اور میری نصیحت پرانی ہو گئی ہے یعنی اول تو فرماتے ہیں کہ کوشش کر و اور اس دنیا کے تعلقات سے الگ ہو کر اپنے قوئی باطنیہ کو برباد مت کرو لیکن پھر فرماتے ہیں کہ تو نصیحت کو کیا سنے گا جبکہ تیری یہ حالت ہے کہ تیرے کان تو بہرے ہیں اور میری نصیحت پرانی ہو چکی ہے تو تو کیا سنے گا آگے پھر اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

پند داد القصہ عاشق را بسے	عاذل بے درد ہمچون قققسے
القصہ عاشق کو بہت نصیحت کی	قققس جیسے بیدرد ملامت کرنے

یعنی القصہ وہ بے درد قققس جیسا ملامت گر عاشق کو بہت نصیحت کرتا تھا یعنی اس عاذل نے بہت سمجھایا کہ اب صدر جہان کے پاس جانا ہرگز مناسب نہیں ہے اپنے کو خطرہ میں مت ڈالو آگے اس عاشق کا جواب نقل فرماتے ہیں کہ اس نے اس ملامت گر کی باتوں کو سن کر یہ کہا کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ ایک نصیحت کرنے اس سے کہا کہ بیوقوف اگر تجھ میں کچھ بھی لیاقت ہے تو نتیجہ کو سوچ اور عقل سے آگا پیچھا دیکھ پروانہ کی طرح دیدہ دانستہ اپنے کو مت جلا۔ ارے تو بخارا کیوں جاتا ہے تو پاگل ہوا ہے اور اس قابل ہے کہ تجھے پاگل خانہ بھیج دیا جاوے۔ وہ تجھ پر نہایت ہی غضبناک ہے اور بہت ہوشیاری سے تیرا متلاشی ہے۔ وہ تیرے لئے چھری تیز کر رہا ہے اور تیری ضرر رسانی پر اس درجہ حریص ہے کہ اس کی مثال بھوکے کتے کی ہے اور تو اس کے لئے آٹے کا تھیلا ہے جبکہ خدا نے تجھے اس کے پنجہ سے رہائی دی ہے تو تجھ پر کیا مصیبت پڑی کہ تو اپنے پاؤں جیل خانہ جاتا ہے اگر دس طرح کے پہرہ تجھ پر مسلط ہوتے تو بھی عقل کا یہ مقتضے تھا کہ ان سے بچتا۔ پھر جبکہ کوئی پہرہ بھی نہیں ہے تو پھر تیری اگاڑی پچھاڑی کیوں بندھ گئی۔ اور تو کیونکر صدر جہان کے پاس حاضری کے لئے مجبور ہو گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دھمکیاں دینے والا اس پہرہ دار کو نہیں دیکھتا اس لئے اسے ملامت کر رہا ہے ورنہ واقع میں اس پر پہرہ دار مسلط ہے اور وہ عشق ہے پہرہ دار کچھ ظاہری ہی نہیں بلکہ خفیہ بھی ہیں۔ اور ہر ظاہری پہرہ دار پر ایک خفیہ پہرہ دار مقرر ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ ظاہری پہرہ دار حرص

اور ایذا خلق میں کیوں محبوس ہوتے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس حاکم کا غضب اس کی جان پر مسلط ہے جو عشق پر بھی حکومت کرتا ہے اور اس نے اس کو پہرہ داری اور دن رات اپنا منہ کالا کرنے میں محبوس کر رکھا ہے جب سپاہی کسی کو مارتا ہے تو وجہ یہی ہے کہ وہ خفیہ پہرہ دار اسے مار رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اسے مار اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ خفیہ پہرہ دار بڑے سخت ہیں ان سے خدا کی پناہ۔ یہ مضمون بطور جملہ معترضہ کے بیان کر کے پھر اصل مقصد کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو تم دیکھو کہ نقصان کی طرف جا رہا ہے گو بظاہر تنہا معلوم ہو مگر حقیقت میں کوئی خفیہ پہرہ دار اس پر مسلط ہے اور وہ اسے لئے جا رہا ہے مگر یہ جانے والا اس سے واقف نہیں ہے کیونکہ اگر واقف ہوتا تو فریاد کرتا اور شہنشاہ حقیقی کے دربار میں فریاد کرتا کہ اے اللہ مجھے اس پہرہ دار سے چھڑا اور خدا کے سامنے سر پر خاک ڈالتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ اس خوفناک دیو کے پنجے سے چھوٹ جاتا اب ہم یہ دکھلاتے ہیں کہ تم اس خفیہ پہرہ دار کو کیوں نہیں دیکھتے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے باوجود نہایت ضعیف ہونے کے اپنے کو خود مختار سمجھ رکھا ہے اور تم اس جھوٹے پر و باز و یعنی قدرت و اختیار ضعیف سے جو کہ تم کو مصیبت میں پھنسانے والے ہیں دھوکہ کھائے ہوئے ہو۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی جانور کے بازو ہلکے ہوتے ہیں تو وہ اوپر اڑتا ہے اور جب گارے میں لتھڑ جاتے ہیں اس وقت وہ بھاری ہو کر کاہل ہو جاتا ہے اور اوپر نہیں اڑ سکتا پس اسی طرح تم نے اپنے ان ضعیف پر و باز و کو علائق ناسوتی میں پھنسا رکھا ہے اس لئے عروج روحانی سے محروم ہو پس اگر عروج روحانی چاہتے ہو تو کوشش کرو اور اپنے پروں کو گارے میں نہ سانو۔ مگر کیا کیجئے کہ تمہارے کان تو بہرے ہو گئے اور میری نصیحت پرانی ہو گئی ہے۔

شرح شبیری

مرد عاشق کا ملامت گروں اور نصیحت کرنے والوں کو جواب دینا

گفت اے ناصح خمش کن چند چند	پند کم دہ زانکہ بس سخت ست بند
اس نے کہا اے ناصح چپ ہو جا اس قدر	نصیحت نہ کر کیونکہ قید بہت سخت ہے

یعنی اس (عاشق) نے کہا کہ اے ناصح خموش رہ کہاں تک نصیحت کم کرو۔ اس لئے کہ قید سخت ہے۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ کہاں تک نصیحت کرو گے اب نصیحت مت کرو اس لئے کہ قید عشق سخت لگی ہوئی ہے اب اس کا چھوٹنا اور اس خیال کا جاتا رہنا ناممکن ہے بلکہ۔

سخت تر شد بند من از پند تو	عشق را نشناخت دانشمند تو
تیری نصیحت سے میری قید اور سخت ہو گئی ہے	اے دانشمند تو عشق کو نہیں جانتا ہے

یعنی میری قید تمہاری نصیحت سے زیادہ ہو گئی اور تیرے دانشمند نے عشق کو پہچانا نہیں ہے یعنی اس عاشق نے کہا کہ اے عاذل تو عشق کو کیا جانے کہ اس کی قید کیسی سخت ہوتی ہے تیرے کہنے سے میری اور زیادہ ہوتی

ہے لہذا اپنی نصیحت کو بند کر کیونکہ۔

آنطرف کہ عشق می افزود درد	بو حنیفہ و شافعی درسے نکرد
جس پہلو سے عشق نے درد بڑھایا ہے	ابو حنیفہ اور شافعی نے سبق نہیں پڑھایا

یعنی جس طرف کہ عشق درد کو بڑھاتا ہے (اس طرف) ابوحنیفہ اور شافعی نے درس نہیں کیا مطلب یہ ہے کہ عشق کی مقتضیات کی طرف تو ابوحنیفہ اور شافعی کو بھی توجہ نہیں ہوئی اور وہ بھی نہیں جانتے کہ عشق کیا شے ہے پھر بھلا اے عاذل تو تو کیا جانے گا اور ان کے عشق کو نہ جاننے سے مراد یہ ہے کہ ان پر عشق کا غلبہ نہ تھا اور مغلوبیت کی یہ حالت ان پر نہ تھی جو کہ مجھ پر ہے لہذا ان کو بھی اس مغلوبیت کی خبر نہیں ہے تو جب یہ بات ہے تو اے عاذل سن لے کہ۔

تو مکن تہدید از کشتن کہ من	تشنۂ زارم بخون خویشتن
تو قتل سے نہ ڈرا کیونکہ میں	اپنے خون کا بہت پیاسا ہوں

یعنی مجھے مار ڈالے جانے سے ڈرامت اس لئے کہ میں تو اپنے خون کا سخت پیاسا ہوں یعنی اس نے کہا کہ میں تو مرنے کو پھرتا ہی ہوں تو مجھے کیا ڈراتا ہے۔

عاشقانرا ہر زمانے مرد نیست	مردن عشاق خود یک نوع نیست
عاشقوں کی ہر گھڑی ایک موت ہے	عاشقوں کی موت ایک قسم کی نہیں ہے

یعنی عاشقوں کے لئے تو ہر دم ایک مرنا ہے اور عشاق کا مرنا ایک طرح کا نہیں ہے (بلکہ)

او دو صد جان دارد از جان ہدی	وان دو صد را می کند ہر دم فدا
وہ نور ہدایت سے دو سو جانیں رکھتا ہے	اور ان دو سو کو ہر وقت قربان کرتا ہے

یعنی وہ (عاشق) جان ہدے سے دوسو جانیں رکھتا ہے اور ان دوسو کو ہر دم فدا کرتا ہے (جان ہدی سے مراد حق تعالیٰ) مطلب یہ کہ عاشق کے لئے تو ہر دم مرنا کھپنا ہی ہے اس کے لئے تو سینکڑوں جانیں ہوتی ہیں کوئی عشوہ پر فدا کرتا ہے کسی کو ناز و انداز پر غرض

ہر زمان از غیب جانے دیگر ست از نبے بر خوان تو عشر امثالہا

ہر یکے جاں راستاندہ بہا	از نبے بر خوان تو عشرا مثالہا
ہر ایک جان کے دس عوض لیتا ہے	"اس کے دس گنا" قرآن میں پڑھ لے

یعنی ہر ایک جان کے دس بدلے لیتا ہے۔ قرآن سے تم عشرا مثالہا پڑھو۔ مطلب یہ کہ وہ عاشق ہر دم جان کے فدا کرنے کو تیار ہے اس لئے کہ وہ ایک جان کے بدلے میں دس جانیں دیکھتا ہے کہ مل رہی ہیں لہذا وہ خوشی سے جان کو فدا کرنے کے لئے تیار ہے۔

پائے کوباں جان بر افشانم برو	گر بریزد خون من آن دوست رو
"میں نا چتا ہوا اس پر جان نثار کردوں"	وہ محبوب چہرے والا اگر میرے خون بہائے

یعنی وہ دوست رو اگر میری خون ریزی کردے تو میں پاؤں بجاتا ہوا اس پر جان نثار کردوں گا مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ اگر وہ مجھے مار ڈالے تو میں بخوشی مرنے کو تیار ہوں۔

چوں رہم زیں زندگی پایندگی ست	آزمودیم مرگ من درزندگی ست
جب میں اس زندگی سے نجات پا جاؤں گا تو ہیشگی ہے	میں نے آزما لیا میری موت زندگی میں ہے

یعنی میں نے آزمالیا ہے کہ میری موت زندگی میں ہے اور جب میں اس زندگی سے چھوٹ جاؤں گا تو بقا ہے۔ یعنی اس نے کہا کہ میں اگر زندہ رہتا ہوں تو اس میں تو میری موت ہے کہ محبوب کی جدائی سے بڑھ کر اور کیا موت ہوگی اور اگر محبوب مجھے مار ڈالے تو میرے لئے زندگی جاودانی اور بقا حاصل ہو جاوے گی۔ لہٰذا میں مرنے کو موجود ہوں آگے جوش میں کہتا ہے کہ

ان فی قتلی حیاۃٌ فی حیات	اقتلونی اقتلونی یا ثقات
بیشک میرے قتل میں زندگی در زندگی ہے	اے معتمدو! مجھے قتل کر دو مجھے قتل کر دو

یعنی اے ثقات مجھے قتل کر دو قتل کر دو کہ میرے قتل کر دینے میں حیات در حیات ہے (اصل میں یہ مقولہ منصور کا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے

اقتلونی یا ثقاتی ان فی قتلی حیاتی

مولانا نے اس کو دوسری بحر میں کر لیا ہے۔ غرضکہ اس نے کہا کہ میری زندگی تو قتل ہو جانے میں ہی ہے اور کہتا ہے کہ۔

اجتذب روحی و جدلی باللقا	یا منیر الخد یا روح البقا
میری روح کو جذب کر لے اور مجھے ملاقات بخش دے	اے روشن رو! اے بقا کی جان!

یعنی اے روشن چہرہ والے اور اے روح باقی میری روح کو جذب کر لے اور وصل کو بخشش فرما یعنی میری روح کو اپنی طرف جذب کر کے اپنے وصل سے مجھے بہرہ یاب فرما۔

لو یشاء یمشی علے عینی مشا	لی حبیب حبہ یشوی الحشا
اگر وہ میری آنکھوں پر چلنا چاہئے چلے	میرا ایک محبوب ہے جس کی محبت باطن کو جلائے ڈالتی ہے

یعنی میرا ایک حبیب ہے کہ اس کی محبت باطن کو بھونے دیتی ہے وہ اگر میری آنکھوں پر چلنا چاہے تو چلے (غرض وہ جوش و خروش میں اس طرح بیان کر رہا ہے اور مرنے کو موجود ہے اور بخارا کو واپس جانا چاہتا ہے)

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عشق را خود صد زبان دیگر است	پارسی گو گرچہ تازی خوشتر است
خود عشق کی دوسری سینکڑوں زبانیں ہیں	فارسی میں کہہ اگرچہ عربی بہتر ہے

یعنی فارسی کہہ اگرچہ عربی اچھی ہے کہ عشق کو خود سوز بانیں دوسری ہیں (دو تین اشعار جو عربی میں کہے تو فرماتے ہیں کہ عربی کو ترک کرو اس لئے کہ عشق کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی خاص زبان ہو بلکہ جس زبان میں بھی اس کے دل کی حالت ادا ہو سکے وہی اس کے لئے سب سے اچھی ہے تو عربی اگرچہ اچھی زبان ہے مگر چونکہ بہت سے لوگ سمجھ نہ سکیں گے اس لئے اس کو ترک کر دینا چاہئے) آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں زبانہا جملہ حیراں می شود	بوئے آں دلبر چو پراں می شود
یہ سب زبانیں حیران ہو جاتی ہیں	جب اس دلبر کی خوشبو مہکتی ہے

یعنی اس دلبر کی بو جب اڑتی ہے یہ ساری زبانیں حیران رہ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ جب حق تعالیٰ کی عظمت اور شان کا ظہور ہوتا ہے اس وقت تمام زبانیں بند ہو جاتی ہیں اور کوئی زبان بھی نہیں چلتی اس لئے کہ

چو سلطان عزت علم برکشد جہان سر بجیب عدم درکشد

آگے فرماتے ہیں کہ

گوش شو واللہ اعلم بالصواب	بس کنم دلبر در آمد در خطاب
کان بن جا اور اللہ درست بات زیادہ جانتا ہے	میں ختم کرتا ہوں دلبر نے بات شروع کر دی

یعنی میں بس کرتا ہوں کہ دلبر خطاب میں آیا ہے۔ کان ہو جا واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اب حق تعالیٰ کلام فرماتے ہیں لہذا ان باتوں سے خاموشی اختیار کر کے ان کی باتوں کو سنو۔ معلوم ہوتا ہے کہ بیان کرتے کرتے مولانا پر کچھ واردات ہونے لگے ہیں اور کچھ مکشوف ہوا ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ اب وہ کلام فرماتے ہیں تو ہمہ تن گوش ہو کر سنو۔ اب یہاں ایک طرح ہر بولی سے توبہ کی ہے کہ اب نہ بولیں گے لہذا آگے فرماتے ہیں کہ۔

کو چو عیاران کند بر دار درس	چونکہ عاشق توبہ کرد اکنون بہ ترس
وہ مکاروں کی طرح سولی پر (عشق کا) سبق پڑھائے گا	چونکہ اب ڈر سے عاشق نے توبہ کر لی

یعنی جبکہ عاشق نے توبہ کر لی تو اب ڈرو کہ وہ عیاروں کی طرح دار پر درس کرے گا۔ مطلب یہ کہ اب جو وہ کلام سے توبہ کر چکا ہے اور ہمہ تن اس طرف سننے میں مشغول ہوا ہے تو اس کو ایک گونہ اتحاد حاصل ہو گیا ہے۔ لہذا اب وہ منصور کی طرح دعویٰ اتحاد کرے گا اور اپنی جان دینے کو تیار ہو گا آگے پھر اس عاشق بخاری کی کچھ حالت بیان فرماتے ہیں کہ۔

نے بدرس و نے باستامی رود	گرچہ این عاشق بخارا می رود
(لیکن) سبق اور استاد کیلئے نہیں جا رہا ہے	اگرچہ یہ عاشق بخارا کو جا رہا ہے

یعنی اگر چہ یہ عاشق بخارا جارہا ہے (مگر) نہ درس کے لئے اور نہ کسی استاد کے پاس جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ بخارا جو کہ دارالعلم ہے اگر چہ یہ عاشق وہاں جارہا ہے لیکن کسی سے سبق پڑھنے کو یا کسی استاد کے پاس نہیں جاتا بلکہ وہ تو وصل محبوب اور زیارت معشوق کے لئے چلا ہے اس لئے کہ۔

عاشقاں را شد مدرس حسن دوست	دفتر و درس وسبق شان روئے اوست
محبوب کا حسن عاشقوں کا مدرس بن گیا ہے	ان کی کتاب اور درس اور سبق اس کا چہرہ ہے

یعنی عاشقوں کا مدرس تو روئے دوست ہے۔ اور ان کا دفتر اور درس اور سبق اس محبوب کا چہرہ ہے (تو پھر ان کو کتابوں کے درس کی کیا ضرورت ہے ان کی تو یہ حالت ہے کہ)

خامش اند و نعرۂ تکرار شان	می رود تا عرش و تخت یارشان
وہ چپ ہیں اور ان کی تکرار کی آواز	عرش اور ان کے دوست کے تخت تک جا رہی ہے

یعنی (یہ لوگ) خاموش ہیں اور ان کی تکرار کی آواز ان کے یار کے عرش و تخت تک جارہی ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ سبق کے بعد تکرار کرتے ہیں اسی طرح بعد دیدار یار کے ان کا جوش و خروش ترقی پکڑتا ہے اور بظاہر خاموش رہتے ہیں مگر اس جوش و خروش کا نعرہ اور اس کا اثر عرش و تخت حق تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔

درس شان آشوب و چرخ و زلزلہ	نے زیادات است و باب و سلسلہ
ان کا سبق شور اور رقص اور جوش ہے	نہ کہ زیاداتؔ اور بابؔ اور سلسلہ

یعنی ان کا درس آشوب ہے اور رقص ہے اور زلزلہ ہے نہ کہ زیادات اور باب و سلسلہ ہے (زیاداتؔ باب و سلسلہ کی کتابوں کے نام ہیں) مطلب یہ کہ ان کا درس یہ ہے کہ یہ رقص کرلیں ناچ لیں کود لیں۔ باقی ظاہر میں کوئی کتاب وغیرہ ان کے درس میں نہیں ہے۔

سلسلہ ایں قوم جعد مشکبار	مسئلہ دور ست لیکن دور یار
اس قوم کا سلسلہ مشک برسانے والے گھنگریالے بال ہیں	دور کا مسئلہ ہے لیکن محبوب کے دور کا

یعنی اس قوم کا سلسلہ زلف مشکبار ہے اور مسئلہ دور ہے لیکن دور یار ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ علوم ظاہری میں ایک کتاب سلسلہ ہے اسی طرح ان عشاق کے یہاں بھی ایک سلسلہ ہے مگر وہ سلسلہ علوم ظاہر میں تو کتاب ہے اور یہاں زلف مسلسل ہے اور جیسا کہ علم ظاہر میں مسئلہ دور ہے اسی طرح ان کے یہاں بھی ہے مگر اس دور سے مراد دور یار ہے وہ دور منطقی نہیں ہے۔

مسئلہ کیس ار بپرسد کس ترا	گو نگنجد گنج حق در کیسہا
اگر کوئی تجھ سے تھیلی کا مسئلہ پوچھے	کہہ دے اللہ تعالیٰ کا خزانہ تھیلیوں میں نہیں سماتا ہے

یعنی اگر تم سے کوئی مسئلہ کیس پوچھے تو کہہ دو کہ اسرار حق کیسوں میں نہیں سماتے۔ (مسئلہ کیس یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس ایک تھیلی میں بند کر کے کچھ روپے بغیر گنے اور مہر وغیرہ کئے ودیعت رکھے اور واپسی پر جب وہ تھیلی واپس لی تو کہا کہ اس میں سے روپے کم ہو گئے تو اب اس امانت دار پر نہ ضمان آتا ہے اور نہ قسم) مطلب یہاں یہ ہے کہ اگر تم سے علوم ظاہری میں سے کوئی مسائل وغیرہ پوچھے تو کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے ہمیں ان مسائل کے جاننے کی فرصت نہیں ہے اور مسئلہ کیس کو صرف اس مناسبت سے لائے ہیں کہ کہیں اسرار حق کیسوں میں نہیں سماتے اب یہاں کوئی شبہ کرتا ہے کہ جناب اور لوگوں کو تو علوم ظاہر و اصطلاحات وغیرہ کے جاننے سے منع کرتے ہیں اور خود ان اصطلاحات کو بیان کر رہے ہیں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

گردم خلع و مبارا می رود	بد مبین ذکر بخارا می رود
اگر خلع اور مبارات کی بات چل رہی ہے	برا نہ سمجھ وہ (بھی) بخارا کی بات چل رہی ہے

یعنی اگر ذکر خلع و مبارا کا چلتا ہے تو اعتراض مت کرو کیونکہ ذکر بخارا کا چل رہا ہے (خلع و مبارا اصطلاحات ہیں فقہ میں)

ذکر ہر چیزے دہد خاصیتے	زانکہ دارد ہر صفت ماہیتے
ہر چیز کا ذکر ایک خاصیت پیدا کرتا ہے	کیونکہ ہر صفت ایک ماہیت رکھتی ہے

یعنی ہر شے کا ذکر ایک خاصیت دیتا ہے اس لئے کہ ہر صفت ایک ماہیت رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ہم اصطلاحات علمیہ کا ذکر کر رہے ہیں مگر اس کی وجہ سے ہم پر اعتراض مت کرو اس لئے کہ ہم بخارا کا ذکر کر رہے ہیں اور ہر شئے کے ذکر میں کچھ خصوصیات ہوا کرتی ہیں تو چونکہ بخارا معدن علوم ہے اس لئے اس کے ذکر کے وقت اصطلاحات علمیہ کا ذکر کرنا کچھ مستبعد نہیں ہے یہ ہمارے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ عاشق کو بجز وصل یار اور روئے محبوب کے دیدار کے اور کوئی کام نہیں ہوتا اس لئے کہ کام تو اسی سے ہے مگر صرف اس کے ذکر کی خصوصیت کی وجہ سے ان کا ذکر آ گیا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

در بخارا در ہنر ہا بالغے	چوں بخواری رو نہی زو فارغے
تو بخارا میں بہت سے ہنروں کو پہنچنے والا ہے	جب خواری کیساتھ رخ کریگا تو ان کا فارغ التحصیل بنے گا

یعنی بخارا میں تم ہنروں میں منتہی ہو تو جب خواری میں منہ رکھو اس سے فارغ ہو۔ مطلب یہ کہ اگرچہ علوم ظاہر میں تم لائق فائق اور ماہر ہو گئے مگر عبدیت حاصل کرنے میں تم اس سے فارغ ہو جاؤ گے اور پھر تم کو علوم ظاہر کے حاصل کرنے کی حاجت نہ ہوگی اور فرماتے ہیں کہ۔

آں بخاری غصۂ دانش نداشت	چشم بر خورشید بنیش می گماشت
اس بخارا کو جانے والے کو علم کا اچھو نہ لگا تھا	اس نے بصیرت کے سورج پر نگاہ جمائی تھی

یعنی وہ بخاری فکر علم کی نہ رکھتا تھا (بلکہ) خورشید بینش پر آنکھ کو مقرر کرتا تھا۔ یعنی وہ جو بخارا کی طرف جا رہا تھا اس سے اس کا مقصود کوئی تحصیل علوم ظاہرہ نہ تھا بلکہ صرف روئے محبوب کے دیکھنے کے لئے وہ جا رہا تھا اور اس نے اپنے کو اسی لئے مقرر کر دیا تھا۔

ہر کہ در خلوت بہ بینش یافت راہ	اوز دانشہا نجوید دستگاہ
جس نے خلوت میں بصیرت کا راستہ پالیا	وہ علوم میں مہارت کا طلب گار نہیں ہوتا ہے

یعنی جس نے کہ خلوت میں بینش کی طرف راہ پالی وہ دانشوں سے دستگاہ نہ ڈھونڈے گا۔ یعنی جس کو کہ مشاہدۂ محبوب میسر ہو گیا اس کو ان علوم کی کیا حاجت ہو گی۔

با جمال جان چو شد ہم کاسۂ	باشدش ز اخبار. دانش تاسۂ
جو روح کے حسن کا ہم پیالہ بن گیا	اس کو خبروں اور علم سے نفرت ہوتی ہے

یعنی جمال جان کے ساتھ جب وہ ہم کاسہ ہوا تو اس کو علوم کی خبروں سے تاسہ ہو گا یعنی وہ شخص جس کو کہ دیدار نصیب ہو گیا ہو اس کو ان علوم ظاہرہ سے یقیناً گھبراہٹ پیدا ہو گا۔ اور وہ ان سے اکتا دے گا اس لئے کہ اس کے سامنے تو حقائق اشیاء منکشف ہوں گی پھر اس کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہو گی۔

دید بر دانش بود غالب فزا	زان ہمی دنیا بچربد عامہ را
آنکھوں سے دیکھ لینا عقل پر غالب ہوتا ہے	اسی لئے دنیا عوام پر چھا جاتی ہے

یعنی دید دانش پر غالب ہوتی ہے اس لئے دنیا عوام پر غالب آجاتی ہے۔

زانکہ دنیا را ہمی بیند عین	وان جہانے را ہمی دانند دین
کیونکہ وہ دنیا کو اصل اور حقیقت سمجھتے ہیں	اور اس عالم کو ادھار سمجھتے ہیں

یعنی اس لئے کہ دنیا کو تو آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس جہان کو قرض جانتے ہیں مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ قاعدہ ہے کہ مشاہدہ علم سے زیادہ یقین دلانے والا ہوتا ہے اور اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ مثلاً دنیا عوام پر آخرت کے مقابلہ میں باوجود اس علم کے کہ دنیا بری ہے اور آخرت اچھی ہے غالب آتی ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ دنیا کو اور اس کے عیش و آرام کو تو آنکھ سے دیکھا ہے اور آخرت کے خوب ہونے کا صرف علم ہے اس کے خوب ہونے کو دیکھا نہیں ہے لہذا دنیا آخرت پر غالب ہو جاتی ہے تو اسی طرح جس کو مشاہدہ جمال حق ہو گیا ہو اس کو ان علوم ظاہری کی کیا ضرورت رہے گی آگے پھر اس عاشق بخاری کی حکایت کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز روسوئے حدیث آن جوان	کز غم صدر جہان شد نا توان
اس نوجوان کے قصہ کی طرف واپس لوٹ	کیونکہ وہ صدر جہاں کے غم سے کمزور ہو گیا ہے

یعنی پھر اس جوان کے قصہ کی طرف چلو کہ وہ صدر جہان کے غم سے ناتوان ہو گیا ہے (آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ)

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔عاشق نے جواب دیا کہ اے ناصح آخر تو نصیحت کب تک رہے گا۔تو مجھے نصیحت مت کر کیونکہ میں بہت بری طرح مقید ہوں مجھے نصیحت فائدہ نہیں دے سکتی۔بلکہ میری بندش تیری نصیحت سے اور سخت ہوگی۔یہ ساری نصیحت اس لئے ہے کہ تو عشق کو نہیں جانتا۔اور تو تو کیا چیز ہے عشق کو تو تیرے فقہاء بھی نہیں جانتے جس طرف کہ عشق درد بڑھاتا ہے تیرے بڑے بڑے فقہاء نے جو اپنے وقت کے ابوحنیفہ اور شافعی ہیں سبق نہیں پڑھا۔تو مجھے مارے جانے سے نہ ڈرا کیونکہ میں خود اپنے خون کا پیاسا ہوں۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ عشاق مرنے سے کیا ڈرتے۔وہ تو ہروقت مرتے رہتے ہیں تم اس سے تعجب نہ کرنا کہ ہروقت کیونکر مرتے ہیں اس لئے کہ عاشقوں کی موت ایک قسم کی نہیں ہے وہ نور ہدایت کے سبب دوسو جانیں رکھتے ہیں اور دوسو کی دوسو ہروقت قربان کرتے رہتے ہیں لیکن یہ موتیں ان کی بے فائدہ نہیں ہیں بلکہ ایک ایک جان کی دس دس گنی قیمت ملتی ہے چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها اور حق سبحانہ پر جان قربان کرنے سے زیادہ کون سی نیکی ہوگی۔اے ملامت گر تو جا اپنا کام کر۔میرا محبوب حقیقی اگر مجھے مار بھی ڈالے تو بھی کچھ پرواہ نہیں ۔میں نہایت خوشی سے اس پر جان قربان کرنے کو تیار ہوں کیونکہ میں تجربہ کر چکا ہوں کہ میرا زندہ رہنا میرے لئے موت ہے اور جبکہ میں اس زندگی سے چھوٹ جاؤں گا تو یہ میرے لئے بقائے دائم ہے پس اے معتمد لوگو تم مجھے مار ڈالو۔مجھے مارڈالو کیونکہ میرے مارے جانے میں حیات در حیات یعنی حیات تام ہے اب مولانا گفتگو کا رخ بدل کر محبوب حقیقی کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے روشن رخسار اور روح البقاء تو میرے دل کو اپنی طرف جذب کر اور اپنا دیدار دکھا۔اب پھر عنوان بدلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا ایک محبوب ہے جو میرا دل وجگر بھونے دیتا ہے اور وہ مجھے اس قدر محبوب ہے کہ اگر میری آنکھوں پر چلنا چاہے تو چل سکتا ہے۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ گو عربی نہایت نفیس زبان ہے مگر اس کو چھوڑ کر فارسی ہی زبان میں کلام کرو کیونکہ عربی کے سمجھنے والے بہت کم ہیں اور اگر مخاطبین کی رعایت مدنظر نہ ہوتی تو فارسی بھی ضروری نہ تھی کیونکہ عشق کی اور بھی سینکڑوں زبانیں ہیں جبکہ محبوب حقیقی کی خوشبو مہکتی ہے تو ساری زبانیں حیران رہ جاتی ہیں کیونکہ اس وقت عاشق ومعشوق میں راز ونیاز کی باتیں ہوتی ہیں اور الفاظ کو دخل نہیں ہوتا اچھا اب محبوب حقیقی خطاب فرماتے ہیں اس گفتگو کو ختم کرکے اس کو سننا چاہئے۔واللہ اعلم بالصواب۔اب مولانا پھر عاشق صدر جہان کی طرف رخ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگ اس کو مرنے سے ڈراتے تھے لیکن اس کو یاد رکھنا چاہئے کہ جب عاشق نے ڈرنے سے توبہ کرلی اور اس کو چھوڑ دیا تو پھر وہ سولی پر سبق پڑھتا ہے اور کسی کی بھی نہیں سنتا۔چنانچہ یہ ہی عاشق کو بخارا جاتا ہے مگر سبق پڑھنے یا استاد کے پاس نہیں جاتا۔بلکہ وہ تو اپنی جان دینے جاتا ہے اس کے بعد مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاشقوں کو حسن یار سابق پڑھاتا ہے اور ان کی کتاب اور ان کا سبق تو اس کا چہرہ اور اس کا دیدار ہے وہ زبان سے کچھ نہیں

کہتے ہیں مگر اس سبق کے تکرار کی آواز عرش الٰہی وتخت ربانی تک جاتی ہے یعنی وہ دل ہی دل میں اپنے محبوب اور اس کی خوبیوں کو یاد کرتے ہیں جس کا علم خدا کو ہوتا ہے نیز ان کا سبق پریشانی اور چکر اور جوش وخروش ہے نہ کہ زیادات وباب وسلسلہ (یہ تینوں کتابوں کے نام ہیں) ان کا سلسلہ تو زلف مشکین ہے اور ان کے یہاں بھی مسئلہ دور ہے مگر کوچہ محبوب کا چکر۔ اگر تم عاشق حق سبحانہ ہو اور تم سے کوئی مسئلہ کیس پوچھے تو جواب دیدو کہ ہمارے یہاں تو یہ صورت ہی ناممکن ہے کیونکہ ہمارا خزانہ تو خدا کا خزانہ ہے تھیلی میں سماہی نہیں سکتا لہٰذا ہمیں نہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے اور نہ ہم جانتے ہیں (مسئلہ کیس یہ ہے کہ کوئی شخص روپیوں کی ایک تھیلی کسی کے سپرد کرے اور سپرد کرتے وقت روپے گنوائے نہیں۔ اور جس وقت کہ وہ امانت واپس ہو تو اس وقت نزاع ہو۔ مودع کہے کہ روپیہ زیادہ تھے مستودع کہے کہ صرف اتنے ہی تھے اس وقت اس کا فیصلہ کیونکر ہوگا۔) اب مولانا اصطلاحات علمیہ کو بیان کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر خلع اور مباراۃ (یعنی اصطلاحات علمیہ) کا ذکر آ گیا تو اس کو برا نہ سمجھو کیونکہ بخارا کا تذکرہ ہو رہا ہے اور ہر چیز کے ذکر میں ایک خاص اثر ہوتا ہے کیونکہ ہر شے کی ایک جداگانہ ماہیت ہے جب ماہیت جداگانہ ہے تو اثر بھی جداگانہ ہوگا پس بخارا کے ذکر میں یہ اثر ہے کہ اس سے اصطلاحات علمیہ کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے مولانا اس مضمون کو ختم کر کے دوسرا مضمون شروع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر بخارا میں جا کر تم علوم کے ماہر ہو گئے ہو تو جب ذلت عشق کی طرف رخ کرو گے تو سب علوم کو بھول جاؤ گے اسی لئے اس بخاری کو علم کا خیال نہ تھا بلکہ اس کی نظر تو آفتاب نظر پر تھی۔ یعنی اس کو تو صدر جہان کا خیال تھا جو کہ اس کی نظر میں آفتاب معلوم ہوتا تھا اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس کو خلوت میں دیدار حق سبحانہ میسر ہو گیا وہ علوم رسمیہ میں ماہر ہونا نہیں چاہتا اور جو جمال محبوب یا جمال روح سے ہم پیالہ ہوا اس کو علمی مضامین سے وحشت ہوتی ہے کیونکہ لیس الخبر کالمعاینۃ یعنی دیکھنا خبر سے بڑھا ہوا ہے پھر اعلیٰ کے ہوتے ہوئے۔ ادنیٰ کی کیا ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام پر دنیا غالب ہے کیونکہ دنیا کا تو وہ مشاہدہ کرتے ہیں اور اس عالم کو قرض کی طرح سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ نقد ادھار سے بڑھ کر ہے۔ لہٰذا ان کی نظر میں دنیا آخرت سے بڑھ کر ہے اچھا اس جوان کے قصہ کی طرف منتقل ہونا چاہئے جو کہ صدر جہان کے غم میں کمزور ہو گیا ہے۔

شرح شبّیری

اس عاشق کا بخارا کی طرف متوجہ ہونا

رونہاد آن عاشق خونابہ ریز	دل تپاں سوئے بخارا گرم و تیز
اس خون بہانے والے عاشق نے رخ کیا	جلتے ہوئے دل کے ساتھ بخارا کی جانب تیزی سے

یعنی اس عاشق اشک ریزنے دل تپان بخارا کی طرف گرم وتیز توجہ کی یعنی خوب تیزی کیساتھ وہ بخارا کی طرف چلا۔

آب جیحون پیش او چون آب گیر	ریگ ہامون پیش او ہمچوں حریر
جیحوں کا پانی اس کے سامنے تالاب کی طرح تھا	جنگل کا ریت اس کے لئے ریشمیں کپڑے کی طرح تھا

یعنی جنگل کا ریت اس کے آگے مثل حریر کے اور دریا کا پانی اس کے آگے مثل تالاب کے پانی کے تھا۔

می فتاد از خندہ او چون گل ستان	آں بیابان پیش او چون گلستان
وہ مسرت سے پھول چننے والے کی طرح گرتا تھا	وہ جنگل اس کے سامنے چمن کی طرح تھا

یعنی وہ بیابان اس کے سامنے مثل گلستان کے تھا اور خندہ کی وجہ سے وہ مثل پھول لینے والے کے گرتا تھا

یعنی جس طرح کہ پھول لینے والا شوق کی وجہ سے آگے کو گرتا ہے اور پھول کو توڑتا ہے اسی طرح یہ عاشق بخاری شوق وصل میں آگے کو گرا پڑتا تھا غرضکہ شوق میں تمام تکلیف دہ اشیاء اس کے لئے مفرح اور آرام دہ ہوگئی تھیں۔

از بخارا یافت وان شد مذہبش	در سمرقند است قند اما لبش
بخارا سے حاصل کی وہی اس کا مذہب ہو گیا	قند اگرچہ سمرقند میں ہے لیکن اس کے ہونٹوں نے

یعنی قند سمرقند میں ہے لیکن اس کے لب نے بخارا سے پائی اور وہ اس کا مذہب ہو گیا یعنی اگرچہ قند سمرقند میں ہوتی ہے مگر اس کو قند لب محبوب بخارا سے ملی تھی اور وہ اس کا دین وایمان بن گیا تھا۔ آگے فرط شوق میں جو وہ بخارا کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے اس کے مقولہ کو نقل فرماتے ہیں کہ۔

لیک از من عقل و دین بر بودۂ	اے بخارا عقل افزا بودۂ
لیکن تو نے مجھ سے عقل اور دین چھین لیا	اے بخارا! تو عقل بڑھانے والا تھا

یعنی اے بخارا تو عقل کا بڑھانے والا تھا لیکن مجھ سے تو عقل ودین کو لے گیا ہے (چونکہ بخارا میں علوم کا چرچا تھا اس لئے کہتا ہے کہ اے بخارا تو تو عقل افزا تھا مگر تو نے میری عقل کو تو بیکار اور نکما کر دیا۔ مجھے تو کسی کام کا نہ چھوڑا اور کہتا ہے کہ۔

صدر می جویم درین صفت نعال	بدر می جویم ازانم چون ہلال
ان جوتیوں کی صف میں میں صدر کو تلاش کر رہا ہوں	میں چودھویں رات کے چاند کو تلاش کرتا ہوں اسی وجہ سے میں ہلال جیسا ہو گیا ہوں

یعنی میں بدر کی تلاش میں ہوں اس لئے ہلال کی طرح ہو رہا ہوں اور صدر کو میں اس صف نعال میں تلاش کرتا ہوں۔ (غرضکہ وہ اسی طرح جوش وخروش میں افتاں خیزاں بخارا کی طرف جا رہا تھا)

در سواد غم بیاضے شد پدید	چوں سواد آن بخارا را بدید
غم کی سیاہی میں سفید نمودار ہو گئی	جب اس نے اس بخارا کے اطراف کو دیکھا

یعنی جب اس بخارا کے نشان کو دیکھا تو غم کی سیاہی میں (خوشی کی) ایک سپیدی ظاہر ہوئی۔ مطلب یہ کہ

اس کو دیکھ کر ایک فرحت وسرور زیادہ ہوا۔ اس فرط خوشی کی وجہ سے یہ حالت ہوئی کہ۔

ساعتے افتاد بے ہوش و دراز	عقل او پرید در بستان راز
تھوڑی دیر وہ لمبا اور بے ہوش پڑا رہا	اس کی عقل اسرار کے باغیچہ میں پرواز کر گئی

یعنی ایک گھڑی کیلئے بیہوش و دراز گر پڑا اور اس کی عقل بستان راز میں اڑ گئی۔ یعنی بیہوش ہو گیا اور اس کی عقل اور ہوش وحواس سب رفو چکر ہو گئے اور اس کی عقل راز و نیاز میں مشغول ہو گئی یعنی وہ بیہوش ہو کر عالم غیب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

برسرورویش گلابے می زدند	از گلاب عشق او غافل بدند
لوگوں نے اس کے منہ اور سر پر عرق گلاب چھڑکا	وہ لوگ عشق کے گلاب سے بے خبر تھے

یعنی اس کے سر اور منہ گلاب چھڑکتے تھے اور گلاب عشق سے وہ غافل تھے۔ یعنی اس کو بیہوش دیکھ کر لوگ اس کے سر درد پر گلاب چھڑکتے تھے اور گلاب عشق سے کہ وہ دیدار محبوب تھا غافل تھے وہ صرف ظاہری گلاب پاشی کرتے تھے مگر ظاہر ہے کہ اس سے اس کو کیا نفع ہوتا۔ اس لئے کہ۔

او گلستانے نہانے دیدہ بود	غارت عشقش ز خود ببریدہ بود
اس نے ایک مخفی باغ دیکھا تھا	عشق کی غارتگری نے اس کو اپنے آپ سے جدا کر دیا تھا

یعنی اس نے ایک گلستان نہانی دیکھ لیا تھا۔ اور غارت عشق نے اس کو اپنے سے قطع کر دیا تھا۔ مطلب یہ کہ اس نے عالم غیب کی طرف توجہ کی تو عشق نے اس کو اس قدر غافل کیا تھا کہ اسے اپنی بھی خبر نہ رہی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

تو فسردہ در خورائیدم نۂ	با شکر مقرون نۂ گرچہ نئی
تو ٹھٹھرا ہوا اس بات کے لائق نہیں ہے	تو شکر سے وابستہ نہیں ہے اگرچہ تو گنا ہے

یعنی تو افسردہ اس دم کے لائق نہیں ہے۔ شکر کے ساتھ تو مقرون نہیں ہے اگرچہ خود نے ہے تو یعنی تو اس دم عشق کے لائق نہیں ہے اگرچہ ہے انسان۔ مگر انسان کامل نہیں ہے۔

رخت عقلت باتو ہست و عاقلی	وز جنود الم تروہا غافلی
عقل کا سامان تیرے ساتھ ہے اور تو صاحب عقل ہے	کیونکہ تو ان لشکروں سے جن کو تم نے نہیں دیکھا غافل ہے

یعنی رخت عقل تیرا تیری ہمراہ ہے اور تو عاقل ہے اور جنود الم تروہا سے تو غافل ہے مطلب یہ کہ جب عقل تیرے ساتھ ہے اور تو عاقل ہے تو تجھے اس لشکر کی کیا خبر تو تو اس سے محض غافل اور بے خبر ہے ہاں اپنے کو فنا کر اور اپنے سے بے خبر ہو تب تجھے اس لشکر عشق کی خبر ہو سکتی ہے آگے پھر اس عاشق کا قصہ شروع فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایاں ندارد تیز راں	تارود سوئے بخارا آں جواں
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے تیزی سے چل	تاکہ وہ جوان بخارا کی جانب روانہ ہو

یعنی یہ سخن (عشق) تو انتہا نہیں رکھتی تو تیز چلو تا کہ بخارا کی طرف وہ جوان جاوے۔ یعنی ان باتوں کو چھوڑ کر اسی کا قصہ بیان کرو۔ آگے اسی کا قصہ ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ وہ خون رونے والا عاشق بے قرار نہ تیز رفتاری کے ساتھ بخارا کی طرف چلا۔ صحرا کا ریت اس کو یوم آرام وہ معلوم ہوتا تھا جیسے حریر۔ اور آب جیحون اس کی نظر میں یوں ہی بے حقیقت تھا جیسے ایک تالاب کا پانی جنگل میں اسے ایسا ہی لطف آتا تھا جیسے اوروں کو باغ میں۔ اور مارے ہنسی کے لوٹا جاتا تھا اور پھول کی طرح ہنستا ہنستا چت گر پڑتا تھا۔ اصل میں تو قند سمر قند میں ہے لیکن اس کا لب اس کو بخارا میں پاتا تھا۔ اور اسی لے بخارا ہی اس کا مقصد ہو گیا تھا اور وہ کہتا جاتا تھا کہ اے بخارا تو عقل افزا ہے مگر میرے لئے تو عقل و دین ربا ہو گیا یعنی میری عقل بھی لے لی۔ اور میرا دین بھی لے لیا۔ چونکہ میں ایک چودھویں رات کے چاند کو تلاش کرتا ہوں اس لئے میری کمر فرد اغم سے ٹیڑھی ہو گئی ہے اور میں ہلال کی شکل بن گیا ہوں۔ اور میں اس ذلت و خواری کی حالت میں صدر کا متلاشی ہوں خیر جبکہ اس نے بخارا کی مضافات کو دیکھا تو سیاہی غم میں سپیدئ سرور نمودار ہوئی کچھ دیر تک بیہوش اور چت لیٹا رہا اور عقل اس کی عالم غیب کو روانہ ہو گئی۔ اس حالت میں لوگ اس کے سر اور منہ پر گلاب کے چھینٹے دیتے تھے لیکن یہ لوگ اس کے گلاب عشق سے غافل تھے اور وہ نہ سمجھتے تھے کہ اس گلاب کی بو اس گلاب پر غالب نہیں آ سکتی اس نے ایک مخفی گلستان دیکھا تھا۔ یعنی روئ جانان کا تصور کیا تھا اور عشق کی غارت گری نے اس کا خود اپنے سے بھی تعلق منقطع کر دیا تھا پھر وہ اس گلاب سے کیا ہوش میں آتا۔ اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے مخاطب تو سرد ہے اس لئے اس قابل نہیں کہ احوال عشاق تیرے سامنے بیان کئے جائیں۔ تیرے سامنے ان کا بیان کرنا بھینس کے آگے بین بجانا ہے۔ تو اگر چہ صورۃً انسان ہے مگر وصف انسانی یعنی عشق الہی تجھ میں نہیں ہے اور چونکہ سامان عقل تیرے پاس ہے اور تو عاقل ہے یہی وجہ ہے کہ تو مشاہدہ عالم غیب سے محروم ہے۔ اگر تجھے یہ دولت حاصل کرنی ہے تو عقل کو خیر باد کہہ اور عشق حاصل کر خیر یہ گفتگو تو ختم نہیں ہو سکتی اس لئے اس کو چھوڑ و اور جلدی کرو تا کہ وہ جوان بخارا پہنچ جاوے۔

شرح شبّیری

اس عاشق لاابالی کا بخارا میں آنا اور دوستوں کا اسکو ظاہر ہونے سے ڈرانا

شہر معشوق خود و دارالامان	اندر آمد در بخارا شادمان
اپنے معشوق کے شہر اور دارالامن میں	وہ خوش خوش بخارا میں آ گیا

یعنی وہ بخارا میں خوش خوش آیا۔ اپنے معشوق کے شہر اور دارالامان میں (آیا)

ہمچو آں مستی کہ پرد بر اثیر	مہ کنارش گیرد و گوید کہ گیر
اس مست کی طرح جو آسمان پر پرواز کرے	چاند اس سے بغلگیر ہو اور کہے کہ تو بھی بغلگیر ہو

یعنی مثل اس مست کے کہ وہ کرۂ آسمان پر اڑے اور ماہ اس کی کنار پکڑے۔ اور کہے کہ لے لے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عاشق دیار محبوب میں پہنچ کر اس شخص کی طرح خوش ہوا کہ جیسے کوئی شخص آسمان پر اڑے اور وہاں پہنچنے کے بعد اس کی یہ قدردانی کی جاوے کہ چاند اس سے کہے کہ تیرا جو مقصود ہے تو اس کو لے لے تو بھلا وہ کس قدر خوش ہوگا۔ بس اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ وہ عاشق خوش تھا۔

ہر کہ دیدش در بخارا گفت خیز	پیش از پیدا شدن منشین گریز
جس نے بھی اس کو بخارا میں دیکھا کہا اٹھ جا	ظاہر ہونے سے پہلے مت بیٹھ بھاگ جا

یعنی اس کو بخارا میں جو کوئی دیکھتا کہتا کہ اٹھ اور ظاہر ہونے سے پہلے بیٹھ مت بھاگ جا یعنی ہر شخص یہ صلاح دیتا کہ دیکھ ظاہر مت ہو پہلے ہی بھاگ جا یہاں مت ٹھہر اس لئے کہ۔

کہ ترا می جوید آن شہ خشمگیں	تا کشد از جان تو دہ سالہ کین
کیونکہ وہ غضبناک بادشاہ تجھے تلاش کر رہا ہے	تا کہ تیری جان سے دس سالہ انتقام لے

یعنی کیونکہ وہ بادشاہ خشمگین تجھے تلاش کر رہا ہے تا کہ تیری جان سے دس برس کا کینہ نکالے یعنی وہ بہت ہی غصہ میں بھرا ہوا ہے تو سامنے گیا اور اس نے تجھے ہلاک کیا۔

اللہ اللہ درمیا درخون خویش	تکیہ کم کن بردم و افسوں خویش
خدا کے لئے اپنے خون کے درپے نہ ہو	اپنے دم کرنے اور منتر پر بھروسہ نہ کر

یعنی اللہ سے ڈر اور اپنے خون میں مت آ اور اپنے دم و افسون پر بھروسہ کم کر۔ مطلب یہ کہ اپنا خون خود مت کر۔ اور اس پر بھروسہ مت کر کہ میں اس کو پر چالوں گا۔ وہ بے حد غصہ میں ہے لہذا یہی مناسب ہے کہ تو بھاگ جاوے۔

شحنۂ صدر جہان بودی وراد	معتمد بودی مہندس اوستاد
تو صدر جہاں کا کوتوال تھا اور عقلمند تھا	تو معتمد تھا استاد انجینئر تھا

یعنی تو صدر جہان کا کوتوال تھا اور عقلمند تھا معتمد تھا اور انجینئر اور استاد تھا۔

ہم مشیرش بودی و ہم محترم	گشتی از بہر گناہے متہم
تو اس کا مشیر بھی تھا اور باعزت بھی تھا	ایک قصور میں تو متہم ہو گیا

یعنی تو اس کا مشیر بھی تھا اور محترم بھی۔ اور تو ایک گناہ میں متہم ہو گیا۔

غدر کردی وز جزا بگریختی	رستہ بودی باز چون آویختی
تو نے غداری کی اور سزا سے بھاگ گیا	تو بچ گیا تھا پھر کیوں آ پھنسا؟

یعنی تو نے غدر کیا اور تو جزا سے بھاگ گیا تو تو چھوٹ گیا تھا تو پھر کیوں لٹکتا ہے۔

از بلا بگریختی باصد حیل	ابلہی آوردت اینجا یا اجل
تو سو تدبیروں سے مصیبت سے بھاگ نکلا تھا	تجھے یہاں بے وقوفی یا موت لائی ہے

یعنی تو بلا سے سو حیلوں کے ساتھ بھاگا اب اس جگہ تجھے ابلہی لائی ہے یا موت لائی ہے۔ مطلب یہ کہ سب نے اس سے کہا کہ تیرے اس قدر عہدے تھے ایسا تو معتمد تھا معتبر تھا پھر تجھ سے ایک خطا ہوگئی تو تو اس کے بدلے سے بھاگ گیا کہ کہیں تجھ سے وہ بدلا نہ لے لے تو نے بڑی سخت بے وفائی کی کہ اگر وہ بدلا لے ہی لیتا تو کیا ہو جاتا اور اگر بھاگ گیا تھا تو اب تجھے آنا نہ چاہئے تھا۔ بس اب روپوش ہوا تو ہوا اپنا کام کر اور چل دے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایکہ عقلت بر عطارد دق کند	عقل و عاقل را قضا احمق کند
اے وہ کہ تیری عقل عطارد پر نکتہ چینی کرتی ہے	عقل اور عقلمند کو قضا احمق بنا دیتی ہے

یعنی اے وہ شخص کہ عقل تیری عطارد پر اعتراض کرے تو عقل و عاقل کو قضا احمق کر دیتی ہے یعنی اے شخص جو کہ اس قدر عاقل ہے کہ عطارد پر اعتراض کرتا ہے مگر جب قضا آتی ہے تو وہ سب کو اندھا کر دیتی ہے اور کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ تو اسی طرح تو اگر چہ عاقل تھا مگر اب جو قضا آئی ہے تو ساری عقل رفو چکر ہوگئی اور اب مرنے کو آیا ہے۔

نحس خرگوشے کہ باشد شیر جو	زیرکی و عقل و چالاکیت کو
تو وہ منحوس خرگوش ہے جو شیر کی جستجو کرے	تیری ذہانت اور عقل اور چالاکی کہاں گئی؟

یعنی منحوس ہے وہ خرگوش جو کہ شیر کا متلاشی ہو۔ تیری زیرکی اور عقل اور چالاکی کہاں ہے یعنی سب لوگوں نے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا کہ کسی طرح مانتا ہی نہیں اور اپنی موت کے درپے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ہست صد در چندین فسونہائے قضا	گفت اذا جاء القضا ضاق الفضا
قضا کے سینکڑوں حیلے ہیں	فرمایا ہے جب قضا آتی ہے فضا تنگ ہو جاتی ہے

یعنی ایسے سینکڑوں قضا کے افسوں ہیں اور فرمایا ہے کہ جب قضا آئی تو فضا تنگ ہو جاتی ہے یعنی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب قضا آتی ہے تو ایک میدان وسیع بھی تنگ معلوم ہونے لگتا ہے تو اسی طرح جب قضا آتی ہے عقل وغیرہ سب بیکار ہو جاتی ہیں۔

صدرہ و مخلص بود از چپ و راست	از قضا بستہ شود گر اژدہاست
دائیں بائیں سینکڑوں راستے اور بچاؤ کی جگہیں ہوتی ہیں	قضا سے بندھ جاتا ہے خواہ اژدھا ہو

یعنی سوراستے اور مخلص دائیں بائیں سے ہوتے ہیں (مگر) قضا سے بستہ ہو جاتا ہے اگر چہ اژدہا ہے۔
یعنی اگر چہ کتنے ہی مخلص ہوں مگر جب قضا آتی ہے تو سارے راستے بند ہو جاتے ہیں اور کہیں نکلنے تک کو جگہ نہیں ملتی۔ تو اسی طرح عاشق بخاری بھی ہے کہ اس کی قضا آ گئی ہے لہذا یہ مرنے کو پھرتا ہے اگر چہ اس کے بھاگنے کے سو حیلے ہیں اور راستے ہیں جب لوگوں نے اس کو ظاہر ہونے سے ملامت کی اور منع کیا تو وہ جواب دیتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ خوش خوش بخارا میں آیا۔ جو کہ اس کے معشوق کا شہر اور اس کے لئے دارالامان تھا اس کی خوشی کی یہ حالت تھی جیسے کہ عاشق الٰہی عروج روحانی سے فلک معنوی پر پہنچے۔ اور مطلوب حقیقی اس کو آغوش رحمت میں لے کر کہے کہ ہاں مجھے خوب آغوش میں لے۔ (یہ ہے توجیہ نسخہ "مستی" کی اور میرے نزدیک نسخہ "مرغے" سہو ناسخ ہے اور جو توجیہ اس کی گئی ہے یعنی عاشق صدر جہان خود را در معرض ہلاکت انداخت وبدارالامان محبوب رسید مانند مرغے کہ بسوئے کرہ ناری پرواز کند تا خود را بسوزد ونا گاہ ماہش در کنار کشد وگوید کہ مرا در برگیر۔ انتہی' بے مزہ ہے کیونکہ بیت اول میں اول تو معرض ہلاکت میں پڑنے کا ذکر نہیں۔ دوسرے جانور کا کرۂ نار میں ہلاکت کے لئے جانا بے معنی ہے۔ پھر کرۂ نار میں چاند کا اس کو آغوش میں لینا بے معنی۔ کیونکہ وہ فلک پر ہے نہ کہ کرۂ نار میں نیز ماہ کے اس کو آغوش میں لینے سے اس کو مسرت ہونا کیا معنے۔ مگر یہ کہ مرغ سے خاص چکور مراد لیا جاوے۔ ان سب کے علاوہ تشبیہ اس لئے بھی مناسب نہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشق مرنے کے لئے گیا تھا مگر یہ دولت اس کو خلاف توقع حاصل ہوگئی حالانکہ اس کا مقصود وصل محبوب تھا نہ کہ ہلاک ہونا۔ ہاں اتنی بات ضرور تھی کہ وہ اس پر تیار تھا اور سمجھتا تھا کہ اگر اس نے مجھے مار بھی ڈالا تو بھی میرے لئے اس زندگی سے اچھا ہے واین ھذا من ذالک علاوہ ازیں ابھی تو وہ بخارا میں پہنچا ہے۔ وصال تو ہوا بھی نہیں پھر ابھی سے یہ تشبیہ کیسے ٹھیک ہے۔ غرضکہ یہ توجیہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی علامہ بحرالعلوم نے بھی اس پر اعتراض کیا ہے مگر ان کا اعتراض اس بناء پر ہے کہ اثیر کا اطلاق کرۂ نار پر نہیں آتا لیکن یہ ان کا سہو ہے خود مولانا ہی نے اس کو بمعنے کرۂ نار استعمال کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

گرمی تن را ہمی خواند اثیر   کہ زناری راہ اصل خویش گیر

(واللہ اعلم) جس کسی نے کہ اسے بخارا میں دیکھا یہی کہا کہ اٹھ اور قبل اس کے کہ صدر جہاں کو اطلاع ہو بھاگ جا۔ اس لئے کہ وہ تجھ کو بہت غصہ سے ڈھونڈتا ہے اور مقصود یہ ہے کہ دس برس کی عداوت نکالے پس خدا سے ڈر اور ہلاکت میں نہ پڑ اور تیرے دل نے جو تجھے اطمینان رہائی دلایا ہے وہ محض افسون اور فریب ہے۔ اس پر بھروسہ نہ کر تو صدر جہان کا کوتوال تھا اور اس کے نزدیک بہت بڑا دانا اور معتمد اور مہندس کامل تھا نیز تو اس کا مشیر

بھی تھا وہ تیری عزت بھی بہت کرتا تھا مگر تو نے ان باتوں کی قدر نہ کی اور گناہ میں متہم ہو گیا اول تو تو نے یہ حماقت کی کہ بیوفائی کی اس کے بعد یہ ہوشیاری کی کہ تو بھاگ گیا اور سزا سے بچ گیا۔ اب دوبارہ یہ حماقت کیوں کرتا ہے کہ چھوٹ کر پھر پھندے میں پھنستا ہے سینکڑوں تدبیروں سے تو تو نے بلا سے نجات پائی تھی اب پھر بلا میں آ پھنسا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو تو احمق ہے یا تیرے سر پر موت کھیل رہی ہے جو تو دوبارہ یہاں آیا۔ ارے تیری عقل تو عطارد پر اعتراض کرتی ہے جو کہ منشی فلک ہے پھر تجھے کیا ہو گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ تقدیر الٰہی عقل اور عاقل دونوں کو احمق کر دیتی ہے پس تیری تقدیر تجھے یہاں لائی ہے۔ ارے کمبخت دیکھ تو سہی وہ خرگوش نہایت منحوس ہے جو شیر کو تلاش کرے اور اپنے پاؤں موت کے منہ میں جائے۔ پس تو صدر جہان کے پنجہ میں مرنے کے لئے کیوں آ پھنسا تیری دانائی اور عقل اور ہوشیاری کیا ہوئی تو اپنا بد بھی نقصان کیوں نہیں سمجھتا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یاد رکھو تقدیر الٰہی کو ایسے سینکڑوں منتر یاد ہیں جن سے کہ وہ عقلا کی عقول کو معطل کر دیتی ہے اور ان کے حواس پر قبضہ کر لیتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے اذا جاء القضا ضاق الفضا۔ تو جب تقدیر الٰہی آتی ہے تو میدان وسیع آدمی پر تنگ ہو جاتا ہے اور بچنے کے لئے اس کے سامنے دائیں بائیں جانب سینکڑوں ذرائع نجات اور راستے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ اژدہا بھی ہے تب بھی وہ حرکت نہیں کر سکتا اور وہیں ہلاک ہو جاتا ہے۔

شرح شبّیری

عاشق کا ملامت گروں اور ڈرانے والوں کو جواب دینا

گفت من مستسقیم آبم کشد	گرچہ می دانم کہ ہم آبم کشد
اس نے کہا میں استسقاء کا بیمار ہوں پانی مجھے کھینچتا ہے	اگرچہ میں جانتا ہوں کہ پانی ہی مجھے مار ڈالے گا

یعنی اس نے کہا کہ میں مستسقی ہوں اور پانی مجھے کھینچ رہا ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ پانی ہی مجھے مار ڈالے گا۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ اس طرف ہی سے کشش ہو رہی ہے جب تو میں جا رہا ہوں جس طرح کہ مستسقی جانتا ہے کہ پانی پینے ہی میں اس کی موت ہے لیکن پھر پانی ہی پیتا ہے اور پانی اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اسی طرح مجھے صدر جہان کھینچ رہا ہے اگرچہ وہ مجھے مار ہی ڈالے مگر میں تو جاؤں گا اس لئے کہ۔

ہیچ مستسقی نہ بگریزد ز آب	گر دو صد بارش کند مات و خراب
کوئی استسقاء کا بیمار پانی سے نہیں بھاگتا ہے	اگرچہ وہ اس کو دو سو بار مضمحل اور تباہ کرے

یعنی کوئی مستسقی پانی سے بھاگتا نہیں ہے اگرچہ دو سو مرتبہ اس کو مات و خراب کرے۔ مطلب یہ کہ اس کو پانی کتنا ہی خراب کرے اور کتنا ہی اس کو نقصان دے مگر مستسقی پانی سے ہرگز بھاگ نہیں سکتا۔ تو اسی طرح میں بھی

صدر جہان سے بھاگ نہیں سکتا۔

گر بیاماسد مرادست و شکم	عشق آب از من نخواہد گشت کم
اگرچہ میرے ہاتھ اور پیٹ پھول جائیں	پانی کا عشق مجھ میں سے کم نہ ہوگا

یعنی اگرچہ میرے دست و شکم آماس کرآویں (مگر) پانی کا عشق مجھ سے کم نہ ہوگا۔

گویم انگہ کہ پرسند از بطون	کاشکے بحرم رواں بودے دروں
جب اندرون کے بارے میں مجھ سے پوچھیں گے تو میں کہوں گا	کاش میرے اندر سمندر جاری ہوتا

یعنی میں اس وقت کہوں گا جبکہ بطوں سے پوچھیں گے کہ کاش کہ میرے اندر بحر رواں ہوتا۔ یعنی مستسقی کی تو یہ حالت ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ دریا اس کے اندر جاری ہو تو جب یہ حالت ہے تو وہ پانی سے کس طرح بھاگ سکتا ہے اور میں مثل مستسقی کے ہوں تو میں بھی نہیں بھاگ سکتا۔

خیک اشکم گو بدر از موج آب	گر بمیرم ہست مرگم مستطاب
میرے پیٹ کی مشک کو کہہ دو پانی کی موج سے پھٹ جائے	اگر میں مر گیا تو میری پاکیزہ موت ہو گی

یعنی میرے پیٹ کی مشک کو کہہ دو کہ موج آب سے پھٹ جا۔ اگر میں مر جاؤں تو میری موت مبارک ہے یعنی مستسقی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ پانی کے عشق میں اپنی موت کی بھی پرواہ نہیں کرتا تو مجھے بھی کیا پرواہ ہوگی اور وہی مستسقی کہتا ہے کہ۔

من بہر جائے کہ بینم آب جو	شکم آید بودے من جائے او
میں جس جگہ نہر کا پانی دیکھتا ہوں	مجھے رشک آتا ہے کاش میں اس کی جگہ ہوتا

یعنی میں جس جگہ کہ ندی دیکھتا ہوں مجھے رشک آتا ہے کہ میں اس کی جگہ ہوتا یعنی مستسقی کو ندی کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے کہ کاش میں اس کی جگہ ہوتا تو پانی تو میرے اندر چلا کرتا اگرچہ اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

دست چون دف و شکم ہمچون دہل	طبل عشق آب می کو بم چو گل
ہاتھ دف کی طرح اور پیٹ ڈھول کی طرح ہے	میں پھول کی طرح پانی کے عشق کا ڈھول پیٹ رہا ہوں

یعنی ہاتھ مثل دف کے اور شکم مثل دہل کے میں عشق آب کا طبل گل کی طرح بجاتا ہوں یعنی ہاتھ پیٹ وغیرہ سوج آئے ہیں مگر عشق آب میں جوش ہے اسے اپنی مضرت کی کچھ خبر نہیں ہے تو اسی طرح یہ عاشق کہتا ہے کہ مجھے بھی اس کے مار ڈالنے کی پروا نہیں ہے اور کہتا ہے کہ۔

گر بریزد خونم آن روح الامین	جرعہ جرعہ خون خورم ہمچون زمین
اگر وہ روح الامین میرا خون بہا دے	میں زمین کی طرح گھونٹ گھونٹ خون پی جاؤں

یعنی اگر وہ روح الامین میرا خون گرادے تو میں زمین کی طرح گھونٹ گھونٹ کر کے خون پی لوں (روح الامین سے مراد وہی صدر جہان ہے) مطلب یہ کہ اگر وہ میرا خون کردے تو میں اس کو اس طرح گوارا کروں جس طرح کہ زمین خون کو اپنے اندر لے لیتی ہے یعنی مجھے مطلق ناگواری نہ ہو۔

چون زمین و چون جنین خون خوارہ ام	تا کہ عاشق گشتہ ام این کارہ ام
میں زمین اور پیٹ کے بچے کی طرح خون پینے والا ہوں	جب سے میں عاشق ہوا ہوں میرا یہی کام ہے

یعنی زمین اور جنین کی طرح میں خون کھانے والا ہوں اور جبکہ میں عاشق ہوا ہوں اسی کام میں ہوں یعنی جس طرح کہ جنین اور زمین خون کے کھانے والے اور خون کے پیاسے ہوتے ہیں اسی طرح میں ہوں کہ میں اپنے خون کا پیاسا ہوں تو پھر مجھے مرنے سے کیا ڈر۔ اور کہتا ہے کہ۔

شب ہمی جوشم در آتش ہمچو دیگ	روز تا شب خون خورم مانند ریگ
میں رات کو آگ میں دیگ کی طرح جوش مارتا ہوں	دن سے رات تک ریت کی طرح خون پیتا ہوں

یعنی میں رات کو آگ میں دیگ کی طرح جوش کرتا ہوں اور دن سے رات تک میں ریگ کی طرح خون کھاتا ہوں یعنی جس طرح ریت ہوتا ہے کہ اس پر خون پڑا اور اس نے جذب کیا بس یہ حالت میری ہے کہ رات دن خون جگر کھاتا ہوں اور راتوں کو دیگ کی طرح تپ ہجر سے جلتا ہوں۔

من پشیمانم کہ مکر انگیختم	ز مراد خشم او بگریختم
میں شرمندہ ہوں کہ میں نے مکر برپا کیا	میں نے اس کے غصہ اور مقصد سے گریز کیا

یعنی میں پشیمان ہوں کہ میں نے مکر کیا اور اس کے خشم کی مراد سے میں بھاگا یعنی اس کے غصہ کی جو مراد تھی کہ مجھے قتل کردے میں اس سے بھاگا۔ اس لئے میں سخت پشیمان ہوں۔

گو بران بر جان مستم خشم خویش	عید قربان اوست عاشق گاؤمیش
کہدے میری مست جان پر اپنا غصہ جاری کردے	وہ عید قرباں ہے اور عاشق بھینس ہے

یعنی کہہ دو کہ میری جان مست پر اپنا غصہ چلا وہ عید قربان ہے اور عاشق گاؤمیش ہے یعنی وہ عید قربان کی طرح ہے اور میں گاؤمیش ہوں تو اس سے کہہ دو کہ مجھے شوق سے قتل کر ڈالے کچھ پرواہ نہیں ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ تو کہتا ہے کہ میں اپنے خون کا پیاسا ہوں وہ شوق سے مار دے اس لئے کہ میں اس کے ہجر میں بے قرار ہوں حالانکہ دیکھتے ہیں کہ تو کھاتا بھی ہے پیتا بھی ہے پھر یہ کیسی بے قراری ہے وہ اس کا جواب دیتا ہے کہ۔

گاؤ اگر خسپد دگر چیزے خورد	بہر عید و ذبح او مے پرورد
گائے اگر سوتی ہے اور اگر کوئی چیز کھاتی ہے	عید اور ذبح کے لئے وہ پرورش پاتی ہے

یعنی گائے اگر سووے اور اگر کوئی شے کھاوے عید اور ذبح کے واسطے اس کو پالتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جو کچھ کھاتا پیتا ہے سوتا ہے سب اس لئے تا کہ خوب موٹا ہو اور قربانی میں کام آوے۔ تو بس اسی طرح میں بھی تیار ہو گیا ہوں۔ اب اس کہدو کہ مجھے قتل کر ڈالے اور کہتا ہے کہ۔

گاوِ موسیٰ دان مرا جان دادۂ	جزو جزوم حشر ہر آزادۂ
مجھے (حضرت) موسیٰ کی گائے سمجھ جس نے جان عطا کی	میرا جزو جز ہر ہر آزاد کا حشر ہے

یعنی مجھے گاؤ موسے جانو کہ جو جان دادہ ہے اور میرا جزو جزو ہر آزاد کی حیات ہے۔ (آزاد سے مراد خود یہ متکلم ہے) مطلب یہ کہ وہ عاشق کہہ رہا ہے کہ میں گاؤ موسیٰ کی طرح ہوں کہ جو جان دینے والی تھی۔ اسی طرح اگر میں مرجاؤں گا تو میرا ایک ایک جزو حیات ابدی بخشے گا اور اس کی موت سے حیات جاودانی نصیب ہوگی۔

گاوِ موسیٰ بود قربان گشتۂ	کمترین جزوش حیات کشتۂ
(حضرت) موسیٰ کی گائے قربان شدہ تھی	اس کا معمولی جزو مقتول کی زندگی تھی

یعنی گاؤ موسیٰ قربان ہوئی تھی اور کمترین جزو اس کا ایک کشتہ کی حیات تھی۔

برجہد آن کشتہ ز آسیبش زجا	در خطاب اضربوہ بعضہا
اس کی چوٹ سے مردہ جگہ سے اٹھ گیا	"اس کو اس کے بعض سے مارو" کے حکم کے مطابق

یعنی وہ کشتہ اس کی آسیب کی وجہ سے جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا خطاب اضربوہ بعضھا میں مطلب یہ کہ جب حکم اضربوہ ببعضھا کا ہوا ہے تو اس کے اثر کی وجہ سے وہ کشتہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تو جب اس کے قربان ہونے میں یہ اثر تھا کہ اس کا ایک جزو حیات مردہ ہو گیا تھا تو اگر میں مروں گا تو کیوں نہ حیات نصیب ہوگی۔ آگے کہتا ہے کہ۔

یا کرامی اذبحوا ہذا البقر	ان اردتم حشر ارواح النظر
اے میرے بزرگو! اس گائے کو ذبح کر دو	اگر تم نظری روحوں کی زندگی چاہتے ہو

یعنی اے میرے کرام تم اس بقر کو ذبح کر دو۔ اگر تم ارواح نظر کی حیات چاہتے ہو (ارواح نظر سے بھی خود یہ عاشق ہی مراد ہے) مطلب یہ کہ اگر تم میری حیات اصل چاہتے ہو اور چاہتے ہو کہ میں زندہ ہو جاؤں تو تم اس بقرتن کو ذبح کر دو کہ حیات جاودانی نصیب ہو آگے کہتا ہے کہ مرنے میں میرا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ اور فائدہ اور ترقی ہے اس طرح کہ۔

از جمادی مردم و نامی شدم	وز نما مردم بحیوان سرزدم
میں جمادیت سے مرا اور نباتی بن گیا	اور نباتیت سے مرا حیوان بن گیا

یعنی میں جمادی سے مرا تو نامی ہو گیا اور نما سے مرا تو حیوانیت میں سر مارا۔

پس چہ ترسم کے زمردن کم شدم	مردم از حیوانے و آدم شدم
تو میں کیا ڈروں' میں مرنے' سے کب گھٹا؟	میں حیوانیت سے مرا اور آدمی بن گیا

یعنی میں حیوانیت سے مرااورآدمی ہو گیا۔ تو میں کیا ڈروں مرنے سے میں کم کب ہوا۔

تا بر آرم از ملائک بال و پر	حملۂ دیگر بمیرم از بشر
تاکہ فرشتوں میں (ہو کر) بال و پر نکالوں	دوسری مرتبہ میں بشریت سے فنا ہو جاؤں گا

یعنی میں دوسری مرتبہ بشریت سے مروں یہاں تک کہ میں ملائک سے بال وپر نکالوں۔

کل شی ہالک الا وجہہ	وز ملک ہم بایدم جستن ز جو
(کیونکہ) بجز اس کی ذات کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے	فرشتے سے بھی مجھے نہر کو کودنا چاہیے

یعنی اور ملکیت سے بھی مجھے طلب کی وجہ سے نکلنا چاہئے کہ کل چیزیں سوائے اس کی ذات کے ہالک ہیں۔

انچہ اندر وہم ناید آن شوم	بار دیگر از ملک قربان شوم
وہ جو عقل میں نہیں آ سکتا وہ ہو جاؤں گا	دوسری مرتبہ ملکیت سے میں قربان ہوں گا

یعنی پھر ملکیت سے میں فنا ہوں گا تو جو شئے کہ وہم میں نہیں آتی وہ ہو جاؤں گا۔ مطلب ان پانچ اشعار بالا کا یہ ہے کہ اول خاک جماد ہوتی ہے اس کے بعد اس سے نباتات وغیرہ بنتے ہیں تو حالت جمادیت سے حالت نمو میں آئے اور حالت نمو سے پھر ان کو حیوانات نے کھایا تو وہ حالت نمو سے حیوانیت میں آئے اور حیوان کو فنا کر کے انسان نے کھایا تو حیوانیت نے انسانیت میں آئے پھر انسانیت سے فنا حاصل ہوئی تو درجہ ملکوتی حاصل ہوا۔ اب جب اس سے بھی فنا ہوں گے تو پھر وہ اتحاد اصطلاحی حق تعالیٰ کے ساتھ میسر ہوگا تو دیکھو جمادیت سے مرتبہ" اتحاد اصطلاحی تک پہنچے اور ہر پہلی حالت سے فناء ہوتے گئے اور اس کے بعد کی اس سے اچھی حالت ملتی رہی اور برابر ترقی کرتے رہے ہیں تو جب فنا میں ہمیشہ ترقی ہوئی ہے تو اب فنا اور مرنے سے کیا ڈر ہو سکتا ہے اسی کو کہتے ہیں کہ۔

گویدم کا انا الیہ راجعون	پس عدم گردم عدم چوں ارغنون
مجھ سے کہتا ہے کہ ہم سب اس کی طرف لوٹنے والے ہیں	پھر عدم بن جاؤں گا' عدم ارغنون (باجے) کی طرح

یعنی پھر میں عدم ہوں گا اور عدم ارغنوں کی طرح مجھ سے کہہ رہا ہے کہ انا الیہ راجعون۔

(ارغنون ایک باجے کا نام ہے) مطلب یہ کہ میں فنا اور معدوم ہو گیا اور عدم مجھے باجے کی طرح انا الیہ راجعون کہہ رہا ہے تو بس میں اسی طرف رجوع ہوتا ہوں اور کہتے ہیں کہ۔

کاب حیوانے نہان در ظلمت است	مرگ دان آن کا تفاق امت است
کہ آب حیات' تاریکی میں پوشیدہ ہے	موت کو سمجھ لے' کیونکہ تمام لوگوں کا اتفاق ہے

یعنی مرگ (اس کو) جان جو کہ اتفاق امت کا ہے کہ آب حیوانی ظلمت میں ہے مطلب یہ کہ لوگ جو کہتے ہیں آب حیوانی ظلمت میں ہے تو اس ظلمت سے مراد موت ہی ہے کہ موت کے بعد حیات ابدی اور حیات جاودانی حاصل ہوتی ہے۔

ہمچو نیلوفر بروزین طرف جو	ہمچو مستسقی حریص و آب جو
نیلوفر کی طرح اس نہر کے کنارے پر اگ جا	استسقاء کے مریض کی طرح پانی کا حریص اور تلاش کرنے والا

یعنی مثل نیلوفر کے ندی کے اس طرف سے اگ اور مثل مستسقی کے حریص (مرگ) اور مرگ کا متلاشی رہ (مشہور ہے کہ نیلوفر کا پھول سطح آب کا عاشق ہوتا ہے اور ہمیشہ پانی کے اوپر ہی رہتا ہے) مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ وہ سطح آب کا عاشق ہے کہ اس سے الگ نہیں ہوتا بلکہ سطح ہی کے اوپر رہتا ہے اسی طرح تم کو بھی چاہئے کہ بس طلب حق میں لگے رہو اور وہ بعد فناء نفس کے ملتا ہے تو بس اپنے کو فنا کر دو اور فناء پر عاشق ہو جاؤ۔

مرگ او آبست واو جویائے آب	می خورد واللہ اعلم بالصواب
اس کی موت پانی ہے اور وہ پانی کا جویاں ہے	اس کو پیتا ہے اور اللہ زیادہ بہتر جاننے والا ہے

یعنی اس (مستسقی) کی موت پانی ہے اور وہ پانی ہی کا متلاشی ہے پیتا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ دیکھو مستسقی پانی ہی پر مرتا ہے اور پھر پانی ہی کی دھن میں لگا رہتا ہے اسی طرح تم بھی عاشق حق ہو جاؤ اور اپنے کو فناء کر کے اس طرف متوجہ ہو جاؤ کہ اسی میں کچھ ملے گا اور یہی مقصود اصل حیات اور زندگی دنیا سے ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے فسردہ عاشق ننگیں نمد	کو زبیم جان ز جانان می رمد
اے بھیگے ہوئے نمدے والے ٹھٹھرے ہوئے عاشق!	کہ وہ جان کے ڈر سے محبوب سے بھاگتا ہے

یعنی اے افسردہ اور اے عاشق ننگین نمد کے کہ وہ خوف جان کی وجہ سے جانان سے بھاگتا ہے (ننگین نمد سے مراد تن انسانی ہے) مطلب یہ کہ اے وہ شخص کہ اپنے اس تن ظاہری پر عاشق ہو رہا ہے اور اس کے فنا ہونے ڈر کے مارے حق تعالیٰ کی طلب سے بھاگتا ہے تو اس کو سن لے کہ۔

سوئے تیغ عشقش اے ننگ زمان	صد ہزاراں جان نگر دستک زنان
اے زمانے کے لئے باعث ذلت اس کے عشق کی تلوار کی جانب	لاکھوں جانوں کو تالیاں بجاتا ہوا دیکھ

یعنی اے ننگ زمان اس کی تیغ عشق کی طرف لاکھوں جانیں تالیاں بجاتی ہوئی دیکھ۔ یعنی اگر اس کے عشق میں تو فنا بھی ہو گیا تو کوئی جرم نہیں ہے اس لئے کہ اس ایک جان کے بدلے میں لاکھوں جانیں ملیں گی۔ ہستی حق کے آگے اس اپنی ہستی کو فنا کر دو تو تم کو حیات ابدی اور ہستی جاودانی میسر ہو گی۔

جوئے دیدے کوزہ اندر جوئے ریز	آب را از جوئے کے باشد گریز
تو نے نہر دیکھ لی پیالہ نہر میں بہا دے	پانی نہر سے کب گریز کرتا ہے؟

یعنی تو نے ندی کو دیکھ تو لیا کوزہ کو ندی میں ڈال دے اور پانی کو ندی سے کب گریز ہوتا ہے (جو سے مراد ہستی حق اور کوزہ سے مراد ہستی انسانی) مطلب یہ کہ جب اس کا وجود اور اس کی ہستی پیش نظر ہوگئی تو اب اس کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی کو فنا کر دے اور وہی اتحاد اصطلاحی حاصل کر لے اپنی ہستی کو بالکل مٹا دے اس لئے کہ جس طرح کہ پانی کو ندی سے گریز نہیں ہے بلکہ آخرالامر وہیں جاوے گا اسی طرح اس ہستی کو ہستی حق سے کہیں گریز نہیں ہے تو پھر بچانے سے فائدہ کیا ہے۔

محو گردد دروے و چون او شود	آب کوزہ چوں در آب جو شود
اس میں فنا ہو جاتا ہے اور اس جیسا ہو جاتا ہے	پیالے کا پانی' جب نہر کے پانی میں مل جاتا ہے

یعنی کوزہ کا پانی جب ندی کے پانی میں جاوے تو وہ اس میں محو ہو جاوے اور اسی کی طرح ہو جاوے۔

زیں سپس نے کم شود نے بدلقا	وصف او فانی شود ذاتش بقا
اس کے بعد نہ وہ گھٹتا ہے نہ بدصورت بنتا ہے	اس کا وصف فانی اور اس کی ذات باقی بن جاتی ہے

یعنی اس کا وصف تو فانی ہو جاتا ہے اور ذات باقی ہوتی ہے اس کے بعد نہ وہ کم ہوتا ہے اور نہ بدلقا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر کوزہ کے پانی کو دریا میں ملا دو تو وہ اس میں مل کر بالکل یکساں ہو جاتا ہے اور اس کے تمام اوصاف فانی ہو جاتے ہیں لیکن اس کی ذات باقی رہتی ہے کہ مثلاً اگر پہلے اس میں دس کروڑ من پانی تھا تو اب ایک کوزہ اور دس کروڑ من پانی ہے پس اسی طرح حق تعالیٰ کے وجود اور ذات کے سامنے ہستی انسانی کے تمام اوصاف فنا ہو جاتے ہیں کوئی وصف اس کا باقی نہیں رہتا لیکن اس کی ذات باقی ہوتی ہے اور جب وہ پانی دریا میں مل جاتا ہے تو پھر نہ کبھی سڑتا ہے نہ بگڑتا ہے ہمیشہ عمدہ رہتا ہے اسی طرح انسان کو جب مرتبہ فنا کا حاصل ہو گیا تو اب وہ کبھی مردود نہیں ہوتا اس پر ہلاکت نہیں آتی بلکہ باعتبار اس اتحاد کے وہ ہمیشہ موجود ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حق تعالیٰ سے اس کو تعلق ہے خواہ اس کی یہ ہستی دنیا میں موجود ہو یا فنا ہو چکی ہو تو جب فنا میں یہ فوائد ہیں کہ اس کے بعد حیات ابدی حاصل ہوتی ہے تو کیوں نہ فنا اختیار کی جاوے۔ یہاں تک تو کچھ اس عاشق کی زبان سے اور کچھ خود مولانا نے فناء کے فوائد بیان فرمائے اور اس سے ثابت کر دیا کہ اگر صدر جہان اس غلام کو مار بھی ڈالے تو کوئی حرج نہیں ہے اس لئے کہ اس میں فائدے ہی فائدے ہیں اور اسی کے ضمن میں مرتبہ فنا کے حصول کی ترغیب دی کہ انسان کو چاہئے کہ فنا اختیار کرے اور حیات ابدی حاصل کرے آگے پھر اسی عاشق کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ عاشق نے ان کو جواب دیا کہ صاحبو میں تو مستسقی ہوں پانی مجھے کھینچتا ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ پانی مجھے مار ڈالے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ مستسقی پانی سے نہیں بھاگتا اگرچہ وہ دو سو مرتبہ اس کو شکست دے

چکا اور برباد کر چکا ہو۔ اگر میرے ہاتھ اور میرا پیٹ ورم کر جائے تو بلا سے مجھ سے تو پانی کا عشق کم نہ ہوگا۔ جب کوئی میرے اندرونی حالت دریافت کریگا تو میں یہی کہوں گا کہ کاش میرے اندر دریا بہتا ہوا اور پانی کی موج سے اگر میرا پیٹ پھٹ جائے تو بلا سے اور اگر میں مرجاؤں تو یہ مرنا میرے لئے نہایت پسند ہے میں جہاں کہیں ندی کا پانی دیکھتا ہوں مجھے رشک آتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ کاش ندی میں ہوتا اور یہ پانی سارا میرے اندر ہوتا۔ میرا ہاتھ سوج کر ڈھپڑا ہو گیا ہے اور میرا پیٹ پھول کر ڈھول ہو گیا ہے لیکن میں ہنوز عشق آب کا ڈھول بجا رہا ہوں۔ اور میں پانی پر یوں عاشق ہوں جیسے اس پر پھول عاشق ہوتا ہے۔ تم یہ کہتے ہو کہ صدر جہان تجھے مار ڈالے گا سو سنو اگر وہ روح الامین میرا خون گرائے تو میں زمین کی طرح لہو کے گھونٹ پینے پر آمادہ ہوں اور میں زمین اور جنین کی طرح لہو کے گھونٹ پینے کا عادی ہوں اور جب سے عاشق ہوا ہوں میرا یہی کام ہے۔ رات بھر سوز عشق سے ہانڈی کی طرح پکتا ہوں اور دن سے رات تک ریت کی طرح اپنا خون پیتا ہوں میں تو اسی سے نادم ہوں کہ میں نے دھوکا کیوں کیا اور اس کے مقصد اور غصہ سے کیوں بھاگا۔ وہ اگر میری جان پر اپنا غصہ نکالے تو نکالنے دو کیونکہ وہ عید قربان ہے اور عاشق بھیڑ۔ اس کا کام ذبح ہی ہوتا ہے۔ نیز عاشق گائے ہوتا ہے اور گائے کا کھانا اور سونا سب عید قربان ہی کے لئے ہے اور ذبح ہی کے لئے وہ پالی جاتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں جو بحکم موتوا قبل ان تموتوا جیتے جی ہی مر چکا ہوں تو اس سے تم مجھے مردہ نہ سمجھنا بلکہ میں ایسا مردہ ہوں کہ جیسے گاو موسیٰ جس کے اجزا میں خاصیت احیاء تھی پس میرا ایک ایک جزو ایسے لوگوں کو زندہ کرنے کی خاصیت رکھتا ہے جو شرف سعادت سے بہرہ ور ہیں جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام کی گائے قربان ہوگئی تھی اور اس کے ادنیٰ جزو میں یہ خاصیت پیدا ہوگئی تھی کہ اس نے مردہ کو زندہ کر دیا تھا اور اضربوہ ببعضھا کا خطاب ہوتے ہی اور مارتے ہی اس کے صدمہ سے مردہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پس اے معزز حضرات تم اپنے گاو تن کو ضرور قربان کرو اگر تم چاہتے ہو کہ حق بین روحیں زندہ ہوں تم ڈرو نہیں کیونکہ مرنا ہرگز مضر نہیں بلکہ سراسر مفید ہے دیکھو میں اول جماد تھا جمادی سے مرا تو نامی ہوا اور نمائے فقط سے مرا تو حیوان ہوا اور حیوان صرف سے مرا تو انسان ہوا۔ ایسی حالت میں مجھے مرنے کا کیا خوف ہو سکتا ہے پس تم کو بھی نہ ڈرنا چاہئے اس کے بعد انسانیت پنپنے سے مروں گا تو فرشتہ ہو کر پر و بازوں کالوں گا مگر ملکیت پر بھی مجھے قناعت نہ چاہئے بلکہ اس ندی کو بھی طے کرنا چاہئے کیونکہ کل شیء ھالک الا وجھہ قرآن میں موجود ہے پس میں ملک ہو کر بھی ہلاک سے نہیں بچ سکتا۔ لہذا میں ملکیت سے بھی مروں گا اور وہ ہو جاؤں گا جو وہم سے بھی باہر ہے یعنی میں فانی محض ہو جاؤں گا۔ عدم بزبان حال ارغنون باجے کی طرح مجھ سے کہہ رہا ہے اور مجھے سنا رہا ہے کہ انا الیہ راجعون یعنی تم معدوم اور بالکل فنا ہو کر واصل بحق ہو جاؤ گے پس میں مٹ کر واصل و باقی بحق ہو جاؤں گا اور اس طرح ہلاکت سے بچ جاؤں گا پس تم موت کو جس پر کہ عالم کا اتفاق ہے مضر نہ سمجھو بلکہ اس کو ایک چشمۂ آب حیات سمجھو جو ظلمت میں مخفی ہے یعنی گو اس سے وحشت ہوتی ہے مگر اس میں خاصیت احیاء کی ہے۔ لہذا تم موت کو اختیار کرو۔ اور اس میں ڈوب کر یوں پیدا ہو جیسے پانی سے نیلوفر اور اس کے یوں طالب ہو جیسے کہ مستسقی اس کا شائق اور

طالب ہوتا ہے کیونکہ پانی اس کی موت ہے اور وہ پانی کا طالب ہے لہذا وہ فی الحقیقۃ موت ہی کا طالب ہے۔ اور نہایت رغبت وشوق سے اس کو پی جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب مولانا مدعی عشق الٰہی کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے جھوٹے عاشق جو کہ جان کے خوف سے محبوب حقیقی سے بھاگتا ہے اور جس کا وجود قابل ننگ ہے تو دیکھو تو سہی کس قدر جانیں اس کے تیغ عشق کے سامنے خوشی خوشی تالیاں بجا رہی ہیں۔ پس تیری جان کیا انوکھی ہے کہ وہ اس سے بچتی ہے۔ ارے کمبخت نہر سامنے ہے اپنا لوٹا بھی اسی میں ڈال دے۔ بھلا کہیں پانی بھی نہر سے بھاگتا ہے۔ یعنی حق سبحانہ قریب ہیں تو ان سے اتصال معنوی پیدا کر کیونکہ تو پانی کی طرح فرع ہے اور حق سبحانہ ندی کی طرح اصل بھلا کہیں فرع اصل سے بھاگتی ہے۔ پس تو حق سبحانہ سے کیوں بھاگتا ہے یاد رکھ کہ جب لوٹے کا پانی ندی کے پانی میں شامل ہو جاتا ہے تو اس میں فنا ہو جاتا ہے اور اسی کی صفات اختیار کر لیتا ہے اور گو ذات باقی رہتی ہے مگر وصف فنا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد نہ اس کی ذات میں کمی آتی ہے نہ کسی صفت میں پس تو بھی جب حق سبحانہ سے اتصال معنوی پیدا کرے گا تیری بھی یہی حالت ہو جاوے گی کہ بقاء ذات کے ساتھ متخلق با خلاق ہو جاویگا۔ اور فنا ذات واستحالہ صفات سے مصون ومحفوظ ہو جاوے گا۔

شرح شبّیری

اس عاشق کا معشوق کے پاس پہنچ جانا جبکہ اس نے جان سے ہاتھ دھو لئے

خویش را بر نخل او آویختم	عذر آنرا کہ ازو بگریختم
میں نے اپنے آپ کو اس کے کھجور کے درخت پر لٹکا دیا	اس معذرت میں کہ میں اس سے بھاگا تھا

یعنی (اس نے عاذلوں سے کہا کہ) میں نے اپنے کو اس کے نخل پر لٹکا دیا ہے اس کے عذر میں کہ میں اس سے بھاگا۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میں چونکہ اس کے پاس سے بھاگ گیا تھا۔ لہذا اب اس کی تلافی کے واسطے میں اس کی دار پر لٹکنے کو تیار ہوں۔

ہمچو گوئے سجدہ کن بر روئے وسر	جانب آن صدر شد با چشم تر
سر اور چہرے کے بل سجدے کرتا ہوا گیند کی طرح	پرنم آنکھوں کے ساتھ اس صدر (جہاں) کی طرف روانہ ہو گیا

یعنی گیند کی طرح رو اور سر پر سجدہ کرتا ہوا اس صدر کی طرف باچشم تر چلا۔

بر رخ چوں زعفران اشک روان	رفت آن بیدل سوئے صدر جہان
زعفرانی چہرے پر آنسو بہاتا ہوا	وہ بیدل صدر جہاں کی جانب چلا

یعنی زعفران جیسے چہرہ اشک رواں وہ بیدل صدر جہان کی طرف چلا۔ یعنی زعفران جیسے چہرہ پر آنسو بہ رہے تھے اور وہ صدر جہان کے پاس جارہا تھا۔

ہم کفن ہم تیغ اندر دست او	چونکہ بود او عاشق و سرمست او
کفن بھی اور تلوار بھی اس کے ہاتھ میں	کیونکہ وہ اس کا عاشق اور متوالا تھا

یعنی کفن بھی اور تیغ بھی اس کے ہاتھ میں تھی کیونکہ وہ اس کا عاشق اور سرمست تھا۔ (پہلے قاعدہ تھا کہ جب کوئی بھاگا ہوا مجرم حاضر ہوتا تھا تو مع کفن اور تیغ کے حاضر ہوتا تھا جس کے یہ معنے ہوتے تھے کہ ہم حاضر ہیں قتل کرڈالو۔ اسی طرح یہ بھی معترف قصور مع کفن اور شمشیر کے حاضر ہوگیا۔

جملہ خلقان منتظر سر در ہوا	کش بسوزد یا بر آویزد ورا
تمام لوگ سروں کو اوپر کئے ہوئے منتظر تھے	کہ وہ اس کو جلائے گا یا اس کو پھانسی دیگا

یعنی تمام مخلوق منتظر سر در ہوا تھی کہ اس کو جلاتا ہے یا اس کو (دار پر) لٹکاتا ہے (سر در ہوا سے مراد غایت انتظار ہے) یعنی سب منتظر تھے کہ دیکھئے اب اس کی ساتھ کیا کرتا ہے اور یہ کہہ رہے تھے کہ۔

ایں زمان ایں احمق یک لخت را	آن نماید کہ زمان بدبخت را
اب اس پورے احمق کے ساتھ	(صدر جہاں) وہ کرے گا جو زمانہ کسی بدبخت سے کرتا ہے

یعنی اس وقت اس پورے احمق کو وہ دکھلا دے گا جو کہ زمانہ بدبخت کو یعنی زمانہ بدبخت کو سختی دکھاتا ہے۔

پس اسی طرح یہ صدر جہان اس احمق کے ساتھ سختی کرے گا اور احمق اس لئے کہا کہ باوجود اس کے کہ اس کے پاس سے بھاگ چکا تھا اور پھر مرنے کے لئے آگیا۔

ہمچو پروانہ شرر انور دید	احمقانہ درفتاد از جان برید
اس نے پروانے کی طرح چنگاریوں کو نور سمجھا	بے وقوفوں کی طرح گرا (اور) جان کھو دی

یعنی پروانہ کی طرح شرر کو نور دیکھا اور احمقوں کی طرح جاپڑا اور جان سے قطع کردیا۔ یعنی اس عاشق نے صدر جہاں کے پاس حاضر ہونے کو جو مثل شرر کے تھا نور سمجھا اور نور سمجھ کر اس کے اندر احمقوں کی طرح جاپڑا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

لیک شمع عشق چو آن شمع نیست	روشن اندر روشن اندر روشنیست
لیکن عشق کی شمع، اس شمع کی طرح نہیں ہے	روشنی در روشنی در روشنی ہے

یعنی لیکن شمع عشق اس شمع کی طرح نہیں ہے (وہ تو) روشن اندر روشن اندر روشن ہے۔

او بعکس شمعہائے آتشی است	می نماید آتش و جملہ خوشی است
وہ آگ کی شمعوں کے بالعکس ہے	آگ نظر آتی ہے، اور سراپا خوشی ہے

یعنی برعکس شمعہائے آتشی کے ہے کہ دکھلائی آتش دیتی ہے اور بالکل خوشی ہے مطلب یہ کہ لوگ کہہ رہے تھے کہ پروانہ کی طرح اس نے شرر کو نور سمجھا اور اس میں آ پڑا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ارے عشق کی شمع وہ شمع نہیں ہے کہ جو جلا دے بلکہ یہ ظاہر میں تو آگ ہے لیکن باطن میں نور ہی نور ہے شمع ظاہری تو آتش ہوتی ہے مگر یہ آتش نہیں ہے بلکہ یہ نور ہے اور یہ روشن در روشن ہے اس میں آ کر اس شمع جیسا جلنا نہیں ہے اس کا جلنا۔ اور طرح کا ہے کہ اس میں جو جل گیا وہ ہمیشہ ٹھنڈا رہا۔ آگے اس پر ایک حکایت لاتے ہیں خلاصہ جس کا یہ ہے کہ ایک مسجد میں کوئی طلسم تھا اور جو شخص رات کو اس مسجد میں رہتا تھا اس کو خوفناک آوازیں اس قدر سنائی دیتی تھیں کہ وہ مر جاتا تھا تو لوگ رات کو اس میں رہتے نہ تھے ایک شخص آیا اور رات کو اس نے اس میں رہنے کا قصد کیا لوگوں نے منع کیا اس نے کہا کہ میں تو مرنے کو پھرتا ہوں اور میں تو موت پر عاشق ہوں مر جاؤں گا تو کچھ پرواہ نہیں ہے اور اس نے کسی کی نہ مانی اور وہیں سویا حسب معمول رات کو وہی آوازیں سنائی دیں اور معلوم ہوا کہ بڑا شور وغل ہے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ آتا ہوں۔ آتا ہوں اس نے فوراً کہا کہ آجا میں بھی تیار ہوں چونکہ اس طلسم کے ٹوٹنے کی یہی سبیل تھی کہ کوئی یہ کہدے آجا میں تیار ہوں لہذا اس کے کہنے سے وہ طلسم ٹوٹ گیا اور بیشمار خزانہ اس کے اندر سے نکلا تو دیکھو چونکہ یہ عاشق تھا اور مرنے کو تیار ہو گیا تو اس کو کس قدر خزانہ ملا حالانکہ ظاہر میں تو اس کی ہلاکت معلوم ہوتی تھی مگر اصل میں وہ اس کی ہلاکت نہ تھی بلکہ اس کے لئے مفید اور نافع تھا۔ اسی طرح اس عاشق صدر جہاں کا آنا بھی مضر نہ تھا بلکہ نافع ہی تھا اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ یہاں سے پھر مولانا جواب عاشق کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں اس عذر میں کہ اس سے بھاگا تھا اپنے کو اس کی سولی پر لٹکا چکا ہوں یعنی مرنے کے لئے تیار ہو گیا ہوں ان کو یہ جواب دیگر گیند کی طرح منہ اور سر سے سجدے کرتا ہوا اور روتا ہوا صدر جہاں کی جانب روانہ ہوا اس کے زعفران کی طرح زرد رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے اس حالت سے وہ عاشق صدر جہان کے پاس گیا نیز چونکہ اس کا عاشق اس کی محبت کے نشہ میں چور تھا اس لئے ہاتھ میں کفن بھی تھا اور تلوار بھی تمام لوگ منتظر کھڑے ہوئے تھے کہ دیکھیں اس کو جلاتا ہے یا سولی دیتا ہے اور دل میں کہہ رہے تھے کہ اس وقت صدر جہاں اس الو کے ساتھ وہ کرے گا جو زمانہ ایک بدنصیب کے ساتھ کیا کرتا ہے یعنی اس کو ملیامیٹ کرے گا۔ اس احمق نے پروانہ کی طرح آتشی شعلہ کو نور سمجھا اور دشمن کو دوست جانا لہذا اپنی حماقت سے اوندھے منہ گرا اور جان کھوئی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ان کی غلطی ہے کہ انہوں نے اس کی حالت کو پروانہ کی حالت پر قیاس کیا جمع عشق وہ شمع نہیں ہے جو پروانوں کو جلاتی ہے بلکہ یہ نور در نور در نور غرضکہ سراسر نور ہے وہ آتشی شمعوں کے بالکل برعکس ہے یہ صرف دیکھنے میں آگ ہے اور حقیقت میں سراپا خوشی اور راحت ہے۔

شرح شبّیری

اس مسجد کی حالت کو بیان کرنا جو کہ مہمان کش تھی اور اس عاشق لاابالی موت کے شائق کا بیان جو کہ اس مسجد میں رات کو مہمان ہوا

یک حکایت گوش کن اے نیک پے	مسجدے بد بر کنارے شہر رے
اے نیک خصلت! ایک قصہ سن	رے شہر کے کنارے پر ایک مسجد تھی

یعنی اے نیک پے ایک حکایت سنو کہ ایک مسجد شہر رے کے کنارہ پر تھی۔

ہیچکس در وے نخفتے شب ز بیم	کہ نہ فرزندش شدے آنشب یتیم
کوئی شخص رات کو اس میں نہ سوتا کہ ڈر کی وجہ سے	اس رات میں اس کے بچے یتیم نہ ہو جاتے

یعنی کوئی شخص اس میں رات کو خوف سے نہ سوتا کہ اس کا لڑکا اس رات کو یتیم نہ ہو جاتا یعنی جو اس میں رات کو سوتا وہی مر جاتا تھا۔

ہر کہ در وے بے خبر چون کور رفت	صبح دم چوں اختران در گور رفت
جو بے خبر اندھے کی طرح اس میں چلا گیا	صبح ہوتے وہ ستاروں کی طرح قبر میں چلا گیا

یعنی جو کوئی اس میں اندھے کی طرح بے خبر چلا گیا صبح ہی کو ستاروں کی طرح گور میں گیا۔ یعنی جس طرح کہ ستارے صبح کو چھپ جاتے ہیں اسی طرح وہ بھی صبح کو مر کر گور میں پوشیدہ ہو جاتا تھا آگے ایک شعر میں مولانا مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

خویشتن را نیک ازین آگاہ کن	صبح آمد خواب را کوتاہ کن
اپنے آپ کو اس سے اچھی طرح باخبر کر لے	صبح ہو گئی نیند کو مختصر کر

یعنی اپنے کو اس سے اچھی طرح آگاہ کر صبح آ گئی ہے نیند کو کم کر۔ یعنی اس حکایت میں آیا کہ صبح کے وقت وہ گور میں جاتا تھا اسی طرح تیری بھی صبح پیری آ گئی ہے۔ اب ذرا ہوش سنبھال کہ گور میں جانے والا ہے۔ غفلت کو ایک طرف کر اور ہوشیار ہو جا۔ آگے پھر وہی حکایت ہے کہ۔

ہر کسے گفتے کہ پریانند تند	اندرون مہمان کشان با تیغ کند
ہر شخص کہتا کہ بدمزاج پریاں ہیں	اس میں مہمان کو کند تلوار سے مار ڈالنے والی

یعنی ہر شخص کہتا کہ جنات سخت مہمان کو کند تلوار سے مار ڈالنے والے ہیں۔

کہ رصد باشد عدو جان و جسم	آن دگر گفتے کہ سحرست و طلسم
جو جان اور جسم کے دشمن کی طرح گھات میں رہتا ہے	کوئی کہتا کہ جادو اور طلسم ہے

یعنی وہ دوسرا کہتا کہ سحر و طلسم ہے کہ (جو ایسا) کمینگاہ ہو جاتا ہے (جو کہ جان و جسم کا عدو ہو یعنی کسی کا خیال تھا کہ اس میں جن رہتے ہیں اور کوئی کہتا کہ طلسم اور جادو ہے۔

بر درش کائی مہمان اینجا مباش	آن دگر گفتے کہ بر نہ نقش فاش
اس کے دروازے پر کہ اے مہمان! یہاں نہ ٹھہر	دوسرا کہتا کہ کھلا اعلان لگا دے

یعنی وہ دوسرا کہتا کہ ایک اطلاع ظاہر اس کے دروازہ پر رکھ دو کہ اے مہمان اس جگہ مت رہ یعنی کوئی کہتا کہ یہاں ایک جلی قلم سے اطلاع لکھ کر لگا دو کہ بھائی یہاں کوئی مت رہو اور کہہ دو کہ۔

ورنہ مرگ اینجا کمین بکشایدت	شب مخسپ اینجا اگر جان بایدت
ورنہ اس جگہ موت تجھ پر گھات لگائے گی	اگر تو جان (بچانی) چاہتا ہے یہاں رات کو نہ سونا

یعنی رات کو اس جگہ مت سو اگر تجھے جان چاہئے ہے ورنہ موت اس جگہ تیری کمین کھولے گی یعنی کمین گاہ سے نکل کر تجھے لے جاوے گی۔

غافلے کاید شمارہ کم دہید	وان دگر گفتے کہ شب قفلے نہید
کوئی انجام آئے تو تم داخل نہ ہونے دو	ایک کہتا کہ رات کو تالا لگا دو

یعنی وہ دوسرا کہتا کہ رات کو ایک قفل لگا دو اور جو غافل کہ آوے تم اس کو راہ مت دو۔ یعنی کوئی کہتا کہ یہاں ایک اعلان لگا دو تا کہ کسی کو دھوکہ نہ ہو۔ اور کوئی کہتا کہ قفل لگا دو اور اگر کوئی غافل آ جاوے تو تم اس کو جانے مت دو بلکہ روک دو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اچھا ایک حکایت سنو جس سے تم کو مضمون بالا کی تصدیق ہو۔ شہر رے کے کنارہ پر ایک مسجد تھی رات کو اس میں کوئی شخص ایسا نہ سوتا تھا جو ڈر کر مر نہ جاتا ہو اور اس رات کو اس کے بچے یتیم نہ ہو جاتے ہوں۔ جو شخص اس میں ناواقفی سے اور اندھا دھند چلا جاتا ستاروں کی طرح وہ بھی صبح کو قبر میں چلا جاتا تھا اب مولانا ضمناً ایک نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کس غفلت میں ہو دیکھو ہوشیار ہو صبح پیری آ پہنچی ہے اور قبر میں جانے والے ہو اس غفلت کو چھوڑ و خواب سے بیدار ہو اور قبر میں جانے کے لئے تیار ہو جاؤ اس مضمون کو ختم کر کے پھر قصہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس معاملہ میں لوگ چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے کوئی کہتا کہ معلوم ہوتا ہے کہ

اس میں بڑی غضبناک پریاں رہتی ہیں جو کہ مہمان کو کند تلوار سے یعنی بڑی بے رحمی سے مارتی ہیں دوسرا کہتا کہ یہاں کوئی سحر اور طلسم ہے جو کہ اس کمینگاہ میں رہ کر لوگوں کو ضرر پہنچاتا ہے کیونکہ گھات میں رہنے والے جان وجسم کے دشمن ہوتے ہیں تیسرا کہتا کہ جی کچھ بھی ہو اب مناسب یہ ہے کہ دروازہ پر ایک صاف صاف اعلان اس مضمون کا لگا دیا جاوے کہ اے مسافر یہاں نہ ٹھہرنا اور اگر تجھے جان درکار ہے تو رات کو یہاں نہ سونا ورنہ موت کمین گاہ سے نکل کر تجھ پر واقع ہوگی چوتھا کہتا کہ یہ بھی کافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی جاہل ہو یا اس کی طرف التفات نہ کرے۔ اس لئے اس میں قفل ڈال دو اور راستہ ہی بند کردو۔

شرح شبّیری

ایک مہمان کا اس مہمان کش مسجد میں آنا

تا یکے مہمان در آمد وقت شب	کو شنیدہ بود آن صیت عجب
حتیٰ کہ ایک مہمان رات کو آ گیا	جس نے وہ عجیب شہرت سنی تھی

یعنی یہاں تک کہ رات کے وقت ایک مہمان آیا کہ اس نے اس عجیب شہرت کو سنا تھا۔ یعنی وہ لوگ یہ رائیں لگا رہے تھے کہ ایک مہمان صاحب اسی مسجد میں اس کا یہ عجیب قصہ سن کر شب باشی کے لئے تشریف لائے۔

از برائے آزموے آزمود	زانکہ بس مردانہ و جانباز بود
امتحان کے لئے وہ آزما رہا تھا	کیونکہ وہ بہت بہادر اور جاں باز تھا

یعنی آزمائش کے لئے وہ آزماتا تھا اس لئے کہ بہت مردانہ اور جانباز تھا۔ یعنی چونکہ وہ جانباز اور مرد تھا اس لئے وہ آزمائش کے لئے اس مسجد کی اس بات کو آزمانے آیا تھا۔

گفت کم گیرم سر و اشکنبۂ	رفتہ گیر از گنج جان یک حبہ
اس نے کہا میں سر اور معدہ کو کب سمجھتا ہوں	فرض کر لے خزانہ سے ایک حبہ ضائع ہو گیا

یعنی اس مہمان نے کہا کہ میں سر اور اوجھ کو کم لیتا ہوں تو گنج جان سے ایک حبہ گیا ہوا فرض کر لے (سرواشکنبہ سے مراد تن) مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ مجھے اس تن کی ہلاکت کی پرواہ نہیں ہے اگر میرے گنج میں سے ایک حبہ یعنی تن کم ہی ہوگیا تو کیا ہو جاوے گا میرا کوئی حرج نہیں۔

صورت تن گو برو من کیستم	نقش کم ناید چو من باقیستم
جسم کی صورت کو کہہ دے چلی جائے اور میں کون ہوں؟	صورت کی کمی نہ ہو گی جب میں باقی ہوں

یعنی صورت تن کو کہد و کہ جاوے (کیونکہ) میں کون ہوں نقش کم نہیں آتا ہے جبکہ میں باقی ہوں۔ یعنی اس نے کہا کہ اگر یہ صورت تن جاتی رہے اور یہ ہلاک ہوگئی تو کوئی غم نہیں ہے اس لئے کہ میں یہ تن تھوڑا ہی ہوں میں تو وہ جان اور روح ہوں تو اگر میں یعنی روح باقی ہے تو نقش کی کیا کمی ہے اصل تو روح ہے اور وہ باقی رہے گی تو پھر مرنے سے کیا ڈر۔

چوں تحت بودم از لطف خدا	نفخ حق باشد زنائے تن جدا
جب میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے تحت تھا	میں اللہ (تعالیٰ) کی پھونک ہونگا بدن کی بانسری سے علیحدہ

یعنی جبکہ میں لطف خدا سے تحت تھا تو نفخ حق نائے تن سے جدا ہوتا ہے۔

تا نیفتد بانگ نفش این طرف	تا رہد آن گوہر از تنگین صدف
جب تک کہ اس (کے صور) کی آواز اس طرف نہ آئے	حتیٰ کہ وہ جوہر تنگ سیپ سے رہائی پائے

یعنی تا کہ اس کی نفخ کی وآ از اس طرف نہ پڑے گی اور تا کہ وہ گوہر تنگ صدف سے چھوٹ جاوے۔

مطلب یہ ہے کہ میری اصل تو روح ہے اور اس کی بابت حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نفخت فیه من روحی تو یہ تن اس لئے جدا ہوتا ہے تا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد تحت الخ اس جسم ناسوتی پر واقع نہ ہو بلکہ روح پر واقع ہو لہذا اس تن سے یہ روح الگ ہوتی ہے اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ یہ روح اس تن تنگ میں تنگ ہے اس لئے یہاں سے چھوٹ کر یہ آرام سے بھی ہو جاوے گی۔

چون تمنوا الموت گفت اے صادقین	صادقم جان را بر افشانم برین
جبکہ اس نے فرمایا ہے موت کی تمنا کرو اے سچو!	میں سچا ہوں اس (فرمان) پر جان نثار کروں گا

یعنی جبکہ فرمایا ہے کہ اے صیاد تو موت کی تمنا کرو تو میں صادق ہوں اور جان کو اس پر انشاں کرتا ہوں

مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے تمنوا الموت ان کنتم صادقین تو بس میں صادق ہوں اور تمنائے موت کرتا ہوں اور مرتا ہوں مجھے کچھ پرواہ نہیں ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ خیر نوبت بانیجا رسید کہ ایک مہمان جس نے کہ یہ عجیب افواہ سنی تھی رات کے وقت آیا چونکہ وہ نہایت مرد اور جانباز تھا اس لئے اس کی واقعیت کا امتحان کرنا چاہتا تھا اس نے سوچا کہ میں سر اور اوجہ وغیرہ اعضائے جسمانی کی کچھ پرواہ نہیں کرتا اگر جائیں بلا سے جائیں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ خزانہ جان میں سے ایک معمولی مقدار جاتی رہے گی سو اس کی کچھ پرواہ نہیں صورت تن جائے گی بلا سے جائے میں کیا چیز ہوں کچھ صورت جسم نہیں ہوں کہ اس کے فناء ہونے سے میں بھی فنا ہو جاؤں بلکہ میں باقی رہوں گا۔ اگر یہ نقش چلا جاوے بلا سے جاوے اگر میں سلامت ہوں تو صورتیں بہت چونکہ میری نسبت نفخت فیه من روحی فرمایا گیا ہے

اس لئے اس وقت میں خدا کی وہ پھونک ہوں گا جس کو اس نے اپنی مہربانی سے اس جسم کی بانسری میں بھرا ہے اور جو کہ اس جسم کی بانسری سے الگ ہوگئی ہے پس میں اس بانسری سے جدائی چاہتا ہوں تا کہ اس کی نفخ کی آواز اس طرف یعنی اس بانسری میں نہ واقع ہو۔ اور تا کہ یہ موتی اس تنگ سیپ سے چھوٹ جاوے چونکہ حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی آرزو کرو۔ (گو یہ خطاب یہود کو ہے مگر منشا کے لحاظ سے ہر مدعی محبت کو عام ہے اور میں صادق ہوں اس لئے اس حکم کی بناء پر جان دینے پر آمادہ ہوں۔

شرح شبّیری

اہل مسجد کا مہمان عاشق کو رات کو وہاں سونے سے ملامت کرنا

قوم گفتندش کہ ہیں اینجا مخسپ	تانکوبد جانستانت ہمچو کسپ
لوگوں نے اس سے کہا خبردار! یہاں نہ سونا	تا کہ جان نکالنے والا تجھے کھلی کی طرح نہ کوٹے

یعنی قوم نے اس سے کہا کہ ارے اس جگہ مت سونا کہ تیرا جان لینے والا تجھے کھل کر طرح کوٹ نہ دے۔

کہ غریبی و نمیدانی تو حال	کاندرین جا ہر کہ خفت آمد زوال
اس لئے کہ تو مسافر ہے اور تو حالت نہیں جانتا ہے	کہ اس جگہ جو سویا ہے (اس پر) زوال آیا ہے

یعنی کہ تو مسافر ہے اور حالت کو جانتا نہیں ہے کہ اس جگہ جو کوئی سویا زوال آیا یعنی لوگوں نے کہا کہ بھائی تجھے خبر نہیں ہے یہاں جو سویا ہے اس کی جان بچی نہیں ہے یہاں تو ہرگز مت سو۔

اتفاقی نیست این ما بارہا	دیدہ ایم و جملہ اصحاب نہی
اتفاقاً نہیں ہے، یہ ہم نے بہت ہی مرتبہ	دیکھا ہے اور سب عقلمندوں نے

یعنی یہ بات اتفاقی نہیں ہے (بلکہ) ہم نے بار بار دیکھا ہے اور سب اصحاب عقول نے (دیکھا ہے)

ہر کہ آں مسجد شبے مسکن شدش	نیم شب مرگ ہلاہل آمدش
وہ مسجد جس کا ایک رات مسکن بنی ہے	اس کو آدھی رات میں قاتل موت آئی ہے

یعنی یہ مسجد جس کی ایک رات کو مسکن ہوگئی ہے آدھی رات کو اسے مرگ ہلاہل آیا ہے۔

از یکے تا پانصد این را دیدہ ایم	نے بہ تقلید از کسے بشنیدہ ایم
ایک سے پانچ سو تک ہم نے یہ دیکھا ہے	نہ کہ تقلیداً ہم نے کسی سے سنا ہے

یعنی ایک سے پانسو تک ہم نے اس کو دیکھا ہے نہ کہ تقلیداً کسی سے سنا ہے یعنی سب نے کہا کہ میاں

ہمارا خود تجربہ ہے کہ جو یہاں رات کو رہا وہ مارا گیا کسی سے سنی سنائی نہیں کہتے۔

آن نصیحت در لغت ضد غلول	گفت الدین النصیحۃ آن رسول
خیرخواہی لغت میں خیانت کی ضد ہے	رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے "دین خیرخواہی ہے" فرمایا ہے

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الدین النصیحۃ اور وہ نصیحت لغت میں خیانت کی ضد ہے۔

در غلولی خائن و سگ پوستی	ایں نصیحت راستی در دوستی
خود غرضی میں خیانت اور کتا پنا ہے	یہ خیرخواہی دوستی میں سچائی ہے

یعنی یہ نصیحت راستی ہے دوستی میں اور غلولی میں خائن اور سگ پوستی ہے مطلب یہ کہ حدیث میں جو الدین النصیحۃ آیا ہے تو وہ خیانت کی ضد ہے یعنی خیانت نہ کرو بلکہ نصیحت کرو تو وہ نصیحت تو دوستی اور راستی ہے اور خیانت میں خائن ہونا اور سگ پوست ہونا ہے۔

می نمائیمت مگرد از عقل و داد	بے خیانت این نصیحت از وداد
ہم تجھے کر رہے ہیں، عقل اور انصاف سے روگردانی نہ کر	یہ نصیحت بغیر خیانت کے دوستی کی وجہ سے

یعنی بے خیانت کے یہ نصیحت دوستی کی وجہ سے ہم تجھے کر رہے ہیں تو عقل وانصاف سے مت پھر یعنی سب نے کہا کہ دیکھ تجھے سمجھا رہے ہیں سمجھ جا اور عقل کے خلاف کام مت کر کہ ایسی جگہ کہ جہاں یقینی موت ہے تو جاتا ہے اس کو سن کر اس نے جواب دیا کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ آپ یہاں نہ سوئیں ایسا نہ ہو کہ وہ جان لیوا آپ کو کھل کی طرح کوٹ ڈالے ہم یہ اس لئے کہتے ہیں کہ آپ پردیسی ہیں یہاں کی حالت آپ کو معلوم نہیں اور آپ نہیں جانتے کہ جو یہاں سویا اس پر تباہی ضرور آئی اور یہ امر کوئی اتفاقی نہیں ہے بلکہ ہم نے اور تمام عقلاء نے یہ واقعات بارہا دیکھے ہیں اور یہ نہیں کہ تقلیداً کسی سے سن لیا ہو بلکہ بچشم خود ایک سے لے کر پانسو مرتبہ تک یہ واقعات دیکھے ہیں۔ اور اصل منشاء ہماری اس گفتگو کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مقتضائے دین خیرخواہی ہے اور خیرخواہی اپنے معنی لغوی کے لحاظ سے مخالف ہے خیانت کے اور ہمارا اطلاع نہ کرنا خیانت ہے لہٰذا اطلاع خیرخواہی ہوگی اور خیرخواہی ضروری ہے لہٰذا اطلاع ضروری ہوئی خیرخواہی یہ ہی ہے کہ کسی کے ساتھ سچی دوستی اور ہمدردی کی جاوے اور اگر دھوکہ کیا جاوے تو ایسا کرنے والا خائن اور سگ پوست ہوگا نہ کہ دوست اور خیرخواہ پس ہم یہ نصیحت تم کو محض دوستی سے اور بدوں کسی خیانت کے کرتے ہیں لہٰذا تم کو ماننا چاہئے۔ اور مقتضائے عقل وانصاف سے نہ پھرنا چاہئے۔

شرح شبّیری

عاشق کا ناصحوں اور ملامت گویوں کو جواب دینا

گفت او اے ناصحان من بے ندم	از جہان زندگی سیر آمدم
اس نے کہا اے نصیحت کرنے والو! میں بغیر کسی ندامت کے	زندگی کی دنیا سے پیٹ بھر چکا ہوں

یعنی اس نے کہا کہ اے ناصحو میں بغیر کسی ندامت کے جہان زندگی سے سیر آ گیا ہوں یعنی مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں ہے اور اب تو میرا دل جینے کو نہیں چاہتا۔

منبلے ام زخم جو وزخم خواہ	عافیت کم جوے از منبل براہ
میں بے حس زخم کو تلاش کرنے والا اور زخم کا خواہشمند ہوں	بے حس آدمی سے راہ (زندگی) میں عافیت کی تمنا نہ کر

یعنی میں کاہل ہوں زخم جو اور زخم خواہ ہوں تم کاہل سے راہ میں عافیت کم ڈھونڈو یعنی جو کاہل ہوگا چلنے میں اس کی عافیت اور خیر مت سمجھو اس لئے کہ کاہل ہے وہ اپنے بچاؤ وغیرہ کی کوئی تدبیر نہ کرے گا اور کہتا ہے کہ۔

منبلے نے کو بود خود برگ جو	منبلے ام لاابالی مرگ جو
(میں) وہ بے حس نہیں ہوں جو سامان تلاش کرے	میں وہ بے حس ہوں جو لاپروا "موت کا تلاش کرنےوالا ہو

یعنی وہ کاہل نہیں کہ جو خود برگ جو ہو (بلکہ میں ایک کاہل ہوں بے پرواہ موت کا متلاشی یعنی میں ایسا کاہل نہیں ہوں کہ جو دوسروں سے میں یہ کہوں کہ مجھے کچھ دو اور خود کچھ نہ کروں بلکہ میں ایسا کاہل ہوں کہ اس دنیا سے بے پرواہ ہوں اور موت کی تلاش میں ہوں۔

منبلم بے زخم ناساید تنم	عاشقم بر زخمہا بر می تنم
میں وہ بے حس ہوں کہ بغیر زخم کے میرا جسم آرام پاتا ہے	میں عاشق ہوں زخموں کے چکر کاٹتا ہوں

یعنی میں کاہل ہوں بے زخم کے میرا بدن آرام نہیں پاتا۔ میں زخموں پر عاشق ہوں اور ان پر تنتا ہوں۔ مطلب یہ کہ قاعدہ ہے کہ جو کاہل ہوتے ہیں وہ اکثر بدن دبواتے ہیں اور کٹواتے ہیں تب ان کو آرام ملتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں تو کاہل ہوں میرے بدن کو تو بے زخموں کے آرام نہیں ملتا لہذا میں مرنے کو اور اپنے بدن کو زخم پہنچانے کو حاضر ہوں۔

آن نہ کو بر ہر دو کانے میں برزند	بل جہد از کون و کانے برزند
نہ وہ کہ جو ہر دکان پر مارا مارا پھرے	بلکہ دنیا کو کود جائے اور کان پر پہنچ جائے

یعنی وہ نہیں کہ جو ہر دو کان پر مارے بلکہ کون سے کود کر معدن پر مارے مطلب یہ کہ میں وہ نہیں ہوں کہ ہر دو کان

پر گداگری کروں اور بھیک مانگوں بلکہ میں ایسا کامل ہوں کہ اس ہستی سے گزر کر معدن حیات ابدی پر پھونچوں گا۔

مرگ شیرین گشت ونقلم زین سرا	چون قفص ہشتن پریدن مرغ را
اس سرائے سے منتقل ہونا اور موت میرے لئے شیریں ہوگئی ہے	جیسا کہ پرند کے لئے پنجرا چھوڑنا (اور) اڑا جانا

یعنی موت اور اس سرا سے منتقل ہونا مجھے شیریں ہوگیا ہے جیسے کہ قفس چھوڑنا اور اڑنا جانور کو یعنی جس طرح کہ قفس کو چھوڑ کر جانور اڑنے کا سائق ہوتا ہے اور اڑ جانا اس کے لئے جیسا شیریں ہوتا ہے اسی طرح میرے لئے اس جہاں سے چلا جانا شیریں اور لذیذ ہوگیا ہے۔

آن قفص کو ہست عین باغ در	مرغ می بیند گلستان و شجر
وہ پنجرا جو عین باغ میں ہے	پرند باغ اور درخت دیکھ رہا ہے

یعنی وہ قفس جو کہ عین باغ میں ہو اور جانور باغ اور درخت دیکھ رہا ہے۔

جوق مرغان از برون گرد قفص	خوش ہمی خوانند زاز آدی قصص
پرندوں کا جھنڈ باہر پنجرے کے چاروں طرف	آزادی کے قصے خوشی سے پڑھ رہے ہیں

یعنی جانوروں کے گروہ قفس کے باہر گرداگرد جب آزادی سے قصے پڑھیں۔

مرغ را اندر قفص زان سبزہ زار	نے خورش ماندست نے صبر وقرار
پنجرے کے اندر پرند کے لئے سبزہ زار کی وجہ سے	نہ بھوک رہی' اور نہ صبر و قرار (رہا)

یعنی (اس) جانور کو قفس میں اس سبزہ زار کی وجہ سے نہ کھانا رہا ہے اور نہ صبر وقرار رہا ہے (بلکہ اس کی یہ حالت ہے کہ)

سر زہر سوراخ بیرون می کند	تابود کاین بند از پا برکند
وہ ہر سوراخ سے سر باہر نکالتا ہے	کہ شاید اس بیڑی کو پاؤں سے نکال دے

یعنی (قفس کے) ہر سوراخ سے سر باہر کرتا ہے تاکہ شاید کہ اس قید کو پاؤں سے نکال دے۔

چون دل وجانش چنین بیرون بود	آن قفص را درکشائی چون بود
جب اس کا دل اور جان اس طرح باہر (کی مشتاق) ہو	اس پنجرے کا دروازہ کھلا کیا ہو گا؟

یعنی جب اس کا دل و جان اس طرح باہر ہووے تو (اگر) تو اس قفس کا دروازہ کھول دے تو کیا ہووے۔

مطلب "آن قفص کو ہست الخ" سے یہاں تک کا یہ ہے کہ اس نے جو کہا تھا کہ مجھے موت اور اس دنیا سے جانا ایسا شیریں ہے جیسے کہ جانور کو قفس سے چھوٹنا شیریں ہوا کرتا ہے اب ان اشعار میں جانور کے قفس سے چھوٹنے کا شیریں ہونا بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جو جانور کہ اس کا پنجرہ باغ میں رکھا ہوا اور چاروں طرف سے جانور بول رہے ہوں تو وہ

بے صبر ہو جاویگا۔ اور نہ اسے دانہ اچھا لگے گا نہ پانی بلکہ وہ پنجرہ کے ہر سوراخ سے سر باہر نکالے گا کہ کوئی تدبیر ایسی ہو کہ جس سے میں اس سے باہر نکل جاؤں اس وقت اگر اس کا پنجرہ کوئی کھول دے تو دیکھو اس کو کس قدر مسرت ہوگی اسی طرح میں ہوں کہ میں اپنے چاروں طرف سے رحمت حق کو دیکھ رہا ہوں جنت ہے۔ اس میں میرے ہم جنس موجود ہیں لہذا مجھے اس جہان سے جانے کا بہت ہی شوق ہے تو اس حالت میں اگر کوئی مجھے مار کر اس قفس حیات سے چھڑا دے تو اس سے زیادہ اور کیا بات مسرت اور خوشی کی ہوسکتی ہے اسی لئے میں موت کا سختی سے شائق ہوں۔

نے چنان مرغ قفس دراندہان	گرد بر گردش بحلقہ گربگان
وہ پنجرے کو اس پرند کی طرح نہیں ہے جو غموں میں ہو	(اور) اس کے ارد گرد بلیاں حلقہ کئے ہوں

یعنی نہ ایسا مرغ قفس کہ اندوہوں میں (ہو) اور اس کے گرداگرد حلقہ کئے ہوئے بلیاں ہوں۔

کے بود او را دران خوف و حزن	آرزوئے از قفس بیرون شدن
اس کو اس ڈر اور رنج میں کب ہو گی؟	پنجرے سے باہر نکلنے کی آرزو

اس کو اس خوف و حزن میں قفس سے نکلنے کی کب آرزو ہوگی (بلکہ)

او ہمی خواہد کزین ناخوش حفص	صد قفس باشد بگرد این قفص
وہ چاہے گا کہ اس ناگوار زنبیل کی بجائے	اس پنجرے کے چاروں طرف سو پنجرے ہوں

یعنی وہ یہ چاہتا ہے کہ اس ناخوش زنبیل سے سو قفس اس قفس کے گرد ہوں مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میں اس مرغ کی طرح نہیں ہوں کہ جس کے پنجرہ کے گرد بلیاں جمع ہوں کہ ذرا سا اگر اس کا پنجہ بھی باہر نکلا تو انہوں نے پکڑ لیا تو بیشک اس کو قفس سے نکلنے کی تمنا نہ ہوگی بلکہ وہ تو یہ چاہے گا کہ اس پنجرہ کے گرد اور بہت سے پنجرے ہو جاویں تو اس نے کہا کہ چونکہ میں ایسا نہیں ہوں بلکہ اس مرغ کی طرح ہوں جس کا ذکر اوپر آیا لہذا میں موت کا شائق ہوں اور ان دونوں مثالوں میں مومنین اور کافرین کی حالت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مومنین تو موت کے شائق ہوتے ہیں اس لئے کہ جنت کو اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کو دیکھتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ موت سے متنفر ہوتے ہیں اس لئے کہ اپنے چاروں طرف عذاب ہی عذاب دیکھتے ہیں (نعوذ باللہ منہ) آگے مولانا جالینوس کی حکایت لاتے ہیں کہ وہ کہا کرتا تھا کہ بعد موت کے میرے اندر کچھ ذرا ذرا سی حیات رہے تا کہ میں اس جہان کو دیکھتا رہوں تو وہ اس لئے کہتا تھا کہ اس کو اس جہان میں تو کچھ ملنے کی امید تھی نہیں جو کچھ تھا وہ اسی کو مایہ حیات سمجھتا تھا لہذا تمنا کرتا تھا کہ میری یہ حیات باقی رہے تو اس کی مثال اس جانور کی سی ہوئی کہ جس کے قفس کے گرد بلیاں ہوں اور وہ نکلنا نہ چاہتا ہو۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔اس نے کہا کہ اے ناصحو میں عالم زندگی سے سیر ہو چکا ہوں اور اب مجھے نہ جینے کی ہوس ہے نہ آرزوئے مرگ سے پشیمان ہوں میں اس کاہل کی مثل ہوں جو کہ اپنی کاہلی سے زخم کھائے جاتا ہے اور بچتا نہیں اس لئے گویا کہ وہ طالب زخم ہے پس جبکہ میں اس کاہل کی مثل ہوں اور کاہل سے طلب عافیت بے فائدہ ہے پس مجھے بھی طلب عافیت فضول ہے لہذا تم مجھ سے بچنے کی درخواست مت کرو۔ کیونکہ جو سامان عافیت کی جستجو کرے۔ وہ کاہل ہی نہیں۔ اور میں کہہ چکا ہوں کہ میں کاہل اور لاابالی وطالب مرگ ہوں پس مجھ میں اور طلب سامان عافیت میں منافات ہے اور چونکہ میں کاہل ہوں اس لئے مجھے بدوں زخم کے چین نہیں آتا اور چونکہ عاشق ہوں اس لئے زخموں سے ہی تعلق رکھتا ہوں اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ کاہل وہ نہیں جو طالب مال دنیا ہے بلکہ کاہل وہ چست وچالاک شخص ہے جو اس پل سے گزر جائے اور دنیا پر لات مار دے اور کاہل وہ نہیں جو طلب مال کے لئے دوکانوں کو لپٹے اور حرص سے تجارت میں مشغول ہو بلکہ کاہل وہ ہے جو اس عالم سے تعلق قطع کر کے کان دولت (حق سبحانہ) سے وابستگی پیدا کرے یہاں تک اس مضمون کو بیان کر کے پھر اس مسافر کا مقولہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میرے لئے تو مرنا اور اس جہان سے گزرنا یوں مرغوب ہو گیا ہے جیسے کہ جانور کے لئے قفس سے چھوٹنا اور اڑ جانا۔ اب مولانا پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یاد رکھو کہ پنجرہ کے اندر جانوروں کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ پنجرہ باغ میں رکھا ہوا ہو اور پرند اس کے سوراخوں میں سے اپنی ہمجنس پرندوں اور خوشنما درختوں کو دیکھ رہا ہو اور حالت یہ ہو کہ پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ پنجرہ کے گرد باہر کی جانب مزہ سے آزادی کی حکایتیں بیان کر رہے ہوں۔ ایسی حالت میں وہ جانور اس سبزہ زار کو دیکھ کر کھانا پینا چھوڑ دے گا۔ اور آزادی کے لئے بے تاب ہو جائیگا اور بے قرار ہو کر ہر سوراخ سے سر باہر نکالے گا کہ کسی طرح اس قید سے چھوٹ جاؤں اب تم سوچو کہ جب اس جانور کا دل اور اس کی جان یوں باہر ہو تو اگر تم اس پنجرہ کا دروازہ کھولو تو مارے خوشی کے اس کی کیا حالت ہو گی۔ دوسرے یہ کہ جانور مغموم ومحزون ہو اور پنجرہ کے چاروں طرف بلیاں بیٹھی ہوئی ہوں اس کی حالت اس مقدم الذکر جانور کی مثل نہ ہو گی اور اس کو اس رنج وغم کی حالت میں ہرگز رہائی کی آرزو نہ ہو گی بلکہ وہ تو یہ چاہے گا کہ اس فی نفسہ نامرغوب مکان تنگ کی جنس سے اس پنجرہ کے گرد اور سو پنجرہ ہوں پس یہی حالت اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے کہ اہل اللہ کو قید تن سے رہائی پانے کے بعد خوشی ہی خوشی نظر آتی ہے اس لئے وہ موت کے آرزومند ہوتے ہیں اور اہل دنیا کو رنج وغم عقوبت وتکلیف محسوس ہوتی ہے لہذا وہ اس قید خانہ ہی کو غنیمت سمجھتے ہیں۔

شرح شبّیری

بیان اس کا کہ جالینوس کا عشق دنیا پر اس لئے تھا تا کہ وہ اسی عالم میں کام آوے اور اس نے کوئی ہنر ایسا قبول نہ کیا تھا کہ اس بازار میں کام آتا اور عوام سے ممتاز رہتا

از ہوائے این جہان و از مراد	آنچنانکہ گفت جالینوس راد
اس دنیا کی محبت اور مراد میں	جیسا کہ حکیم جالینوس نے کہا

یعنی جیسا کہ جالینوس دانا نے اس جہان کی خواہش اور مراد کی وجہ سے کہا کہ۔

کہ زکون استرے بینم جہان	راضیم کز من بماند بلیم جان
تاکہ خچر کی دبر سے دنیا کو دیکھوں	کہ میں راضی ہوں اگر آدھی جان (بھی) رہے

یعنی میں راضی ہوں کہ مجھ سے آدھی جان رہ جاوے کہ میں خچر کی کون سے جہاں کو دیکھوں۔

یعنی وہ کہتا تھا کہ اول تو میں یہ چاہتا ہوں کہ میں مروں ہی نہیں اور اگر مروں تو خیر اسی پر راضی ہوں کہ اس جہان کی طرف ذرا سا سوراخ مثل گول استر کے رہ جاوے کہ میں اس کو دیکھ لیا کروں اور یہ میرے پیش نظر رہے مولانا فرماتے ہیں کہ کہ یہ اس وجہ سے تمنا کرتا تھا کہ

مرغش آیس گشتہ بودست از مطار	گربہ می بیند بگرد خود قطار
اس کا پرند (روح) پرواز سے مایوس ہو گیا ہے	قطار میں اپنے چاروں طرف بلیاں دیکھتا ہے

یعنی وہ اپنے گرد بلیوں کی قطار دیکھ رہا ہے اور اس کا مرغ (روح) اڑنے سے ناامید ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اس کو ترقی اور عروج مراتب عالیہ سے ناامیدی ہو چکی تھی اس لئے وہ تمنا کرتا تھا کہ اس جہان کو دیکھ کر ہی میں دل خوش کر لیا کروں اس لئے کہ وہاں تو عذاب ہی عذاب ہے۔ کیونکہ کوئی عمل ایسا نہیں ہے کہ کام آسکے لہذا اس کی یہ تمنا تھی۔

در عدم نادیدہ او حشر نہان	یا عدم دیدست غیر این جہان
اس نے عدم میں چھپا ہوا حشر نہیں دیکھا ہے	یا اس نے اس جہان کے علاوہ کو معدوم سمجھا ہے

یعنی یا اس نے اس جہان کے علاوہ (سب کو) معدوم سمجھا ہے اور عدم میں اس نے حشر نہاں کو نہیں دیکھا (مصرعہ ثانی میں عدم اضافی یعنی عالم غیب مراد ہے) مطلب یہ کہ یا تو اس تمنا کی وجہ وہ ہے کہ اپنے چاروں طرف

عتاب کو دیکھتا ہے اور یا یہ بات ہے کہ وہ بعد مرنے کے حیات کا اور ثمرات کے حصول کا قائل نہیں ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے بس یہ حیات دنیاوی ہی ہے اس میں جو ل رہے گا وہی ملے گا۔ لہٰذا تمنا کرتا ہے کہ اس میں سے کچھ باقی رہے تا کہ بعد موت بھی اس سے مسرور ہوا کروں بالکل بیکار اور معدوم نہ ہو جاؤں آگے مولانا جالینوس کی اس تمنا کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ وہ جو اس جہان سے نکلنا نہ چاہتا تھا اور اس جہان میں جانا نہ چاہتا تھا اس کی ایسی مثال ہے۔

چون جنین کش میکشد بیرون کرم	می گریزد او سپس سوئے شکم
جیسا کہ پیٹ کا بچہ کہ اس کو کرم (خداوندی) باہر کھینچتا ہے	وہ پیٹ کی جانب پیچھے کو بھاگتا ہے

یعنی جیسے کہ جنین کہ اس کو کرم باہر کھینچتا ہے اور وہ پیٹ کی طرف پیچھے کو بھاگتا ہے۔

لطف رویش سوئے مصدر میکند	او مقر در پشت مادر می کند
مہربانی اس کا رخ نکلنے کی جگہ کی طرف کرتی ہے	وہ ماں کی کمر میں ٹھکانا بناتا ہے

یعنی لطف (حق) اس کا منہ نکلنے کی طرف کرتا ہے اور وہ پشت مادر میں ٹھکانا کرتا ہے (اور سمجھتا ہے کہ)

کہ اگر بیرون نہم زین شہر گام	اے عجب دیگر نہ بینم این مقام
کہ میں اگر اس شہر سے قدم باہر رکھوں گا	ہائے عجب! پھر یہ جگہ نہ دیکھوں گا

یعنی کہ اگر میں اس شہر سے قدم باہر رکھوں گا تو ارے پھر میں اس مقام کو نہ دیکھوں گا (اور کہتا ہے کہ)

یا درے بودے درین شہر وخم	کہ نظارہ کردمے اندر رحم
یا اس گندے شہر میں کھڑکی ہوتی	کہ میں رحم میں سے نظارہ کرتا

یعنی اس شہر وسیع میں کوئی دروازہ ہوتا تا کہ میں رحم کے اندر نظارہ کیا کرتا (اور تمنا کرتا ہے کہ)

یا چو چشم سوزنے را ہم بدے	کہ ز بیرون رحم دیدہ شدے
یا سوئی کے ناکے کی برابر میرے راستہ ہوتا	کہ رحم کے باہر کی چیز دیکھ لی جاتی

یعنی یا سوئی کے ناکہ کی برابر مجھے راستہ ہوتا کہ رحم کے باہر سے دیکھا جاتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو جنین کو جب حق تعالیٰ رحم سے باہر نکالنا چاہتے ہیں تو وہ نکلتا نہیں ہے بلکہ اسی میں رہنا چاہتا ہے اور جب نکلنے ہی لگتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ افسوس ایسا شہر خوش پھر کہاں دیکھنے کو ملے گا۔ پس کوئی تدبیر ہوتی کہ میں اس کے اندر دیکھ لیا کرتا خواہ کوئی ذرا سا سوراخ ہوتا کہ اس کے اندر سے جھانک لیا کرتا لیکن ہر عاقل اس جنین کی اس حرکت کو اور اس کی عقل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسی طرح جالینوس یا جو اس کے مثل ہو جب دنیا میں رہنا چاہتا ہے اور آخرت میں جانے سے گھبراتا ہے اہل عقل اور اولیاء کے نزدیک وہ بھی ایسا ہی قابل نفرت اور لائق مضحکہ ہے۔ آگے اس جنین کی اس تمنا کی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

این جنین ہم غافلست از عالمے	ہمچو جالینوس او . نامحرمے
وہ بھی دنیا سے اسی طرح غافل ہے	وہ جالینوس کی طرف ناواقف ہے

یعنی یہ جنین بھی ایک عالم سے غافل ہے اور مثل جالینوس کے وہ نامحرم ہے یعنی جس طرح کہ جالینوس عالم غیب سے غافل ہوکر اس عالم دنیا میں رہنے کی تمنا کرتا تھا اسی طرح وہ بچہ بھی اس عالم دنیا سے غافل ہو کر رحم میں رہنے کی تمنا کرتا ہے۔

او نداند کو رطوباتے کہ ہست	آن مدد از عالم بیرونی است
وہ نہیں سمجھتا کہ وہ رطوبتیں جو ہیں	وہ بیرونی دنیا کی مدد سے ہیں

یعنی وہ نہیں جانتا کہ جو رطوبتیں ہیں وہ عالم بیرونی ہی سے مدد ہے یعنی جن چیزوں پر رحم کی کہ یہ عاشق ہو رہا ہے اور ان کو اپنا مایہ حیات سمجھے ہوئے ہے اسے یہ خبر نہیں کہ یہ اس عالم دنیا ہی سے مدد پہنچ کر پیدا ہوتی ہے اور اگر اس عالم میں آ گیا تو اس سے لاکھوں درجہ اچھی غذائیں اس کو ملیں گی۔

آنچناں کہ چار عنصر در جہان	صد مدد دارد ز شہر لامکان
جس طرح سے دنیا میں چاروں عنصر	لامکان کے شہر سے سینکڑوں مددیں پاتے ہیں

یعنی جیسا کہ چار عنصر جہان میں کہ شہر لامکان سے سو مدد رکھتے ہیں۔

آب و دانہ در قفس گر یافتہ است	آن زباغ و عرصۂ در یافتہ است
اگر پنجرے میں پانی اور دانہ موجود ہے	وہ باغ اور میدان سے روکا ہوا ہے

یعنی قفس میں اگر آب و دانہ پالیا ہے تو وہ باغ اور میدان سے پایا ہے مطلب یہ کہ دنیا میں جو چار عناصر ہیں ان کو عالم غیب سے مدد پہنچ رہی ہے اس لئے یہ خوشنما معلوم ہوتے ہیں ورنہ اگر اس طرف سے مدد نہ ہو تو سب غارت ہو جاویں تو اس سے قیاس کرو کہ اس جہان میں کیسی کچھ خوبیاں اور خوشنمائیاں ہوں گی۔ لیکن جس طرح کہ جنین کو ان خوبیوں کی خبر نہیں ہے اسی طرح اس شخص کو جو دنیا میں منہمک ہے اس عالم کی خبر نہیں ہے تو وہاں جاتا ہوا گھبراتا ہے۔

جانہائے انبیا بینند باغ	زین قفس در وقت نقلان و فراغ
انبیاء کی جانیں باغ کو دیکھتی ہیں	اس پنجرے سے، منتقل اور فارغ ہونے کے وقت

یعنی انبیاء علیہم السلام کی ارواح اس قفس (دنیا) میں سے منتقل اور فارغ ہونے کے وقت باغ دیکھتے ہیں۔

پس ز جالینوس و عالم فارغ اند	ہمچو ماہ اندر فلکہا بازغ اند
اس لئے وہ جالینوس اور دنیا سے بے نیاز ہیں	وہ چاند کی طرح آسمانوں پر روشن ہیں

یعنی پس وہ حضرات جالینوس اور عالم سے فارغ ہیں اور چاند کی طرح افلاک میں بازغ ہیں۔

(جالینوس سے فارغ ہونا ایک مشرب سے فارغ ہونا) مطلب یہ کہ چونکہ ان حضرات انبیاء واولیاء کی ارواح کو اس دنیا سے وہ عالم نظر آتا ہے جیسے کہ وہ جانور قفس میں سے باغ کو دیکھ رہا تھا تو یہ حضرات اس عالم میں جانے کی آرزو کرتے ہیں اور جالینوس کی طرح اس عالم میں رہنے کے متمنی نہیں ہوتے اس لئے کہ یہ تو ان کے نزدیک قفس ہے پھر اس میں ان کا دل کس طرح رہنے کو چاہے گا۔ حاصل یہ کہ جس کو اس عالم میں جانے سے امید بہودی اور فلاح کی ہوگی وہ تو اس عالم کو قفس سمجھ کر یہاں سے نکلنا چاہے گا اور جو اس کو ملجا و ماوا جانے گا وہ اسی میں لگا رہے گا اب چونکہ مولانا نے جالینوس کی یہ حکایت صرف سنی ہے کوئی یقینی نہیں ہے لہذا آگے احتیاط کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ۔

درز جالینوس این گفت افتریست	پس جوابم بہر جالینوس نیست
اگر یہ بات جالینوس پر بہتان ہے	تو میرا جواب جالینوس کے لئے نہیں ہے

یعنی اور اگر جالینوس سے یہ قول افتراء ہے تو میرا جواب جالینوس کو نہیں ہے۔ یعنی اگر کسی نے جالینوس کی طرف اس قول کو غلط منسوب کر دیا ہے تو پھر میرا روئے سخن اس کی طرف نہ ہوگا (بلکہ)

این جواب آنکس آمد کاین بگفت	کہ نبودستش دلے با نور جفت
(پھر) یہ اس کے لیے جواب ہے جس نے یہ کہا ہے	کیونکہ اس کا دل نور کا ساتھی نہیں ہے

یعنی یہ اس شخص کا جواب ہوگا جس نے کہ یہ کہا کہ اس کا دل نور کیساتھ قرین نہ تھا یعنی ہم یہ کہیں گے کہ اس کو نور قلب حاصل ہی نہ تھا لہذا ہم اسی شخص کو خطاب کریں گے اور کہیں گے کہ۔

مرغ جانش موش شد سوراخ جو	چون شنید از گربگان او عرجوا
اس کی جان کا پرند سوراخ ڈھونڈنے والا چوہا بن گیا	جب اس نے بلیوں سے "گھیرلو" سنا

یعنی مرغ جان اس کا موش ہو گیا ہے سوراخ کا ڈھونڈنے والا تو جب اس نے بلیوں سے غرغر سنا (عرجوا۔ تعبیر ہے بلی کی آواز کی جس کو اردو میں غرغر کہتے ہیں) مطلب یہ کہ جس کا یہ قول ہے اس نے مرغ جان نے جب وہاں کے عذاب دیکھے تو چوہے کی طرح دبک رہا۔

زان سبب جانش وطن دید و قرار	اندرین سوراخ دنیا موش دار
اسی لئے اس کی جان نے وطن اور ٹھکانا دیکھا	چوہے کی طرح اس دنیا کے سوراخ میں

یعنی اسی سبب سے اس کی جان نے وطن اور قرار چوہے کی طرح اس سوراخ دنیا ہی میں دیکھا۔

ہم درین سوراخ بنائے گرفت	در خور سوراخ دانائے گرفت
اسی سوراخ میں اس نے تعمیر سازی کی	سوراخ کے مناسب عقل اختیار کی

یعنی اسی سوراخ میں معماری اختیار کی اور سوراخ ہی کے لائق دانائی اختیار کر لی۔

پیشہائے کہ مراو را در مزید	اندرین سوراخ کار آید گزید
وہ پیشے جو اس کے لئے اضافے میں	اس سوراخ میں کام آئیں اس نے اختیار کئے

یعنی وہ پیشے کہ اس کو زندگی بسر کرنے میں اس سوراخ میں کام آویں قبول کر لئے۔ مطلب یہ کہ چونکہ اس قائل کا مرغ جان موش کی طرح ہو گیا ہے لہذا اس سوراخ دنیا میں اس نے بود و باش اختیار کر لی ہے اسی کے لائق اس کو عقل ہے اسی کے مناسب اس نے گھر بنایا اور ایسے ہی پیشے اختیار کئے کہ جن سے اس دنیا میں راحت مل سکے اور یہ سب اس لئے ہے کہ۔

زانکہ دل بر کند از بیرون شدن	بستہ شد راہ رہیدن از بدن
کیونکہ اس نے باہر نکلنے سے دل پھیر لیا	(اور) بدن سے نجات کا راستہ بند ہو گیا ہے

یعنی اس لئے کہ اس نے باہر جانے سے دل اکھاڑ لیا ہے اور بدن سے چھوٹنے کی راہ بند ہو گئی ہے۔ یعنی مدارج عالیہ پر پہنچنے کی اب صلاحیت نہیں رہی ہے۔ سارے در بند ہو گئے اور اس نے سمجھ لیا ہے کہ بس یہیں رہنا ہے لہذا اس کو ماوا و ملجا بنا لیا ہے آگے پست ہمتی کی وجہ سے ذلیل اشیاء کو اختیار کرنے کی نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

عنکبوت از طبع عنقا داشتی	از لعابے خیمہ کے افراشتی
مکڑی اگر عنقا کا مزاج رکھتی	لعاب سے خیمہ کب بلند کرتی ؟

یعنی مکڑی اگر طبیعت عنقا کی رکھتی تو ایک لعاب سے خیمہ کیوں بلند کرتی۔ یعنی لعاب جیسی کمزور شے سے گھر کیوں بناتی اس کا ایسے کمزور مقام کو اختیار کرنا صاف اس کی پست ہمتی کی دلیل ہے۔ اسی طرح دنیادار کی چونکہ ہمت پست ہے اور عالی مراتب سے مایوس ہو چکا ہے لہذا وہ اس ذلیل وخوار دنیا کا غلام بنا ہوا ہے اوپر جو کہا تھا کہ اس قائل کا مرغ جان مثل موش کے ہو گیا ہے اور اس کے چاروں طرف بلب جان غرار ہی ہیں۔ آگے پھر اسی مضمون کی طرف رجوع ہے کہ۔

گربہ کردہ چنگ خود اندر قفس	نام چنگش صرع و سرسام و مغص
بلی نے اپنا پنجرے میں ڈال دیا	اس کے پنجہ کا نام مرگی سرسام اور پیچش ہے

یعنی بلی اپنا پنجہ قفس میں ڈالے ہوئے ہے اور اس کے پنجہ کا نام درد سر اور سرسام اور پیچش ہے۔

حصبۂ و قولنج و مالیخولیا	سکتۂ وسل و جذام و ماشرا
چیچکؔ اور قولنج اور مالیخولیا	سکتۂ اور سدۂ اور کوڑھ اور منہ کا ورم ہے

یعنی چیچک ہے اور قولنج اور مالیخولیا ہے۔ سکتہ اور سل اور جذام اور ماشرا ہے۔ (ماشرا ایک ورم ہوتا ہے جو کہ صفرا کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے)

گربہ مرگست و مرض چنگال او	می زند بر مرغ و پر و بال او
موت بلی ہے اور مرض اس کا پنجہ ہے	جو وہ پرند اور اس کے بال و پر پر چلاتی ہے

یعنی بلی تو موت ہے اور مرض اس کے پنجے ہیں وہ مرغ (جان) اوراس کے پر و بال پر مارتی ہے۔

گوشہ گوشہ می دود سوئے دوا	مرگ چون قاضی ور بخوری گوا
وہ دوا کی جانب ادھر ادھر دوڑتا ہے	موت قاضی کی طرح ہے اور مرض گواہ ہے

یعنی وہ (مرغ جان) علاج کے لئے کونہ کونہ دوڑتا ہے موت تو قاضی کی طرح ہے اور مرض گواہ ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ جس جانور کے پنجرہ کے چار طرف بلیاں ہوں اور وہ پنجے مارتی ہوں تو وہ جانور بھاگتا پھرتا ہے اسی طرح موت جو بلی کی طرح ہے وہ مرض کو تم پر مسلط کرتی ہے جو کہ اس بلی کے پنجہ کی طرح ہے تو جب مرض آتا ہے تو دنیادار علاج کے لئے بھاگے پھرتے ہیں مگر موت اور مرض کی ایسی مثال ہے کہ جیسے قاضی اوراس کا پیادہ ہوتا ہے کہ جب قاضی نے پیادہ کو بھیجا تو وہ تم کو پکڑ کر لے ہی جاوے گا اگر تم نے اس سے کہا سنا اور آج چھوڑ بھی دیا تو کل کو ضرور پکڑ کر لے جاوے گا۔ اسی طرح اگر مرض سے آج بچ گئے اور قاضی موت صاحب کی خدمت میں آج حاضر نہ ہوئے تو اس کے بعد وہ پکڑ کر لے جاوے گا اور تم کو چھوڑنے والا نہیں ہے۔ تو جب اس سے مفر نہیں ہے تو بہتر ہے کہ قبل اس کے کہ پکڑ کر جاؤ خود ہی حاضر ہو جاؤ اور معذرت کر لو آگے خود اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

چون پیادہ قاضی آمد این گواہ	کہ ہمی خواند ترا تا حکم گاہ
یہ گواہ قاضی کے پیادے کی طرح آیا ہے	کہ وہ تجھے عدالت میں بلاتا ہے

یعنی یہ گواہ مثل پیادہ قاضی کے ہے کہ وہ تم کو عدالت تک بلاتا ہے یعنی یہ گواہ موت یعنی مرض صرف گواہ ہی نہیں ہے بلکہ سپاہی بھی ہے یہ ضرور تم کو پکڑ لے جاوے گا۔

مہلتے خواہی تو ازوے در گریز	گر پذیرد شد وگرنہ گفت خیز
تو بھاگ کے لئے اس سے مہلت مانگتا ہے	اگر اس نے مان لیا تو وہ مہلت ملی ورنہ وہ کہے گا اٹھ جا

یعنی تم اس سے بھاگنے کے لئے مہلت چاہتے ہو اگر قبول کر لیا تو چلا گیا ورنہ اس نے کہا کہ اٹھ یعنی تم اس سپاہی سے مہلت مانگتے ہو تو اگر اس نے مہلت کو قبول کر لیا تو خیر چھوڑ گیا ورنہ پھر اس نے کہا کہ اٹھو اور یہ کہہ کر لے کر روانہ ہو گیا۔

جستن مہلت دواو چارہا	کہ زنی بر خرقۂ تن پارہا
مہلت طلب کرنا دوا اور تدبیریں ہیں	تاکہ تو جسم کے چیتھڑوں کو پیوند لگا لے

یعنی مہلت کا تلاش کرنا دوا اور علاج ہیں کہ تم خرقہ تن پر پیوند لگا رہے ہو۔ یعنی تم جو علاج کرتے ہو یہ بجائے اس کے ہے کہ جیسے سپاہی سے مہلت مانگی تو خیر کبھی مہلت دیدیتا ہے مگر۔

عاقبت آید صباحے خشم وار	چند باشد مہلت آخر شرم دار
بالآخر وہ کسی صبح کو غضبناک ہو کر آتا ہے	آخر مہلت کتنی ہو گی شرم کر

یعنی آخر کار ایک صبح کو دشمن کی طرح آتا ہے (اور کہتا ہے کہ) آخر مہلت کہاں تک ہو گی شرم کر یعنی وہ مہلت نہیں دیتا اور تم جو مہلت مانگتے ہو یعنی علاجات کرتے ہو تو وہ کہتا ہے کہ ارے اب کب تک مہلت دیں کچھ شرم کر کہ کتنی مرتبہ مہلتیں لے چکا ہے بس اب تو چل۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عذر خود از شہ بخواہ اے پر حسد	پیش ازانکہ آنچناں روزے رسد
اے حاسد! بادشاہ سے عذر خواہی کر لے	اس سے قبل کہ ایسا دن آئے

یعنی اے پر حسد بادشاہ سے اپنا عذر اس سے پہلے چاہ لے کہ ایسا دن پہنچے یعنی اس سے پہلے کہ تیری یہ گت بنے اور تجھے کشاں کشاں عدالت میں لے جاویں تو خود عذر خواہی کر لے کہ معاف ہو جاوے گا۔ اور پھر ساری بلائیں دور ہو جائیں گی۔

وانکہ در ظلمت براند بارگی	بر کند زان نور دل یکبارگی
اور جو اندھیرے میں گھوڑا دوڑاتا ہے	اس نور سے یک لخت دل کو ہٹاتا ہے

یعنی اور جو شخص کہ گھوڑے کو ظلمت میں چلاتا ہے اور اس نور سے ایک بارگی دل اکھاڑ لیتا ہے یعنی اس کو وہ نور تو میسر نہیں ہوتا اور وہ تو بہ نہیں کرتا بلکہ ہمیشہ ظلمت معصیت ہی میں رہتا ہے نعوذ باللہ منہ۔

میگریزد از گواہ و مقصدش	کان گواسوئے قضا میخواندش
وہ گواہ اور اس کے مقصد سے بھاگتا ہے	کیونکہ وہ گواہ اس کو موت کی طرف بلاتا ہے

یعنی وہ گواہ اور اس کے مقصد سے بھاگتا ہے کہ وہ گواہ اس کو قضا کی طرف بلاتا ہے یعنی چونکہ وہ گواہ اور پیادہ اس کو فیصلہ کرنے کے واسطے بلاتا ہے تو یہ اس سے بھاگتا ہے کیونکہ اس میں اس کی ساری قلعی کھلتی ہے آخر یہ انجام ہوتا ہے کہ۔

ناگہاں گیرند او را خوار و زار	کش کشان تا پیش قاضی شرمسار
اس کو ذلیل اور عاجز (بنا کر) اچانک پکڑیں گے	شرمندگی کی حالت میں اس کو قاضی کے سامنے کھینچ لے جائیں گے

یعنی ناگاہ اس کو خوار و زار کر کے پکڑ لیتے ہیں کھینچتے ہوئے قاضی کے سامنے شرمسار یعنی جب کہ خود اپنی خوشی سے نہیں جاتا تو آخر کشاں کشاں لے جاتے ہیں اور قاضی یعنی موت کے پاس لے جا کھڑا کرتے ہیں اس وقت سخت شرمندگی ہوتی ہے اس لئے کہ آج تک بھاگتا ہی پھرتا تھا اب مولانا اس سے انتقال فرما کر اس مہمان کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

زین گزر کن جانب آنشخص ران	کو بمسجد آمد آن شب میہمان
اس کو چھوڑ اس شخص کی جانب چل	جو اس رات کو مسجد میں مہمان بن کر آیا

یعنی اس سے گزر کر اس شخص کی طرف چلو جو کہ اس رات کو مسجد میں مہمان آیا ہے۔ (اب آگے اسی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ)

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔اس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ حکیم جالینوس نے اس جہان کی محبت اور اس کے مقصود ہونے کی سبب کہا تھا کہ میں اس پر بھی راضی ہوں کہ میری ذراسی ہی جان اس میں رہ جاوے یا یہ کہ ایک چھوٹا سا سوراخ میرے لئے ہو جس سے کہ میں مرنے کے بعد اس عالم کو دیکھ سکوں۔ بات کیا تھی جو وہ یہ کہتا تھا وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے گرد بلیوں کی قطار دیکھ رہا تھا یعنی عذاب الٰہی اس کے پیش نظر تھا اور اس کی روح جو ایک پرندہ کی شکل تھی اڑنے اور اس عذاب سے نجات پانے سے ناامید ہو چکی تھی یا یہ وجہ تھی کہ اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم کو بالکل معدوم سمجھتا تھا اور عدم میں اس کو مخفی حشر نظر نہ آتا تھا لہٰذا اس کی ایسی حالت تھی جیسے کہ جنین کہ کرم حق اس کو قید خانہ سے چھوڑ کر ایک وسیع عالم میں لانا چاہتا ہے مگر وہ اس کو معدوم سمجھ کر پیچھے کی جانب شکم کی طرف بھاگتا ہے عنایت حق اس کو باہر لانا چاہتی ہے اور وہ پشت مادر ہی کو اپنا مستقر بنانا چاہتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر اس شہر سے باہر میں نے قدم رکھا تو پھر مجھے یہ دلکش مقام دوبارہ نظر نہیں آئے گا۔ پس یا تو میں اس شہر سے نکلوں نہیں اور اگر مجبوراً نکلنا ہو تو اس شہر میں کوئی دروازہ ہونا چاہئے جس سے کہ میں اس رحم کو دیکھ کر جی خوش کر لیا کروں اور اگر دروازہ بھی نہ ہو تو سوئی کے ناکہ ہی کی برابر کوئی راستہ ہو جس سے میں باہر سے رحم کو دیکھ سکوں۔ پس یہ نامحرم جنین بھی یوں ہی عالم دنیا سے ناواقف ہے جس طرح کہ جالینوس عالم آخرت سے وہ نہیں جانتا کہ یہ رطوبات رحم جو اس کے لئے مایۂ حیات ہیں یہ بھی عالم بیرونی ہی سے حاصل ہوئی ہیں جس کا وہ منکر ہے یا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے جس طرح عالم دنیا میں چاروں عنصروں کو شہر لامکان و عالم غیب سے جس کا جالینوس منکر تھا یا جس کو وہ ناپسند کرتا تھا سینکڑوں امدادیں پہنچتی ہیں آب ودانہ جو اس جالینوس کو اس عالم میں ملتا ہے یہ اسی باغ و میدان غیب سے ظہور پذیر ہوا ہے پس رحم میں جنین کو یا دنیا میں جالینوس کو جو حیات حاصل ہے یہ انہیں عالموں کا صدقہ ہے جن کے وہ منکر یا کارہ ہیں۔ اگر وہ معدوم ہوتے جیسا کہ ان کا خیال ہے تو خود یہ بھی نہ ہوتے۔ ارواح انبیاء چونکہ اس باغ اور اس طمانینت کا جو کہ ان کو وہاں حاصل ہوگی اس پنجرہ کو چھوڑنے اور اس سے انتقال کے وقت مشاہدہ کرتے ہیں اس لئے وہ نہ جالینوس کی پرواہ کرتے ہیں اور نہ اس عالم کی بلکہ چاند کی طرح عالم بالا پر چمکتے ہیں یہ گفتگو تو اس وقت ہے جبکہ واقع میں جالینوس نے ایسا کہا ہو جیسا کہ اس کی طرف منسوب ہے اور اگر یہ قول اس پر افترا ہے تو میرا جواب جالینوس کو نہیں ہے بلکہ اس کو ہے جس نے ایسا کہا کیونکہ اس کا دل نور معرفت سے منور نہیں ہے اور اس کی جان کا پرندہ ایک چوہا ہے جو کہ بلی کی آواز سن کر سوراخ ڈھونڈتا ہے اور اسی سبب سے اس کی جان نے چوہے کی طرح اس دنیا کو جو سوراخ کی طرح تنگ ہے وطن اور مستقر بنا رکھا ہے اسی لئے وہ اس سوراخ میں عمارتیں بناتا ہے اور اسی کے موافق دانائی حاصل کرتا ہے اور اس لئے اس نے ان کاموں کو اختیار کیا ہے جو اس سوراخ کے اندر ترقی

حاصل کرنے میں کام آئیں کہ وہ سمجھ بیٹھا ہے کہ مجھے اس سوراخ سے باہر جانا نہیں ہے اور بدن سے جدائی کے ذرائع مسدود ہیں کیونکہ اگر وہ ایسا نہ سمجھتا اور عالم غیب کو اپنا وطن اصلی سمجھتا تو یہ سامان نہ کرتا۔ اور مکڑی یعنی اہل دنیا میں اگر عنقا اہل اللہ کی خاصیت ہوتی ہے تو وہ کبھی لعاب یعنی ناپائیدار اور کمزور اشیاء سے خیمہ نہ بناتے۔ کیونکہ بلی پنجرہ میں اپنے پنجے ڈال رہی ہے اور اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے پنجہ سے کیا مراد ہے۔ مرگی سرسام مروڑا، چیچک، قولنج، مالیخولیا، سکتہ، سدہ، جذام، ماشرا وغیرہ خلاصہ یہ کہ بلی موت ہے اور امراض اس کے پنجے جس کو وہ اس کے پر و بازو پر مارتی ہے اور اس کو پکڑنے کی کوشش کرتی ہے اور یہ کونہ کونہ دوا کے لئے دوڑتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے یا یوں کہو کہ مرض ایک قاضی ہے اور امراض گواہ۔ اور یہ گواہ قاضی کے سپاہی کا کام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ چلو قاضی صاحب تم کو اپنے اجلاس میں طلب کرتے ہیں اب تم جان چراتے ہو اور مہلت مانگتے ہو اگر اس نے مہلت دیدی تو وہ چل دیا۔ اور اگر مہلت نہ دی تو کہتا ہے کہ نہیں تم کو ابھی حاضر ہونا پڑے گا۔ اور زبردستی پکڑ لے جاتا ہے مہلت مانگنے سے کیا مطلب ہے۔ دوائیں تلاش کرنا اور خرقہ تن میں پیوند لگانے کی کوشش کرنا پس جبکہ تم پے در پے مہلتیں مانگتے ہو تو ایک روز وہ مخاصمانہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلے مانس تجھے شرم نہیں آتی آخر مہلت کی کوئی حد بھی ہے اب مہلت نہیں دی جاسکتی۔ میرے ساتھ چلو اور پکڑ کر لے جاتا ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے کمبخت قبل اس کے کہ ایسا دن آئے کہ تجھے جان چرانی پڑے اور بالآخر تجھے مجبوراً حاضر ہونا پڑے۔ حق سبحانہ سے معذرت کر کے اپنا قصور معاف کرائے اور اس کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور مہتدی ہو جا کیونکہ جو شخص نور ہدایت حاصل کر لیتا ہے اس کو قاضی موت سے کچھ خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ جان چراتا ہے بلکہ بلانے کے ساتھ ہی اس کے ساتھ ہو لیتا ہے اور جو شخص ظلمت ضلالت ہی میں گھوڑا چلاتا ہے اور ہدایت سے بالکل قطع تعلق کر لیتا ہے وہ اس سپاہی اور اس کے ارادہ سے بھاگتا ہے جو کہ اس کو محکمہ قاضی میں لے جانا چاہتا ہے مگر وہ اس سے بچ نہیں سکتا بلکہ اس کو نہایت ذلت کے ساتھ کھینچتے ہوئے قاضی کے پاس لے جاتے ہیں اور وہ وہاں نہایت شرمندگی کے ساتھ جاتا ہے۔ اچھا اب اس قصہ کو تو چھوڑ دو اور اس شخص کی طرف رخ کرو جو مسجد میں مہمان ہو کر آیا تھا۔

شرح شبّیری

اہل مسجد کا مہمان کو ملامت کرنا تا کہ اس مسجد میں نہ سووے

قوم گفتندش مکن جلدی برو	تا نگردد جامۂ و جانت گرو
لوگوں نے اس سے کہا بہادری نہ دکھا، چلا جا	تا کہ تیری جان اور کپڑے گروی نہ ہو جائیں

یعنی لوگ کہتے کہ جلدی مت کر جا۔ تا کہ تیری جان اور کپڑے گرو نہ ہو جاویں یعنی کہیں تو کہیں کا نہ ہو رہے

اور تیری جان یہیں جاوے تو یہاں سے چلا جا۔

آن زدور آسان نماید بہ نگر	کہ بآخر سخت باشد رہ گزر
وہ دور سے آسان نظر آتا ہے اچھی طرح دیکھ لے	کہ انجام کار راستہ دشوار ہو گا

یعنی وہ دور سے آسان دکھائی دیتا ہے اچھی طرح دیکھ لے۔ کہ آخر میں راستہ سخت ہو جاوے گا یعنی پھر نکلنا نہ ملے گا اور پھنس جاؤ گے لہذا ذرا اچھی طرح سوچ سمجھ لو اور سب نے کہا کہ۔

بس کسا کاویخت خود را از نخست	وقت پیچا پیچ دستاویز جست
بہت سے انسان ہیں جنہوں نے شروع میں اپنے آپ کو لٹکا دیا	پیچیدگی کے وقت سہارا ڈھونڈا

یعنی بہت سے آدمیوں نے کہ اپنے کو پہلے تو لٹکا دیا اور پیچا پیچ کے وقت پناہ ڈھونڈی یعنی اول تو بے سوچے سمجھے پھنس پڑے اور جب ان پر پڑی تو گھبرا کر پناہ گزین ہوتے پھرے۔

پیشتر از واقعہ آسان بود	در دل مردم خیال نیک و بد
واقعہ سے پہلے آسان ہوتا ہے	انسانوں کے دل میں اچھے برے کا خیال

یعنی واقعہ سے پہلے تو آدمی کے دل میں نیک و بد کا خیال آسان ہوتا ہے (مگر)

چون در آید اندرون کار زار	آن زمان گردد بر آنکس کارزار
جب میدان جنگ میں آ جاتا ہے	اس وقت اس شخص پر کام دشوار ہو جاتا ہے

یعنی جب لڑائی میں آتا ہے تو اس وقت اس شخص پر کام خراب ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ کام پڑنے سے پہلے تو انسان اس کو آسان سمجھتا ہے اور اس میں گھس پڑتا ہے لیکن جب موقعہ آ کر پڑتا ہے تو مصیبت پڑتی ہے لہذا اس مسجد میں سو رہنا ابھی تو آسان معلوم ہوتا ہے لیکن جب مصیبت پڑے گی اس وقت حقیقت معلوم ہو گی لہذا ذرا سنبھل کر قدم رکھو تا کہ پھر پچھتانا نہ پڑے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چون نہ شیرے ہین منہ تو پائے پیش	کان اجل گرگ است و جان تست میش
جبکہ تو شیر نہیں ہے خبردار آگے قدم نہ رکھ	کیونکہ موت بھیڑیا ہے اور تیری جان بھیڑ ہے

یعنی جب تو شیر نہیں ہے تو تو قدم آگے مت رکھ کیونکہ وہ اجل تو بھیڑیا ہے اور تیری جان میش ہے مطلب یہ کہ جب تم انسان کامل نہیں ہو اور تمہارے اندر قوت اس قدر نہیں ہے کہ مصائب کو برداشت کر سکو تو پھر قدم آگے مت بڑھاؤ اور بہت موت کی تمنا مت کرو اس لئے کہ وہاں جا کر پھر کمبختی آوے گی۔

ورز ابدالی و میشت شیر شد	ایمن آ کہ مرگ تو سرزیر شد
اگر تو ابدال میں سے ہے اور تیری بھیڑ شیر ہو گئی ہے	مطمئن ہو کر آ' کیونکہ تیری موت سرنگوں ہو گئی ہے

یعنی اور اگر تو ابدال سے ہے اور تیرا میش شیر ہو گیا ہے تو تو بے خوف آ کہ تیرا بھیڑیا مغلوب ہو گیا مطلب یہ کہ اگر تیرے اخلاق ذمیمہ اخلاق حمیدہ سے بدل گئے ہیں اور تو ابدال میں سے ہو گیا ہے تو اب تو بے خوف ہو کر رہ اس لئے کہ تیرا گزند پہنچانے والا جو تھا اب وہ مغلوب ہو گیا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

کیست ابدال آنکہ او مبدل شود	خمرش از تبدیل یزدان خل شود
ابدال کون ہے؟ وہ جو تبدیل ہو جائے	اللہ (تعالیٰ) کے تبدیل کرنے سے اس کی شراب سرکہ ہو جائے

یعنی ابدال کون ہے جو کہ مبدل ہو جاوے اور اس کی خمر حق تعالیٰ کو بدل دینے سے سرکہ ہو جاوے مطلب یہی کہ اس کے اخلاق ذمیمہ مبدل بہ اخلاق حمیدہ ہو جاویں وہی ابدال میں سے ہے"۔

لیک مست شیر گیری وزگمان	شیر پنداری تو خود را ہین مران
لیکن تو نیم مست ہے، اور گمان سے	اپنے آپ کو شیر سمجھتا ہے، خبردار! آگے نہ بڑھ

یعنی لیکن تو نیم مست ہے اور گمان سے اپنے کو شیر سمجھے ہوئے ہے تو ہاں چلا مت۔ مطلب یہ کہ تو صاحب حال ہے صاحب مقام نہیں ہے یہ جوش وخروش غلبۂ حال کی وجہ سے ہے اور غلبۂ حال کی کیفیت معتبر نہیں بلکہ کیفیت وہ معتبر ہے جو کہ صاحب مقام کی ہو لہذا تیرا یہ جوش قابل اعتبار نہیں ہے اور تیرے اندر قوت ابھی پوری نہیں آئی ہے لہذا ذرا سنبھل کے قدم رکھو کہ کہیں قدم پھسل نہ جاوے۔

گفت حق ز اہل نفاق نا سدید	باسہم ماہینہم باس شدید
اللہ (تعالیٰ) نے گمراہ منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے	ان کی بہادری آپس میں سخت بہادری ہے

یعنی منافقین ناموافق کے حق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی لڑائی آپس میں سخت لڑائی ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ہے۔ باسھم بینھم شدید تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی یعنی ان کی آپس کی لڑائی تو بڑی سخت ہے اور آپ ان کو متفق گمان فرماویں گے اور ان کے قلوب پراگندہ ہیں تو دیکھو منافقین میں چونکہ قوت نہ تھی اس لئے وہ ویسے تو بڑے قوی معلوم ہوتے تھے لیکن جب موقعہ پڑتا تھا تو رہ جاتے تھے۔

درمیان ہمدگر مردانہ اند	در غزا چون عورتان خانہ اند
ایک دوسرے کے لئے بہادر ہیں	جہاد میں گھر کی عورتوں کی طرح ہیں

یعنی آپس میں تو مردانہ ہیں اور لڑائی میں گھر کی عورتوں کی طرح ہیں۔

گفت پیغمبر سپہ دار غیوب	لا شجاعۃ یافتی قبل الحروب
غیب کے سپہ سالار پیغمبرؐ نے فرمایا	اے نوجوان! لڑائیوں سے پہلے بہادری کچھ نہیں ہے

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سپہدار غیب نے فرمایا ہے کہ اے جوان لڑائی سے پہلے شجاعۃ نہیں ہے یعنی قبل اس

کے کہ موقعہ پڑے کوئی شجاعت کرے تو وہ قابل اعتبار نہیں ہے اور منافقین کی یہ حالت ہے کہ۔

وقت لاف غزو مستان کف زنند	وقت جوش و جنگ چون کف می فتند
جہاد کی شیخی بگھارتے وقت مستوں کی طرح سینہ ٹھوکتے ہیں	جوش اور جنگ کے وقت جھاگ کی طرح گر پڑتے ہیں

یعنی لڑائی کی شیخی کے وقت مستون کی طرح تالیاں بجاتے ہیں اور جوش و جنگ کے وقت کف کی طرح گر پڑتے ہیں مطلب یہ کہ جب لڑائی کی شیخی کا وقت آتا ہے تب تو خوب جوش وخروش کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے بڑے مرد ہیں اور جب لڑائی کا وقت آتا ہے تو بس جھاگ کی طرح گر پڑتے ہیں گویا سارا ست نکل گیا۔

وقت ذکر غز و شمشیرش دراز	وقت کروفر تیغش چون پیاز
جہاد کے ذکر کے وقت اس کی تلوار دراز ہے	کروفر کے وقت اس کی تلوار پیاز کی طرح ہے

یعنی لڑائی کے ذکر کے وقت تو اس کی شمشیر دراز ہوتی ہے اور خود لڑائی کے وقت اس کی تیغ پیاز کی طرح (تہ شدہ) ہوتی ہے مطلب یہ کہ جب لڑائی کا ذکر ہوتب تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑے بہادر ہیں کہ تلوار نیام سے باہر ہوئی جاتی ہے۔ن موقعہ پر میاں کی تلوار لپٹی کی لپٹی رہ جاتی ہے۔

وقت اندیشہ دل او غزو جو	بس بیک سوزن تہی شد خیک او
خیال کے وقت اس کا دل جنگجو ہے	پھر ایک سوئی سے اس کی مشک خالی ہو گئی

یعنی سوچنے کے وقت تو اس کا دل زخم جو ہے اور بس ایک سوئی سے اس کی مشک خالی ہوگئی یعنی جب لڑائی کے سوچنے کا وقت آوے تب تو بہت زیادہ بہادر معلوم ہوتے ہیں اور خوب خیالات پکاتے ہیں کہ جو کہ خیالات بہادر ہی کے ہوتے ہیں۔لیکن جب موقعہ آتا ہے تو ایک سوئی کے لگنے ہی سے کام تمام ہو جاتا ہے اور ساری مشک خالی ہو جاتی ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

من عجب دارم ز جویائے صفا	کورمد در وقت صیقل از جفا
مجھے صفائی کے (اس) طالب پر تعجب ہے	جو صیقل کے وقت تکلیف سے بھاگ جائے

یعنی میں صفا کے متلاشی سے تعجب کرتا ہوں کہ وہ صیقل کے وقت جفا سے بھاگتا ہے مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جو شخص طالب صفائی قلب ہو اور وہ مجاہدات سے بھاگے۔

عشق چون دعوی جفا دیدن گواہ	چون گواہت نیست شد دعوی تباہ
عشق دعویٰ ہے تکلیف برداشت کرنا گواہ ہے	جب تیرے پاس گواہ نہیں ہے تو دعویٰ برباد ہے

یعنی عشق تو مثل دعوے کے ہے اور جفا دیکھنا گواہ ہے تو جب تمہارے پاس گواہ نہیں ہے تو دعویٰ خراب ہو گیا۔ مطلب یہ کہ عشق تو ایک دعویٰ ہے اور اس پر گواہ تحمل اور صبر علے الشدائد ہے کہ جو مصیبت ہو اور جو بات اس راہ میں پیش

آ دے اس کو برداشت کرے پھر اگر تم صبر نہ کر سکے اور برداشت نہ کر سکے تو سارا دعویٰ وغیرہ ختم ہو گیا۔ اب کچھ بھی نہ رہا۔

چون گواہت خواہد این قاضی مرنج	بوسہ دہ بر مار تا یابی تو گنج
جب یہ قاضی گواہ مانگے تو رنجیدہ نہ ہو	سانپ کو چوم لے، تاکہ تو خزانہ پائے

یعنی یہ قاضی جب تجھے گواہ طلب کرے تو رنجیدہ مت ہو (بلکہ) سانپ کو بوسہ دو تاکہ خزانہ ملے۔ مطلب یہ کہ اگر اس راہ میں مشکلات و مجاہدات پیش آ دیں تو ان کو برداشت کرو اور رنجیدہ مت ہو بلکہ ان کو شوق سے برداشت کرو تاکہ تم کو خزانہ علوم و معارف حاصل ہو آگے تسلی اور ہمت دلانے کے لئے ایک نیا مضمون فرماتے ہیں کہ۔

آن جفا باتو نباشد اے پسر	بلکہ باوصف بدی اندر تو در
اے صاحبزادے! وہ سختی تجھ پر نہیں ہے	بلکہ اس بری صفت پر ہے جو تیرے اندر ہے

یعنی اے صاحبزادے وہ جفا تیری ساتھ نہیں ہے بلکہ (اس) وصف کے ساتھ ہے جو تیرے اندر ہے مطلب یہ کہ مجاہدات اور ریاضات جو تم سے کرائے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے تمہارے اوپر بظاہر مشقت ہوتی ہے تو وہ مشقت تم پر نہیں ہے بلکہ اصل میں وہ محنت اور مشقت تمہارے ان اخلاق سیئہ پر ہے جو کہ تمہارے اندر بھرے پڑے ہیں آگے اس کی مثالیں دیتے ہیں کہ۔

بر نمد چوبے کہ آنرا مرد زد	بر نمد آنرا نہ زد بر گرد زد
اس شخص نے نمدے پر جو لکڑی ماری	وہ نمدے پر نہیں ماری، گرد پر ماری ہے

یعنی نمدہ پر لکڑی جو کہ کسی مرد نے ماری تو وہ نمدہ پر نہیں ماری (بلکہ) گرد پر ماری۔ مطلب یہ کہ دیکھو نمدہ کو جھاڑتے ہیں جو لکڑی اس پر مارتے ہیں تو بظاہر تو وہ لکڑی اس نمدہ پر ماری مگر اصل میں اس گرد پر ماری جو اس کے اندر بھری پڑی ہے تاکہ وہ اس کے اندر سے نکل جاوے اسی طرح یہ مجاہدات و ریاضات شاقہ بظاہر تمہارے اوپر ہیں لیکن اصل میں تمہارے ان اخلاق پر ہیں کہ وہ تمہارے اندر سے نکل جاوے آگے اسی کی دوسری مثال فرماتے ہیں کہ۔

گر بزد مر اسپ را آن کینہ کش	آن نزد بر اسپ زد بر سکسکش
اگر سزا دینے والے نے گھوڑے کو مارا	اس نے گھوڑے کو نہیں مارا اس کی سست رفتاری کو مارا

یعنی گھوڑے کو اس کینہ کش نے مارا تو اس نے گھوڑے پر نہیں مارا (بلکہ) اس کی بدرفتاری پر مارا ہے (اس لئے کہ)

تاز سکسک وارہد خوش پے شود	شیر را زندان کنی تا مے شود
تاکہ وہ سست رفتاری سے نجات پا جائے خوش رفتار ہو جائے	تو شیرہ کو قید کرتا ہے تاکہ شراب بن جائے

یعنی تاکہ وہ بدرفتاری سے چھوٹ جاوے اور خوش قدم ہو جاوے اور شیرہ کو تم قید کرتے ہو تاکہ شراب بن جاوے مطلب یہ کہ تم نے جو گھوڑے کو مارا تو اس لئے تاکہ اس کی چال درست ہو جاوے تو وہ مار اس پر نہ تھی بلکہ

اس کی اس بدرفتاری کی صفت پر تھی دوسرے مصرعہ میں دوسری مثال ہے کہ دیکھو تم شیرۂ انگور کو مٹکوں وغیرہ میں بند کرتے ہوتا کہ وہ پینے کے قابل شراب بن جاوے تو دیکھو اس کو جو بند کیا گیا صرف اس لئے کہ اس کے اندر جو خرابی تھی کہ وہ اس قابل نہ تھی کہ کوئی اس کو منہ لگاوے وہ خرابی جاتی رہی تو اسی طرح انسان مجاہدات وریاضات کر کے اخلاق ذمیمہ کو اپنے اندر سے دور کر دیتا ہے آگے ایک اور مثال ہے کہ۔

آن یکے میزد یتیمے را بقہر	قند بود آن لیک بنمودہ چو زہر
ایک شخص غصہ سے ایک یتیم کو مارتا تھا	وہ شکر تھا لیکن زہر جیسا نظر آتا تھا

یعنی ایک شخص ایک یتیم کو غصہ سے مار رہا تھا تو (وہ مارنا) قند تھا (یعنی مفید تھا) لیکن بظاہر زہر معلوم ہوتا تھا۔

دید مردے آن چنانش زار زار	آمد و بگرفت زودش در کنار
ایک شخص نے اس کو ایسا زار زار (روتا) دیکھا	کہ وہ آیا اور فوراً اس کو بغل میں لے لیا

یعنی ایک شخص نے اس کو اس طرح زار زار دیکھا وہ آیا اور اس کو جلدی سے بغل میں لے لیا۔

گفت چندان آن یتیمک رازدی	چون نہ ترسیدی ز قہر ایزدی
اس نے کہا تونے اس یتیم بچے کو اتنا مارا	تو خدا کے قہر سے کیوں نہ ڈرا؟

یعنی کہا کہ تونے اتنا اس ذرا سے یتیم کو مارا تو قہر حق تعالیٰ سے کیوں نہ ڈرا (تو اس ضارب نے سن کر یہ جواب دیا کہ)

گفت اورا کے زدم اے جان دوست	من بران دیوے زدم کو اندر دوست
اس نے کہا اے پیارے! میں نے اس کو کب مارا ہے؟	میں نے اس شیطان کو مارا ہے جو اس کے اندر ہے

یعنی اس نے اس کو کہا کہ اے جان دوست میں نے اس کو کب مارا میں نے تو اس دیو کو مارا ہے جو اس کے اندر ہے۔ یعنی اس نے کہا کہ اس کے اندر جو شیطان گھسا ہوا ہے میں تو اس کو مار رہا ہوں اس یتیم کو مار ہی کب رہا ہوں آگے اور مثال ہے کہ۔

مادرار گوید ترا مرگ تو باد	مرگ آن خو خواہد و مرگ فساد
اگر تجھے ماں کہے خدا کرے تو مرے	تو وہ عادت کی موت اور فساد کی موت چاہتی ہے

یعنی ماں اگر (بچہ کو) کہے کہ تیری موت آوے تو اس خصلت کی موت چاہتی ہے اور مرگ فساد کی یعنی وہ مرنے کو کہتی ہے تو اس مرنے سے اس خصلت بد کا زوال مراد ہوتا ہے تو جب یہ جفائیں اور یہ بلائیں خود انسان پر ہیں ہی نہیں بلکہ اس کے اخلاق سیہ پر ہیں تو پھر وہ ان سے کیوں گھبراتا ہے اوپر کہا تھا کہ من عجب دارم ز جویائے جفا الخ آگے پھر اسی کی طرف رجوع ہے کہ۔

آب مردی و آب مردان ریختند	آن گروہے کز ادب بگریختند
انہوں نے انسانیت اور انسانوں کی آبروز ریزی کی	وہ لوگ جو ادب (حاصل کرنے) سے بھاگے

یعنی وہ گروہ کہ جو ادب سے بھاگے تو مردی کی اور مردوں کی آبرو انہوں نے گرائی مطلب یہ کہ جو لوگ کہ مجاہدات اور ریاضات سے بھاگے تو آخر کار ایسے لوگوں نے مردانگی اور مردوں کی آبرو کھوئی ہے۔

تا چنین حیز و مخنث ماندند	عاذلان شان از دغا وا راندند
یہاں تک کہ وہ ایسے نامرد اور مخنث رہ گئے	ملامت کرنے والو نے انہیں جنگ سے باز رکھا

یعنی ناصحین نے ان کو دغا سے باز رکھا یہاں تک وہ ایسے حیز اور مخنث رہ گئے مطلب یہ کہ لوگوں نے ان کو سمجھایا مجاہدات و ریاضات سے ڈرایا تو یہ ان کے کہنے میں آ گئے۔ اور مجاہدات و ریاضات سے باز رہے اور نفس و شیطان کا مقابلہ نہ کیا تو آخر نامرد رہ گئے اور انسان کامل اور مرد نہ ہو سکے آگے مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

باچنیہا در صف ہیجا مرو	لاف و غرہ ژاژ خارا کم شنو
ایسے لوگوں کے ساتھ جنگ کی صف میں نہ جا	بکواس کرنے والے کی شیخی اور گھمنڈ کو نہ سن

یعنی بیہودہ گو کی شیخی اور غرہ کو مت سن اور نامردیوں کے ساتھ لڑائی کی صف میں مت جا چنیہا سے مراد اہل چنیہا) مطلب یہ کہ جو لوگ کہ تم کو مجاہدات و ریاضات سے باز رکھتے ہیں اور ڈراتے ہیں ان کی باتیں ہرگز مت سنو کہ یہ تو ہمیشہ تم کو خرابی میں ڈالیں گے اور ان نامردوں کے ساتھ نفس و شیطان کے مقابلہ میں مت جاؤ اس لئے کہ اگر ان کے ہمراہ ہو گے اور یہ بھاگیں گے تو تمہاری بھی ہمت ٹوٹ جاوے گی۔ آگے اس کی ایک دلیل قرآن شریف سے لاتے ہیں کہ۔

کز رفاق ست بر گردان ورق	زانکہ زادو کم خبالا گفت حق
تاکہ تو ست ساتھیوں سے ورق پلٹ دے	کیونکہ اللہ (تعالیٰ) نے "وہ تم میں زیادہ خرابیاں ڈالتے ہیں" فرمایا ہے

یعنی اس لئے کہ حق تعالیٰ نے مازادو کم الا خبالا (نہ زیادہ کریں گے تم کو مگر خرابی) فرمایا ہے (جس کا حاصل یہ ہے کہ) رفیق ست سے ورق لوٹ دے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے منافقین کی بابت فرمایا ہے کہ اگر وہ جنگ میں تمہارے ہمراہ ہوں گے تو چونکہ وہ خود نامرد ہیں تم کو کم ہمت کر دیں گے۔ اور اپنے ساتھ تم کو بھی لے بھاگیں گے لہذا ان کی ہمراہ مت رہو۔ اسی طرح اگر تم ان نامردوں کے ساتھ رہو گے تو یہ تم کو نفس و شیطان کے مقابلہ سے باز رکھیں گے اور نفس و شیطان تم پر غالب آ جاویں گے۔ لہذا ایسے لوگوں سے الگ رہنا ہی بہتر ہے۔

غازیان بے مغز ہمچون کہ شوند	کہ گر ایشان با شما ہمراہ شوند
غازی تنکے کی طرح بیکار ہو جائیں گے	کیونکہ وہ اگر تمہارے ساتھ ہوں گے

یعنی کہ اگر وہ لوگ تمہارے ہمراہ ہوں گے تو غازی لوگ گھاس کی طرح بے مغز ہو جاویں گے یعنی جو کام

کرنے والے ہیں ان کے ساتھ مل کر وہ بھی بیکار ہو جاویں گے۔

خویشتن را باشما ہم صف کنند	پس گریزند و دل صف بشکنند
وہ اپنے آپ کو تمہارے ساتھ ہم صف کریں گے	پھر بھاگیں گے اور صف کا دل توڑ دیں گے

یعنی اپنے کو تمہارے ساتھ ہم صف کرتے ہیں پھر بھاگ جاتے ہیں اور صف کا دل توڑ دیتے ہیں (اس طرح جو لوگ خود کم ہمت ہیں وہ تمہارے ساتھ ملیں گے اور مل کر تم کو بھی خراب کریں گے)

پس سپاہی اند کے بے این نفر	بہ کہ باہل نفاق آید حشر
تو تھوڑے سپاہی اس جماعت کے بغیر	بہتر ہیں بہ نسبت اس کے منافقوں کے ساتھ اجتماع ہو

یعنی بس تھوڑے سے سپاہی بدوں اس جماعت کے بہتر ہیں کہ اہل نفاق ساتھ ایک جمگھٹ آوے یعنی منافقین کے ساتھ مل کر جماعت کثیر ہو جانے سے بہتر ہے کہ تھوڑے ہوں مگر ہوں سارے باہمت اور مسلمان۔

ہست بادام کم خوش بیختہ	بہ کہ بسیاری بتلخ آمیختہ
خوش (ذائقہ) تھوڑے بادام چھنے ہوئے	بہت سے کڑوے ملے ہوؤں سے بہتر ہیں

یعنی اچھے بادام کم بہتر ہیں زیادہ ہونے سے جو تلخی کے ساتھ ملے ہوئے ہوں یعنی وہ بادام جو کہ زیادہ ہوں اور ہوں تلخ برے ہیں اور جو شیریں ہوں اور ہوں تھوڑے وہ بہتر ہیں اسی طرح جو لوگ کم ہمت ہوں اور ہوں بہت زیادہ وہ برے اور جو باہمت ہوں اور ہوں تھوڑے سے وہ اچھے ہیں کہ وہی کچھ کام کریں گے۔

تلخ وشیریں گر بصورت یک شے اند	نقص ازان افتاد کہ ہمدل نے اند
کڑوا اور میٹھا اگرچہ بظاہر ایک چیز ہیں	خرابی اس وجہ سے واقع ہوئی کہ وہ باطن میں یکساں نہیں ہیں

یعنی تلخ وشیریں اگرچہ صورت میں ایک شے ہیں (لیکن) نقصان اس وجہ سے پڑا ہے کہ ہمدل نہیں ہیں۔

گر ترسان دل بود کو از گمان	می زید در شک ز حال آنجہان
کافر خوفزدہ دل والا ہوتا ہے کیونکہ وہ گمان	میں جی رہا ہے اس جہان کے حال کے شک میں

یعنی کافر ترسان دل ہوتا ہے کیونکہ وہ گمان کی وجہ سے اس جہان کے حال سے شک میں ہے۔

می رود در رہ نداند منزلے	گام ترسان می نہد اعمٰے دلے
وہ راستہ چلتا ہے منزل کو نہیں جانتا ہے	اندھے دل والا ڈرتے ہوئے قدم رکھتا ہے

یعنی راستہ میں چلتا ہے اور منزل کو نہیں جانتا قدم کو اندھے دل والا ڈرتا ہوا رکھتا ہے۔

چوں نداند رہ مسافر چوں رود	با تردد ہا و دل پرخون رود
جب مسافر نہیں جانتا ہے وہ کیسے راستہ چلے؟	مشکوک اور پرخون دل کے ساتھ چلتا ہے

یعنی جب مسافر راستہ کو نہ جانے تو کس طرح چلے تردوں کی ساتھ اور دل پر خون ہو جاوے۔

ہر کہ گوید ہائے اینسو راہ نیست	او کند از بیم آنجا وقف و ایست
جو کوئی کہہ دے کہ ہائے اس طرف راستہ نہیں ہے	وہ اسی جگہ خوف سے توقف اور ٹکاؤ کر دیتا ہے

یعنی جو کوئی کہہ دے کہ ہائے اس طرف کو راستہ نہیں ہے تو وہ خوف کی وجہ سے اس جگہ توقف اور قیام کرتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو کافر جو راہ چلتا ہے اور اس راہ دنیا کو طے کرتا ہے تو ڈرتا ہوا چلتا ہے اس لئے کہ اس کو اس جہان کے وجود ہی میں شک ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی مسافر راہ چلے اور راستہ جانتا نہ ہو تو جہان کسی نے کہہ دیا کہ ارے ادھر راستہ نہیں ہے تو چونکہ جانتا نہیں ہے ڈر کے مارے وہیں ٹھہر جاوے گا اور اگر راہ کو جانتا تو وہ کسی کہنے والے کی پرواہ نہ کرتا بلکہ وہ بے کھٹکے قدم بڑھائے ہوئے چلا جاتا تو یہ ہر جگہ کھڑا ہو جاتا اور ٹھہر جاتا اس کی دلیل ہے کہ یہ راستہ سے ناواقف ہے اور رجما بالغیب ہی جا رہا ہے۔

ور بداندرہ دل باہوش او	کے رود ہر ہائے و ہو در گوش او
اگر اس کا باہوش دل راستہ جانتا ہے	تو ہر ہائے و ہو اس کے کان میں کہاں پہنچتی ہے؟

یعنی اور اگر راستہ کو اس کا باہوش دل جانتا ہوتا تو ہر ہائے ہو پر کب اس کا کان جاتا یعنی اگر وہ راستہ سے واقف ہوتا تو وہ اس ہائے ہوئی کرنے کو اور اس غل مچانے کو کب سنتا اس کو خود یقین ہوتا کہ میں راستہ درست چل رہا ہوں اب خواہ کوئی کتنا ہی ڈراوے وہ ڈرنے والا نہیں ہے۔ بہت بے فکری سے راہ طے کرے گا آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس مشو ہمراہ این اشتر دلان	زانکہ وقت ضیق بیم اند آفلان
تو ان اونٹ کے دل والوں کا ہمراہی نہ بن	کیونکہ وہ تنگی اور خوف کے وقت غائب ہو جانے والے ہیں

یعنی پس تم ان اشتر دلوں (کم ہمتوں) کے ساتھ مت رہو اس لئے کہ خوف وضیق کے وقت یہ لوگ چھپ جانے والے ہیں یعنی جب موقعہ آوے گا تو یہ تمہارا ساتھ نہ دینگے لہذا تم ان کے ساتھ مت جاؤ کہ تم کو بھی غاری کریں گے۔

پس گریزند و تراتنہا ہلند	گرچہ اندر لاف سحر بابل اند
وہ بھاگ جائیں گے اور تجھے تنہا چھوڑ دینگے	اگرچہ وہ شیخی مارنے میں بابل کا جادو ہیں

یعنی پس بھاگ جاویں گے اور تجھے تنہا چھوڑ دیں گے اگرچہ شیخی میں سحر بابل ہیں۔ مطلب یہ کہ اگرچہ شیخی بازی میں تو سحر بابل کی طرح مشہور ہیں لیکن حقیقت میں بالکل بزدل ہیں۔

توز رعنایان مجو ہین کار زار	توز طاؤسان مجو صید و شکار
خبردار! تو نازنینوں سے جنگ کی توقع نہ رکھ	تو موروں سے صید و شکار کا طالب نہ بن

یعنی تو نازکوں سے لڑائی کو مت تلاش کر اور تو موروں سے صید وشکار کو مت ڈھونڈ مطلب یہ کہ ان نازک دلوں سے

اوران بزدلوں سے تم مقابلہ اور صید وشکار کی امید مت رکھو۔ اس لئے ان سے کچھ نہ ہوگا۔ اور بلکہ تم کو بھی کھو دینگے۔

طبع طاؤسیت وسواست کند	دم دہد تا از مقامت بر کند
تیری مور والی طبیعت تیرے اندر وسوسے ڈالتی ہے	وہ فریب دیتی ہے تاکہ تجھے (بلند) مقام سے ہٹا دے

یعنی تیری طبع طاؤسی تجھے وسواس کرتی ہے اور دم دیتی ہے تاکہ جگہ سے تجھے اکھاڑ دے مطلب یہ کہ تمہاری طبیعت جو کہ کم ہمت ہے اور جو صید معانی میں کمزور ہے وہ تجھے وسوسہ ڈالتی ہے اور مجاہدات وریاضات سے ڈر کی وجہ سے بچاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو تمہاری جگہ سے اکھاڑ دے گی اور تم اس قابل بھی نہ رہو گے جتنے اب ہو۔ آگے غزوہ بدر کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جس طرح شیطان نے اول تو سب کفار کو آ کر بہکایا اور سب سے کہا کہ چل کر لڑو اور میں ضامن ہوں کہ تم کو فتح ہوگی اور جب میدان میں پہنچا تو اس کو ملائکہ نظر آئے جو مدد کے لئے آئے تھے تو یہ وہاں سے بھاگا جب لوگوں نے اس سے کہا کہ اب بھاگتا کیوں ہے تو بولا کہ انـــی اری مـــالاترون کہ میں ایسی شے کو دیکھ رہا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتی۔ تو فرماتے ہیں کہ جس طرح یہ شیطان وقت پر بھاگ گیا اور پہلے سے بہت شیخی بگھار رہا تھا اسی طرح یاد رکھو کہ یہ لوگ جو کہ تم کو مجاہدات وریاضات سے مانع ہیں یا خود کم ہمت ہیں تم کو بیچ میں ہی چھوڑ دینگے اور ہرگز ہرگز تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ اب حکایت سنئے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ لوگوں نے کہا میاں جاؤ اور مسجد میں جانے میں جلدی نہ کرو تاکہ تمہارے جان کے کپڑے (یعنی تمہاری جان جو کہ مثل کپڑوں کے ہے) محبوس نہ ہو جائیں اس میں قیام کرنا دور ہی سے آسان معلوم ہوتا ہے مگر خوب سمجھ لو کہ آخر میں یہ راستہ بہت دشوار گزار ہوگا۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنے کو پہلے پھنسا دیتے ہیں اور جب کشمکش میں پڑتے ہیں تو سہارا ڈھونڈتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ہم کو اس بلا سے نکالے۔ واقعہ سے پہلے اس کا خیال خواہ اچھا ہو خواہ برا نہایت آسان معلوم ہوتا ہے اور جب معرکہ کا سامنا ہوتا ہے اس وقت ان پر مصیبت پڑتی ہے جبکہ تم شیر نہیں ہو تو خبردار جنگ میں قدم نہ رکھو کیونکہ موت ایک بھیڑیا ہے اور تمہاری جان بھیڑ۔ پس موت کا اس پر قابو پالینا کچھ دشوار نہیں ہاں اگر تم کوئی ابدال ہو اور تمہاری جان جو پیشتر بھیڑ کے مانند کمزور تھی اب شیر کی مانند قوی ہو گئی ہے تو اب تم کو کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اب آ جاؤ کیونکہ اب موت مغلوب ہے جانتے ہو کہ ابدال کون لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کایا پلٹ ہو چکی ہے اور قلب ماہیت ہو کر شراب سے سرکہ بن گئے ہیں۔ یعنی خدا نے ان کو نجس العین سے مظہر الذات بنا دیا ہے لیکن ہم کو قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ابھی نیم مست یعنی ناقص ہو گو تم اپنے زعم باطل میں اپنے کو شیر اور کامل سمجھتے ہو پس دیکھو تم وہاں نہ جاؤ دیکھو حق سبحانہ نے بداطوار منافقین کی نسبت فرمایا ہے۔ بأسهم بينهم شديد. یعنی آپس میں تو خوب بہادر ہیں اور جب لڑائی میں آتے ہیں تو ایسے بزدل ہو جاتے ہیں جیسے گھروں

کی مستورات۔ نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنگ سے پہلے شجاعت ہرگز قابل اعتماد نہیں۔ لوگ لڑائی سے پہلے تو مستوں کی طرح خوش ہوتے اور تالیاں بجاتے ہیں مگر جب جوش اور لڑائی کا وقت آتا ہے اس وقت جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں۔ جب لڑائی کا تذکرہ ہوتا ہے اس وقت تو ان کی تلواریں کھنچی ہوئی ہوتی ہیں اور جب کروفر کا وقت ہوتا ہے اس وقت وہ تلواروں کو لپیٹ کر پیاز کی مانند کر لیتے ہیں خیال جنگ کے وقت تو ان کے دل میں لڑائی کی آرزو ہوتی ہے مگر جب کوئی ذرا سا بھی زخم لگتا ہے اس وقت ان کا سارا جوش نکل جاتا ہے اور مشک کی طرح خالی ہو جاتے ہیں۔ پس اس سے تم اپنے جوش و خروش کا اندازہ کر لو اور سمجھ لو کہ یہ جب ہی تک ہے جب تک کہ بلا کا سامنا نہیں ہوا اور جب سامنا ہوگا سارے نشے ہرن ہو جائیں گے اب ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے سالکین خام پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ صفا چاہتے ہیں اور جب صیقل ہوتی ہے اور اس کے لئے ان کو ریاضت و مجاہدات کرنے پڑتے ہیں تو تکلیف سے بھاگتے ہیں۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ان کا عشق ایک دعویٰ ہے اور تحمل مشاق اس کا ثبوت۔ پس جب تمہارے پاس ثبوت نہ ہوگا تو لامحالہ دعویٰ خارج ہوگا۔ پس جبکہ محبوب تم سے تمہارے دعوے عشق کا ثبوت مانگے تو تم کو جزبز نہ ہونا چاہئے بلکہ مار تکالیف کو چوم چاٹ کر قبول کرنا چاہئے تاکہ گنج وصل حاصل کر سکو اور یہ بھی واضح رہے کہ ان تکالیف سے مقصود تم کو تکلیف پہنچانا نہیں ہے بلکہ ان سے ان اوصاف کہ ذمیمہ کا ازالہ مقصود ہے جو تمہارے اندر ہیں مثلاً جب کوئی شخص نمدہ پر لکڑی مارتا ہے تو اس سے اس نمدہ کو مارنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ گرد کو مارنا مقصود ہوتا ہے یوں ہی اگر کوئی چلے تن گھوڑے کو مارتا ہے تو وہ حقیقت میں گھوڑے کو نہیں مارتا بلکہ اس کی شرارت کو مارنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ شرارت کو چھوڑ کر خوش قدم ہو جاوے۔ نیز دیکھو تم شیرہ کو قید خانہ خم میں قید کرتے ہو اس سے تم کو مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کی صفت شیرہ بدل جاوے اور وہ صفت مے اختیار کر لے ورنہ اس کی ذات سے خصوصیت نہیں ہوتی۔ علے ہذا ایک شخص ایک یتیم کو مار رہا تھا یہ مار اگرچہ قند تھی مگر خود اس کو اور نیز دوسرے دیکھنے والوں کو زہر معلوم ہوتی تھی چنانچہ ایک شخص نے اس کو اس خستہ حالت میں دیکھا تو آیا اور فوراً اس کو گود میں اٹھا لیا اور مارنے والے سے کہا کہ میاں تم نے اس بیچارہ یتیم کو اس قدر مارا تمہیں خدا کا بھی خوف نہ آیا۔ اس نے کہا جناب میں نے اسے نہیں مارا بلکہ اس شیطان کو مارا ہے جو اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔ اور دیکھو ماں اگر تم سے کہتی ہے کہ تو مر جاوے تو وہ تمہارا مرنا نہیں چاہتی بلکہ اس خصلت بد کا مرنا چاہتی ہے جس سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور اس خرابی کا دفع ہونا چاہتی ہے جو تمہارے اندر ہے۔ پس یاد رکھو کہ جو لوگ ادب سے بھاگتے ہیں وہ شجاعت کو دھبہ لگاتے ہیں اور بہادروں کو بھی بدنام کرتے ہیں لوگ کبھی تو ادب سے خود اپنی کمزوری کے سبب بھاگتے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ ملامت گران کو میدان جنگ بانفس و شیطان سے بھگا دیتے ہیں اور وہ ویسے کے ویسے ہی حیز اور مخنث رہ جاتے ہیں جیسے کہ لوگ اس مہمان کو بہکانا چاہتے ہیں۔ پس جبکہ نفس و شیطان سے لڑنے کے لئے نکلو تو ایسے بیہودہ لوگوں کی شیخیاں اور بہادری کے جھوٹے لمبے چوڑے دعوے نہ سنو اور نامردوں کے ساتھ جنگ میں نہ جاؤ کیونکہ حق

سبحانہ نے فرمایا ہے لو خرجوا فیکم ما زادوکم الا خبالا۔ یعنی اگر بزدل منافقین تمہارے ساتھ جہاد میں جاتے تو ان سے سوائے نقصان کے نفع کچھ نہ ہوگا۔ اور مقصود یہ ہے کہ بزدل ہمراہیوں سے بچو کیونکہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ جائیں گے تو غازیان شجاع بھی ان کے سبب کاہ کی طرح بے حقیقت ہو جائیں گے۔ یہ لوگ تمہارے ساتھ صف جنگ میں شریک ہوں گے تو خود بھی بھاگیں گے اور تمہاری صف کو بھی درہم برہم کر دینگے لہذا تھوڑی سی فوج جس میں یہ لوگ شامل نہ ہوں اس سے بہتر ہے کہ منافقین کے شامل ہونے سے جماعت کثیر ہو جاوے۔ دیکھو عمدہ اور چیدہ بادام اگر تھوڑے ہوں تو وہ ان زیادہ باداموں سے اچھے ہیں جن میں کڑوے باداموں کی آمیزش ہو۔ اب یہ دیکھو کہ بادام شیریں و تلخ باوجودیکہ صورت میں یکساں ہیں پھر ان میں تفاوت کیوں ہے سو وجہ اس کی یہ ہے کہ صورت کے اتحاد کے ساتھ سیرت یکساں نہیں پس یہی فرق بہادروں اور بزدلوں میں ہے اب اس کی وجہ سنو کہ اہل باطل کمزور اور بزدل کیوں ہوتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ وہ مبتلائے گمان ہیں اس لئے ان کو عالم آخرت میں شک ہے اور وہ اسی شک میں زندگی بسر کرتے ہیں وہ راستہ تو چلتے ہیں مگر ان کو منزل مقصود معلوم نہیں۔ پس ان کو بچ بچ کر اور ڈرتے ڈرتے قدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ جس طرح آنکھوں کے اندھے پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں یوں ہی دل کے اندھے اور ناواقف بھی ڈرتے ڈرتے قدم رکھیں گے۔ دیکھو اگر کوئی مسافر راستہ نہ جانتا ہو تو وہ کیسے چلتا ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ طرح طرح کے ترددات اس کو لاحق ہوتے ہیں اور نہایت ملول ہوتا ہے اور جو شخص اس سے کہتا ہے ارے ادھر راستہ نہیں ہے وہ ڈر کر وہیں ٹھہر جاتا ہے اور اگر اس کا ہوشیار دل راستہ سے واقف ہو تو وہ کسی کے شور و شر پر بھی کان نہ دھرے گا۔ پس تم ان کمزور اور بزدل لوگوں کے ہمراہ نہ ہو کیونکہ یہ لوگ تنگی اور خوف کے وقت غائب ہو جانے والے ہیں۔ پس یہ تو بھاگ جائیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ دینگے گو اس وقت یہ جادو بھری تقریروں سے اپنی بہادری کا یقین دلاتے ہیں تم کو نازنینوں سے لڑائی کی توقع نہ رکھنی چاہئے اور موروں سے حسد و شکار کا متوقع نہ رہنا چاہئے دیکھو تمہاری طاؤس نما طبیعت تمہارے اندر طرح طرح کے خیال پیدا کرتی ہے اور تمہارے قدم اکھاڑنے کے لئے فریب دیتی ہے پس تم اس کے دھوکے میں نہ آنا اور معرکہ سے نہ بھاگنا۔

شرح شبیری

شیطان کا قریش سے کہنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑو میں تمہاری مدد کرونگا اور اپنے قبیلہ کو مدد کے لئے بلاؤں گا پھر مقابلہ کے وقت اس کا بھاگنا

ہمچو شیطان کز وساوس بر قریش	دم دمید و گفت گرد آرید جیش
شیطان کی طرح جس نے قریش پر وسوسوں کے ذریعہ	منتر پھونکا اور کہا لشکر جمع کر لو

یعنی شیطان کی طرح کہ اس نے وساوس سے قریش پر دم پھونکا اور کہا کہ لشکر جمع کرلو۔

تا کہ در احمد ہزیمت افگنیم	بیخ و بنیاد از زمینش بر کنیم
تا کہ احمدؐ (کی صفوں) میں ہم شکست ڈال دیں	زمین سے اس کی بیخ و بنیاد اکھاڑ دیں

یعنی تا کہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم شکست ڈال دیں اور ان کی بیخ و بنیاد زمین سے اکھاڑ دیں (نعوذ باللہ) یعنی اس نے کہا کہ لشکر جمع کرلو تا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست دیدیں اور (نعوذ باللہ) ان کی بیخ و بنیاد کو دنیا سے اجاڑ دیں۔

چونکہ شیطان در سپہ شد صدکیم	خواند افسوں کہ انی جارلکم
جب شیطان سپاہیوں میں ایک سو ایک واں بن گیا	اس نے منتر پڑھا کہ میں تمہیں پناہ دینے والا ہوں

یعنی جب شیطان لشکر میں ہوا سو میں ایک تو اس نے افسوں پڑھا کہ میں تمہارا مددگار ہوں یعنی جبکہ منجملہ سپاہ کے شیطان بھی ہو گیا تو اس نے سب سے کہا کہ میں تمہارا مددگار ہوں اور واضح رہے کہ مولانا خود بھی آگے فرماویں گے اور احادیث میں بھی ہے کہ شیطان سراقہ کی صورت میں بن کر آیا تھا اور اس نے آ کر ساری باتیں کہی تھیں لوگ سمجھے کہ سراقہ ضامن ہوتا ہے اور یہ سراقہ خود بہت قوی تھا پھر اپنے قبیلہ کو بلانے کا مدد کیلئے وعدہ کیا تو لوگ دھوکہ میں آگئے اور یہ نہ سمجھے کہ یہ بڑا شیطان ہے۔

چون سپہ گرد آمدند از گفت او	کرد باایشان بحیلت گفتگو
جب اس کی بات سے سپاہی جمع ہو گئے	تو ان سے چالاکی سے گفتگو کی

یعنی جب لشکر اس کے کہنے سے جمع ہو گیا تو اس کے ساتھ حیلہ سے گفتگو کی (کہ)

کہ بیارم من قبیلہ خویش را	تا کہ در ہیجا بود پشت شما
کہ میں اپنے خاندان کو لے آؤں گا	تا کہ جنگ میں تمہاری طاقت ہو

یعنی کہ میں اپنے قبیلہ کو لاؤں گا تا کہ لڑائی میں وہ تمہارا مددگار ہو (اور کہا کہ)

من شمارا عون و یاریہا کنم	تا سپاہ دشمنان تان بشکنم
میں تمہاری مدد اور اعانتیں کروں گا	تا کہ تمہارے دشمنوں کے لشکر کو شکست دیدوں

یعنی میں تمہاری مدد اور مدد کروں گا تا کہ تمہارے دشمن کی سپاہ کو شکست دیدوں۔

چون قریش از گفت او حاضر شدند	ہر دو لشکر در ملاقات آمدند
قریش جب اس کی باتوں کی وجہ سے جمع ہو گئے	(اور) دونوں لشکروں میں مڈ بھیڑ ہوئی

جب قریش اس کے کہنے سے حاضر ہوئے اور دونوں لشکر ملاقات میں آئے۔

سوئے صف مومنان اندر رہے	دید شیطان از ملائک اسپہے
مومنوں کی صف کی جانب (آتا ہوا) راستہ میں	شیطان نے فرشتوں کا ایک لشکر دیکھا

یعنی شیطان نے فرشتوں کا ایک لشکر مومنوں کی صف کی طرف راہ میں دیکھا۔ یعنی اس نے دیکھا کہ ایک لشکر فرشتوں کا مسلمانوں کی طرف ان کی مدد کے لئے موجود ہے اور دیکھا کہ۔

گشت جان اوز بیم آتشکدہ	آن جنود الم تروہا صف زدہ
اس کی جان خوف سے بھٹی بن گئی	اس لشکر نے "جس کو تم نے نہ دیکھا" صف بنائی

یعنی وہ لشکر کہ نہیں دیکھتے تم اس کو صف لگائے ہوئے ہے تو اس کی جان خوف سے آتشکدہ ہوگئی یعنی آتش کدہ کی طرح اندر سے جلنے لگا اور سخت خوف اس پر مسلط ہوا۔

کہ ہمی بینم سپاہے پس شگفت	پائے خود واپس کشیدہ می گرفت
کہ میں عجیب فوج دیکھ رہا ہوں	اپنے پاؤں واپس کھینچ کے روکتا تھا

یعنی اپنے پاؤں پیچھے کو ہٹانا شروع کئے (اور کہا) کہ میں ایک لشکر بہت عظیم دیکھتا ہوں (اور کہا کہ)

اذھبوا انی اری مالا ترون	کہ اخاف اللہ مالی منہ عون
بھاگ جاؤ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو	میں اللہ (تعالیٰ) سے ڈرتا ہوں میری اس کی جانب سے کوئی مدد نہیں ہے

یعنی کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں میری کوئی مدد نہیں ہے تم جاؤ میں دیکھتا ہوں وہ کہ تم نہیں دیکھتے یعنی اس نے کہا کہ بھائی میں تو ایسی شے کو دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتی یعنی فرشتے لہذا اب تم جاؤ میں تو جا نہیں سکتا۔ اس لئے کہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے کیونکہ مر تو سکتا نہیں قیامت کی عمر ہے لیکن فرشتوں کو اگر لڑائی میں مل جاتا تو بچ تو رہے کہ گت تو خوب بناتے۔

دے چرا تو می نگفتی این چنین	گفت حارث اے سراقہ شکل ہین
کل تو نے اس طرح کیوں نہ کہا؟	حارث نے کہا، اے سراقہ کی شکل والے ہائیں:

یعنی حارث نے کہا کہ ارے سراقہ شکل تو نے کل اس طرح کیوں نہ کہا تھا۔ یعنی حارث نے کہا کہ اے سراقہ کمبخت تو نے کل کیوں نہ کہا تھا کہ میں خاص موقعہ سے بھاگوں گا اور سراقہ شکل مولانا نے اس لئے فرمایا کہ وہ تو شیطان تھا مگر حارث نے سراقہ ہی کہا تھا سراقہ شکل نہ کہا تھا غرضکہ اس نے کہا کہ کمبخت اگر پہلے سے کہہ دیتا تو ہم کیوں اس مصیبت میں آکر پھنستے تو جواب دیتا ہے کہ۔

گفت می بینی جعاشیش عرب	گفت ایندم من ہمی بینم حرب
اس (حارث) نے کہا تو عرب کے غریبوں کو دیکھ رہا ہے	اس (شیطان) نے کہا اب میں سختی دیکھ رہا ہوں

یعنی شیطان نے کہا کہ میں اس وقت سختی دیکھ رہا ہوں تو حارث نے کہا کہ تو عرب کے فقیروں کو دیکھتا ہے مطلب یہ کہ

شیطان نے کہا کہ مجھے ایک لشکر عظیم معلوم ہوتا ہے اس لئے میں تو جاتا نہیں تو حارث بولا کہ کمبخت تو جھوٹا ہے اس لئے کہ تو صرف عرب کے فقیروں کو سامنے دیکھ رہا ہے۔ لشکر عظیم کہاں ہے باقی تیرا بھاگنا بزدلی کی وجہ سے ہے اور حارث نے کہا کہ۔

می نہ بینی غیر این لیک اے تو شنگ	آن زمان لاف بود این وقت جنگ
اس کے علاوہ تو کچھ نہیں دیکھ رہا ہے لیکن اے شوخ!	وہ شیخی کا وقت تھا یہ جنگ کا وقت ہے

یعنی ارے ڈاکو تو سوائے ان (گدایان عرب) کے اور کچھ نہیں دیکھتا لیکن وہ تو شیخی کا وقت تھا اور یہ وقت لڑائی کا ہے۔ مطلب یہ کہ حارث نے کہا کہ کمبخت تو جو کہہ رہا ہے کہ میں ایک ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں کہ جو تم کو نظر نہیں آتا۔ یہ سب غلط ہے بلکہ تو ان ہی لوگوں کو دیکھ رہا ہے جو سامنے کھڑے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ وہ وقت تو شیخی کا تھا تو نے کہہ دیا کہ میں مدد کروں گا اور اب جو لڑائی کا وقت آیا تو بھاگتا ہے۔

دی ہمی گفتی کہ پابندان شدم	کہ بودتان فتح و نصرت دمبدم
کل تو کہتا تھا کہ میں ذمہ دار ہوں	کہ تمہیں دم بدم فتح اور نصرت ہو گی

یعنی تو کل کہتا تھا کہ میں ضامن ہوا ہوں کہ دمبدم تم کو ہی فتح ونصرت ہو گی۔

دی زعیم الجیش بودی اے لعین	وین زمان نامرد و ناچیز و مہین
اے ملعون! کل تو لشکر کا سردار تھا	اب نامرد اور ناچیز اور ذلیل ہے

یعنی ارے ملعون کل تو تو ضامن لشکر تھا اور اس وقت ناچیز اور نامرد و ذلیل ہے۔

تا بخوردیم آن دم تو و آمدیم	تو بتون رفتی و ماہیزم شدیم
یہاں تک کہ ہم تیرا جھانسا کھا گئے اور ہم آ گئے	تو بھٹی میں گیا اور ہم ایندھن بن گئے

یعنی یہاں تک کہ ہم نے وہ تیرا دم کھا لیا اور ہم آ گئے تو اب تو تو حمام میں چلا گیا اور ہم ایندھن ہو گئے یعنی ہم تیرے بہکانے میں آ کر یہاں چلے آئے تو اب تو چھوڑ چھاڑ کر اور ہمیں اس بلا میں جھونک کر جاتا ہے اور بھاگتا ہے۔

چونکہ حارث با سراقہ گفت این	از عتابش خشمگین شد آن لعین
جب حارث نے سراقہ سے یہ بات کہی	وہ ملعون اس کے غصہ سے غضبناک ہو گیا

یعنی جبکہ حارث نے سراقہ سے یہ کہا تو اس کے عتاب سے وہ ملعون غصہ میں ہو گیا یعنی جب حارث نے برا بھلا کہا تو اس ملعون کو غصہ آ گیا۔

دست خود خشمین ز دست او کشید	چون ز گفت اوش درد دل رسید
غصہ میں اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا	چونکہ اس کی گفتگو سے اس کو دل کا درد ہوا

یعنی اپنا ہاتھ غصہ میں اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا جبکہ اس کے کہنے سے اس کو درد دل پہنچا یعنی اس کے برا بھلا

کہنے سے جو دل دکھا تو اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

سینہ اش را کوفت شیطان و گریخت	خون آن بیچارگان زین مکر ریخت
شیطان نے اس کے سینہ پر دو ہتڑ مارا اور بھاگ گیا	اس مکاری سے ان بیچاروں کا خون بہا دیا

یعنی شیطان نے حارث کے سینہ کو کوٹا اور بھاگ گیا اور ان بیچاروں کا خون اس مکر سے ریختہ کیا یعنی ہاتھ چھڑا کر حارث کے سینہ پر ایک لات رسید کر کے چل دیا۔ اور ان سب کو بلا میں پھنسا کر ان کا خون گرا یا کہ قریب قریب سارے قتل ہوئے۔

چونکہ ویران کرد چندین عالم او	پس بگفت انی بریٔ منکم
جب اس نے اتنی دنیا ویران کر دی	تو بولا میں تم سے بیگانہ ہوں

یعنی جب کہ اس نے اس قدر عالم کو ویران کر دیا تو پھر کہا کہ میں تم سے بری ہوں یعنی جب سب کو لا کر پھنسا چکا اور بلا میں ڈال چکا تو اب کہتا ہے کہ میں بری ہوں میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا۔

کوفت اندر سینہ و انداختش	پس گریزان شد چو ہیبت تاختش
اس کی چھاتی پیٹی اور اس کو گرا دیا	پھر بھاگ گیا جبکہ اس پر ہیبت طاری ہوئی

یعنی اس کے سینہ میں مارا اور اس کو ڈال دیا پھر جب ہیبت اس کو ہوئی تو بھاگ گیا۔ یعنی جب فرشتوں کو دیکھا تو حارث کو دھکا دیکر خود چل دیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

نفس و شیطان ہر دو یک تن بودہ اند	در دو صورت خویش را بنمودہ اند
نفس اور شیطان دونوں ایک تھے	انہوں نے دو صورتوں میں اپنے آپ کو دکھایا ہے

نفس و شیطان دونوں ایک تن ہیں اور اپنے کو دو صورتوں میں دکھلایا ہے۔ مطلب یہ کہ نفس انسانی اور شیطان دونوں ایک ہی ہیں صرف صورت میں فرق ہے ورنہ دونوں ایک ہی ہیں تو جس طرح کہ اس شیطان نے دھوکہ دیا اور وقت پر چھوڑ کر بھاگ گیا اسی طرح تمہارا نفس بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا۔ بلکہ چھوڑ کر الگ ہو جاویگا۔

چون فرشتہ و عقل کایشان یک بدند	بہر حکمتہاش دو صورت شدند
جیسے کہ فرشتہ اور عقل کہ وہ ایک تھے	اس (اللہ) کی حکمتوں کی وجہ سے دو صورت ہو گئے

یعنی جیسے کہ فرشتہ اور عقل کہ وہ ایک تھے اور حکمتوں کے لئے وہ دو صورت ہو گئے اسی طرح نفس و شیطان بھی دونوں ایک ہی ہیں لیکن صرف صورتیں مختلف ہیں اور ایک ہونے کے دونوں کے معنے یہ ہیں کہ دونوں کے مقتضیات و شہوات یکساں ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

دشمنے داری چنین درسر خویش	مانع عقل ست و خصم جان و کیش
تو اپنے اندر ایسا دشمن رکھتا ہے	جو عقل کیلئے مانع اور جان اور مذہب کا دشمن ہے

یعنی تو ایک ایسا دشمن اپنے باطن میں رکھتا ہے جو کہ مانع عقل ہے اور جان و مذہب کا دشمن ہے۔

پس بسوراخے گریزد در فرار	یک نفس حملہ کند چون سوسمار
پھر بھاگتا ہوا سوراخ میں گھس جاتا ہے	وہ گوہ کی طرح ایک دم حملہ کرتا ہے

یعنی ایک گھڑی کے لئے سوسمار کی طرح حملہ کرتا ہے پھر سوراخ میں بھاگ جاتا ہے۔

سر زہر سوراخ می آرد برون	در دل او سوراخہا دارد کنون
(اور) ہر سوراخ سے سر باہر نکالتا ہے	وہ اب اس (انسان) کے دل میں بہت سے سوراخ بنائے ہوئے ہے

یعنی دل میں وہ بہت سے سوراخ رکھتی ہے کہ اب ہر سوراخ سے سر باہر نکالتی ہے۔ (سوسمار کا قاعدہ ہے کہ یہ اپنے گھر کے بہت سے سوراخ بناتی ہے اگر ایک طرف سے کوئی مارتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے ادھر سے کوئی مارے تو اور طرف سے باہر ہو جاوے غرضکہ مار نہیں کھاتی) تو فرماتے ہیں کہ سوسمار کی طرح یہ نفس و شیطان بھی دل کے اندر بہت سے سوراخ رکھتے ہیں وہ سوراخ طرق اضلال ہیں کہ مختلف طریقوں سے انسان کو بہکاتے ہیں اور اگر ایک طرف سے گمراہ نہ کر سکے تو دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں غرضکہ قابو میں نہیں آتے۔

واندران سوراخ رفتن شد خنوس	نام پنہان گشتن دیو از نفوس
اور سوراخوں میں گھس جانے سے خنوس ہوگیا ہے	شیطان کا نام انسانوں سے چھپ جانے

یعنی شیطان کے نفوس سے پوشیدہ ہونے کا اور اس سوراخ میں چلے جانے کا نام خنوس ہوگیا۔

چون سر قنفذ ور آمد شد است	کہ خنوسش چون خنوس قنفذ است
سیہی کے سر کی طرح اس کی آمد و رفت ہے	اس کا گھس جانا سیہی کے گھسنے کی طرح ہے

یعنی کہ اس کا پوشیدہ ہونا مثل سیہی کے پوشیدہ ہونے کے ہے جیسے کہ سیہی کا سر کہ اس کے لئے آمد و شد ہے یعنی جس طرح کہ سیہی کہ وہ کبھی سر کو باہر نکالتی ہے اور کبھی اندر کر لیتی ہے اسی طرح نفس و شیطان کہ کبھی پوشیدہ ہوتے ہیں اور کبھی ظاہر ہوتے ہیں۔

کہ سر آن خار پشتک را بماند	کہ خدا آن دیو را خناس خواند
کیونکہ وہ سیہی کے سر کی مانند ہے	اللہ (تعالیٰ) نے اس شیطان کو خناس کہا ہے

یعنی کہ خدا نے اس شیطان کو خناس کہا اس لئے کہ اس خار پشت کے سر کے مشابہ ہوا مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے جو شیطان کو خناس کہا ہے تو اس لئے کہ اس کی عادت ہے کہ کبھی پوشیدہ ہوتا ہے اور کبھی ظاہر تو اسی پوشیدگی کو خنوس کہدیا اور اس کی وجہ سے صاحب خنوس کو خناس فرمادیا۔

می نہان گردد سر آن خار پشت	دمبدم از بیم صیاد درشت
اس سیہی کا سر چھپ جاتا ہے	فوراً سخت شکاری کے ڈر سے

یعنی اس خار پشت (سیہی) کا سر دمبدم صیاد سخت کے خوف سے پوشیدہ ہوتا ہے یعنی جس طرح کہ وہ صیاد کے ڈر کے مارے اپنا سر چھپا لیتی ہے اسی طرح یہ حضرت شیطان بھی چھپتے پھرتے ہیں۔

تا چو فرصت یافت سر آرد برون	زین چنین مکرے شود مارش زبون
جب اس نے موقع پایا سر باہر نکالا	ایسے مکر سے اس سے سانپ مغلوب ہو جاتا ہے

یعنی تاکہ جب فرصت پاوے تو سر باہر نکالے تو ایسے مکر سے اس کا ساتھی عاجز ہو جاتا ہے یعنی جب دیکھا کہ اب میں مغلوب ہوں گا تو چھپ جاتا ہے اور جب خوف جاتا رہا تو اب پھر سر نکالتا ہے اس طریقہ سے اپنے ساتھی کو عاجز کر دیتا ہے کہ وہ اس کا کچھ نہیں کر سکتا آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر نہ نفس از اندرون راہت زدے	رہزناں را بر تو کے دستے بدے
اگر نفس اندر سے تیری راہزنی نہ کرتا	رہزنوں کو تجھ پر کب قابو ہوتا؟

یعنی اگر اندر سے تیری راہ نفس نہ مارتا تو رہزنوں کو تجھ پر کب قدرت ہوتی مطلب یہ کہ انسان پر جو آفات آتی ہیں یہ ساری اس کی نحوست ہے کہ یہ خود ارتکاب معاصی کرتا ہے ورنہ اگر یہ خود کچھ نہ کرے تو کوئی وبال اس پر نہ آدے۔

زان عوان مقتضی کہ شہوت است	دل اسیر حرص و آز و آفت است
اس تقاضہ کرنے والے سپاہی کی وجہ سے جو کہ شہوت ہے	دل حرص اور لالچ اور مصیبت کا قیدی ہے

یعنی اس سپاہی کا تقاضا گر کی وجہ سے جو کہ شہوت ہے دل حرص و آز اور آفت کا اسیر ہے۔

زان عوان مسر شدی دزد و تباہ	تا عوانان را بقہر تست راہ
اس پوشیدہ سپاہی کی وجہ سے تو چور اور تباہ بنا	یہاں تک کہ سپاہیوں کو تیرے اوپر ظلم کا موقع ملا

یعنی اس سپاہی کی وجہ سے تو بتر اور چور اور تباہ ہو گیا ہے یہاں تک کہ سپاہیوں کو تیرے قہر پر راستہ ہے۔ مطلب یہ کہ جبکہ تو اس عوان شہوت و غضب کی وجہ سے تباہ ہو رہا ہے تو یہی وجہ ہے کہ تو ان آفات دنیاوی میں پھنس رہا ہے۔ وہ باطنی عوان صورت ظاہر میں نمودار ہو جاتے ہیں۔

در خبر بشنو تو این پند نکو	بین جنبیکم لکم اعدا عدو
حدیث میں تو اس نیک نصیحت کو سن لے	(کہ) تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے دونوں پہلوؤں میں ہے

یعنی تم حدیث میں یہ عمدہ نصیحت سن لو کہ درمیان دونوں پہلوؤں تمہارے کے سب سے بڑا دشمن ہے یعنی حدیث میں ہے اعدی عدوک نفسک التی بین جنبیک تو کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ تمہارا دشمن

یہی ہے اسی سے بچنا ضروری ہے۔بس جو یہ کہے اس کی سننا ہی مت۔

طمطراق این عدو مشنو گریز	کو چو ابلیس است در رنج وستیز
اس دشمن کی شان وشوکت (کی باتیں) نہ سن' بھاگ جا	کیونکہ وہ جھگڑے اور لڑائی میں شیطان کی طرح ہے

یعنی اس عدو کی طمطراق مت سنو اور بھاگ جاؤ کیونکہ وہ رنج وستیز میں مثل ابلیس کے ہے یعنی جس طرح کہ ابلیس ہر گھڑی اور ہر وقت لڑنے اور رنج دینے کو تیار ہے اسی طرح یہ نفس بھی ہر گھڑی تکلیف پہنچانے کو تیار ہے لہذا خدا کے واسطے اس سے الگ رہو اور اس کی مت سنو۔

بر تو او از بہر دنیا و نبرد	آن عذاب سرمدی را سہل کرد
تجھ پر اس نے دنیا اور دشمنی کی خاطر	اس دائمی عذاب کو آسان کر دیا ہے

یعنی تجھ پر اس نے دنیا اور نبرد کے واسطے اس عذاب ابدی کو سہل کر دیا ہے یعنی اس نے صرف دنیا کے واسطے اس عذاب ابدی کو تمہیں سہل کر کے دکھا دیا اور تم کو اس سے بےخوف کر دیا ہے اور اس قدر جری کر دیا کہ برابر مرتکب معاصی کے ہوتے ہو اور کچھ خبر نہیں۔

چہ عجب گر مرگ را آسان کند	او ز سحر خویش صد چندان کند
کیا تعجب ہے اگر وہ موت کو آسان کر دے	وہ اپنے جادو سے اس سے سو گنا کر دیتا ہے

یعنی کیا تعجب ہے اگر موت کو آسان کر دے وہ اپنے سحر سے ایسے سینکڑوں کو کرتا ہے یعنی اس نے موت کو تم پر آسان کر دیا اور اس سے بےخوف کر دیا تو کچھ تعجب نہیں اس لئے کہ اس کی فسوں گری تو اس سے کہیں زیادہ ہے آگے کچھ سحر کے آثار کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

سحر کاہے را بصنعت کہ کند	باز کوہے را چو کاہے می تند
جادو کاریگری سے تنکے کو پہاڑ بنا دیتا ہے	پھر پہاڑ کو تنکا جیسا کر دیتا ہے

یعنی سحر کاریگری سے تنکے کو پہاڑ کر (کے دکھا) دیتا ہے اور پھر پہاڑ کو تنکے کی طرح کر (کے دکھا) دیتا ہے۔

زشتہا را نغز گرداند بفن	نغزہا را زشت گرداند بہ ظن
فریب سے برائیوں کو بھلا کر دیتا ہے	بدگمانی سے بھلائیوں کو برا بنا دیتا ہے

یعنی برائیوں کو (اپنے) فن سے بھلائیاں کر دیتا ہے اور بھلائیوں کو گمان میں زشت کر دیتا ہے۔

آدمی را خر نماید ساعتے	آدمی سازد خرے را زاتے
ایک گھڑی میں آدمی کو گدھا بنا دیتا ہے	فن سے گدھے کو آدمی بنا دیتا ہے

یعنی آدمی کو ایک گھڑی کے لئے گدھا (کر) دکھاتا ہے اور گدھے افسوں سے آدمی بنا دیتا ہے۔

ہر نفس قلب حقائق می کند	کار سحر انیست کودم می زند
ہر وقت حقیقتوں کو تبدیل کر دیتا ہے	جادو کا یہ کام ہے کہ وہ پھونک مارتا ہے

یعنی سحر کا یہی کام ہے کہ وہ پھونکتا ہے تو ہر گھڑی تبدیل حقائق کر دیتا ہے (اور اچھے کو برا اور برے کو اچھا کر دکھاتا ہے)

ان فی الوسواس سحرا مستتر	این چنین ساحر درون تست سر
بیشک وسوسوں میں مستقل جادو ہے	ایسا جادوگر تیرے اندر پوشیدہ ہے

یعنی ایسا ہی ایک ساحر تیرے اندر پوشیدہ تحقیق وسواس میں ایک سحر مستتر ہے (مطلب یہ کہ جیسے کہ ہم نے اوپر آثار سحر بیان کئے ہیں بس ایسا ہی ایک ساحر تیرے اندر بھی ہے جو کہ ایسا ہی سحر تجھ پر کرتا رہتا ہے اور وہ ساحر نفس ہے اور سحر وساوس ہیں کہ وساوس میں مبتلا ہو کر انسان کو حقائق اشیاء سے بے خبری ہو جاتی ہے اب یہاں سننے والے کو ایک قسم کی یاس ہوتی ہے کہ جب خود ہمارے اندر ہی یہ بلا موجود ہے تو اب ہم اس سے کہاں بچ سکتے ہیں اب تو ضرور اس کے ہاتھوں تباہ ہوں گے۔ لہٰذا آگے اس کے تسلیہ کے لئے فرماتے ہیں کہ۔

ساحران ہستند جادوئے کشا	اندران عالم کہ ہست این سحرہا
(وہاں) جادو کا توڑ کرنے والے جادو گر بھی ہیں	جس دنیا میں یہ جادو ہیں

یعنی اس عالم میں کہ یہ سحر ہیں بہت سے ساحر جادو کشا ہیں۔ مطلب یہ کہ جہاں یہ سحر کرنے والے اور گمراہ کنندگان ہیں وہاں اس سحر کو کھولنے والے اور ہدایت کنندگان بھی موجود ہیں اور وہ شیوخ کاملین ہیں کہ وہ شیطان کے مکروں کو پہچان کر اس کا توڑ کر دیتے ہیں۔

نیز روئیدست تریاق اے پسر	اندران صحرا کہ رست این زہر تر
اے صاحبزادے! (وہاں) تریاق بھی اگا ہے	جس جنگل میں یہ تازہ زہر اگا ہے

یعنی جس صحرا میں کہ یہ زہر تر اگا ہے (وہیں) اے صاحبزادے تریاق بھی پیدا ہوا ہے۔

کہ ز زہرم من بتو نزدیک تر	گویدت تریاق از من جو سپر
کیونکہ میں تجھ سے زہر سے زیادہ نزدیک ہوں	تریاق تجھ سے کہتا ہے مجھ سے ڈھال لے لے

یعنی تریاق تجھ سے (بزبان حال) کہہ رہا ہے کہ مجھ سے پناہ تلاش کر کہ میں زہر کی نسبت تجھ سے زیادہ نزدیک ہوں۔ مطلب یہ کہ مرشدین کاملین بلا رہے ہیں کہ اے شیطان کے پھندے میں پھنسنے والو ادھر آؤ اور ہماری مدد سے اس ورطۂ ہلاکت سے نجات پاؤ اور میرے پاس آجاؤ اس لئے کہ میں اس گمراہ کنندہ اور شیطان کی نسبت تم سے زیادہ نزدیک ہوں۔

گفت او سحرست و ویرانے تو	گفت من سحرست و دفع سحر او
اس کی گفتگو جادو ہے (اور) تیری تباہی ہے	میری باتیں جادو ہیں اور اس کے جادو کا توڑ ہیں

یعنی (وہ مرشدین فرمار ہے ہیں کہ) اس کا کہنا سحر ہے اور تیری ویرانی ہے اور میرا کہنا سحر ہے اور اس سحر کا دفع ہے یعنی اس کے اقوال تو ایسے ہیں کہ سحر ہیں لیکن اس سے تم کو بربادی اور ویرانی حاصل ہوتی ہے اور میرا کہنا بھی سحر ہے یعنی سریع التاثیر ہے لیکن یہ میرے اقوال اس سحر کے دافع اور ہدایت کرنے والے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ ان فی البیان	سحر او حق گفت آن خوش پہلوان
پیغمبرؑ نے فرمایا بے شک بیان میں	جادو ہے اس اچھے سردار نے صحیح فرمایا

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیان میں سحر ہوتا ہے اور اس اچھے پہلوان نے حق کہا ہے یعنی حدیث میں جو ان من البیان لسحرا آیا ہے یہ بالکل صحیح ہے کہ دیکھو ان گمراہ کنندگان کے اقوال بھی سحر ہیں کہ بیحد سریع التاثیر ہیں اور ہدایت کنندگان کے اقوال بھی سحر ہی کی طرح سریع التاثیر ہیں لیکن مابین فرق یہ ہے کہ۔

لیک سحرے دفع سحر ساحران	مایۂ تریاک باشد در جہان
لیکن وہ جادو جو جادوگروں کے جادو کا توڑ ہے	(اور) دنیا میں تریاق کا سرمایہ ہوتا ہے

یعنی لیکن ایک سحر تو ساحروں کی سحر کا دافع ہے اور جہان میں مایہ تریاق ہوتا ہے۔

آن بیان اولیاؤ اصفیاست	کز ہمہ اغراض نفسانی جداست
وہ اولیاء اللہ اور برگزیدہ لوگوں کا بیان ہے	جو تمام نفسانی غرضوں سے جدا ہے

یعنی وہ بیان اولیاء واصفیاء کا ہے کہ تمام اغراض نفسانی سے جدا ہے مطلب یہ کہ کلام دو طرح کے ہوتے ہیں جو سحر کی طرح سریع التاثیر ہوتے ہیں ایک تو وہ جو ہلاک کرنے والا راہ حق سے پھیرنے والا وہ تو کلام شیاطین ووساوس نفس ہے اور ایک وہ جو کہ ہدایت کرنے والا اور شیاطین کے سحر کو اور اس کے اثر کو دفع کرنے والا وہ کلام اولیاء اللہ ہے کہ جو تمام اغراض نفسانیہ سے جدا ہو چکے ہیں کہ ان کے کلام میں ہدایت ورشد ہوتی ہے آگے ان سب کا حاصل فرماتے ہیں کہ۔

حاصل آن کز زہر نفس دون گریز	نوش کن تریاق مرشد چست و تیز
خلاصہ یہ ہے کہ کمینہ نفس کے زہر سے بھاگ	چستی اور تیزی سے مرشد کا تریاق پی لے

یعنی حاصل یہ ہے کہ کمینہ کے زہر سے تو بھاگ اور مرشد کا تریاق چست و چالاک (ہوکر) نوش کر۔ یعنی اس کی باتوں اور اس کی ہدایتوں پر عمل کر اور نفس وشیطان کو دفع کرتا کہ تو کسی کام کا ہو۔

این طلسم سحر نفس اندر شکن	سوئے گنج پیر کامل نقب زن
نفس کے جادو کے اس طلسم کو توڑ دے	کامل شیخ کے خزانے کی طرف سوراخ کر لے

یعنی اس طلسم سحر نفس کو توڑ ڈال اور پیر کامل کے خزانہ کی طرف نقب لگا۔ یعنی اس خزانہ شیخ کامل کو حاصل کر اور اس نفس و شیطان کے طلسم کو توڑتا کہ رہائی پاکر اور گمراہی سے نکل کر راہ ہدایت پر آ جاؤ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بس درازست این سوے آغاز ران	جانب مہمان و مسجد باز را
یہ بہت لمبی بات ہے شروع کی طرف چل	مہمان اور مسجد کی طرف پھر چل

یعنی یہ (قصہ تو) بہت دراز ہے تم شروع کی طرف چلو۔ مہمان اور مسجد کی طرف کو واپس چلو۔ مطلب یہ کہ یہ مضمون نفس کے مکائد کا اور مرشد کی ترغیب کا تو بہت طویل ہے لہذا اس کو یہیں چھوڑ کر اب ذرا مہمان اور مسجد کا قصہ بیان کرو۔

زین گذر کن باز تا مسجد بیا	قصہ مہمان بگو وان ماجرا
اس کو چھوڑ پھر مسجد کی طرف آ	مہمان کا قصہ اور وہ سرگذشت بیان کر

یعنی اس سے گزر کر اور پھر مسجد تک آ۔ قصہ مہمان کا کہہ اور وہ ماجرا یعنی اب اس مسجد والے مہمان کے قصہ کو پورا کر دو اور اسے بیان کرو آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اوپر بیان کیا تھا کہ نامردوں کے ساتھ مت ہو کیونکہ یہ بھاگ جائیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ جائیں گے۔ اس کو ایک واقعہ سے واضح کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہاری حالت ایسی ہوگی جیسے کہ شیطان نے قریش پر وساوس سے جادو کیا تھا کہ تم لشکر جمع کرو تا کہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شکست دیں اور ان کی بیخ و بنیاد صفحہ ہستی سے اکھیڑ ڈالیں۔ جبکہ شیطان فوج میں سردار ہو گیا تو اس نے یہ منتر پھونکا کہ میں تمہارا معین و مددگار رہوں تم ہرگز نہ گھبراؤ اور نہایت اطمینان کے ساتھ تیاری کرو جب اس کے کہنے سے فوجیں مجتمع ہوئیں تو اب اس نے یہ جل کھیلا کہ میں اپنے قبیلہ کو لاتا ہوں تا کہ لڑائی میں تمہارا مددگار رہو تم گھبراؤ مت میں تمہاری خوب مدد کروں گا۔ حتیٰ کہ تمہارے دشمنوں کی فوج کو کامل شکست دوں گا۔ جبکہ اس دم دلا سے سے قریش میدان جنگ میں آئے اور دونوں لشکر مقابل ہوئے تو شیطان نے دیکھا کہ ملائکہ کی فوج مسلمانوں کی صف کی طرف مدد کے لئے آ رہی ہے اور غیر مبصر لشکر صف زدہ ہے یہ دیکھ کر مارے خوف کے اس کی جان آتش کدہ ہوگئی اور یہ کہتا ہوا الٹے پاؤں لوٹا کہ میں ایک عجیب لشکر دیکھ رہا ہوں اور میں خدا سے ڈرتا ہوں کیونکہ اس کے مقابلہ میں میرا کوئی مددگار نہیں اور میں اس سے نہیں بچ سکتا۔ بس جاؤ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ کیونکہ میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ اس پر حارث بن ہشام نے کہا کہ اے شبیہ سراقہ تو یہ تو بتا کہ کل تو نے یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ ہم مصیبت میں نہ پڑتے اب تو ہم کو پھنسا کر الگ ہوتا ہے اس نے کہا کہ کل وہ تباہی میرے پیش نظر نہ تھی جواب دیکھ رہا ہوں اس نے کہا کہ ابھی تیرے سامنے کونسی فوج جرار ہے صرف چند فقراء عرب ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ شیخی کا وقت تھا اس لئے

ڈینگیں مار رہا تھا اور اب لڑائی کا وقت ہے اس لیے بھاگتا ہے کل تو تو کہتا تھا کہ میں ذمہ دار ہوں کہ تم کو فتح و نصرت ہوگی اور آج یوں جان چراتا ہے۔ نیز کل تو تو سپہ سالار بنا ہوا تھا اور اب نامرد حقیر اور بودا بنتا ہے۔ تیری شیخیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دھوکہ میں آ کر میدان جنگ میں آ گئے تو نے گوہ کھایا۔ اور جھوٹے وعدے کیے اور ہم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ کہ ہم آتش جنگ کا ایندھن بن گئے۔ (هذا هو المراد ولا تلتفت الى ماقال ولى محمد یعنی چنانچہ کناس از گلخن سرگین آوارہ درآ تشدان حمام می انداز دو بازی رود ہمچنین مارا آوردہ درآ تش جنگ بہ سوختن داد انتہی فانه لايساعده عنوان البيان) جب حارث نے سراقہ سے اس قسم کی گفتگو کی تو وہ لعین اس کی سرزنش سے غصہ ہو گیا اور غصہ سے اپنا ہاتھ اس ہاتھ سے چھڑا لیا کیونکہ اس کی گفتگو سے اس کو سخت صدمہ پہنچا تھا وہ آپ تو اس کے سینہ پر دھپڑ مار کر بھاگ گیا اور فریب سے ان بیچاروں کا خون کر گیا۔ اور جبکہ اتنے عالم کو ویران کر چکا تو کہا مجھے تم سے کچھ کام نہیں اور سینہ پر ہاتھ مار کر حارث کو گرا گیا اور جبکہ ہیبت ملائک غالب ہوئی تو خود بھاگ گیا۔ اب سمجھو کہ نفس و شیطان دونوں حقیقت کے لحاظ سے ایک ہیں اور دو صورتوں میں جلوہ گر ہوئے ہیں اور ان کی حالت ایسی ہے جیسے کہ فرشتہ و عقل کہ وہ بھی حقیقۃً ایک ہیں اور بمقتضائے حکمت الٰہیہ دو صورتوں میں نمودار ہوئے۔ پس جو حالت شیطان کی ہے وہی نفس کی بھی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ تمہارے اندر تمہارا ایک دشمن شیطان چھپا ہوا ہے جو کہ عقل کو اس کے مقتضیٰ سے روکتا ہے اور جان اور ایمان کا دشمن ہے کبھی تو وہ گوہ کی طرح حملہ کرتا ہے اور کبھی ڈر کر اور بھاگ کر سوراخ میں گھس جاتا ہے دل کے اندر اس کے بہت سے سوراخ ہیں اور وہ ہر سوراخ سے نمودار ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ وہ نہایت بزدل ہے جبکہ وہ حریف کو کمزور پاتا ہے تو حملہ کرتا ہے اور جبکہ اس کو قوی پاتا ہے تو چھپ جاتا ہے اور بزدلی کے ساتھ مکار بھی ہے کہ مختلف سوراخوں سے مختلف رنگوں میں جلوہ نما ہوتا ہے کہ حریف کسی نہ کسی صورت سے دھوکہ کھا جاوے اسی بناء پر شیطان کے آدمیوں سے چھپنے اور سوراخ میں گھس جانے کا نام خنوس ہوا کیونکہ خنوس کے معنے ہیں چھپ جانا اور سوراخ میں گھس جانا پس چونکہ اس کا سوراخ میں چلا جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ساہی کا سر یہ ہی وجہ ہے کہ خدا نے اس کو خناس کہا کیونکہ اس کا سر ساہی کے سر کے مشابہ ہے اس لئے کہ ساہی کا سر صیاد کے خوف سے اندر رہتا ہے تا آنکہ جب اس کو موقعہ ملتا ہے تب وہ اپنا سر باہر نکالتی ہے اور اس کے اس مکر سے سانپ بھی عاجز ہے پس یہی حالت شیطان کی ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نفس و شیطان حقیقۃً دونوں ایک ہیں یعنی مضل تام کے دو فرد ہیں تو نفس کی بھی یہی حالت ہوگی اب سمجھو کہ اصل دشمن تمہارا نفس ہے جو کچھ فساد ہے سب اسی کا ہے کیونکہ اگر یہ اندر سے تمہارا راہ نہ مارتا تو ہزاروں شیاطین الانس والجن کا تم پر قابو نہ چلتا پس۔ تمہارے اندر جو خواہش نفسانی ہے وہ ہی اصل پہرہ دار ہے جو برائیوں کو چاہتا ہے اور اسی کے سبب دل حرص و طمع اور دیگر آفات میں قید ہے اسی مخفی سپاہی کے سبب سے تم چور اور تباہ ہوئے ہو جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پولس کے لوگوں کو تمہاری سرکوبی کا موقع ملا ہے حدیث میں کیا اچھی نصیحت آئی ہے۔ ان اعدى عدوك نفسك التى بين جنبيك یعنی سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو کہ تمہارے اندر موجود ہے

پس تم اس سے بھاگنا اور اس کی ظاہری خوشنما باتوں کو نہ سننا کیونکہ یہ بھی شیطان کی طرح لڑاکا اور جھگڑالو ہے۔ اسی کمبخت نے حب دنیا اور اپنی عداوت کی وجہ سے تم پر عذاب ابدی کو آسان کر دیا ہے اور تم بے تکلف ان کاموں کو کرتے ہو جو تمہارے لئے عذاب ابدی کا باعث ہیں اور یہ کمبخت کبھی حرام موت کو بھی آسان کر دیتا ہے اور اگر وہ ایسا کرے تو کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ بڑا جادوگر ہے اور اپنے جادو سے ایسے ایسے سینکڑوں شعبدے دکھلاتا ہے کیونکہ جادو کو حق سبحانہ نے بڑی قوت عطا کی ہے وہ تنکے کو پہاڑ اور پہاڑ کو تنکا بنا دیتا ہے۔ بروں کو اچھا اچھوں کو برا کر دیتا ہے کبھی آدمی کو گدھا بنا دیتا ہے اور کبھی گدھے کو آدمی بنا دیتا ہے جو کہ اس کی قوت کی ایک بڑی دلیل ہے غرضیکہ جادو کا کام یہ ہے کہ وہ منتر پھونک کر ہر دم قلب حقائق کرتا رہتا ہے۔ اب تم سمجھو کہ ایسا کامل جادوگر تمہارے اندر موجود ہے اور وہ وساوس سے ہمیشہ جادو کرتا رہتا ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جہاں یہ عظیم الشان جادو ہیں وہیں وہ جادوگر بھی ہیں جو ان کا توڑ کرتے ہیں اور جس جنگل میں یہ تر و تازہ زہر پیدا ہوا ہے وہیں تریاق بھی پیدا ہوا ہے وہ تریاق کہتا ہے کہ جب تم پر زہر غلبہ کر لے تو مجھے سپر بناؤ کیونکہ میں زہر کی نسبت تم سے زیادہ قریب ہوں نفس و شیطان کا منتر اگر جادو اور تمہاری بربادی کا سبب ہے تو میرا منتر وہ جادو ہے جو اس جادو کا توڑ کرنے والا ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان من البیان لسحرا یعنی بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور واقعی آپ نے نہایت بجا فرمایا ہے مگر یہ بھی یاد رکھو کہ جو جادو جادوگروں کے جادو کا توڑ ہو وہ حقیقت میں جادو نہیں بلکہ وہ اس زہر سحر کا تریاق ہے اب یہ سمجھو کہ وہ بیان جو جادوگروں کے جادو کا توڑ ہو کون سا ہے سو وہ برگزیدہ اہل اللہ کا بیان ہے جس میں اغراض نفسانیہ کا ذرہ بھر میل نہیں خلاصہ کلام یہ کہ تم نفس کے زہر سے بھاگو اور بہت جلد شیخ کا تریاق پیو اور نفس کے طلسم سحر کو توڑ دو اور پیر کے خزانہ معارف میں سرنگ یا نقب لگا کر پہنچو خیر یہ گفتگو تو بہت طویل ہے اب ابتداء کی طرف لوٹنا چاہئے اور مہمان اور مسجد کے قصہ کی طرف چلنا چاہئے۔ اور اس کو یہیں چھوڑ کر مسجد کو چلنا چاہئے اور مہمان کا قصہ اور واقعہ بیان کرنا چاہئے۔

شرح شبّیری

ملامت گروں کا مسجد کے مہمان کو مکرر نصیحت کرنا

ہیں مکن جلدی بروائے بوالکرم	مسجد و ما را مکن زیں متہم
خبردار اے بھلے آدمی! بہادری نہ دکھا	ہمیں اور مسجد کو متہم نہ بنا

یعنی (اہل محلّہ نے کہا کہ) ارے بھلے آدمی جلدی مت کر چلا جا ہمیں اور مسجد کو اس سے متہم مت کر۔ یعنی اگر تو یہاں ٹھہرا اور مارا گیا تو سب لوگ ہم پر الزام رکھیں گے اور سمجھیں گے کہ ان ہی لوگوں نے مار ڈالا ہے تو تو ہمیں کیوں بدنام کرتا ہے۔

گر بگوید دشمنے از دشمنی	آتشے درمازند فرداد نے
اگر دشمنی سے کوئی دشمن کہدے گا	تو کمینہ کل کو ہمیں (آگ میں) پھونک دے گا

یعنی اگر کوئی دشمنی دشمنی کی وجہ سے کہدے اور کل کو کوئی کمینہ ہمارے اندر آگ لگا دے (اور یہ کہے کہ)

کہ بتاسانید او را ظالمے	بر بہانہ مسجد او بد سالمے
کہ اس کا کسی ظالم نے گلا گھونٹا ہے	مسجد کے بہانے سے، وہ اچھا خاصہ تھا

یعنی کہ گلا گھونٹ دیا ہے اس کا کسی ظالم نے اور مسجد کے بہانہ پردہ بے فکر تھا۔

تا بہانہ قتل بر مسجد نہد	چونکہ بدنام است مسجد او جہد
تاکہ موت کا بہانہ مسجد پر رکھ دے	چونکہ مسجد بدنام ہے، وہ چھوٹ جائے گا

یعنی تاکہ قتل کا بہانہ مسجد پر رکھ دے جبکہ مسجد بدنام ہے تو وہ (صاف) نکل جاوے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے کہا کہ میاں یہاں سے چل دے ورنہ کوئی دشمن دشمنی کی وجہ سے ہمارے اوپر الزام لگا دے گا اور کہدے گا کہ میاں ان ہی لوگوں نے مار دیا ہے اور چونکہ مسجد بدنام ہے کہ یہاں جو آتا ہے مرجاتا ہے اس لئے مار کر اس مسجد کا نام لے دیا تو چونکہ ہمیں اس الزام کا خوف ہے لہذا تو یہاں سے روانہ ہو جا۔

تہمتے بر ما منہ اے سخت جان	کہ نہ ایم ایمن ز مکر دشمنان
اے جفاکش! ہم پر تہمت نہ رکھ	کیونکہ ہم دشمنوں کے مکر سے مطمئن نہیں ہیں

یعنی (اہل محلہ نے کہا کہ) ارے سخت جان ہمارے اوپر تہمت مت رکھ کیونکہ ہم دشمنوں کے مکر سے بے خوف نہیں ہیں یعنی ان لوگوں نے کہا کہ میاں ہمارے اوپر تہمت مت رکھ اس لئے کہ ہمیں دشمنوں کا بہت خوف ہے ممکن ہے کہ لوگ ہم پر تہمت لگا دیں گے اس لئے تو یہاں سے روانہ ہو جا۔

ہیں برو جلدی مکن سودا مپز	کہ نتان پیمود گردوں را بگز
خبردار! بہادری نہ کر خیالی (پلاؤ) نہ پکا	کیونکہ آسمان کو گز سے نہیں ناپا جا سکتا

یعنی ارے جا جلدی مت کر سودا مت پکا کیونکہ آسمان کو گز سے کوئی ناپ نہیں سکتا مطلب یہ کہ جلدی مت کر سوچ سمجھ کر کام کر اور ایسے تمام خیالات کو مت پکا اس لئے کہ یہ ایسا مشکل کام ہے جیسے کہ آسمان کی پیمائش کرنا اور آسمان کی پیمائش کوئی کر نہیں سکتا۔ لہذا تو بھی اس مسجد میں نہیں رہ سکتا۔

چوں تو بسیاران بلافیدہ ز بخت	ریش خود برکندہ یک یک لخت لخت
تجھ جیسے بہت سوں نے نصیبہ دری کی شیخی ماری ہے	ہر ایک نے اپنی داڑھی کا ایک ایک بال نوچا ہے

یعنی تجھ جیسے بہتیرے جو کہ بخت کی وجہ سے شیخی کرتے تھے اپنی ڈاڑھی کو یک ایک کر کے اکھاڑ دی مطلب یہ کہ یہاں بہت لوگوں نے بخت آزمائی کر لی ہے مگر کوئی بھی یہاں سے بازی نہ لے سکا بلکہ جو آیا تباہ و برباد ہی ہوا

لہذا تو اس خیال میں مت پڑ اور چلا جا۔

ہین برو کوتاہ کن این قیل و قال	خویش و مارا در میفکن در وبال
خبردار! چلا جا اس بحث مباحثہ کو مختصر کر	اپنے آپ کو اور ہمیں مصیبت میں نہ پھنسا

یعنی ارے جا اور اس کہنے سننے کو کم کر اور اپنے کو اور ہمیں وبال میں مت ڈال مطلب یہ کہ سب نے کہا کہ بس ان باتوں کو جانے دو اور ہم پر تو الزام مت لگاؤ اور اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ بس تم یہاں سے چلے ہی جاؤ جب اس نے ان سلامت گروں کی یہ باتیں نصیحتیں سنیں تو اس نے جواب ذیل دیا۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ انہوں نے پھر کہا کہ آپ جائیں اور جلدی نہ کریں اور ہم کو اور ہماری مسجد کو الزام قتل سے متہم نہ کریں ہم کو ڈر ہے کہ کوئی دشمنی سے یوں نہ کہے کہ اور کوئی کمینہ ہم کو یوں ضرر نہ پہچائے کہ صاحب مارا تو ہے اسے کسی ظالم نے اور نام لے دیا مسجد کا اور اس بہانہ سے خود بچ گیا اور اس نے یہ جرات اس لئے کی ہے کہ چونکہ مسجد بدنام ہے اس لئے اس کو مسجد کے سر تھوپ دے اور خود کود کر الگ ہو جاوے۔ پس آپ بہادر سہی مگر ہم کو الزام سے بچایئے اس لئے کہ ہم دشمنوں کی شرارت سے مطمئن نہیں ہیں دیکھئے ہم کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے جایئے اور جلدی نہ کیجئے اور خیال خام نہ پکایئے کیونکہ مسجد میں رہ کر بچ جانا یوں ہی ناممکن ہے جیسا کہ آسمان کو گز سے ناپنا اور یہ تو ناممکن ہے لہذا وہ بھی ناممکن ہے آپ جیسے بہت سے آئے ہیں انہوں نے اپنی خوش اقبالی کی شیخیاں ماری ہیں لیکن نتیجہ یہی ہوا کہ وہ پچھتائے اور مارے غم کے اپنی ڈاڑیاں نوچ کر ایک ایک بال اکھیڑ ڈالا۔ اچھا تو اب تشریف لے جائیں اور زیادہ نہ کہیں سنیں نہ اپنے کو مصیبت میں ڈالیں اور نہ ہم کو بلا میں پھنسائیں۔

شرح شبّیری

اس مہمان کا انکو جواب دینا اور کھیت والے لڑکے کا اور اپنی کھیتی سے ڈھیپڑی کے ذریعہ سے محمود غزنوی کے نقارہ بردار اونٹ کو ہٹانے کی مثل بیان کرنا

گفت اے یاران ازان دیوان نیم	کہ زلاحولے ضعیف آید پیم
اس نے کہا اے دوستو! میں ان بھوتوں میں سے نہیں ہوں	کہ ایک لاحول سے میرا قدم کمزور پڑے

یعنی اس نے کہا کہ اے یارو میں ان دیوانوں سے نہیں ہوں کہ جو ایک لاحول سے میرا قدم ضعیف ہو جاوے یعنی اس نے کہا کہ میں ان لوگوں سے نہیں ہوں کہ جو تمہاری باتوں سے ڈر جاؤں اور میرا قدم سست ہو جاوے اور میں اس مسجد میں نہ ٹھہروں اس لئے کہ میری مثال تو ایسی ہے کہ۔

کودکے کو حارس کشتے بدے	طبلکے در دفع مرغان می زدے
ایک بچہ جو کھیتی کا رکھوالا تھا	پرندوں کو اڑانے کے لئے ایک ڈفلی بجاتا تھا

یعنی ایک لڑکا چونکہ نگہبان ایک کھیتی کا تھا جانوروں کے دفع کرنے کے لئے ایک ڈھپڑی بجایا کرتا تھا۔

تا رمیدے مرغ ازان طبلک زکشت	کشت ازان مرغان بد بے خوف گشت
حتیٰ کہ پرند اس ڈفلی سے کھیتی سے اڑ جاتے	کھیتی شریر پرندوں سے بے خوف ہو جاتی

یعنی یہاں تک کہ جانور اس ڈھپڑی کی وجہ سے کھیت سے بھاگ جاتے تو کھیتی بد جانوروں سے بے خوف ہو گئی تھی۔

چونکہ سلطان شاہ محمود کریم	بر گزر زد آنطرف خیمہ عظیم
جب شاہ سلطان محمود کریم	گزرا وہاں اس نے بڑا خیمہ لگایا

یعنی جبکہ سلطان محمود شاہ کریم نے گزرگاہ پر اس طرف خیمہ عظیم لگایا۔

باسپاہے ہمچو استارہ اثیر	انبہ و فیروز صفدر ملک گیر
ایسے لشکر کیساتھ جو آسمان کے ستاروں کی طرح تھا	گھنا اور کامیاب صفوں کو چاک کرنے والا ملک کو فتح کرنے والا

یعنی ساتھ ایک لشکر کے جو مثل آسمان کے ستاروں کی بے حد تھا اور کامیاب اور شجاع اور ملک گیر یعنی اس حالت میں محمود غزنوی اس لڑکے کے کھیت کی طرف کو گزرا تو اس نے اتفاقاً وہیں ڈیرہ ڈال دیا۔

اشترے بد کو بدے حمال کوس	بختی بد پیشرو ہمچو خروس
ایک اونٹ تھا جو نقارہ اٹھانے والا تھا	آگے چلنے والا بختی (نسل کا) تھا مرغ کی طرح

یعنی ایک اونٹ تھا جو کہ نقارہ بردار تھا ایک بختی تھا مرغ کی طرح آگے چلنے والا یعنی جس طرح کہ مرغ تمام جانوروں میں سحر خیز ہوتا ہے اسی طرح وہ اونٹ بھی سب میں آگے چلنے والا تھا۔

بانگ کوس و طبل بروے روز و شب	می زدند اندر رجوع و در طلب
رات دن نقارہ اور ڈھول اس پر	بجاتے تھے روانگی اور واپسی پر

یعنی کوچ کے روز طبل کی آواز اس کے اوپر رات دن آنے جانے میں بجایا کرتے تھے۔

اندران مزرع درآمد آن شتر	کودک آن طبلک بزد در حفظ بر
وہ اونٹ اس کھیت میں آ گیا	گیہوں کی حفاظت کے لئے بچہ نے وہ ڈفلی بجائی

یعنی وہ اونٹ اس کھیتی میں آ گیا تو لڑکے نے اس ڈھپڑی کو گیہوں کی حفاظت کے لئے بجایا۔

عاقلے گفتش مزن طبلک کہ او	بخیت طبل است وبآ نشست خو
ایک عقلمند نے اس سے کہا ڈفلی نہ بجا کیونکہ وہ	نقارے کا اونٹ ہے اور اس کو اس کی عادت ہے

یعنی ایک عاقل نے اس سے کہا کہ تو ڈھپڑی مت بجا اس لئے کہ وہ تو بختی ہے اور وہ اس کا عادی ہے (آن نشست خو اصل میں آن نشست خوست تھا یعنی اس طبل کے ساتھ اس کی عادت ہے تو پھر وہ اس ڈھپڑی سے کیا ڈرے گا۔

پیش او چہ بود تبوراک تو طفل	کہ کشد او طبل سلطان بیست کفل
اس کے سامنے تجھ لڑکے کی ڈفلی کیا ہے	کیونکہ وہ بادشاہ کا بیس گنا نقارہ اٹھاتا ہے

یعنی اے لڑکے اس کے آگے تیری ڈھپڑی کیا ہوگی کیونکہ وہ تو طبل سلطانی کو جو بیس گنا ہے کھینچتا ہے۔ (تو وہ اس ذرا سی ڈھپڑی سے کیا ڈریگا اب اس مثل کو بیان کر کے وہ مہمان کہتا ہے کہ)

عاشقم من کشتۂ و قربان لا	جان من نو بتگہ طبل بلا
میں عاشق ہوں اور لا کا مقتول اور قربان ہوں	میری جان مصیبت کے نقارہ کی نقار خانہ ہے

یعنی میں عاشق ہوں مارا ہوا اور قربان فنا کا ہوں اور میری جان طبل بلا کی نوبت گاہ ہے۔

خود تبوراک است این تہدید ہا	پیش انچہ دیدہ است این دیدہا
یہ ڈراوے ڈفلی ہیں	اس کے سامنے جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے

یعنی یہ تہدیدیں خود ان چیزوں کے سامنے جن کو کہ ان آنکھوں نے دیکھا ہے ڈھپڑیاں ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ وہ اونٹ طبل بردار تھا اس وجہ سے اس ڈھپڑی سے نہ ڈرتا تھا اسی طرح میں بھی بلاؤں کا برداشت کرنے والا ہوں مجھ پر سینکڑوں بلائیں نازل ہو چکی ہیں تو پھر میرے سامنے تمہاری یہ دھمکیاں کیا چل سکتی ہیں یہ دھمکیاں میرے آگے ایسی ہیں جیسے کہ اس اونٹ کے آگے وہ ڈھپڑی اس لئے کہ میں نے تو اس سے کہیں زیادہ بلائیں برداشت کی ہیں۔

ای حریفان من ازانہا نیستم	کز خیالاتے درین رہ بیستم
اے دوستو! میں ان میں سے نہیں ہوں	کہ خیالات کی وجہ سے اس راستہ سے باز رہوں

یعنی اے دوستوں میں ان میں سے نہیں ہوں کہ خیالات کی بناء پر اس راہ میں کھڑا ہو جاؤں۔ یعنی تم جو باتیں کر رہے ہو یہ صرف خیالات ہیں کہ یوں ہوگا اس طرح ہوگا تو میں ایسا نہیں کہ خیالات کی بناء پر ڈر جاؤں بلکہ۔

من چو اسمعیلیانم بے حذر	بل چو اسماعیل آزادم ز سر
میں اسماعیلیوں کی طرح نڈر ہوں	بلکہ (حضرت) اسماعیلؑ کی طرح سر سے بے نیاز ہوں

یعنی میں اسمعیلیوں (ایک فرقہ کا نام ہے) کی طرح ہوں بے خوف بلکہ اسماعیل کی طرح سر سے آزاد ہوں

یعنی مجھے مرجانے سے خوف نہیں ہے میں تو مرنے کو پھرتا ہوں میں اپنے سر سے بالکل آزاد ہوں۔

فارغم از طمطراق و از ریا	قل تعالوا گفت جانم را بیا
میں شان و شوکت اور دکھاوے سے خالی ہوں	اس نے "قل تعالوا" میری جان کے لئے کہا ہے کہ آ جا

یعنی میں شان وشوکت اور ریا سے فارغ ہوں قل تعالوا نے میری جان کو کہا ہے کہ آ۔ یعنی مجھے شان و شوکت کی ضرورت نہیں ہے جو شبہ ہو کہ میں یہ باتیں اس لئے کر رہا ہوں نہ مجھے ریا مقصود ہے بلکہ تعالوا کا جو خطاب ہو رہا ہے وہ خطاب مجھے بلا رہا ہے اور اس کی وجہ سے میں جان دینے پر دلیر ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

اس نے جواب دیا کہ صاحبو! میں شیطان نہیں ہوں کہ لاحول سن کر میرا قدم سست ہو جاوے لہذا یہ تہدیدات اور دھمکیاں مجھے میرے ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتیں میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں غور سے سنو ایک لڑکا جو کہ ایک کھیت کی رکھوالی کرتا تھا جانوروں کو ہٹانے کے لئے ڈھپڑی بجا دیتا تھا اس سے جانور بھاگ جاتے تھے اور اس ذریعہ سے کھیتی ان سے مامون ہو جاتی تھی جبکہ سلطان محمود نے اس طرف کو گزرتے ہوئے ایک ستاروں کی مانند بیشمار اور فتحمند صف شکن ملک گیر لشکر کے ساتھ وہاں قیام کیا تو اس کا ایک نقارہ بردار اور جس طرح مرغ سب سے پہلے اٹھتا ہے یوں سب سے آگے چلنے والا بختی اونٹ تھا اتفاقاً وہ اونٹ اس کھیت میں جا گھسا اس پر لڑکے نے ڈھپڑی کو بغل میں لے کر اس کو نکالنے کے لئے بجانا شروع کیا۔ کسی عقلمند نے اس سے کہا کہ میاں صاحبزادے تم ڈھپڑی نہ بجاؤ کیونکہ یہ نقارہ بردار اونٹ اور اس آواز کے سننے کا عادی ہے یہ اس سے نہیں ڈر سکتا جبکہ یہ تمہاری ڈھپڑی سے بیس گنا بڑا نقارہ اٹھاتا اور اس کی آواز سنتا ہے تو تمہاری ڈھپڑی کیا چیز ہے۔ سو صاحبو میں عاشق اور فنا پر مٹا ہوا ہوں میری جان مصائب کا نقار خانہ ہے پس جو بلائیں میں نے ان آنکھوں سے دیکھی ہیں ان کے سامنے یہ دھمکیاں ایسی ہیں جیسے نقارہ محمود کے سامنے ڈھپڑی۔ نیز میرے سامنے یہ دھمکیاں ایسی ہیں جیسے رہگیر کے لئے خیالی صورتیں پس میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خیالی صورتوں سے متاثر ہو کر راستہ میں ٹھہر جاؤں اور چلنا چھوڑ دوں میں اسماعیل مسترب لوگوں کی طرح بے خوف ہوں بلکہ خود اسماعیل علیہ السلام کی طرح سر سے بے پرواہ ہوں تم میری باتوں کو شیخی سمجھتے ہو مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ نہ مجھے نمائشی باتوں کی ضرورت ہے نہ دکھاوے کی حاجت بلکہ میری جان کو تو حکم قل تعالوا بلا رہا ہے اس لئے میں سر ہتھیلی پر لئے پھرتا ہوں۔

شرح شبیری

گفت پیغمبر کہ جاد فی السلف	بالعطیہ من تیقن بالخلف
پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ اچھا کیا قرض	دینے میں جس نے اجر کا یقین کیا

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پہلے لوگوں میں عطا کرنے میں اس نے سخاوت کی ہے جس نے عوض کا یقین کرلیا یعنی جس کو کہ جود وکرم کا بدلہ یعنی جنت کا یقین ہوگیا اس نے جان لیا کہ اگر میں عطا کروں گا تو اس کے بدلہ میں مجھے بے حد نعمتیں ملیں گی تو بس اس نے خوب جود وکرم کیا۔

ہر کہ بیند مر عطارا صد عوض	زود در بازد عطا رازین غرض
جو دینے میں سو بدلے دیکھتا ہے	اس غرض سے دینے کی بازی جلد کھیلتا ہے

یعنی جو شخص کہ عطا کے سو عوض دیکھ لیتا ہے وہ جلدی سے عطا کا دروازہ اس غرض کے لئے کھول دیتا ہے یعنی جس نے دیکھا کہ ایک دینے سے سو ملتے ہیں تو اس نے فوراً دروازہ عطا کا کھول دیا کہ وہ اس نفع سے متمتع ہوسکے تو چونکہ اس شخص نے یہی سمجھ لیا تھا کہ اگر میں مارا ہی گیا تو شہید ہوں گا اس لئے وہ جان دینے کو تیار ہوگیا تھا اور آگے قصہ چند اشعار مولانا فرماویں گے جس سے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان ساری باتوں سے امور ظاہر مراد ہی نہیں بلکہ جان دینے سے مراد مجاہدات وریاضات کرنا ہے اور وہ طلسم راہ حق کی مشکلات ہیں اور وہ خزانہ جو اس طلسم میں تھا اس سے مراد خزانہ علوم ومعارف ہے تو اب تو مطلب بالکل ظاہر ہوگیا کہ اس نے دیکھا کہ مجاہدات وریاضات کرنے سے بے حد فوائد ہیں لہٰذا وہ مجاہدات وریاضات پر تیار ہوگیا اور ان مجاہدات وریاضات میں اس نے بلاؤں کے آنے کی اور جان کے جانے کی پرواہ نہ کی اور یہی وہ کہہ رہا ہے کہ مجھے پرواہ نہیں ہے اب چونکہ بیان کیا ہے کہ جو عطاء کے عوض کو دیکھ لیتا ہے وہ پھر خوب عطا کرتا ہے تو آگے اس کی نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

جملہ در بازار زان گشتند بند	تاچو سود افتاد مال خود دہند
تمام لوگ بازار میں اسی لئے پھنسے ہیں	تاکہ جب نفع ہو اپنا مال دیدیں

یعنی سارے لوگ بازار میں اس لئے بند ہو رہے ہیں کہ جب نفع پڑے تو اپنا مال دیدیں۔

زر در انبانہا نشستہ منتظر	تاکہ سود آید بہ بزل آید مصر
(ہر شخص) روپیہ تھیلیوں میں لئے منتظر بیٹھا ہے	خرچ کر دینے پر مصر ہے تاکہ نفع آئے

یعنی روپیہ پیسہ تھیلیوں میں رکھے ہوئے اور منتظر بیٹھے ہوئے ہیں تاکہ نفع آوے اور کوئی اصرار کرنے والا خرچ میں آوے مطلب یہ کہ دیکھو بازار میں تاجر اپنے مال کو اور صراف روپیہ پیسہ کو لئے بیٹھے ہیں کہ اگر ہم کو نفع ملے تو اپنا مال دیدیں تو دیکھو نفع ملنے پر اور عوض کے حاصل ہو جانے پر اپنا مال دیدینے کے لئے تیار ہیں۔

چون بہ بیند کالۂ در ربح بیش	سرد گردد عشقش از کالائے خویش
جب کسی سامان کو نفع میں بڑھا ہوا دیکھتا ہے	اپنے سامان سے اس کا عشق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے

یعنی جب (تاجر) اسباب کو نفع میں زیادہ دیکھتا ہے تو اس کا عشق اپنے اسباب سے سرد ہو جاتا ہے مطلب

یہ کہ جب اس نے دیکھا کہ اگر اس مال کو دیدیا تو اس کے بدلہ میں عوض زیادہ ملے گا تو اس کے دل میں جو مال کی محبت تھی اب وہ جاتی رہی اور یہ اپنے مال کو دیدینے کو تیار ہو گیا۔

گرم زان ماندست با آن کو ندید	کالہائے خویش را ربح و مزید
سرگرم اس لئے رہا ہے کہ اس نے نہیں دیکھا	اپنے سامان کا نفع اور بڑھاؤ

یعنی اس اسباب کا شائق اس لئے ہے کہ اس نے اپنے اسباب کا نفع اور زیادہ ہونا نہیں دیکھا یعنی جس کو کہ خبر نہیں ہے کہ اس اسباب کے دینے سے یہ نفع ہوتا ہے وہ خود اس اسباب ہی پر عاشق اور اسی کا شائق بن بیٹھا ہے۔

ہمچنین علم و ہنر ہائے و حرف	چوں ندید افزون از انہا در شرف
یہی عالم علم اور ہنروں اور پیشوں کا ہے	جبکہ اس نے فضیلت میں ان سے زیادہ کچھ نہ دیکھا

یعنی اسی طرح علم و ہنر اور پیشے جب ان میں زیادتی کو نہ دیکھا شرف میں یعنی اسی طرح علم و ہنر ہیں کہ جب انسان ان میں کوئی زیادتی نہ دیکھے تو ان کو بھی خرچ نہیں کرتا اور جب اس میں زیادتی معلوم ہو جاتی ہے تو پھر خرچ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

تا بہ از جان نیست جان باشد عزیز	چون بہ آمد نام جان شد چیز لیز
جب تک وہ جان سے زیادہ پیارے نہ ہوں جان پیاری ہوتی ہے	جب وہ بہتر ہوں جان کا نام ناچیز ہو جاتا ہے

یعنی جب تک کہ جان سے بہتر نہیں ہے جان عزیز ہوتی ہے اور جب بہتر آیا تو جان کا نام ایک شے حقیر ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جس وقت تک جان سے بہتر شے کوئی نہیں دیکھتا اس وقت تک جان محبوب ہے اور جب اس سے بہتر شے مل گئی اب جان کی قدر بھی جاتی رہی۔

لعبت مردہ بود جان طفل را	تا نگشت او در بزرگی طفل زا
مردہ گڑیا بچے کی جان ہوتی ہے	جب تک کہ وہ بڑائی میں بچہ پیدا کرنے والا نہ بن جائے

یعنی مردہ گڑیا بچہ کی جان ہوتی ہے جب تک کہ وہ بزرگی میں بچہ کا جننے والا نہ ہو۔ یعنی جب تک کہ انسان عاقل نہیں ہوتا اس وقت تک تو گڑیوں کو جو مردہ ہیں محبوب سمجھتا ہے اور جب عاقل بالغ ہوا اور خود اس کے بچے پیدا ہوں تو اب اس کو ان مردہ گڑیوں سے محبت نہیں رہی کیونکہ اب اس کو اس سے بہتر چیز خود اس کے بچے مل گئے۔

این تصور وین تخیل لعبت است	تا تو طفلی پس بدانت حاجت است
یہ تصور اور یہ تخیل گڑیا ہے	جب تک تو بچہ ہے اس کی تجھے ضرورت ہے

یعنی یہ خیالات اور تصورات گڑیاں ہیں جب تک کہ تو بچہ ہے تجھے ان کی حاجت ہے (لیکن)

چون ز طفلی رست جان شد در وصال	فارغ از حس است و تصویر و خیال
جب جان بچپن سے نجات پا گئی واصل ہو گئی	حس اور تصویر اور خیال سے فارغ ہو گئی

یعنی جب طفلی سے چھوٹا اور جان وصال میں ہوئی تو (اب جان) حسن اور تصورات اور خیالات سے فارغ ہو گئے یعنی جب تم کو وصال حق میسر ہوا اور تم کو قرب نصیب ہوا جس سے عقل و ہوش سب درست ہو گئے تو اب تم ان حواس سے بھی چھوٹ گئے اور تم کو ان تخیلات واہیہ کی ضرورت مندی آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست محرم تا بگویم بے نفاق	تن زدم واللہ اعلم بالوفاق
محرم نہیں ہے تاکہ بغیر تصنع کہہ دوں	میں خاموش ہو گیا اور خدا موافقت کرنے والوں کو زیادہ جانتا ہے

یعنی کوئی محرم نہیں ہے تاکہ میں بے نفاق کے بیان کر دوں تو چپ رہتا ہوں واللہ اعلم بالوفاق مطلب یہ کہ کوئی ایسا محرم تو ہے نہیں جس سے صاف صاف بیان کر دوں اب تو صرف اشارات میں کہا جاتا ہے تو جب کوئی محرم نہیں ہے تو اب چپ رہنا ہی بہتر ہے اب یہاں مضمون وصال واتحاد کو بند کر دیا آگے دوسرا مضمون ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

مال و تن برف اندر یزان فنا	حق خریدارش کہ اللہ اشتریٰ
مال اور جسم برف ہیں جو فنا سے پگھل رہے ہیں	اللہ (تعالیٰ) ان کا خریدار ہے کیونکہ اللہ نے خرید لیا ہے

یعنی مال وتن برف ہیں فنا کے گرائے ہوئے خریدار اس کا حق ہے کہ اشتریٰ مطلب یہ کہ مال وتن برف کی طرح فانی اور ہر وقت گھلنے والے ہیں اور ان کا خریدار حق تعالیٰ ہے کہ ارشاد ہے کہ ان اللّٰہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالھم بان لھم الجنۃ

برفہا زان از ثمن اولیستت	کہ توئی در شک یقینے نیستت
تیرے لئے برف، عوض سے زیادہ بہتر ہے	کیونکہ تو شک میں ہے، تجھے یقین نہیں ہے

یعنی برف قیمت سے تجھے اس لئے بہتر ہے کہ تو شک میں ہے اور تجھے یقین نہیں ہے مطلب یہ کہ تو جو دنیا کے مال واسباب پر جو ذاتی ہیں ریجھ رہا ہے اور اس کی جو قیمت حق تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے یعنی جنت اس سے تو ان کو بہتر سمجھتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ تجھ کو ابھی درجہ یقین اصل نہیں ہوا تو ابھی تک شک میں ہے اگر یقین ہو جاتا تو ضرور تو اس فانی شے کو ترک کرتا اور اس باقی کو حاصل کرتا۔

وین عجب ظنے ست در تو اے مہین	کہ نمی پرد بہ بستان یقین
اے ذلیل! تجھ میں یہ عجب ظن ہے	جو یقین کے باغ کی طرف پرواز نہیں کرتا ہے

یعنی اور تیرے اندر اے ذلیل یہ عجیب ظن ہے جو کہ بستان یقین تک اڑتا ہی نہیں یعنی عجب ظن ہے کہ جو اس کے بعد یقین حاصل ہی نہیں ہوتا ورنہ۔

می زند اندر تزائد بال و پر	ہر گمان تشنہ یقین ست اے پسر
جو بڑھاؤ کی طرف بال و پر پھڑپھڑاتا ہے	اے بیٹا ہر گمان یقین کا پیاسا ہے

یعنی اے صاحبزادہ ہر گمان یقین کا طالب ہے اور زیادتی میں بال و پر مارتا ہے یعنی ہر گمان ترقی کر کے یقین تک پہنچنا چاہتا ہے۔

مر یقین را علم او پویا شود	چون رسد در علم پس برپا شود
اس کا علم یقین کی طرف دوڑتا ہے	جب وہ علم (کے درجہ) میں پہنچتا ہے قائم ہو جاتا ہے

یعنی جب (وہ شک) علم میں پہنچ جاتا ہے تو استوار ہو جاتا ہے اور یقین کیلئے اس کا علم دوڑنے والا ہوتا ہے یعنی اول شک ہوتا ہے وہ شک ترقی کر کے علم تک پہنچ جاتا ہے پھر وہ علم چل کر اور دوڑ کر یقین تک پہنچا دیتا ہے مگر تعجب ہے کہ تمہارا شک نہ علم بنتا ہے نہ یقین ورنہ ترتیب یہی ہے۔

علم کمتر از یقین و فوق ظن	زانکہ ہست اندر طریق مفتتن
علم یقین سے کم اور ظن سے اوپر ہے	چونکہ آزمائے ہوئے طریقے ہیں

یعنی اس لئے کہ طریق ممتحن میں علم یقین سے کم ہے اور ظن سے اوپر ہے۔

وان یقین جویائے دیدست و عیان	علم جویائے یقین باشد بدان
اور یقین دید اور مشاہدے کا طالب ہے	سمجھ لے علم یقین کا طالب ہوتا ہے

یعنی علم تو طالب یقین کا ہوتا ہے جان لو اور وہ یقین طالب دید کا اور معائنہ کا ہوتا ہے مطلب یہ کہ تمام میں یہی قاعدہ اور یہی ترتیب ہے لیکن تم ہمیشہ سے شک ہی میں ہو تمہارا یہ شک ختم ہی نہیں ہوتا نہ تو علم بنتا ہے اور نہ یقین آگے اس ترتیب کی ایک دلیل قرآن شریف سے لاتے ہیں کہ۔

ازپس کلا پس لو تعلمون	اندر الھکم بجواین راکنون
کلا کے پیچھے لو تعلمون کے پیچھے	(سورۂ) الھکم میں اس کو تلاش کر لے

یعنی الھکم میں اب تم اس کو ڈھونڈ لو کلا کے پیچھے اور پیچھے لو تعلمون کے (ازپس کلا سے مراد کلا سوف تعلمون ثم کلا سوف تعلمون ہے اور پس لو تعلمون سے مراد کلا لو تعلمون علم الیقین ہے مطلب یہ ہے کہ الھکم التکاثر میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم لوگ جو دنیا میں شک میں پڑے ہوئے ہو تو تم ضرور جان لوگے اور پھر ضرور جان لوگے (یہ ترجمہ ہے کلا سوف تعلمون الخ کا) تو اس لئے تو علم ثابت ہوا کہ تم کو جو بہشت وغیرہ میں شک ہے ان سب کا علم ہو جاوے گا آگے فرماتے ہیں کلا لو تعلمون علم الیقین اس سے بعد علم کے یقین معلوم ہوتا ہے کہ بعد شک کے تم کو علم ہوگا اس کے بعد یقین ہو جاوے گا تو

شک کے بعد علم اور علم کے بعد یقین تو ثابت ہو گیا اب صرف یقین کے بعد معائنہ کا ثبوت رہا وہ بھی سورۃ میں مذکور ہے جس کو شعر ذیل میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

می کشد دانش بہ بینش ای علیم	گر یقین بودے بدیدندے جحیم
اے علم والے! علم، مشاہدے کی طرف لے جاتا ہے	اگر انہیں یقین ہوتا تو وہ دوزخ کا مشاہدہ کر لیتے

یعنی اے علیم یقین رویت کی طرف کھینچتا ہے کہ اگر یقین ہوتا تو جحیم کو دیکھ لیتے اگر یقین بودے بدیدندے جحیم ترجمہ ہے لترون الجحیم ثم لترونها عین الیقین ۔) مطلب یہ کہ پھر وہ یقین رویت کی طرف لے جاتا ہے اور اس کے بعد معائنہ و رویت ہو جاتی ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ ارشاد ہے کہ لترون الجحیم الخ یعنی اس یقین کے بعد جو کہ حاصل ہوا ہے رویت و معائنہ حاصل ہو گا۔ پس قرآن شریف سے ثابت ہو گیا کہ ترتیب اسی طرح ہے کہ اول شک ہوتا ہے پھر علم ہوتا ہے پھر یقین پھر معائنہ و مشاہدہ ہوتا ہے لیکن فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ تم لوگ ابھی تک شک ہی میں پڑے ہوئے ہو تم عروج کر کے ان مراتب تک پہنچتے ہی نہیں ہو بلکہ شک ہی میں پڑے ہوئے ہو حالانکہ۔

دید زاید از یقین بے امتہال	آنچنان کز ظن ہمی زاید خیال
مشاہدہ یقین سے بغیر توقف کے پیدا ہوتا ہے	جس طرح ظن سے خیال پیدا ہوتا ہے

یعنی یقین سے تو مشاہدہ بے مہلت کے پیدا ہوتا ہے جیسے کہ ظن سے خیال پیدا ہوتا ہے (خیال سے مراد علوم تقلیدی ہے) مطلب یہ کہ جس طرح کہ ظن و شک سے علم تقلیدی پیدا ہو جاتا ہے اور ظن کے بعد علم تقلیدی حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یقین سے مشاہدہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اندر الھٰکم بیان این بہ بین	کہ شود علم الیقین عین الیقین
(سورۂ) الہٰکم میں اس کا بیان دیکھ لے	کہ علمُ الیقین، عین الیقین ہو جاتا ہے

یعنی اس کا بیان الہٰکم میں دیکھ لو کہ علم الیقین عین الیقین ہو جاتا ہے (جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا کہ یقین کے بعد مشاہدہ حاصل ہوتا ہے آگے وہ مہمان کہہ رہا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا فرماتے ہیں (اور ممکن ہے کہ مقولہ عاشق ہی ہو) کہ کسی کو مذکورہ بالا بیان بعید نہ معلوم ہو کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (کما ہو المنقول واللہ اعلم بصحۃ النقل) کہ جس کسی کو معاوضہ کا یقین ہوتا ہے وہ ابتداء میں مال کے دینے میں دل کھول دیتا ہے اور یہ امر نہایت صحیح ہے چنانچہ لوگ بازاروں میں اسی لئے مقید ہیں کہ جب نفع ملے تو مال دے ڈالیں تھیلیوں میں سونا بھرے منتظر بیٹھے ہیں کہ نفع کا

مال ملے تو زبردستی اسے کسی کے گلے منڈھ دیں پس جب ان لوگوں کو زیادہ نفع کا مال ملتا ہے تو ان کو اپنے مال کی محبت نہیں رہتی کیونکہ ان کو اپنے مال سے اسی لئے محبت ہے کہ نفع کا مال نہیں ملا ہے علی ہذا علم و ہنر اور پیشوں سے بھی اسی لئے محبت ہے کہ ان سے زیادہ اشرف شے ان کو نہیں ملی ورنہ جبکہ ایسی شے مل جاوے تو کبھی محبت نہ رہے گی۔ پس جبکہ یہ اصول معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جان اسی وقت تک عزیز ہے جب تک اس سے زیادہ عزیز شئے نہیں ملتی اور جبکہ اس سے بہتر کوئی شے ملتی ہے تو پھر وہ عزیز نہیں رہتی بلکہ ایک حقیر شے ہو جاتی ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ بہتر عوض کے مقابلہ میں جان حقیر چیز ہو جاتی ہے اب یوں سمجھو کہ کبھی آدمی اس شے کو جو حقیقۃً جان نہیں ہے جان سمجھ لیتا ہے اس لئے کہ وہ حقیقی جان کو نہیں دیکھتا چنانچہ بچہ بے جان گڑیا کو اس وقت تک جان سمجھتا ہے جب تک وہ جوان نہیں ہوتا اور اس کے اولاد نہیں ہوتی اور جبکہ اس کے اولاد ہوتی ہے اور وہ جاندار گڑیا کو دیکھتا ہے اس وقت اس کی نظر میں وہ گڑیا کچھ بھی نہیں رہتی جب یہ امر ممہد ہو چکا تو اب سمجھو کہ دنیا و مافیہا جو کہ بمنزلہ ایک تصور و تخیل کے ہے واقع میں ایک بے جان کھلونا ہے اور جب تک کہ تم کامل العقل اور بالغ حقیقی نہیں ہوئے اس وقت تک تم کو اس کی ضرورت ہے پس جبکہ آدمی حقیقی بالغ ہو گیا اور وصل محبوب حقیقی نصیب ہو گیا تو پھر نہ اسے حس کی ضرورت رہتی ہے نہ تصور و خیال کی اور دنیا و مافیہا اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے چونکہ کوئی محرم نہیں ہے تاکہ میں اس مضمون کو صاف صاف بیان کر سکوں اس لئے اسی قدر بیان کر کے خاموشی اختیار کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تفصیل وصال حق سبحانہ ہی خوب جانتے ہیں اور اس عنوان کو چھوڑ کر دوسرے عنوان سے سمجھاتا ہوں سنو مال اور تن برف ہیں جو کہ گھٹتے اور فنا ہوتے رہتے ہیں اور خدا ان کا خریدار ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے ان اللّٰـــہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ پس جو شخص کہ وصال حق سبحانہ سے کامیاب ہو گا یا دوسرے عنوان کی بناء پر یوں کہو کہ وہ اپنی جان کی اعلیٰ قیمت دیکھے گا اس کی نظر میں جان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے اور وہ اس کے دے ڈالنے میں کیا پس و پیش کریگا۔ پس اب اس عاشق کے بیان میں کچھ بھی استبعاد نہ رہا۔ استبعاد کا منشاء یہ ہے کہ تم اس کی حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ جیسے ہم کو جان عزیز معلوم ہوتی ہے یوں ہی اس کو بھی ہونی چاہئے مگر یہ قیاس مع الفارق ہے تم کو یہ برف اس قیمت کے مقابلہ میں اس لئے عزیز ہے کہ تم کو شک ہے اور یقین نہیں ہے برخلاف اس کے کہ اس کو یقین ہے اور شک بھی عجیب قسم کا ہے کہ یقین تک پہنچنا ہی نہیں چاہتا حالانکہ ہر شک کا قاعدہ ہے کہ وہ طالب یقین ہوتا ہے اور ترقی کرنے کے لئے پر پرزے ہلاتا ہے پس جبکہ وہ علم تک پہنچتا ہے تو وہاں نہیں ٹھہرتا بلکہ سیدھا یقین تک پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ میں علم پہلے پڑتا ہے اور یقین بعد کو ملتا ہے اس لئے کہ علم ظن اور یقین کے درمیان میں واقع ہے اس لئے اولاً وہ علم ہوتا ہے اور جب علم ہو جاتا ہے تو یقین کا طالب ہوتا ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ علم جویائے یقین ہے اور جب یقین تک پہنچ جاتا ہے تو وہاں بھی نہیں ٹھہرتا بلکہ حق الیقین تک پہنچتا ہے کیونکہ یقین طالب مشاہدہ و معائنہ ہوتا ہے اس کی تصدیق تم کو الھکم التکاثر میں کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین سے ہوگی

اور معلوم ہوگا کہ علم سے مشاہدہ پیدا ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کلالو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کفار کو علم الیقین حاصل ہو جاتا تو وہ دوزخ کا مشاہدہ کرتے پس معلوم ہوا کہ علم یقینی سے مشاہدہ پیدا ہوتا ہے جس طرح کہ ظن سے خیال پیدا ہوتا ہے دیکھو الحکم میں صاف مذکور ہے کہ علم الیقین عین الیقین یعنی اصل اور حقیقی یقین جس کو اصطلاح میں حق الیقین کہتے ہیں ہو جاتا ہے۔

فائدہ:۔ اس بیان میں ظن سے مراد جانب راجح نہیں جو کہ مصطلح اہل معقول ہے بلکہ وہ علم مراد ہے جس میں طمانیت نہ ہو اور ہم نے جو اس کا ترجمہ شک کیا ہے اس سے بھی معنی اصطلاحی مراد نہیں بلکہ یہ ہی معنی مراد ہیں اور علم سے علم تقلیدی مراد ہے فتنبہ لہ)

شرح شبّیری

وز ملامت برنمی گردد سرم	از گمان و از یقین بالاترم
ملامت سے میرا سر چکراتا ہے	میں گمان اور یقین سے بالاتر ہوں

یعنی یقین اور گمان سے میں بالاتر ہوں اور ملامت کی وجہ سے میرا سر نہیں پھرتا۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ میں صاحب حال ہوں میرے ساتھ یہ ترتیب نہیں ہے کہ اول شک ہو پھر علم ہو پھر یقین وغیرہ بلکہ میں صاحب حال ہوں مجھے عوض کا یقین ہے کہ میں اگر جان دونگا تو مجھے ضرور اس سے بہتر عوض ملے گا لہذا اب اس میں کوئی شک ڈالنے والا شک نہیں ڈال سکتا۔

چشم روشن گشتم و بینائے او	چون دہانم خورد از حلوائے او
میں روشن چشم اور اس کو دیکھنے والا بن گیا ہوں	جبکہ میرا منہ اس کا حلوا کھا چکا ہے

یعنی جبکہ میرے منہ نے اس کے حلوے سے کھایا ہے تو میں چشم روشن ہو گیا ہوں اور اس کا بینا ہو گیا ہوں مطلب یہ کہ چونکہ میں چاشنی وصل چکھ چکا ہوں لہذا اب میری آنکھ کھل گئی ہے مجھے ہرگز شک نہیں ہو سکتا۔

پانہ لرزانم نہ کورانہ روم	پانہم گستاخ چون خانہ روم
نہ پاؤں کو لرزاتا ہوں، نہ اندھا دھند چلتا ہوں	میں جب گھر کو جاتا ہوں تو بے پروائی سے قدم رکھتا ہوں

یعنی میں بے تکلف چلتا ہوں جبکہ گھر جاتا ہوں نہ تو پاؤں کو لرزاتا ہوں نہ اندھوں کی طرح جاتا ہوں یعنی دیکھو مجھے گھر جانے میں چونکہ کوئی شک وغیرہ نہیں ہوتا بلکہ یقین ہوتا ہے اس لئے میں بے تکلف چلا جاتا ہوں تو اسی طرح چونکہ مجھے اس میں بھی یقین ہے کہ مجھے عوض اس جان سے بہتر ملے گا لہذا میں اس میں بھی بے باک ہوں مجھے کچھ خوف نہیں ہے۔

بادل من گفت صد چندانش کرد	انچہ گل را گفت حق خنداںش کرد
میرے دل سے کہا اور اس کو سو گنا کر دیا	جو کچھ اللہ نے پھول سے کہا اور اس کو شگفتہ کر دیا

یعنی جو کچھ کہ حق تعالیٰ نے گل کو کہا اور اس کو خنداں کر دیا میرے دل پر وہی کہا اور سو چند اس کا کر دیا یعنی حق تعالیٰ نے جو تجلی کہ گل پر کی ہے کہ جس کی وجہ سے وہ خنداں ہے وہی تجلی حق تعالیٰ نے مجھ پر کی ہے کہ جس کی وجہ سے میں بے فکر اور بے باک ہو گیا ہوں اور جان دینے کو تیار ہوں۔

آنچہ زد بر سرو و قدش راست کرد	وانچہ از وے نرگس و نسرین بخورد
وہ جو سرو پر نازل اور اس کا قد سیدھا کر دیا	اور وہ جو اس سے نرگس اور نسرین نے حاصل کی

یعنی جو شئے کہ سرو پر ماری اور اس کے قد کو راست کر دیا اور جو شئے کہ اس سے نرگس و نسرین نے کھائی۔

انچہ نے را کرد شیریں جان و دل	وانچہ خاکی یافت زو نقش چگل
وہ جس نے گنے کی جان اور دل کو شیریں کر دیا	اور وہ جس سے خاکی نے چگل کا نقش حاصل کر لیا

یعنی جس شئے نے کہ نئے کا جان و دل شیریں کر دیا اور جس شئے سے کہ خاک نے نقش چگل پایا۔ یعنی انسان نے جو کہ خاکی ہے حسن و جمال پایا۔

انچہ ابرو را چناں طرار ساخت	چہرہ را گلگونہ و گلنار ساخت
جس نے ابرو کو ایسا نوکیلا بنایا	چہرے کو سرخ اور گلنار بنایا

یعنی جس شئے نے کہ ابرو کو ایسا طرار بنا دیا اور چہرہ کو گلگونہ اور گلنار کر دیا۔

مر زبان را داد صد افسونگرے	وان کہ کان را داد زر جعفری
جس نے زبان کو سو جادو سکھائے	جس نے کان کو جعفری سونا عطا کیا

یعنی زبان کو اس نے سو افسونگری دیں اور وہ کہ جس نے معدن کو خالص سونا دیا (زر جعفری خالص سونے کو کہتے ہیں اس لئے کہ مشہور ہے کہ جعفر برکی نے حکم دیا تھا کہ سونے کو خالص کر کے پھر سکہ لگایا جاوے اور آنچہ زد بر سرد سے اس شعر تک سب مبتدا ہیں جن کی خبریں محذوف ہیں) مطلب یہ کہ جس نے کہ ان چیزوں کو ایسا ایسا بنا دیا اسی نے مجھے ہی ہمت اور یہ قوت عطا فرمائی ہے اور اسی نے مجھے ایسا یقین کامل عطا فرمایا ہے آگے کہتے ہیں کہ۔

چون در زر او خانہ باز شد	غمزہائے چشم تیر انداز شد
جب اسلحہ خانہ کا دروازہ کھلا	آنکھ کے غمزے تیر انداز بنے

یعنی جبکہ سلاح خانہ کا دروازہ کھلا تو غمزہائے چشم تیر انداز ہوئے۔

بردلم زد تیر و سودائیش کرد	عاشق شکر و شکر خائیش کرد
اس نے میرے دل پر تیر مارا اس کو مجنون بنا دیا	شکر اور شکر خور کا عاشق کر دیا

یعنی میرے دل پر تیر مارا اور اس کو سودائی کر دیا اور عاشق شکر اور شکر خائی کا اس کو کر دیا یعنی جب اس کے عشق نے مجھ پر اثر کیا اور میرے دل کو اپنا سودائی بنا لیا اور ان امور کا میں عاشق ہو گیا اور کہتا ہے کہ۔

عاشق آنم کہ ہر آن آن اوست	عقل و جان جاندار یک مرجان اوست
میں اس کا عاشق ہوں کہ ہر ملکیت اس کی ملکیت ہے	عقل اور جان اس کے لب سے جاندار ہے

یعنی میں اس کا عاشق ہوں کیونکہ ہر وہ چیز اسی کی ملک ہے عقل و جان اس کی ایک لب کی جاندار ہیں مطلب یہ کہ عقل و جان جو بھی ہیں سب کو اسی سے جان حاصل ہوتی ہے اور اسی کی لب سے ان کی جان ہے کہ اس ہی سے ان کو جان حاصل ہوئی ہے اور کہتا ہے کہ۔

من نہ لافم ور بلافم ہمچو آب	نیست در آتش کشی ام اضطراب
میں شیخی نہیں مارتا ہوں اور اگر مارتا ہوں تو پانی کی طرح	آگ بجھانے میں مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے

یعنی میں شیخی نہیں کرتا اور اگر پانی کی طرح شیخی کروں تو میری آتش کشی میں کوئی شک نہیں ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میں جو باتیں کر رہا ہوں یہ شیخی سے نہیں ہیں اور اگر شیخی کروں بھی تو میری شیخی بھی بجا اور درست ہوگی جیسے کہ پانی کہ اگر وہ شیخی کرے تو میں آتش کش ہوں تو اس کی شیخی بجا ہے اس لئے کہ وہ ایسا ہے تو اسی طرح میں اگر کہوں بھی تو بجا ہے اس لئے کہ میں ایسا ہوں۔

چون بدزدم چون حفیظ مخزن اوست	چون نباشم سخت رو پشت من اوست
میں کیسے چرا سکتا ہوں جبکہ وہ خزانہ کا محافظ ہے	میں اکھڑا کیوں نہ بنوں جبکہ وہ میری پشت (پناہ) ہے

یعنی میں پوشیدہ کیوں کروں جب کہ خزانہ کا محافظ وہ ہے اور میں دلیر کیوں نہ ہوں میری پناہ تو وہ ہے مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ ان اسرار کے پوشیدہ کرنے کی مجھے کیا ضرورت ہے اس لئے کہ محافظ تو حق تعالیٰ ہیں پھر اگر کسی کو معلوم بھی ہو گیا تب بھی کوئی چرا نہیں سکتا اور جب میری پشت و پناہ وہ ہے پھر اگر میں دلیر ہوں اور بیباکانہ گفتگو کروں تو کیا حرج ہے۔

ہر کہ از خورشید باشد پشت گرم	سخت رو باشد نہ بیم او را نہ شرم
جو سورج کی وجہ سے گرم کمر والا ہو	وہ اکھڑ ہوگا اس کو نہ ڈر ہوگا نہ شرم

یعنی جو شخص کہ خورشید سے پشت گرم ہو تو وہ دلیر ہوگا نہ اس کو خوف ہوگا نہ شرم ہوگی مطلب یہ کہ جس کی پشت و پناہ خورشید ہو اس کو پھر کیا شرم ہوگی اور کیا حجاب ہوگا وہ تو اپنا چہرہ سب کے آگے رکھے گا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ میرے اندر سے کوئی کچھ کم کر ہی نہیں سکتا۔

ہمچو روئے آفتاب بے حذر	گشت رویش خصم سوز و پردہ در
نڈر سورج کے چہرے کی طرح	اس کا چہرہ دشمن کو جلانے والا اور پردہ دری کرنے والا ہوتا ہے

یعنی مثل روئے آفتاب کے بے کھٹکے اس کا چہرہ خصم سوز اور پردہ در ہو گیا۔ یعنی جس کو کہ آفتاب سے حرارت اور

روشنی پہنچ رہی ہو وہ تو آفتاب ہی کی طرح بے باک اور بے خوف ہوگا اسے کسی کی پرواہ ہوگی وہ اپنے جمال کو اپنے نور کو اپنی روشنی کو خوب ظاہر کرے گا۔ تو اسی طرح چونکہ میرا پشت پناہ خدا ہے اس لئے میں بھی بے باک ہوں اور کہتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا مقولہ عاشق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے کہا کہ جب مجھے حق سبحانہ اپنی طرف بلاتے ہیں اور میری جان کا ہزار گونہ بہتر بدلا دیتے ہیں تو میں کیسے دلیر نہ ہوں کیونکہ میں تمہاری طرح شبہ میں نہیں پڑا ہوں بلکہ میں تو علم الیقین سے بھی آگے بڑھ گیا ہوں اور مقام مشاہدہ تک پہنچ گیا ہوں پس نہ میں تمہاری بات مان سکتا ہوں اور نہ میرا خیال تمہاری ملامت سے بدل سکتا ہے چونکہ میں اس کی شیرینی وصال کھا چکا ہوں لہذا میری چشم بصیرت روشن ہوگی ہے اور میں اس کو پہچان گیا ہوں اور معرفت و بینش حقیقت میں وہ چیز ہے جو ان تمام ہراسوں کو دور کردیتی ہے جن کا منشاء وہم ہے چنانچہ جب میں اپنے گھر جاتا ہوں تو چونکہ میں اس سے واقف ہوتا ہوں لہذا بے خطر گھس جاتا ہوں۔ نہ میرے پاؤں میں لغزش ہوتی ہے اور نہ اندھوں کی طرح ٹٹولتا چلتا ہوں ایسی حالت میں مجھے کیا اندیشہ ہوسکتا ہے میں ان عنایات کو بیان نہیں کرسکتا جو حق سبحانہ نے مجھ پر مبذول فرمائی ہیں چنانچہ جو بات کہ حق سبحانہ نے گل سے کہی ہے جس سے وہ ہنس پڑا اسی قسم کی بات میرے دل سے کہی تو اس کو پھول سے سینکڑوں درجہ زیادہ شگفتہ کردیا اور جس چیز کو مار کر اس نے سرو کے قد کو سیدھا کیا ہے اور جو کچھ نرگس ونسرین کھا کر تر و تازہ ہوئیں اور جس چیز نے کہ گنے کے جان و دل کو شیریں کیا اور جس سے کہ خاک کو صورت حسن عنایت ہوئی اور جس نے کہ ابرو کو اس قدر دلربا بنایا اور چہرہ کو گلگونہ اور گلنار بنایا اور زبان کو سینکڑوں طرح کے سحر بیانی عطا کی اور جس نے کہ کان کو زر خالص عطا کیا انہوں نے جو آثار محمودہ میرے اندر پیدا کئے ان کو تو میں کیا ہی بیان کر سکتا ہوں لہذا خاموشی ہی بہتر ہے مجملاً اتنا سنو کہ جب سلاح خانہ کا دروازہ کھلا اور غمزہائے چشم نے تیراندازی شروع کی تو میرے دل پر تیر مارا اور مجھے اس کا دیوانہ بنادیا اور اس کی شیریں مہی اور شیرین بیانی کا عاشق کردیا۔ پس میں تو اس پر عاشق ہوں کہ جملہ کمالات اس کے لئے حاصل ہیں اور عقل و جان جو اس قدر کمالات رکھتی ہیں اس کی ایک جنبش لب (حکم کن) سے زندہ ہیں۔ میں شیخی نہیں مارتا اور شیخی اگر ماروں تو میری شیخی بے جا نہیں بلکہ وہ ایسی ہے جیسے کہ پانی کی آگ کو بجھادینے کے متعلق شیخی۔ پس جس طرح اس کی یہ شیخی صحیح ہے یونہی میری شیخی بھی واقعی ہے میرا خزانہ کلام تو اسی کے قبضہ میں ہے پس میں اس خزانہ سے چرا کر غلط باتیں اپنی بابت کیسے بیان کرسکتا ہوں (یعنی حق سبحانہ چونکہ مجھے جھوٹ سے بچاتے ہیں اس لئے میں جھوٹ نہیں بول سکتا ہذا ہو المراد ولا تلتفت الی ما قال المحشون) اور میں سچ بات کہنے میں دلیر کیوں نہ ہوں کیونکہ حق سبحانہ میرے مددگار ہیں قاعدہ ہے کہ جس کا معاون آفتاب ہو وہ دلیر ہوگا نہ کسی سے ڈرے گا اور نہ شرم کرے گا کیونکہ اس کی تصدیق کے لئے آفتاب موجود ہے لہذا آفتاب کے بے خوف چہرہ کے موافق اس کا چہرہ بھی خصم سوز اور پردہ در ہوگا پس جبکہ آفتاب حقیقی میرا معاون ہے تو

میرے لئے شرمانے یا ڈرنے کی کونسی وجہ ہے جو بات ہے صاف صاف کہتا ہوں جس کو شک ہو آزمالے۔

شرح شبّیری

ہر پیمبر سخت رو بد در جہان	یک سوارہ کوفت بر جیش شہان
دنیا میں ہر پیغمبر بہادر ہوا ہے	اس نے بادشاہوں کے لشکروں کو تنہا شکست دی ہے

یعنی جہان میں ہر پیمبر دلیر ہوا ہے کہ تنہا بادشاہوں کے لشکر پر حملہ کیا ہے۔

رو نگردانید از ترس و غمے	یک تنہ تنہا بزد بر عالمے
اس نے کسی غم اور ڈر سے منہ نہیں موڑا ہے	تنہا ایک جہان پر ٹوٹ پڑا ہے

یعنی خوف وغم کی وجہ سے منہ نہیں پھیرا اکیلے نے تنہا ایک عالم پر حملہ کیا (یہ صرف اسی لئے کہ ان کی پشت پناہ اور ان کا مددگار خدا تھا) آگے پیغمبروں کے دلیر ہونے کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

سنگ باشد سخت رو و چشم شوخ	او نترسد از جہان پر کلوخ
پتھر سخت رو اور نڈر ہوتا ہے	وہ ڈھیلوں بھرے جہاں سے نہیں ڈرتا ہے

یعنی پتھر دلیر اور شوخ چشم ہوتا ہے تو وہ ڈھیلے بھرے ہوئے جہان سے ڈرتا نہیں۔ یعنی اگر سارا جہان ڈھیلوں سے بھر جاوے تو پتھر کو مطلق پرواہ نہ ہوگی وہ بالکل بے فکر ہوگا کیونکہ۔

کان کلوخ از خشت زن یک لخت شد	سنگ از صنع خدائے سخت شد
ڈھیلا اینٹ پاتھنے والے سے مجسم بنا ہے	پتھر خدائی کاریگری سے سخت ہوا ہے

یعنی کیونکہ وہ ڈھیلا تو کمہار سے ایک جسم ہوا ہے اور پتھر خدا کے بنانے سے سخت ہوا ہے۔ (لہٰذا پتھر کے اندر قوت ہے اور ڈھیلے کے اندر قوت نہیں ہے تو پتھر ڈھیلوں سے ڈرتا نہیں ہے اسی طرح چونکہ انبیاء و اولیا کو پناہ حق ہوتی ہے اس لئے وہ بھی دلیر ہوتے ہیں اور کسی سے ڈرتے نہیں ہیں) آگے دوسری مثال ہے کہ۔

گوسفندان گو برون انداز حساب	زانبہے شان کے بترسد آں قصاب
بکریاں، اگرچہ شمار سے باہر ہوں	قصائی ان کی کثرت سے کب ڈرتا ہے؟

یعنی بکریاں اگرچہ حساب سے باہر ہیں (مگر) ان کی زیادتی سے قصائی کب ڈرتا ہے (تو اسی طرح اگرچہ مخالفین بے حد تھے مگر حضرت انبیاء علیہم السلام ان کی زیادتی سے کب خوف کرتے تھے)

کلکم راع نبی چوں راعی است	خلق مانند و مہ او ساعی است
تم سب ریوڑ ہو نبی گلہ بان کی طرح ہے	مخلوق ریوڑ اور وہ (ان کی بھلائی کے لئے) کوشاں ہے

یعنی سارے کے سارے تم راعی ہو اور نبی جب راعی ہے اور خلق مانند گلہ کے ہے اور وہ ساعی ہے مطلب یہ کہ دیکھو اول تو تم سب بھی راعی ہو اور نبی تو راعی بین ہے اور دیگر مخلوق ان کے سامنے مثل گلۂ بکریوں کے ہے تو بھلا کہیں چرواہا بھی بکریوں سے ڈرا ہے آگے خود ہی فرماتے ہیں کہ۔

از رمہ چوپان نترسد در نبرد	لیک شان حافظ بود از گرم و سرد
مقابلے میں گلۂ ریوڑ سے نہیں ڈرتا ہے	ہاں وہ اچھے برے سے ان کا نگہبان ہوتا ہے

یعنی گلہ سے چرواہا مقابلہ میں ڈرتا نہیں ہے لیکن ان کا گرم و سرد سے محافظ ہوتا ہے۔

گر زند بانگے ز قہر او بر رمہ	آن ز مہرست آنکہ وارد بر ہمہ
اگر وہ غصہ سے ریوڑ پر چیختا ہے	وہ اس محبت کی وجہ سے ہے' جو اس کی سب پر ہے

یعنی اگر وہ غصہ سے گلہ پر کوئی آواز کسے تو وہ اس محبت کی وجہ سے ہے جو کہ سب پر رکھتا ہے مطلب یہ کہ یہ حضرات اگر بظاہر سختی بھی کرتے ہیں تو وہ فی الحقیقت سختی نہیں ہوتی بلکہ اصل میں وہ محض محبت کی وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو شفقت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کہیں ہلاک نہ ہوں اس کی ایسی مثال سمجھو کہ جیسے بکریوں والا بکریوں کو کھیت وغیرہ سے ہٹاتا ہے اور اگر نہیں ہٹتیں تو ڈنڈا رسید کرتا ہے تو اس کا مارنا صرف اس لئے ہے کہ کہیں کھیت والا ان کو جان ہی سے نہ مار ڈالے ورنہ اس کو بکریوں سے کوئی خوف وغیرہ نہیں ہوتا بلکہ وہ تو ان کا نگہبان ہوتا ہے اس کا مارنا ہی محبت پر دلالت کرتا ہے۔ آگے کہتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ ہر پیمبر جو دنیا میں آیا ہے موید من اللہ تھا اسی لئے وہ اس قدر حجری تھا کہ اکیلے نے بادشاہوں کے لشکر پر حملہ کیا اور جو خوف یا جو غم اس کے سامنے آیا کبھی اس سے منہ نہیں موڑا اور اکیلے نے تمام عالم پر حملہ کیا کیوں نہ ہو وہ تو پتھر کی مثل حجری اور نڈر ہے جو کہ عالم بھر کے ڈھیلوں سے نہیں ڈرتا۔ ڈرے کیونکر ڈھیلے میں جو قوت اور گھٹاؤ آیا ہے وہ اینٹیں پاتھنے والے کی طرف سے اور پتھر کی سختی خداداد ہے علی ہذا عالم بھر میں جو جرات ہے وہ نفس و شیطان کی طرف سے ہے اور نبی میں جو جرات ہے وہ خدا کی طرف سے پھر نبی ان سے کیونکر ڈر سکتا ہے یا یوں سمجھو کہ نبی قصائی کی مثل ہے اور عالم گلۂ گوسفندان کی مانند پس اگر بھیڑ بکریاں بے انتہا بھی ہوں تو قصائی تو ان کی کثرت سے نہیں ڈرتا پس نبی عالم سے کیونکر ڈر سکتا ہے چونکہ نبی اور اہل عالم کے نسبت کا ذکر آ گیا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصلی نسبت بیان کر دی جائے تاکہ وہ شبہ دفع ہو جاوے جو کہ ان کی عارضی نسبت سے پیدا ہو گیا ہے کہ نبی مخلوق کو فنا کرنے کے لئے آتا ہے۔ سو سنو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کلکم راع اس بناء پر نبی بالا ولی اپنی امت کا

رائی ہوگا اور مخلوق اس کے لئے بمنزلہ گلہ گوسفندان کے ہوگی اور وہ ان کی بہبودی میں کوشاں ہوگا پس اصلی تعلق نبی اور امت کا یہ ہے اور قصائی تو ہو اس وقت بنتا ہے جبکہ بکریاں سرکشی کرتی ہیں اور کسی طرح نہیں مانتیں اور دوسرے بکریوں کو ان سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس نسبت سے بھی معلوم ہوگیا کہ نبی امت سے نہیں ڈر سکتا۔ کیونکہ چرواہا گلہ سے نہیں ڈرتا بلکہ گرمی وسردی سے ان کی حفاظت کرتا ہے پس نبی بھی ان سے نہ ڈرے گا بلکہ ان کا محافظ ہوگا اس کی ظاہری سختی سے تم کو اس کی بے مہری کا شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ چرواہا اگر کبھی گلہ کو غصہ سے ڈانٹتا ہے تو اس کا منشا وہ شفقت ہوتی ہے جو کہ اس کو سب پر ہے۔

شرح شبّیری

ہر زمان گوید بگوشم بخت نو	گر ترا غمگین کنم غمگین مشو
نئی خوشی ہر وقت میرے کان میں کہتی ہے	اگر میں تجھے غمگین کروں تو غمگین نہ بن

یعنی میرے کان میں ہر وقت بخت نو کہہ رہا ہے کہ اگر میں تجھے غمگین (بھی) کروں تو (بھی) تو غمگین مت ہو۔ یعنی اگر بظاہر اس طرف سے کوئی بات ناگوار بھی پیش آجاوے تو بھی اس سے رنجیدہ نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اس کے اندر لاکھوں مصالح ہوتے ہیں آگے اس ظاہری غم دینے کی مصلحت بتاتے ہیں کہ۔

من ترا غمگین وگریان زان کنم	تاکت از چشم بدان پنہان کنم
میں تجھے غمگین اور رونے والا اس لئے بناتی ہوں	تاکہ تجھے بروں کی نگاہ سے پوشیدہ کر دوں

یعنی میں تجھ کو غمگین اور گریان اس لئے کرتا ہوں کہ تجھے بدوں کی آنکھ سے پوشیدہ کروں۔ یعنی وہ فرماتے ہیں کہ میں جو تم کو مصیبت میں رکھتا ہوں اور غم دیتا ہوں تو یہ اس لئے تاکہ تم برے لوگوں کی نظر بد سے محفوظ رہو۔ میں تم کو نظر بد سے بچانے کے لئے اس طرح رکھتا ہوں اور فرماتے ہیں کہ۔

تلخ گردانم زغمہا خوئے تو	تا بگردد چشم بد از روئے تو
غموں کی وجہ سے میں تجھے بد مزاج بناتی ہوں	تاکہ نظر بد کو تیرے چہرے سے واپس کر دوں

یعنی میں غموں سے تیری عادت کو تلخ رکھتا ہوں تاکہ چشم بد تیرے رو سے پھر جاوے یعنی تاکہ تم کو نظر بد نہ لگے اس لئے میں تم کو غموں میں مبتلا رکھتا ہوں۔

نے تو صیادی نہ جویائے منی	بندۂ و افگندۂ رائے منی
کیا تو میرا شکاری اور میرا طالب نہیں ہے؟	تو میرا بندہ اور میری رائے کا تابع نہیں ہے؟

یعنی نہ تو تو صیاد ہے اور نہ میرا جویا ہے (بلکہ) غلام اور میری رائے کا ڈالا ہوا ہے مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ تیرے اندر خود کوئی قابلیت نہیں ہے یہ سب ہمارا عطیہ ہے کہ ہم تجھے عطا کر رہے ہیں۔ ورنہ تو کیا تو طالب بنتا

اور کیا صیاد ہوتا بلکہ تیری تو یہ حالت ہے کہ

حیلہ اندیشی کہ در من در رسی	در فراق و جستن من بیکسی
تو تدبیر سوچتا ہے کہ مجھ تک پہنچے	تو میری جدائی اور جستجو میں بیکس ہے

یعنی تو حیلہ سوچتا ہے کہ میرے اندر پہنچے میرے فراق اور طلب میں تو بے کس ہے یعنی تو تو تدابیر وصال کرتا ہے مگر وصال اور فراق تیرے قبضہ میں نہیں ہے بلکہ اس میں اگر ہماری مدد نہ ہو اور ہمارے طرف سے کشش نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ۔

چارہ میجو بد پے من درد تو	می شنودم دوش آہ سرد تو
تیر اورد میرے وصل کی تدبیر تلاش کرتا ہے	میں کل رات تیری ٹھنڈی آہ سن رہا تھا

یعنی تیرا درد میرے لئے چارہ ڈھونڈھتا ہے اور کل میں تیری آہ سرد کو سن رہا تھا یعنی ہوتا تو ہے سب ہماری جذب اور کشش ہی سے لیکن وہ کشش پیدا ہوتی ہے تیری طلب سے تو تیرا درد جو ہم کو طلب کر رہا تھا اور ہم تیری آہ سرد کو سن رہے تھے تو ہم نے اپنی طرف جذب کر لیا ورنہ طالب خود واصل نہیں ہو سکتا اب یہاں ایک سوال پیدا ہوا کہ جب آپ ہی کے قبضہ میں وصول ہے تو پھر اس بھٹکانے سے کیا فائدہ ایک دفعہ ہی اپنے پاس کیوں نہیں بلا لیتے اور وصول ایک دفعہ ہی کیوں حاصل نہیں ہو جاتا آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ

من توانم ہم کہ بے این انتظار	رہ دہم بنمایمت راہ گزار
میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ بغیر اس انتظار کے	راستہ دیدوں تجھے (آنے کا) راستہ دکھا دوں

یعنی میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ بغیر اس انتظار کے میں راہ دیدوں اور رہگزر تم کو دکھلا دوں۔

تا ازین گرداب دوران وا رہی	برسر گنج وصالم پا نہی
تاکہ تو زمانے کے اس بھنور سے نکل جائے	میرے وصل کے خزانے پر قدم رکھ دے

یعنی یہاں تک کہ اس گرداب دوراں سے تو چھوٹ جاوے اور میرے وصال کے خزانہ پر پاؤں رکھے یعنی فرماتے ہیں کہ یہ بھی ممکن تھا کہ تم کو کچھ بھی کرنا نہ پڑتا اور وصول حاصل ہو جاتا مگر انتظار میں یہ مصلحت تھی کہ۔

لیک شیرینی و لذات مقر	ہست بر اندازۂ رنج سفر
لیکن منزل کی مٹھاس اور لذتیں	سفر کی تکلیف کے اندازے کے مطابق ہیں

یعنی لیکن قیام گاہ کی شیرینی اور لذات رنج وسفر کے موافق ہیں مطلب یہ کہ قاعدہ ہے کہ اگر طویل اور سخت سفر ہوگا اس کے بعد جو قیام ہوگا تو اس قیام میں زیادہ لطف اور راحت اور آسائش ہوگی اور اگر سفر مختصر اور کوئی تکلیف بھی نہ ہوئی تو اس کے بعد قیام کا لطف نہ ہوگا اس لئے کہ جیسا سفر دیسا حضر تو فرماتے ہیں کہ ہم تم کو انتظار میں اور مشکلوں میں اس

وجہ سے رکھ رہے ہیں کہ اس کے بعد جو وصول ہو تو اس کے اندر مزید لطف ہو اور لذت بے حد زیادہ ہو جاوے۔

درد مشکل یاب رابر جان نہی	ہر چہ آسان یافتی آسان دہی
مشکل سے حاصل ہونے والی چیز کا درد دل پر رکھتا ہے	تو جو آسانی سے پاتا ہے آسانی سے دے دیتا ہے

یعنی جو شے کہ تم نے آسانی سے پالی اس کو آسانی سے دیدو گے اور درد مشکل یاب کو جان پر رکھو گے۔ یعنی جس امر کو ذرا محنت و مشقت سے حاصل کیا ہوگا اس کو تو جان کی برابر رکھو گے اور جو شے آسانی سے مل گئی ہے اس کو تم بھی آسانی ہی سے اور سستی ہی دیدو گے تو اس لئے ذرا مشکلیں اور بلائیں تم پر ڈالی جارہی ہیں لہذا تم کو چاہئے کہ۔

کز غریبی رنج و محنتہا بری	انگہ از شہر و ز خویشان بر خوری
جبکہ مسافرت کی تکلیف اور مشقتیں اٹھا لے گا	اپنوں اور شہر سے تو اس وقت فائدہ اٹھائے گا

یعنی شہر اور اپنے لوگوں سے اس وقت تم پھل کھاؤ گے کہ سفر سے بہت سے تکالیف اور محنتیں برداشت کی ہوں گی یعنی اگر سفر کے اندر تم نے بہت سی مشکلیں برداشت کی ہیں تب تو تم کو گھر پہنچ کر اپنے لوگوں سے مل کر لطف آوے گا ورنہ کچھ بھی لطف نہ آوے گا۔ تو اسی طرح اگر اس راہ میں تم کو کچھ مشکلیں پڑیں گی تب تو تم کو اس کی قدر ہوگے ورنہ یہ ہوگا کہ۔

بشنو این تمثیل و قدر خود بدان	وز بلاہا رو مگردان اے جوان
یہ مثال سن لے اور اپنا مرتبہ پہچان لے	اے جوان! مصیبتوں سے منہ نہ موڑ

یعنی اے جوان بلاؤں سے منہ مت پھیر اور اس تمثیل (ذیل) کو سن اور اپنی قدر جان۔ آے ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک عورت چنے بھون رہی تھی تو اس چنے نے عورت سے کہا کہ بھلا تو مجھے کیوں آگ پر جلا رہی ہے اور کیوں بلا میں مبتلا کر رہی ہے۔ اس عورت نے کہا کہ مجھے تجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہے بلکہ میں اس لئے تجھے آگ میں بھون رہی ہوں تاکہ تو کھانے کے قابل ہو جاوے۔ اور پھر جزو انسان بن کر تجھے عروج ہو اور پھر اتحاد اصطلاحی حق کے ساتھ تجھے ہو جب اس چنے نے یہ سنا تو وہ جلنے بھننے پر راضی ہو گیا۔ تو فرماتے ہیں کہ اسی طرح جو بلائیں اور مجاہدات وریاضات کی مشکلیں تم پر پڑ رہی ہیں وہ بھی سب اس لئے ہیں تاکہ تم کام کے ہو جاؤ تو ان بلاؤں سے گھبراؤ مت اور پریشان مت ہو اس لئے کہ یہ بلائیں ہی تم کو کام کا کر دیں گی۔ اب مثال کو سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ مضمون استطرادی کو ختم کر کے پھر مولانا مقولہ عاشق یعنی مہمان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں مصائب کے مقابلہ میں سخت اور حجری کیوں نہ ہوں جبکہ خدا میرا مددگار ہے نیز وہ ہر وقت میری نئی خوش نصیبی کے سبب مجھ سے کہتا ہے کہ میں اگر تجھے کسی تکلیف میں مبتلا کر کے غمگین کروں تو تو غمگین نہ ہونا کیونکہ میں تجھے اس لئے غمگین کرتا ہوں کہ تجھے نظر بد سے محفوظ رکھوں میں تیری طبیعت کو غموں سے مکدر کرتا ہوں

اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ تجھے نظر نہ لگے اچھا تا کیا تو میرا طالب اور میرا خواستگار نہیں ہے اور میرا مطیع اور میری رائے کا تسلیم کرنے والا نہیں ہے جبکہ تو ایسا ہے تو تجھے میری رضا پر راضی رہنا چاہئے اور میری رضا یہ ہے کہ تو فراخ حوصلگی سے مصائب کے سامنے سینہ سپر رہے پس تجھے ایسا کرنا چاہئے میں جانتا ہوں کہ تو میرا قرب چاہتا ہے اور میری جدائی اور میری طلب میں تیری حالت زار ہے اور تیری تکلیف میرے قرب کے لئے تدبیر کی طالب ہے اور میں جانتا ہوں کہ تو سخت تکلیف میں ہے چنانچہ میں کل تیری اس آہ سرد کو سن رہا تھا جو تو میری جدائی میں کر رہا تھا اور میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ بدوں انتظار کے تیرے لئے وصال کی سبیل پیدا کر دوں اور تجھے اس تکلیف سے گزر جانے کا راستہ دکھلا دوں تا کہ تو اس گردش کے بھنور سے نکل کر میرے خزانہ وصال تک پہنچ جاوے مگر میں اس لئے نہیں کرتا کہ اس وقت تجھے اس میں زیادہ لطف آئے گا کیونکہ منزل مقصود کی لذتیں سفر کی مصیبتوں کے اندازہ کے موافق ہوتی ہیں جس قدر سفر میں کلفت ہوتی ہے اسی قدر منزل پر پہنچ کر راحت ہوتی ہے نیز بے مشقت مل جانے میں تم کو اس کی قدر نہ ہوگی کیونکہ جو چیز آسانی سے ملتی ہے اس کے کھو دینے میں دریغ نہیں ہوتا۔ اور جو چیز مشکل سے ملتی ہے اس کا تم کو جان و دل سے درد ہوتا ہے نیز دیکھو تم اسی وقت اپنے شہر اور اپنے عزیزوں کی ملاقات سے متمتع ہوتے ہو جبکہ مسافرت کی تکالیف اٹھاؤ پس معلوم ہوا کہ تکالیف کی ضرورت ہے اور ان سے تم کو منہ نہ موڑنا چاہئے چونکہ مجھ کو یہ ہدایت ہے اس لئے میں تکالیف کا جرات کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تجھ کو بلاؤں کی حقیقت معلوم ہوگئی تو تجھے ان سے منہ نہ موڑنا چاہئے اچھا اب ایک مثال سن اور اس سے اپنی حقیقت جان۔

شرح شبّیری

بلاؤں میں مومن کی اضطرابی اور بے صبری کی مثال چنے کے بھنتے وقت نکل کر بھاگنے اور عورت کے اس کو روکنے کے ساتھ

در نخود بنگر کہ اندر دیگ چون	مے جہد بالا چو شد ز آتش زبودن
چنے کو دیکھ کہ وہ دیگ میں کیسا	اوپر کو اچھلتا ہے جب آگ سے عاجز آ جاتا ہے

یعنی چنے میں دیکھ کہ دیگچی میں کس طرح کودتا ہے جبکہ آگ سے عاجز ہوتا ہے

ہر زمانے مے برآید وقت جوش	بر سر دیگ و برآرد صد خروش
جوش کے وقت ہر وقت باہر کو نکلتا ہے	دیگ پر اور سینکڑوں چیخیں مارتا ہے

یعنی ہر گھڑی جوش کے وقت وہ دیگچی کے منہ پر نکل آتا ہے اور سو (جوش) خروش نکالتا ہے (اور پکانے والی سے کہتا ہے کہ)

که چرا آتش بمن در می زنی	چون خریدی چون نگونم مے کنی
کہ تو کیوں مجھ میں آگ لگاتی ہے؟	جبکہ تو نے مجھے خریدا ہے کیوں مجھے اوندھا کرتی ہے؟

یعنی کہ کیوں میرے اندر آگ لگا رہی ہے جب تو نے خریدا تو مجھے ذلیل کیوں کرتی ہے (اس کو سن کر پکانے والی یہ کرتی ہے کہ)

میزند کفلیز کد بانو کہ نے	خوش بجوش و بر مجہ ز آتش کنے
بی بی کفگیر چلاتی ہے کہ نہیں	خوب جوش کھا اور آگ جلانے والے سے نہ بھاگ

یعنی بیگم صاحبہ کفگیر مارتی ہے کہ نہیں خوب جوش کر اور آگ کرنے والے سے بھاگ مت۔

زان نجوشانم کہ مکروہ منی	بلکہ تا گیری تو ذوق و چاشنی
میں تجھے اس لئے جوش نہیں دے رہی ہوں کہ تو مجھے ناپسند ہے	بلکہ (اس لئے) کہ تجھ میں ذائقہ اور لذت پیدا ہو جائے

یعنی میں اس لئے جوش نہیں دیتی کہ تو میرا مکروہ ہے بلکہ (اس لئے) تا کہ تو مزہ اور چاشنی حاصل کر لے۔

تا غذا گردی بیامیزی بجان	بہر خواری نیستت این امتحان
تاکہ تو غذا بنے جان میں گھل مل جائے	یہ آزمائش تیرے ذلیل کرنے کے لئے نہیں ہے

یعنی تا کہ تو غذا ہو جاوے اور جان کے ساتھ مل جاوے اور تیرا یہ امتحان ذلت کی وجہ سے نہیں ہے یعنی وہ کہتی ہے کہ میں جو تجھے پکا رہی ہوں تو اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ میں تجھے ذلیل وخوار سمجھتی ہوں بلکہ اس لئے پکا رہی ہوں تا کہ تو غذائے انسانی بن جاوے۔

آب میخوردی بہ بستان سبز و تر	بہر این آتش بدست آن آب خور
تو سبزہ و تر رہ کر باغ میں پانی پیتا تھا	وہ پانی پینا اسی آگ کے لئے تھا

یعنی باغ میں تو سبز و تر پانی پیا کرتا تھا تو وہ پانی پینا اس آگ ہی کے لئے تھا یعنی تیرے اندر جو خوب پانی دیا گیا اور تیری سب طرح کی حفاظتیں کی گئیں وہ ساری اسی لئے تھیں کہ ایک روز تو آگ پر رکھا جاوے اور پھر لذیذ و مزیدار ہو کر تجھے لوگ کھاویں تو جب تجھے اول ہی سے اس لئے پالا گیا ہے کہ تجھے آگ میں بھون کر کھاویں تو آج گھبرانے کے کیا معنے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ چنے کو دیکھ کہ جب وہ آگ سے مغلوب ہوتا ہے تو ہانڈی سے کیسا کیسا اچھلتا ہے کہ جب جوش ہوتا ہے نکلنے کے لئے ہانڈی کے منہ تک آجاتا ہے اور بے حد شور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تو مجھے آگ میں کیوں جلاتی

ہے اگر مجھے یوں ہی تباہ کرنا تھا تو خریدا تھا کیوں لیکن بی بی اس کو ڈوئی سے دباتی ہے اور کہتی ہے کہ نہیں تو پریشان مت ہو اچھی طرح پک جا اور آگ جلانے والی اور پکانے والے سے بھاگ مت میں تجھے اس لئے نہیں تو پریشان مت ہو اچھی طرح پک جا اور آگ جلانے والی اور پکانے والے سے بھاگ مت میں تجھے اس لئے نہیں پکاتی اور تکلیف دیتی کہ تو مجھے بڑا معلوم ہوتا ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ تو مزیدار ہو جاوے اور غذا بن کر جان کے ساتھ اتصال حاصل کرے یہ آزمائش ذلت کے لئے نہیں ہے باغ میں جو تجھ کو پانی دے کر سرسبز کیا گیا تھا تو اسی دن کے لئے کیا تھا۔

شرح شبیری

رحمتش سابق بدست از قہر زان	تاز رحمت گردد اہل امتحان
اس کی رحمت قہر سے اسی لئے پہلے ہے	تا کہ رحمت کے ذریعہ وہ آزمائش کے قابل بن جائے

یعنی رحمت حق تعالیٰ قہر سے اسی لئے سابق ہے تا کہ رحمت سے اہل امتحان (پیدا) ہوں۔

رحمتش بر قہر زان سابق شدہ است	تا کہ سرمایہ وجود آید بدست
اس کی رحمت اس کے قہر سے اسی لئے پہلے ہے	تا کہ وجود کا سرمایہ ہاتھ آ جائے

یعنی اس کی رحمت قہر پر اس لئے سابق ہوئی ہے تا کہ سرمایہ وجود ہاتھ میں آ جاوے۔

زانکہ بے لذت زوید لحم و پوست	چون نروید چہ گدازد عشق دوست
کیونکہ گوشت و پوست بغیر لذت کے پیدا نہیں ہوتا ہے	جب وہ نہ پیدا ہوا ہو تو دوست کا عشق کس چیز کو پگھلائے گا؟

یعنی اس لئے کہ بے لذت کے لحم و پوست پیدا نہیں ہوتے اور جب پیدا ہی نہ ہوں گے تو عشق دوست کس کو پگھلا دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ ارشاد حق ہے کہ سبقت رحمتی علی غضبی تو اس سبقت رحمت کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اول رحمت حق انسان کو پیدا کرتی ہے اس کی پرورش کرتی ہے یہاں تک کہ وہ بڑا اور قابل امتحان ہو جاتا ہے اس وقت اس کو پھر حق تعالیٰ بلاؤں میں مبتلا فرماتے ہیں اور پھر فنا کر دیتے ہیں تو دیکھو اگر اول رحمت انسان کو نہ بناتی تو پھر فنا کس کو کرتی اور اول جو بنایا تھا اور رحمت کی تھی وہ اسی لئے تھی کہ پھر فنا کیا جاوے۔

زان تقاضا گر بیاید قہر ہا	تا کنی ایثار آن سرمایہ را
اگر اس (عشق کے) تقاضے سے مصیبتیں آئیں	تا کہ تو اس سرمایہ کو قربان کر دے

یعنی اس تقاضا کے سے اگر (صورۃ) قہر آویں (تو وہ اس لئے ہیں) تا کہ تم اس سرمایہ (وجود) کو ایثار کر دو یعنی پیدا کرنے کے بعد جو صورۃ قہر آتے ہیں وہ اس لئے ہوتے ہیں تا کہ تم کو جو وہ سرمایہ وجود رحمت کی وجہ سے ملا ہے اس کو اب فدا کر دو۔

باز لطف آید برائے عذر راؤ	کہ بکردی غسل و بر جستی زجو
پھر اس کی عذر خواہی کے لئے مہربانی آتی ہے	کہ تونے غسل کر لیا ہے اور تو نہر کو کود گیا ہے

یعنی پھر لطف اس کے عذر کے لئے آتا ہے تو نے غسل کر لیا اور تو ندی سے کود گیا یعنی اول صورۃ قہر آتے ہیں تا کہ اس سرمایہ وجود کو تم ایثار کر دو اس کے بعد پھر لطف آتا ہے اور عذر خواہی کرتا ہے کہ لو بس اب تم کامل ہو گئے اور اس نجاست وجود سے پاک ہو گئے ہو لہذا اب نکل آؤ تو بعد فنا کے بقا اور بعد ان صوری قہر والطاف بیکراں پیدا ہوتے ہیں۔

شرح مبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف رخ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے جو فرمایا ہے رحمتی سبقت غضبی تو اس رحمت کے غضب سے مقدم ہونے کا راز یہ ہے کہ رحمت سے آدمی صالح للامتحان ہو جاوے اور رحمت قہر پر اس لئے مقدم ہوئی ہے تا کہ سامان وجود ہاتھ آ جاوے کیونکہ قہر کی حالت میں نہ کھال پیدا ہو سکتی ہے نہ گوشت کیونکہ اس لئے لذت کی ضرورت ہے اور جب تک گوشت پوست پیدا نہ ہو اس وقت تک عشق محبوب کسے گھلائے گا لہذا ضرورت ہوئی کہ اولاً رحمت ہو جب ابتداءً رحمت ہوئی اور گوشت پوست تیار ہو گیا اب بلائیں آتی ہیں اور تقاضا ہوتا ہے کہ جب تم مدعی عشق ہو تو یہ سامان لٹاؤ اور گھل گھل کر فنا ہو جب تم نے یہ کر لیا اس وقت اس کی معذرت میں پھر رحمت ہوتی ہے اور حکم ہوتا ہے کہ اب تم صفات ذمیمہ سے پاک ہو چکے اور ہمارے تمہارے درمیان جو ایک خلیج حائل تھی اس سے تم پار ہو گئے اور ہمارے حریم قرب میں پہنچ گئے۔

شرح شبیری

بانخود گوید چریدی در بہار	رنج مہمان توشد نیکوش دار
وہ چنے سے کہتی ہے تو نے (موسم) بہار میں (خوب) چرا ہے	رنج تیرا مہمان بنا ہے اس کی دیکھ بھال کر

یعنی چنے سے کہتی ہے کہ تو نے (موسم) بہار میں (خوب) چرا ہے (بسا) رنج تیرا مہمان ہوا ہے اس کو اچھی طرح سے رکھ۔

تا کہ مہمان باز گردد شکر ساز	پیش شہ گوید ز ایثار تو باز
تا کہ مہمان شکریہ ادا کرتا ہوا لوٹے	بادشاہ کے سامنے تیرے ایثار کو کھل کر بیان کرے

یعنی تا کہ مہمان شکر کرتا ہوا بادشاہ کے پاس لوٹے اور تیرے ایثار کو بیان کرے۔

تا بجائے نعمت منعم رسد	جملہ نعمتہا برد بر تو حسد
تا کہ تیرے پاس نعمت کی بجائے نعمت دینے والا آ جائے	(اور) تمام نعمتیں تجھ پر حسد کرنے لگیں

یعنی تا کہ نعمت کی جگہ تم کو منعم پہنچے اور تمام نعمتیں تم پر حسد لے جاویں (نخود سے مراد انسان ہے) مطلب یہ

ہے کہ فرماتے ہیں کہ اے انسان تو نے خوب گل چھرے اڑائے ہیں اب ذرا محنت اور بلائیں اور رنج خداوندی تمہارے مہمان ہوئے ہیں ان کو اچھی طرح رکھو اور ان کا اچھی طرح رکھنا یہی ہے کہ ان پر صبر کرو تو یہ اگر خوش گئے تو پھر یہ جا کر خدا سے کہیں گے کہ ہم کو خوب اچھی طرح رکھا ہماری خوب خاطر کی اس کو سن کر حق تعالیٰ خوش ہوں گے اور بجائے اس کے کہ وہ نعمتیں دیتے خود تشریف لے آویں گے اور وہ حالت ہو جاوے گی کہ تمام نعمتیں بھی تم پر حسد کریں گی کہ اس کے پاس تو خود منعم ہی تشریف لے آئے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ تم ان بلاؤں کو برداشت کرو اور صبر وشکر سے کام لو کہ اس طرح حق تعالیٰ کا قرب اور معیت تم کو حاصل ہو جاوے گی اور حق تعالیٰ تم سے راضی رہیں گے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ان اشعار کو محشین نے بی بی کا مقولہ قرار دیا ہے اور نخود سے معنی حقیقی مراد لئے ہیں مگر مجھے الفاظ مجبور کرتے ہیں کہ میں ان کو بھی اشعار سابقہ کا ہی ضمیمہ قرار دوں اور نخود سے مکلف مراد لوں لہذا میں ایسا ہی کرتا ہوں اگر کسی کو یہ پسند ہو کہ وہ اس کو بی بی کا مقولہ قرار دے تو وہ ایسا ہی کرلے حق سبحانہ مکلف سے فرماتے ہیں کہ تو نے بہت مزے اڑائے ہیں اب کچھ دنوں کے لئے ہماری طرف سے رنج تمہارا مہمان ہوتا ہے پس تم اس کے خوب خاطر کرنا تاکہ یہ مہمان تمہارا شکر کرتا ہوا واپس لوٹے اور تمہاری سخاوت کی ہمارے سامنے خوب تعریف کرے اور اس کا نتیجہ یہ ہو کہ بجائے اس کے کہ ہم تم پر انعام کریں خود ہی تم کو مل جائیں اور ہمارے ایسا کرنے سے تم کو وہ شرف حاصل ہو کہ تمام نعمتوں کو تم پر رشک آوے۔

شرح شبّیری

من خلیلم تو پسر پیش بچک	سر بنہ انی ارانی اذ بحک
میں خلیل (اللہ) ہوں تو فرزند ہے چھری کے سامنے	سر رکھ دے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں

یعنی میں خلیل (کی طرح) ہوں اور تو چھری کے سامنے لڑکا ہے تو تو سر رکھ دے میں دیکھتا ہوں کہ تجھے میں ذبح کروں مطلب یہ کہ تم کو ظاہری اور صوری تکالیف ہو رہی ہیں تو تم ان کو صبر وشکر سے برداشت کرلو تو ان کے برداشت کرنے سے تمہارے درجات ترقی پذیر ہوں گے جیسے کہ حضرت اسماعیلؑ کے درجات تکلیف کو برداشت کرنے سے بلند ہوگئے تھے۔

سر بہ پیش قہر نہ دل برقرار	تا ببرم حلقت اسماعیل وار
اطمینان قلب کے ساتھ تکلیف کے سامنے سر رکھ دے	تاکہ اسماعیل کی طرح میں تیرا گلا کاٹ دوں

یعنی قہر (صوری) کے آگے دل کو برقرار رکھ کر سر رکھ دے تاکہ میں اسماعیل کی طرح تیرا حلق کاٹ دوں

مطلب یہ کہ بظاہر جو تم کو تکلیف ہو رہی ہے یہ صرف صورۃً تکلیف ہے ورنہ حقیقت میں تمہارے مدارج عالیہ ہوتے ہیں تو تم صبر و شکر کیساتھ راضی برضا ہو جاؤ جس سے کہ میں تم کو یہ تکلیف صوریہ پہنچا کر پاک و صاف کردوں اور تمہارے درجے عالی ہو جاویں اور کہتے ہیں کہ۔

سر ببرم لیک این سر آن سریست	کز بریدہ کشتن و کشتن بریست
میں سر کاٹ رہا ہوں لیکن یہ سر وہ سر ہے	جو کٹنے اور مرنے سے بری ہے

یعنی میں سر کاٹوں لیکن یہ سر وہ سر ہے کہ کاٹے جانے اور مارے جانے سے بری ہے مطلب یہ کہ مرنا اور سر کٹ جانا تو ایک نقصان ہے لہذا کہتے ہیں کہ میں بظاہر تو سر کاٹ رہا ہوں اور تکلیف پہنچا رہا ہوں لیکن اس سے کوئی کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا بلکہ ان تکالیف سے نفع ہی ہوگا اور درجات عالی ہوں گے آگے خود اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

لیک مقصودم ازان تعلیم تست	اے مسلمان بایدت تسلیم جست
لیکن اس سے میرا مقصد تیری تعلیم ہے	اے مسلمان! تجھے سر رکھ دینا چاہیے

یعنی لیکن اس سے میرا مقصود تیری تعلیم ہے تو اے مسلمان تم کو تسلیم ڈھونڈنا چاہئے۔ مطلب یہ کہ کہتے ہیں کہ میں بظاہر تم کو تکالیف تو پہنچا رہا ہوں مگر اس سے مجھے مقصود تکلیف دینا نہیں ہے بلکہ مقصود اس سے تیری تعلیم ہے کہ اس ذریعہ سے تمہارے اخلاق درست ہوں گے مراتب بڑھیں گے تو تم کو چاہئے کہ تسلیم و رضا سے کام لو اور ہرگز ہرگز ان تکالیف سے گھبراؤ نہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ مندرجہ بالا اشعار کی طرح ان اشعار کے بھی دو محمل ہیں مگر میں ان کو بھی مقولہ مولانا ہی قرار دینا بہتر سمجھتا ہوں اس وقت حاصل اشعار یہ ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ میری مثال ایسی ہے جیسے خلیل اور تیری ایسی ہے جیسے چھری کے سامنے اسمٰعیل پس میری رائے یہ ہے کہ میں تجھے ذبح کردوں لہذا تم ہمارے کار و قہر ظاہری کے سامنے اطمینان قلب کے ساتھ سر جھکا دو تاکہ اسمٰعیل کی طرح میں تمہارا گلا کاٹ دوں اور سر الگ کردوں لیکن یاد رکھو کہ یہ سر وہ سر ہے جو کٹ نہیں سکتا بلکہ کٹنے اور مرنے سے بری ہے پھر یہ جو میں نے کہا ہے کہ گلا کاٹ دوں اور سر الگ کردوں یہ تمہارے محاورہ میں تمہارے سمجھانے کے لئے کہا ہے کیونکہ تم اسے کٹنا اور مرنا سمجھتے ہو پس تم کو اطاعت کرنی چاہئے اور ہماری رضا پر راضی ہونا چاہئے۔

شرح شبّیری

اے نخود میجوش اندر ابتلا	تا نہ ہستی و نہ خود ماند ترا
اے چنے! آزمائش میں جوش کھا	تاکہ تجھ میں اپنی ہستی اور خودی (باقی) نہ رہے

یعنی اے چنے تو آزمائش میں جوش کرتا کہ تیرے لئے نہ ہستی رہے اور نہ خودی رہے مطلب یہ کہ امتحان سے بھاگ مت تا کہ ان مجاہدات وریاضات میں رہ کر تجھے درجہ فنا کا حاصل ہو جاوے۔

اندر آن بستان اگر خندیدۂ	تو گل بستان جان و دیدۂ
اگر تو اس باغ میں مسکرایا ہے	(اب) تو جان اور آنکھ کے باغ کا پھول ہے

یعنی اس باغ میں تو اگر ہنسا ہے تو (اب) تو جان ودیدہ کے باغ کا پھول ہے مطلب یہ کہ اگر تو اس ہرے بھرے کھیت سے الگ ہو گیا ہے تو کوئی رنج کی بات نہیں ہے اس لئے کہ وہ تو باغ ظاہری تھا اور اب تو تو باغ جان ودل میں آ گیا ہے اور اجزاء انسانی بن گیا ہے پھر کیا غم ہے اور کیوں ان مجاہدات سے گھبراتا ہے۔

گر جدا از باغ آب وگل شدی	لقمہ گشتی و اندر احیا آمدی
اگر تو پانی اور مٹی کے باغ سے جدا ہو گیا ہے	تو لقمہ بن گیا ہے اور زندوں کے اندر آ گیا ہے

یعنی اگرچہ آب وگل کے باغ سے تو جدا ہو گیا ہے مگر اب تو تو لقمہ ہو گیا ہے اور زندوں میں آ گیا ہے یعنی احیاء کا جزو بن گیا ہے اور تیرے اندر بھی حیات پیدا ہو گئی ہے۔

شو غذائے و قوت اندیشہا	شیر بودی شیر شو در بیشہا
خیالات کی غذا اور روزی بن جا	تو دودھ تھا (اب) کچھاروں کا شیر بن جا

یعنی تو فکروں کی غذا اور قوت ہو جا تو (پہلے) شیر (خوار) تھا اب جنگلوں میں شیر ہو جا یعنی پہلے تو تو بالکل ضعیف تھا اور اب اجزاء انسانی میں داخل ہو کر تو قوی ہو جا۔ اور جس طرح جنگلوں میں شیر قوی ہوتا ہے اسی طرح تو بھی قوی ہو جا اور یہ سب حاصل جب ہوگا جب ان مجاہدات میں ثابت قدم رہے گا اور ان سے گھبراوے گا نہیں لہذا تجھے چاہئے کہ پریشان مت ہو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اب بی بی کہتی ہے کہ اے چنے تو اس امتحان میں خوب جوش کھا تا کہ اس کا انجام یہ ہو کہ نہ تیری ہستی باقی رہے اور نہ خودی (اس شعر میں یہ بھی احتمال ہے کہ اشعار ماقبل کے ساتھ مرتبط ہو اور نخود سے مراد متکلف ہو اور مقولہ کدبانو اندران بستان الخ سے شروع ہوا ہو وہذا ہو الراجح عندی) تو اس باغ میں اگر خوش وخرم رہا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ وہی باغ تیری اصلی جگہ ہے بلکہ تو تو حقیقۃً کھائے جانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے اصل مقام تیرا جان اور آنکھ ہے اور اصل میں تو اس باغ کا پھول ہے اور اگر تو باغ آب وگل سے جدا ہو گیا ہے تو اس کا غم نہ کرنا کیونکہ تو غذا بنے گا اور حیات حاصل ہو کر زندوں میں شامل ہوگا پس تو انسانوں کی غذا اور افکار کی قوت کا ذریعہ بن اول تو شیر (دودھ) کی طرح بے جان تھا اب اس جنگل کا شیر بن یعنی جسم میں جا کر حیات اور قوت حاصل کر۔

شرح شبّیری

از صفاتش رستۂ واللہ نخست	در صفاتش بازرو چالاک وچست
خدا کی قسم تو پہلے اس کی صفات کے ذریعہ سے اگا ہے	پھر تیزی اور چستی سے اس کی صفات کی طرف لوٹ جا

یعنی تو تو اول سے اسی کی صفات سے پیدا ہوا ہے تو اسی کی صفات میں پھر چالاک و چست ہو کر چلا جا مطلب یہ ہے کہ تمام عالم انسان ہی کے لئے پیدا ہوا ہے اور تمام عالم مظہر ہے حق تعالیٰ کی صفات کا اور مظہر اتم صفات حق کا انسان ہے تو گویا ایک طرح سے یہ تمام عالم صفات انسانی کا بھی مظہر ہوئے تو فرماتے ہیں کہ اے چنے تو تو اس انسان ہی کی صفات کا ایک مظہر ہے تو جب اول سے اسی کی صفات کا مظہر ہے تو اب تجھے اس کے اندر جانے سے کیوں خوف معلوم ہوتا ہے تجھے چاہئے کہ شوق و ذوق سے اس کے اندر جانے کی اور اس کا جز بننے کی خواہش کرے اور اس کا جزو اسی طرح بن سکتا ہے جب ان مجاہدات کو برداشت کرے۔ لہٰذا ان سے مت گھبرا۔ اسی طرح انسان کامل جب ہو سکتا ہے اور حق تعالیٰ کا مقرب اس وقت ہوگا جبکہ مجاہدات و ریاضات سے گھبراوے نہیں بلکہ صبر و شکر کے ساتھ اس کو برداشت کرے۔ تو پھر وہ مقرب حق ہو جاوے گا اور پھر اس کے افعال واقوال تمام افعال واقوال حق ہی ہوں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ز ابر و خورشید و ز گردون آمدی	پس شدی اوصاف وز گردون برشدی
ابر اور سورج اور آسمان کے ذریعہ تو آیا ہے	پھر تو اوصاف میں داخل ہو گیا اور آسمان سے باہر ہو گیا

یعنی ابر اور خورشید اور گردوں سے آیا ہے تو پھر صاف ہو گیا ہے تو اور گردوں سے بڑھ گیا ہے مطلب یہ کہ اول تو تو عناصر سے پیدا ہوا تھا لیکن پھر مجاہدات سے صفائی حاصل کر کے تو گردوں سے بھی حالی ہو گیا ہے اور اس سے بھی گزر گیا ہے۔

آمدی در صورت باران و تاب	میروی اندر صفات مستطاب
تو بارش اور دھوپ کی صورت میں آیا	(اب) تو پاکیزہ صفات میں داخل ہو رہا ہے

یعنی تو بارش اور تابش (آفتاب) کی صورت میں آیا ہے اور (اب) صفات حق میں جا رہا ہے مطلب وہی کہ اول تو عناصر سے پیدا ہوا تھا اور اب صفات انسانی میں داخل ہو رہا ہے جو مظہر اتم حق تعالیٰ کا ہے۔

جزو شمس و ابر و انجم بدی	نفس و فعل و قول و فکر تہا شدی
تو سورج اور ابر اور ستاروں کا جزو تھا	روح اور فعل اور قول اور افکار بن گیا

یعنی تو (پہلے) سورج اور ابر اور ستاروں کا جزو تھا (اور اب) نفس اور فعل اور قول اور افکار ہو گیا ہے مطلب یہ کہ کہتے ہیں کہ اے چنے تو پہلے تو عناصر کا جزو تھا اور وہ تیرے اصول تھے اور اب انسان کا جزو بن کر تو افعال واقوال وغیرہ

ہوگیا ہے کیونکہ اس کی صفات میں داخل ہوگیا اور اس کی یہی صفات ہیں اور یہ سب اس مجاہدہ ہی سے حاصل ہوا ہے۔

شرح حبیبی

بیگم اس چنے سے کہتی ہے کہ تو حنفذی ہی کی صفات سے پیدا ہوا تھا کیونکہ اسی نے تجھے جوتا بویا تھا اب تو اسی کی صفات میں واپس چلا جا اور پھر اسی کی صفت بن جا کیونکہ کل شے یرجع الی اصلہ۔ دیکھ تو اولاً ابر اور آفتاب اور آسمان سے آیا تھا کیونکہ ابر کے پانی نے سیراب کیا سورج نے گرمی پہنچائی اضاع فلکیہ نے اپنا کام کیا تب تو ہوا لیکن جبکہ تو حنفذی کی صفت بن جاوے گا تو تجھے پہلے سے بھی زیادہ شرف حاصل ہوگا۔ اور تو انسان کے تابع ہو کر اشرف المخلوقات بن جاوے گا۔ پس پہلے تو تیری یہ حالت تھی کہ بارش اور گرمی سے پیدا ہوا تھا اور اب تکلیف کی برکت سے یہ حالت ہوگی کہ تو عمدہ صفات میں شامل ہوگا اور اول تو تو آفتاب ابر اور ستاروں کا جز تھا اور اب ذات شریف انسانی اور اس کا قول وفعل اور اس کے خیالات بنے گا۔ یہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا اور یہ سب انہیں تکالیف کی برکت ہے جن سے تو بھاگتا ہے۔

شرح شبیری

ہستئ حیوان شد از مرگ نبات	راست آمد اقتلونی یا ثقات
نباتات کی موت سے حیوانات وجود میں آئے	سچ ثابت ہوا اے معتمد لوگو! "مجھے قتل کر دو"

یعنی حیوان کی ہستی نبات کے مرنے سے ہوئی ہے تو اقتلونی یا ثقات درست آیا ہے مطلب یہ ہے کہ ایک شے کے فنا کے بعد ترقی ہونا کوئی بعید نہیں ہے اس لئے کہ دیکھو اول تو نباتات ہوتے ہیں جب وہ فنا ہو کر اجزاء انسانی بن جاتے ہیں تو دیکھو ان کو ترقی ہوتی ہے تو نباتیت سے حیوانیت میں داخل ہو جاتے ہیں تو منصور کا اقتلونی الخ کہنا صحیح ہے اس لئے کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ مجھے مار ڈالو تو میں فنا ہو کر ترقی کروں گا اور حیوانیت سے بھی آگے بڑھوں گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

چون چنین بردیست مارا بعد مات	راست آمدان فی قتلی حیات
جبکہ ہماری ہار کے بعد اس طرح کی جیت ہے	سچ ثابت ہوا "بیشک میرے قتل میں زندگی ہے"

یعنی جبکہ فنا کے بعد ہمارے لئے ایسی بقا ہے تو یہ بات سچ ہے کہ میرے قتل میں حیات ہے یعنی منصور کا کہنا کہ ان فی قتلی الخ یہ بالکل صحیح ہے اس لئے کہ بعد فنا کے بقا حاصل ہوتی ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

فعل وقول صدق شد قوت ملک	تا بدین معراج شد سوئے فلک
سچا قول و فعل، فرشتے کی روزی بنا	یہاں تک کہ وہ آسمان کی جانب اسی بلندی پر پہنچا

یعنی فرشتہ کی غذا فعل وقول اور صدق ہوئی یہاں تک کہ وہ اس معراج کی وجہ سے آسمان کی طرف چلا گیا۔

مطلب یہ کہ دیکھو فرشتہ نے جو اپنی غذا فعل وقول وغیرہ کو بنایا تو یہ اشیاء اس کی غذا ہونے کی وجہ سے فنا ہوگئیں اور اس کے بعد اس کو درجہ ملکیت کا حاصل ہوگیا۔ تو یہاں سے بھی وہی بقا بعد الفناء کا مسئلہ حل ہوا آگے تقریب فہم کے لئے اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

آنچنان کان طعمہ شد قوت بشر	از جمادی برشد و شد جانور
اسی طرح کہ وہ لقمہ جو انسان کی غذا بنا	جمادیت سے بلند ہو گیا اور جاندار بن گیا

یعنی جس طرح کہ وہ لقمہ انسان کی روزی ہوئی تو وہ جمادیت سے نکلا اور جانور ہوگیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ دیکھو انسان کی غذا جو لقمہ وغیرہ ہوئی تو وہ غذا بن کر فنا ہوگئی اور اس فنا کے بعد وہ بشر ہوگیا اور وہی اجزاء نباتی انسان بن گئے اور نباتیت سے درجہ بشریت کا حاصل ہوگیا اب اس مضمون کو ختم فرمانا چاہتے ہیں لہذا فرماتے ہیں کہ۔

این سخن را ترجمہ پہنا ورے	گفتہ آید در مقام دیگرے
اس بات کا مفصل بیان	دوسرے مقام پر کیا جائے گا

یعنی اس بات کا پورا پورا بیان کسی دوسری جگہ بیان کیا جاوے گا۔ اب آگے ایک مضمون ارشادی بطور نتیجہ کے بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ نبات مر کر حیوان بن گیا۔ پس اس سے منصور کے قول اقتلونی یا ثقات کا درست اور بجا ہونا ظاہر ہوگیا کیونکہ معلوم ہوگیا کہ موت ترقی کا ذریعہ ہے اور ترقی کے آرزو ہر ایک کرتا ہے اور جبکہ ہم کو موت کے بعد ایک اعلیٰ حیات ملنے والی ہے تو اس کے قول ان فی قتلی حیات کی واقعیت بھی ظاہر ہوگئی۔ موت ترقی کا ذریعہ ہے۔ اس کی تصدیق تم کو اس سے بھی ہوگی کہ اقوال وافعال اور صدق وغذا وملائک بنتے ہیں اور اس طرح سے فنا ہوتے ہیں۔ تو ان کو اس ذریعہ سے معراج آسمانی حاصل ہوتی ہے اور وہ جزو ملائک بن کر آسمان میں رہتے ہیں ان کی یہ ترقی ایسی ہی ہے جیسے کہ غذائے جسمانی کی ترقی کہ وہ انسانوں کی غذا بن کر جاندار بن جاتی ہے اس گفتگو کی تفصیل بہت وسیع ہے جو یہاں نہیں آسکتی اس لئے کسی دوسرے مقام پر خدا نے چاہا تو بیان کی جاوے گی۔

شرح شبّیری

کاروان دائم زر گردون میرسد	تا تجارت میکند وا مے رود
قافلہ ہمیشہ آسمان سے آتا ہے	تاکہ تجارت کرے (اور) واپس جائے

یعنی قافلہ ہمیشہ آسمان سے پہنچتا ہے یہاں تک کہ تجارت کرتا ہے اور چلا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ روز و شب آمد و رفت اس عالم سے اس عالم میں اور بالعکس ہو رہی ہے اور آخر جانا تو ضرور ہے ہی اس سے تو چارہ نہیں لہذا تجھے چاہئے کہ۔

پس تر و شیرین و خوش با اختیار	نے بہ تلخی و کراہت دزد وار
پس تو اپنے اختیار سے عمدگی اور خوشی سے جا	نہ کہ چوروں کی طرح کڑواہٹ اور ناگواری سے

یعنی پس تو شیرین اور خوش (اپنے) اختیار سے چلا جا نہ کہ تلخی اور کراہت سے چوروں کی طرح مطلب یہ کہ جب جانا ہی ہے تو پھر زبردستی پکڑے ہوئے جاؤ اس سے کیا فائدہ ہے بہتر ہے کہ خود اپنے اختیار ہی سے جاؤ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا مضمون سابق کے مناسب نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا میں تمہارا قیام عارضی ہے اور اصل وطن تمہارا عالم غیب ہے کیونکہ عالم غیب سے یہاں قافلہ محض تجارت اور کسب اعمال کے لئے آیا ہے پس تم یہاں دل نہ لگاؤ اور عالم غیب کو جانے کے لئے تیار رہو اور وہاں خوش خوش اور اپنی خوشی سے جاؤ نہ کہ ناگواری اور نفرت اور رنج کے ساتھ کیونکہ جانا تو پڑے ہی گا پھر ناگواری وغیرہ بے سود ہے۔

شرح شبّیری

زان حدیث تلخ مے گویم ترا	تاز تلخیہا فرو شویم ترا
میں تجھے کڑوی بات اس لئے کہتی ہوں	تاکہ تجھ سے کڑواہٹیں دھو دوں

یعنی میں اسی وجہ سے سخت تجھے کہہ رہا ہوں تاکہ تجھے تلخیوں سے دھوؤں۔ مطلب یہ کہ میں جو تجھے مجاہدات و ریاضات میں مشغول کر رہا ہوں اور تجھ پر سختی کر رہا ہوں اس کی یہی وجہ ہے کہ میں تجھے سختیوں کا عادی کرتا ہوں تاکہ تو پھر سختیوں سے گھبراوے نہیں آگے اس تلخی سے دوسری تلخی کے عادی ہونے کی مثال فرماتے ہیں کہ۔

ز آب سرد انگور افسردہ زہد	سردی و افسردگی بیرون نہد
ٹھنڈے پانی سے ٹھٹھرا ہوا انگور جوش مارنے لگتا ہے	(پھر) سردی اور ٹھٹھر کو باہر نکال ڈالتا ہے

یعنی ٹھنڈے پانی سے افسردہ انگور پیدا ہوتا ہے تو سردی اور افسردگی کو باہر رکھ دیتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو انگور ٹھنڈے پانی سے پیدا ہوتا ہے اور خود بھی افسردہ ہوتا ہے لیکن پھر جب اس کو پکایا جاتا ہے اور درست کر کے اس کی شراب بنائی جاتی ہے تو اس کی ساری سردی وغیرہ جاتی رہتی ہے اور اس کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور جوش و خروش آجاتا ہے۔

پس ز تلخیہا ہمہ بیرون شوی	تو ز تلخی چونکہ دل پرخون شوی
پھر تلخیوں سے پوری طرح جدا ہو جائے گا	تو چونکہ کڑواہٹ سے پرخون دل والا بنتا ہے

یعنی جبکہ تلخی سے تو پراگندہ دل ہوتا ہے پس تلخیوں سے بالکل باہر ہو جاوے گا۔

مقبل این درگہٗ فاخر نشد	ہر کہ او اندر بلا صابر نشد
اس قابل فخر درگاہ میں مقبول نہ بنا	جو مصیبت میں صابر نہ بنا

یعنی جو شخص کہ بلا میں صابر نہیں ہوا وہ اس درگاہ فاخر کا مقبل نہیں ہوا یعنی جس نے کہ صبر نہ کیا وہ اس درگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہو سکتا ہے آگے بلا میں صابر نہ ہونے والے کے مقبول نہ ہونے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

آنزمان شیرین شوی ہمچون عسل	فارغ آئی گر بتو ریزند خل
اس وقت تو شہد کی طرح میٹھا ہو گا	اگر تجھ پر سرکہ ڈالیں (اور) تو بے فکر رہے

یعنی اگر تجھ پر سرکہ ڈالیں (یعنی تجھ پر بلا ڈالیں) تو تو فارغ رہ اس وقت تو شہد کی طرح شیریں ہو گا یعنی اگر تو بلاؤں میں صابر رہے تو تیری زندگی شیریں ہو جاوے آگے فرماتے ہیں کہ۔

خام وناجوشید جز بے ذوق نیست	سگ شکاری نیست اورا طوق نیست
کچا اور جوش نہ دیا ہوا سوائے بے ذائقہ کے کچھ نہیں ہے	جس کے گلے میں پٹا نہیں ہے وہ شکاری کتا نہیں ہے

یعنی کتا شکاری نہیں ہوتا تو اس کے طوق نہیں ہوتا اور جو خام اور غیر پختہ ہے وہ سوائے بے ذوق کے نہیں ہے مطلب یہ کہ دیکھو کتا جب شکاری ہوتا ہے اور بلاؤں میں مبتلا ہوتا ہے جب ہی اس کے گلے میں پٹا ڈالتے ہیں ورنہ ویسے ہی رہتا ہے اور کوئی شے جب تک خام رہتی ہے اس وقت تک یوں ہی بے ذوق رہتی ہے اور جب آگ میں پختہ ہو جاتی ہے تو اس کے اندر مزہ پیدا ہو جاتا ہے آگے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ جب مومن کو بلا کی مصلحت معلوم ہو جاتی ہے تو وہ بہت آسانی سے صابر ہو جاتا ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔اب بی بی کہتی ہے کہ میں تم سے کڑوی کڑوی باتیں اس لئے کرتی ہوں کہ اس سے تیری ساری بدمزگی دور ہو جاوے اور یہ سرد مہری کی باتیں اس لئے کہتی ہوں کہ قاعدہ ہے کہ جب انگور مرجھا جاتا ہے تو اسے سرد پانی میں ڈالتے ہیں اس سے وہ تر وتازہ ہو جاتا ہے اور سردی وافسردگی سے کود کر الگ ہو جاتا ہے پس جبکہ تو تلخی سے غمگین ہو گا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ساری تلخیوں سے الگ ہو جاوے گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو جو بلاؤں پر صبر نہیں کرتا جن میں تلخی نصیحت بھی داخل ہے تو وہ ہرگز درگاہ عالی حق سبحانہ میں مقبول نہیں ہوتا۔

پس اگر تم پر سرکہ ڈالیں اور کوئی تکلیف پہنچائیں تو تم کو بے فکر رہنا چاہئے اور پریشان نہ ہونا چاہئے جب تم ایسا کروگے تو شہد کی طرح شیرینی سے لبریز ہوجاؤ گے دیکھو جو کتا شکاری نہیں ہوتا اس کے گلے میں طوق نہیں ہوتا اور جو طعام کہ کچا اور غیر پختہ ہوتا ہے اس میں مزہ نہیں ہوتا علی ہذا جو شخص کہ مصائب میں مبتلا نہیں ہوتا وہ اہل کمال نہیں ہوتا لہٰذا ابتلا براغلب کمال کے لئے ابتلاء بالمصائب ضروری ہے پس طالب کمال کو بلاؤں سے پریشان نہ ہونا چاہئے۔

شرح شبّیری

مومن کی جب وہ بلا پر واقف ہوجاوے صابر ہونے کی ایک مثال

آن نخود گفت ار چنین ست اے ستی	خوش بجوشم یاریم دہ راستی
اس چنے نے کہا اے بی بی! اگر ایسا ہے	مجھے خوب جوش دے میری مدد کر تو سچ کہتی ہے

یعنی اس چنے نے کہا کہ اے بی بی اگر اس طرح تو میں اچھی طرح جوش کھاتا ہوں تو مجھے خوب اچھی طرح درست کر اور کہتا ہے کہ

تو درین جوشش چو معمار منی	کفچلیزم زن کہ بس خوش میزنی
چونکہ تو اس جوش دینے میں میری تعمیر کرنے والی ہے	میرے کفگیر مار کیونکہ تو اچھا مارتی ہے

یعنی اس جوش دینے میں تو مثل معمار میرے کے ہے تو کفگیر مار کہ تو خوب مار رہی ہے مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ جب یہ بات ہے تو اب تو تو اس جوش دینے میں مجھے سنوار رہی ہے تو پھر کیا ہے خوب جوش دے اور خوب چمچے میرے اندر مارتا کہ میری خوب اصلاح ہو اسی طرح جب مومن دیکھتا ہے کہ مرشد ان مجاہدات سے میری اصلاح کر رہا ہے تو وہ خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ خوب مجاہدات و ریاضات میں مجھے مشغول رکھتا کہ میری خوب اصلاح ہو اور کہتا ہے کہ۔

ہمچو پیلم برسرم زن زخم و داغ	تانہ بینم خواب ہندوستان و باغ
میں ہاتھی کی طرح ہوں میرے سر پر زخم اور داغ لگا	تا کہ میں ہندوستان اور باغ کا خواب نہ دیکھوں

یعنی ہاتھی کی طرح میرے سر پر زخم اور داغ لگا تا کہ میں ہندوستان اور باغ کا خواب نہ دیکھو یہ مشہور ہے کہ چونکہ ہاتھی ہندوستان کا جانور ہے تو اگر اس کو کسی اور ملک میں لے جاتے ہیں اور یہ خواب میں ہندوستان کو دیکھ لیتا ہے تو اس قدر مست ہوتا ہے کہ پھر پیل بان وغیرہ کی کسی کی نہیں سنتا تو اس وقت اس کے سر پر داغ لگاتے ہیں جس سے یہ درست ہوجاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں بھی بہت زیادہ سرکش اور باغی ہوگیا ہوں اے مرشد مجھے بھی مجاہدات و ریاضات میں مبتلا کرتا کہ میرے اندر سے بھی یہ طغیان اور بغاوت نکل جاوے اور ناسوت کی طرف توجہ نہ رہے اور یہ حالت ہوجاوے کہ۔

تا کہ خود را در دہم در جوش من	تا رہے یابم درین آغوش من
تا کہ میں اپنے جوش (کھانے) میں خودی کو دیدوں	تا کہ میں اس آغوش میں راستہ پالوں

یعنی تا کہ میں اپنے کو جوش میں دیدوں اور تا کہ میں اس آغوش میں رہائی پاؤں مطلب یہ کہ تو مجاہدات میں مجھے مشغول کرتا کہ میں اس کا عادی ہو جاؤں اور اے مرشدی تیری آغوش میں رہ کر ان بلیات معاصی سے رہائی پاؤں۔ اور یہ طغیان میرے سر سے باہر ہو۔ آگے اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جو مجاہدات میں مشغول کرنے کی تم سے درخواست کرتے ہیں وہ اس وجہ سے ہے کہ۔

زانکہ انسان در غنا طاغی شود	ہمچو پیل خواب بین باغی شود
کیونکہ انسان بے فکری میں سرکش بن جاتا ہے	خواب دیکھنے والے ہاتھی کی طرح باغی بن جاتا ہے

یعنی اس لئے کہ انسان بے فکری میں باغی ہو جاتا ہے اور خواب دیکھنے والے ہاتھی کی طرح نافرمان ہو جاتا ہے تو بس جب مجاہدات و ریاضات کریگا تو وہ بے فکری نہ رہے گی اور وہ بغاوت اور طغیان جاتا رہے گا۔

پیل چون در خواب بیند ہندرا	پیل بان را نشنود آرد دغا
جب ہاتھی خواب میں ہندوستان کو دیکھتا ہے	فیل بان کی نہیں سنتا ہے' دغا بازی کرتا ہے

یعنی ہاتھی جب خواب میں ہند کو دیکھ لیتا ہے تو ہاتھ بان کی سنتا نہیں ہے اور سرکشی لاتا ہے (ہند سے مراد ناسوت ہے) مطلب یہ کہ جب انسان عالم ناسوت کی طرف توجہ کرتا ہے تو پھر مرشد کی طرف سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور سرکش ہو جاتا ہے تو پھر مجاہدات کی ضرورت ہوتی ہے آگے پھر اسی نخود اور کدبانو کا قصہ بطور تمثیل کے بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ خیر تو چنے نے بیگم کی نصیحت سن کر کہا کہ اگر یہی بات ہے تو مجھے خوب پکا اور میرے جزو انسان بننے پر اعانت کر تو اپنے فعل میں مصیب ہے اور اس پکانے میں میری مصلحت ہے ہاں خوب ڈوئیاں مار کہ مجھے تیری مار بہت اچھی معلوم ہوتی ہے میں ہاتھی کی مثل ہوں لہذا تیرے سر پر خوب آنکس لگا کہ میں ہندوستان یعنی اپنے وطن اصلی اور باغ کو خواب میں دیکھ کر مست اور سرکش نہ ہو جاؤں اور تا کہ خوب اچھی طرح اپنے کو پختہ کرلوں تا کہ اس ذریعہ سے میں آغوش انسانیت میں چلا جاؤں اب سمجھو کہ یہ ہی وجہ ہے کہ انسان کو مبتلائے مصائب کیا جاتا ہے کیونکہ وہ بے فکری میں سرکش ہو جاتا ہے اور ہندوستان کو خواب میں دیکھنے والے ہاتھی کی طرح باغی ہو جاتا ہے قاعدہ ہے کہ جب ہاتھی ہندوستان کو خواب میں دیکھتا ہے تو ہاتھی بان کی بات نہیں سنتا اور مقابلہ کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہی حالت انسان کی ہے کہ جب وہ نشہ راحت میں مست ہوتا ہے تو پھر کسی ناصح اور خیر خواہ کی بات نہیں سنتا لہذا مصائب کی ضرورت ہے تا کہ وہ سرکش نہ ہونے پائے۔

شرح شبّیری

بی بی کا چنے سے معذرت کرنا اور اس کو جوش دینے کی حکمت کا بیان

آن ستی گوید ورا کہ پیش ازین	من چو تو بودم ز اجزای زمین
وہ بی بی اس سے کہتی ہے کہ اس سے پہلے	میں تیری طرح زمین کے اجزاء میں سے تھی

یعنی وہ بی بی اس چنے سے کہتی ہے کہ اس سے پہلے میں تیری ہی طرح اجزائے زمین سے تھی۔ یعنی اس نے کہا کہ جس طرح کہ تو اس وقت نباتات میں سے ہے اسی طرح پہلے میں بھی مجموعہ عناصر کا تھی۔

چون بپوشیدم جہاز آذری	پس پذیرا گشتم و اندر خوری
جب میں نے آتشی لباس پہنا	تب میں مقبول اور لائق بنی

یعنی جب میں نے آگ کا سامان پہنا تو میں مقبول اور لائق ہوگئی۔ (جہاز آذری سے وہ غذائیں وغیرہ مراد ہیں جو کہ انسان بعد آگ کے پختہ کردینے کے کھاتا پیتا ہے اور پھر معدہ کے اندر جا کر وہ پکتی ہیں) مطلب یہ ہوا کہ جب میں نے بھی محنتیں کی ہیں اور بہت سی مشکلیں برداشت کی ہیں اس وقت اس نباتیت سے نکل کر جامۂ انسانی میں آئی ہوں ورنہ پہلے میں بھی نباتات ہی سے تھی۔

مدتے جوشیدہ ام اندر زمن	مدتے دیگر درون دیگ تن
ایک مدت تک میں نے زمانے میں جوش کھایا ہے	پھر ایک مدت تک جسم کی دیگ میں (جوش کھایا ہے)

یعنی ایک مدت تک زمانہ میں میں نے جوش کیا ہے اور ایک دوسری مدت دیگ تن میں مطلب یہ کہ ایک مدت تک مجاہدات وغیرہ کئے ہیں جب ایسی حالت ہوگئی ہے۔

زین دو جوشش قوت حسہا شدم	روح گشتم پس ترا استا شدم
ان دو جوشوں سے میں حسوں کی طاقت بنی ہوں	میں روح بن گئی ہوں پھر میں تیری استاد بنی ہوں

یعنی ان دونوں جوشوں سے میں قوت حواس ہوگئی اور روح ہوگئی پھر تیری استاد ہوگئی مطلب یہ کہ بہت مجاہدات تو ایسے کئے جو کہ بدن سے خارج تھے اور خارجی چیزوں میں پخت و پز ہوتا رہا۔ اس کے بعد کچھ دن کے لئے خود اپنے جسم کے تغیر و تبدل میں رہی ہوں تب یہ مرتبہ حاصل ہوا ہے کہ آج تیری مربی اور تیری استاد بن کر بیٹھی ہوں۔

در جماد ی گفتمے زان میروی	تاشوی علم و صفات معنوی
میں جماد ہونے کی حالت میں کہتی تھی کہ تو اس سے نکل ہو رہی ہے	تاکہ تو معنی کا علم اور صفات بن جائے

یعنی جمادیت میں میں کہتی تھی کہ تو اس لئے جا رہا ہے تا کہ تو علم اور صفات معنوی بن جاوے یعنی بی بی کہتی ہے کہ تو جو جمادیت میں حرکت کر رہا تھا تو وہ اس لئے تھا کہ تو علم و صفات معنوی بن جاوے یعنی بشریت تجھ کو حاصل ہو جاوے۔

جوش دیگر کن ز حیوانی گزر	چون شدی تو روح پس باردگر
دوسرا جوش کھا کر حیوانیت سے گزر جا	جب تو روح ہو گئی پھر دوبارہ

یعنی جبکہ تو روح ہو گیا تو دوسری مرتبہ دوسرا جوش کر ار حیوانیت سے گزر جا۔ یعنی اول جمادیت سے حیوانیت اور بشریت کے مرتبہ کو پہنچا تھا اب دوسری حرکت کرتا کہ اس سے گزر کر تو مرتبہ اعلیٰ میں پہنچ جاوے اور مرتبہ ملکوتی تجھے حاصل ہو جاوے اب چونکہ ان باتوں سے غلط فہمی ہو جانا ممکن تھا اس لئے فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی ہے کہ تجھ پر یہ مصیبت نہیں ہے بلکہ اس سے پیشتر میں بھی تیری ہی مثل زمین کا جزو اور خاک تھی اس کے بعد میں نے بھی آتشی لباس پہنا اس سے میں مقبول طبائع اور قابل قبول ہوئی ہوں۔ ایک عرصہ تک میں نے بدن سے باہر تاؤ کھائے ہیں اس کے بعد بدن میں آئی تو وہاں تاؤ کھائے ہیں ان دو قسم کے تاؤں کے بعد میں صاحب حسہائے قوی ہوئی ہوں۔ اور جاندار بن کر تیری استاد بنی ہوں۔ جب میں جماد تھی اس وقت میں اپنے دل میں کہتی تھی کہ تو اس لئے ترقی کر رہی ہے کہ ایک روز صاحب کمال انسان کا علم اور اس کی صفت بن جاوے اب کہتی ہوں کہ جب تو جاندار بن گئی تو پھر تاؤ کھا اور حیوانیت سے تجاوز کر کے کچھ اور بن جا۔

شرح شبّیری

ورنہ لغزی ورسی در منتہٰے	از خدا می خواہ تازین نکتہا
لغزش نہ کھا جائے اور انجام تک پہنچے	خدا سے دعا تا کہ ان نکتوں سے

یعنی خدا سے (توفیق) مانگ تا کہ ان نکتوں سے تو پھسل نہ جاوے اور منتہا کو پہنچ جاوے۔

زان رسن قومے درون چہ شدند	زانکہ از قرآن بسے گمرہ شدند
اسی رسی کے ذریعہ ایک قوم کنویں میں چلی گئی ہے	اس لئے کہ بہت سے لوگ قرآن سے گمراہ ہوتے ہیں

یعنی اس لئے کہ قرآن سے بہت گمراہ ہو چکے ہیں اور اس رسی سے ایک قوم کنویں میں چلی گئی ہے۔

چون ترا سودائے سربالا نبود	مر رسن را نیست جرمے اے عنود
جبکہ تجھے ہی سر ابھارنے کا خیال نہیں ہے	اے سرکش! رسی کا کوئی قصور نہیں ہے

یعنی اے معاندرسی کی (اس میں) کوئی خطا نہیں ہے جبکہ تجھے ہی اوپر ابھرنے کا خیال نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کنویں میں ایک رسی لٹکی ہوئی ہو تو اس کو پکڑ کر بعض تو ایسے لوگ ہوں گے کہ وہ کنویں سے اوپر نکل آویں گے۔ اور بعض ایسے ہونگے کہ اسی رسی کے سہارے کنویں کے اندر چلے جاویں گے مگر اس میں رسی کی کوئی خطا اور اس میں کوئی کمی نہیں ہے اسی طرح قرآن سے بعض نے تو ہدایت پائی اور بعض گمراہ ہوئے تو جب قرآن سے بھی لوگ گمراہ ہوئے ہیں تو اگر مثنوی شریف سے گمراہ ہو جاویں تو کیا عجب ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ خدا سے توفیق ہدایت کی دعا کرو کہیں غلط فہمی نہ ہو جاوے اب آگے اس مسجد کے مہمان کا قصہ بیان فرمانا شروع کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

جانب آن عاشق بے خویش ران	کہ دران مسجد چہ کرد از امتحان
اس بے خود عاشق کی جانب چلا	کہ اس نے اس مسجد میں آزمائش میں کیا کیا؟

یعنی (کلام کو) اس عاشق بیخود کی طرف چلاؤ۔ کہ اس نے امتحان سے اس مسجد میں کیا کیا۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اب چونکہ سامع کو غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا کہ مبادا کہیں حق سبحانہ کے ساتھ اتحاد ذاتی نہ سمجھ جاوے اس لئے فرماتے ہیں کہ خدا سے دعا کر کہ کہیں ان نکتوں سے تیری فہم لغزش نہ کھا جاوے اور تو اصل مقصد تک پہنچ جاوے کیونکہ میری مثنوی کا طرز بیان ایسا ہی ہے جیسے قرآن کا اور قرآن سے بھی بہت سے لوگ گمراہ ہو گئے ہیں اور اسی رسی کو پکڑ کر لوگ کنویں میں اتر گئے ہیں تو یہ رسی کا قصور نہیں بلکہ یہ تمہارا قصور ہے کہ تم اس کو پکڑ کر اوپر کو کیوں نہ چلے نیچے کو کیوں اترے یعنی قواعد شرعیہ کا لحاظ کر کے تم نے اس سے معانی کیوں نہ اخذ کئے اور تفسیر بالرائی میں کیوں مبتلا ہو گئے۔ پس یہی حالت مثنوی کی ہے اچھا اس مضمون کو ختم کرو اور اس عاشق بیخود کی طرف چلو اور دیکھو کہ اس آزمائش میں مسجد میں جا کر اس نے کیا کیا۔

شرح شبّیری

اس مسجد والے مہمان کے قصہ کا بقیہ اور اس کے عزم کے ثبات وصدق کے بیان میں

آن غریبے شہر سر بالا طلب	گفت می خسپم درین مسجد بہ شب
اس شہر کے پردیسی (عالم) بالا کے طالب نے	کہا میں رات کو اسی مسجد میں سوؤں گا

یعنی اس مسافر شہر بالا کو طلب کرنے والے نے کہا کہ میں رات کو اسی مسجد میں سوتا ہوں۔ (چونکہ یہ شخص اہل دل معلوم ہوتا ہے اس لئے اس کو غریب شہر لکھ دیا یعنی یہ باشندہ تو شہر سر کا تھا مگر یہاں آ کر ایک مسافر کی حیثیت رکھتا ہے) غرضکہ اس نے کہا کہ میں تو رات کو اسی مسجد میں سوتا ہوں۔ خواہ کچھ بھی ہو آگے اس مسجد کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ۔

مسجد اگر کربلائے من شوی	کعبۂ حاجت روائے من شوی
اے مسجد! اگر تو میری کربلا بنے گی	تو میری حاجت کو پورا کرنے والا کعبہ بنے گی

یعنی اے مسجد اگر تو میری کربلا ہو جاوے تو میرے لئے کعبہ حاجت روا ہو جاوے یعنی کہتا ہے کہ اے مسجد اگر میں رات کو مر جاؤں اور تو اس کا سبب بنے تو یہ تو عین میری خوشی ہے اور یہی مقصود ہے تو گویا میری کعبہ حاجت روا ہو جاوے گی اب آگے اس ناصح کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ۔

ہین مرا بگزار اے بگزیدہ یار	تا رسن بازی کنم منصور وار
اے منتخب دوست! خبردار مجھے اجازت دے	تا کہ منصور (حلاج) کی طرح (دار و) رسن کا کھیل کھیلوں

یعنی اے برگزیدہ دوست ہاں مجھے چھوڑ تا کہ میں منصور کی طرح رسن بازی کروں یعنی کہتا ہے کہ اے ناصح تو مجھے نصیحت مت کر مجھے اسی حالت میں چھوڑ دے تا کہ میں مرنے کو تیار ہو جاؤں۔

گر شدید اندر نصیحت جبرئیل	می نخواہد غوث در آتش خلیل
اگر تم نصیحت کرنے میں جبرئیل ہو	(تو) آگ میں خلیل (اللہ) مدد نہیں چاہتا ہے

یعنی اگر تم نصیحت میں جبرئیل ہو گئے تو خلیل کو آگ میں مدد نہیں چاہئے (بلکہ وہ کہتے ہیں کہ)

جبرئیلا رو کہ من افروختہ	بہترم چون عود و عنبر سوختہ
اے جبرئیل! جا کہ میں جلا ہوا	بہتر ہوں جیسا کہ جلا ہوا عود اور عنبر

یعنی اے جبرئیل جاؤ کہ میں بھڑکا ہوا اور عود و عنبر کی طرح جلا ہوا بہتر ہوں (اور کہتے ہیں کہ)

جبرئیلا گرچہ یاری میکنی	چون برادر پاسداری میکنی
اے جبرئیل! اگرچہ تو مدد کر رہا ہے	(اور) بھائی کی طرح میری حفاظت کر رہا ہے

یعنی اے جبرئیل تم اگرچہ مدد کرتے ہو اور بھائی کی طرح حفاظت کرتے ہو (لیکن)

اے برادر من بر آذر چابکم	من نہ آن جانم کہ گردد بیش و کم
اے بھائی! میں آگ پر تیز رو ہوں	میں وہ جان نہیں ہوں جو گھٹ بڑھ سکے

یعنی اے بھائی میں آگ پر چست ہوں اور میں وہ جان نہیں ہوں کہ جو کم و بیش ہوں (اس لئے کہ)

جان حیوانی فزاید از علف	آتشے بود او چو ہیزم شد تلف
حیوانی جان جو چارے سے بڑھتی ہے	آگ ہے وہ ایندھن کی طرح ختم ہو جاتی ہے

یعنی روح حیوانی تو گھاس دانہ سے بڑھتی ہے اور وہ آگ ہی تھی جو کہ لکڑیوں کی طرح تلف ہو گئی۔

فائدہ:۔ یہاں جو جان حیوانی کو آگ سے تشبیہ دی ہے تفصیل اس کی عنقریب اشعار آئندہ میں آتی ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ جس طرح یہ آگ بوجہ اس کے کہ اصلی نہیں ہے دیرپا نہیں ہے بلکہ ہیزم کی طرح جو کہ آگ سے فنا ہو جاتی ہے خود یہ آگ بھی فنا ہو جاتی ہے اسی طرح جان حیوانی بھی بوجہ اس کے کہ یہ اصل جان نہیں ہے اصلی جان دوسری ہی ہے تلف ہو جاتی ہے۔

گر نہ گشتے ہیزم او مثمر بدے	تا ابد معمور وہم عامر بدے
اگر وہ ایندھن نہ بنتی تو پھلتی	ابد تک آباد اور آباد کرنے والی بھی ہوتی

یعنی اگر وہ لکڑی ایندھن نہ ہو جاتی تو پھل والی ہوتی اور ہمیشہ کے لئے معمور اور عامر ہوتی۔ (یہاں جبرئیل سے مثال اس ناصح کو دی ہے اور خلیل سے مثال خود اپنے کو دی ہے) مطلب یہ ہے کہ اے ناصح اگر چہ تو مجھے نصیحت کرتا ہے اور اس طرح خیر خواہی کرتا ہے جس طرح کہ جبرئیل علیہ السلام حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے خیر خواہ تھے مگر میں بھی حضرت خلیل اللہ کی طرح ہوں کہ جب ان سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تمہاری مدد کو آؤں تو انہوں نے انکار کر دیا تھا اور فرمادیا تھا کہ اے جبرئیل اگر چہ تم خیر خواہ ہو لیکن میں بے تمہاری مدد کے جلا ہوا اچھا ہوں اور یہ تو بالفرض ہے ورنہ اصل میں تو میں جلوں گا بھی نہیں اس لئے کہ روح حیوانی کو فنا ہے اور عناصر پر عناصر کا اثر ہوتا ہے لیکن میری روح تو عنصری نہیں رہی بلکہ یہ تو ملکوتی ہو گئی ہے اس لئے یہ آگ اس پر اثر نہ کرے گی تو اسی طرح وہ مہمان کہتا ہے کہ اول تو میں اس مسجد میں رہ کر مروں گا نہیں اس لئے کہ مجھ پر اس کا اثر نہ ہوگا اور اگر ہو بھی گیا تو میں تو مرنے کو تیار ہوں ہی پھر کیوں مجھے نصیحت کرتے ہو آگے بھی حضرت خلیل اللہ کی زبانی حضرت جبرئیل علیہ السلام کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

باد سوز انست این آتش بدان	پر تو آتش بودنے عین آن
سمجھ لے یہ آگ، مشتعل ہوا ہے	آگ کا پرتو ہے، نہ کہ بعینہ آگ

یعنی یہ آگ جلنے والی ہوا ہے جان لے اور سایہ آگ کا ہوتا ہے نہ کہ اس کا عین۔

عین آتش در اثیر آمد یقین	پرتو وسایہ ویست اندر زمین
اصل آگ یقینا کرۂ آتش میں ہے	زمین میں اس کا پرتو اور سایہ ہے

یعنی آگ کا عین تو کرۂ آتش ہی میں ہے یقینا اور اس کا پرتو اور سایہ زمین میں ہے۔

لاجرم پر تو نپاید ز اضطراب	سوئے معدن بازمی گردد شتاب
لامحالہ پرتو بے چینی کی وجہ سے ناپائیدار ہے	جلدی معدن کی طرف لوٹا جاتا ہے

یعنی آخرکار سایہ اضطراب کی وجہ سے ٹھہرتا نہیں ہے (بلکہ) جلدی سے معدن کی طرف واپس چلا جاتا ہے مطلب یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح کہ یہ آگ ہے دنیا میں ہے اس آگ کا جو کرۂ آگ میں ہے سایہ ہے اس لئے فنا ہو جاتی ہے اور وہ اصلی آگ فنا نہیں ہوتی۔ اسی طرح جو روح عنصری ہے وہ تو ایک دم سے فنا ہو جاتی اور جو روح ملکوتی ہے وہ فنا نہیں ہوتی۔ آگے سایہ کے فنا ہونے اور اصل کے باقی رہنے کی ایک مثال فرماتے ہیں۔

قامت تو برقرار آمد بساز	سایہ ات کوتہ دمے یکدم دراز
تیرا قد سکون کی وجہ سے برقرار ہے	تیرا سایہ کبھی چھوٹا ہے کبھی دراز ہے

یعنی تیرا قد تو موافقت سے برقرار آیا اور تیرا سایہ ایک دم چھوٹا ہے اور ایک دم دراز ہے۔

زانکہ در پرتو نیابد کس ثبات	عکسہا واگشت سوئے امہات
اس لئے کہ سائے میں کوئی شخص ٹکاؤ نہیں پاتا ہے	عکس اصلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں

یعنی اس لئے کہ سایہ میں کوئی شخص ثبات نہیں پاتا اور عکوس اصول کی طرف لوٹ جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ دیکھو تمہارا قد تو یکساں رہتا ہے اور سایہ چھوٹا بڑا ہوتا ہے اور پھر گھٹتے گھٹتے اصل قد کی طرف لوٹ آتا ہے تو بس اسی طرح روح عنصری ہے جو فنا ہو جاتی ہے ورنہ روح ملکوتی تو اپنی اصل کی طرف چلی جاتی ہے اب بیان فرماتے فرماتے مولانا رکتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ ہاں تو اس مسافر نے جو کہ شہر غیب یعنی عالم بالا کا طالب تھا یہی کہا کہ کچھ ہو میں تو اسی مسجد میں رات کو سوؤں گا اے مسجد اگر تو میرے لئے کربلا کی طرح بھی محل مصائب ہو جاوے تو میں سمجھوں گا کہ تو میرا کعبہ ہے جو کہ میرا کام بنانے والا ہے اچھا اے نصیحت گر اب تو مجھے چھوڑ تا کہ میں موت کے منہ میں جاؤں اور منصور کی طرح سولی پر چڑھ کر تماشا کروں اگر آپ لوگ میرے لئے نصیحت میں جبرئیل کی مانند ہیں تو میں خلیل کی مانند آپ سے طالب مدد نہیں اور اے اشباہ جبرئیل تم جاؤ کہ میں آتش بلا میں جلا ہوا ہی اچھا ہوں۔ جس طرح کہ عود و عنبر جلا ہوا اچھا ہوتا ہے اور اے جبرئیل کے مشابہ لوگوں تم اگرچہ میری مدد کرتے ہو اور بھائیوں کی طرح میرا خیال کرتے ہو لیکن بھائیو خیال رکھو کہ میں آتش بلا پر بہت خوب چل سکتا ہوں کیونکہ میں وہ جان نہیں ہوں جو کہ کم و بیش ہو سکے کیونکہ وہ جان حیوانی ہے جو خوراک سے بڑھتی ہے اور وہ آگ تھی لہذا ایندھن کی طرح تلف ہو گئی۔

فائدہ:۔اس شعر میں جان حیوانی کو آگ کہا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح یہ آگ بوجہ اس کے کہ دیر پا نہیں ہے بلکہ ہیزم کی طرح جو کہ آگ سے فنا ہو جاتی ہے خود یہ آگ بھی فنا ہو جاتی ہے اسی طرح جان حیوانی بھی بوجہ اس کے کہ یہ اصلی جان نہیں ہے اصلی جان دوسری ہے تلف ہو جاتی ہے۔

اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر جان آتش شہوت وغضب کا ایندھن نہ بن جاتی تو اس سے بہت عمدہ آثار پیدا ہوتے اور وہ ہمیشہ کے لئے خود بھی فیوض سے مالا مال ہوتی اور دوسروں کو بھی مالا مال کرتی اب مولانا اس آتش شہوت وغضب کا فانی اور نا قابل التفات ہونا اور اس کی اصل یعنی رب ذوالجلال کا باقی اور قابل توجہ ہونا بیان کرتے ہیں مگر اس کو آتش حسی کی تمثیل سے بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو آتش متعارف واقعی آگ نہیں ہے بلکہ اصالتاً ہوا ہے جو مشتعل ہو کر آگ بن گئی ہے اس لئے حقیقی آگ کا پرتو ہے نہ کہ خود آگ بلکہ حقیقی آگ تو کرہ نار میں ہے اور یہ زمین پر اس کا ظل اور اس کی شبیہ ہے جبکہ یہ اصل آگ کا ظل ہوئی تو لازم ہے کہ اپنے کرہ کی طرف لوٹنے کے لئے بے چین ہو اور بالآخر نہ ٹھہر سکے اور بہت جلد اپنے کرہ کی طرف لوٹ جاوے تم اپنے قد ہی کو دیکھ لو کہ وہ اصل ہے اس لئے قائم اور برقرار رہتا ہے لیکن تمہارا سایہ کبھی لمبا ہوتا ہے اور کبھی گھٹتا ہے اور بالآخر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے اور خود فنا ہو جاتا ہے پس چونکہ یہ قاعدہ عام ہے کہ ظل قائم نہیں رہ سکتا۔اسی لئے تمام ظلال وعکوس اپنی اصول کی طرف لوٹ جاتے اور خود فنا ہو جاتے ہیں جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ آتش شہوت وغضب جس پر تم عاشق ہو اور اپنی روح کو تم نے اس کا ایندھن بنا دیا ہے وہ ایک ظل اور پرتو ہے حق سبحانہ کا جس کو ایک دن فنا ہونا اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا لازم ہے پس اس میں کیوں دل پھنساتے ہو اصل ہی سے جی کیوں نہیں لگاتے جس کے لئے کبھی فنا نہیں۔

فائدہ:۔یادر کھو کہ جان حیوانی فزاید از علف الخ میں جان حیوانی سے وہ روح مراد ہے جو صفات بہیمیہ سے مغلوب ہو۔خواہ اس کی حقیقت بخارات لطیفہ ہوں یا کچھ اور۔اور اس روح انسانی کو بھی شامل ہے جو غلبۂ صفات بہیمیہ سے اپنے مزاج اصلی سے متغیر ہو گئی ہے۔

شرح شبیری

ہین دہان بر بند فتنہ لب کشاد	خشک آر اللہ اعلم بالرشاد
خبردار! منہ بند کر لے فتنہ نے لب کشائی کی ہے	تغافل برت خدا راستی کو زیادہ جانتا ہے

یعنی ہاں منہ کو بند کر لو کہ فتنہ نے لب کھولا خشک لاؤ واللہ اعلم بالرشاد۔مطلب یہ ہے کہ فرماتے ہیں کہ بس اب چپ رہو اس لئے کہ ایک فتنہ پیدا ہو گیا ہے اس فتنہ کی تفصیل آگے خود فرماویں گے۔

فتنہ زاد و کرد عالم را خراب	شرق وغرب افتاد اندر اضطراب
فتنہ پیدا ہو گیا ہے اور اس نے دنیا کو تباہ کر دیا ہے	مشرق اور مغرب بے چینی میں مبتلا ہو گئے ہیں

یعنی فتنہ پیدا ہو گیا اور عالم کو خراب کر دیا اور شرق و غرب اضطراب میں پڑ گئے۔

چون مراتب گرد دلہا تنگ شد	ہر یکے با دیگرے در جنگ شد
جب حقیقتیں دلوں کے چاروں طرف تنگ ہو گئی ہیں	ہر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی میں لگ گیا ہے

یعنی جبکہ حقائق قلوب کے گرد تنگ ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کے ساتھ جنگ میں ہو گیا۔ یعنی جب قلوب پر حقائق پوشیدہ ہو گئے تو سب آپس میں لڑنے لگے اور کسی نے حقیقت کو نہ سمجھا۔

گفتگو بسیار شد خامش شدم	مسئلہ تسلیم کردم تن زدم
بیان بہت ہو گیا میں چپ ہو گیا	میں نے بات مان لی میں خاموش ہو گیا

یعنی گفتگو زیادہ ہو گئی ہے (لہذا) میں خاموش ہوتا ہوں اور مسئلہ تسلیم (کا اختیار) کرتا ہوں اور چپ ہو جاتا ہوں یعنی چونکہ گفتگو زیادہ ہو چکی ہے اور فتنہ پیدا ہو گیا ہے تو بس اب چپ رہنا ہی مناسب ہے۔

در تو گوئی موجب فتنہ چہ بود	باز گویم گوش کن چون غم فزود
اگر تو کہے کہ فتنے کا سبب کیا تھا؟	چونکہ غم بڑھا ہوا ہے میں پھر بتاتا ہوں سن

یعنی اور اگر تو کہے کہ فتنہ کا سبب کیا تھا تو میں بیان کرتا ہوں سن جبکہ غم زیادہ ہو گیا یعنی اب چونکہ غم زیادہ ہو گیا ہے لہذا اب میں اس فتنہ کا بیان کرتا ہوں لو سن لو۔

بداندیشوں کے خیال کا ذکر

پیش ازان کاین قصہ مخلص رسد	دو دو گندی آمد از اہل حسد
اس سے پہلے ہی کہ یہ قصہ خاتمے تک پہنچے	حاسدوں کی جانب سے دھواں اور بدبو پیدا ہو گئی

یعنی پہلے اس سے کہ یہ قصہ ختم تک پہنچے دھواں اور گندگی اہل حسد کی طرف سے آئی۔ یعنی اہل حسد نے قبل اس قصہ کے ختم کے اعتراض شروع کر دیا۔ اب کوئی کہتا ہے کہ اگر اعتراض کر ہی دیا تو آپ کو برا کیوں معلوم ہوتا ہے۔ صبر کیجئے آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

من نمی رنجم ازین لیک این لکد	خاطر سادہ دلے را پے کند
میں اس سے رنجیدہ نہیں ہوتا ہوں لیکن یہ دولتی	کسی سادہ دل کی طبیعت کا پیچھا کرے گی

یعنی میں تو اس سے رنجیدہ نہیں ہوتا لیکن یہ لات کسی سادہ دل کے دل کو خراب کرے گی۔ مطلب یہ کہ مجھے تو ان اعتراضات کی پرواہ نہیں ہے لیکن اس سے ڈر یہ ہے کہ کہیں کوئی سادہ دل گمراہ نہ ہو جائے اور ان اعتراضات کو صحیح سمجھ کر مثنوی سے بددل نہ ہو جاوے اور ان مضامین کا دوسرا محمل نہ لے لے اس لئے ہم چپ ہو گئے اب آگے اس

اعتراض کو اٹھاتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اعتراضات تو ہمیشہ ہوتے ہی رہے ہیں حتیٰ کہ قرآن پر بھی لوگوں نے اس قسم کے اعتراض کئے ہیں آگے حکیم غزنوی کے مقولہ سے اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

خوش بیان کرد آن حکیم غزنوی	بہر محجوبان مثال معنوی
اس غزنوی دانا نے بہت اچھی بات کہی ہے	منکروں کے لئے، ایک باطنی مثال

یعنی اس حکیم غزنوی نے محجوبین کے لئے ایک معنوی مثال خوب بیان کی ہے (وہ یہ کہ)

کہ ز قرآن گر نہ بیند غیر قال	این عجب نبود ز اصحاب ضلال
کہ اگر قرآن میں سوائے لفظوں کے کچھ نہ دیکھیں	تو گمراہوں سے یہ تعجب کی بات نہیں ہے

یعنی کہ اگر سوائے قال کے قرآن سے کوئی بات نہ دیکھے تو یہ بات اصحاب ضلال سے عجب نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اگر گمراہ لوگ قرآن شریف سے صرف قال دیکھنے کے نفع کو سمجھیں تو اس سے کیا ہوتا ہے قرآن شریف میں جو منافع ہیں وہ تو ان لوگوں کے نہ سمجھنے پر بھی موجود ہیں۔

کز شعاع آفتاب پر ز نور	غیر گرمی می نہ یابد چشم کور
کیونکہ نور سے بھرے ہوئے سورج کی شعاعوں سے	اندھی آنکھ گرمی کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتی

یعنی آفتاب پرنور کی شعاع سے سوائے گرمی کے اندھا کچھ بھی نہیں دیکھتا۔ (لیکن اس کے نور میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی تو اسی طرح اگر مثنوی پر کوئی اعتراض کرے تو اس سے اس کی خوبی میں کوئی فرق نہیں آتا یہ ایک تمہید تھی آگے اس فتنہ کا بیان فرماتے ہیں کہ۔

خر بطے ناگاہ از خرخانۂ	سر بروں آورد چوں طعانۂ
گدھے کے طویلے سے ایک احمق نے اچانک	طعنہ باز کی طرح سر ابھارا

یعنی ناگاہ ایک خربط نے ایک خرخانہ سے طعن کرنے والے کی طرح سر باہر نکالا (اور وہ اعتراض یہ ہے کہ)

کاین سخن پست است یعنے مثنوی	قصۂ پیغمبر ست و پیروی
یہ بات یعنی مثنوی گھٹیا بات ہے	پیغمبرؑ اور (انکی) پیروی کا قصہ ہے

یعنی کہ یہ سخن پست ہے یعنی مثنوی اور قصہ پیغمبر کا اور پچھلے لوگوں کا ہے۔

نیست ذکر و بحث و اسرار بلند	کہ دوانند اولیا زانسو سمند
بلند اسرار کی بحث اور ذکر نہیں ہے	کہ اولیاء اس طرف گھوڑا دوڑائیں

یعنی ذکر اور بحث اسرار کی نہیں ہے کہ جو اولیاء اس طرف کو گھوڑا دوڑا دیں۔

پایہ پایہ تا ملاقات خدا	از مقامات تبتل تا فنا
درجہ بدرجۂ اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک	خلوت سے فنا تک کے مقامات

یعنی مقامات انقطاع خلق سے فنا تک رتبۂ رتبۂ ملاقات خدا تک۔

کہ بہ پر زو بر پرد صاحب دلے	شرح و حد ہر مقام و منزلے
تاکہ پروں کے ذریعہ صاحب دل اس سے پرواز کرتا	ہر مقام اور ہر منزل کی شرح اور حد (ہوتی)

یعنی ہر مقام اور ہر منزل کی شرح اور حد کہ پر سے کوئی صاحب دل اڑ سکے مطلب یہ ہے کہ کسی معترض نے اعتراض یہ کیا کہ اس مثنوی میں صرف قصص اور پہلے لوگوں کے حالات ہی ہیں اور اسرار اور مقامات کی شرح نہیں کی ہے۔اس میں تو چاہئے تھا کہ تمام مراتب کو جدا گانہ جدا گانہ ملاقات حق تک بیان کرتے چلے جاتے اس لئے کہ یہ تو تصوف کی کتاب ہے اس میں تو اسی قسم کی باتیں ہوتیں اور اب اس کی یہ حالت ہے کہ۔

کودکانہ قصہ بیرون و درون	جملہ سر تا سر فسانست و فسون
اندر اور باہر سے بچگانہ قصہ	سب سراسر افسانہ اور گورکھ دھندا ہے

یعنی بالکل سارا افسانہ اور فسوں ہی ہے اور بچوں کی طرح اندر باہر کے قصے ہی ہیں۔اب مولانا اس بات کا ایک الزامی جواب دیتے ہیں کہ۔

این چنین طعنہ زدند آن کافران	چون کتاب اللہ بیامد ہم بران
ان کافروں نے اس طرح کے طعنے دیئے	جب اللہ کی کتاب آئی اس پر بھی

یعنی قرآن شریف کی طرح چاہئے کہ اس پر بھی اسی طرح ان کافروں نے طعنے کئے ہیں یعنی فرماتے ہیں کہ مثنوی اگر ایسی ہوگئی ہے تو کچھ حرج نہیں ہے اس لئے کہ قرآن بھی تو ایسا ہی ہے اور اس پر بھی لوگوں نے اسی قسم کے اعتراضات کئے ہیں اور کہا ہے کہ۔

نیست تحقیقے و تعمیقے بلند	کہ اساطیر است و افسانہ نژند
کوئی تحقیق اور بلند گہرائی نہیں ہے	کہ پرانی کہانیاں اور افسانہ ہے

یعنی کہ قصے اور پرانے افسانے ہیں کوئی بلند تحقیق اور تعمیق نہیں ہے (بلکہ حالت یہ ہے کہ)

نیست جز امر پسند و ناپسند	کودکان خرد فہمش می کنند
(اس میں) پسندیدہ اور ناپسندیدہ احکام کے سوا کچھ نہیں ہے	اس کو چھوٹے بچے سمجھ لیتے ہیں

یعنی چھوٹے بچے اس کو سمجھ لیتے ہیں اور سوائے جائز اور ناجائز کے کچھ نہیں ہے۔یعنی اسرار و حقائق

وہ دقائق نہیں ہیں بلکہ صرف یہی ہے کہ یہ جائز ہے اور یہ ناجائز لطیف باتیں نہیں ہیں۔

ذکر آدم گندم و ابلیس و مار	ذکر ہود و باد و ابراہیم و نار
آدمؑ گیہوں شیطان اور سانپ کا ذکر ہے	ہودؑ اور ہوا اور ابراہیمؑ اور آگ کا ذکر ہے

یعنی آدمؑ اور گیہوں اور ابلیس اور سانپ کا ذکر ہے اور ہود اور ہوا اور ابراہیم اور نار کا ذکر ہے۔

ذکر نوح و کشتی و طوفان تن	ذکر کنعان و سر از خط تافتن
نوحؑ کشتی اور جسم کے طوفان کا ذکر ہے	کنعان اور حکم سے منہ موڑنے کا ذکر ہے

یعنی نوح اور طوفان تن اور کشتی کا ذکر ہے اور کنعان کا اور اس کے خط (مستقیم) سے سر پھیرنے کا ذکر ہے۔

ذکر اسماعیلؑ و ذبح جبرئیلؑ	ذکر قصہ کعبہؑ و اصحاب فیل
اسماعیلؑ ذبح ' اور جبرئیلؑ کا ذکر ہے	کعبہ کے ارادے اور ہاتھی والوں کا ذکر ہے

یعنی اسماعیلؑ اور جبرئیلؑ کے ذبح کا ذکر ہے اور کعبہ کے قصہ کا ذکر ہے اور اصحاب فیل کا ذکر ہے۔

ذکر یوسفؑ ذکر زلف پر خمش	ذکر یعقوب و زلیخا و غمش
یوسفؑ کا ذکر ہے ان کی بل کھائی ہوئی زلف کا ذکر ہے	یعقوبؑ اور زلیخا اور اس کے غم کا ذکر ہے

یعنی یوسفؑ اور ان کی زلف پرخم کا ذکر ہے اور یعقوب اور زلیخا اور ان کے غم کا ذکر ہے۔

ذکر بلقیس و سلیمان و سبا	ذکر داؤد و زبورؑ و اوریا
بلقیس اور سلیمانؑ اور سبا کا ذکر ہے	داؤدؑ اور زبورؑ اور اوریا کا ذکر ہے

یعنی بلقیس اور سلیمانؑ اور سبا کا ذکر ہے اور داؤد اور زبور اور اوریا کا ذکر ہے۔ (اوریا ایک شخص کا نام ہے جو داؤدؑ کا خادم تھا۔)

ذکر طالوت و شعیب و صوم او	ذکر یونس ذکر لوط و قوم او
طالوت اور شعیبؑ اور اس کے روزے کا ذکر ہے	یونس کا ذکر ہے لوطؑ اور ان کی قوم کا ذکر ہے

یعنی طالوت اور شعیب اور ان کے روزہ کا ذکر ہے اور یونس کا ذکر اور لوط اور ان کی قوم کا ذکر ہے۔

ذکر حمل مریمؑ و نخل و مخاض	ذکر زکریا و یحییٰ و ریاض
مریمؑ کے حمل کھجور اور درد زہ کا ذکر ہے	زکریاؑ اور یحییٰؑ اور باغوں کا ذکر ہے

یعنی مریمؑ کے حمل کا اور کھجور کا اور جائے دردزہ کا ذکر ہے اور زکریا اور یحییٰؑ اور باغوں کا ذکر ہے۔

ذکر صالحؑ ناقہؑ و تقسیم آب	ذکر ادریسؑ و مناجات و جواب
صالحؑ (ان کی) اونٹنی اور پانی کی تقسیم کا ذکر ہے	ادریسؑ اور ان کی سرگوشی اور جواب کا ذکر ہے

یعنی صالح اور ناقہ اور تقسیم آب کا ذکر ہے اور ادریس اور مناجات اور جواب کا ذکر ہے۔

ذکر الیاسؑ و عزیرؑ و موت او	ذکر قارون و زمین رفتن فرو
الیاسؑ اور عزیرؑ اور ان کی موت کا ذکر ہے	قارون اور زمین میں دھنسنے کا ذکر ہے

یعنی الیاسؑ اور عزیرؑ اور ان کی موت کا ذکر ہے اور قارون اور اس کے زمین میں چلے جانے کا ذکر ہے۔

ذکر ایوبؑ و صبوری در بلا	ذکر اسرائیلیان در تیہ لا
ایوبؑ اور مصیبت میں (ان کے) صبر کرنے کا ذکر ہے	بنجر تیہ میں اسرائیلیوں کا ذکر ہے

یعنی ایوبؑ کا اور ان کے بلا میں صبر کا ذکر ہے اور بنی اسرائیل کا ایک نامعلوم جنگل میں پھرنے کا ذکر ہے۔

ذکر موسیٰؑ و شجر طور و عصا	خلع نعلین و خطابات و عطا
موسیٰؑ اور درخت طور اور عصا کا ذکر ہے	جوتے اتارنے اور خطابات اور بخشش کا ذکر ہے

یعنی موسیٰؑ اور شجر کا اور طور کا اور عصا کا اور نعلین نکالنے اور خطابات اور عطا کا ذکر ہے۔

ذکر عیسیٰؑ و عروجش بر سما	ذکر ذوالقرنین و خضرؑ و ارمیا
عیسیٰؑ اور ان کے آسمان پر چڑھنے کا ذکر ہے	ذوالقرنین اور خضر اور ارمیا کا ذکر
ذکر فضل احمدؐ و خلق عظیم	کہ قمر از معجزاتش شد دو نیم
احمدؐ کی فضیلت اور ان کے بلند اخلاق کا ذکر ہے	کہ چاند ان کے معجزے سے دو ٹکڑے ہوگیا
ظاہر است و ہر کسے پے می برد	کو بیان کہ گم شود دروے خرد
(یہ سب) ظاہر ہے اور ہر شخص جانتا ہے	وہ بیان کہاں ہیں جن میں عقلیں گم ہو جائیں؟

یعنی (یہ سب امور) ظاہر ہیں اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور وہ بیان کہاں ہے کہ جس میں عقل گم ہو۔ مطلب یہ کہ کفار کہا کرتے تھے کہ یہ سب باتیں تو ایسی آسان ہیں کہ ادھر ادھر کے قصے جمع کر دیئے گئے ہیں باقی اسرار و حقائق و دقائق کا کہیں پتا بھی نہیں ہے تو جیسے قرآن شریف پر اعتراض کیا جاتا تھا اسی طرح مثنوی پر بھی یہ اعتراض ہے تو پھر کیا نئی بات ہے آگے ان کے اس کہنے کا کہ آسان کلام ہے ایک الزامی جواب دیتے ہیں کہ۔

گفت اگر آسان نماید این بتو	این چنین یک سورہ گوا ے سخت گو
فرمایا اگر تجھے یہ آسان نظر آتا ہے	اے بھاری بات کرنے والے ایسی ایک سورت کہدے

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ تجھے آسان معلوم ہوتا ہے تو اے سخت کلام ایسی ایک سورۃ ہی کہدے۔

جنیان و انسیان و اہل کار	گو یکے آیت ازین آسان بیار
جن اور انسان اور کام کے لوگ	کہدے اس آسان کی ایک آیت لے آئیں

یعنی جنات اور انسان اور اہل کار (سب کو) کہدو کہ ایک ہی آیت اس سے آسان لے آؤ۔ آگے اس امر کو بیان فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے صرف الفاظ ہی نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف کے اندر بہت سے بطون ہیں جو کہ ظاہر نظر میں معلوم بھی نہیں ہوتے اس کو ایک حدیث سے ثابت کرتے ہیں اور بطور تفسیر حدیث کے بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ مولانا کی مثنوی پر کچھ لوگوں نے اعتراضات شروع کئے تھے۔ پس جب مولانا اس مقام تک پہنچے ہیں تو مولانا کو کسی طریقہ سے جس کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا ان اعتراضات کا علم ہو گیا۔ لہذا مولانا کے طبیعت پر ابتداءً کچھ افسردگی چھا گئی اور چاہا کہ اس کو یہیں ختم کر دیں اس لئے فرماتے ہیں کہ بس جی بند کرو فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اور خاموش رہو شاید حق سبحانہ کے نزدیک اس کی تکمیل ٹھیک نہیں اور خدا ہی راستی سے زیادہ واقف ہے خاموشی کا سبب جیسا کہ پہلے بھی بیان کر دیا ہے یہ ہے کہ فتنہ پیدا ہو گیا ہے اور اس نے عالم کو خراب کر دیا ہے اور اس کے سبب مشرق ومغرب میں ہل چل پڑ گئی ہے اور حقائق قلوب کے گرد تنگ ہو گئے ہیں یعنی وہ حقائق قلوب سے پوشیدہ ہو گئے تو ہر ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہو گیا ہے چونکہ قیل وقال بہت ہونے لگی ہے لہذا میں بھی خاموش ہو گیا اور راضی برضائے حق ہو کر چپ ہو بیٹھا۔ اب اگر تم یہ پوچھو کہ اس فتنہ کا سبب کیا تھا تو چونکہ مجھے اس واقعہ سے نہایت صدمہ ہوا ہے اس لئے وہ بھی کہے دیتا ہوں سنو بات یہ ہے کہ قبل اس کے کہ یہ قصہ جو زیر بیان ہے تمام ہو حاسدوں کے دلوں میں آگ لگ گئی اور اس کا دھواں اور چڑ انڈ (یعنی اثر از قسم اعتراض وغیرہ) مجھے محسوس ہوئی سو مجھے (گو طبعاً ناگوار ہوا جیسا کہ پیشتر معلوم ہو چکا ہے مگر عقلاً) اس کا کچھ ملال نہیں (کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں اور میری مثنوی تو کیا ہیں قرآن کریم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ واقعات پیش آئے ہیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آئے گی) لیکن خیال صرف اتنا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بھولے بھالے لوگ جو معاند نہیں ان کے دھوکہ میں آ جاویں اور ان کو نقصان پہنچ جائے۔ ان معترضین کی تمثیل حکیم سنائی علیہ الرحمۃ نے نہایت خوب اور پر معنی بیان کی ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر گمراہ لوگ قرآن کے صرف ظاہری مضامین کو دیکھیں اور اس پر اعتراض کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ پر نور آفتاب کی شعاعوں سے اندھے کو بجز گرمی اور کچھ حاصل نہیں ہوتا ہاں جو آنکھ والے ہیں ان کو اس سے محسوسات دکھلائی دیتے ہیں۔ پس یہی حالت ان معترضین کی ہے کہ الفاظ مثنوی پر نظر کرتے ہیں اور اس کے اسرار ودقائق کو نہیں دیکھ سکتے خیر اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک گدھے نے خرخانہ سے طاعنانہ صورت میں سر نکالا اور کہا کہ یہ کلام یعنی مثنوی ایک گھٹیا کلام ہے کیونکہ اس میں پیغمبران علیہ السلام کے قصے اور اتباع کی ترغیب ہے۔ نہ کوئی دقیق بحث ہے نہ اسرار غامضہ ہیں جن کی طرف

اہل اللہ اپنی عنان توجہ منعطف کریں اس میں مقام انقطاع عن الخلق سے لے کر مقام فنا تک اور رفتہ رفتہ وصال حق سبحانہ تک کی بحث ہونی چاہئے تھی اور ہر مقام کی تفصیل وتحدید ہونی چاہئے تھی تا کہ ان امور پر مطلع ہو کر ارباب دل ان سے ترقی روحانی حاصل کرتے مگر یہ تو سراسر افسانہ اور تلمیع ہے اور سراسر بچوں کی کہانیاں ہیں۔ ہاں صاحبو تمہاری کچھ شکایت نہیں کیونکہ جب کتاب اللہ نازل ہوئی تھی تو اس وقت جو تمہارے بھائی کفار موجود تھے انہوں نے بھی قرآن پر اسی قسم کے طعن کئے تھے اور کہا تھا ان ھذا الا اساطیر الاولین یعنی یہ تو محض پرانے قصے ہیں نہ کوئی جدید تحقیق ہے نہ کوئی باریک بات ہے بلکہ موٹی موٹی باتیں ہیں جن کو بچے بھی سمجھتے ہیں نیز اس میں اور دھرا ہی کیا ہے۔ بجز اس کے یہ کرو وہ نہ کرو یہ ہم کو پسند ہے وہ ناپسند۔ اور بجز اس کے کہ آدمؑ اور شیطان اور سانپ کا تذکرہ ہے اور ہوڈ اور حواؑ اور ابراہیمؑ اور آگ کا قصہ ہے۔ نوحؑ اور کشتی اور طوفان اور کنعان اور اس کی نافرمانی کا واقعہ ہے۔ اسماعیلؑ اور ان کے ذبح کرنے اور جبرئیل کے دنبہ لانے کا ذکر ہے۔ کعبہ اور اصحاب فیل کا قصہ ہے یوسفؑ اور ان کی زلف پر غم یعقوبؑ اور زلیخا اور ان کے غم کا بیان ہے بلقیس اور سلیمان اور شہر سبا کی تفصیل ہے داؤد زبور اور اوریا کا واقعہ ہے طالوت کا ذکر ہے۔ شعیب اور ان کے روزہ کا قصہ ہے یونس کا ذکر ہے لوط اور ان کی قوم کا واقعہ ہے مریم علیہا السلام کے حمل اور ان کے دردزہ کی تکلیف اور ان کی اس حالت میں درخت خرما سے تسکین حاصل کرنے کا مذکور ہے۔ زکریا و یحییٰ کا تذکرہ ہے باغات کا بیان ہے صالح اور ان کی اونٹنی اور پانی کی تقسیم کا طریقہ مذکور ہے ادریس اور ان کی مناجات اور اس کے جواب کا بیان ہے الیاس کا ذکر ہے عزیر اور ان کی موت کا بیان ہے قارون اور اس کے زمین میں دھنس جانے کا قصہ ہے ایوب اور ان کے مصیبت میں صبر کرنے کا ذکر ہے اسرائیلیوں کی وادی فنا میں سرگشتی کا واقعہ ہے موسیٰ اور شجرہ۔ عصا و طور جوتیاں اتارنے اور حق سبحانہ سے ہم کلام ہونے اور توریت وغیرہ ملنے کا قصہ ہے۔ عیسیٰ اور ان کے آسمان پر چلے جانے کا ذکر ہے۔ ذوالقرنین خضر اور ارمیا کے واقعات ہیں۔ احمدؐ کے اوصاف اور ان کے خلق عظیم کا بیان ہے اور یہ مذکور ہے کہ آپ کے معجزات میں سے ایک یہ ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے پس یہ ہیں وہ باتیں جو قرآن میں مذکور ہیں اور جو کچھ بھی ہے وہ اس قدر ظاہر اور عام فہم ہے کہ ہر شخص زبان دان سمجھ لیتا ہے ایسے مضامین نہیں جن میں عقل بھی خبط ہو جاوے۔ یہ تو ان کا اعتراض تھا مگر اب سنو کہ اس کا جواب کیا دیا گیا۔ سو فرمایا گیا کہ بہت اچھا اگر یہ ایسا ہی آسان کلام ہے جس کو بچے بھی سمجھ سکتے ہیں اور اس لئے وہ تمہارے نزدیک محقر ہے تو ایسی ہی آسان تم بھی ایک سورۃ بنا دو تم تو کیا بناتے ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ تمام جنات تمام انسان اور تمام وہ جو اس میدان کے مرد ہیں ذرا سب کے سب کمیٹی ہی کر کے بقدر ایک آیۃ ہی ایسا آسان اور محقر کلام بنا دیں۔

شرح شبّیری

حدیث ان للقران ظهر او بطناً و لبطنه بطنا الیٰ سبعة ابطن و فی روایة الیٰ سبعین بطنا کی تفسیر

حرف قرآن رابدان کہ ظاہراست	زیر ظاہر باطنے بس قاہراست
سمجھ لے کہ قرآن کے لفظ (اس کا) ظاہر ہیں	(اور) ظاہر کے نیچے ایک مضبوط باطن ہے

یعنی حروف قرآن کو تو وہ جانو جو کہ ظاہر ہے (مگر) ظاہر کے نیچے ایک زبردست باطن ہے۔

زیر آن باطن یکے بطن دگر	خیرہ گردد اندر و فکر و نظر
اس باطن کے نیچے ایک دوسرا باطن ہے	جس میں فکر و نظر حیران ہو جاتی ہے

یعنی اس باطن کے نیچے اور دوسرا باطن ہے کہ اس کے اندر نظر و فکر سب خیرہ ہو جاتی ہے۔ یعنی وہ ایسا باطن ہے کہ وہ ہر کس و ناکس کی سمجھ میں بھی نہیں آتا۔

زیر آن باطن یکے بطن سوم	کہ در و گردد خردہا جملہ گم
اس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے	کہ اس میں تمام عقلیں گم ہو جاتی ہیں

یعنی اس باطن کے نیچے ایک تیسرا باطن ہے کہ اس کے اندر تمام عقول گم ہو جاتے ہیں۔

بطن چارم از بنے خود کس ندید	جز خدائے بے نظیر و بے ندید
قرآن کا چوتھا باطن کسی نے نہیں دیکھا	لامثیل اور لاشریک خدا کے سوا

یعنی چوتھا بطن قرآن شریف سے خود کسی شخص نے سوائے خدائے بےنظیر و بےشریک کے نہیں دیکھا ہے۔

ہم چنین تا ہفت بطن اے ذوالکرم	می شمر تو زین حدیث معتصم
اے بھلے! اسی طرح سات باطن تک	تو اس محفوظ حدیث سے گن لے

یعنی اسی طرح سات بطن تک اے ذوالکرم گن لے۔ اس حدیث معتصم سے یعنی اسی طرح ایک سے لے کر سات تک گنتے چلے جاؤ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو کہ سرخی میں ہے۔

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین	دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
اے بیٹا! قرآن کے (صرف) ظاہر کو نہ دیکھ	شیطان نے آدم کو سوائے مٹی کے کچھ نہ دیکھا

یعنی اے صاحبزادے تم قرآن سے صرف ظاہر کو مت دیکھو کہ شیطان آدمؑ کو سوائے مٹی کے کچھ نہیں دیکھتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب شیطان کو سجدہ کے لئے کہا گیا ہے تو اس نے یہی کہا ہے کہ یہ تو مٹی کے ہیں میں ان کو کیوں سجدہ کروں اور ان کے اندر جو کمالات تھے وہ اس کو دکھلائی نہیں دیئے تو اسی طرح تم بھی قرآن شریف کے صرف الفاظ کو مت دیکھو بلکہ اس کے معانی اور بطون پر بھی غور کرو تا کہ اس کی کچھ حقیقت معلوم ہو۔

ظاہر قرآن چو شخص آدمی است	کو نقوشش ظاہر و جانش خفی است
قرآن کا ظاہر آدمی کے وجود کی طرح ہے	کہ اس کے نقش ظاہر ہیں اور اس کی روح پوشیدہ ہے

یعنی قرآن شریف کا ظاہر آدمی کے جسم کی طرح ہے کہ اس کے نقوش تو ظاہر ہیں اور اس کی جان خفی ہے۔

مر درا صد سال عم و خال او	یک سر موئے نہ بیند حال او
سو سال تک انسان کے چچا اور ماموں	اس کی حالت کا بال برابر نہیں دیکھ سکتے ہیں

یعنی آدمی کو سو برس تک اس کے چچا اور ماموں (دیکھتے ہیں مگر) ایک بال برابر بھی اس کے حال کو نہیں دیکھتے مطلب یہ کہ دیکھو انسان کے جسم کو اس کے رشتہ دار ہی برسوں تک دیکھتے رہتے ہیں مگر اس کے اندرونی حالات کا پتہ بھی نہیں چلتا اسی طرح صرف قرآن شریف کے الفاظ سے اس کے بطون اور اس کے اسرار تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ آگے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ انبیاء واولیاء جو غاروں وغیرہ میں پوشیدہ رہتے ہیں اس میں کیا مصلحت ہے۔ چونکہ یہاں بیان کیا تھا کہ صرف جسم کو دیکھ لینے سے حقیقت کا پتہ نہیں چلتا تو اب فرماتے ہیں کہ اسی طرح اولیاء وغیرہ کے پوشیدہ رہنے سے اس کی اصل حقیقت اور وجہ معلوم نہیں ہو سکتی۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ مولانا یہاں تک معترضین کا اعتراض اور اس کا اجمالی جواب بیان کر کے اب تفصیلی جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن صرف آسان ہے کیونکہ قرآن کیلئے ایک معنی ظاہری ہیں اور اس کے تحت میں ایک معنی باطنی ہیں (مگر ان ظاہری اور باطنی معنوں میں تخالف نہیں خوب سمجھ لو دھوکہ نہ کھانا) اور اس باطنی معنی کے تحت میں ایک اور معنی باطنی ہیں جس میں عقول وافکار اہل ظاہر متحیر ہو جاتے ہیں اور اس باطن کے تحت میں ایک تیسرا باطن ہے کہ اس کے اندر تمام عقول حیران ہو جاتی ہیں۔ الا ماشاء اللہ اور قرآن کا بطن چہارم تو خدائے وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی نے دیکھا ہی نہیں اسی طرح تم اس حدیث معتمد سے ساتوں بطون کو گن جاؤ۔

فائدہ:۔ مولانا کے اس مضمون سے یہ امر معلوم ہو گیا کہ کسی مخلوق کو تمام اشیاء کا علم نہیں بلکہ یہ صفت حق سبحانہ کے ساتھ مختص ہے پس جن مضامین سے اہل اللہ کے احاطۂ علمی کا شبہ ہوتا تھا ان کی تشریح خود مولانا ہی کے مضمون سے ہو گئی اور خود مولانا ہی نے اس شبہ کا ازالہ فرما دیا اور اس سے ان لوگوں کی غلطی بھی ظاہر ہو گئی جو مـا من رطـب

ولا یابس الافی کتاب مبین سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ما کان و ما یکون پر استدلال کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ کتاب مبین سے قرآن ہی مراد ہے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ حصر حقیقی ہی ہے تب بھی ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ تمام اشیاء مذکور بھی ہوں گی تو ظہر مع بطون سبعہ میں مذکور ہوں گی اور بطن چہارم و پنجم و ششم و ہفتم کا علم مختص بذات جل مجدہ ہے تو جو اشیاء ان بطون اربعہ میں مذکور ہے ان کا علم خدا کے سوا کسی کو نہ ہوگا۔ پس علم ما کان و ما یکون پر استدلال باطل ہو گیا اور نافی احاطہ تصریحات و نصوص میں تاویل کرنا اور بظاہر مثبت احاطہ میں تاویل نہ کرنا کھلی ہٹ دھرمی اور جدال صریح ہے واللہ اعلم و علمہ اتم)پس اس مضمون سے ثابت ہو گیا کہ قرآن صرف آسان ہی نہیں بلکہ دشوار بھی اتنا ہے کہ عقول عامہ تو درکنار عقول خاصہ کی رسائی بھی وہاں تک نہیں۔ پس تم قرآن کے ظاہری کو نہ دیکھو بلکہ اس کے بطون پر نظر کرو۔ اس لئے کہ صرف ظاہر کو دیکھنا اور باطن پر نظر نہ کرنا سنت ہے۔ ابلیس کی کہ وہ آدم میں صرف مٹی دیکھتا ہے اور ان کے کمالات علمیہ و عملیہ کو نہیں دیکھتا اور بے دھڑک انا خیر منہ کہہ بیٹھتا ہے تمام ظاہر قرآن کو ایسا سمجھو جیسے کہ ظاہر آدمی کہ اس کا تشکل ظاہر ہے اور روح مخفی یوں ہی ظاہر قرآن کے لئے بھی باطن ہے جو کہ مخفی ہے اور جس طرح کہ آدمی کو اس کے چچا ماموں وغیرہ سو برس تک دیکھتے ہیں مگر اس کے تمام حالات باطنی پر مطلع نہیں ہو سکتے یہی حالت قرآن کی ہے کہ کوئی کتنی ہی جدوجہد کرے مگر اس کے کل باطنی معانی پر اس کو بھی اطلاع نہیں ہو سکتی۔

شرح شبّیری

بیان اس کا کہ انبیاء و اولیاء کا غاروں میں جانا اپنے کو پوشیدہ کرنے کے واسطے نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو یہ بات بتلانے کے واسطے ہوتا ہے کہ دنیا سے قطع تعلق کرنا چاہئے

آنکہ گویند اولیاء در کہ بوند	تاز چشم مردمان پنہان شوند
لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اولیاء پہاڑوں میں ہوتے ہیں	تاکہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہیں

یعنی یہ جو کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ پہاڑوں میں (اس لئے) ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ رہیں۔

پیش خلق ایشان فراز صد کہ اند	گام خود بر چرخ ہفتم می نہند
مخلوق کے سامنے (رہتے ہوئے بھی) وہ سو پہاڑوں کی بلندی پر ہیں	اپنا قدم ساتویں آسمان پر رکھتے ہیں

یعنی مخلوق کے سامنے وہ سو پہاڑوں کی بلندی پر ہیں اور اپنا قدم ساتویں آسمان پر رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں جو مشہور ہے کہ اولیاء اللہ پہاڑوں میں اس لئے رہتے ہیں تاکہ پوشیدہ رہیں تو یہ غلط ہے بلکہ وہ تو لوگوں کے سامنے خوب بلندی پر ہوتے ہیں کہ جس کا دل چاہے دیکھ لے اور معلوم کرلے۔

کوز صد دریاؤ کہ آنسو بود	پس چرا پنہان شود کہ جو بود
وہ جو سو دریاؤں اور پہاڑوں سے ادھر ہو	تو کیوں چھپے پہاڑوں کو کیوں تلاش کرے

یعنی پھر وہ پوشیدہ اور پہاڑ کے متلاشی کیوں ہوں گے کہ وہ تو سو دریا اور کوہ سے اس طرف ہیں یعنی وہ تو ان سب دریاؤں اور کوہ سے بالا ہوچکے ہیں ان کو ان تعلقات کی پرواہ نہیں رہی ہے اور وہ اس کے محتاج نہیں رہے ہیں کہ اپنے کو پوشیدہ کرنے کے لئے پہاڑوں میں چھپتے رہیں۔

کز پیش کرہ فلک صد نعل ریخت	حاجتش نبود بسوئے کہ گریخت
جس کے پیچھے (بھاگنے میں) آسمان کے گھوڑے نے سینکڑوں نعل توڑے ہیں	اس کو پہاڑوں کی جانب بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے

یعنی اس ولی کو پہاڑ کی طرف بھاگنے کی حاجت نہیں ہوتی جس کے پیچھے کہ کرہ فلک نے سو نعل گرادئے۔ یعنی جن حضرات کی تہ کو فلک بھی باوجود کوشش کے نہ پہنچ سکا ان کو پہاڑوں میں پوشیدہ ہونے کی بھلا کیا حاجت ہے۔

تعزیت جامہ بپوشید آن زمان	چرخ گردید و ندید او گرد جان
اس وقت اس نے ماتمی لباس پہن لیا	آسمان گھوما اور اس نے روح کی گرد کو (بھی) نہ دیکھا

یعنی آسمان پھرا اور اس نے (ان کی) جان کی گرد (بھی) نہ دیکھی۔ (تو) اس وقت تعزیت کا کپڑا پہن لیا (چونکہ پہلے جامہ تعزیت نیلا پہنتے تھے اس لئے چرخ کی نیلی رنگت کو جامہ تعزیت کہدیا) مطلب یہ ہے کہ جب چرخ نے ان کی تہ کو پہنچنا چاہا اور پھر یہ نہ مل سکے تو آخرکار مجبور ہوکر جامہ تعزیت پہن کر بھٹک کر بیٹھ رہا۔ آگے ان حضرات کے حالات کے پوشیدہ ہونے کو دوسرے عنوان سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

آدمی پنہان تر از پریان بود	گر بظاہر آن پری پنہان بود
آدمی پریوں سے زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے	اگرچہ بظاہر پری پوشیدہ ہوتی ہے

یعنی اگرچہ بظاہر جن پوشیدہ ہوتا ہے (لیکن) آدمی جنوں سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

آدمی صد بار خود پنہان تر است	نزد عاقل زان پری کہ مضمر است
آدمی سو گنا زیادہ پوشیدہ ہے	عقلمند کے نزدیک اس پری سے جو پوشیدہ ہے

یعنی عاقل کے نزدیک اس جن سے جو کہ پوشیدہ ہے آدمی سو دفعہ خود پوشیدہ زیادہ ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو جنات بالکل پوشیدہ ہوتے ہیں کہ کسی کو نظر نہیں آتے مگر انسان اپنے حالات کے اعتبار سے ان سے بھی

زیادہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اس کی اصلی حالت اور اندرونی حال کا پتہ چلنا بہت ہی مشکل قریب بہ محال ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ ہر انسان کو عام ہے تو جو اور بھی برگزیدہ اور ولی خدا ہیں ان کے باطن کی حالت تو بھلا کس طرح معلوم ہو سکتی ہے آگے خود اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

آدمی نزدیک عاقل چون خفی است	چون بود آدم کہ در غیب او صفی است
جبکہ عقلمند کے نزدیک آدمی پوشیدہ ہے	تو ان آدم کا کیا حال ہوگا جو (عالم) غیب کے برگزیدہ ہیں؟

یعنی عاقل کے نزدیک جب آدمی خفی ہے تو وہ آدم کس طرح ہونگے جو کہ غیب میں برگزیدہ ہیں مطلب یہ کہ جب عوام الناس کے باطنی حالات کا پتہ نہیں چلتا تو بھلا اولیاء اللہ اور انبیاء کے حالات تو کیا ہی پتہ چل سکتا ہے۔ آگے انسان کے جسم کے ظاہر اور اس کے حالات کے خفی ہونے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

اولیاء اللہ کی صورت اور ان کے کلام کی عصائے موسیٰ اور فسوں عیسیٰ علیہ السلام کی صورت سے تشبیہ

آدمی ہمچون عصائے موسیٰ است	آدمی ہمچون فسوں عیسیٰ است
آدمی (حضرت) موسیٰ کے عصا کی طرح ہے	آدمی (حضرت) عیسیٰ کے دم (کرنے) کی طرح ہے

یعنی آدمی موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی طرح ہے اور آدمی عیسیٰ علیہ السلام کے فسوں کی طرح ہے۔

در کف حق بہر داد و بہر زین	قلب مومن ہست بین الاصبعین
عطا اور زینت کے لئے اللہ (تعالیٰ) کے ہاتھ میں	مومن کا دل دو انگلیوں کے درمیان ہے

یعنی حق تعالیٰ کے قبضہ میں واسطے داد کے اور زینت کے مومن کا قلب دو انگلیوں کے درمیان میں ہے۔

فائدہ:۔ اس شعر کی وجہ ربط شعر آئندہ کی تقریر میں آتی ہے۔

ظاہرش چوبے ولیکن پیش او	کون یک لقمہ چو بکشاید گلو
اس کا ظاہر لکڑی ہے لیکن اس کے سامنے	جب وہ منہ کھولے، عالم ایک لقمہ ہے

یعنی ظاہر میں تو ایک لکڑی ہے لیکن اس کے آگے تمام دنیا ایک لقمہ ہے جو وہ گلو کو کھوٹ مطلب یہ کہ انسان بظاہر تو ایک مضغہ لحم ہے اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے جس طرح کہ عصائے موسیٰ صرف ایک لکڑی تھا لیکن جس طرح کہ وہ موسیٰ کے ہاتھ میں آ کر اژدہا جاندار بن جاتا تھا اسی طرح یہ قلب انسانی اصبعین حق میں رہ کر اس قدر باقوت وعظمت ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے آگے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔

آن بہ بیں کز دے گریزان گشت موت	تو مبین زافسوں عیسےٰ حرف وصوت
یہ دیکھ کہ اس سے موت بھاگ گئی ہے	(حضرت) عیسیٰ کے دم کرنے میں تو حرف اور آواز کو دیکھ

یعنی تو افسوں عیسوی سے صرف حرف وصوت ہی کو مت دیکھ (بلکہ) یہ دیکھ کہ اس (افسوں) سے موت بھاگ گئی۔ مطلب یہ کہ یہ بات صرف مت دیکھو کہ یہ تو صرف الفاظ ہیں ان کا پڑھنا کیا مشکل ہے اور اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی کیا فضیلت معلوم ہوئی تو بات یہ ہے کہ اس میں غور کرنے کے بعد دیکھنے کی تو یہ بات ہے کہ اس آواز سے موت بھاگ گئی مردے زندہ ہوگئے۔

آن نگر کہ مردہ برجست ونشست	تو مبین زافسونش آن لہجات پست
یہ دیکھ کہ مردہ کودا اور بیٹھ گیا	ان کے دم کرنے میں تو دھیمے لہجے کو نہ دیکھ

یعنی تم ان کے افسوں سے ان پست لہجوں کو مت دیکھو (بلکہ اس کو دیکھو کہ مردہ کود کر بیٹھ گیا۔ مطلب یہ ہے کہ صرف اس کی صورت ہی کو مت دیکھو بلکہ اس کی اصلی حالت کو دیکھو۔

آن ببیں کہ بحر اخضر را شگافت	تو مبین مر آن عصا را سہل یافت
یہ دیکھ کہ اس نے بحر اخضر کو چیر دیا	تو اس عصا کو آسانی سے حاصل ہو جانے والا نہ دیکھ

یعنی تم اس عصا کو سہل یاب مت دیکھو وہ دیکھو کہ اس نے بحر اخضر کو پھاڑ دیا مطلب یہ کہ عصائے موسوی میں صرف اس بات کو مت دیکھو کہ یہ تو ایک لکڑی ہے اس کا ملنا تو بہت آسان ہے کہ ایک اس ساتھ کی لکڑی ہم بھی بنالیں گے مگر یہ تو دیکھو کہ جو صفت اس کے اندر ہے وہ تو تمہارے عصا میں نہیں ہے۔ بس یہی فرق اس عصائے موسوی اور تمہارے عصا میں ہے کہ مثلاً اس نے دریا کو پھاڑ دیا تھا اور راستہ بنا دیا تھا مگر تمہارا عصا اس کام کا نہیں ہے۔

یک قدم پا پیش نہ بنگر سپاہ	توز دوری دیدۂ چتر سیاہ
ایک قدم آگے رکھ لشکر کو دیکھ	تو نے دور سے سیاہ چھتر دیکھا ہے

یعنی تو نے دور سے چتر سیاہ کو دیکھ لیا ہے مگر ایک قدم پاؤں آگے رکھ اور سپاہ کو دیکھ لے مطلب یہ کہ تم نے دور سے چتر کو دیکھا ہے تو تم سمجھے ہوئے ہو کہ بس یہ چیز ہی چھتر ہے اور کوئی چیز نہیں ہے حالانکہ اس کے ہمراہ فوج بھی تو ہے اگر تم آگے بڑھو گے تو اس فوج کو بھی دیکھ لوگے بس اسی طرح اولیاء کی صرف صورت دیکھ کر تم نے سمجھ لیا ہے کہ جو ہے یہی ہے حالانکہ تم اگر آگے بڑھو اور دیکھو تو اس وقت ان کی اصلی حقیقت معلوم ہو۔

اند کے پیش آ ببین در گرد مرد	توز دوری می نہ بینی جز کہ گرد
تھوڑا سا آگے آ' گرد میں مرد کو دیکھ	تو دوری سے سوائے گرد کے کچھ نہیں دیکھتا ہے

یعنی تو دور سے سوائے گرد کے اور کچھ نہیں دیکھتا تو تو تھوڑا سا آگے بڑھ تو گرد میں تو مرد کو دیکھے گا مطلب یہ

کہ دور سے تو صرف گرد ہی معلوم ہو رہی ہے لیکن آگے بڑھو تو اس میں سپاہی بھی نظر آ دیں گے۔ آگے انبیاء و اولیاء کے کچھ اور حالات بیان فرماتے ہیں اور اس کے ضمن میں آیت یا جبال اوبی الخ کی تفسیر بھی فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کے قول یاجبال اوبی معه والطیر کی تفسیر

دیدہ ہارا گرد او روشن کند	کوہ ہارا مردئی او برکند
اس کی گرد آنکھوں کو روشن کر دیتی ہے	اس کی بہادری پہاڑوں کو اکھاڑ دیتی ہے

یعنی ان (حضرات) کی گرد آنکھوں کو روشن کرتی ہے اور پہاڑوں کو اس کی ایک پھونک اکھاڑ دیتی ہے۔

چون برآمد موسیٰ از اقصائے دشت	کوہ طور از مقدمش رقاص گشت
جب (حضرت) موسیٰ جنگل کے آخر سے برآمد ہوئے	ان کی تشریف آوری سے کوہ طور رقص کرنے لگا

یعنی جب موسیٰ منتہائے جنگل سے تشریف لائے تو طور پہاڑ ان کے آنے کی وجہ سے ناچنے لگا یعنی خوشی میں وجد کرنے لگا۔

روئے داؤدؑ از فرش تابان شدہ	کوہ ہا اندر پیش نالان شدہ
(حضرت) داؤدؑ کا چہرہ اس (اللہ) کی شان سے روشن ہوا	پہاڑ ان کے پیچھے روئے

یعنی داؤدؑ کا چہرۂ مبارک حق تعالیٰ کے جلال سے تابان ہوا تھا تو پہاڑ ان کے پیچھے نالاں ہوئے تھے مطلب یہ کہ دیکھو بظاہر تو یہ حضرات بھی صرف انسان ہی تھے لیکن چونکہ خدا سے ان کو تعلق ہو گیا ہے اس لئے ان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ سب چیزیں ان کے تابع ہو گئی ہیں۔

کوہ باداؤد گشتہ ہمرہے	ہر دو مطرب مست در عشق شہے
پہاڑ (حضرت) داؤدؑ کے ساتھی بنے	دونوں گانے والے شاہ کے عشق میں مست تھے

یعنی پہاڑ داؤدؑ کا ساتھی ہوا کہ دونوں مطرب عشق شاہ میں مست تھے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ان حضرات کی وہ شان تھی کہ پہاڑ بھی ان کے ہمزبان ہو جاتے تھے اور ان کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور یہ حالت تھی کہ۔

یا جبال اوبی امر آمدہ	ہر دو ہم آواز وہم پردہ شدہ
اے پہاڑو! جوابی ہو کا حکم آیا	دونوں ہم آواز اور ہم ساز ہو گئے

یعنی یا جبال اوبی حکم آیا ہوا تو دونوں ہم آواز اور ہم پردہ ہو رہے تھے مطلب یہ کہ دیکھو ان حضرات کی یہ شان تھی کہ پہاڑوں کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ ہمزبان رہو اور اگر کسی وقت ذکر سے ان کو غفلت ہو جاوے تو تم یاد دلا دیا کرو گے آگے ایک اور حالت بیان فرماتے ہیں کہ۔

بہر من از ہمدمان ببریدۂ	گفت داؤدا تو ہجرت دیدۂ
میرے لئے تو ساتھیوں سے کٹا ہوا ہے	(اللہ نے) فرمایا اے داؤدؑ! تونے ہجر دیکھا ہے

یعنی حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے داؤدؑ تم نے ہجر دیکھا ہے میرے واسطے تم نے ہمدموں سے قطع کرلیا ہے

آتش شوق از دلت شعلہ زدہ	اے غریب وفرد بے مونس شدہ
تیرے دل سے شوق کی آگ بھڑکی ہے	اے اکیلے مسافرا تو بے یار بنا ہے

یعنی اے غریب اور یکتا جو کہ بے مونس ہوگیا ہے اور شوق کی آگ تیرے دل سے شعلہ ماررہی ہے۔

کوہ ہارا پیش آرد آن قدیم	مطربان خواہی و قوال و ندیم
وہ قدیم (اللہ) تیرے سامنے پہاڑوں کو لاتا ہے	تو گویے اور قوال اور ہم مجلس چاہتا ہے

یعنی تم کو مطربوں کی اور قوالوں کی اور ندیم کی خواہش ہے تو وہ قدیم (حق تعالیٰ) تمہارے آگے پہاڑوں کو لاتا ہے یعنی تم کو جو اس کی ضرورت ہے کہ ذکر وشغل میں کوئی تمہارا ساتھی ہو تو اس کے لئے پہاڑوں کو مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ تمہارے ہم زبان رہیں گے۔

جملہ پیشت باد پیمائی کنند	تاکہ قوالی و سرنائی کنند
سب تیرے سامنے نغمہ سرائی کریں	تاکہ وہ (تیرے لئے) قوالی اور شہنائی بجائیں

یعنی تاکہ (وہ پہاڑ) قوالی اور خوش آوازی کریں اور تاکہ تمہارے سامنے نغمہ سرائی کریں تو ایک تو ان پہاڑوں کی تسبیح میں مصلحت تھی کہ داؤدؑ کی ہمزبان ہوجاویں اور ایک یہ مصلحت تھی کہ۔

بے لب ودندان ولی را نالہ ہاست	تابدانی نالہ چون کہ را رواست
تو ولی کے نالے بغیر ہونٹ اور دانتوں کے ہیں	تاکہ تو سمجھ لے کہ جب پہاڑ کا نالہ ہو سکتا ہے

یعنی تاکہ تم جان لو کہ جب نالہ پہاڑ کیلئے جائز ہے تو بے لب ودندان کے ولی کے لئے نالے ہیں مطلب یہ کہ اس سے ایک یہ بات مقصود تھی کہ تاکہ سب کو معلوم ہوجاوے کہ جب پہاڑ بھی بول سکتے ہیں جن کے کہ نہ منہ ہے اور نہ زبان ہے تو اولیاء اللہ بھی بے زبان ہلائے صرف دل سے تسبیح وتہلیل کرسکتے ہیں۔

ہر شبے در گوش حسش می رسد	نغمۂ اجزائے آن صافی جسد
ہر رات کو اس کے حس کے کان میں پہنچتا ہے	اس صاف جسم کے اجزاء کا نغمہ

یعنی اس صافی جسد کے اجزاء کے نغمے ہر رات کو اس کے گوش حس میں پہنچتے ہیں۔

اے خنک جان کو بغیبش بگردد	ہمنشیناں نشنوند او بشنود
وہ جان قابل مبارکباد ہے جو اس کی نادیدہ باتوں کی گرویدہ ہو	ہمنشین نہیں سنتے وہ سنتا ہے

یعنی ہمنشین لوگ تو سنتے نہیں اور وہ سنتا ہے کیا اچھی ہے وہ جان جو کہ اس کی طرف گرویدہ ہو۔ (اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ)

بنگرد در نفس خود صد گفتگو	ہمنشین او نبردہ ہیچ بو
وہ اپنے نفس میں سینکڑوں گفتگوئیں دیکھتا ہے	(اور) اس کے ہمنشین کو کچھ پتہ نہیں ہے

یعنی وہ اپنے نفس میں سو گفتگو دیکھتا ہے اور اس کا ہمنشین کسی قسم کی بو نہیں لے گیا ہے یعنی وہ بہت سی گفتگوئیں اپنے نفس میں سنتا ہے اور اس کے ہمنشین کو بالکل خبر بھی نہیں ہوتی آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

صد سوال وصد جواب اندر دلت	می رسد از لامکان تا منزلت
تیرے دل میں سینکڑوں سوال اور سینکڑوں جواب	لامکان سے تیرے مقام تک پہنچتے ہیں

یعنی سینکڑوں سوال اور سینکڑوں جواب تیرے دل میں لامکان سے تیرے گھر تک پہنچتے ہیں۔

بشنوی تو نشنود زان گوشہا	گر بہ نزدیک تو آرد گوش را
تو سنتا ہے وہ ان کانوں سے نہیں سنتا	اگرچہ وہ کانوں کو تیرے قریب لے آئے

یعنی تم تو سنتے ہو اور وہ ان کانوں سے نہیں سنتا اگرچہ وہ کان کو تیرے پاس کو لے آوے (مولانا فرماتے ہیں کہ)

گیرم اے کر خود تو آنرا نشنوی	چون مثالش دیدۂ چون نگروی
اے بہرے! میں مانتا ہوں تو اس کو نہیں سنتا ہے	جب تو نے اس کی ایک مثال دیکھ لی گرویدہ کیوں نہیں ہوتا؟

یعنی اے بہرے میں نے فرض کیا کہ تو خود ان باتوں کو نہیں سنتا (مگر) جب تو نے اس کی مثال دیکھ لی تو کیوں گرویدہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو بہت سے خیالات تمہارے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور سوال و جواب دل میں آتے ہیں اور تم سب سنتے ہو مگر تمہارے ہمنشین کو خبر بھی نہیں ہوتی تو اگرچہ تم اولیاء اللہ کی باتوں کو سن نہیں سکتے مگر جب یہ ایک مثال موجود ہے اور خود تمہارے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک بات کو تم سنتے ہو اور تمہارا ہمنشین نہیں سنتا تو پھر اس مثال ہی سے سمجھ لو کہ ایسا ہو سکتا ہے آگے اس طاعن مثنوی کا جواب دیتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ اوپر مولانا نے بیان فرمایا تھا کہ آدمی کی باطنی حالت مخفی ہے اس کو مبنی قرار دیکر عوام کی غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء پہاڑوں میں رہتے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی نظروں سے مخفی رہیں یہ ان کی غلطی ہے اس لئے کہ وہ تو لوگوں کے سامنے بھی سینکڑوں پہاڑوں پرے ہیں اور گویا کو چرخ ہفتم پر ہیں۔ اس لئے کہ لوگ اپنی باطنی حالت سے ان کے پیش نظر ہوتے ہوئے بھی واقف

نہیں ہو سکتے جب ان کی یہ حالت ہے تو ان کو کیا ضرورت ہے کہ وہ چھپیں اور پہاڑوں کو ڈھونڈیں۔ کیونکہ وہ تو عوام کے لحاظ سے ایسے ہی ہیں جیسے کوئی سینکڑوں مندروں اور پہاڑوں کے ادھر ہو پس ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ پہاڑوں میں بھاگ کر جائیں کیونکہ وہ تو اس قدر تیز رو ہیں کہ اسپ فلک نے بھی ان کو پانے میں سینکڑوں نعلیں توڑ ڈالیں۔ آسمان اس قدر گھوما مگر وہ روح کی گرد کو بھی نہ دیکھ سکا۔ اس لئے غم میں ماتمی لباس (سیاہی مائل) پہن لیا گو بظاہر پری مخفی ہے مگر آدمی پریوں سے بھی زیادہ مخفی ہے جو شخص سمجھ رکھتا ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ آدمی مخفی پری سے گو نہ زیادہ مخفی ہے تو شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پری تو ظاہراً بھی مخفی ہے اور باطناً بھی مگر آدمی میں یہ کمال ہے کہ وہ باوجود ظاہر ہونے کے مخفی ہے مگر اس سے اچھا یہ ہے کہ یوں کہا جاوے کہ جن کمالات کی قابلیت عام انسانوں میں مضمر ہے اس کا عشر عشیر بھی پریوں میں نہیں اس لئے یہ زیادہ مخفی ہیں۔ بہ نسبت ان کے) پس جبکہ عام آدمی عاقل کے نزدیک مخفی ہے تو اس سے تم سمجھ لو کہ انسان کامل کس قدر مخفی ہوگا جو کہ برگزیدہ عالم غیب ہے۔ نیز یاد رکھو کہ آدمی عصائے موسیٰ کی مثل ہے یا یوں کہو کہ افسوں عیسیٰ کی مانند ہے مومن کا قلب زینت اور افاضہ فیوض کے لئے حق سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں یعنی اس کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس میں بیان ہے مضمون بالا کی علت کا یعنی ایسا کیوں ہے جواب یہ ہے کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کامل باعتبار قلب کے اصبعین حق کے درمیان میں ہے پس یہ سب کمالات ان اصبعین کی برکت ہے۔ جس طرح عصائے موسیٰ ایک چوب تھی مگر ید موسوی کی برکت سے اس میں کیا کمال ظاہر ہو جاتا تھا چنانچہ آگے اسی مضمون کی تصریح ہے کہ عصائے موسیٰ ظاہر میں تو ایک لکڑی ہے مگر جب وہ منہ کھولے تو عالم اس کا ایک لقمہ ہے پس یہی حالت آدمی کی ہے کہ وہ صورت میں ایک خاک کا پتلا ہے مگر اس میں ایسے ایسے عجیب وغریب کمالات ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے نیز افسون عیسیٰ بظاہر آواز اور چند حروف کا مجموعہ ہے مگر تم اسے نہ دیکھو بلکہ اس کے اس کمال کو دیکھو کہ اس سے موت ڈر کر بھاگتی ہے اور تم اس کی چپکے چپکے پڑھے جانے کو نہ دیکھو بلکہ اس کے اس کمال کو دیکھو کہ اس سے مردہ کود کر بیٹھ جاتا ہے نیز تم عصائے موسیٰ کی اس ظاہری حالت کو نہ دیکھو کہ سہل الوصول ہے بلکہ اس کے اس کمال کو دیکھو کہ اس نے بحر اخضر کے دو ٹکڑے کر ڈالے (علیٰ ہذا القیاس آدمی کے بھی ظاہر کو نہ دیکھو بلکہ اس کی صفات باطنہ پر نظر کرو یوں ہی قرآن کی بھی ظاہری سہولت پر نظر مت کرو بلکہ اس کی بواطن سبعہ کو دیکھو علیٰ ہذا مثنوی کی بھی ظاہری عنوان پر نظر نہ کرو بلکہ ان حقائق کو دیکھو جو اس میں مودع ہیں) تم نے دور سے چتر سیاہ دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ بس چتر ہی ہے اور کچھ نہیں مگر یہ تمہاری غلطی ہے ذرا پاس آ کر لشکر جرار کو دیکھو نیز تم کو دور سے صرف گرد دکھائی دیتی ہے مگر ذرا آگے بڑھو اور دیکھو کہ اس میں مرد بھی ہے اور مرد بھی ایسا جس کی گرد آنکھوں کو روشن کرتی ہے اور اس کی شجاعت پہاڑوں کو اکھیڑ ڈالتی ہے۔ دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام تیہ سے نکلے تھے تو ان کی آمد سے طور کو وجد ہو گیا تھا۔ (واللہ اعلم بصحتہ) اور دیکھو داؤد علیہ السلام کا چہرہ فتر حق سبحانہ سے چمکا تو ان کے پیچھے پہاڑ روتے تھے پہاڑ داؤد علیہ السلام کے ہم آواز ہوئے اور دونوں نغمہ سرا ہوئے اور حکم ہوا یا جبال اوبی معہ اس بنا پر پہاڑ ان کے ساتھ

ہم آواز اور ہم نغمہ ہوئے نیز حق سبحانہ نے فرمایا کہ داؤد تم نے جدائی دیکھی ہے اور میرے لئے اپنے دوستوں سے قطع تعلق کیا ہے اور اے بے کس تنہا اور بے غمخوار تیرے دل میں آتش شوق شعلہ زن ہے اس لئے تجھ کو مطربوں اور قوالوں اور ہمنشینوں کی ضرورت ہے لہذا ہم تیرے سامنے پہاڑوں کو لاتے ہیں تا کہ یہ قوالی کریں اور گائیں بجائیں اور سب کے سب تیرے نغمہ سرا ہوں اور اس ذریعہ سے تیری آتش شوق میں کچھ سکون ہو جب تم کو یہ امر معلوم ہوگیا تو تم کو اپنی نظر کو صرف صورت ظاہری انسانی ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے بلکہ ان کمالات کو بھی دیکھنا چاہئے اور اسی پر قرآن اور مثنوی کی حالت کو قیاس کر لینا چاہئے اب تم یہ سمجھو کہ جب پہاڑ نالے کر سکتے ہیں حالانکہ ان کے نہ ہونٹ ہیں اور نہ دانت۔ یوں ہی قلوب اولیاء اللہ بھی بلا ہونٹوں اور دانتوں کے نالہ کرتے ہیں۔ اور ان مہذب الاجسام والقلوب حضرات کے اجزاء کا نالہ ہر شب ان کے حسی کانوں تک پہنچتا ہے اور وہ ان ہی کانوں سے اس کو سنتے ہیں گو بوجہ عدم صفا کے ان کے پاس بیٹھنے والے نہیں سنتے مگر وہ اپنی صفا کے سبب خود سنتے ہیں پس چاہئے کہ ان کی حالت مخفیہ کی تصدیق کی جائے کیونکہ ایسے لوگ بہت خوش نصیب ہیں یہ لوگ اپنے دلوں کو سینکڑوں طرح کی باتیں کرتے سنتے ہیں مگر ان کے پاس بیٹھنے والے کو اس کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ مثلاً تمہارے دل اور تمہارے اس مکان میں عالم غیب سے سینکڑوں سوال و جواب آتے ہیں مگر تم خود ان کو سنتے ہو لیکن اگر چہ دوسرے لوگ کان پاس لا کر اور خوب غور سے بھی سننا چاہیں مگر تا ہم نہیں سن سکتے۔ پس اے بہرے ہم نے مانا کہ تجھے وہ آواز نہیں سنائی دیتی لیکن جب تیرے پاس اس کی نظیر موجود ہے تو پھر اس کے قبول کرنے میں تجھے کیوں حجت ہے۔ (تنبیہ "حرف قرآن را بدان کو ظاہر ست"۔ سے یہاں تک مضمون استطرادی تھا اس کے بعد مقصد اصلی کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے سگ طاعن تو عوعو میکنی الخ۔

شرح شبیری

مثنوی پر اپنے فہم کی کمی کی وجہ سے طعن کرنے والے کا جواب

اے سگ طاعن تو عوعو میکنی	طعن قرآن را برون شو میکنی
اے طعنہ دینے والے کتے! تو بھوں بھوں کرتا ہے	قرآن پر طعنہ کے لئے راستہ بناتا ہے

یعنی اے طعن کرنے والے کتے تو بھوں بھوں کرتا ہے اور قرآن کے طعن کو مخلص تلاش کرتا ہے۔

این نہ آن شیر ست کز وے جان بری	یاز پنجۂ قہر او ایمان بری
یہ وہ شیر نہیں ہے جس سے تو جان بچا سکے	یا اس کے غضب کے پنجے سے ایمان کو بچا سکے

یعنی یہ وہ شیر نہیں ہے کہ اس سے تو جان بر ہو سکے یا اس کے پنجہ قہر سے ایمان لے جاوے مطلب یہ ہے کہ

اے طاعن تو جو مثنوی پر طعن کر رہا ہے اور وہ طعن بالکل طعن قرآن کے مثل ہے اور مثنوی کی حالت بالکل قرآن جیسی ہے اور قرآن پر طعن کرنے سے ظاہر ہے کہ ایمان کی سلامتی نہیں ہے تو بس مولانا فرماتے ہیں کہ مثنوی پر طعن کرنے سے بھی ایمان سلامت نہ رہے گا۔

اے گروہ جہل را گشتہ فدا	تا قیامت می زند قرآن ندا
اے نادانی پہ فدا گروہ!	قیامت تک کے لئے قرآن آواز دے رہا ہے

یعنی قیامت تک قرآن ندا کر رہا ہے کہ اے وہ گروہ جو کہ جہل پر فدا ہو رہا ہے۔

تخم طعن و کافری مے کاشتید	مرمرا افسانہ مے پنداشتید
طعنے اور کفر کا بیج بویا ہے	تم نے مجھے ایک افسانہ سمجھا

یعنی مجھ کو تم ایک افسانہ سمجھتے تھے اور طعن و کافری کا بیج بوتے تھے۔

کہ شما فانی و افسانہ بدید	خود بدیدید آں کہ طعنہ می زدید
کہ تم خود فنا ہونے والے اور افسانہ بن گئے	تم جو طعنہ زنی کرتے تھے تم نے خود دیکھ لیا

یعنی یہاں تک کہ اے لوگو جو کہ طعنے مارتے تھے دیکھ لوگے کہ تم ہی فانی اور افسانہ تھے اور میری تو یہ حالت ہے کہ۔

قوت جان جان و یاقوت زکات	من کلام حقم و قائم بذات
روح کی روح کی غذا اور پاک یاقوت ہوں	میں اللہ کا کلام اور (اللہ کی) ذات سے قائم ہوں

یعنی میں تو کلام حق ہوں اور قائم بذات (حق) ہوں اور جان جان کی روزی اور یاقوت پاکی کا ہوں مطلب یہ کہ وہ کلام پاک کہتا ہے کہ میں کلام نفسی کے درجہ میں فانی نہیں ہوں اور قائم بذات حق ہوں اب تم ہی دیکھ لو کہ کون فانی اور افسانہ ہے۔

لیک از خورشید نا گشتہ جدا	نور خورشیدم فتادہ بر شما
لیکن سورج سے جدا نہیں ہوا ہے	میں سورج کا نور ہوں جو تم پر پڑ رہا ہے

یعنی میں نور خورشید ہوں جو کہ تم پر پڑا ہے لیکن خورشید سے جدا نہیں ہوا ہے مطلب یہ کہ میں نور خورشید ہوں کہ تم پر اپنا فیض اور اپنی روشنی ڈال رہا ہوں مگر خورشید سے بھی الگ نہیں ہوا بلکہ خورشید سے میرا تعلق باقی ہے اور میں خورشید کے ساتھ رہ کر تم کو فیض پہنچا رہا ہوں۔

تا رہانم عاشقاں رازیں ممات	نک منم ینبوع آں آب حیات
تا کہ عاشقوں کو اس موت سے نجات دیدوں	یہ میں ' اس آب حیات کا چشمہ ہوں

یعنی یہ میں اس آب حیات کا چشمہ ہوں تا کہ میں عاشقوں کو اس ممات سے چھڑاؤں مطلب یہ ہے کہ وہ

قرآن کہتا ہے کہ میں آب حیات کا چشمہ ہوں کہ میں عشاق کو اس موت ابدی سے چھڑاتا ہوں۔

گر چنان گند آزتان نیگختے	جرعۂ برگورتان حق ریختے
اگر تمہاری حرص ایسی گندگی نہ اچھالتی	اللہ (تعالیٰ) تمہاری قبر پر ایک گھونٹ بہا دیتا

یعنی اگر تمہاری مرض اس طرح گندگی نہ پھیلاتی تو ایک گھونٹ تمہاری گور پر حق تعالیٰ ڈالتے مطلب یہ کہ اگر تم لوگ حرص وطمع کو نہ پھیلاتے تو حق تعالیٰ اس کلام پاک میں سے تم کو بھی حصہ عنایت فرماتا مگر تم لوگ تو دنیا میں لگ گئے تو پھر اس کا فیض تم تک کب پہنچ سکتا تھا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

نے بگیرم گفت و پند آن حکیم	دل نگردانم بہر طعن سقیم
نہیں میں اس دانا کا قول اور نصیحت اختیار کرتا ہوں	ہر کمزور طعنے کی وجہ سے دل نہیں پھیرتا ہوں

یعنی نہیں میں اس حکیم کی بات اور پند کو اختیار کرتا ہوں اور ہر طعن سقیم کی وجہ سے دل نہیں پھیرتا۔

یعنی تا کہ میرا درد اس سے دوا پاوے اور میں ہر اس طعن سے فارغ اور جدا ہو جاؤں مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ میں ان طعنوں کی وجہ سے رکوں گا نہیں اور اسی طرح فیض دیتا رہوں گا اور میں حکیم کی پند پر عمل کروں گا جس کو کہ ذیل میں بیان کرتے ہیں حکیم سے مراد حکیم غزنوی ہیں وہ ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ او طعن کرنے والے کتے تو بھوں بھوں کرتا ہے۔ جا دور ہو۔ کمبخت تو قرآن پر اعتراض کرتا ہے کیونکہ جو اسلوب مثنوی میں اختیار کیا گیا ہے وہ ہی اسلوب قرآن کا ہے۔ پس تیرا اس کو نقص سمجھنا گویا کہ قرآن کو ناقص کہنا ہے یاد رکھ میری مثنوی وہ شیر نہیں ہے جس کے پنجہ سے تیری جان سلامت رہ جاوے یا اس کے پنجہ قہر سے تیرا ایمان محفوظ رہ جاوے کیونکہ اس پر اعتراض کرنا مستلزم ہے قرآن پر اعتراض کرنے کو اور قرآن پر اعتراض کرنا تو سمجھ لے کیا ہے تو قرآن پر کیا اعتراض کرتا ہے یاد رکھ کہ وہ تو قیامت تک بآواز بلند پکارتا رہے گا کہ اے فدائے جہل گروہ تم نے مجھے اساطیر الاولین سمجھا اور طعن وکفر کا بیج بویا مگر اے طاعنو تم نے دیکھ لیا کہ تم خود فانی وافسانہ تھے اور میں فانی نہیں ہوں کیونکہ میں کلام اللہ اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہوں گو میرے لباس یعنی اصوات قارئین فانی ہیں اور میں غذائے روح کامل اور ایک یاقوت مزکی عن ادناس النقائص ہوں گو میں تمہارے پاس آیا ہوں مگر ذات حق سے جدا نہیں ہوں اس لئے میری مثال ایسی ہے جیسے آفتاب کا نور کہ وہ دنیا کو اپنے فیوض سے مستفید بھی کرتا ہے اور ذات خورشید سے جدا بھی نہیں دیکھو میں آب حیات کا ایک چشمہ ہوں اور اس لئے ہوں کہ عاشقان الٰہی کو موت روحانی سے بچاؤں اگر تمہاری حرص گرد اعتراض نہ اڑاتی تو ممکن تھا کہ حق سبحانہ میرا کچھ فیض تم کو بھی عطا فرماتے جس سے اگر تم کو حیات کامل حاصل نہ ہوتی تو بالکل مردہ بھی نہ رہتے۔ یہاں

تک مولانا افسردہ خاطر تھے اور چاہتے تھے کہ سلسلہ مثنوی کو ختم کردوں اب فرماتے ہیں کہ نہیں میں ایسا نہیں کرتا اور اس سلسلہ کو ختم نہیں کرتا بلکہ حکیم سنائی کے مقولہ اور ان کی نصیحت کو اختیار کرتا ہوں اور بیہودہ ولایعنی اعتراضات پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ آگے اس نصیحت کو ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں کہ آنکہ فرمودہ است او اندر خطاب الخ۔

شرح شبیری

ایک بچھیرے کے پانی پینے سے بھاگنے کی مثل

آنکہ فرمودہ است او اندر خطاب	کرہ و مادر ہمے خوردند آب
جو گفتگو میں انہوں نے فرمایا	بچھیرا اور ماں پانی پی رہے تھے

یعنی وہ کہ اس حکیم نے خطاب میں فرمایا ہے کہ ایک بچھیرا اور ماں پانی پی رہے تھے۔ یعنی اس حکیم نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ ایک بچھیرا اور اس کی ماں دونوں پانی پی رہے تھے۔

می شخولیدند ہر دم آن نفر	بہر اسپاں کہ ہلا زین آب خور
وہ جماعت ہر وقت سیٹی بجا رہی تھی	گھوڑوں کے لئے کہ پانی کی طرف متوجہ رہو

یعنی وہ ایک جماعت ہر دم چلا رہی تھی گھوڑوں کے واسطے کہ اس آب خور سے بھاگو مطلب یہ کہ گھوڑے جو پانی پینے آتے تھے تو لوگ ان کو بھگانے کے لئے شور وغل مچایا کرتے تھے۔

آن شخولیدن بکرہ می رسید	سرہمی برداشت وزخود می رمید
وہ سیٹی بجانا بچھیرے کو پہنچتا تھا	(وہ) سر اٹھا لیتا تھا اور خود بخود بھاگتا تھا

یعنی وہ چلانا بچھیرے کو پہنچتا تھا تو سر اٹھاتا تھا اور خود بخود بھاگتا تھا یعنی وہ شور کو سن کر بدکا کرتا تھا۔

مادرش پرسید کاے کرہ چرا	می رمی ہر ساعتے زین استقا
اس کی ماں نے دریافت کیا اے بچھیرے! کیوں	تو پانی پینے سے ہر وقت بھاگتا ہے؟

یعنی اس کی ماں نے پوچھا کہ اے بچھیرے تو ہر گھڑی پانی پینے سے بھاگتا کیوں ہے۔

گفت کرہ می شخولند آیں گروہ	ز اتفاق بانگ شان دارم شکوہ
بچھیرے نے کہا' یہ لوگ سیٹی بجاتے ہیں	مجھے ان کی آواز کے اکٹھا ہونے سے ڈر لگتا ہے

یعنی بچھیرے نے کہا کہ وہ گروہ شور کرتے ہیں تو ان کی آواز کے اجتماع کی وجہ سے مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔

پس دلم می لرزد از جامی رود	ز اتفاق نعرہ خوفم می رسد
تو میرا دل لرزتا ہے' بے قابو ہو جاتا ہے	ان کے نعروں کے ملنے سے مجھے ڈر لگتا ہے

یعنی بس میرا دل کانپتا ہے اور جگہ سے جاتا ہے اور آواز کے اتفاق سے مجھے خوف پہنچتا ہے یعنی یہ لوگ جو ایک دم سے شور کر رہے ہیں اس سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

کارا فزایان بدند اندر زمیں	گفت مادر تا جہان بودہ است ایں
فضول کام کرنے والے زمین میں ہوئے ہیں	ماں نے کہا' جب سے یہ دنیا (بنی) ہے

یعنی ماں نے کہا کہ جب سے کہ جہاں ہوا ہے ایسے بیہودہ لوگ زمین میں رہے ہیں۔

زود کایشان ریش خود بر می کنند	ہیں تو کار خویش کن اے ارجمند
عنقریب وہ خود اپنی داڑھی نوچیں گے	اے اقبال مند! بخردار' تو اپنا کام کر

یعنی اے صاحبزادے تو اپنا کام کر اور یہ جلدی ہونے والا ہے کہ یہ لوگ اپنی ڈاڑھیاں اکھاڑیں گے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ ایسے لوگ ہمیشہ ہوئے ہیں آج کوئی نئی بات نہیں ہے تم اپنا کام کرو یہ خود پریشان و پشیمان ہوکر چپ ہوجاویں گے بس اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ میں ان طاعنوں کی پرواہ نہیں کرتا اور میں اپنا کام کرتا ہوں یہ خود ہی اپنا ضرر کر رہے ہیں میرا اس میں کیا حرج ہے۔

پیش ازاں کز ہجر گردی شاخ شاخ	وقت تنگ و میرود آب فراخ
اس سے پہلے کہ فراق میں تیرا جوڑ جوڑ (جدا) ہو جائے	وقت تنگ ہے اور پانی تیزی سے جا رہا ہے
آب کش تا بردہد از تو نبات	شہر کاریزی ست پر آب حیات
پانی ڈال' تاکہ تیرے پودے پھل دیں	آب حیات سے بھری مشہور نہر ہے

یعنی وقت تنگ ہے اور آب فراخ چل رہا ہے تو پہلے اس سے کہ تو ہجر کی وجہ سے شاخ شاخ ہو تو ایک سوت آب حیات سے بھرا ہوا ہے تو تو پانی کھینچ لے تاکہ تجھ سے نبات پیدا ہو مطلب یہ کہ زندگی دنیا کی تو کم ہے اور یہ دنیا جا رہی ہے اس کے اندر جو اعمال ہو سکیں وہ کر لو اور ان کو بجا لاؤ اس سے پہلے کہ تم اس جہان کو چھوڑ و لہٰذا مثنوی کا لکھنا بھی ترک مت کرو بلکہ اس کو لکھتے رہو اس میں اجر عظیم تم کو ملے گا۔

میخوریم اے تشنۂ غافل بیا	آب خضر از جوئے نطق اولیاء
ہم پیتے ہیں' اے غافل پیاسے! آ جا	اولیاء کی گفتگو کی نہر سے' خضر والا پانی

یعنی اولیاء اللہ کے کلام سے ہم آب خضر پی رہے ہیں تو اے تشنۂ غافل تو بھی آ جا (آب خضر سے مراد آب حیات ہے اور اضافت بادنے ملابست ہے) مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے کلام سے ہم آب حیات پی رہے ہیں تو اے غافل تو بھی آ جا اور تو بھی پی لے اب کوئی کہتا ہے کہ ہمیں تو آب حیات کہیں نظر نہیں آتا مولانا اس کا جواب فرماتے ہیں کہ۔

گرنہ بینی آب کورانہ بفن	سوئے جو آور سبو در جوئی زن
اگر تو اندھے پن سے پانی کو نہیں دیکھتا تدبیر کیساتھ	ٹھلیا نہر کی جانب لا (اور) نہر میں ڈبو دے

یعنی اگر تو پانی اندھوں کی طرح فن سے نہ دیکھے تو تو ندی کی طرف آ اور ندی میں گھڑے کو مار مطلب یہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کو اولیاء اللہ کے کلام میں آب حیات دکھائی نہ دے تو تم ان کے پاس آ کر ان کی صحبت اختیار تو کرو اس کے بعد خود تم کو معلوم ہو جاوے گا۔

چون شنیدی کاندرین جو آب ہست	کور را تقلید باید کار بست
جب تو نے سن لیا کہ اس نہر میں پانی ہے	اندھے کو تقلید کو کام میں لانا چاہیے

یعنی جب تو نے سنا کہ اس ندی میں پانی ہے تو اندھے کو تقلید سے کام کرنا چاہئے۔

جو فروبر مشک آب اندیش را	تا گراں بینی تو مشک خویش را
پانی میں شک کرنے والی مشک کو نہر میں ڈبو دے	تاکہ تو اپنی مشک کو بھاری دیکھے

یعنی پانی کی مشک کو تو ندی پر لے جا تا کہ تو اپنی مشک کو بھاری دیکھے۔

چون گراں دیدی شوی تو مستدل	رست از تقلید خشک انگاہ دل
جب تو بھاری دیکھ لے گا تو صاحب دلیل بن جائے گا	اس وقت دل خشک تقلید سے نجات پا جائے گا

یعنی جب تو نے (مشک کو) گراں دیکھا تو تو مستدل ہو گیا اور اس وقت تقلید خشک سے دل چھوٹ گیا۔ مطلب یہ کہ جو اندھا ہو اور سنے کہ ندی میں پانی ہے تو اس کو چاہئے کہ اپنی مشک کو لے جا کر دوسروں کے کہنے ہی سے ندی میں ڈالے تو جب وہ بھرے گی اور بھاری ہوگی معلوم ہو جاوے گا کہ پانی ضرور ہے اور پہلے تو مقلد تھے اب خود محقق ہو جاؤ گے تو اسی طرح جب کوئی کہتا ہے کہ اولیاء اللہ کے پاس آب حیات ہے تو اب تم کو چاہئے کہ ان کی صحبت اختیار کرو اور اپنے کو ان کے سپرد کر دو تو اول تو تم تقلیداً ہی ان کے پاس گئے تھے پھر خود تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ بے شک ان حضرات کے پاس آب حیات تھا اور لوگ سچ کہتے تھے۔

گر نہ بیند کور آب جو عیان	لیک داند چون سبو بیند گران
اگرچہ اندھا نہر کے پانی کا مشاہدہ نہیں کرتا ہے	لیکن سمجھ لیتا ہے جب ٹھلیا کو بھاری دیکھتا ہے

یعنی اگرچہ اندھا ندی کے پانی کو ظاہر طور پر نہ دیکھے لیکن جان لیتا ہے جبکہ گھڑا بھاری ہو جاوے۔

کہ ز جو اندر سبو آبے برفت	کاین سبک بود و گران شد ز آب زفت
کیونکہ نہر سے ٹھلیا میں پانی پہنچ گیا	اس لئے کہ یہ ہلکی تھی بھاری پانی سے بھاری ہو گئی

یعنی کہ ندی سے گھڑے میں کچھ پانی ہے کہ یہ ہلکا تھا اور (اب) بہت سے پانی کی وجہ سے بھاری ہو گیا ہے۔

زانکہ ہر بادے مرا در می ربود	بادمے زبایدم ثقلم فزود
کیونکہ ہر ہوا مجھے پھسلا دیتی تھی	(اب) ہوا مجھے نہیں پھسلاتی ہے میرا بوجھ بڑھ گیا ہے

یعنی اس لئے کہ ہر ہوا اس کو لے جاتی تھی (اور اب) ہوا مجھے اڑاتی نہیں ہے تو میرا ثقل بڑھ گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جو لوگ حقیقت سے اندھے ہیں ان کو اولیاء اللہ کے وہ انوار نظر تو آتے نہیں لیکن اگر وہ اوروں کے کہنے سے ان کی صحبت میں جانا شروع کر دیتے ہیں تو اس سے ان کو فیض ہوتا ہے اس وقت ان کو معلوم ہوتا ہے کہ بیشک انوار ان حضرات کی خدمت میں موجود ہیں اور جب وہ دیکھتے ہیں کہ میرا ہر ہوا و ہوس ان کو دین سے الگ کر دیتے تھے اور اب بڑے سے بڑی شہوت و ہوا کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اب یہ ہلتے بھی نہیں تو معلوم ہوا کہ کوئی شے ان حضرات کے اندر سے ان میں آئی ہے اور کوئی فیض ان حضرات سے ان کو بھی پہنچا ہے لہٰذا تم اگر ان حضرات کے انوار کو خود نہیں دیکھتے تو اس سے یہ مت سمجھو کہ ان کے اندر کچھ ہے ہی نہیں بلکہ یوں سمجھو کہ تم اندھے ہو اور یہ سمجھ کر تقلیداً ان کی خدمت میں حاضری شروع کرو اس کے بعد خود تم بھی وہی کہو گے جو کہ اور لوگ تم کو کہہ رہے تھے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مر سفیہان را رباید ہر ہوا	زانکہ بنود شان گرانے و قوی
بیوقوفوں کو ہر ہوا پھسلا دیتی تھی	کیونکہ ان میں بھاری پن اور قوتیں نہیں ہوتی ہیں

یعنی بیوقوفوں کو ہر ہوا و ہوس لے بھاگتی ہے اس لئے کہ ان کے اندر گرانی (ایمان) اور قوت نہیں ہوتی مطلب یہ کہ جو دیندار ور بزرگوں کے خدمت گزار نہیں ہیں وہ ذرا ذرا سی بات میں دین سے علیحدہ ہو جاتے ہیں اور تھوڑی سی خواہش نفسانی ان کے دین کو برباد کرنے کے لئے کافی ہے آگے ان کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

کشتی بے لنگر آمد مرد شر	کہ زباد کژ نیابد او حذر
شریر آدمی ' بے لنگر کی کشتی ہے	کہ مخالف ہوا سے اس کا بچاؤ نہیں ہوتا ہے

یعنی شر کا آدمی بے لنگر کے کشتی ہوتا ہے کہ کج ہوا سے وہ حذر نہیں پاتی۔ مطلب یہ کہ جس طرح بے لنگر کے کشتی ہوتی ہے کہ ہر ہوا اس کو درہم برہم کرنے کے واسطے کافی ہے اسی طرح جو شخص شر والا ہوتا ہے اس کو بھی تھوڑی سی خواہش نفسانی دین سے اور راہ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کافی ہے۔

لنگر عقل است عاقل را امان	لنگر دریوزہ کن از عاقلان
عقلمند کے لئے عقل کا لنگر (باعث) امن ہے	عقلمندوں سے لنگر مانگ لے

یعنی عاقل کو عقل کا لنگر امن ہے تو عاقلوں سے لنگر مانگ مطلب یہ کہ عاقل آدمی کے پاس عقل ایک ایسی شئے ہے کہ وہ ان کو ڈانواں ڈول نہیں ہونے دیتی اور راہ مستقیم پر لئے چلے جا رہی ہے تو تو بھی عاقلوں سے اس عقل ہی کو سیکھ اور حاصل کر کہ یہی وہ شے ہے کہ انسان کو سیدھے راستہ پر پہنچا سکتی ہے۔

از خزینہ درآن دریائے جود	او مدد ہائے خرد چوں در ربود
اس سخاوت کے دریا کے موتیوں کے خزانے سے	جب وہ عقل کی مددیں حاصل کر لیتا ہے

یعنی اس نے جب خرد کی امداد اس دریائے جود کی موتی کے خزانہ سے لے لی۔ (تو یہ ہوا کہ)

بجہد از دل چشم ہم روشن شود	زین چنیں امداد دل پرفن شود
دل سے (آگے) بڑھتا ہے آنکھیں بھی روشن ہو جاتی ہیں	اس طرح کی مدد سے دل صاحب تدبیر ہو جاتا ہے

یعنی ایسی امداد سے دل پرفن ہو جاتا ہے اور دل سے کودتا ہے تو آنکھ بھی روشن ہو جاتی ہے۔

تا چو دل شد دیدۂ تو عاطل است	زانکہ نوراز دل برین دیدہ نشست
جب دل ضائع ہو گیا تیری آنکھ بیکار ہے	کیونکہ نور دل سے ان آنکھوں میں آتا ہے

یعنی اس لئے کہ نور دل ہی سے اس آنکھ پر بیٹھا ہے یہاں تک کہ جب دل جاتا رہا تو تمہاری آنکھ بیکار ہے (دریائے جود سے مراد عارف) مطلب یہ کہ جب کسی شخص نے عارف سے عقل سلیم لے لی اور دل اس عقل کی وجہ سے پرفن اور چست و چالاک ہو گیا تو اب اس دل میں سے اس عقل سلیم نے جوش کیا اور اسی نے آنکھ کو بھی روشن کر دیا اور اب آنکھ سے علوم و معارف نظر آنے لگے اس لئے کہ جب تک دل ہے اسی وقت تک آنکھ بھی کام دیتی ہے اور جب دل نہ رہا تو آنکھ بھی بیکار ہو جاتی ہے۔ لہذا دل جب روشن ہوا اسی وقت دل سے امداد آنکھ کو پہنچی کہ وہ دل کی تابع تھی۔

زان نصیبے ہم بدو دیدہ دہد	دل چو بر انوار عقلی پر زند
وہ دونوں آنکھوں کو بھی اس سے حصہ دیدیتا ہے	جب دل عقلی نوروں پر قابو پا لیتا ہے

یعنی دل جب انوار عقلی پر پر مارتا ہے تو اس میں سے ایک حصہ دونوں آنکھوں کو بھی دیتا ہے مطلب یہ کہ جب انوار حق سے دل روشن ہوتا ہے تو اس کی روشنی آنکھوں تک بھی پہنچتی ہے اور آنکھیں بھی روشن ہو جاتی ہیں۔

وحی دلہا باشد و صدق بیاں	پس بدان کاب مبارک زآسماں
دلوں کی وحی اور بیان کی سچائی بنتا ہے	پھر جان لے کہ آسمان سے بابرکت پانی

یعنی پس جان لو کہ آب مبارک آسمان سے قلوب کی وحی ہوتی ہے اور صدق بیان ہوتا ہے مطلب یہ کہ آسمان سے جو وحی اور الہامات اور انوار آ رہے ہیں وہ گویا کہ پانی ہیں۔

سوئے آن وسواس طاعن ننگریم	ماچو آن کرہ ہم آب جو خوریم
اس طعنہ دینے والوں کے وسوسوں کی طرف نظر نہ کریں گے	ہم بھی اس بچھیرے کی طرح نہر کا پانی پئیں گے

یعنی ہم بھی اس بچھیرے کی طرح آب جو پی رہے ہیں اور اس طاعن کے وسواس کی طرف نہیں دیکھتے مطلب یہ کہ یہ انوار وغیرہ آسمان سے پانی کی طرح آ رہے ہیں اور ہم اس بچھیرے کی طرح اس سے مستفیض ہو

رہے ہیں تو اب ہم کو ان طاعنوں اور شور مچانے والوں کی نہ سننا چاہئے بلکہ کام میں لگنا چاہئے۔

پیرو پیغمبرانی رہ سپر	طعنۂ خلقان ہمہ بادے شمر
تو پیغمبروں کا پیرو ہے راستہ طے کر	لوگوں کے طعنہ کو بالکل ہوائی سمجھ

یعنی تو پیغمبروں کا پیرو ہے تو راستہ چل اور مخلوق کے طعنوں کو ایک ہوا گن۔ مطلب یہ کہ اپنے نفس کو خطاب فرماتے ہیں کہ تو تو پیغمبروں کا پیرو ہے تو تجھے چاہئے کہ اپنا راستہ لے اور کام کرے اور ان طاعنوں کی نہ سنے اور ان کی وجہ سے اپنے کام میں حرج نہ کرے۔

آن خداوندان کہ رہ طے کردہ اند	گوش بابانگ سگان کے کردہ اند
جن آقاؤں نے راستہ طے کیا ہے	انہوں نے کتوں کے بھونکنے پر کب کان دھرا ہے؟

یعنی ان آقاؤں نے کہ راہ طے کی ہے کان کتوں کی آواز پر کب کئے ہیں مطلب یہ کہ جن لوگوں نے کہ کام کئے ہیں انہوں نے طاعنوں کے کہنے پر کب کان دھرا ہے انہوں نے ہمیشہ اپنا کام کیا ہے اگر وہ اس طرف توجہ کرتے تو ان کا کام رہ جاتا اسی طرح اگر تم ان طاعنوں کی طرف توجہ کرو گے تو پھر کام نہ کر سکو گے لہذا اس طرف توجہ نہ کرو اور کام کئے جاؤ۔

باز گو کان پاک بازو شیر مرد	اندر آن مسجد چہ بنمود و چہ کرد
پھر بتا اس پاکباز اور شیر مرد کو	اس مسجد میں اس کو کیا نظر آیا؟ اس نے کیا کیا؟

یعنی پھر بیان کرو کہ اس پاک باز شیر مرد نے اس مسجد میں کیا پایا اور کیا کیا مطلب یہ کہ اب ان طاعنوں کی باتیں تو سنو مت اور اس شخص کا قصہ بیان کرو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ہم کو اس نصیحت کو اختیار کرنا چاہئے جو انہوں نے اثنائے گفتگو میں فرمائی ہے یعنی یہ کہ ایک گھوڑی کا بچہ اور ایک گھوڑی پانی پی رہے تھے۔ سائیس لوگ پانی پلانے کے لئے سیٹیاں بجا رہے تھے جس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ گھوڑو پانی پیو۔ ان سیٹیوں کی آواز گھوڑی کے بچہ تک بھی پہنچتی تھی اور وہ اس کو سن کر چونکتا اور پانی سے سر اٹھا لیتا اور بھڑکتا تھا۔ آخر اس کی ماں نے پوچھا کہ بچھیرے تو پانی کیوں نہیں پیتا اور ہر دم بھڑکتا کیوں ہے اس نے کہا کہ یہ لوگ سیٹیاں بجاتے ہیں اور مجھ پر ان کی مجموعی آواز سے ایک خوف طاری ہوتا ہے اس لئے میرا دل کانپتا ہے اور دل ٹھکانے نہیں رہتا۔ مجھے تو ان کی مجموعی آواز سے خوف معلوم ہوتا ہے ماں نے کہا کہ بیٹا جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اسی وقت سے فضول حرکتیں کرنے والے اور کام بڑھانے والے لوگ بھی ہوتے رہے ہیں۔ پس تم ایسے لوگوں کی طرف التفات نہ کرو اور جلدی سے اپنا کام کر لو یہ لوگ تو لایعنی حرکتیں کر کے اپنا نقصان کر رہے ہیں دیکھو وقت تھوڑا ہے اور پانی بکثرت چلا جا رہا ہے پس تم قبل اس کے کہ اس کی جدائی سے مغموم ہو خوب

سیراب ہولو یہ ایک آب حیات ہے پر اور مشہور کاریز ہے تم پانی پی لوتا کہ تم کو نما حاصل ہو یہ تو ایک واقعہ تھا قبل اس کے کہ ہم اس سے مناسب مقام نتیجہ نکالیں ایک ضروری اور استطرادی مضمون سن لو اہل اللہ کے کلام کی نہر سے آب حیات جاری ہے اور ہم اس کو پیتے ہیں پس اے بے خبر پیاسے آ تو بھی پی لے۔ اگر تو اندھوں کی طرح پانی نہیں دیکھتا تو جبکہ تو نے سن لیا ہے کہ اس نہر میں پانی ہے اور اس سے بہت سے تشنے سیراب ہوتے ہیں تو اس نہر میں گھڑا لا کر ڈال یعنی اگر تجھے ان کے کلام کی صفت حیات بخشی معلوم نہیں ہے تو سن کر ہی اپنے قلب کو خلوص کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کر کیونکہ اندھے کو دوسرے بیناؤں کی تقلید اور پیروی کرنی چاہئے۔ اور یہ تیرا دل جو ایک مشک کی مانند ہے جس کو آب فیض کے ہونے میں شبہ ہے اس کو تو اس نہر میں ڈال یعنی ان کے کلام کی طرف خلوص سے توجہ کرتا کہ تو اپنی مشک کو پانی سے بھاری دیکھے یعنی اثر جدید کو اس کے اندر محسوس کرے جب تو اس مشک کو بھاری دیکھے گا اور اس کے اندر نئی کیفیت محسوس کریگا تو اس وقت تیرا دل تقلید جامد سے نکل جاوے گا اور دلیل سے تجھے اس کا وجود معلوم ہو جاوے گا کیونکہ اگر اندھا آنکھ سے نہر کا پانی نہیں دیکھتا تو نہ سہی مگر جب وہ اپنے گھڑے کو بھاری دیکھتا ہے تو اسے پانی کا وجود یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے اور وہ سمجھ لیتا ہے کہ نہر سے گھڑے میں پانی آ گیا۔ کیونکہ اول وہ ہلکا تھا اور اب وہ بہت سے پانی کے سبب بھاری ہو گیا ہے اسی طرح یہ شخص بھی سمجھ لے گا کہ مجھ میں ایک نئی بات پیدا ہو گئی ہے کیونکہ وہ سمجھے گا کہ اول مجھے ہر باد ہوا و ہوس اڑا لے جاتی تھی اور اب مجھے ہوا نہیں اڑا سکتی لہٰذا معلوم ہوا کہ اب مجھ میں گرانی بڑھ گئی ہے اب سمجھو کہ خفیف العقل لوگوں کو ہر باد ہوا و ہوس اڑا لے جاتی ہے کیونکہ نہ ان میں گرانی ہوتی ہے نہ قوت ایسے برے لوگ جو کج رفتار ہوا سے محفوظ نہیں رہتے کشتی بے لنگر کے مانند ہوتے ہیں اور اہل عقل کی کشتی کو لنگر عقل تباہی سے بچاتا ہے اس لئے تم کو چاہئے کہ عقلاء سے اس لنگر کو حاصل کرو۔ پس جبکہ کوئی اس بحر سخی (عاقل) کے خزانہ در سے عقل کی پیہم امداد حاصل کرے گا تو اس امداد سے اس کے دل میں بھی ہوشیاری پیدا ہو جاوے گی۔ اور وہ دل ہی تک محدود نہ رہے گی بلکہ اس سے تجاوز کر کے آنکھوں تک بھی پہنچے گی اور آنکھوں کو بھی اس سے فی الجملہ روشنی حاصل ہو گی اور جو نقص آنکھوں میں دل کے نقص کے سبب تھا مثلاً عداوت کے سبب اچھے کا برا دکھلائی دینا وغیرہ وہ دفع ہو جائے گا۔ یہ جو ہم نے کہا ہے کہ اس کی ہوشیاری کا اثر آنکھوں تک بھی پہنچے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ آنکھ میں جو نور آیا ہے وہ دل ہی کے سبب ہے دیکھ لو جب دل نہیں رہتا تو آنکھیں بھی بیکار ہو جاتی ہیں۔ مثلاً حیات کا تعلق جب دل سے منقطع ہوتا ہے تو آنکھیں بھی کچھ نہیں دیکھ سکتیں یا یہ کہ جب دل تندرست نہیں رہتا اور اس میں حسد وغیرہ امراض پیدا ہو جاتے ہیں تو آنکھیں بھی ادراک اشیاء علے ماہی علیہ سے قاصر رہتی ہیں جبکہ دل کا تعلق آنکھ سے معلوم ہو گیا تو اس کی روشنی سے اس کی روشنی کے بڑھنے کا استبعاد جاتا رہا اور ثابت ہو گیا کہ جب دل انوار عقلی سے ملتبس ہوتا ہے تو اس سے دونوں آنکھوں کو بھی حصہ ملتا ہے یہ تو استطرادی مضمون تھا اب ہم اس قصہ کے نتیجہ مقصودہ بیان کرتے ہیں سنو کہ آسمان کا پانی الہام قلب اور صدق بیان ہے پس ہم بھی اس پچھیرے کی مانند یہ پانی پیتے ہیں اور طاعن کے وسواس کی طرف التفات نہیں

کرتے پس اے سالک تو پیغمبروں کا پیرو ہے لہذا لوگوں کے طعنوں کو ایک ہوا سمجھ۔ جو ادھر سے آتی ہے اور ادھر کو چلی جاتی ہے کیونکہ ہمیشہ سے سالکین کا یہی طریق رہا ہے کہ کتوں کی آوازوں کی طرف انہوں نے التفات نہیں کیا ہے اچھا یہ قصہ تو ہو چکا اب یہ بیان کرو کہ اس شیر اور بہادر آدمی نے کیا دیکھا اور کیا کیا۔

شرح شبیری

مہمان کش مسجد کے مہمان کے قصہ کا بقیہ

خفتہ در مسجد خود او را خواب کو	مرد غرقہ گشتہ چون خسپد بجو
وہ مسجد میں لیٹ گیا اس کو نیند کہاں	ڈوبا ہوا انسان نہر میں کیسے سوئے؟

یعنی وہ مسجد میں سویا ہوا تھا (مگر) اس کو خود نیند کہاں۔ ڈوبا ہوا آدمی ندی میں کس طرح سووے مطلب یہ کہ وہ مسجد میں جا تو بیٹھا مگر اس کو نیند کہاں اس کی ایسی مثال تھی جیسے کہ ڈوبا ہوا آدمی تو ڈوبے ہوئے آدمی کو نیند کب آیا کرتی ہے تو وہ جب اس قدر خوف دہراس میں مبتلا تھا اس کو نیند کب آسکتی تھی۔

خواب مرغ و ماہیان باشد ہمی	عاشقان را زیر غرقاب غمی
پرندوں اور مچھلیوں کی نیند ہوتی ہے	عاشقوں کے لئے غم کے ڈباؤ پانی میں

یعنی پرند جانوروں اور مچھلیوں جیسی نیند عاشقوں کو غم کے غرقاب کے نیچے ہوتی ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ اڑتا جانور اور مچھلی کو نیند نہیں آتی بس یہی حال اس عاشق کا ہوتا ہے جو کہ کسی غم کے اندر ڈوبا ہوا ہو کہ اس کو بھی نیند نہیں آیا کرتی۔ غرضیکہ وہ لیٹ تو گیا مگر اس کی آنکھ تک نہ جھپکی۔

نیم شب آواز با ہولے شنید	کایم آیم برسرت اے مستفید
آدھی رات کو خوفناک آواز آئی	اے فائدہ مند! میں آتا ہوں میں آتا ہوں تیرے سر پر

یعنی آدھی رات کو ایک ہولناک آواز سنی کہ اے فائدہ اٹھانے والے میں سر پر آتا ہوں۔ مطلب یہ کہ آدھی رات کو ایک ہولناک آواز یہ سنائی دی کہ آتا ہوں آتا ہوں۔

پنج کرت این چنین آواز سخت	می رسید و دل ہمی شد لخت لخت
اس طرح کہ سخت آواز پانچ مرتبہ	آئی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا تھا

یعنی پانچ مرتبہ ایسی ہی سخت آواز پہنچی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آگے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہیں کہ جس طرح یہ آواز آرہی تھی کہ آتا ہوں حالانکہ کوئی بھی نہ آتا تھا صرف ڈرانا ہی ڈرانا تھا جیسا کہ آگے معلوم ہوگا اسی طرح جب انسان کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو شیاطین اسی طرح ڈرایا کرتے ہیں

اور اس کو کہتے ہیں کہ اس کام کو مت کر لیکن وہ صرف ڈرانا ہی ڈرانا ہوتا ہے واقعیت کچھ نہیں ہوتی۔ یہ تو اجمال تھا اب اس کی تفصیل سنو اس کو مولانا ایک آیت کی تفسیر کے پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ غرضکہ وہ مسجد میں سو رہا مگر اسے نیند کہاں کیونکہ وہ تو بحر الم میں ڈوبا ہوا تھا اور ڈوبنے والا شخص نہر کے اندر کیسے سوسکتا ہے عاشق تو بحر علم میں ڈوب کر یوں ہی خواب نہیں چاہتا جس طرح مرغ ہوا میں یا مچھلی پانی میں سونا نہیں چاہتی۔ (ہذا ما قیل واللہ اعلم) آدھی رات کے وقت ایک خوفناک آواز آئی کہ میں آتا ہوں تیری خبر لوں گا پانچ مرتبہ ایسی ہی سخت آواز آئی اور خوف طبعی سے اس کا دل پارہ پارہ ہوا جاتا تھا اس سے مولانا ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ توچو عزم دین کنی با اجتہاد الخ

شرح شبّیری

آیت واجلب علیهم بخیلک و رجلک کی تفسیر

تو چو عزم دین کنی با اجتہاد	دیو بانگت بر زند اندر نہاد
جب تو کوشش سے دین کا قصد کرتا ہے	جسم کے اندر سے شیطان تجھے آواز دیتا ہے

یعنی تو جب دین کا قصد کوشش کے ساتھ کرتا ہے تو شیطان تیرے بدن میں آواز دیتا ہے کہ۔

کہ مروز انسو بیندیش ای غوی	کہ اسیر رنج و درویشی شوی
کہ اے گمراہ! اس طرف نہ جا، سوچ لے	کہ تو تکلیف اور افلاس کا قیدی بن جائے گا

یعنی کہ اے گمراہ اس طرف مت جا کیونکہ رنج اور درویشی میں قید ہو جاوے گا۔

بے نوا گردی زیاران وا بری	خوار گردی و پشیمانی خوری
تو مفلس بن جائے گا یاروں سے چھوٹ جائے گا	ذلیل ہو جائے گا اور پریشانی اٹھائے گا

یعنی فقیر ہو جاوے گا اور دوستوں سے الگ ہو جاوے گا اور ذلیل ہو جاوے گا اور پشیمانی کھاوے گا مطلب یہ کہ جب تو کوئی دین کا کام کرنا چاہتا ہے تو شیطان تجھے ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ ارے مولوی ہوگا اور عربی پڑھے گا تو مسجد کا مینڈھا ہو جاوے گا نئی روشنی والوں میں تیری قدر نہ رہے گی ذلیل وخوار پھرے گا اور پھر پشیمان ہوگا لہذا تو مولوی مت بن اور دین کا کام مت کر جب وہ یوں ڈراتا ہے تو یہ ہوتا ہے کہ۔

تو ز بیم بانگ آن دیو لعین	وا گریزی در ضلالت از یقین
تو اس ملعون شیطان کی آواز کے ڈر سے	یقین سے گمراہی میں لوٹ جاتا ہے

یعنی تو اس شیطان لعین کی آواز کے خوف سے یقین سے گمراہی میں بھاگتا ہے یعنی دین کو چھوڑ کر دنیا میں اور گمراہی میں پھنس جاتا ہے اور سوچتا ہے کہ۔

کہ ہلا فردا و پس فردا مراست	راہ دین پویم کہ مہلت پیش ماست
کہ ہاں کل اور پرسوں میرے لئے ہے	دین کے راستہ پر دوڑ پڑوں گا کیونکہ مہلت ہمارے سامنے ہے

یعنی ارے کل پرسوں (سب) میرے لئے ہے تو دین کی راہ میں دوڑ لوں گا کہ مہلت ہمارے سامنے ہے مطلب یہ کہ تیری یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم   باز چون فردا شود امروز رافردا کنم

غرضکہ یہ سمجھ کر کہ ابھی تو جوان ہیں عمر پڑی ہے دین کے کام بھی کر لیں گے دین سے غافل ہو جاتے ہو۔ اس کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ۔

مرگ رابینی کہ اواز چپ وراست	می کشد ہمسایہ را تا بانگ خاست
تو موت کو دیکھتا ہے کہ وہ بائیں دائیں سے	پڑوسی کو کھینچ رہی ہے حتیٰ کہ آواز بلند ہوئی

یعنی تو موت کو دیکھتا ہے کہ داہنے ہاتھ سے ہمسایوں کو کھینچ رہی ہے یہاں تک کہ آواز اٹھی مطلب یہ کہ اول تو دین سے غافل ہو جاتے ہو پھر جب دیکھتے ہو کہ لوگ مر رہے ہیں اور جا رہے ہیں اس وقت ذرا ہوش ہوتا ہے۔

باز عزم دین کنی از بیم جاں	مردہ سازی خویشتن را یک زماں
جان کے ڈر سے تو پھر دین کا ارادہ کرتا ہے	تھوڑی دیر کے لئے اپنے آپ کو مردہ بنا لیتا ہے

یعنی پھر جان کے خوف سے دین کا قصد کرتے ہو اور اپنے آپ کو ایک زمانہ کے لئے مردہ بنا لیتے ہو یعنی کچھ دنوں کے لئے مردہ کی طرح ہو جاتے ہو اور بہت ہی خشوع و خضوع سے کام لیتے ہو۔

پس سلاح از علم سازی و حکم	کہ من از خوفے نیارم پائے کم
پھر تو علم اور حکمتوں کے ہتھیار باندھتا ہے	کہ میں ڈر کی وجہ سے سست رفتار نہ رہوں گا

یعنی پھر علم اور حکمت کے ہتھیار بناتے ہو (اور کہتے ہو) کہ میں خوف کی وجہ سے پاؤں کم نہ لاؤں گا یعنی کچھ دنوں کے لئے ڈر پیدا ہو جاتا ہے اور اس وقت کہتے ہو کہ اب کبھی دین میں قدم سست نہ کروں گا۔

باز بانگے بر زند بر توز مکر	کہ بترس و باز گرد از تیغ فقر
وہ پھر مکاری سے تجھے پکارتا ہے	کہ افلاس کی تلوار سے ڈر اور باز آ جا

یعنی شیطان پھر مکر سے آواز لگاتا ہے کہ ارے تیغ فقر سے ڈر اور واپس ہو جا۔ مطلب یہ کہ جب تم ذرا دین کی طرف توجہ کرتے ہو وہ شیطان پھر تم کو فقر سے ڈراتا ہے حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ان الشیطان یعدکم

الفقر جب وہ پھر فقر سے ڈراتا ہے دین پر چلنے سے دنیا کا نقصان دکھاتا ہے تو پھر یہ ہوتا ہے کہ۔

باز بگریزی زراہ روشنی	آن سلاح علم و فن را بفگنی
پھر تو نور کے راستہ سے واپس بھاگ پڑتا ہے	علم اور فن کے ہتھیار پھینک دیتا ہے

یعنی پھر تو روشنی کی راہ سے بھاگتا ہے اور اس علم و فن کے ہتھیار کو پھینک دیتا ہے مطلب یہ کہ وہ جو ہتھیار علم و حکمت کے تیار کئے تھے اب اس کے ڈرانے سے ان کو الف پھینک پھانک اور پھر دین کو چھوڑ دیتے ہو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

سالہا او را بہ بانگے بندۂ	در چنین ظلمت نمد افگندۂ
تو آواز کی وجہ سے سالوں سے اس کا غلام بنا ہوا ہے	ایسی ہی تاریکی میں تو مقیم ہے

یعنی سالہا سال تک اس کی آواز کے تم غلام ہو اور ایسی ظلمت میں تم نے نمدہ پھینک دیا ہے مطلب یہ کہ سالہا سال تک شیاطین کے تابع فرمان رہے ہو اور ظلمت دنیا اور کفر میں اپنے دین کو برباد کیا ہے۔

ہیبت بانگ شیاطین خلق را	بند کردست و گرفتہ حلق را
شیطانوں کی آواز کے ڈرنے مخلوق کو	باندھ دیا ہے اور گلا دبا دیا ہے

یعنی شیاطین کی آواز کی ہیبت نے مخلوق کو بند کر دیا ہے اور حلق کو پکڑ رکھا ہے۔

تا چنان نومید شد جانشان زنور	کہ روان کافران ز اہل قبور
یہاں تک کہ نور الٰہی سے ان کی جان اس طرح ناامید ہوگئی ہے	جس طرح کہ مردہ کافروں کی جان

یعنی یہاں تک کہ ان کی جان تو ایسی ناامید ہوگئی جیسے کہ قبر والے کافروں کی جان مطلب یہ کہ جو کفار مر چکے ہیں ان کو چونکہ حقیقت منکشف ہوگئی ہے تو ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم کو اب نور حاصل نہیں ہو سکتا اور اب بالکل مایوسی ہوگئی ہے پس اسی طرح جو لوگ کہ شیاطین کی آواز کو سنتے ہیں اور اس پر عامل ہوتے ہیں وہ بھی نور سے اسی طرح ناامید ہو چکے ہیں کہ ان کو کسی درجہ میں امید رہی ہی نہیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این شکوہ بانگ آن ملعون بود	ہیبت بانگ خدائی چون بود
یہ اس ملعون کی آواز کا دبدبہ ہے	تو خدائی آواز کی ہیبت کیا ہو گی؟

یعنی یہ دبدبہ اس ملعون کی آواز کا ہوتا ہے تو آواز خداوندی کی ہیبت کیسی ہوگی۔ یعنی اب دیکھ لو کہ اس کی آواز کی اس قدر ہیبت ہے کہ سب اس کے پیچھے پیچھے ہو لیے تو پھر آواز خداوندی ہے اس کا دبدبہ تو کیا کچھ ہوگا اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جس طرح کہ اس ملعون کی آواز کے دبدبہ نے ہم پر اثر کیا اگر آواز خداوندی میں زیادہ دبدبہ ہے تو وہ ہم پر کیوں اثر نہیں کرتی۔ اور ہم کو دین پر کیوں نہیں لگائے رہتی۔ مولانا اس پر شبہ کو آگے دفع فرماتے ہیں کہ۔

ہیبت بازست بر کبک نجیب	مرمگس را نیست زان ہیبت نصیب
باز کا خوف شریف چکور کو ہے	اس ہیبت میں مکھی کا حصہ نہیں ہے

یعنی نجیب چکرر پر باز کی ہیبت ہوتی ہے اور مکھی کو اس ہیبت میں سے کچھ بھی حصہ نہیں ہے۔

زانکہ بنود باز صیاد مگس	عنکبوتان می مگس گیرد بس
کیونکہ باز مکھی کا شکاری نہیں ہوتا	مکڑیاں صرف مکھی پکڑتی ہیں

یعنی اس لئے کہ باز مکھی کا شکار کرنے والا نہیں ہوتا مکڑیاں مکھیوں کو پکڑتی ہیں اور بس مطلب یہ کہ دیکھو باز کا خوف کبک وغیرہ کے دل میں تو ہوتا ہے مگر مکھیوں کے دل میں بالکل بھی باز کا خوف نہیں ہوتا بلکہ مکھی کو مکڑی کا خوف ہوتا ہے تو اسی طرح تم چونکہ گناہ ہونے کی وجہ سے ذلیل وحقیر ہوگئے ہو لہذا تم پر خوف حق طاری نہیں ہوتا بلکہ اس شیطان کا جو کہ اس مکڑی کی طرح حقیر ہے تم جیسے مکھیوں پر خوف طاری ہوتا ہے۔

عنکبوت دیو بر چو تو ذباب	کروفر دارد نہ بر کبک وعقاب
شیطان کی مکھی تجھ جیسی مکھی پر	دبدبہ رکھتی ہے نہ کہ چکور اور شاہین پر

یعنی شیطان کی مکڑی تجھ جیسی مکھی پر کروفر رکھتی ہے نہ کہ کبک وعقاب پر یعنی شیاطین کی ہیبت تم جیسے ذلیل اور حقیر لوگوں پر پڑجاتی ہے اور فرماں بردار اور دیندار لوگوں پر اس ملعون کی ہیبت ہرگز بھی نہیں پڑتی۔

بانگ دیوان گلہ بان اشقیاست	بانگ سلطان پاسبان اولیاست
شیطانوں کی آواز بدبختوں کی گلہ بان ہے	شاہ کی آواز اولیاء کی محافظ ہے

یعنی شیاطین کی آواز شقی لوگوں کی گلہ بان ہے اور سلطانی آواز اولیاء کرام کی پاسبان ہے یعنی شیاطین کی آواز پر چلنے والے تو اشقیا ہیں اور آوز سلطانی پر چلنے والے اولیاء اللہ اور دیندار لوگ ہیں اور یہ اس لئے کہ۔

تا نیا میزد بہم بیناؤ کور	قطرۂ از بحر خوش با بحر شور
تاکہ بینا اور نابینا آپس میں نہ مل جائیں	میٹھے سمندر کا قطرہ کھارے سمندر سے

یعنی تا کہ آپس میں اندھا اور سمکھا اور ایک قطرہ دریائے شیریں دریائے شور کے ساتھ نہ مل جاوے مطلب یہ کہ اگر سب لوگ ہر آواز پر چلا کرتے اور ہر آواز کا اثر ہر شخص پر ہوا کرتا تو پھر فرق ہی کیا رہتا یہ فرق اس لئے رکھا گیا ہے تا کہ شقی اور سعید میں فرق رہے اور آپس میں مل نہ سکیں آگے پھر اسی مہمان مسجد کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب تم دین کا مستعدی کے ساتھ پختہ ارادہ کرتے ہو تو یوں ہی تمہاری باطن میں شیطان آواز دیتا ہے کہ خبردار اس طرف نہ جانا اور خوب سمجھ لینا کہ تو اس طرف چل کر رنج اور درویشی میں پھنس جاوے گا۔(اشارۃ

الی قولہ تعالیٰ الشیطان یعدکم الفقر الخ) تو مفلس ہو جائے گا یار دوستوں سے تعلقات منقطع ہو جائیں گے ذلیل و پشیمان ہو گا تم شیطان کی اس آواز کو سن کر خوف کے سبب یقین کو چھوڑ کر گمراہی میں بھاگتے ہو اور کہتے ہو کہ کل اور پرسوں تو اپنی ہی ہے ابھی تو بہت وقت پڑا ہے دین کے راستہ پر بھی چل لیں گے اس کے ساتھ تم دیکھتے ہو کہ دائیں بائیں موت پڑوسیوں کو مار رہی ہے اور ان کے گھروں سے شور وشیوں بلند ہو رہا ہے اس پر تم خائف ہو کر تہ دل سے پھر عزم دین کرتے ہو اور تھوڑی دیر کے لئے اپنے کو مردہ بنا لیتے ہو اس کے بعد تم علم و حکمت سے کام لے کر شیطان کا مقابلہ کرتے ہو اور ارادہ کرتے ہو کہ میں ڈر کر ہرگز کوشش نہ چھوڑ دوں گا لیکن پھر وہ تم کو ڈانٹتا ہے اور کہتا ہے کہ ارے کمبخت ڈر اور تیغ فقر کے سامنے سے ہٹ جا اب تم اس سے پھر متاثر ہوتے ہو اور روشنی کے راستہ سے بھاگتے ہو اور علم وفن کے ہتھیار ڈال دیتے ہو غرضکہ برسوں سے یوں ہی تم شیطان کی آواز کے غلام ہو اور ظلمت ضلالت میں اقامت پذیر ہو بات یہ ہے کہ شیاطین کی آواز کی ہیبت نے خلق کو پابستہ کر رکھا ہے اور ان کا حلق بند کر رکھا ہے کہ نہ وہ راہ دین پر چل سکتے ہیں اور نہ غذائے روحانی کھا سکتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نور ہدایت سے ان کی جان یوں ناامید ہوگئی کہ جیسے مردہ کفار کی بھلا تم سوچو تو سہی کہ جب شیطان کی آواز میں یہ شوکت ہے تو خدا کی آواز میں کس قدر ہیبت ہوگی تم یہ شبہ نہ کرنا کہ اگر خدا کی آواز میں شیطان کی آواز سے زیادہ ہیبت ہوتی تو اس کو اس پر غالب آنا چاہئے تھا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہم شیطان کی آواز سے متاثر نہ ہوتے۔ حالانکہ اس کے خلاف مشاہد ہے کیونکہ تم میں ہنوز اس سے متاثر ہونے کی قابلیت ہی نہیں یہ وجہ ہے کہ تم اس سے متاثر نہیں ہوتے اور شیطان کی آواز سے متاثر ہوتے ہو۔ یہ نہیں کہ اس میں ہیبت نہیں دیکھو بداہتہ باز کی ہیبت مکڑی کی ہیبت سے زیادہ ہے مگر کبک یعنی چکور پر تو اس کی ہیبت ہے لیکن مکھی پر اس کا کچھ اثر نہیں اور راز اسکا یہ ہے کہ باز مکھی کا شکار ہی نہیں کرتا اور مکڑی چونکہ اس کا شکار کرتی ہے اس لئے اس کی ہیبت اس پر ہے یوں ہی شیطان جو ایک مکڑی کی مانند ہے تجھ پر جو کہ ایک مکھی کی مانند ہے اکڑفوں کرتا ہے اور تو اس کی ہیبت سے متاثر ہوتا ہے مگر اہل اللہ جو کہ چکور اور عقاب کی مثل ہیں ان پر اس کا کچھ بس نہیں چلتا۔ کما قال اللہ تعالیٰ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان بس یہ راز ہے کہ شیطان کی آواز اشقیا کو ہانکتی ہے اور پادشاہ حقیقی کی آواز اولیاء اللہ کو اور مقصود یہ ہے کہ اندھے اور دیکھنے والے مخلوط نہ ہو جائیں اور بحر شیرین کا قطرہ شور میں نہ مل جائے یعنی اہل اللہ اور غیر اہل اللہ میں امتیاز رہے اور جو جس مرتبہ کے قابل ہے وہ اسی مرتبہ پر رہے اپنی حد سے تجاوز نہ کر سکے۔

شرح شبّیری

مسجد کے مہمان کو آدھی رات کو طلسم کی آواز آنا

بشنو اکنوں قصہ آں بانگ سخت	کہ نرفت از جاہداں آں نیک بخت
اب اس سخت آواز کا قصہ سن	اس سے وہ نیک بخت جگہ سے نہ ہلا

یعنی اب اس سخت آواز کا قصہ سنو کہ وہ نیک بخت اس کی وجہ سے جگہ سے گیا نہیں یعنی جب وہ طلسم کی سخت آواز آئی تو اس کی وجہ سے وہ شخص اپنی جگہ سے ٹلا نہیں بلکہ وہیں جما رہا۔

گفت چون ترسم چو ہست این طبل عید	تا دہل ترسد کہ زخم او را رسید
اس نے کہا میں کیوں ڈروں جبکہ یہ عید کا نقارہ ہے	ڈھول ڈرے کیونکہ چوٹ اس پر پڑی ہے

یعنی وہ بولا کہ میں کیوں ڈروں جب کہ وہ طبل عید ہے ڈھول ہی ڈرتا ہے کہ اس کو زخم پہنچا یعنی اس نے سوچا کہ میں تو مرنے کو پھرتا ہی ہوں پھر میں ڈروں یہ تو میرے لئے طبل عید ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے دہلہائے تہی و بے قلوب	قسم تان از عید جان شد زخم چوب
اے خالی ڈھولو بے دلو!	جان کی عید میں سے تمہارا حصہ لکڑی کی چوٹ ہے

یعنی اے خالی اور بے قلوب ڈھولو تمہارا حصہ جان کی عید میں سے زخم چوب ہے۔ مطلب یہ کہ اے وہ لوگو جو کہ باطن سے خالی ہو اور تمہارے قلوب ناپاک ہیں تو عید کے روز ڈھول تو تم بھی ہو مگر تمہاری قسمت میں لکڑیاں لکھی ہیں کہ لکڑیاں پڑتی ہیں اور پٹتے ہو آگے اس عید کو اور ان کے دہل تہی ہونے کو بتاتے ہیں کہ وہ کیا کیا ہیں فرماتے ہیں کہ۔

شد قیامت عید و بید نیان دہل	ما چو اہل عید خندان ہمچو گل
قیامت عید ہے اور بے دین ڈھول ہیں	ہم چونکہ عید والے ہیں پھول کی طرح مسکرا رہے ہیں

یعنی قیامت تو عید ہے اور بے دین لوگ ڈھول ہیں اور ہم اہل عید کی طرح گل کی طرح خوش ہیں مطلب یہ کہ قیامت کے روز عید ہوگی لیکن دین داروں کے لئے تو خوشی ہوگی لہذا وہ تو گل کی طرح خوش ہوں گے اور بے دین کے لئے رنج ہوگا اور وہ جس طرح کہ ڈھول عید میں پٹا کرتا ہے اسی طرح پٹے گا تو مطلب یہ کہ جو ڈھول کہ وہ باطن میں سے خالی ہو اس کی تو گت بنتی ہے اور جو ڈھول کہ ٹھوس ہوتا ہے اس کو کوئی بھی نہ مارے نہ اسے بجاوے آگے فرماتے ہیں کہ۔

بشنوا کنوں این دہل چون بانگ زد	دیگ دولت باچگونہ می نپرد
اب سن! اس ڈھول نے جب آواز دی	دولت (کے شوربے) کی دیگ کس طرح پکتی ہے

یعنی اب سنو کہ اس ڈھول نے جب آواز لگائی تو ہماری دولت کی آواز کس طرح پکتی ہے یعنی وہ ڈھول خالی تو پٹتے ہی میں رہا مگر اب جو ہمارا دہل بولا تو اس سے کیسے دولت حاصل ہوئی ہے لو سنو۔

چونکہ بشنود آن دہل آن مرد دید	گفت چون ترسد دلم از طبل عید
جب اس ڈھول کو اس دیدہ ور نے سنا	اس نے کہا میرا دل عید کے نقارے سے کیوں ڈرے؟

یعنی جبکہ اس دہل کو اس آنکھ والے مرد نے سنا تو بولا کہ میرا دل عید کے طبل سے کیوں ڈرے۔

گفت با خود ہیں طرزان دل کزین	مرد جان بد دلان بے یقین
اس نے اپنے آپ سے کہا خبردار! دل کو نہ لرزا کیونکہ اس سے	بے یقین بدلوں کی جان مری ہے

یعنی اپنے سے بولا کہ ارے دل کو لرزامت کہ اس سے تو بدل اور بے یقین لوگوں کی جان مری ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ جو بد دل ہوں اور بے یقین ہوں ان کو اس سے گزند پہنچ سکتا ہے اور میں ایسا ہوں نہیں لہذا مجھے گزند بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تو میں کیوں ڈروں اور بولا کہ۔

وقت آن آمد کہ حیدرؓ وار من	ملک گیرم یا پرد ازم بدن
وہ وقت آ گیا ہے کہ میں حیدرؓ کی طرح	ملک فتح کروں یا جسم کو خالی کر دوں

یعنی وہ وقت آیا ہے کہ حیدرؓ کی طرح ملک لوں یا بدن خالی کر دوں یعنی وہ بولا کہ اب تو اس کا وقت آ گیا یا تو یہ نہیں یا ہم نہیں جب یہ ٹھان لی تو پھر ڈر کس کا۔

برجہید و بانگ بر زد کائے کیا	حاضرم اینک اگر مردی بیا
وہ کودا اور چیخا اے پہلوان!	میں حاضر ہوں اگر تو بہادر ہے آ جا

یعنی کودا اور آواز دی کہ اے زیرک میں یہ موجود ہوں اگر تو مرد ہے تو آ جا۔ یعنی اس کے جواب میں اس نے کہا کہ تو آتا ہے تو میں بھی حاضر ہوں لے آ جا اس کے کہتے ہی یہ ہوا کہ۔

درزمان بشکست زآواز آن طلسم	زر ہمی ریزید ہر سو قسم قسم
وہ طلسم آواز سے فوراً ٹوٹ گیا	طرح طرح کا سونا ہر طرف بکھرنے لگا

یعنی اسی وقت آواز سے وہ طلسم ٹوٹ گیا اور سونا ہر طرف قسم قسم کرنے لگا۔ مطلب یہ کہ اس شخص نے جو کہا کہ ہاں ہاں میں حاضر ہوں تو آ جا اور اس طلسم کے ٹوٹنے کی بھی تدبیر یہی تھی کہ کوئی دلیر ہو کر اس کا مقابلہ کرے اور اس وقت تک جو کوئی وہاں آیا تھا وہ اس کی ڈر کے مارے پہلے ہی مر جاتا تھا تو بس جب اس نے دلیر ہو کر جواب دیا تو فوراً وہ طلسم ٹوٹ گیا اور اس کے اندر جو سیم و زر تھا وہ گرنا شروع ہو گیا۔

ریخت چندان زر کہ ترسید آن پسر	تا نگیرد زر ز پری راہ در
اس قدر سونا بہا کہ وہ لڑکا ڈرا	کہ سونا کثرت کی وجہ سے دروازے کا راستہ بند نہ کردے۔

یعنی اس قدر سونا گرا کہ وہ لڑکا ڈرا کہ کہیں سونا زیادتی کی وجہ سے دروازہ کی راہ نہ روک لے مطلب یہ کہ روپیہ پیسہ کی اس قدر زیادتی ہوئی کہ یہ شخص ڈرا کہیں ساری مسجد اس روپیہ سے بھر جاوے تو مجھے دروازہ میں سے نکلنے کی بھی جگہ نہ رہے گی۔

پر شد آن مسجد ز زر ہر جائگاہ	مرد حیران شد ز تقدیر آلہ
ہر جگہ سے وہ مسجد سونے سے بھر گئی	اللہ (تعالیٰ) کی تقدیر سے مرد حیران ہوگیا

یعنی وہ مسجد سونے سے پوری بھر گئی اور یہ مرد خدا کی تقدیر سے حیران تھا۔ یعنی یہ خدا کی قدرت کے تماشے دیکھ رہا تھا کہ اللہ تو نے یہ دولت مجھے عطا فرمائی جو کہ مرنے کو تیار تھا۔

بعد ازان برخاست آن شیر عنید	تا سحر گہ زر بہ بیرون می کشید
اس کے بعد وہ بہادر شیر اٹھا	(اور) صبح تک سونا باہر نکالتا رہا

یعنی اس کے بعد وہ شیر تیار اٹھا اور صبح تک روپیہ باہر کھینچتا تھا یعنی مسجد کے اندر سے صبح تک اس کے صحن میں وہ روپیہ ڈھو ڈھو کر لایا۔

دفن میکرد و ہمی آمد بہ زر	باجوال و توبرہ بار دگر
دفن کرتا اور سونا نکالتا	تھیلے اور توبرے سے دوبارہ

یعنی دفن کرتا تھا اور روپیہ کے پاس آتا تھا معہ گون اور توبرہ کے دوسری مرتبہ مطلب یہ کہ روپیہ کو صحن مسجد میں دفن کر کے پھر گون اور توبرہ لے کر آتا تھا کہ پھر بھر کر لے جاوے۔

گنجہا بنہاد آن جانباز ازان	کوری و ترسانی واپس خزان
اس سے اس بہادر نے خزانے بھرے	واپس بھاگنے والوں کے اندھے پن اور خوف کے لئے

یعنی اس جان باز نے اس میں سے بہت سے خزانے اٹھا کے واپس ہٹنے والوں کی ناکامی اور خوف پر مطلب یہ کہ جو لوگ کہ اس خوف کی وجہ سے ہمت نہ کرتے تھے اور اس مسجد میں نہ جاتے تھے ان کے خلاف اور ناکامی کے باوجود اس نے بہت سے خزانے جمع کر لئے اور خوب روپیہ بھر لیا اور وہ خائف لوگ محروم ہی رہے۔ آگے مولانا اس حکایت کا ماحصل اور اس کا اصلی مقصود بیان فرماتے ہیں کہ اس قصہ سے مراد کیا ہے فرماتے ہیں کہ۔

این زر ظاہر بخاطر آمد است	دردل ہر کور دون زر پرست
یہ ظاہری سونا دل میں آیا ہے	ہر کمینے زر پرست اندھے کے دل میں

یعنی یہ ظاہری روپیہ دل میں آیا ہے ہر اندھے کمینے زر پرست کے مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اس قصہ سے لوگ یہی سمجھے ہوں گے کہ یہ ظاہری روپیہ پیسہ اس کو مل گیا اور خوب ہی دولت مل گئی لیکن یہ بات نہیں تھی اس لئے کہ یہ ظاہری روپیہ پیسہ تو اصل سونا چاندی ہی ہے نہیں اس کی تو ایسی مثال ہے کہ۔

کود کان اسفالہا را بشکنند	نام زر بنہند و در دامن کنند
بچے ٹھیکروں کو توڑتے ہیں	سونا کہتے ہیں اور دامن میں کر لیتے ہیں

یعنی بچے ٹھیکروں کو توڑتے ہیں اور نام روپیہ رکھتے ہیں اور دامن میں بھر لیتے ہیں۔

اندران بازی چو گوئی نام زر	آن کند در خاطر کودک گزر
اس کھیل کود میں جب تو سونے کا نام لے گا	بچے کے خیال میں وہی آئے گا

یعنی اس کھیل میں جب تم روپیہ کا نام لو تو بچہ کے دل میں وہی گزر جاوے گا۔ تو بس جس طرح کہ وہ بچے روپیہ کے نام سے ان ٹھیکروں کو سمجھیں گے اسی طرح دنیادار لوگ روپیہ کے نام سے اس ظاہری روپیہ پیسہ ہی کو مراد لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی روپیہ ملا ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ روپیہ نہیں ملا بلکہ۔

بل زر مضروب ضرب ایزدی	کو نگردد کاسد آمد سرمدی
بلکہ خدائی ٹکسال کا ڈھلا ہوا سکہ	جو کھوٹا نہیں ہوتا ہے دائمی ہے

یعنی بلکہ روپیہ سکۂ خداوندی کا سکہ زدہ کہ وہ کم نہیں ہوتا سرمدی آیا ہے مطلب یہ کہ اس کو وہ روپیہ ملا تھا کہ جس پر ضرب خداوندی لگی ہوئی تھی یعنی اس کو دولت باطنی نصیب ہوئی تھی اور وہ اس کو ملی تھی۔

آن زرے کاین زرازان زرتاب یافت	گوہر و تابندگی و آب یافت
وہ سونا کہ اس سونے نے اس سے رونق حاصل کی ہے	جوہر اور چمک اور رونق پائی ہے

یعنی وہ زر کہ اس زر نے اس سے تاب پائی گوہری اور چمک اور آب پائی یعنی اس کو وہ زر ملا تھا کہ جس کی یہ شان تھی کہ اس دنیاوی سیم وزر نے بھی اسی سے رونق پائی تھی اور اس کے اندر بھی تاب اسی کی وجہ سے آئی ہے۔

آن زرے کہ دل ازو گردد غنی	غالب آید بر قمر در روشنی
وہ سونا کہ دل اس کی وجہ سے غنی ہے	روشنی میں چاند پر غالب آ جائے

یعنی وہ زر کہ اس سے دل غنی ہوا اور روشنی میں قمر پر بھی غالب آ جاوے اور یہ نشانی دولت باطنی ہی کی ہے تو معلوم ہوا کہ اس کو دولت باطنی حاصل ہوئی تھی۔

شمع بود آن مسجد و پروانہ او	خویشتن در باخت آن پروانہ خو
وہ مسجد شمع تھی اور وہ پروانہ تھا	وہ پروانہ مزاج اپنی جان پر کھیل گیا

یعنی وہ مسجد شمع تھی اور وہ شخص پروانہ تھا تو اپنے کو اس پروانہ کی خصلت والے نے ہار دیا مطلب یہ کہ چونکہ اول میں بھی وہ مسجد اس کی مطلوب تھی اور آخر میں بھی اس لئے کہ اول جب اس میں گیا تھا تو معلوم ہوا تھا کہ اس میں جو آتا ہے مر جاتا ہے تو اس کا اس وقت بھی مطلوب تھا اور وہ مرنے کو حاضر تھا اب آخر میں اس کو دولت بے انتہا مل گئی اس بناء پر وہ مسجد اس کی مطلوب بن گئی۔

سوخت پرش را ولیکن ساختش	بس مبارک آمد آن انداختش
اس نے اس کے پر جلائے لیکن اس کو بنا دیا	اس کا جان پر کھیلنا بہت مبارک ہوا

یعنی اس کے پر کو جلا دیا لیکن اس کو بنا دیا اور اس کا وہ ڈال دینا بہت مبارک آیا۔ مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ مسجد میں ہلاک ہونے گیا تھا اور مسجد اس کے لئے ظاہراً ہالک تھی مگر اصل میں مسجد نے اس کو بنا دیا اور اس کا کام چلا دیا اور وہ جو مسجد میں جا کر پڑ رہا تھا تو اس کا یہ پڑ رہنا بے حد مبارک تھا کہ بس اسی نے اس کا کام بنا دیا اور اس کو بے انتہا دولت دلوادی۔

ہمچو موسےٰ بود آن مسعود بخت	کاتشے دید او بسوئے آن درخت
وہ نیک بخت حضرت موسیٰ کی طرح تھا	کہ انہوں نے اس درخت کی جانب آگ دیکھی

یعنی وہ نیک بخت موسےٰ کی طرح تھا کہ انہوں نے اس درخت کی طرف ایک آگ دیکھی تھی۔

چون عنایتہا برو موفور بود	نارمی پنداشت آنخود نور بود
چونکہ ان پر (خداوندی) عنایتیں بھرپور تھیں	وہ آگ سمجھ رہے تھے (حالانکہ) وہ خود نور تھا

یعنی جب عنایتیں ان پر بے حد تھیں تو وہ آگ سمجھتے تھے اور وہ خود نور تھا مطلب یہ ہے کہ دیکھو جس طرح کہ موسےٰ علیہ السلام نے آگ جلانے والی سمجھی اور وہ حالانکہ نور تھا اسی طرح اس شخص نے بھی ہلاکت سمجھی حالانکہ وہی اس کے لئے حیات ابدی اور سرمدی تھی۔

مرد حق را چون بہ بینی اے پسر	تو گمان داری بر او نار بشر
اے بیٹا! جب تو مرد خدا کو دیکھتا ہے	تو اس پر انسانی آگ کا گماں کرتا ہے

یعنی اے لڑکے مرد حق کو جب تو دیکھتا ہے تو اس پر تو نار بشر کا گمان کرتا ہے (نار بشر میں اضافت بیانیہ ہے) مطلب یہ کہ جب مرد حق کو دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ جس طرح اور بشر ہیں ویسا ہی یہ ہے حالانکہ وہ سراسر نور ہو چکا ہے اور اس کے اندر سے اوصاف بشریت کے مغلوب ہو چکے ہیں وہ صرف بشر نہیں رہتا بلکہ بشر مع اوصاف ملک ہو جاتا ہے۔

توز خودمی آئی وآن در تو است	نار و خار و ظن باطل این سو است
تو اپنے اوپر جاتا ہے اور وہ تجھ میں ہے	آگ اور کانٹا اور گمان اور باطل اسی جانب ہے

یعنی تو اپنے ہی میں سے آتا ہے اور وہ تیرے ہی اندر ہے نار اور خار اور ظن باطل اسی طرف ہے یعنی فرماتے ہیں کہ یہ حضرات جو تم کو صرف بشر ہی نظر آتے ہیں اور ان کی اصل حالت جو تم کو معلوم نہیں ہوتی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام اوصاف بشری تمہاری ہی اندر ہیں تو وہ صفات بشری جو تمہارے اندر ہیں تمہیں اوروں کے اندر بھی معلوم ہوتے ہیں۔

نور خوان نارش مخوان بارے بیا	او درخت موسیٰ است و پر ضیا
نور کہہ اس کو نار نہ کہہ اب آ جا	وہ (حضرت) موسیٰ کا درخت ہے اور پرنور ہے

یعنی وہ درخت موسوی ہیں اور پر ضیا ہیں نور کہہ ان کو نار مت کہہ بارے آ۔ مطلب یہ کہ ان کی مثال درخت موسےٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ جس طرح وہ دور سے نار معلوم ہوتا تھا لیکن اصل میں نور تھا اسی طرح یہ حضرات تمہیں نار معلوم ہوتے ہیں اور ان سے تم گھبراتے ہو مگر آ ؤ تو سہی ایک دفعہ ان کے پاس ہو تو جاؤ اس کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرنا۔

سالکان رفتند آں خود نور بود	نے فطام این جہان نارے نمود
سالک چل پڑے وہ نور تھا	کیا اس دنیا اک چھوڑنا نار نظر نہیں آتا؟

یعنی کیا اس جہان کا چھوڑنا آگ نہیں دکھائی دیا۔ سالک لوگ گئے تو وہ خود نور تھا مطلب یہ کہ دیکھو اس عالم سے جدائی شاق معلوم ہوتی تھی اور آگ کی طرح ناگوار معلوم ہوتی تھی مگر جب سالک لوگ چلے گئے تو اب وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ جس کو نار سمجھا تھا وہ تو سراسر نور ہی نور تھا تو اسی طرح ان کو دور سے نار اور ناگوار سمجھ رکھا ہے جب قریب جاؤ گے تو اس وقت معلوم ہوگا کہ سراسر نور ہی نور ہیں آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

ایں نہ ہمچوں دیگر آتشہا بود	پس بدانکہ شمع دیں برمی شود
یہ دوسری آگوں کی طرح نہیں ہوتی ہے	بس تو جان لے کہ دین کی شمع بلند ہوتی ہے

یعنی پس جان لو کہ شمع دین کی بڑھتی ہے اور یہ دوسری آگوں کی طرح نہیں ہوتی مطلب یہ کہ جب معلوم ہوا کہ دیں اور دیندار لوگ دور ہی سے برے اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں اور قریب سے اور دراصل نور ہوتے ہیں تو پس شمع دین کی لو زیادہ ہوتی ہے تو اس میں سوزش نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ محض نور ہی نور ہوتی ہے اور آتشوں کی طرح جلانے والی اور ناگوار نہیں ہوتی۔

واں بصورت نار وگل زوار را	ایں نماید نور و سوز و یار را
وہ بظاہر نار ہے اور زیارت کرنے والوں کے لئے پھول ہے	یہ (دنیاوی شمع) نور نظر آتی ہے اور یار کو جلا دیتی ہے

یعنی یہ (دنیا) نور دکھائی دیتی ہے اور یار کو جلا دیتی ہے اور وہ (دین) صورت میں نار ہے اور زیارت کرنے والے کے لئے پھول ہے مطلب یہ ہے کہ دین بظاہر تو بہت مشکل شئے ہے کہ اس کے مجاہدات وریاضات بہت مشکل ہیں مگر اصل میں جب اس کو دیکھو تو وہ بہت خوشگوار ہے اور یہ دنیا ظاہر میں تو نور ہے کہ خوب ٹیپ ٹاپ معلوم ہوتی ہے لیکن اصل میں نار ہے کہ ہلاک اور برباد کرنے والی ہے۔

واں گہ وصلت دل افروزندۂ	ایں چو سازندہ ولے سوزندۂ
اور وہ مل جانے پر دل کو روشن کرنے والی ہے	یہ (بظاہر) سازگار جیسی ہے لیکن جلانے والی ہے

یعنی یہ سنوارنے والے کی طرح ایک جلانے والا ہے اور وہ وصل کے وقت دل کو روشن کرنے والا ہے یعنی دنیا ظاہر میں تو عیش کی جگہ ہے مگر اصل میں برباد کرنے والی ہے اور دین جب اس سے وصل ہو تو دل کو روشن کر دینے والی شئے ہے۔

شکل شعلہ نور پاک و ساز دار	حاضراں را نور و دوراں را چو نار
شعلہ کی شکل ہے، ساز کرنے والی پاک نور ہے	پاس والوں کے لئے نور ہے اور دور والوں کے لئے آگ جیسی ہے

یعنی شکل تو شعلہ کی اور ہے پاک اور سنوارنے والا حاضروں کے لئے تو نور ہے اور دوروں کے لئے نار کی طرح ہے۔

حاضراں از غائباں خوشحال تر	غائباں را نیست توفیق خبر
اس بات کا خاتمہ نظر نہیں آتا ہے	عاشق اور بزرگ صدر کی بات کر

یعنی حاضر لوگ غائبین سے زیادہ خوش حال ہیں اور غائبین کو خبر کی (بھی) توفیق نہیں ہے مطلب یہ کہ جو لوگ کہ ان حضرات کے پاس رہنے والے ہیں وہ ان لوگوں سے جو غائب ہیں زیادہ اچھے ہیں اگرچہ ظاہر میں مشقت میں ہوتے ہیں مگر اصل میں آرام ہوتے ہیں تو غرضکہ یہ جو اس مہمان کے لئے مشقتیں اور موت کے لئے تیار ہونے کو کہا ہے۔ اس سے مراد مجاہدات و ریاضات ہیں اور اس کو جو روپیہ پیسہ ملنے کو کہا ہے اس سے مراد دولت باطنی کا حصول ہے کہ وہ مجاہدات و ریاضات بظاہر تو مہلک تھے مگر اصل میں وہ اس کے لئے نور اور حصول دولت کا باعث تھے اب آگے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن را نیست پایانے پدید	گو حدیث عاشق و صدر مجید
اس بات کا خاتمہ نظر نہیں آتا ہے	عاشق اور بزرگ صدر کی بات کر

یعنی اس گفتگو کی تو ظاہراً کہیں انتہا نہیں ہے تو عاشق اور صدر حمید کی بات کہو مطلب یہ کہ ان اسرار و حقائق کی تو بظاہر کہیں انتہا معلوم نہیں ہوتی یہ تو بے انتہا ہیں لہذا ان کے بیان کو چھوڑ دو اور اس عاشق اور اس کے معشوق اس بادشاہ کا قصہ بیان کرو آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اچھا تو اب اس سخت آواز کا قصہ سننا چاہئے وہ یہ ہے کہ اس کوس کر مہمان گو طبعاً خائف ہوا مگر ہوش و حواس قائم رہے اور اپنے دل میں کہا کہ یہ تو عید کا نقارہ ہے پھر میں کیوں ڈروں مجھے تو خوش ہونا چاہئے ہاں ڈھول کو ڈرنا چاہئے کہ اس پر چوٹ پڑتی ہے یعنی اس سے اہل دنیا کو ڈرنا چاہئے جو ڈھول کی طرح اندر سے خالی ہیں اور صفات کمال نہیں رکھتے کیونکہ یہ انہیں کو ضرر پہنچا سکتی ہے نہ کہ مجھے آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے ڈھول کی طرح خالی اور قلب صافی نہ رکھنے والے لوگو یاد رکھو کہ جس طرح جسم کے لئے عید ہے یوں ہی روح کے لئے بھی عید ہے اور روح کی عید سے تمہارے حصہ میں بجز ڈنکے کی چوٹ کے اور کچھ نہیں یاد

رکھو کہ عید روح قیامت ہے اور بے دین لوگ ڈھول اور ہم اہل اللہ عید والے اور گل کی طرح خوش ہیں خیر یہ استطرادی مضمون تو ختم ہو گیا اب سنو کہ جب اس واہل طلسم نے آواز دی تو وہ ہانڈی جس کا شور بادولت ہے کیسے پکتی ہے اور اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے سو بات یہ ہے کہ جب اس عارف نے اس ڈھول کی آواز سنی تو اپنے دل میں کہا کہ یہ تو میرے لئے عید کا نقارہ ہے اور عید کے نقارہ سے میرا دل کیونکر ڈر سکتا ہے اور یہ بھی کہا کہ اس سے تمہارا دل نہ کانپنا چاہئے کیونکہ یہ تو بد باطن اور بے یقین لوگوں کی موت روحانی کا سبب ہے نہ کہ تمہاری موت کا بس اب وقت آ گیا ہے کہ یا تو میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح ملک لے لوں یا جسم کو روح سے خالی کر دوں اور مر جاؤں۔ یہ سوچ کر وہ اٹھا اور للکارا کہ او آواز دینے والے میں موجود ہوں اگر تو مرد ہے تو آ جا یہ کہنا تھا کہ وہ طلسم ٹوٹ گیا اور ہر طرف طرح طرح کا سونا برسنا شروع ہو گیا اور اس قدر برسا کہ اسے اندیشہ ہوا کہ سونے کی کثرت سے نکلنے کا دروازہ نہ بند ہو جاوے غرضکہ وہ مسجد اس سونے سے ہر جگہ سے بھر گئی اور وہ شخص اس قضائے الٰہی کو دیکھ کر متحیر ہو گیا اس کے بعد وہ بہادر اٹھا اور صبح تک سونا ڈھوتا رہا ایک دفعہ لے جا کر دفن کر آتا تھا اور پھر دوبارہ توبرہ خرجین لے کر آتا تھا غرضکہ اس جانباز نے برخلاف پیچھے ہٹنے والوں کی کوری اور خوف کے اس طرح خزانہ قائم کر لئے معلوم ہوتا ہے کہ اندھے اور پست ہمت زر پرست لوگوں نے اس سے ظاہری سونا سمجھا اور یہ ان سے کچھ بعید نہیں کیونکہ بچے ٹھیکرے توڑتے ہیں اور اس کا نام اشرفیاں رکھ کر دامن میں بھرتے ہیں پس کھیل کے اندر جب اشرفی کا نام آتا ہے تو بچے کے ذہن میں وہی ٹھیکرے آتے ہیں پس یہی حالت ان زر پرستوں کی ہے کہ جب یہ سونے کا نام سنتے ہیں تو ان کا ذہن زر ظاہر کی طرف منتقل ہوتا ہے ہماری مراد یہ سونا نہیں بلکہ وہ اشرفیاں مراد ہیں جن کا سکہ خدائی ہے اور جن کے کھرے ہونے کی خدا تصدیق کرتا ہے اور جو اس کے یہاں کارآمد ہیں اور جو کہ کبھی کھوٹے نہیں ہو سکتیں بلکہ ابداً رائج ہیں اور وہ اشرفیاں مراد ہیں جن سے اس سونے کو چمک حاصل ہوئی ہے (غالباً تجلیات ربانی مراد ہیں) اور جن سے کہ ان کو جوہر اور چمک اور رونق حاصل ہوئی ہے اور وہ اشرفیاں مراد ہیں جن سے کہ غناء قلب حاصل ہوتی ہے اور جن کی روشنی چاند کی روشنی پر غالب آتی ہے (اور مسجد سے مراد دین ہے اور ناصحین سے تقاضا ہائے نفسانی اور آواز سے آواز شیطانی اور حاصل یہ کہ جب اس نے تقاضائے نفسانی کی اطاعت نہ کی اور راہ دین پر استوار ہوا تو شیطان نے دھمکی دی اور اس نے اس کی مزاحمت کی تو دولت باطنی سے مالا مال ہو گیا واللہ اعلم) یا دوسرے عنوان سے یوں سمجھو کہ مسجد بمنزلہ شمع کے تھی اور یہ اس کا پروانہ تھا یہ پروانہ خصلت شخص اس کے لئے اپنی جان پر کھیل گیا جس سے اس کے پر جل گئے اور خواہشات نفسانی کا قلع قمع ہو گیا مگر اس سے اس کو نقصان نہ پہنچا بلکہ اس نے اس کو بنا دیا اور اس کا اپنے کو اس خطرہ میں ڈالنا نہایت مبارک ہوا یا یوں کہو کہ وہ خوش قسمت موسےٰ علیہ السلام کی مانند تھا کہ انہوں نے درخت کی جانب آگ دیکھی تھی لیکن چونکہ حق سبحانہ کی عنایتیں ان پر بہت تھیں اس لئے وہ تو آگ سمجھتے تھے مگر وہ ان کے لئے نور تھی علیٰ ہذا یہ تو اس کو بظاہر مضر دیکھتا تھا مگر حقیقت میں وہ اس کے لئے مفید ثابت ہوئی اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ جب

تم کسی اہل اللہ کو دیکھتے ہو تو اس کو آگ یعنی بشر محض مثل دیگر عوام سمجھتے ہو پس یہ تمہارا خیال اپنی اصل پر جانا اور اس کو اپنے اوپر قیاس کرنا ہے کیونکہ یہ بات خود تجھ میں موجود ہے نہ کہ اس میں ناریت اور خاریت اور ظن و باطل سب تیرے اندر موجود ہیں لہذا تو اس میں بھی یہی سمجھتا ہے اس کو تم ایسا سمجھو جیسے شجر موسیٰ جو کہ دیکھنے والے کو آگ معلوم ہوا اور واقع میں نور ہو لہذا اس کو تم نور کہو نہ کہ نار اور اس سے اتصال پیدا کرو تا کہ اس کی نورانیت تم پر منکشف ہو جاوے ایسا ہوتا ہے کہ ایک شے بظاہر نار اور مضر معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں وہ نور اور سراسر مفید ہوتی ہے دیکھو ترک عالم ناسوت اس آگ اور ناموافق معلوم ہوتی تھی مگر سالکین اس روش پر چلے تو ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ نار نہیں بلکہ نور ہے جب یہ واقعہ معلوم ہو گیا تو ثابت ہو گیا کہ ہم نے جو کہا تھا کہ۔

لیک شمع عشق چوں آن شمع نیست الخ بالکل صحیح ہے اور شمع دین (یعنی عشق) روشن ہوتی ہے تو یہ اور آگوں کی طرح نہیں ہوتی کیونکہ اور آگیں تو نور دکھلائی دیتی ہیں مگر قریب آنے سے جلا دیتی ہیں اور یہ دور سے آگ معلوم ہوتی ہے اور واقع میں تماشائی کے لئے پھول ہوتی ہے یہ آگیں بظاہر موافق طبع ہیں مگر حقیقت میں جلانے والے اور برخلاف ان کے شمع عشق اتصال کے وقت دل کو روشن کرنے والی ہے وہ بظاہر شعلہ کی مانند ہے اور حقیقت میں نور پاک اور موافق طبع ہے وہ پاس والوں کے لئے نور ہے اور دور والوں کے لئے آگ کی مثل خیر اس گفتگو کی تو کہیں انتہا ہی نہیں اچھا اب اس عاشق اور صدر جہاں کا قصہ بیان کرو۔

شرح شبّیری

اس عاشق کی ملاقات صدر جہان کے ساتھ

آن بخاری نیز خود بر شمع زد	گشتہ بود از عشق آسان آں کبد
اس بخاری نے بھی اپنے آپ کو شمع سے بھڑا دیا	وہ مشقت عشق کی وجہ سے آسان ہو گئی تھی

یعنی اس بخاری نے بھی اپنے کو شمع پر مارا اور عشق کی وجہ سے اس کو وہ مصائب آسان ہو گئے تھے مطلب یہ کہ اس بخاری نے بھی اپنے کو بظاہر مصائب میں پھنسا رکھا تھا مگر وہ مصائب اس کے لئے عشق کی وجہ سے سب آسان ہو گئیں تھیں۔

آہ سوزانش سوئے گردون شدہ	در دل صدر جہان مہر آمدہ
اس کی گرم آہ آسمان پر پہنچ گئی تھی	صدر جہاں کے دل میں محبت آ گئی تھی

یعنی اس عاشق کی آہ سوزاں آسمان کی طرف گئی ہوئی اور صدر جہان کے دل میں محبت آئی ہوئی۔

گفت باخود در سحر گہ کائے احد	حال آں آوارۂ ماچون بود
اس نے صبح کے وقت اپنے آپ سے کہا اے خدا!	اس ہمارے آوارہ کا کیا حال ہوگا؟

یعنی اپنے سے صبح کے وقت میں کہتا تھا کہ اے اللہ ہمارے اس آوارہ کا کیا حال ہوگا۔

او گناہے کرد و ما دیدیم لیک	رحمت مرا نمی دانست نیک
اس نے قصور کیا اور ہم نے دیکھ لیا لیکن	وہ اچھی طرح ' ہماری رحمت کو نہ جانا

یعنی اس نے ایک گناہ کیا اور ہم نے دیکھ (بھی) لیا لیکن اس نے ہماری رحمت کو اچھی طرح نہ جانا یعنی اس نے اگر گناہ کیا تھا تو معاف کراتا اور سمجھتا کہ بڑے رحیم ہیں معاف کر دیں گے یہاں سے چلا کیوں گیا آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

خاطر مجرم زما ترسان شود	لیک صد امید در ترسش بود
خطا وار کا دل ہم سے خوف کھاتا ہے	لیکن اس کے خوف میں سینکڑوں امیدیں ہوتی ہیں

یعنی مجرم کا دل ہم سے ترسان ہوتا ہے لیکن اس کے خوف میں سو امیدیں ہوتی ہیں مطلب یہ کہ مجرم ہم سے ڈرتا ہے مگر اس خوف کی حالت میں بھی اس کو بہت سی امیدیں عفو کی ہم سے ہوتی ہیں۔

من بترسانم وقیح و یاوہ را	آنکہ ترسد من چہ ترسانم درا
میں بے شرم اور لغو آدمی کو ڈراتا ہوں	جو خود ڈرے میں اس کو کیا ڈراؤں؟

یعنی میں تو بے حیا اور گمراہ کو ڈراتا ہوں اور جو کہ خود ڈرے میں اس کو کیا ڈراؤں مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے کہا کہ میں خود تو اس کو ڈراؤں جو کہ خود نہ ڈرتا ہو اور جو خود ہی ڈرتا ہو اس کو ڈرانے کی تو کوئی وجہ نہیں ہے آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

بہر دیگ سرد آذر مے رود	نے بدان کہ جوشش از سر میرود
ٹھنڈی دیگ کے لئے آگ جلتی ہے	نہ کہ اس کے لئے جس کا ابال اوپر سے نکلے

یعنی ٹھنڈی ہنڈیا کے لئے آگ جاتی ہے نہ کہ اس کے لئے جس کا جوش کہ سر سے گزر گیا ہو۔ مطلب یہ کہ جو ہنڈیا کہ خود ہی ابل رہی ہو اس کو آگ کی کیا ضرورت ہے آگ کی ضرورت تو جب ہوگی جب ہنڈیا ابل نہ رہی ہوگی تو اسی طرح خود ڈرانے کی تو جب ضرورت ہو جبکہ وہ پہلے سے خائف نہ ہو اور جب وہ پہلے سے خود خائف ہے پھر ڈرانے کے کیا معنی۔

ایمناں را من بترسانم بعلم	خائفان را ترس بردارم زحلم
میں نڈر لوگوں کو غصہ سے ڈراتا ہوں	ڈرنے والوں کا بردباری کے ذریعہ خوف دور کرتا ہوں

یعنی نڈر لوگوں کو میں علم سے ڈراتا ہوں اور ڈرنے والوں کو حلم سے خوف اٹھا دیتا ہوں۔ یعنی جو لوگ کہ بے خوف ہیں ان کو تو اس طرح خوف دلاتا ہوں کہ دیکھو میں علیم بھی ہوں مجھے سب باتوں کا علم ہے اور جو خود ہی ڈر رہے ہیں ان کو کہتا ہوں کہ میں حلیم ہوں تا کہ ان کا خوف کم ہو۔

پارہ دوزم پارہ در موضع نہم	ہر کسے را شربت اندر خوردہم
پیوند سیتا ہوں پیوند جگہ پر لگاتا ہوں	ہر کسی کیلئے مناسب شربت دیتا ہوں

یعنی میں پیوند سیتا ہوں اور پیوند کی جگہ سے رکھتا ہوں اور ہر شخص کو شربت اس کے لائق دیتا ہوں۔

ہست سر مرد چون بیخ درخت	زان بروید برگہاش از چوب سخت
انسان کا باطن درخت کی جڑ کی طرح ہے	اس سے اس کے پتے اگتے ہیں جس طرح سخت لکڑی سے

یعنی انسان کا باطن درخت کی جڑ کی طرح ہے کہ اسی سے اس کے پتے چوب سخت سے اگتے ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ شاخ میں سے کہ وہ چوب سخت ہوتی ہے پتے نکلتے ہیں اسی طرح انسان کا باطن بھی ایک جڑ ہے کہ اس پر بہت سے پتے وغیرہ نکل رہے ہیں اور وہ پتے اس کے احوال ہیں جو کہ اس پر وقتاً فوقتاً طاری ہوتے ہیں۔

درخور آن بیخ رستہ برگ ہا	در درخت و در نفوس و در نہا
اس جڑ کے مناسب پتے اگے ہیں	درختوں میں اور نفسوں میں اور عقلوں میں

یعنی اسی جڑ کے لائق پتے اگے ہوئے ہوتے ہیں درخت میں اور نفوس میں اور عقول میں مطلب یہ کہ بس جیسا آدمی ہوتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی عمل کیا جاتا ہے۔

بر فلک برہاست ز اشجار وفا	اصلہا ثابت و فرعہ فی السما
وفا کے درختوں کے آسمان پر پھل ہیں	ان کی جڑ قائم ہے اور اس کی شاخیں آسمان پر ہیں

یعنی فلک پر بہت سے پھل اشجار وفا کے ہیں کہ ان کی جڑ تو قائم ہے اور ان کی شاخیں آسمان میں ہیں۔ مطلب یہ کہ بہت سے افعال ایسے ہیں کہ ان کے پھل پھول یعنی ان کا اثر تو آسمان پر ہوتا ہے اور وہ خود زمین میں قائم ہوتے ہیں۔

چوں برست از عشق بر بر آسمان	چون نروید در دل صدر جہان
جبکہ آسمان پر عشق کا پھل اگا ہے	تو صدر جہاں کے دل میں کیوں نہ اگے گا؟

یعنی جبکہ عشق کی وجہ سے پھل آسمان پر اگ آیا تو صدر جہان کے دل میں کیوں نہ اگے گا۔ مطلب یہ کہ جب عشق کا اثر آسمان پر ہوتا ہے تو بھلا صدر جہان کے دل میں کیوں نہ ہوتا ضرور ہوا۔

موج می زد در دلش عفو گنہ	زانکہ از دل تا دل آمد روزنہ
خطا کی معافی اس کے دل میں موجیں مارتی تھی	کیونکہ دل سے دل تک سوراخ ہے

یعنی اس صدر جہان کے دل میں عفو گناہ موج مار رہا تھا اس لئے کہ دل سے دل تک روزن ہوتا ہے مطلب یہ کہ صدر جہان کے دل میں یہ امر موج زن تھا کہ اس کے گناہ کو معاف کر دیا جاوے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ دل را بدل رہیست درین گنبد سپہر الخ۔ تو اسی کے موافق اس عاشق کے قلب کا اثر صدر جہان کے قلب پر پڑا اور وہ بھی نرم ہو گیا۔

نے جدا و دور چون دو تن بود	کہ ز دل تا دل یقین روزن بود
نہ کہ دو جسموں کی طرح دور اور جدا ہوتے ہیں	دل سے دل تک یقیناً راہ ہوتی ہے

یعنی کہ دل سے دل تک یقیناً راہ ہوتی ہے نہ کہ دو جسموں کی طرح دور اور جدا ہوتے ہیں مطلب یہ کہ قلوب میں آپس میں جو تعلق ہوتا ہے اس کی وجہ سے ایک کے رنج اور تکلیف اور راحت اور خوشی کا اثر دوسرے پر بھی پڑ جاتا ہے اور جسموں کی طرح نہیں ہوتے کہ ان میں کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

نور شان ممزوج باشد در مساغ	متصل نبود سفال دو چراغ
ان کی روشنی پھیلاؤ میں ملی ہوئی ہوتی ہے	دو چراغوں کے دیوٹے ملے ہوئے نہیں ہوتے ہیں

یعنی دو چراغوں کے ٹھیکرے متصل نہیں ہوتے (مگر) ان کا نور گزرگاہ میں ملا ہوا ہوتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو دو چراغوں کی اجسام تو علیحدہ ہوتے ہیں اور ان کا نور ایک دوسرے میں ملا ہوا ہوتا ہے کہ ہر ایک کے نور کو ممتاز نہیں کر سکتے اسی طرح اجسام علیحدہ ہوتے ہیں اور آپس میں اجسام میں بعد ہوتا ہے لیکن دل کو دل سے برابر راہ ہوتی ہے جب یہ معلوم ہوگیا تو آگے قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں۔

کہ نہ معشوقش بود جویائے او	ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو
جب تک کہ اس کا معشوق اس کا طالب نہ ہو	کوئی عاشق خود بخود وصل کا طالب نہیں ہوتا ہے

یعنی کوئی عاشق خود وصل کا طالب نہیں ہوتا جب تک کہ اس کا معشوق اس کا طالب نہ ہو (مگر فرق یہ ہوتا ہے)

عشق معشوقان خوش و فربہ کند	لیک عشق عاشقان تن زہ کند
معشوقوں کا عشق (ان کو) موٹا تازہ بناتا ہے	لیکن عاشقوں کا عشق جسم کو لاغر بناتا ہے

یعنی لیکن عاشقوں کا عشق تو بدن کو ضعیف کر دیتا ہے اور معشوق کا عشق خوش و فربہ کرتا ہے مطلب یہ کہ عاشقوں کے عشق میں تو چونکہ طلب زیادہ غالب ہوتی ہے اس لئے ان کا عشق ان کو ضعیف اور کمزور کر دیتا ہے اور معشوقوں کے عشق میں بھی طلب ہوتی ہے مگر ایک محبوبیت کی شان کو لئے ہوئے لہٰذا ان کے عشق کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

اندر آن دل دوستی میدان کہ ہست	چون درین دل برق مہر دوست جست
سمجھ لے کہ اس دل میں بھی محبت ہے	جب اس دل میں دوست کی محبت کی بجلی کوندی

یعنی جب اس دل (عاشق) میں دوست کی محبت کی بجلی چمکی تو جان لو کہ اس دل (معشوق) میں محبت ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی کسی پر عاشق ہو تو سمجھ لو کہ محبوب کو بھی اس کا خیال اور اس کی محبت ہے۔

ہست حق را بیگمان مہرے بتو	در دل تو مہر حق چوں شد دو تو
یقیناً اللہ (تعالیٰ) کو تجھ سے محبت ہے	جب تیرے دل میں اللہ (تعالیٰ) کی محبت دوگنی ہوگئی

یعنی جب تیرے دل میں حق تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو تو یقیناً حق تعالیٰ کو تجھ سے ایک محبت ہے مطلب یہ کہ اوپر بیان کیا ہے کہ بے معشوق کے جذب کے عاشق کو طلب نہیں ہو سکتی تو فرماتے ہیں کہ اسی طرح اگر کسی کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور طلب پیدا ہو تو اس کو اپنا کمال نہ سمجھے کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اسی طرف کی کشش ہے اگر اس طرف سے جذب نہ ہو تو نہ اس میں طلب رہے اور نہ یہ محبت رہے یہ سب اسی طرف کی کشش کا اثر ہے آگے صرف ایک قلب سے بغیر دوسرے کے متوجہ ہوئے عشق نہ ہو سکنے کی ایک مثال دیتے ہیں۔

ہیچ بانگ کف زدن آید بدر	از یکے دستے تو بے دستے دگر
ہتھیلی بجانے کی آواز بھی باہر آتی ہے	تیرے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کے بغیر

یعنی کیا تالی بجانے کی آواز تمہارے ایک ہاتھ سے بے دوسرے ہاتھ کے نکلتی ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجا کرتی بلکہ دونوں ہاتھوں کے ملنے سے آواز نکلتی ہے اسی طرح عشق بھی ایک طرف سے نہیں ہوا کرتا بلکہ دونوں طرف سے ہوتا ہے آگے اسی کی چند مثالیں دیتے ہیں۔

تشنہ می نالد کہ اے آب گوار	آب ہم نالد کہ کو آن آب خوار
پیاسا روتا ہے کہ ہائے خوشگوار پانی	پانی بھی روتا ہے کہ پینے والا کہاں ہے؟

یعنی پیاسا روتا ہے کہ اے پانی خوشگوار (تو کہاں ہے) تو پانی بھی (بزبان حال) روتا ہے کہ وہ پانی پینے والا کہاں ہے۔

جذب آبست این عطش در جان ما	ما از آن او و اوہم زان ما
ہماری جان میں یہ پیاس پانی کی کشش ہے	ہم اس کے ہیں اور وہ بھی ہمارا ہے

یعنی ہماری جان میں جو پیاس ہے یہ پانی کا جذب ہے ہم اس کے ہیں اور وہ بھی ہمارا ہے مطلب یہ کہ جس طرح ہم اس کے طالب ہیں وہ بھی ہمارا طالب ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ اگر پیاسے نہ ہوں تو پانی کو کون پوچھے تو اس کی طرف سے بھی طلب اپنے اظہار کمال کے لئے ضروری ہوئی کہ اگر پیاسے ہونگے تو اس کا یہ کمال کہ وہ سیراب کرنے والا ہے ظاہر ہوگا اور نہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ آگے کلیۃً فرماتے ہیں۔

حق بحکمت در قضا و در قدر	کردہ مارا عاشقان ہمدگر
قضا و قدر میں اللہ (تعالیٰ) نے حکمت سے	ہمیں ایک دوسرے کا عاشق بنا دیا ہے

یعنی حق تعالیٰ نے حکمت سے قضا و قدر میں ہمیں ایک دوسرے کا عاشق کر دیا ہے۔

جملہ اجزائے جہان زان حکم پیش	جفت جفت و عاشقان جفت خویش
اس ازلی حکم کی وجہ سے دنیا کے تمام اجزاء	جوڑ جوڑ ہیں اور اپنے جوڑے کے عاشق ہیں

یعنی تمام اجزاء جہان کے اس حکم ازلی کی وجہ سے جوڑا جوڑا ہیں اور اپنے جوڑے کے عاشق ہیں مطلب یہ

کہ دنیا میں ہر چیز کو دیکھ لو کہ وہ یقیناً کسی دوسری چیز کی طالب اور محتاج ہوگی آگے بھی اسی کو فرماتے ہیں۔

ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ	راست ہمچون کہربا و برگ کاہ
دنیا میں ہر چیز جوڑے کی خواہشمند ہے	بالکل اسی طرح جیسے کہربا اور گھاس کا تنکا

یعنی ہر ایک جزو عالم میں جوڑے کا طالب ہے ٹھیک جیسے کہ کہربا اور گھاس کا پتہ۔مطلب یہ کہ دنیا میں ہر چیز دوسرے کی طالب ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کہربا گھاس کو کھینچتا ہے اور جذب کرتا ہے بس اسی طرح دنیا کی ہر چیز ایک دوسرے کو جذب کر رہی ہے آگے زمین اور آسمان کے ایک دوسرے طلب کرنے کو بیان کرتے ہیں۔

آسمان گوید زمین را مرحبا	باتو ام چون آہن و آہن ربا
آسمان زمین کو کہتا ہے خوش آمدید	میں تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسے لوہا اور مقناطیس

یعنی آسمان زمین سے کہتا ہے کہ مرحبا میں تیرے ساتھ مثل لوہے اور لوہے کے اچک لینے والے کے ہوں۔مطلب یہ ہے کہ آسمان زمین سے بزبان حال کہتا ہے کہ میری اور تیری مثال لوہے اور مقناطیس جیسی ہے کہ ان میں بھی ہر ایک دوسرے کا طالب ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی میں تیرا طالب اور محتاج ہوں اور تو میرے آگے۔ان کے ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی صورت بتلاتے ہیں۔

آسمان مرد و زمین زن در خرد	ہرچہ او انداخت این می پرورد
عقلاً آسمان شوہر اور زمین بیوی ہے	جو وہ ڈالتا ہے یہ پالتی ہے

یعنی آسمان تو مرد ہے اور زمین سمجھنے میں عورت ہے جو کچھ وہ (آسمان) ڈالتا ہے یہ (زمین) پالتی ہے۔مطلب یہ کہ جس طرح مرد عورت کے رحم میں نطفہ ڈال دیتا ہے اور وہاں پرورش پا کر جاندار بچہ ہو جاتا ہے اسی طرح آسمان پانی برساتا ہے دھوپ دیتا ہے سردی اور گرمی پہنچاتا ہے جس سے کہ زمین کے پھل پھول پرورش پا کر دیکھنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جاتے ہیں تو دیکھئے کہ اگر آسمان نہ ہو تو زمین بیکار اور اگر زمین نہ ہو تو آسمان کی یہ داد و دہش بیکار پس معلوم ہو گیا کہ جذب اور کشش اور طلب دونوں طرف سے موجود ہے آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

چوں نماند گرمیش بفرستد او	چوں نماند تری و نم بدہد او
جب اس میں گرمی نہیں رہتی وہ بھیجتا ہے	جب تری اور نمی نہیں رہتی وہ عطا کرتا ہے
برج خاکی خاک ارضی را مدد	برج آبی تریش اندر دہد
خاکی برج زمین کی خاک کے لئے مدد	آبی برج اس میں تری پیدا کرتا ہے

یعنی برج خاکی زمین کی خاک کے لئے مدد ہے اور برج آبی اس کو تری دیتا ہے۔

برج بادی ابر سوئے او برد	تا بخارات وخم را برکشد
بادی برج اس کی جانب ابر لے جاتا ہے	یہاں تک کہ ناموافق بخارات کو کھینچ لیتا ہے

یعنی برج ہوائی اس (میں) کی طرف ابر لے جاتا ہے تا کہ خراب بخارات کو کھینچ لے۔

برج آتش گرمئ خورشید ازو	ہمچو تابہ سرخ ز آتش پشت رو
آتشی برج کہ سورج کی گرمی اس سے ہے	توے کی طرح آگ سے (اس کی) رو اور پشت سرخ ہے

یعنی برج آتشی خورشید کی گرمی اسی سے ہے اور توے کی طرح آگ کی وجہ سے پشت و روئے سرخ ہے مطلب یہ ہے کہ برج خاکی اور آبی اور بادی اور آتشی یہ سب آسمان میں ہی ہیں تو اگر زمین کو تری کی ضرورت ہوتی ہے تو آسمان برج آبی کے ذریعہ سے تری پہنچاتا ہے اور اگر گرمی کی ضرورت ہوتی ہے تو برج آتشی سے بذریعہ آفتاب کے گرمی پہنچاتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ زمین کو اپنے پھلنے پھولنے میں آسمان کی سخت احتیاج ہے اور یہاں پر بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مولانا نے جو بروج کے عمل بتلائے ہیں اسی سے مولانا یہ عقیدہ ہونا لازم نہیں آتا بلکہ مولانا نے علی المشہور منجمین کی اصطلاح سے اپنے مدعا کو ثابت کر دیا ہے جس میں کوئی خرابی نہیں کہ ایک تائید کے درجہ میں ان کی اصطلاحات کو بھی بیان کر دیا گیا اگر چہ وہ محض ظنی ہیں آگے آسمان کا طالب زمین ہونا بیان فرماتے ہیں۔

ہست سرگردان فلک ار زمن	ہمچو مردان گرد مکسب بہر زن
زمانے میں آسمان سرگرداں ہے	شوہروں کی طرح بیوی کے لئے کمائی کے گرد

یعنی آسمان زمانہ میں مثل ان مردوں کے جو عورت کے لئے کمائی کے گرد پھرتے ہیں سرگرداں ہے۔

دین زمین کد بانوی ہامی کند	بر ولادت و رضاعش می تند
اور یہ زمین بیگم پن کرتی ہے	جننے اور اس کو دودھ پلانے میں لگی ہے

یعنی اور یہ زمین بیگم پنا کرتی ہے اور پر ولادتوں اور دودھ پلانے اس (مولود) کے تیار ہوتی ہے مطلب یہ کہ آسمان تو مردوں کی طرح کمائی کرتا پھرتا ہے اور بچہ کی پرورش کے لئے جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اس کو مہیا کر دیتا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا اور زمین بیوی کی طرح اس مولود پھل پھول گھاس وغیرہ کو اپنے اندر رکھ کر پرورش کرتی ہے آگے اس پر ایک تفریع فرماتے ہیں۔

پس زمین و چرخ را دان ہوش مند	چونکہ کار ہوش مندان می کنند
پس زمین اور آسمان کو ہوشمند سمجھ	کیونکہ وہ ہوشمندوں سے کام کرتے ہیں

یعنی پس زمین و آسمان کو باشعور سمجھو جبکہ وہ شعور والوں جیسا کام کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صوفیہ کہتے ہیں کہ ہر شے میں ایک قسم کا شعور ہے جس سے کہ اس کو اپنے مرتبہ کے موافق معرفت حق حاصل ہوتی ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ ہمارے اس تمام بیان سے صوفیہ کا یہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ زمین و آسمان میں بھی شعور ہے۔

گر نہ از ہم این دو دلبر می مزند	پس چرا چون جفت درہم می خزند
اگر یہ دونوں دلبر ایک دوسرے سے مزا نہیں اڑا رہے ہیں	تو جوڑے کی طرح ایک دوسرے میں کیوں گھستے ہیں؟

یعنی اگر یہ دونوں دلبر آپس میں نہیں چوستے ہیں تو کیوں جوڑے کی طرح آپس میں گھستے ہیں مطلب یہ کہ اگر یہ دونوں زمین و آسمان جو دو دلبروں کی طرح ہیں ایک دوسرے سے محتاج بہ کو جذب نہیں کرتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ میاں بیوی کی طرح تعلقات رکھتے ہیں۔

بے زمین کے گل بروید وارغوان	پس چہ زاید ز آب و تاب آسمان
زمین کے بغیر گل اور ارغوان کب اُگتا ہے؟	آسمان کی آب و تاب سے کیا اُگتا ہے؟

یعنی بے زمین کے کب پھول اور ارغوان جمتے ہیں اور آسمان کے پانی اور گرمی سے پھر کیا پیدا ہوگا۔ مطلب یہ کہ اگر زمین نہ ہو تو آسمان کا پانی اور اس کی گرمی سب بیکار ہو جاوے۔ کوئی پھول پھل جم ہی نہیں سکتا اور بے آسمان کے زمین بیکار ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں۔

بہر آن میلست در مادہ ز نر	تابود تکمیل کار ہمدگر
اسی لئے مادہ میں نر کی جانب جھکاؤ ہے	تاکہ ایک کا کام دوسرے سے مکمل ہو سکے

یعنی اسی واسطے مادہ میں نر کی طرف سے رغبت ہے تاکہ ایک دوسرے کے کام کی تکمیل ہو جاوے۔

میل اندر مرد و زن حق زان نہاد	تا بقایا بد جہان زین اتحاد
مرد اور عورت میں اللہ (تعالیٰ) نے اس لئے میلان رکھا ہے	تاکہ اس اتحاد سے دنیا بقا حاصل کر لے

یعنی حق تعالیٰ نے مرد و زن میں رغبت اس لئے رکھ دی تاکہ جہان اس اتحاد سے بقا پاوے۔

میل ہر جزوے بجزوے ہم نہد	ز اتحاد ہر دو تولیدے جہد
ہر جزو میں دوسرے جزو کی طرف میلان رکھا ہے	دونوں کے اکٹھا ہونے سے تولید ہوتی ہے

رغبت ہر ایک جزو کی دوسرے جزو سے بھی رکھی ہے کہ دونوں کے اتحاد سے ایک ولادت نکلتی ہے۔

شب چنین با روز اندر اعتناق	مختلف در صورت اما اتفاق
گلے لگانے میں رات، دن کے ساتھ اسی طرح ہے	بظاہر مختلف ہیں لیکن (باہمی) اتفاق ہے

یعنی رات کو اسی طرح دن تک لپٹنے میں مختلف صورت میں لیکن (اصل میں) متفق۔

روز و شب ظاہر دو ضد و دشمن اند	لیک ہر دو یک حقیقت می تنند
بظاہر رات اور دن دو مخالف اور دشمن ہیں	لیکن دونوں ایک حقیقت پر عمل کرتے ہیں

یعنی رات دن ظاہراً دو ضد اور دشمن ہیں لیکن دونوں ایک حقیقت پر تنتے ہیں مطلب یہ کہ رات دن ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر میں جو دو چیزیں ضد اور دشمن ہیں ان کے ملنے سے حقیقت واحدہ پیدا ہوتی ہے اور دونوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ۔

ہر یکے خواہان دگر را ہمچو خویش	از پئے تکمیل فعل و کار خویش
ہر ایک دوسرے کو اپنی (جان کی) طرح چاہتا ہے	اپنے فعل اور کام کے عمل کرنے کے لئے

یعنی ہر ایک دوسرے کا اپنوں کی طرح اپنے فعل اور کام کی تکمیل کے واسطے خواہاں ہے۔

زانکہ بے شب دخل نہ بود طبع را	پس چہ اندر خرج آرد روزہا
کیونکہ رات کے بغیر طبیعت کو آمدنی نہیں ہوتی ہے	تو دن میں کیا خرچ کریں گے؟

یعنی اس لئے کہ بے رات کے طبیعت کو آمدنی نہیں ہوتی پھر دن خرچ میں کیا لاویں گے مطلب یہ کہ رات کو چونکہ سکون ہوتا ہے اس لئے طبیعت علوم وغیرہ کو جمع کر لیتی ہے جن کو دن میں خرچ کر دیتی ہے۔ سو اگر رات نہ ہو تو آمدنی بھی نہ ہو پھر دن میں خرچ کیا کرے۔ پس معلوم ہوا کہ دن رات کا طالب ہے اور اگر دن نہ ہو رات کا خزانہ یوں ہی جمع رہے لہذا رات بھی دن کی طالب ہے آگے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے اندر جو عناصر کا مجموعہ ہے وہ بھی ہر ایک اپنی اپنی جنس کا طالب ہے اور اسی کو جذب کرتا ہے۔

ہر عنصر کا اپنی جنس کو جو کہ آدمی کی ترکیب میں مقید ہے جذب کرنا

خاک گوید خاک تن را باز گرد	ترک جان گو سوے ما آ ہمچو گرد
جسم کی مٹی کو مٹی کہتی ہے واپس آ جا	جان کو چھوڑ دے گرد کی طرح ہماری جانب آ جا

یعنی (کرۂ) خاک بدن کی خاک سے کہتا ہے کہ لوٹ آ جان کو ترک کر اور ہماری طرف گرد کی طرح چلی آ مطلب یہ کہ انسان میں جو ایک عنصر خاک ہے اس کو کرۂ خاک جذب کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ ہمارے اندر چلا آوے اور کہتا ہے کہ۔

جنس مائی پیش ما اولے تری	بہ کہ زان تن وارہی زین سو پری
تو ہماری جنس ہے تیرا ہمارے سامنے رہنا بہتر ہے	بہتر ہے کہ اس جسم کو چھوڑ دے اس جانب اڑ آ

یعنی تو ہماری جنس ہے ہمارے ہی سامنے زیادہ بہتر ہے۔ بہتر ہے کہ اس تن کو چھوڑے اور اس طرح اڑے مطلب یہ کہ وہ کرہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ اے خاک تو تو مجھ میں سے ہے ان غیر جنسوں میں کہاں جا لگی ان کو چھوڑ کر میرے پاس چلی آ تو وہ کہتی ہے کہ۔

گوید آرے لیک من پابستہ ام	گرچہ ہمچوں تو ز ہجراں خستہ ام
وہ کہتی ہے ہاں لیکن میں پابند ہوں	اگرچہ تیری طرح فراق سے غمگین ہوں

یعنی وہ کہتی ہے کہ ہاں لیکن میں پابند ہوں اگر چہ تیری طرح جدائی سے زخمی ہو رہی ہوں۔ مطلب یہ کہ یہ

بدن انسان کی خاک بھی کہتی ہے کہ اے کرہ میں بھی تیری جدائی میں چین سے نہیں ہوں مگر کیا کروں ایسی مقید ہوں کہ آ نہیں سکتی۔ تو دیکھئے کہ یہاں بھی دونوں ہی طرف سے طلب اور جذب ہے۔

تری تن را بجویند آبہا	کاے تری باز آ زغربت سوئے ما
پانی جسم کی تری کو تلاش کرتے ہیں	کہ اے تری مسافرت سے ہماری جانب لوٹ آ

یعنی تن کی تری کو پانی ڈھونڈ رہے ہیں (اور کہہ رہے ہیں) کہ اے تری مسافرت سے ہماری طرف چلی آ مطلب یہ کہ بدن انسان میں جو ایک عنصر پانی کا ہے اس کو کرۂ آب جذب کر رہا ہے۔

گرمیٔ تن را ہمی خواند اثیر	کہ زناری راہ اصل خویش گیر
کرہ نار بھی جسم کی گری پکارتا ہے	کہ تو آگ سے ہے اپنی اصل کا راستہ اختیار کر

یعنی بدن کی گرمی کو کرۂ نار بلا رہا ہے کہ تو تو نار میں سے ہے اپنے اصل کی راہ اختیار کر۔

ہست ہفتاد و دو علت در بدن	از کششہائے عناصر بے رسن
بدن میں بہتر بیماریاں ہیں	عنصروں کی بغیر رسی کی کھینچ تان کی وجہ سے

یعنی بدن میں بہتر بیماریاں عناصر کی کششوں کی وجہ سے جو کہ بے رسی کے ہیں (بہتر سے مراد عدد نہیں بلکہ صرف کثرت مراد ہے) مطلب یہ ہے کہ بیماریاں جو آتی ہیں وہ اس لئے آتی ہیں کہ ہر عنصر اپنے اصل کی طرف جانا چاہتا ہے تو اس کشش کی وجہ سے بدن مریض ہو جاتا ہے۔

علت آید تا بدن را بگسد	تا عناصر ہمدگر را واہلد
بیماری آتی ہے تاکہ جسم کو متفرق کر دے	تاکہ عنصر ایک دوسرے کو چھوڑ دے

یعنی بیماری آتی ہے تاکہ بدن کو توڑ دے تاکہ عناصر ایک دوسرے کو چھوڑ دیں (لیکن)

چار مرغ اند این عناصر بستہ پائے	مرگ و رنجوری و علت پاکشائے
یہ عناصر چارپاؤں بندھے پرند ہیں	موت اور بیماری اور تکلیف پاؤں کھولنے والی ہے

یعنی یہ عناصر چار جانور پاؤں بندھے ہوئے ہیں موت اور تکلیف بیماری پاؤں کے کھولنے والی ہے۔

پائے شان از ہمدگر چون باز کرد	مرغ ہر عنصر یقین پرواز کرد
جب اس نے ایک دوسرے کے پاؤں کو کھول دیا	ہر عنصر کا پرند یقینا اڑ جائے گا

یعنی پاؤں ان کا ایک دوسرے سے جب (موت نے) کھول دیا تو ہر عنصر کا جانور یقینا اڑ گیا مطلب یہ ہے کہ انسان کے بدن میں جو چار عناصر ہیں ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے مختلف مقامات کے چار جانور ہوں کہ ایک دوسرے کا پاؤں آپس میں بندھا ہوا ہو کہ کوئی علیحدہ ہو کر نہ اڑ سکے لیکن اگر کوئی ان کے پاؤں کی رسی کو کاٹ دے تو ہر

جانور اپنی اپنی جگہ میں چلا جاوے گا بس اسی طرح یہ عناصر بھی بدن انسانی کی رسی میں اس طرح بندھے ہوئے ہیں کہ کوئی ایک دوسرے سے الگ ہو کر نہیں جا سکتا لیکن اگر انسان کی موت آ جاتی ہے تو یہ موت ان کی پاؤں کے کھولنے والی ہوتی ہے اور ہر ہر عنصر اپنی اپنی اصل میں جا ملتا ہے اور ان میں جو آپس میں ہر ایک کی اصل کشش کرتی ہے اور بدن جو مثل رسی کے ہے اس کو توڑنا چاہتے ہیں یہ بیماریاں ہیں اور اس رسی کا ٹوٹ جانا موت ہے۔

جذبہ این اصلہا و فرعہا	ہر دمے رنجے نہد در جسم ما
ان اصلوں اور فرعوں کی کشش	ہر وقت ہمارے جسم میں مرض پیدا کرتی ہے

یعنی ان اصلوں اور فرعون کی کشش ہر دم ایک تکلیف ہمارے جسم میں رکھ دیتی ہے۔

تا کہ این ترکیبہا را بر درد	مرغ ہر جزوے باصل خود پرد
تا کہ ان بندھنوں کو توڑ دے	ہر جزو کا پرند اصل کی جانب اڑ جائے

تا کہ ان ترکیبوں کو توڑ ڈالے اور ہر جزو کا جانور اپنی اصل کی طرف اڑ جاوے (مگر)

حکمت حق مانع آید زین عجل	جمع شان دار و بصحت تا اجل
اللہ تعالیٰ کی حکمت اس عمل سے مانع رہتی ہے	موت تک ان کو صحت کے ساتھ جمع رکھتی ہے

یعنی حکمت حق کی اس جلدی کرنے سے مانع آتی ہے اور ان کو تندرستی کے ساتھ موت تک جمع رکھتی ہے۔

گویدا ے اجزاء اجل مشہود نیست	پرزدن پیش از اجل تان سود نیست
(وہ حکمت) کہتی ہے اے اجزاء موت معلوم نہیں ہے	موت سے پہلے تمہارا پھڑپھڑانا مفید نہیں ہے

یعنی (وہ حکمت حق) کہتی ہے کہ اے اجزا موت حاضر نہیں ہے اور موت سے پہلے پر مارنا تمہارے مفید نہیں مطلب یہ کہ جب اصول اپنے فروع کو اپنی طرف کھینچتے ہیں تو وہ فروع چاہتے ہیں کہ جسم انسانی کی رسی کو توڑ کر ایک دفعہ اپنی اصل میں جا ملیں اور اس ارادہ ہی کا نام مرض ہے مگر چونکہ حکمت حق ان کو اس بدن کی قید میں کچھ روز اور رکھنا چاہتی ہے لہذا وہ اس رسی کو صحت کے ذریعہ سے پھر قوت دیتی ہے اور ان اجزاء سے کہتی ہے کہ موت سے پہلے کوئی مرتا نہیں تمہارے پاؤں کی کھولنے والی موت ہی ہے اور اس کا وقت مقرر ہے پھر وقت سے پہلے ہاتھ پیر پیٹنا کیا فائدہ۔ آگے مولانا دوسرے مضمون کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

چونکہ ہر جزوے بجوید ارتفاق	چون بود جان غریب اندر فراق
جبکہ ہر جزو رفاقت چاہتا ہے	تو مسافر جان کا فراق میں کیا حال ہو گا؟

یعنی جبکہ ہر چیز رفاقت کو ڈھونڈتی ہے تو غریب جان فراق میں کس طرح ہوگی۔ مطلب یہ کہ عناصر جو کہ ناسوتی ہیں مگر ان کو اپنے اصول سے کچھ بعد ہو گیا ہے اپنی اصل کی طرف جانے کے لئے کس قدر کوشش کرتے ہیں تو روح جو کہ ملکوتی ہے اس

ناسوت میں آ کر کس درجہ پریشان ہوگی اور وہ اپنی اصل کی طرف کتنا جانا چاہتی ہوگی آگے اسی کو بیان کرتے ہیں۔

روح کا بھی عالم ارواح کی طرف منجذب ہونا

گوید اے اجزائے پست فرشیم	غربت من تلخ ترمن عرشیم
وہ کہتی ہے کہ اے میرے زمینی پست اجزاء	میری مسافرت زیادہ کڑوی ہے میں عرشی ہوں

یعنی (جان) کہتی ہے کہ اے میرے پست اور فرشی اجزاء میری غربت زیادہ تلخ ہے (کیونکہ) میں عرشی ہوں۔ مطلب یہ کہ جب اجزائے بدن اپنی اپنی اصلوں کی طرف جانا چاہتے ہیں تو روح کہتی ہے کہ ارے تم تو ناسوتی ہو تم کو اپنے اصول سے اتنا بعد نہیں ہوا ہے جتنا کہ مجھے اپنی اصل سے ہے کیونکہ میں ملکوتی ہوں اور یہاں ناسوت میں آ کر پھنس گئی ہوں اور ملکوت اور ناسوت میں جو بعد ہے وہ ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں۔

میل تن در سبزہ و آب رواں	زاں بود کہ اصل او آمد ازاں
جسم کا میلان سبزے اور بہتے پانی کی جانب	اسی لئے ہے کہ اس کی اصل وہاں سے آئی ہے

یعنی بدن کی رغبت سبزہ اور آب رواں میں اس لئے ہوتی ہے کہ اس کی اصل اسی سے آئی ہے (سبزہ و آب رواں سے مطلق ناسوت مراد ہے)

میل جان اندر حیات و درحی است	زانکہ جان لامکان اصل ویست
جان کا میلان زندگی اور حی (وقیوم) کی جانب ہے	کیونکہ اس کی اصل لامکانی جان ہے

یعنی روح کی رغبت حیات اور حی میں ہے اس لئے کہ روح لامکانی اس کی اصل ہے مطلب یہ ہے کہ صوفیا اس روح کو جو بدن انسانی میں مقید ہے روح زجاجی کہتے ہیں اور اس کی اصل ایک روح اعظم بتلاتے ہیں جس کا کہ یہ روح انسانی عکس اور پرتو ہے تو مولانا فرماتے ہیں کہ اس روح زجاجی کو ملکوت کی طرف اس لئے رغبت ہے کہ اس کی اصل وہیں ہے اور روح اعظم کا اطلاق بعض اوقات صوفیا ذات حق پر بھی کر دیتے ہیں۔

میل جان در حکمت است و در علوم	میل تن در باغ و راغ ست و کروم
جان کا میلان حکمت اور علوم کی جانب ہے	جسم کا میلان باغ چمن اور انگور کی بیلوں کی جانب ہے

یعنی روح کی رغبت تو حکمت اور علوم میں ہے اور بدن کی رغبت باغ میں اور کھیتی میں اور انگوروں میں ہے۔ حکمت و علوم سے مراد مطلق ملکوت ہے اور باغ و راغ سے مطلب ناسوت)

میل جان اندر ترقی و شرف	میل تن در کسب اسباب علف
جان کا میلانٔ ترقی اور شرافت کی طرف ہے	جسم کا میلان چارے کے اسباب حاصل کرنے کی طرف ہے

یعنی روح کی رغبت تو ترقی اور شرف میں ہوتی ہے اور بدن کی رغبت روزی کمانے کے اسباب میں ہوتی ہے۔

میل و عشق آن شرف ہموئے جان	زین یحب را و یحبون را بدان
شرافت کا میلان اور عشق بھی جان کی جانب ہے	اس کو "وہ محبت کرتا ہے اور وہ محبت کرتے ہیں" سے سمجھ لے

یعنی رغبت اور عشق اس شرف کا بھی جان کی طرف ہے اس سے یحب اور یحبون کو جان لو مطلب یہ کہ قرآن شریف میں حق تعالیٰ مومنوں کے بارہ میں فرماتے ہیں۔ یحبھم و یحبونہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محبت اور کشش اور جذب اور رغبت سب دونوں طرف سے ہوتے ہیں آگے فرماتے ہیں۔

گر بگویم شرح این بیحد شود	مثنوی ہشتاد من کاغذ شود
اگر میں اس کی شرح کروں لامحدود ہو جائے گی	مثنوی اسی سیر کاغذ ہو جائے گی

یعنی اگر اس کی شرح کہوں تو بے حد ہو جاوے گا اور مثنوی اسی من کاغذ ہو جاوے (اسی من سے صرف زیادتی مراد ہے)

حاصل آنکہ ہر کہ او طالب بود	جان مطلوبش بر و راغب بوذ
خلاصہ یہ ہے کہ جو طالب ہوگا	مطلوب کی جان اس کی طرف راغب ہو گی

یعنی حاصل یہ ہے کہ جو کوئی طالب ہوتا ہے اس کے مطلوب کی جان اس پر راغب ہوتی ہے۔

آدمی حیوان نباتے و جماد	ہر مرادے عاشقے ہر بے مراد
آدمی حیوان نباتات اور جماد	ہر معشوق ہر نامراد (عاشق) کا عاشق ہے

یعنی آدمی حیوان گھاس پھونس اور پتھر ہر ایک مطلوب ہر طالب کا عاشق ہے۔ (ہاں فرق یہ ہے)

بے مرادان بر مرادے می تنند	وان مرادان جذب ایشان می کنند
نامراد (عاشق) محبوب کا چکر کاٹتے ہیں	وہ محبوب ان کو کھینچتے ہیں

یعنی عشاق تو مطلوبیت پر تنتے ہیں اور وہ معشوق ان کو جذب کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ عشاق تو اس کی کوشش کرتے ہیں کہ مطلوب مل جاوے اور معشوق صرف کشش کرتے ہیں تو عشاق میں شان طلب زیادہ ہوتی ہے اور معشوقوں میں بے نیازی زیادہ ہوتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے۔

لیک میل عاشقان لاغر کند	میل معشوقان خوش و بافر کند
لیکن عاشقوں کا عشق (ان کو) لاغر کرتا ہے	معشوقوں کا عشق ان کو حسین اور باشوکت بناتا ہے

یعنی لیکن عاشقوں کی رغبت تو (ان کو) لاغر کر دیتی ہے اور معشوقوں کا میلان (ان کو) خوش اور بادبدبہ کر دیتا ہے۔

عشق معشوقان دورخ افروختہ	عشق عاشق جان او را سوختہ
معشوقوں کے عشق نے دونوں رخسارے روشن کر دیے ہیں	عاشق کے عشق نے اس کی جان جلا ڈالی ہے

یعنی معشوقوں کا عشق تو (ان کے) دونوں رخساروں کو چمکائے ہوئے ہوتا ہے اور عاشق کا عشق اس کی جان کو جلائے ہوئے ہوتا ہے۔ (آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں)

کہربا عاشق بشکل بے نیاز	کاہ مے کوشد در آن راہ دراز
کہربا لاپروائی کے ساتھ عاشق ہے	تنکا اس (عشق) میں دراز راستہ طے کرتا ہے

یعنی کہربا عاشق ہے (مگر) بے نیازی کی شکل میں اور تنکا اس راہ دراز میں کوشش کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اصل میں جذب اور کشش تو دیکھو کہربا ہی کی طرف سے ہے اور وہی چاہتا ہے کہ میں تنکے کو اپنے کنار میں لے لوں۔ لیکن خود دوڑ کر تنکے کے پاس نہیں پہنچتا اپنی کشش سے تنکے ہی کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ تو جو شخص تنکے کو کہربا کی طرف جاتے ہوئے دیکھتا ہے اور حقیقت سے ناواقف ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ تنکا ہی کوشش کر کے کہربا کے پاس پہنچا اسی طرح سمجھو کہ اگر کہیں کسی کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت ذرہ بھر بھی پیدا ہوتی ہے تو یہ کشش اصل میں اسی طرف سے ہے اس شخص کو اپنا کمال نہ سمجھنا چاہئے آگے اس عاشق صدر جہان کے قصہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔

این رہا کن عشق آن تشنہ دہان	تافت اندر سینۂ صدر جہان
اس کو چھوڑ اس پیاسے کا عشق	صدر جہاں کے سینے میں چمک اٹھا

یعنی اس کو چھوڑو کہ اس پیاسے کا عشق صدر جہان کے سینہ میں چمک اٹھا ہے مطلب یہ کہ اس بیان کو چھوڑو کیونکہ صدر جہان کے سینہ میں بھی اپنے عاشق کی طلب پیدا ہو گئی ہے تو اب اسی کا قصہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

رود آن عشق و غم آتشکدہ	رفتہ در مخدوم او مشفق شدہ
اس عشق کا دھواں اور بھٹی کا غم	مخدوم کو پہنچا وہ مہربان ہو گیا

یعنی اس عشق کا دھواں اور آتشکدہ کا غم اس کے مخدوم میں گیا تو وہ مشفق ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اس عاشق کے دل میں جو عشق کی آگ لگی ہوئی تھی جس سے کہ وہ آگ کا گھر ہو رہا تھا اس کا اثر صدر جہان کے دل میں بھی گیا جس سے کہ اس کو دوبارہ توجہ ہوئی۔

لیک از ناموس و بوش و آبرو	شرم می آید کہ وا جوید ازو
لیکن عزت اور فخر اور آبرو کی وجہ سے	اس کو شرم آئی تھی کہ وہ اس کی جستجو کرے

یعنی شرم اور عزت اور آبرو کی وجہ سے اس کو شرم آتی تھی کہ اس (عاشق) کو تلاش کرے۔

رحمتش مشتاق آن مسکین شدہ	سلطنت زین لطف مانع آمدہ
اس کی رحمت اس مسکین کی مشتاق ہو گئی	سلطنت اس مہربانی سے مانع بنی

رحمت اس کی تو اس مسکین کی مشتاق ہو رہی تھی اور سلطنت اس لطف سے مانع آ رہی تھی مطلب یہ کہ صدر

جہان اگر اپنے قلب کی حالت کی طرف نظر کرتا تھا جو کہ اب اس عاشق کی محبت سے پر تھا تو اس کا مشتاق ہو جاتا تھا اور چاہتا تھا کہ اس کو کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ کر اپنے سامنے لا کھڑا کرے لیکن سلطنت کا دبدبہ اور رعب اس کو مانع آتا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ ایک غلام کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے۔

عقل حیران کاین عجب او را کشید	یا کشش زانسو بدین جانب رسید
عقل حیران ہے تعجب ہے کہ یہ اس کو کھینچ رہا ہے	یا کشش اس جانب سے اس جانب پہنچی ہے

یعنی عقل حیران تھی کہ یہ عجب ہے کہ یہ اس کو کھینچ رہا ہے یا کشش اس جانب سے اس طرف پہنچ رہی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ کشش دونوں طرف سے ہو رہی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور کشش دونوں طرف سے کامل تھی تو اس کا پتہ نہ چلتا تھا کہ اصل کشش کس طرف سے ہے آگے مولانا عقل کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

ترک جلدی کن کزین ناواقفی	لب بہ بند اللہ اعلم بالخفی
بہادری چھوڑ کیونکہ تو اس سے ناواقف ہے	ہونٹ بند کر لے اور اللہ راز کو زیادہ جانتا ہے۔

یعنی جلدی کو چھوڑ کیونکہ تو اس سے ناواقف ہے لب بند کر لے اللہ پوشیدہ بات کو زیادہ جاننے والا ہے۔
مطلب یہ کہ عقل کو فرماتے ہیں کہ تو اس کے معلوم کرنے میں کشش کس طرف سے ہے جلدی مت کر کیونکہ تو اس سے ناواقف ہے تجھے اس کا پتہ چلنا مشکل ہے آگے مولانا فرماتے ہیں۔

لب بہ بندم ہر دمے زینسان سخن	توبہ آرم ہر زمان صد بار من
میں اس طرح کی باتوں سے ہر وقت ہونٹ بند کرتا ہوں	ہر وقت سو بار توبہ کرتا ہوں

یعنی ہر دم ایسی باتوں سے لب کو بند کر لیتا ہوں اور ہر گھڑی سو دفعہ توبہ کرتا ہوں (اس بات کی کہ)

کاین سخن را بعد ازین مدفون کنم	آن کشندہ می کشد من چون کنم
کہ اس بات کو میں اس کے بعد دفن کردوں گا	وہ کھینچنے والا کھینچتا ہے میں کیا کروں؟

یعنی کہ اس بات کو اس کے بعد دفن کردوں گا (مگر) وہ کھینچنے والا کھینچتا ہے میں کیا کروں مطلب یہ کہ میں نے تو بارہا قصد کیا کہ اس قسم کی باتیں جیسا کہ اوپر ذکر آیا ہے بیان نہ کیا کروں مگر قضا و قدر کی وجہ سے تقاضا ایسا ہوتا ہے کہ مجھے مجبور ہو کر بیان کرنا پڑتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔

کیست آن کت می کشد اے معتنی	آنکہ می نگزاردت کہ دم زنی
اے ذخیرہ اندوز! وہ کون ہے جو تجھے کھینچتا ہے؟	وہ وہ ہے جو تجھے نہیں چھوڑتا کہ تو دم مارے

یعنی (کوئی پوچھتا ہے) کہ اے ذخیرہ کرنے والے وہ کون ہے کہ تجھے کھینچ رہا ہے (مولانا جواب دیتے ہیں) وہ شخص ہے جو کہ تجھے نہیں چھوڑتا کہ دم مارے۔ مطلب یہ کہ کوئی پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے کہ تمہیں بیان

کرنے پر مجبور کرتا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ وہ وہ ذات ہے کہ جو تمہیں بولنے نہیں دیتا اور اس کی یہ شان ہے کہ۔

صد عزیمت می کنی بہر سفر	می کشاند مرترا جائے دگر
تو سفر کے لئے سو پختہ ارادے کرتا ہے	وہ تجھے دوسری جگہ کھینچ لے جاتا ہے

یعنی تم سفر کے لئے سینکڑوں ارادے کرتے ہو (مگر) وہ تم کو دوسری جگہ کھینچ لے جاتا ہے۔ آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔

زان بگرداند بہر سو آن لگام	تا خبریابد ز فارس اسپ خام
وہ لگام کو ہر جانب اس لئے موڑ دیتا ہے	تاکہ ناتجربہ کار گھوڑا سوار کو جان جائے

یعنی وہ ہر طرف کو لگام اس لئے پھراتا ہے تاکہ نوآموز گھوڑا سوار کی خبر پالے مطلب یہ کہ جب نوآموز گھوڑے پر کوئی شہسوار سواری کرتا ہے تو اس کے لگام کو کبھی اس طرف کرتا ہے اور کبھی اس طرف کرتا ہے تاکہ وہ شرارت نہ کرے اور جان لے کہ کوئی شہسوار اوپر بیٹھا ہوا ہے۔ بس اسی واسطے حق تعالیٰ ہمارے ارادوں کو بدل اور توڑ دیتے ہیں تاکہ ہم سمجھ لیں کہ ہمارے اوپر کوئی زبردست اور قوی ہاتھ ہے کہ جو ہم سے بہت زیادہ بااختیار ہے۔

اسپ زیرک سار زان نیکو پیست	کو ہمی داند کہ فارس بر ویست
سمجھدار گھوڑا اس لئے عمدہ رفتار پر ہے	کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس پر سوار (موجود) ہے

ہوشیار گھوڑا اس لئے نیک قدر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس پر سوار ہے مطلب یہ کہ جن لوگوں کو معلوم ہے کہ ان کے اوپر زبردست ہاتھ بھی ہے تو اگر ان کے ارادے وغیرہ ٹوٹ بھی جاتے ہیں تب بھی ان کو رنج نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ ارادوں کا توڑ دینا اس بااختیار اور باحکمت ہاتھ کا کام ہے کہ جو علام الغیوب ہے۔

او دلت را برد و صد سودا بہ بست	بے مرادت کرد پس دل راشکست
اس نے تیرے دل کو دو سو خیالات سے وابستہ کر دیا	تجھے نامراد کیا اور پھر دل کو توڑ دیا

یعنی اس نے تمہارے دل کو سینکڑوں خیالوں پر باندھ دیا اور پھر تم کو بے مراد کر کے دل توڑ دیا۔

چون شکست او بال آن رائے نخست	چون نشد ہستی بال اشکن درست
جب اس نے پہلی رائے کا بازو توڑ دیا	تو بازو توڑنے والے کی ذات کیسے ثابت نہ ہوئی؟

یعنی جب اس نے اس پہلی رائے کے بازو کو توڑ دیا تو اس بازو توڑنے والے کی ہستی کیوں ثابت نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب اس نے تمہاری رائے کو بدل دیا اور تمہارے ارادہ کو توڑ دیا تو اسی سے اس کی ہستی کا ثبوت ہوگیا۔

چون قضایش حبل تدبیرت شکست	چون نشد بر تو قضائے او درست
جب اس کے فیصلے نے تیری تدبیر کی رسی توڑ دی	تو اس کا فیصلہ تیرے لئے کیسے ثابت نہ ہوا؟

یعنی جب اس کی قضا نے تمہاری تدبیر کی رسی کو توڑ دیا تو اس کی قضا تم پر کیونکر ثابت نہ ہوئی مطلب یہ کہ جب اس نے اپنی قضا سے تمہاری تدبیر توڑ دی تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اس کی قضا تم پر جاری ہے آگے اسی مضمون کو فرماتے ہیں۔

قصدوں اور ارادوں کا توڑنا آدمی کو اس بات کی خبر کرنے کے واسطے ہے کہ مالک اور قاہر خدائے تعالیٰ ہی ہے اور کبھی کبھی انسان کے ارادہ کو فسخ نہ کرنا اس لئے ہے تا کہ اس کی طبیعت ارادہ کرنے کی خوگر رہے اور پھر اس کو تنبیہ ہوتی رہے

عزمہا و قصدہا در ماجرا	گاہ گاہے راست می آید ترا
معاملے میں ارادے اور قصد	کبھی کبھی تیرے لئے ٹھیک ہوتے ہیں

ارادے اور قصد عالم میں کبھی کبھی تمہارے لئے ٹھیک ہو جاتے ہیں مطلب یہ کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم جو قصد کرتے ہو وہی ہو جاتا ہے۔

تا بہ طمع آن دلت نیت کند	بار دیگر نیتت را بشکند
تاکہ اس کے لالچ میں تیرا دل ارادہ کرے	دوبارہ وہ تیرے ارادے کو توڑ دیتا ہے

یعنی تا کہ اس کے لالچ میں تمہارا دل ارادہ کرے تو دوسری مرتبہ حق تعالیٰ تمہارے ارادہ کو توڑ دے۔

ور بکلی بے مرادت داشتے	دل شدے نومید امل کے کاشتے
اگر وہ تجھے بالکلیہ نامراد رکھتا	دل ناامید ہو جاتا امید کا بیج کب بوتا؟

یعنی اور اگر بالکل تم کو بے مراد رکھتے تو دل ناامید ہو جاتا وہ امید کب بوتا۔

ورنہ کاریدے امل از عوریش	کے شدے پیدا برو مقہوریش
اگر وہ اپنے اندھے پنے سے امید (کا بیج) نہ بوتا	تو اس پر اپنا عاجز ہونا کب ظاہر ہوتا؟

یعنی اور اگر اپنی کم نگاہی کی وجہ سے (جو امید کیا کرتا تھا اس) امید (کو) نہ کرتا تو اس پر اپنی مقہوری کب ظاہر ہوتی۔ مطلب یہ کہ جب انسان کوئی ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتے ہیں جس سے دل اس کا بڑھتا ہے اور وہ دوبارہ پھر قصد کرتا ہے اور دوسری مرتبہ میں اس کے قصد کو توڑ دیتے ہیں تا کہ اس کو حق تعالیٰ کی عظمت اور قوت کا مشاہدہ ہو جاوے اور یہ بھی ممکن تھا کہ کوئی قصد بھی پورا نہ ہوا کرتا جس سے کہ حق تعالیٰ کی قوت کا پوری طرح مشاہدہ ہو جاتا مگر اس

کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ مایوس ہو کر قصد کرنا ہی چھوڑ دیتا تو اس عظمت اور جبروت کا اظہار نہ رہتا آگے فرماتے ہیں۔

عاقلان از بے مرادیہائے خویش	باخبر گشتند از مولائے خویش
سمجھدار لوگ اپنی نامرادی کی وجہ سے	اپنے مولا سے باخبر ہوئے ہیں

یعنی عاقل لوگ اپنی بے مرادیوں کی وجہ سے اپنے مولا سے باخبر ہو گئے۔ مطلب یہ کہ جو لوگ عاقل تھے جب انہوں نے اپنی بے مرادیاں دیکھیں تو اس سے حق تعالیٰ کی عظمت کی معرفت ان کو حاصل ہوئی جیسا کہ حدیث میں ہے عرفت ربی بفسخ العزائم.

بے مرادی شد قلاؤز بہشت	حفت الجنۃ شنو ای خوش سرشت
نامرادی، بہشت کا پیشرو بنی ہے	اے خوش مزاج! "جنت کو گھیرا گیا ہے" سن لے

یعنی ناکامی بہشت کی رہبر ہو گئی اے نیک ذات حفت الجنۃ کو سن مطلب یہ ہے کہ دیکھو حدیث میں ہے کہ حفت الجنۃ بالمکارہ (گھیر دی گئی ہے جنت تکلیفوں سے) تو قصد کرنے کے بعد ناکامی ہونے سے زیادہ اور کیا مکروہ بات ہو گی جو اس پر راضی رہا وہ ان شاء اللہ ضرور جنت میں جاوے گا اس سے ناکامی کا رہبر جنت ہونا صاف ظاہر ہے۔

چون مرادات ہمہ اشکستہ پاست	پس کسے باشد کہ کام او رواست
جبکہ سب (انسانوں) کے مقاصد شکستہ پا ہیں	تو کوئی تو ہو گا جس کا مقصود پورا ہوتا ہو گا

یعنی جبکہ سب کی مرادیں شکستہ پا ہیں پس کوئی تو ہو گا کہ جس کا کام جاری ہے مطلب یہ کہ جب سب لوگوں کی امیدیں اور ارادے تو ایسے ہیں کہ اکثر ٹوٹ جاتے ہیں تو کوئی ذات یقیناً ایسی بھی ہے کہ جو ان ارادوں کو توڑنے والی ہے اور اس کے کل ارادے پورے ہوتے ہیں۔

پس شدند اشکستہ پاش این صادقان	لیک کو خود آن شکست عاشقان
پس یہ سچے انسان اس کی وجہ سے شکستہ پا ہوئے ہیں	لیکن عاشقوں کی (سی) شکستگی کہاں ہے؟

یعنی اس لئے یہ صادق لوگ حق تعالیٰ کے شکستہ پا ہیں لیکن وہ عاشقوں کی شکست کہاں ہے (اس لئے کہ)

عاقلان اشکستہ اش از اضطرا	عاشقان اشکستہ باصد اختیار
اہل عقل، مجبوری سے اس کے شکستہ (پا) ہیں	عاشق سو اختیاروں کے باوجود شکستہ (پا) ہیں

یعنی عاقل لوگ تو اس کے شکستہ مجبوری سے ہیں اور عاشق لوگ سو اختیار کے ساتھ شکستہ ہیں مطلب یہ ہے کہ عقلاء تو اپنے ارادوں میں بوجہ مجبوری کے ناکام اور شکستہ پا ہوتے ہیں اور قصد کرتے ہیں اور توڑ دیا جاتا ہے اور جو عشاق ہیں انہوں نے جب دیکھا کہ ہمارے ارادے بالکل دوسرے کے ہاتھ میں ہیں تو وہ اپنے اختیار سے بھی اسی کے سپرد ہو گئے اور اپنے ارادوں کو اسی کے سپرد کر دیا تو عقلاء اور عشاق دونوں شکستہ پا اور نامراد اور ناکام ہوئے مگر دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

عاقلانش بندگان بندی اند	عاشقانش شکری و قندی اند
عقلمند اس کے قیدی غلام ہیں	اس کے عاشق شکر اور قند کھانے والے ہیں

یعنی عاقل لوگ اس کے قید کردہ غلام ہیں اور عاشق ان کے (غلام) شکری اور قندی ہیں۔

ائتیا کرہاً مہار عاقلان	ائتیا طوعاً مہار بیدلان
"تم دونوں جبرا آؤ" اہل عقل کی مہار ہے	عاشقوں کی مہار "تم دونوں خوشی سے آؤ" ہے

ائتیا کرہاً (یعنی آؤ تم مجبوراً) مہار عاقلوں کی ہے اور ائتیا طوعاً (یعنی آؤ خوشی سے) مہار عاشقوں کی مطلب یہ ہے کہ جو عقلاء ہیں اور کارخانہ حق میں اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں ان کی بھی عقل کچھ نہیں چلتی اور وہی ہوتا ہے جو حق تعالیٰ چاہتے ہیں مگر وہ اس کو مجبوراً مانتے ہیں اور جو عشاق ہیں وہ جب اپنے ارادہ کے خلاف ارادہ حق دیکھتے ہیں تو وہ راضی برضا ہو جاتے ہیں اور جیسا کہ پہلے اپنے ارادہ پر خوش تھے اسی طرح اب ارادہ حق پر راضی اور خوش ہوتے ہیں آگے ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کفار کو قید میں دیکھا جن کو مسلمان کشاں کشاں لا رہے تھے ان میں بعض وہ تھے کہ جو مسلمان ہونے والے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے کہ جو جنت کی طرف زنجیروں اور طوقوں میں باندھ کر لائے جاتے ہیں تو دیکھئے کہ وہ جنت کی طرف آنے پر راضی نہ تھے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ہاں تو اس بخاری نے بھی اپنے کو اس مہمان کی طرح شمع سے ٹکرایا تھا اور عشق کی بدولت اس کی بھی تمام تکلیفیں آسان ہو گئی تھیں اس کی آہ سوزاں آسمان پر جاتی تھی بالآخر صدر جہاں کے دل میں محبت پیدا ہو گئی اور اس نے اپنے دل میں ایک صبح کو کہا کہ اے اللہ ہمارے اس آوارہ کا حال نہیں معلوم کیا ہے۔ اس نے قصور کیا تھا اور ہم نے دیکھ لیا تھا جس سے وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا مگر وہ ہمارے رحم کو اچھی طرح نہ جانتا تھا گو مجرم کا دل ہم سے ڈرتا ہے مگر واقع میں اس کے ڈر میں سینکڑوں امیدیں مخفی ہوتی ہیں گو اس کو ان کا احساس نہ ہو میں اس کو ڈراتا ہوں جو دیدہ دلیر اور لغو آدمی ہو۔ اور جو خود ڈرے میں اسے کیا ڈراتا۔ آگ سرد ہانڈی کے لئے ہوتی ہے اور اس کے لے نہیں ہوتی جس کا ابال سر سے تجاوز کر رہا ہے جو نڈر ہوں میں ان کو غضب سے ڈراتا ہوں اور جو ڈرتے ہوں ان کے خوف کو حلم سے دور کرتا ہوں میں تو پیوند لگانے والا ہوں لہذا جہاں جیسے پیوند کی ضرورت ہوتی ہے ویسا ہی لگاتا ہوں اور جہاں نہیں ہوتی وہاں نہیں لگاتا۔ اور میں ایک طبیب ہوں کہ ہر ایک کو اس کے مرض کے موافق شربت دیتا ہوں آدمی کا باطن درخت کی جڑ سے مشابہ ہے اور اس جڑ سے مختلف قسم کے پتے نکلتے ہیں اور پتے جڑ کے موافق ہوتے ہیں خواہ بیخ درخت ہو یا بیخ نفس یا بیخ عقل سو وفا کا ایک ایسا درخت ہے جس کے پھل آسمان پر ہیں لہذا اس کو یوں کہنا چاہئے کہ

اس کی جڑ تو زمین میں ہے اور شاخ آسمان میں یعنی درخت وفا ایک عظیم الشان درخت ہے جس کے پھل ونتائج نہایت اعلیٰ ہیں اور جبکہ عشق کا پھل آسمان میں پیدا ہوتا ہے تو صدر جہان کے دل میں کیوں نہ پیدا ہوگا لہذا اس کے دل میں عفو گناہ موجزن تھا کیونکہ دل کو دل سے راہ ہے اور ان میں آپس میں اتصال ہے اور وہ دو جسموں کی طرح ایک دوسرے سے دور اور جدا نہیں ہوتے۔ پس جبکہ وہ اس کا جان نثار تھا تو یہ اس کا دشمن جان کیونکر ہوسکتا تھا اتصال قلوب اور انفصال اجسام کو یوں سمجھو جیسے دو چراغ آپس میں نہیں ملتے۔ مگر ان کا نور ممزوج ہوتا ہے۔ یہاں تک ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ صدر جہاں کی محبت کا منشاء غلام کی محبت تھی مگر یہ گفتگو بنا بر ظاہر تھی۔ اب ہم نظر کو اور دقیق کر کے کہتے ہیں کہ اس عاشق کی محبت خود صدر جہان کی محبت کا نتیجہ تھی کیونکہ کوئی عاشق اس وقت تک طالب وصال نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا معشوق اس کا طالب نہ ہو مگر دونوں کے آثار میں فرق ہوتا ہے عشق عاشق تو جسم کو کمال بنا دیتا ہے اور عشق محبوبان ان کے جسم کو موٹا تازہ کرتا ہے اس تفاوت اثر سے شبہ ہو جاتا ہے کہ معشوق کو محبت نہیں ہوتی پس جب کسی کے دل میں کسی کی محبت پیدا ہو تو یقین کر لینا چاہئے کہ اس کے دل میں بھی اس کی محبت ہے۔ جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو اس سے تم کو سلوک کا ایک نفیس مسئلہ بھی معلوم ہو گیا وہ یہ کہ جب تمہارے دل میں خدا کی محبت بڑھے تو تم کو یقین ہونا چاہئے کہ خدا کو بھی تم سے محبت ہے۔ موٹی بات ہے کہ ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی۔ پس جبکہ اس کو محبت ہے تو لازم ہے کہ اس کو بھی ہو پس اگر پیاسا پانی کے لئے روتا ہے تو پانی بھی روتا ہے اور کہتا ہے کہ پانی پینے والا کہاں ہے یہ جو ہمارے اندر پیاس ہے یہ پانی ہی کا جذب ہے پس ہم پانی کے ہیں اور پانی ہمارا۔ اللہ جل جلالہٗ نے اپنی حکمت سے جو کہ قضا وقدر میں ہے ہم کو ایک دوسرے کا عاشق کر دیا ہے اور تمام اجزاء عالم اس حکم ازلی کی بنا پر جوڑا جوڑا اور اپنے جوڑے کے عاشق ہو گئے ہیں عالم میں ہر جز و یقیناً ان ہی جوڑے کا طالب ہے۔ جیسے کہربا اور برگ کاہ اسی بناء پر آسمان زمین کی آؤ بھگت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری اور تیری ایسی ہی مثال ہے جیسے مقناطیس اور لوہا ان میں بحکم عقل آسمان مرد ہے اور زمین عورت کیونکہ جو وہ ڈالتا ہے یہ اس کی پرورش کرتی ہے اور جبکہ گرمی نہیں رہتی تو وہ بھیجتا ہے اور جب تری و نمی نہیں رہتی تو وہ تری عطا کرتا ہے برج خاکی خاک کی مدد کرتا ہے برج آبی اس کو تری عطا کرتا ہے۔ برج بادی اس کے پاس ابر کو کھینچ کر لاتا ہے اور پانی برساتا ہے تاکہ بخارات ردیہ نکل جائیں رہا برج آتشی سو آفتاب کی گرمی اسی کے سبب ہے اور آفتاب کی رو دو پشت اس کی گرمی سے توے کی طرح سرخ ہے تو آفتاب سے جو حرارت زمین کو حاصل ہوتی ہے وہ برج آتشی ہی کی ہے۔ اس لئے برج آتشی سے اس کو حرارت پہنچتی ہے خلاصہ یہ کہ فلک زمین کے لئے یوں ہی سرگرداں ہے جیسے مرد عورت کے لئے کماتا ہے اور یہ زمین اس کے لئے بیگم کا کام دیتی ہے کہ اس کے لئے بچے جنتی اور اس کے بچوں کو دودھ پلاتی ہے اسی سے تم سمجھ لو کہ آسمان وزمین بھی حس رکھتے ہیں کیونکہ ذوی العقول کے سے کام ان سے صادر ہوتے ہیں اور جو کہ دلیل ہیں ان کے حساس ہونے کی اگر یہ دونوں دلبر ایک دوسرے سے مستفیض نہیں ہوتے تو میاں بیوی کی طرح ایک دوسرے میں کیوں گھسے ہوئے ہیں اور خاوند بیوی کے سے تعلقات ان میں کیوں ہیں دیکھ لو بلا زمین کے گل دار غوان پیدا نہیں ہوتے اور صرف آسمان کی آب وتاب سے

بدوں زمین کے کوئی نتیجہ نہیں پیدا ہوتا تو معلوم ہوا کہ آسمان زمین سے یوں ہی مستفیض ہے جیسے کہ زمین آسمان سے اور ان میں تعلقات زن وشوئی ہیں۔ آسمان خاوند ہے اور زمین بیوی اور ان نر و مادہ میں ایک کو دوسری کی طرف اس لئے رغبت ہے کہ ہر ایک کے کام کی دوسرے سے تکمیل ہو۔ اس لئے حق سبحانہ نے عورت و مرد کے اندر بھی ایک دوسرے کی طرف رغبت رکھی ہے تاکہ ان کے اتحاد سے عالم وقت معلوم تک باقی رہے۔ پس اسی لئے اور اجزاء عالم میں بھی دوسرے اجزاء کی طرف میلان رکھا ہے کہ ان کے اتحاد سے نتائج پیدا ہوں یوں ہی رات بھی دن کے گلے لپٹی ہوئی ہے گو صورت میں مختلف ہیں کہ ایک آتی ہے تو دوسرا جاتا ہے اور وہ آتا ہے تو یہ جاتی ہے مگر معنےً ان میں اتحاد و اتفاق ہے اور گو ہر دو بظاہر ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ مگر حقیقت میں ایک کو دوسرے سے تعلق ہے اور اپنے کام کی تکمیل کے لئے ہر ایک دوسرے کو یوں ہی چاہتا ہے جیسے اپنے کو چاہتے ہیں کیونکہ دن کا کام ہے صرف کرنا اور صرف بدوں آمدنی کے نہیں ہوسکتا۔ اس لئے آمدنی کے لئے رات کی ضرورت ہے زمین و آسمان عورت و مرد لیل ونہار کا ازدواج تو معلوم ہو گیا جس سے اشیاء متخالف میں ازدواج ثابت ہوا اب اشیاء متجانسہ کا ارتباط سنو۔ مٹی خاک جسم کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور کہتی ہے کہ میرے پاس چلی آ اور جان کو چھوڑ دے کیونکہ تو اس کی ہمجنس نہیں ہے بلکہ ہماری جنس ہے اس لئے ہمارے ہی پاس رہنا تیرے لئے بہتر ہے اس لئے بہتر ہے کہ تو جسم سے الگ ہو کر ہمارے پاس آ جاوہ جواب دیتی ہے کہ یہ آپ بجا فرماتی ہیں مگر میں مقید ہوں گو میں بھی صدمہ فراق سے نڈھال ہوں مگر مجبور ہوں کچھ بن نہیں پڑتی۔ پانی جسم کی تری کے طالب ہیں اور کہتے ہیں کہ اے تری تو اپنے اصلی وطن میں چلی آ اور مسافرت کو چھوڑ دے کرہ نار جسم کی گرمی کو اپنی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو از جنس نار ہے اپنی اصل کی طرف آ۔ پس یہ جو کثرت امراض جسم میں واقع ہوتے ہیں اس کی وجہ وہی عناصر کی معنوی کشش ہے۔ جس میں اس کو دخل نہیں اور مرض اسی لئے آتا ہے تاکہ بدن کے اجاء کو متفرق کر دے اور عناصر کو اپنی اپنی اصل کی طرف چلتا کر دے۔ پس یہ عناصر ایسے ہیں جیسے چار جانور جن کے پاؤں باندھ دیئے گئے ہوں اور امراض ان کے پاؤں کھولنے والے۔ جبکہ کوئی مرض ان کے پاؤں کھول دیتا ہے تو مرغ ہر عنصر اپنے آشیانہ و حیز کی طرف اڑ جاتا ہے پس ان اصول و فروع میں جو باہم تجاذب فطری ہے یہی تجاذب ہر وقت ہمارے اندر ایک نیا مرض پیدا کرتا ہے اور مقصد اس کا یہ ہوتا ہے کہ ان ترکیبوں کو جدا کر دے اور مرغ ہر جزو عنصری اپنی اصل کی طرف اڑ جاوے لیکن حکمت خداوندی ان کو جلدی سے روک دیتی ہے اور ان کو ایک وقت معین تک صحت کے ذریعہ سے مجتمع رکھتی ہے وہ کہتا ہے کہ اے اجزاء ابھی وقت نہیں آیا۔ اور وقت سے پہلے پھڑ پھڑانا اور چھوٹنے کی کوشش کرنا بیکار ہے۔ جبکہ تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہر جزو عنصری اپنی اصل کی مفارقت چاہتا ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ اشیاء متناسبہ و متجانسہ میں بھی ارتباط ہے اور اس سے تم یہ بھی اندازہ کر سکتے ہو کہ جب اجزاء غیر حساسہ بظاہر کی فراق میں یہ حالت ہے تو جان جو ظاہراً و حقیقت ہر دو طرح حساس ہے مفارقت میں اس کی کیا حالت ہوگی اور وہ اپنی اصل کی طرف لوٹنے کی کس قدر شائق ہوگی وہ کہتی ہے اے میرے اجزاء ناسوتیہ سفلیہ نہیں عرشی ہوں اور مجھے یہ غربت نہایت ناگوار ہے دیکھو جسم سبزہ و آب رواں کی طرف اس لئے مائل ہے کہ وہ اس کی اصل ہے تو چونکہ

لامکان وعالم غیب روح کی اصل ہے لہذا اس کو اس کی طرف میل ہوگا جو کہ عالم حیات بلکہ خود حی ہے نیز چونکہ جان خود حی ہے اس لئے اس کو صفات احیاء یعنی حکمت وعلوم کی طرف میل ہے اور جسم چونکہ خود بے جان ہے اس لئے اس کو اشیاء مردہ مثل باغ جنگل انگور وغیرہ کی طرف میلان ہے نیز چونکہ روح علوی الاصل ہے اس لئے اس کا میلان ترقی و شرف کی طرف ہے اور تن چونکہ سفلی الاصل ہے اس لئے اس کا میلان کھانے پینے کی طرف ہے اور جس طرح روح کو شرف کی طرف میلان ہے یوں ہی شرف کو روح کی طرف اسی۔ بہ تم تجہم وتخبونہ کی حقیقت سمجھ سکتے ہو اگر میں اس مضمون تجاذب وازدواج کی تفصیل کروں تو کلام بہت دراز ہو جائے گا اور مثنوی کا وزن اسی من کاغذ ہو جاوے گا۔

خلاصہ یہ کہ جو طالب ہوتا ہے تو اس کے مطلوب کا دل بھی اس کا خواہاں ہوتا ہے خواہ آدمی ہو خواہ جانور۔ نبات ہو یا جماد غرض کہ ہر مطلوب اپنے طالب کا عاشق ہے عاشق اپنے معشوقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور معشوق ان کو اپنی طرف کھینچتے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ عاشقوں کا میلان تو ان کو دبلا کرتا ہے اور معشوقوں کا میلان ان کو شاندار بناتا ہے۔ معشوقوں کا عشق ان کے گالوں کو فروغ حسن سے چمکاتا ہے اور عاشق کا عشق اس کی جان کو جلاتا ہے۔ کہربا یعنی عاشق ہے مگر صورۃً بے نیاز ہے اور گھاس بھی عاشق ہے مگر وہ راہ دراز کو قطع کر کے اپنے معشوق تک پہنچنا چاہتا ہے اچھا اس بحث کو چھوڑ و اصل مطلب یہ ہے کہ اس طالب صادق کا عشق صدر جہاں کے سینہ میں چمکا اور اس عشق کے دھوئیں اور اس آتش کدہ کے غم نے آقا کے دل میں سرایت کی اور وہ بھی مہربان ہوگیا مگر عزوشان وآبرو کے سبب سے اس کو شرم آتی تھی کہ اس کو ڈھونڈے اس کا رحم تو اس مسکین کا مشتاق تھا۔ مگر حکومت اس عنایت سے مانع ہوئی۔ عقل حیران اور متعجب ہے کہ اس عاشق نے اس کو کھینچا یا ادھر سے کشش ہوئی اور اس نے اسے کھینچا (اور محشین نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ عقل حیران ہے کہ صدر جہان نے خود بخود اس کو کھینچا ہے یا عاشق کی کشش صدر جہان تک پہنچی اس کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوئی اور اس کشش کے ذریعہ سے اس نے اس عاشق کو کھینچا واللہ اعلم) اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے عقل اس راز کے معلوم کرنے میں جلدی نہ کر کیونکہ تو ابھی اس قابل نہیں ہے۔ اور خاموش رہ اور اس کے علم کو خدا کے حوالہ کر دے اور کہدے کہ خدا ہی مخفیات اسرار کو خوب جانتا ہے میں ہر وقت ایسی باریک باتوں کے اظہار سے خاموش رہنا چاہتا ہوں اور ہر وقت سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں کہ اب ایسی باتوں کو دفن کر دوں گا۔ مگر کھینچنے والا کھینچتا ہے میں کیا کروں تم جانتے ہو کہ وہ کھینچنے والا کون ہے وہ وہی ہے جو تم کو کھینچتا ہے اور دم نہیں مارنے دیتا۔ اچھا اب سمجھو کہ تم سفر دینی یا دنیوی کے لئے سو بار پختہ ارادہ کرتے ہو مگر وہ تم کو دوسری طرف کھینچ لے جاتا ہے اس میں کیا راز ہے اس ہر طرف باگ موڑنے میں راز یہ ہے کہ ناواقف گھوڑا اپنے سوار سے واقف ہو جاوے۔ جو عقلمند گھوڑے ہیں وہ ٹھیک اس لئے چلتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ شہسوار ہماری پیٹھ پر سوار ہے پس ایسا کرنے سے تم بھی ہوشیار ہو جاؤ گے۔ لہذا اولاً اس نے تمہارے دل کو سینکڑوں خیالات میں اٹکا دیا۔ پھر تم کو ناکام کر کے تمہارا دل توڑا تا کہ اس سے اس حاکم کا وجود اور متصرف فی الامور ہونا ثابت ہو جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کیونکہ جبکہ اس نے تمہارے ارادہ کا بازو توڑ دیا تو اس سے اس بازو شکن کا وجود کیوں نہ ثابت ہوا ضرور ثابت ہوا اور جبکہ قضا نے تمہاری تدبیر کی رسی کو منقطع کر دیا تو تم پر

اس کی قضا کا تسلط کیوں نہ ثابت ہوا ضرور ہوا پس یہ راز تھا تمہارے فسخ عزائم کا کہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ ہم خود مختار نہیں بلکہ محکوم ہیں کسی حاکم بالا دست کے اور اس ذریعہ سے تم نیک کردار بن جاؤ جب فسخ عزائم کی حکمت معلوم ہو گئی تو ان کی تنفیذ کا راز سمجھو کبھی کبھی تمہارے عزم اس لئے ٹھیک ہوتے ہیں تا کہ اس سے تمہارے دل میں لالچ پیدا ہو اور تم اپنے کو فی الجملہ مختار سمجھ کر نیت اعمال کرو اور پھر وہ تمہاری نیت کو توڑ دیتا ہے تا کہ تم کو اپنے ارادوں کے پورے ہوتے رہنے سے اس پہلے علم سے ذہول نہ ہو جاوے اور تم اپنے کو خود مختار نہ سمجھ بیٹھو۔ اگر تم کو بالکل ناکام رکھتا تو تمہارا دل بالکل ناامید ہو جاتا اور کوئی آرزو بھی نہ پیدا ہوتی اور اگر وہ اجل کے خلو عن الفائدہ کے سبب تخم امل کو بوتا ہی نہیں تو اس پر اس کی مغلوبیت کیسے ثابت ہوتی کیونکہ مغلوبیت تو فرع اس کی ہے کہ موجود ہو اور کام نہ کر سکے اگر اس کا وجود ہی نہ ہوتا تو مغلوبیت کیونکر ہوئی۔ پس عقلاء اپنی بے مرادیوں اور پیہم ناکامیوں کے سبب خدا سے واقف ہو گئے اور ان کے لئے ناکامی رہبر بسوئے جنت ہو گئی چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ حفت الجنۃ بالمکروہات۔ اور ناکامی بھی منجملہ مکروہات ہے لہٰذا وہ بھی فی الجملہ جنت میں پہنچانے والی ہے۔ ناکامی سے خدا کی واقفیت کا راز یہ ہے کہ جب سب کی مرادیں شکستہ پائیں تو اس سے ان کو معلوم ہوا کہ کوئی ایسا بھی ضرور ہے جس کے حسب منشاء کام ہوتا ہے اور وہ خدائے عزوجل ہے۔ لہٰذا وہ خدا کے قائل ہوئے اور جبکہ خدا کے قائل ہوئے تو بفتوائے عقل ان کو اس کی اطاعت لازم ہوئی اور اس بناء پر انہوں نے اس کی اطاعت کی۔ لہٰذا جنت میں پہنچے یہ سب کچھ ہے مگر یہ شکست عاشقوں کی شکست سے جداگانہ ہے عقلاء نے اضطراراً شکست مانی ہے اور عاشقوں نے باختیار یعنی بخوشی شکست کھائی ہے اور اپنے کو اس کا مطیع کر دیا ہے۔ لہٰذا عقلاء تو اس کے قید کئے ہوئے غلام ہیں اور عشاق شکر و قند کھلائے ہوئے۔ عقلاء کو تو انتیا کرہا۔ طاعت پر مجبور کرتا ہے اور عشاق کو ائتیا طوعاً اس طرف کھینچتا ہے۔

شرح شبیری

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں کو دیکھ کر مسکرانا اور یہ فرمانا کہ مجھے اس قوم پر تعجب ہے کہ جو جنت کی طرف زنجیروں کے ذریعہ سے کھینچے جاتے ہیں

دید پیغمبر یکے جوق اسیر	کہ ہمی بردند ایشان در نفیر
پیغمبرؐ نے قیدیوں کی ایک جماعت دیکھی	کہ وہ ان کو لئے جا رہے ہیں اور وہ رو رہے ہیں

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدیوں کی جماعت کو دیکھا کہ (لوگ) ان کو لے جا رہے ہیں اور وہ چلا رہے ہیں۔

دید شان در بند آن آگاہ شیر	می نظر کردند در روے زیر زیر
اس بیدار شیر نے ان کو قید میں دیکھا	وہ (قیدی) نیچی نظروں سے ان (آنحضورؐ) کو دیکھ رہی تھی

دیکھا ان کو قید میں اس خبردار شیر نے کہ وہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نیچے ہی نیچے تنقظ کر رہے ہیں۔

بر رسول صدق دندانہا و لب	تا ہمی خائید ہر یک از غضب
دانت اور ہونٹ سچے رسولؑ پر	حتیٰ کہ ہر ایک غصے سے چبا رہا تھا

یہاں تک کہ ہر ایک غصہ کی وجہ سے سچے رسول پر دانتوں اور ہونٹوں کو چبا رہا تھا۔

زانکہ در زنجیر قہر دہ من اند	زہرہ نے با آن غضب کہ دم زنند
کیونکہ وہ قہر کی دس سیر (وزنی) زنجیر میں تھے	باوجود اس غصہ کے کسی کی طاقت نہ تھی کہ دم مارے

یعنی باوجود اس غصہ کے یہ مجال نہیں کہ دم مار سکیں اس لئے کہ دس من کی زنجیر قہر میں تھے۔ مطلب یہ کہ چونکہ بھاری بھاری زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اس لئے باوجود غصہ آنے کے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

می برد از کافرستان شان بقہر	می کشاند شان موکل سوی شہر
ان کو کفرستان سے جبرا لے جا رہا تھا	سپاہی ان کو شہر کی جانب لے جا رہا تھا

یعنی سپاہی ان کو شہر کی طرف کھینچ رہا تھا اور زبردستی ان کو کفرستان سے لے جا رہا تھا (اور وہ کہہ رہے تھے)

نہ شفاعت میرسد از سرورے	نے فدائے می ستاند نے زرے
نہ کسی سردار کی سفارش آتی ہے	نہ وہ فدیہ لیتا ہے نہ روپیہ

یعنی نہ تو فدیہ لیتے ہیں اور نہ روپیہ نہ کسی سردار کی شفاعت پہنچتی ہے۔

عالمے را می برد حلق و گلو	رحمت عالم ہمی گویند و او
ایک جہان کا گلا اور حلق کاٹتا ہے	اس کو رحمت عالم کہتے ہیں ' اور وہ

لوگ ان کو رحمت عالم کہتے ہیں (حالانکہ) ایک عالم کا حلق اور گلا کاٹتے ہیں۔

زیر لب طعنہ زنان برکار شاہ	با ہزار انکار می رفتند راہ
شاہ کے کام پر چپکے چپکے طعنہ زنی کرتے ہوئے	وہ ہزار انکار کے ساتھ راستے کر رہے تھے

یعنی ہم ہزاروں انکار کے ساتھ راستہ چل رہے تھے اور شاہ (عالم) کے کام پر منہ ہی منہ میں طعنہ مار رہے تھے (اور کہتے تھے)

خود دل این مردکم از خارہ نیست	چارہا کردیم و اینجا چارہ نیست
خود اس شخص کا دل پتھر سے کم نہیں ہے	ہم نے بہت تدبیریں کیں اور یہاں کوئی تدبیر (کارگر) نہیں ہے

یعنی ہم (پہلے) بہت علاج کیا کرتے تھے اور اس جگہ علاج ہی نہیں اس شخص (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل پتھر سے کم نہیں۔ مطلب یہ کہ اگر پہلے ہم کسی مصیبت میں پھنستے تھے تو کوئی نہ کوئی علاج کر لیا کرتے تھے۔ مثلاً کسی سے سفارش کرالی یا روپیہ پیسہ دیدیا مگر یہاں کچھ بس چلتا ہی نہیں اور کہتے تھے۔

ما ہزاران مرد کار الپ ارسلان	با دو سہ عریان وسست و نیم جان
ہم ہزاروں بہادر شیر	دو تین ننگوں، سست اور کمزوروں کے ساتھ ہیں

یعنی ہم ہزاروں کام کے آدمی شیران دلیر دو تین ننگوں اور سست اور نیم جانوں کے ساتھ۔

این چنین درماندہ ایم از کجرویست	یا ز اختر ہاست یا خود جادوی ست
ہم ایسے عاجز ہیں یہ (ہمارا) ٹیڑھا پن ہے	یا ستاروں کی وجہ سے یا جادو گری ہے

یعنی ایسے عاجز رہ گئے یہ کجروی کی وجہ سے ہے یا ستاروں کی وجہ سے ہے یا کوئی جادو ہے مطلب یہ کہ وہ اپنے مغلوب ہونے پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں بہادر اور مرد کاران تھوڑے بھوکوں ننگوں سے کس طرح مغلوب ہوگئے اب یہ مغلوب ہونا یا تو ہماری کجروی کی وجہ سے ہے یا ان کا ستارہ غالب ہے۔ اور ہمارا مغلوب اور یا انہوں نے کوئی جادو کیا ہے جس سے کہ یہ ہوا۔

بخت مرا بر درید آن بخت او	تخت ماشد سرنگون از تخت او
ہمارے نصیبے کو اس کے نصیبے نے چاک کر دیا	ہمارا تخت اس کے تخت سے اوندھا ہو گیا

یعنی ہمارے بخت کو اس کے بخت نے پھاڑ دیا اور ہمارا تخت ان کے تخت کی وجہ سے اوندھا ہو گیا (آگے پھر اس پر بھی تعجب کرتے ہیں)۔

کار او از جادوئے گر گشت زفت	جادوئے کردیم ما ہم چون نرفت
اگر اس کا معاملہ جادوگری کی وجہ سے بھاری پڑ گیا ہے	ہم نے بھی جادو کیا وہ کیوں نہ چلا؟

یعنی ان کا کام اگر جادو کی وجہ سے عظیم ہو گیا تو ہم نے بھی تو جادو کیا کیوں نہیں چلا۔

تفسیر اس آیت کی کہ ان تستفتحوا فقد جآء کم الفتح یعنی کفار کہتے تھے کہ اے اللہ ہم میں اور محمدؐ میں سے جو کوئی حق پر ہو اس کی مدد فرما اور یہ بات اس وجہ سے کہتے تھے کہ وہ اپنے کو حق پر جانتے تھے اور اب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم فتحمند ہوئے تو ان کو تعجب ہوا

از بتان و از خدا درخواستیم	کہ بکن مارا اگر ناراستیم
ہم نے بتوں اور خدا سے درخواست کی	کہ اگر ہم غلط ہیں تو ہمیں (جڑ سے) اکھاڑ دے

یعنی (وہ کہتے تھے کہ) ہم نے بتوں سے اور خدا سے درخواست کی تھی کہ ہم کو اجاڑ اگر ہم ٹیڑھے ہیں۔

وان کہ حق وراست است از ما واو	نصرتش دہ نصرت او را بجو
ہم میں اور اس میں سے جو حق اور سچائی پر ہے	اس کی مدد کر اس کا مددگار بن

یعنی جو ہم میں اور ان میں سے حق پر اور سیدھا ہو اس کو مدد دے اور اس کی مدد ڈھونڈ۔

ایں دعا بسیار کردیم و صلات	پیش لات و پیش عزیٰ و منات
ہم نے یہ دعا و درود بہت کئے	لات کے آگے، عزیٰ اور منات کے آگے

یہ دعا ہم نے بہت کی اور خیر خیرات سامنے لات کے اور عزیٰ کے اور منات کے۔

کہ اگر حق است او پیداش کن	گر نباشد حق زبون ماش کن
کہ اگر وہ برحق ہے اس کو نمایاں کردے	(اور) اگر وہ حق پر نہیں ہیں ہم سے مغلوب کردے

کہ اگر وہ حق پر ہے تو اس کو غالب کر دے اور اگر نہ ہو تو اس کو ہمارا مغلوب کر دے۔

چونکہ وا دیدیم او منصور بود	ماہمہ ظلمت بدیم او نور بود
جبکہ ہم نے کھلا دیکھ لیا کہ وہ فاتح رہا	(اور) ہم سب تاریکی تھے وہ نور تھا

جبکہ ہم نے دیکھا تو وہی محمد تھے۔ ہم بالکل اندھیر تھے اور وہ نور تھے۔

این جواب ماست کانچہ خواستید	گشت پیدا کہ شما ناراستید
یہ ہمارے لئے جواب ہے کہ جو تم نے چاہا	واضح ہو گیا کہ تم غلط ہو

یعنی یہ ہمارا جواب ہے کہ جو کچھ تم چاہتے تھے ہو گیا کہ تم ٹیڑھے ہو (مولانا فرماتے ہیں)

باز این اندیشہ را از فکر خویش	کور میکردند و دفع از ذکر خویش
وہ پھر اس خیال کو اپنے فکر سے	بے فروغ بناتے تھے اور اپنی یاد سے دفع کرتے تھے

یعنی پھر اس سوچ کو اپنے فکر سے اندھا اور اپنے ذکر سے دفع کر دیتے تھے۔ مطلب یہ کہ جب ان کو یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ اثر ہماری دعاؤں ہی کا ہے جس کا صریح مطلب یہ تھا کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی حق پر ہیں تو وہ اس بات کو پھر اپنے انہیں توہمات اور خیالات میں پڑ کر دفع کر دیتے تھے کیونکہ اگر یہ خیال غالب ہو جاتا تو مسلمان ہی نہ ہو جاتے اور یوں کہنے لگا کرتے تھے۔

کاین تفکر ماہم از ادبار رست	کہ صواب اوشود در دل درست
کہ ہمارا یہ خیال بھی بدبختی سے پیدا ہوا ہے	تاکہ ان کی حقانیت دل میں بیٹھ جائے

یعنی کہ یہ فکر بھی ہمارے ادبار ہی سے پیدا ہوا ہے کہ ان کا حق پر ہونا ہمارے دل میں ثابت ہوا۔

ہر کسے را غالب آرد روزگار	خود چہ شد گر غالب آمد چند بار
زمانہ کسی کو بھی غالب کر دیتا ہے	اگر وہ چند مرتبہ غالب ہو گیا تو کیا ہوا؟

خود کیا ہو گیا اگر وہ چند بار غالب آ گئے (کیونکہ) زمانہ ہر شخص کو غالب کر دیتا ہے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ اس سے مومنین کا حق پر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

بارہا بروے مظفر آمدیم	ماہم از ایام بخت آور شدیم
کئی بار اس پر فتحمند ہوئے ہیں	ہم بھی زمانے سے نصیبہ ور ہوئے ہیں

یعنی ہم بھی ایام کی وجہ سے نصیبہ ور ہو چکے ہیں بارہا اس پر فتحمند ہوئے ہیں مطلب یہ کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ اس مرتبہ غالب ہی آ گئے تو کیا ہوا ہم بھی تو ان پر بارہا غالب آ چکے ہیں۔

چون شکست ما نبود آن زشت و پست	باز می گفتند اگرچہ او شکست
وہ ہماری شکست کی طرح بری اور ذلیل نہ تھی	وہ پھر کہتے کہ اگر اس نے شکست (کھائی ہے)

یعنی پھر کہتے تھے کہ اگرچہ انہوں نے شکست پائی (لیکن) وہ ہماری شکست کی طرح بری اور ذلیل نہیں تھی۔

داد صد شادی پنہان زیر دست	زانکہ بخت نیک اورا در شکست
سو پوشیدہ خوشیاں قبضے میں دیدیں	کیونکہ نیک نصیبے نے اس کو شکست میں

یعنی کیونکہ نیک نصیبہ نے ان کو شکست میں سینکڑوں پوشیدہ خوشیاں نیچے ہی نیچے دے دیں۔

کہ نہ غم بودش دران نے پیچ پیچ	کو با شکستہ نمی مانست ہیچ
کیونکہ اس کو اس میں نہ کوئی غم ہوا نہ پریشانی	وہ بھی شکست خوردہ کی طرح نہیں بنا

یعنی کہ وہ شکست کھائے ہوئے کے بالکل مشابہ نہیں تھے کیونکہ اس شکست میں نہ ان کو غم تھا نہ پریشانی۔

لیک در اشکست مومن خوبی است	چون نشان مومنان مغلوبی است
لیکن مومن کی شکست میں بھلائی ہے	چونکہ مومنوں کی پہچان مغلوب ہونا ہے

یعنی جب نشان مومنوں کا مغلوبی ہے لیکن مومن کی شکست میں خوبی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ مومن جھگڑالو آدمی سے ایسا بھاگتا ہے جیسے بکری بھیڑیئے سے تو دیکھئے مومن ہونے کی نشانی یہ ہوئی کہ وہ جھگڑوں سے بھاگے اور ڈرے اور اس شکست کھانے ہی میں اس کی خوبی ہے آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

عالمے از فیح و ریحان پر کنی	گر تو مشک و عنبری را بشکنی
ایک جہان کی خوشبو کی مہک سے بھر دے گا	اگر تو مشک اور عنبر کو توڑے گا

یعنی اگر تم مشک وعنبر کو توڑ لو تو ایک عالم کو خوشبو کے پھیلنے سے پر کر دو۔

در شکستی ناگہاں سرگین خر	خانہ ہا پرگند گردد سر بسر
اگر تو اچانک گدھے کی لید کو توڑے گا	سارے مکانات بدبو سے بھر جائیں گے

یعنی اور اگر تو نے ناگہاں گدھے کی لید توڑ دی تو تمام گھر بالکل گندہ ہو جاویں گے۔

کہ کند خود مشک با سرگین قیاس	آب را با بول اطلس با پلاس
مشک کو لید پر کوئی قیاس کرے گا؟	پانی کو پیشاب پر اور اطلس کو ٹاٹ پر (کوئی قیاس کریگا)؟

یعنی گوبر کو مشک کے ساتھ کون قیاس کرتا ہے پانی کو پیشاب کے ساتھ اور اطلس کو ٹاٹ کے ساتھ۔

مطلب یہ ہے کہ مومنین کا شکست کھانا تو ایسا ہے جیسے کہ عنبر اور مشک کا ٹوٹنا کیونکہ شکست میں بھی ان کے مراتب عالی ہوتے ہیں اور کفار کا شکست کھانا ایسا ہے جیسا کہ پاخانہ کا کھل جانا کہ یہ لوگ شکست کی حالت میں خسر الدنیا و آلاخرۃ کا مصداق ہو جاتے ہیں۔

بھیداس کا کہ واپس آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیبیہ سے بے مراد ہو کر اور حق تعالیٰ کا اس کو فتح فرمانا کہ انا فتحنا لک فتحا مبینا صورۃ میں شکست تھی اور اصل میں فتح تھی جیسا کہ مشک کا ٹوٹنا کہ بظاہر ٹوٹنا ہے اور معناً اس کے فوائد اور کمالات کی تکمیل ہے

وقت برگشت حدیبیہ رسول	در تفکر بود غمگین و ملول
حدیبیہ سے واپسی پر رسولؐ	فکر میں تھے اور غمگین اور ملول (تھے)

یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹنے کے وقت فکر میں تھے اور ملول تھے۔

ناگہان اندر حق شمع رسل	دولت انا فتحنا زود ھل
رسولوں کی شمع کے حق میں اچانک	دولت نے انا فتحنا کا ڈھول بجا دیا

یعنی ناگاہ شمع رسل (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں دولت انا فتحنا نے دہل بجایا مطلب یہ کہ وہاں کی واپسی کے وقت سورۃ انا فتحنا نازل ہوئی۔

آمدش پیغام از دولت کہ رو	تو ز منع این ظفر غمگین مشو
دولت کی جانب سے ان کو پیغام آیا کہ چلے جایئے	آپ اس فتح کے رکنے سے غمگین نہ ہوں

آیا ان کے پاس پیغام دربار سے کہ جاؤ تم اس فتح کے نہ ہونے سے غمگین نہ ہو۔

کاندرین خواری بنقدت فتحہاست	نک فلان قلعہ فلان بقعہ تراست
اس ذلت میں آپ کی فوری فتوحات ہیں	یہ فلاں قلعہ فلاں علاقہ آپ کا ہے

یعنی کہ اس خواری میں قدرت میں بہت سی فتحیں ہیں وہ فلاں قلعہ اور فلاں زمین تمہارے لیے ہے۔
مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ اس ظاہری خواری سے رنجیدہ مت ہو اس لئے کہ تم کو دوسری جگہ فتح عظیم ہونے والی ہے۔

بنگر آخر چونکہ واگر دید تفت	بر قریظہ بر نضیر از وے چہ رفت
دیکھ جب وہ جلدی سے واپس آ گئے	ان کی جانب سے قریظہ اور نضیر پر کیا گزری

یعنی دیکھ لو آخر وہ جلدی سے جب واپس ہوئے قریظہ اور نضیر پر ان کی طرف سے کیا گزرا۔

قلعہا ہم گرد آن دو بقہا	شد مسلم و از غنایم نفعہا
ان دونوں کے علاقوں کے آس پاس کے قلعے بھی	فتح ہو گئے اور غنیموں کے سبب نفعے (ہوئے)

ان دونوں زمینوں کے گرد قلعے بھی فتح ہوئے اور غنیموں سے بہت سے نفعے مطلب یہ کہ حدیبیہ سے لوٹنے کے بعد جو فتح کا وعدہ تھا وہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کے مفتوح ہونے سے پورا ہوا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

ورنہ باشد آن تو بنگر کاین فریق	بر غم و رنجند مفتون و عشیق
اگر یہ بھی نہ ہو تو دیکھ لے یہ لوگ	رنج و غم کے شیدا اور فریفتہ ہیں

یعنی اور اگر نہ ہو وہ (فتح) تو دیکھو کہ یہ وہ فریق ہے کہ غم اور رنج پر فریفتہ اور عاشق ہیں۔

زہر خواری را چو شکر میخورند	خار غمہا را چو اشتر میچرند
وہ ذلت کے زہر کو شکر کی طرح کھاتے ہیں	غموں کے کانٹے کو اونٹ کی طرح چرتے ہیں

یعنی ذلت کے زہر کو شکر کی طرح کھاتے ہیں اور غموں کے کانٹوں کو اونٹ کی طرح چرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اگر وہ فتح وغیرہ نہ ہوتی تو تب بھی یہ حضرات خوش ہی تھے اس لئے کہ یہ ظاہری ذلت کو ذلت نہیں سمجھتے تھے اور غموں سے گھبراتے نہیں تھے تو پھر بھی شکست میں خوش ہی رہتے۔

بہر عین غم نہ از بہر فرج	این تسافل پیش ایشان چون درج
صرف غم کے لئے، نہ کہ خوشی کے لئے	یہ تنزل ان کے لئے مراتب کی طرح ہے

یعنی خاص غم ہی کے واسطے نہ کہ خوشی کے واسطے یہ پستی ان کے سامنے مثل مرتبوں کے ہے مطلب یہ ہے کہ حضرات جو اس خواری اور غموں کو برداشت کرتے تھے تو اس میں یہ نیت نہ ہوتی تھی کہ ان غموں کو اٹھا دیں گے تو خوشی حاصل ہوگی بلکہ وہ ان غموں کو غموں ہی کے لئے اٹھاتے تھے۔

آنچنان شادند اندر قعر چاہ	کہ ہمیں ترسند از تخت و کلاہ
وہ کنویں کی گہرائی میں ایسے خوش ہیں	کہ تخت و تاج (کے حاصل ہونے) سے ڈرتے ہیں

یعنی وہ کنویں کے گڑھے میں اس طرح خوش ہیں کہ تخت و تاج سے ڈرتے ہیں۔

در فقیری ہر یکے صد شہریار	در خزان فاقہ صد ہمچون بہار
ہر ایک" فقیری میں سینکڑوں شاہوں (کی طرح) ہے	فاقے کی خزاں میں سینکڑوں بہاروں کی طرح ہے

یعنی فقیری میں ہر ایک سو بادشاہ ہے اور سو فاقوں کے خزان میں مثل بہار کے ہے مطلب یہ کہ فقر و فاقہ میں وہ اس قدر خوش ہیں جتنا کہ سو بادشاہ اپنی اپنی سلطنت پر خوش ہوتے ہیں اور یہ اس لئے ہے۔

ہر کجا دلبر بود خود ہمنشین	فوق گردونست نے زیر زمین
جہاں کہیں محبوب خود ساتھی ہو	وہ آسمان پر ہے نہ کہ زمین کے نیچے

یعنی جس جگہ کہ دلبر اپنا ہمنشین ہو وہ آسمان کے اوپر ہے نہ کہ زمین کے نیچے مطلب یہ کہ اگر کسی کا محبوب و مطلوب کسی زمین کے گڑھے میں اس کے پاس بیٹھا ہو تو وہ جگہ اس کے لئے زیر زمین نہ ہوگی بلکہ وہ تو اس کو آسمان سے بھی بلند پایہ اور عالی مرتبہ سمجھے گا پس اسی طرح چونکہ ان حضرات کو اس ظاہری ذلت و خواری میں بھی معیت حق حاصل تھی لہٰذا وہ اس کو ذلت نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے نزدیک یہی سلطنت اور بادشاہی تھی آگے مولانا ایک حدیث کی تفسیر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے یونس ابن متا پر فضیلت مت دو کیونکہ اگرچہ ان سے ایک خطا اجتہادی ہوئی لیکن چونکہ وہاں بھی معیت حق حاصل تھی تو یہ خطا بھی ان کے لئے موجب نقص نہیں ہو سکتی۔ تو دیکھئے اس حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ اگر قرب حق حاصل ہے تو ظاہری ذلت و خواری کا کچھ اعتبار نہیں۔

تفسیر حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ

لاتفضلونی علیٰ یونس ابن متا

گفت پیغمبر کہ معراج مرا	نیست بر معراج یونس اجتبا
پیغمبر نے فرمایا کہ میری معراج	یونس کی معراج سے پسندیدہ نہیں ہے

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری معراج کو یونس علیہ السلام کی معراج پر کوئی بزرگی نہیں۔

آن من بر چرخ و آن او نشیب	زانکہ قرب حق برونست از حسیب
(حالانکہ) میرا مقام آسمان پر اور ان کا مقام پستی	کیونکہ اللہ (تعالیٰ) کا قرب (اس) حساب سے بالاتر ہے

یعنی میرا معاملہ آسمان پر تھا اور ان کا معاملہ نشیب میں اس لئے کہ قرب حق کا حساب سے باہر ہے۔

قرب نے بالا نہ پستی رفتن است	قرب حق از حبس ہستی رستن است
قرب نہ اوپر جانا ہے نہ نیچے جانا ہے	اللہ کا قرب' وجود کی قید سے چھوٹنا ہے

قرب نہ تو اوپر جانا ہے نہ نیچے جانا ہے قرب حق کا ہستی کی قید سے چھوٹنا ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کا قرب یہی نہیں ہے کہ جو آسمان پر چڑھے وہ زیادہ مقرب بلکہ اصل قرب درجۂ فنا کا حاصل ہونا ہے اس میں جو زیادہ بڑھا ہوا ہوگا وہی زیادہ مقرب ہوگا۔

نیست را چہ جائے بالا پست و زیر	نیست را نے زود و نے دور است و دیر
فنائیت کے لئے کیا اونچائی کیا نیچائی	فنائیت کے لئے نہ جلدی ہے نہ دور اور دیر ہے

یعنی نیست کے لئے کیا اونچی جگہ اور کیا نیچی جگہ اور نیست کے لئے نہ جلدی ہے نہ دوری ہے نہ دیر ہے۔

کارگاہ گنج حق در نیستی است	غرۂ ہستی چہ دانے نیست چیست
اللہ کے خزانہ کا کارخانہ فنائیت میں ہے	تو ہستی کے دھوکے میں ہے تو کیا سمجھے کہ فنائیت

یعنی حق تعالیٰ کے کارخانہ کا خزانہ عدم میں ہے تو مغرور ہستی کا ہے تو کیا جانے کہ فنا کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب قرب کا مدار فنا پر ٹھہرا اور مرتبہ فنا میں نہ اونچائی نہ دیر ہے نہ جلدی اس لئے کہ وہاں تمام باتیں فنا پر ہیں اس سے تو زیادہ قرب معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی زیادہ اوپر چلا گیا ہاں اگر دوسرے دلائل سے افضلیت معلوم ہو اس کو مانیں گے یہاں کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ اس سے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مفضول ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضور کی افضلیت پر تو دلائل قطعیہ قائم ہیں بلکہ مقصود مقام کا یہ ہے کہ حضور کو دوسرے انبیاء پر اس طرح فضیلت نہ دی جاوے کہ جس سے دوسرے انبیاء کا نقص معلوم ہو آگے پھر انہیں قیدیوں کا مقولہ ہے۔

حاصل ایں اشکست ایشان اے کیا	می نماند با اشکست ما
خلاصہ یہ ہے' اے بزرگ! ان کی شکست	ہماری شکست سے کسی طرح مشابہ نہیں ہے

یعنی حاصل یہ کہ اے دانا ان لوگوں کی شکست ہماری شکست سے بالکل مشابہ نہیں (کیونکہ)

آنچنان شاد اند در ذل و تلف	ہمچو ما در وقت اقبال و شرف
وہ ذلت اور تباہی میں اس طرح خوش ہیں	جس طرح ہم اقبال مندی اور بڑائی میں

یعنی یہ لوگ ذلت اور تلف ہونے میں ایسے خوش ہیں جیسے کہ ہم اقبال اور شرف کے وقت میں۔

برگ بے برگی ہمہ اقطاع اوست	فقر و خواری افتخارست و علواست
پوری بے سروسامانی کا سامان اس کی جاگیر ہے	فقر اور ذلت' فخر اور بڑائی ہے

یعنی تمام بے سامانی کا سامان ان کی جاگیریں ہیں اور فقر اور خواری فخر ہے اور بڑائی ہے۔

آن یکے گفت ار چنان است آن فرید	چون بخندید او چو مارا بستہ دید
ایک نے کہا اگر وہ یکتا ایسا ہے	تو وہ کیوں ہنسا جبکہ اس نے ہمیں بندھا ہوا دیکھا؟

یعنی اس ایک نے کہا کہ اگر وہ یکتا ایسے ہیں تو کیوں ہنسے جب انہوں نے ہمیں بندھا ہوا دیکھا۔

چونکہ او مبدل شد است و شادیش	نیست زین زندان وزین آزادیش
جبکہ اس میں تبدیلی ہو چکی ہے اور اس کی خوشی	اس قید اور اس آزادی سے (متعلق) نہیں ہے

یعنی جبکہ وہ بدل چکے ہیں اور ان کی خوشی اس قید خانہ (دنیا) اور اس کی آزادی سے نہیں ہے۔

پس بقہر دشمنان چون شاد شد	چون ازین فتح و ظفر پرباد شد
تو وہ دشمنوں کے مغلوب ہونے سے کیوں خوش ہوا ہے؟	اس فتح اور کامیابی سے کیوں مغرور بنا ہے؟

یعنی پھر دشمنوں کی مقہور ہونے سے کیوں خوش ہوئے اور اس فتح وظفر سے کیوں پھول گئے (بلکہ بات یہ ہے)

شاد شد جانش کہ بر شیران نر	یافت آسان نصرت ودست وظفر
اس کی جان خوش ہوئی کیونکہ بہادر شیروں پر	آسانی سے فتح اور قابو اور ظفر پالی

ان کی جان خوش ہوئی کہ شیران نر پر آسانی سے نصرت اور فتح اور ظفر پالی۔

پس بدانستیم کو آزاد نیست	جز بدنیا دل خوش و دل شاد نیست
تو ہم جان گئے کہ وہ آزاد نہیں ہے	دنیا کے سوا کسی چیز سے خوش دل اور مسرور نہیں ہے

پس ہم نے جان لیا کہ وہ آزاد نہیں سوائے دنیا کے دل خوش اور دل شاد نہیں۔

ورنہ چون خندد کہ اہل آنجہان	بربدو نیک اند مشفق مہربان
ورنہ کیوں ہنستا، جبکہ اس جہان والے	اچھے اور برے پر مشفق اور مہربان ہیں

یعنی ورنہ کیوں ہنستے کہ اس جہان والے تو برے اور اچھے سب پر مشفق اور مہربان ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب ان قیدیوں میں سے ایک نے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا کی ذلت وخواری راحت وآرام کی کچھ پرواہ نہیں ہے اور آخرت کے عیش وآرام کی بنا پر اس ذلت وخواری ہی میں خوش ہیں تو ان میں سے ایک اور بولا کہ اگر یہ ایسے ہوتے تو ہم کو قید میں اور مصیبت میں دیکھ کر خوش نہ ہوتے کیونکہ اس جہان والوں کو تو کسی سے کچھ غرض نہیں ہوتی تو ان کے خوش ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ دنیادار ہیں اور دنیا کے حاصل ہو جانے پر کہ ان کو اتنا مال ودولت مل گیا اور بڑے بڑے دلیروں پر آسانی سے فتح حاصل ہو گئی خوش ہیں۔

آن اسیران باہم اندر بحث آن	این ہمی گفتند در زیر زبان
وہ قیدی آپس میں اس کی بحث میں	وہ آہستہ سے یہ کہہ رہے تھے

یعنی وہ قیدی آپس میں اس بحث میں یہ باتیں منہ ہی منہ میں (اس لئے) کہہ رہے تھے۔

این سخن در گوش آن سلطان نہد	تا موکل نشنود برما جہد
یہ بات اس بادشاہ کے کان میں رکھ دے	تاکہ سپاہی نہ سن لے (اور) ہم پر کود پڑے

تا کہ سپاہی نہ سن لے اور ہم پر کود ے اور اس بات کو اس سلطان کے کان میں رکھ دے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا طعن کرنیوالوں کی بات پر آگاہ ہوجانا

رفت در گوشے کہ بد آن من لدن	گرچہ نشنید آن موکل این سخن
اس کان میں پہنچ گئی جو کہ اللہ کی جانب سے تھا	اگرچہ اس سپاہی نے یہ بات نہ سنی

یعنی اگرچہ اس سپاہی نے اس بات کو نہ سنا (مگر) اس کان میں جو (حق تعالیٰ) کے نزدیک تھا پہنچ گئی۔

آگے مولانا اس معلوم ہوجانے کی چند نظیریں لاتے ہیں۔

آنکہ حافظ بود یعقوبش شنید	بوئے پیراہان یوسفؑ را ندید
اس نے جو محافظ تھا' اس کو یعقوبؑ نے محسوس کیا	(حضرت) یوسفؑ کے لباس کی خوشبو نہ محسوس کی

یعنی یوسف علیہ السلام کے پیراہن کی خوشبو کو اس شخص نے جو کہ محافظ تھا نہ دیکھا اور یعقوب علیہ السلام نے سونگھ لیا۔

نشنوند آن سر لوح غیب دان	آن شیاطین برعنان آسمان
غیب کے جاننے والے کی لوح کے راز کو نہیں سنتے ہیں	وہ شیاطین آسمان کی بلندی پر

یعنی وہ شیاطین آسمان کی بلندی پر غیب کے جاننے والے کی لوح کے بھید کو نہیں سن سکتے۔

آمدہ سرگد او گردان شدہ	آن محمدؐ خفتہ و تکیہ زدہ
راز آیا (اور) اس نے ان کے گرد چکر لگائے	محمدؐ سوئے ہوئے اور تکیہ لگائے ہوئے ہیں

یعنی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے اور تکیہ لگائے ہوئے اور اسرار ان کے گرد قربان ہوتے ہوئے آئے۔

آن نہ کانگشتان او باشد دراز	آن خورد حلوا کہ روزیش است باز
نہ کہ وہ جس کی انگلیاں لمبی ہوں	حلوا وہ کھاتا ہے جس کی روزی کشادہ ہو

یعنی حلوا وہ کھاتا ہے کہ جس کی روزی کشادہ ہو اور وہ نہیں جس کی انگلیں لمبی لمبی ہیں مطلب یہ کہ کسی بات کا

معلوم کرنا اور حاصل کر لینا اس پر موقوف نہیں ہے کہ جو قریب ہو اس کو ہی حاصل ہو جایا کرے بلکہ اکثر اوقات قریب والے کو پتا بھی نہیں چلتا اور دوسرے کو دوری بیٹھے بیٹھے سب خبر ہو جاتی ہے۔

نجم ثاقب گشتہ حارث دیوران	کہ بہل وزدی ز احمد سر ستان
ٹوٹنے والا ستارہ نگہبان اور شیطان کو بھگانے والا بن گیا	کہ چوری چھوڑ احمد سے راز حاصل کر

یعنی چمکدار ستارہ نگہبان اور شیاطین کا بھگانے والا ہے کہ چوری کو چھوڑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرار کو لے مطلب یہ کہ شیاطین باوجودیکہ آسمان تک پہنچ جاتے ہیں ان کو اسرار حق کی خبر نہیں ہوتی اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا ہی میں تمام اسرار کی اطلاع ہو جاتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں۔

ائے دویدہ سوئے دکان از پگاہ	ہین بمسجد رو بجو رزق از آلہ
اے صبح سے دکان کی جانب دوڑے ہوئے!	خبردار! مسجد میں جا اللہ سے روزی مانگ

اے دوڑے ہوئے دکان کی طرف صبح سے ہاں مسجد میں جا اور رزق خداوندی کو ڈھونڈ۔ مطلب یہ کہ مولانا خطاب کرتے ہیں کہ اے لوگو یہ ضروری نہیں ہے کہ دکان پر جا کر تم کو رزق مل ہی جاوے بلکہ رزق رضائے خداوندی سے ملتا ہے اور خود رضا ہی اصل رزق ہے تو اس کو تلاش کر۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ یہاں سے ایک قصہ شروع کرتے ہیں جس کو مناسبت ہے انبیا طوعاً اور کرہاً کے جزو ثانی سے تفصیل اس کی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو مقید دیکھا کہ وہ روتے پیٹتے لے جائے جارہے ہیں اور آپ نے ان کو قید میں دیکھا تو وہ آپ کو نیچی نظروں سے دیکھتے جاتے تھے اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا تھا کہ ہر ایک مارے غصہ کے آپ پر دانت پیستا اور ہونٹ کاٹتا تھا مگر کسی کی یہ تاب نہیں تھی کہ باوجود اس قدر غصہ کے دم مار سکے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ زنجیر گران میں مقید ہیں سپاہی ان کو کافرستان سے شہر اسلام کی طرف جبراً لئے جارہا ہے جو کہ نہ فدیہ لے سکتا ہے نہ رشوت اور نہ کسی سردار کی سفارش ہی ممکن ہے اس حالت میں وہ کہتے تھے کہ لوگ ان کو رحمۃ للعٰلمین کہتے ہیں حالانکہ یہ لوگوں کے گلے کاٹتے ہیں غرضکہ نہایت ناگواری کے ساتھ وہ راستہ قطع کر رہے تھے اور چپکے چپکے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر طعنہ زنی کرتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے تدبیر کی مگر کچھ نہ بن پڑا علاوہ اس کے ایک نقص یہ بھی ہے کہ اس شخص کا دل بھی سنگ خارا سے کم سخت نہیں ہے ہم ہزاروں جنگجو اور بہادر شیر تھے۔ لیکن ان چند ننگے اور کمزور اور ادھ موئے لوگوں کے مقابلہ میں یوں عاجز ہو گئے اس کا سبب یا تو ہماری گمراہی ہے یا بدنصیبی یا ہم پر جادو کیا گیا ہے ان کے طالع نے ہمارے طالع کو شکست دی اور ان کے تخت نے ہمارے تخت کو الٹ دیا پھر کہتے تھے کہ اگر ان کو جادو سے فتح ہوئی تھی تو ہم نے بھی تو جادو کیا تھا ہمارا جادو کیوں نہ چلا

پھر کہتے تھے کہ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے خدا سے اور بتوں سے دعا کی تھی کہ اگر ہم باطل پر ہوں تو ہمارے بیخ کنی کر دی جاوے اور ہم میں اور اس مدعی نبوت میں جو حق پر ہو اس کو فتح دی جاوے اور مدد کی جاوے یہ دعا ہم نے بہت کی تھی اور لات و عزیٰ و منات کے سامنے بہت سے چڑھاوے بھی چڑھائے کہ اگر وہ حق پر ہے تو اس کو فتح دی جاوے اور اگر باطل پر ہو تو اس کو ہم سے مغلوب کیا جاوے اب جبکہ ہم نے دیکھا تو ان کو فتح ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم باطل پر ہیں اور وہ حق پر ہم سراسر ظلمت ضلالت ہیں وہ سراپا نور ہدایت اور یہ جواب ہے اس دعا کا جو ہم نے کی تھی اور اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہم باطل پر ہیں اس کے بعد پھر اس خیال کو دل سے مٹاتے اور اس کو اپنے حافظہ سے بھلاتے تھے اور کہتے تھے کہ نہیں جی یہ بات نہیں بلکہ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم کو شکست ہوئی اور یہ خیال قائم ہو گیا کہ وہ حق پر ہے اگر وہ غالب آ گیا تو کیا ہوا دو ایک مرتبہ تو زمانہ ہر کسی کو غالب کر دیتا ہے آخر ہم کو بھی تو زمانہ سے یہ خوش نصیبی حاصل ہوئی ہے کہ ہم بھی بہت سی مرتبہ اس پر غالب آئے ہیں پھر کہتے تھے کہ نہیں جی یہ تو کچھ اور ہی بات ہے کیونکہ اگرچہ ان کو بھی شکست ہوئی ہے مگر ان کی شکست ہماری شکست کی طرح بری اور پست نہیں۔ کیونکہ ان کی خوش قسمتی سے ان کو اس شکست میں بھی پوشیدہ خوشی حاصل ہوتی ہے اور ان کا عمدہ نصیب ان کو مٹھی میں چھپا کر سینکڑوں خوشیاں عطا کرتا ہے اور یہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صورت سے شکست کھانا ظاہر نہیں ہوتا اور شکست کھانے والوں کی صورت سے ان کی صورت نہیں ملتی کیونکہ نہ ان کو غم ہوتا ہے نہ پیچ و تاب اب مولانا فرماتے ہیں کہ چونکہ مومنین کی علامت ایک قسم کی مغلوبی ہے کہ وہ جھگڑالوؤں کے منہ نہیں لگتے اس لئے کبھی کبھی ان کو شکست ہو جاتی ہے لیکن ان کی اس شکست میں بھی ایک خوبی ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی منافع مضمر ہوتے ہیں برخلاف کفار کی شکست کے کہ اس میں سراسر برائی ہوتی ہے اس کو ایک مثال حسی سے یوں سمجھو کہ اگر تم مشک کو توڑو تو اس کے ٹوٹنے میں خوبی ہے کہ عالم مہک اور خوشبو سے معطر ہو جاوے گا اور اگر گدھے کی لید کو توڑو تو اس میں خرابی ہے کہ تمام گھروں میں اس کی بدبو پھیل جائے گی پس مومن کی شکست مشک کی شکست کے مشابہ ہے اور کفار کی شکست گدھے کی لید کی مثل پھر مسلمانوں کی شکست کو کفار کی شکست کے مشابہ ہے اور کفار کی شکست گدھے کی لید کی مثل پھر مسلمانوں کی شکست کو کفار کی شکست پر کون قیاس کر سکتا ہے کیونکہ ایسا قیاس کرنا شکست مشک کا شکست سرگین پر اور پانی کا پیشاب پر اور اطلس کا ٹاٹ پر قیاس کرنا ہے جو کہ کوئی عاقل نہیں کر سکتا۔ اب ہم ایک واقعہ سناتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ شکست میں مومنوں کی مصلحت ہوتی ہے صلح حدیبیہ چونکہ بظاہر دب کر ہوئی تھی اس لئے جناب رسول اللہؐ کو گونہ فکر و رنج و ملال تھا۔ آپ راہ ہی میں تھے کہ آپ کے حق میں دولت انا فتحنا لک فتحا مبینا الخ کا نقارہ بجا اور آپ کو حق سبحانہ کا پیغام پہنچا کہ آپ اس فتح کے روک لینے سے غمگین نہ ہوں (اس ظاہری ذلت میں بھی آپ کے لئے فتوح موجود ہیں لیجئے فلاں زمین آپ کی ہے فلاں قلعہ آپ کا ہے اب دیکھ لیجئے کہ جب آپ لوٹے ہیں تو بنی قریظہ اور بنی نضیر پر کیا گزری اور انہوں نے کیسی شکست کھائی اور کیونکر ان کا ملک آپ کے قبضہ میں آیا۔ (یہ تو مولانا کا بیان ہے مگر بنی نضیر اور قریظہ کا واقعہ سیر کے بیان پر صلح حدیبیہ سے مقدم ہوا ہے لہذا اس کو فتح خیبر و فتح مکہ وغیرہ پر محمول کیا جاوے گا)

ان دونوں ریاستوں کی گرد جو قلعے تھے وہ بھی آپ کو مل گئے اور مال غنیمت سے آپ کو بہت سے منافع حاصل ہوئے۔ اب ہم علی سبیل التنزل کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی نہ ہوتب بھی اس جماعت کا کوئی ضرر نہیں بلکہ پھر بھی انکا نفع ہے کیونکہ اس وقت ان کو غم ہوگا اور غم پر یہ لوگ عاشق ہیں یہ لوگ زہر ذلت کو شکر کی طرح مزہ لے لے کر کھاتے ہیں اور خار غم کو اونٹ کی طرح بے تکلف چباتے ہیں اور ان کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ اور یہ حالت ان کی نفس غم کے لحاظ سے ہوتی ہے نہ اس لئے کہ وہ کسی خوشی کا ذریعہ ہے تا کہ اس خوشی کے نہ ہونے سے غم بدمزہ ہو جاوے اور یہ پستی ہی ان کے لئے عروج ہوتی ہے۔ یہ لوگ کنویں کی تہ میں اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ تخت وتاج سے ڈرتے ہیں ان میں کا ہر شخص فقیری میں بھی ایک عظیم الشان بادشاہ ہوتا ہے اور خزان فاقہ ہی میں سینکڑوں بہار کی مانند خنداں ہوتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ ان کا محبوب ان کے ساتھ ہوتا ہے اور اس حالت میں ان کو اس سے زیادہ قرب ہوتا ہے اور جہاں کہیں کہ کسی کا محبوب اس کے ساتھ ہم نشین ہوتا ہے وہ اس جگہ اس کے لئے آسمان سے بھی اوپر ہوتی ہے نہ کہ زمین کے نیچے خواہ زمین کی تہ ہی کیوں نہ ہو اس پر ایک حدیث یاد آ گئی سنو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لاتفضلونی علی یونس بنی متی یعنی میں معراج میں آسمان پر گیا تھا اور یونس قعر دریا میں شکم ماہی میں گئے تھے تو میری اس حالت کو ان کی اس حالت پر ترجیح نہ دو کیونکہ وہ اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ قرب حق مدار فضیلت ہے اور وہ موقوف نہیں ہے بلندی و پستی پر بلکہ وہ اس حساب سے باہر ہے وہ اوپر یا نیچے جانے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ قید ہستی سے چھوٹنے سے حاصل ہوتا ہے تو اس کا تفاوت تو بیشک مدار تفضیل ہو سکتا ہے مگر بلندی و پستی مدار نہیں بن سکتی۔ کیونکہ فانی کے لئے تعلّی و تسفّل حسی دونوں برابر ہیں نہ اس کے لحاظ سے جلدی کوئی شے ہے نہ دیر۔ نہ قرب حسی کوئی چیز ہے نہ بعد حسی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ خزانہ حق سبحانہ جہاں بنتا ہے وہ فنا ہی ہے لہذا وہ فنا ہی سے حاصل ہوتا ہے تم چونکہ ہستی کے دھوکہ میں مبتلا ہو اس لئے تم نہیں سمجھ سکتے فنا کیا چیز ہے خیر تو ان قیدیوں نے یہ کہا کہ ان لوگوں کے شکست ہم لوگوں کی شکست سے نہیں ملتی کیونکہ یہ لوگ ذلت اور بربادی میں یوں خوش ہوتے ہیں جیسے ہم لوگ عروج و اقبال کے زمانہ میں سامان بے سامانی ان کی جاگیر ہے فقر و ذلت ان کے لئے موجب فخر اور مثل علو ہے دوسرے نے یہ گفتگو سن کر کہا کہ یہ تمہارا بیان غلط ہے اگر وہ ایسا ہوتا تو ہم کو مقید دیکھ کر ہنستا کیوں۔ کیونکہ یہ حالت تو ان لوگوں کی ہوتی ہے جو دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیتے ہیں اور ان کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے اور دنیا کے قید خانے اور اس کی آزادی سے ان کو مطلق خوشی نہیں ہوتی۔ پس اگر وہ ایسا ہوتا تو اس سے اس کو کیوں خوشی ہوئی کہ اس نے اپنے دشمنوں کو مغلوب کر لیا اور اس فتح و ظفر سے وہ پھول کر کپا کیوں ہو گیا۔ اور اس سے اس کو کیوں خوشی ہوئی کہ اس نے ایسے بہادروں پر آسانی سے فتح پائی اس سے معلوم ہوا کہ وہ علائق دنیا سے آزاد نہیں ہے اور دنیا ہی سے خوش ہوتا ہے ورنہ ہنستا کیوں کیونکہ عالم علوی سے تعلق رکھنے والے اچھے برے سب لوگوں پر مشفق و مہربان ہوتے ہیں ان کو کسی کی تکلیف سے خوشی نہیں ہوتی۔ وہ قیدی آپس میں یہ بحث اور گفتگو چپکے چپکے کر رہے تھے تا کہ سپاہی نہ سن لے اور ہم پر حملہ کر اور جا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہدے خیر یہ مقصد تو ان حاصل ہو گیا کہ سپاہی نے

یہ گفتگو نہ سنی لیکن دوسرا مقصد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ معلوم ہو یہ نہ حاصل ہوا اور اگر چہ اس سپاہی نے جوان پر تعینات کیا گیا تھا یہ گفتگو نہ سنی مگر جناب رسول اللہ کے گوش قلب میں جو کہ ان کو حق سبحانہ کی طرف سے عطا ہوا تھا یا اعلام الٰہی یہ بات پہنچ گئی اور یہ امر کچھ بعید نہیں دیکھو پیراہن یوسف کا حال اس کی خوشبو نہ معلوم کر سکا مگر یعقوب علیہ السلام نے دور سے سونگھ لی شیاطین آسمان تک پہنچ کر لوح محفوظ کی غیب کی باتیں نہیں سن سکتے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے سوئے ہوتے ہیں اور اسرار غیبیہ آ کر ان کے گرد گھومتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ حلوا اسی کو ملتا ہے جس کی روزی کشادہ ہوتی ہے۔ اسے نہیں ملتا جس کی انگلیاں لمبی ہوں۔ لہذا شہاب ثاقب شیاطین کے لئے پہرہ دار ہوا کہ خبردار چوری مت کرو اگر اسرار کا شوق ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔ اور ان سے حاصل کرو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے تم جو طلب رزق کے لئے صبح سے محض دوکان پر جاتے ہو یہ ایسی ہی بے قاعدہ کوشش ہے جیسے کہ تحصیل اسرار کے لئے شیاطین کی اسے چھوڑو اور صحیح طریقہ اختیار کرو۔ یعنی مسجد میں جا کر خدا سے روزی مانگو اور جو طریقہ وہ بتائے اس طریقہ سے حاصل کرو۔

شرح شبّیری

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ان قدیوں کے دل کی بات کو معلوم کر لینا

پس رسول آن گفت شان رافہم کرد	گفت آن خندہ بنودم از نبرد
پس رسولؐ ان کی وہ گفتگو سمجھ گئے	فرمایا وہ میرا ہنسنا جنگ کے معاملہ میں نہ تھا

یعنی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس کہنے کو سمجھ لیا۔ اور فرمایا کہ میری وہ ہنسی لڑائی کے وجہ سے نہ تھی یعنی میں اس لئے نہیں ہنستا تھا کہ مجھے اس لڑائی میں فتح ہو گئی اس لئے کہ یہ کچھ خوش ہونے کی بات ہی نہیں کیونکہ۔

مردہ اند ایشان و بوسیدہ فنا	مردہ کشتن نیست مردی پیش ما
وہ مردہ ہیں اور فنا سے گلے ہوئے ہیں	مردے کو مارنا ہمارے نزدیک بہادری نہیں ہے

یعنی وہ لوگ تو مردہ ہیں اور بوسیدہ اور فنا ہونے والے مردہ کو مار ڈالنا ہمارے نزدیک مردانگی نہیں ہے۔

خود کیند ایشان کہ مہ گردد شگاف	چونکہ من پا بفشرم اندر مصاف
وہ کیا ہیں بلکہ چاند پھٹ جاتا ہے	جب میں میدان جنگ میں قدم جما لوں

یعنی خود وہ تو کیا ہیں چاند پھٹ جاوے جبکہ میں لڑائی کے اندر پاؤں جماؤں مطلب یہ کہ بھلا میں تمہارے مغلوب ہونے سے تو کیا ہی خوش ہوتا کیونکہ میری تو وہ شان ہے کہ اگر میں لڑائی میں ایک قدم ماروں تو چاند جیسا عظیم الجثہ بانور بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاوے۔

انگھے کا زاد بودید و مکین	من شمارا بستہ می دیدم چنین
جس وقت کہ تم آزاد اور مقیم تھے	میں تمہیں ایسا ہی بندھا ہوا دیکھ رہا تھا

یعنی جس وقت کہ تم آزاد اور اپنے اپنے ٹھکانوں میں تھے میں تم کو اسی طرح بندھا ہوا دیکھ رہا تھا مطلب یہ کہ خوش اس شے پر ہوتے ہیں کہ توقع کے خلاف خوشی کی بات ہو جاوے اور تمہارا قید ہونا اور یہ کہ تم میرے سامنے اس طرح بندھے ہوئے آؤ گے مجھے پہلے سے معلوم تھا' پھر خوشی کی کیا بات تھی۔

اے بنازیدہ بملک و خاندان	نزد عاقل اشترے بر نردبان
اے وہ جو سلطنت اور خاندان پر نازاں ہیں	(یہ) عقلمند کے نزدیک' سیڑھی پر اونٹ ہے

اے ملک اور خاندان پر اترائے ہوئے (یہ) عاقل کے نزدیک (مثل) ایک اونٹ کے ہے سیڑھی پر۔ مطلب یہ کہ دنیا کے ملک اور خاندان پر اترانا ایسا بے جوڑ ہے جیسے کہ اونٹ کا سیڑھی پر ہونا بے جوڑ ہے۔

نقش تن را تا فتاد از بام طشت	پیش چشمم کل آت آت گشت
جب سے جسم کا طشت بام سے گرا ہے	ہر آنے والی بات میری آنکھ کے سامنے آ گئی ہے

یعنی نقش تن کا طشت جب بام سے گرا تو میری آنکھ کے سامنے ہر آنے والی چیز آ گئی۔ مطلب یہ کہ جب اس تن کا ظہور ہوا ہے اور یہ تمام عالم پیدا ہوا ہے مجھ کو درجہ روحانیت میں تمام ضروری باتوں کا علم ہو گیا تھا۔

بنگرم در غورہ می بینم عیان	بنگرم در نیست شے بینم عیان
میں انگور کا کچا خوشہ دیکھتا ہوں' تو شراب دیکھ لیتا ہوں	میں عدم میں نظر کرتا ہوں تو وجود دیکھ لیتا ہوں

یعنی میں کچا انگور دیکھتا ہوں تو شراب کو ظاہر طور پر دیکھ لیتا ہوں اور نیست میں نظر کرتا ہوں تو شے دیکھ لیتا ہوں ظاہر طور پر مطلب یہ کہ جو چیز ہونے والی ہوتی ہے تو قبل از وجود وہ مجھے مکشوف ہو جاتی ہے۔

بنگرم سر عالمے بینم نہان	آدم و حوا نرستہ از جہان
میں عالم غیب کو دیکھتا ہوں تو ایک پوشیدہ جہان دیکھ لیتا ہوں	جبکہ آدم اور حوا دنیا میں نہ پیدا ہوئے تھے

یعنی میں پوشیدہ دیکھتا ہوں تو ایک مخفی عالم کو دیکھتا ہوں (اس حال میں) کہ آدم و حوا علیہا السلام جہاں سے پیدا نہ ہوئے تھے۔

من شمارا وقت ذرات الست	دیدہ ام پابستۂ و منکوس و پست
میں نے تمہیں' الست کی چیونٹیوں کے وقت	پابہ زنجیر' اور اوندھا' اور ذلیل دیکھا ہے

میں تم کو ذرات الست کے وقت سے پاؤں بندھے ہوئے اور اوندھے ذلیل دیکھ رہا تھا۔

از حدوث آسمان بے عمد	انچہ دانستہ بدم افزون نشد
بے ستون کے آسمان کے پیدا ہونے کے بارے میں	جو کچھ میں جان چکا تھا اس سے نہ بڑھا

یعنی آسمان بے ستون کے پیدا ہونے سے پہلے میں جو کچھ جانچ چکا تھا وہ زیادہ نہیں ہوا مطلب یہ کہ عالم کی پیدائش سے پہلے ہی مجھے ضروری امور کا علم اجمالی ہو چکا تھا۔

من شمارا سرنگون می دیدہ ام	پیش ازان کز آب وگل پالیدہ ام
میں نے تمہیں اوندھا دیکھا ہے	اس سے پہلے کہ میں نے آب وگل سے پرورش پائی ہے

یعنی میں تم کو اس سے پہلے کہ میں آب وگل سے پرورش پاؤں اوندھا دیکھ رہا تھا۔

نو ندیدم تا کنم شادی بدان	این ہمی دیدم دران اقبال تان
میں نے نئی بات نہیں دیکھی کہ اس پر خوشی مناؤں	یہ تو میں تمہارے مقدر میں دیکھ رہا تھا

یعنی میں نے کوئی نیا نہیں دیکھا ہے جو میں اس کی وجہ سے خوشی کروں اس کو میں تمہارے نصیبہ میں دیکھ رہا تھا۔

بستۂ قہر خفی وانگہ چہ قہر	قندمی خوردید دروے درج زہر
مخفی قہر میں بندھے ہوئے پھر قہر بھی کیسا؟	تم شکر کھا رہے تھے اور اس میں زہر داخل تھا

یعنی اس حال میں کہ قہر مخفی کے بستہ تھے اور کیسا کچھ قہر تم قند کھا رہے تھے اور اس میں زہر داخل تھا مطلب یہ کہ تم مقہور حق تھے اور اس میں عیش وعشرت کر رہے تھے حالانکہ وہ عیش وعشرت ہی تمہارے لئے رسم قاتل تھا آگے ایک اس کی مثال دیتے ہیں۔

این چنین قندے پراز زہراز عدو	خوش بنوشد چت حسد آید برو
اگر دشمن زہر سے بھری ہوئی ایسی شکر	خوشی سے کھائے تو اس پر کیا حسد ہو سکتا ہے؟

یعنی اگر ایسے زہر کی بھری ہوئی قند دشمن کھاوے تو تمہیں کیا اس پر حسد آوے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا وہ عیش وآرام اصل میں زہر تھا اور تم اس میں منہمک تھے تو اس کی تو ایسی مثال ہے کہ ہمارا ادشمن زہر ملی ہوئی قند کھانے لگے تو کیا ہمیں اس پر حسد آوے گا کہ یہ قند اس کو نہ ملے اور ہمیں مل جاوے اور کیا اس قند کے مل جانے پر ہمیں کوئی خوشی ہو سکتی ہے۔

با نشاط آن زہر می کردی بنوش	مرگ تان خفیہ گرفتہ ہر دو گوش
تم خوشی سے وہ زہر پی رہے تھے	تمہاری موت نے مخفی طور پر دونوں کان بند کر دیئے تھے

یعنی عیش کے ساتھ تم وہ زہر پی رہے تھے اور موت خفیہ طور پر تمہارے دونوں کان پکڑے ہوئے تھی

(اور فرماتے ہیں)

من نمی کردم غزا از بہر آن	تا ظفر یا بم فرو گیرم جہان
میں اس لئے جہاد نہیں کرتا ہوں	کہ فتح مند ہوں دنیا پر قبضہ کروں

یعنی میں لڑائی اس واسطے نہیں کرتا تھا کہ فتح پالوں اور ملک لے لوں (کیونکہ

کاین جہان جیفہ است و مردار و خیص	بر چنین مردار چون باشم حریص
یہ دنیا مردار ہے اور سستا مردار	ایسے مردار پر میں کیسے لالچی بن سکتا ہوں؟

یعنی کہ یہ جہان مردار اور ناپاک اور بے قیمت ہے تو ایسے مردار پر میں کیونکر حریص ہوں (اس لئے کہ)

سگ نیم تا پرچم مردہ کنم	عیسیم آیم کہ تا زندہ اش کنم
میں کتا نہیں ہوں کہ مردار کی دم کے بال نوچوں	میں عیسیٰ ہوں (اس لئے) آیا ہوں تا کہ اس کو زندہ کردوں

یعنی میں کتا تو نہیں کہ مردہ کی کھال اکھاڑوں عیسیٰ ہوں میں آتا ہوں تا کہ زندہ اس کو کروں مطلب یہ کہ مجھے اس مردار دنیا کی کیا ضرورت تھی کہ جو میں اس کے لئے قتل وقتال کرتا بلکہ۔

زان ہمی کردم صفوف جنگ چاک	تا رہانم مر شمارا از ہلاک
میں نے جنگ کی صفوں کو اس لئے چاک کیا ہے	تا کہ تمہیں ہلاکت سے رہائی دوں

یعنی میں لڑائی کی صفوں کو اس لئے چاک کر رہا تھا تا کہ تم کو ہلاکت سے چھڑاؤں۔

زاں نم برم گلوہائے بشر	تا مرا باشد کروفر و حشر
میں انسانوں کے گلے اس لئے نہیں کاٹتا ہوں	کہ میرے لئے شان و شوکت اور اجتماع ہو

یعنی میں لوگوں کے گلے اس لئے نہیں کاٹتا تھا کہ میرے لئے کروفر اور انجام ہو جاوے (بلکہ)

زان ہمی برم گلوئے چند تا	زان گلوہا عالمے یابد رہا
میں چند انسانوں کا گلا اس لئے کاٹتا ہوں تا کہ	ان گلوں سے دنیا نجات پا جائے

یعنی میں چند گلے اس واسطے کاٹ رہا تھا تا کہ ان گلوں سے ایک عالم رہائی پاوے۔

گرشما پروانہ وار از جہل خویش	پیش آتش می کیند این حملہ کیش
اگر تم نے اپنی نادانی سے، پروانوں کی طرح	آگ پر اس حملے کو مذہب بنا لیا ہے

یعنی اگرچہ تم پروانہ کی طرح اپنے جہل کی وجہ سے آگ کے سامنے یہ تمام مذہب کر رہے تھے۔

من ہمی رانم شمارا ہمچو مست	از در افتادن در آتش با دو دست
میں مست کی طرح تمہیں ہٹاتا ہوں	دونوں ہاتھوں سے آگ میں گرنے سے

یعنی میں تم کو آگ میں گرنے سے دونوں ہاتھوں سے مست کی طرح ہٹا رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ جس طرح مست کو بچایا کرتے ہیں کہ اسے خود کچھ خبر نہیں ہوتی اسی طرح فرماتے ہیں کہ میں تم کو بچا رہا ہوں۔ امام بخاری نے ایک روایت نقل کی ہے۔ عن ابی هریرة قال رسول الله صلی الله علیه وسلم مثلی کمثل رجل استوقد ناراً فلما اضاءت ما حولها جعل الفراش و هذه الذواب التی تقع فی النار یقعن فیها و جعلها یحجزهن و یغلبنه فیقتحمن فیها فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقتحمون. اسی روایت کے مضمون کو مولانا اس جگہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جو تم سے لڑتا تھا وہ ملک گیری کے لئے نہیں بلکہ تم اپنے مذہب کی باتیں کرتے آگ میں گھسے جاتے ہو اور میں تم کو اس سے ہٹانا چاہتا ہوں۔

آنکہ خود را فتحہا پنداشتید	تخم منحوسے خود می کاشتید
جس کو تم نے اپنی فتوحات سمجھا	تم نے اپنی نحوست کا بیج بویا ہے

یعنی جس کو کہ تم اپنے لئے فتح سمجھتے تھے وہ تم اپنی منحوسی کا بیج بو رہے تھے۔

یک دگر را جدوجد می خواندید	سوئے اژدرہا فرس می راندید
تم ایک دوسرے کو بڑے اصرار سے بلاتے تھے	اژدہوں کی جانب گھوڑا دوڑاتے تھے

یعنی ایک دوسرے کو کوشش اور کوشش سے بلا رہے تھے اور اژدہا کی طرف گھوڑا چلا رہے تھے۔

قہر می کردید اندر عین قہر	خود شما مقہور قہر شیر دہر
تم ظلم کرتے تھے اور عین ظلم میں	تم خود زمانے کے شیر کے غلبہ سے مغلوب ہو گئے

یعنی تم عین قہر میں ظلم کر رہے تھے خود تم شیر زمانہ کے قہر کے مقہور تھے مطلب یہ کہ تم خود قہر حق میں مبتلا تھے۔ اور اس پر یہ ظلم کر رہے تھے آگے اس مضمون کو ایک مثال میں بیان فرماتے ہیں۔

بیان اس کا کہ ظالم عین ظلم کرنے کے وقت مقہور ہے

دزد قہر خواجہ کرد زر کشید	او دزان مشغول خود والی رسید
چور نے خواجہ کو مغلوب کیا اور سونا اکٹھا کیا	وہ اس میں مشغول تھا کہ خود حاکم آ گیا

یعنی چور نے خواجہ پر ظلم کیا اور روپیہ لے لیا وہ اسی میں مشغول تھا کہ حاکم خود پہنچ گیا۔

گر ز خواجہ آن زمان بگریختی	کے برڈ والی حشر انگیختی
اگر وہ اس وقت، خواجہ کے پاس سے بھاگ جاتا	تو حاکم، اس پر کب قیامت برپا کرتا؟

یعنی اگر خواجہ سے اس وقت بھاگ جاتا تو اس پر حاکم کب مجمع کوڑا لاتا۔

قاہری دزد مقہور ریش بود	زانکہ قہر او سرا و را ربود
چور کا غلبہ ہاں کی مغلوبیت تھی	اس لئے کہ اس کے غلبہ نے اس کا سر اڑا دیا

چور کا ظلم اسی کی مغلوبیت ہو گئی اس لئے کہ اسی کا قہر اس کے سر کو لے گیا۔

غالبی بر خواجہ دام او شود	تارسد والے و بستاند قود
خواجہ پر غلبہ اس کا جال بن جاتا ہے	حتیٰ کہ حاکم آ پہنچے اور قصاص لے لے

خواجہ پر غالب ہو جانا اسی (چور) کے لئے جال ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حاکم پہنچتا ہے اور بدلہ لیتا ہے۔

آگے مولانا فرماتے ہیں۔

ایکہ تو بر خلق چیرہ گشتۂ	در نبرد و غالبی آغشتۂ
آں بقاصد منہزم کردست شاں	تاترا در حلقہ می آردکشاں

یعنی کہ شخص جو ایک مخلوق پر غالب ہو رہا ہے اور مقابلہ اور غالب ہونے میں ملا ہوا ہے تو۔

آن بقاصد منہزم کردست شان	تا ترا در حلقہ می آرد کشان
اس نے قصداً ان کو پسپا کیا ہے	تاکہ تجھے حلقے میں کھینچ لائے

یعنی اس (حق تعالیٰ) نے قصداً ان (لوگوں) کو پست کر دیا تاکہ تجھ کو حلقہ میں کھینچتا ہوا لاوے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے جو تجھے غالب اور ان کو مغلوب بنایا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ تو خوب ظلم کر لے تاکہ پھر تجھے ایک دم سے گرفتار کر لیں لہٰذا تجھے چاہئے۔

مین عنان درکش ہے این منہزم	در مران تا تو نگردی منخزم
اس پسپا کا پیچھا کرنے سے باگ تھام	نہ چلا تاکہ تو کھٹا نہ بن جائے

یعنی ہاں اس پست ہونے والے کے پیچھے سے باگ کھینچ لے (سواری کو) چلا مت تاکہ تو مقطوع نہ ہو جاوے مطلب یہ کہ ان مظلوموں پر ظلم کرنا چھوڑ دے اس لئے کہ کہیں ان پر ظلم کرنے سے تجھ پر وبال نہ آ جاوے۔

چون کشانندت بدین شیوہ مدام	حملہ بینی بعد ازان اندر زحام
جب تجھے اس طریقہ پر جال میں کھینچ لائیں گے	اس کے بعد مجمع میں (تو اپنے اوپر) حملہ دیکھے گا

یعنی جب تجھ کو قضا و قدر اس طریقہ سے جال میں کھینچ لیں گے تو اس کے بعد تو ازدحام کے اندر حملہ دیکھے گا۔

عقل ازین غالب شدن کے گشت شاد	چون درین غالب شدن دید او فساد
اس غالب آنے سے عقل کب خوش ہوتی ہے؟	جبکہ اس غالب آنے میں اس نے تباہی دیکھ لی ہے

یعنی عقل اس غالب ہونے سے کب خوش ہوئی جبکہ اس غالب ہونے میں اس نے فساد دیکھا۔

تیز چشم آمد خرد بینائی پیش	کہ خدا ایش سرمہ کرد از کحل خویش
پیش بین عقل تیز آنکھوں والی ہے	کیونکہ خدا نے اپنے سرمے سے اس کے سرمہ لگایا ہے

یعنی عقل انجام میں تیز چشم ہوتی ہے جبکہ خدائے تعالیٰ نے اس کا سرمہ اپنے سرمہ سے کیا۔ مطلب یہ کہ جو عقل انجام بین ہے اور حق تعالیٰ نے اسے بصیرت عطا فرمائی ہے وہ پہلے ہی دیکھ لیتی ہے کہ اس غالب ہونے میں بجز فساد کے کچھ نفع نہیں لہذا اس سے وہ کبھی خوش نہیں ہوتی۔

گفت پیغمبر کہ ہستند از فنون	اہل جنت در خصومتہا زبون
پیغمبرؐ نے فرمایا حکمتوں کی وجہ سے میں	جنتی جھگڑوں میں مغلوب

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فنون کی وجہ سے اہل جنت جھگڑوں میں عاجز ہوتے ہیں۔

از کمال حزم و سوء الظن خویش	نے ز نقص و بددلی و ضعف کیش
پوری ہوشیاری اور اپنے ساتھ بدگمانی کی وجہ سے ہے	نہ (عقل) نقصان اور بزدلی اور مذہب کی کمزوری کی وجہ سے

اپنے کمال احتیاط اور برائی کے اندیشہ کی وجہ سے نہ کہ کمی اور بددلی اور مذہب کے ضعیف ہونے کی وجہ سے مطلب یہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو نیک لوگ ہیں وہ جھگڑوں میں ہمیشہ خود ہی مغلوب ہو جاتے ہیں اور یہ مغلوب ہونا کسی نقصان اور بددلی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

در فرہ دادن شنیدہ در کمون	حکمت لولا رجال مومنون
غلبہ دینے (کے بارے) میں درپردہ سنے ہوئے تھے	لولا رجال مؤمنون کی حکمت

یعنی غلبہ دینے میں وہ پردہ ہی میں لولا رجال مومنون کی حکمت کو سنے ہوئے تھے۔

دست کوتاہی ز کفار لعین	فرض شد بہر خلاص مومنین
ملعون کفار سے ہاتھ روکنا	مومنوں کی خلاصی کے لئے فرض ہوا

کفار لعین سے ہاتھ روکنا مومنین کے چھٹکارہ کے واسطے فرض ہوا۔

قصۂ عہد حدیبیہ بخوان	کف ایدیکم تمامت زان بدان
حدیبیہ کی صلح کا قصہ پڑھو	"اس نے تمہارے ہاتھوں کو روکا" پورا اس سے سمجھ لے

حدیبیہ کے زمانہ کے قصہ کو پڑھ لے کف ایدیکم پورے کو اسی وجہ سے جان۔ مطلب یہ کہ اوپر کہا ہے کہ نیک لوگ جھگڑوں میں ہمیشہ خود ہی مغلوب ہو جاتے ہیں اور یہ مغلوب ہونا کسی احتیاط کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اب یہاں اس کی ایک نظیر بیان کرتے ہیں کہ دیکھو حدیبیہ میں جو بظاہر مسلمان مغلوب ہو گئے اس کی حکمت وہ تھی جو کہ آیت لولا رجال

مومنون الایہ میں بیان کی گئی ہے کہ اگر مومنون مغلوب نہ ہوتے تو مکہ میں جو پوشیدہ ایمان والے مسلمان موجود تھے وہ بھی اس لڑائی میں مارے جاتے اور پھر مسلمانوں پر اس کا وبال پڑتا۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے دونوں طرف سے ہاتھ رکوا دیئے اور قتال نہ ہونے دیا تو دیکھئے کہ ان کی مغلوبیت میں کس قدر عظیم الشان مصلحت تھی آگے فرماتے ہیں۔

نیز اندر غالبی ہم خویش را	دید او مغلوب دام کبریا
غلبے میں بھی اپنے آپ کو	اس نے اللہ کے جال میں مغلوب سمجھا

یعنی غلبہ کی حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو حق تعالیٰ کے جال کا مغلوب دیکھا (اس لئے کہ)

مارمیت اذرمیت آمد خطاب	گم شد او واللہ اعلم بالصواب
"تونے نہیں پھینکا جبکہ تونے پھینکا" خطاب آیا	تو وہ فنا ہوگیا اور اللہ درستگی کو زیادہ جانتا ہے

یعنی مارمیت اذرمیت کا خطاب آیا تو آپ فنا ہوگئے واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ جھگڑوں میں تو اپنے کو مصلحت کی وجہ سے مغلوب کر ہی لیتے تھے مگر غلبہ کی حالت میں بھی وہ اپنے کو مغلوب ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ مارمیت اذرمیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کی رمی کو حق تعالیٰ نے اپنی ہی رمی فرمایا جس سے کہ درجہ کمال فنا اور اتحاد اصطلاحی معلوم ہوتا ہے تو یہاں بھی باوجودیکہ غلبہ تھا لیکن دست قدرت حق سے مغلوب ہی ہے آگے پھر حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدیوں سے ارشاد ہے۔

زان نمی خندم من از زنجیر تان	کے بگردم ناگہان شبگیر تان
میں تمہاری زنجیر سے اس لئے نہیں ہنستا ہوں	کہ میں نے تمہیں اچانک رات میں گرفتار کر لیا

یعنی میں تمہاری زنجیر پر اس وجہ سے نہیں ہنستا کہ میں تمہارا ناگہاں رات کا پکڑنے والا ہوگیا (بلکہ)

زان ہمی خندم کہ بازنجیر وغل	می کشم تان سوے سردستان وگل
میں اس لئے ہنس رہا ہوں کہ زنجیر اور طوق کیساتھ	میں تمہیں لے جا رہوں سرو اور گل کے باغیچہ میں

میں اس لئے ہنستا ہوں کہ قید وزنجیر کے ساتھ تم کو باغ اور پھول کی طرف کھینچ رہا ہوں۔

اے عجب کز آتش بے زینہار	بستہ می آریم تان تا سبزہ زار
کس قدر عجیب بات ہے کہ بے پناہ آگ سے	تم کو سبزہ زار کی طرف باندھ کر لا رہا ہوں

تعجب ہے کہ بے پناہ آگ سے میں تم کو سبزہ زار کی طرف کھینچتا ہوا لا رہا ہوں۔

از سوئے دوزخ بزنجیر گراں	می کشم تان تا بہشت جاوداں
بھاری زنجیر کے ساتھ دوزخ سے	ابدی جنت کی طرف میں تمہیں کھینچ رہا ہوں

یعنی دوزخ کی طرف سے بھاری زنجیر کے ساتھ میں تم کو بہشت جاودانی کی طرف لا رہا ہوں آگے مولانا فرماتے ہیں۔

ہر مقلد را درین رہ نیک و بد	ہم چنان بستہ بحضرت می کشد
ہر مقلد کو اس راستہ میں اچھائی سے یا برائی سے	اسی طرح باندھ کر دربار میں کھینچتا ہے

یعنی ہر مقلد کو اس نیک (بہشت) اور بد (دوزخ) راستہ میں اسی طرح باندھے ہوئے بارگاہ باری تک کھینچ رہے ہیں (مقلد سے مراد عوام ہیں)

جملہ در زنجیر بیم و ابتلاء	می روند این رہ بغیر اولیاء
سب خوف اور آزمائش کی زنجیر میں	اولیاء کے علاوہ اس راستہ پر چلتے ہیں

یعنی سب خوف اور امتحان کی زنجیر میں یہ راہ چل رہے ہیں سوائے اولیاء اللہ کے (کہ وہ اپنی رضا سے چل رہے ہیں)

می کشند این راہ را بیگار وار	جز کسانے واقف از اسرار کار
اس راستہ پر جبری طریقہ پر کھینچتے ہیں	سوائے ان کے جو کام کے بھیدوں سے واقف ہیں

یعنی اس راستے کو (عوام) بیگار کی طرح کھینچ رہے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو کام کے اسرار سے واقف ہیں۔

جہد کن تا نور تو رخشان شود	تا سلوک و خدمتت آسان شود
مجاہدہ کر تاکہ تیری روشنی چمک اٹھے	تاکہ تیرے لئے چلنا اور حضوری آسان ہو جائے

یعنی کوشش کر تا کہ تیرا نور روشن ہو جاوے اور تا کہ تجھ کو سلوک اور خدمت آسان ہو جاوے آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

کودکان را می بری مکتب بزور	زانکہ ہستند از فوائد چشم کور
تو بچوں کو مکتب میں جبراً لے جاتا ہے	اس لئے کہ وہ فائدوں سے اندھے ہیں

یعنی بچوں کو زبردستی مکتب لے جاتے ہو اس لئے کہ وہ فوائد (مکتب) سے اندھے ہیں۔

چون شود واقف بمکتب می رود	جانش از رفتن شگفتہ می شود
جب وہ جان جاتا ہے مکتب میں دوڑا جاتا ہے	اس کی روح جانے سے کھلتی ہے

یعنی جب (فوائد مکتب سے) واقف ہو جاتا ہے تو مکتب کی طرف دوڑتا ہے جان اس کی مکتب جانے سے شگفتہ ہوتی ہے۔

میرود کودک بہ مکتب پیچ پیچ	چون ندید از مزد کار خویش ہیچ
بچہ مکتب میں پیچ و تاب سے جاتا ہے	کیونکہ اس نے اپنے کام کا کوئی معاوضہ نہیں دیکھا ہے

یعنی بچہ مکتب میں گھبراتا ہوا جاتا ہے جبکہ وہ اپنے کام کی مزدوری ہی نہ دیکھے۔

چون کند در کیسہ دانگے دست مزد	آنگہے بے خواب گردد شب دزد
جب ایک دانگ مزدوری تھیلی میں ڈال لیتا ہے	تب چور کی طرح رات کو جاگتا ہے

یعنی جب بٹوہ میں ایک پیسہ مزدوری کا رکھ لیتا ہے تو اس وقت چور کی طرح رات کو بیخواب ہو جاتا ہے۔
یعنی پھر تو شوق کتب میں رات کو نیند بھی نہیں آتی آگے مولانا فرماتے ہیں۔

جهد کن تا مزد طاعت در رسد	بر مطیعان انگهان آید حسد
کوشش کر تاکہ بندگی کی مزدوری مل جائے	تب تجھے فرمانبرداروں پر حسد ہو گا

یعنی کوشش کرتا کہ طاعت کی مزدوری پہنچے اس وقت تجھ کو طاعت کرنے والوں پر غبطہ ہو یعنی کوشش کر کے کچھ حاصل کر اس وقت تجھے اپنے سے زیادہ لوگوں پر غبطہ ہوگا اور چاہے گا کہ میں بھی ایسا ہی ہو جاؤں۔

ائتیا کرہاً مقلد گشتہ را	ائتیا طوعاً صفا بسرشتہ را
مقلدوں کے لئے "تم دونوں جبرا آؤ" ہے	خلوص کی سرشت والوں کے لئے تم دونوں رضامندی سے آؤ" ہے

یعنی مقلد کے لئے تو ائتیا کرھا ہے اور صفا سے ملے ہوئے کے لئے ائتیا طوعا ہے۔

این محبّ حق زبہر علتے	وان دگر را بے غرض خود خلتے
یہ خدا کا دوست، کسی غرض سے ہے	اس دوسرے کی خود بے غرضی دوستی ہے

یہ (عوام) تو حق تعالیٰ کے محب کسی علت کی وجہ سے ہیں اور اس دوسرے (یعنی اولیاء) کو خود ایک دوستی ہے آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں۔

این محبّ دایہ لیک از بہر شیر	وان دگر دلدادہ بہر این ستیر
یہ انا کا عاشق ہے، لیکن دودھ کی خاطر	وہ دوسرا اس پردہ نشین کا دلدادہ ہے

یعنی یہ (بچہ) دایہ کا عاشق ہے لیکن دودھ کے واسطے اور وہ (زوج دایہ) اس عورت کا دلدادہ ہے کیونکہ

طفل را از حسن او آگاہ نے	غیر شیر او را ازو دلخواہ نے
بچے کو اس کے حسن سے واقفیت نہیں ہے	اس کے دودھ کے علاوہ اس کو کچھ مرغوب نہیں ہے

یعنی بچہ کو اس کے حسن کی خبر نہیں ہے اور سوائے دودھ کے اس کو اس سے کچھ مطلوب نہیں ہے۔

وان دگر خود عاشق دایہ بود	بے غرض در عشق یک رایہ بود
دوسرا خود انا کا عاشق ہوتا ہے	بلا کسی غرض کے عشق میں ایک رائے والا ہوتا ہے

اور وہ دوسرا (زوج دایہ) خود دایہ کا عاشق ہوتا ہے بغیر کسی غرض کے عشق میں ایک رائے والا ہوتا ہے آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں۔

پس محب حق بامید و بترس	دفتر تقلید میخواند بدرس
لالچ اور ڈر سے، اللہ کا دوست	تقلید کی کتاب کو درس کے ساتھ پڑھ رہا ہے

پس جو خدا کا محب امید اور خوف کی وجہ سے ہے وہ سبق میں دفتر تقلید کو پڑھ رہا ہے۔

وان محب حق ز بہر حق کجاست	کہ ز اغراض و زعلتہا جداست
وہ اللہ کے لئے' اللہ کا دوست کہاں ہے؟	جو غرضوں اور علتوں سے جدا ہے

یعنی وہ محب حق جو حق ہی کے واسطے ہو کہاں ہے جو کہ غرضوں اور علتوں سے جدا ہے۔

گر چنین و گر چنان چون طالب ست	جذب حق او را سوئے حق جاذب ست
خواہ ایسا ہے خواہ ویسا ہے' جبکہ وہ طلبگار ہے	اللہ (تعالیٰ) کی کشش اس کو اللہ کی جانب کھینچنے والی ہے

اگر اس طرح خواہ اس طرح جب طالب ہے جذب حق اس کے لئے حق کی طرف جاذب ہے۔ مطلب یہ کہ اوپر عوام کی محبت حق کو باغرض بتلایا تھا اور بظاہر اس کی کچھ مذمت کی تھی تو عوام کو اس سے کچھ پاس ہوئے اس کو دفع فرماتے ہیں کہ غرض کے ساتھ بے غرضی کے ساتھ جس طرح بھی ہو جب طلب ہوگی تو اس طرف سے کشش بھی ہوگی اور وہ کشش ایک دن مقصود تک پہنچا بھی دے گی۔ لہذا اصل چیز طلب ہے اس کو پیدا کرنا چاہئے۔

گر محب حق بود لغیرہ	کے ینال دائما من خیرہ
خواہ ماسوئی (اللہ) کے لئے اللہ کا دوست ہے	تاکہ ہمیشہ اس کی خیر حاصل کرے

یعنی اگر محب حق غیر حق کی وجہ سے ہوگا تو اس کی خیر سے ہمیشہ کب پہنچتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی بہشت وغیرہ ہی کی وجہ سے محب حق ہے تو اس کو اس وقت تو بہشت مل ہی نہیں رہی ہے اور محب اس وقت ہے تو یہ محب لغیرہ بھی ایک درجہ میں محب لعینہ ہوا۔

یا محب حق بود لعینہ	لا سواہ خائفا من بینہ
یا اس کی ذات کی وجہ سے اس کا دوست ہے	وہ اس کے سوئی سے نہیں اس کے فراق سے ڈرتا ہے

یا محب حق خاص حق کے واسطے ہو اور حق کے سوائے کسی سے ڈرنے والا نہ ہو۔

ہر دو را این جستجو ہا زان سرست	این گرفتاری دل زان دلبرست
دونوں کی جستجوئیں اسی کی جانب سے ہیں	یہ دل کی مجبوری اسی دلبر کی جانب سے ہے

دونوں کی جستجوئیں اسی طرف سے ہیں اور یہ دل کی گرفتاری اس دلبر ہی کی وجہ سے ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں کو بذریعہ وحی سمجھ لیا اور یہ جواب دیا کہ میرا ہنسنا جنگ کے سبب نہیں ہے کیونکہ کفار مردہ ہیں اور فنائے روحانی نے ان کو گلا دیا ہے اور مرے کو مارنا ہمارے

نزدیک کوئی بہادری نہیں ہے کہ ہم خوش ہوں یہ تو کیا بلا ہیں میری تو یہ حالت ہے کہ اگر میں جنگ میں پاؤں جماؤں تو ماہتاب کا جگر شق ہو جاوے نیز جس وقت تم آزاد تھے اور اپنے مقام میں تم کو پوری قوت حاصل تھی میں اسی وقت سے تم کو یوں ہی مقید دیکھتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم خدا کے مخالف ہو اور اس سے جنگ کرنا چاہتے ہو اور خدا کے مقابلہ میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ لہذا ایک دن مقید ہونا یا مارا جانا یا اطاعت کر لینا ضرور ہے۔ غرضکہ تمہاری مغلوبیت لازم ہے کسی عنوان سے ہو۔ اے لوگو جو کہ اس حکومت اور خاندان پر مغرور ہو جو کہ یوں ہی زائل ہونے والا ہے جیسے اونٹ کو سیڑھی پر قرار نہیں ہوتا خوب سن رکھو کہ جب سے کہ میرا نقش تن فنا ہوا ہے اس وقت سے میرے نزدیک ہر وہ شئے جو ہونے والی ہے اور جو تن کی وجہ سے محجوب تھی موجود اور پیش نظر ہو گئی۔ (تنبیہ طشت از بام افتادن کے معنی راز ظاہر ہونے اور مشہور ہونے کے لکھے ہیں مگر یہ معنی بظاہر درست نہیں اس لئے ہم نے وہ معنی کئے ہیں جو اوپر لکھے گئے خواہ ان معنی میں بھی یہ لفظ مستعمل ہو یا بنوعی از استلزام معنی منقول اس معنی کو مستلزم ہوں۔ واللہ اعلم) اب میرے علم کی وسعت کی یہ حالت ہے کہ خوشۂ انگور میں شراب کا مشاہدہ کرتا ہوں اور عدم میں وجود کو دیکھتا ہوں۔ یہ تو میرے علم متعلق بمستقبلات کی حالت ہے اب سنو کہ جب میں عالم غیب پر نظر کرتا ہوں تو اس میں ایک عالم کو مخفی پاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ ہنوز آدم وحوا کا بھی وجود نہیں ہوا یعنی اس حالت کا نظارہ بھی میری پیش نظر ہے غرضکہ ماضی و مستقبل ہر دو کے متعلق میرا علم بہت وسیع ہے گو محدود ہے یہ تو میری موجودہ حالت ہے اب میں اس سے بھی ترقی کر کے دیکھتا ہوں کہ جس وقت میثاق کے وقت انسان کو آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی شکل میں نکالا گیا تھا میں نے اسی وقت تم کو اجمالاً پابستہ اور اوندھے منہ اور پست دیکھ لیا تھا اور آسمانوں کے وجود سے میرے اس علم میں کوئی ترقی نہیں ہوئی جو مجھے پہلے تھا۔ ہاں مگر جمال و تفصیل کا فرق ہو سکتا ہے۔ مثلاً مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھ کو نبی بنایا گیا ہے اور مجھ کو دشمنوں پر غلبہ دیا جاوے گا۔ پس اس واقعہ سے اس علم کا مصداق متعین ہو گیا اور اجمال کی تفصیل ہو گئی مگر کوئی معتد بہ جدید علم زائد نہیں ہوا ہاں تو میں کہتا ہوں کہ میں قبل اس کے کہ آب و گل سے پرورش پاؤں اجمالاً تم کو مغلوب اور سرنگوں دیکھ چکا تھا کوئی نئی بات نہیں دیکھی کہ خوش ہوں میں تو تم کو پیشتر ہی دیکھ چکا تھا کہ تم قہر مخفی میں مقید ہو اور قہر بھی کیسا کچھ کہ تم قند کھاتے تھے اور اس میں زہر ملا ہوا تھا کیونکہ یہ حالت زیادہ خطرناک ہے کہ اس میں تنبیہ ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ اگر کسی بدمزہ شے میں ملا ہو یا تنہا ہو تو اس سے آدمی بچ سکتا ہے اور جو زہر مرغوب شئے میں ملا ہو اس سے بچنا نہایت دشوار ہے اب تم سمجھو کہ جب قند ایسی ہو کہ اس میں دشمن نے زہر ملا دیا ہو اور کوئی اس کو مزہ لے لے کر کھا رہا ہو تو اس پر تم کو حسد ہو سکتا ہے ہرگز نہیں پس تم خوش خوش زہر کھا رہے تھے اور موت تمہارے کان پکڑے ہوئے تھی اور میں دیکھ رہا تھا تو مجھے تمہاری حالت پر کیا رشک ہو سکتا تھا۔ میں نے اس لئے جہاد نہیں کیا کہ میں فاتح ہو کر دنیا بھر پر قبضہ کر لوں کیونکہ یہ جہان مردار اور بہت کم قیمت ہے ایسے مردار پر میں کیا حرص کرتا میں کتا نہیں کہ مردہ پر تسلط حاصل کروں بلکہ میں عیسیٰ ہوں اور میرا کام مردوں کو زندہ کرنا ہے لہذا میں صفہائے جنگ کو اس لئے چیرتا پھاڑتا تھا کہ تمہیں

ہلاکت سے بچاؤں اور میں لوگوں کے گلے اس لئے نہیں کاٹتا کہ مجھے کوئی شان و شوکت حاصل ہو اور لاؤ لشکر میرے پاس ہو بلکہ میں اس لئے کاٹتا ہوں کہ میرے ایسا کرنے سے مخلوق کے گلے بچ جائیں اگر تم پروانہ کی طرح اپنی نادانی سے آگ کے سامنے اپنے پر کرتے ہو تو میں تم کو نہایت جرات کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے آگ میں گرنے سے بچاتا ہوں اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ ہم کو بھی فتحیں حاصل ہوئی ہیں سو جس کو تم اپنی فتح سمجھتے ہو یہ فی الحقیقت فتحیں نہیں ہیں بلکہ تم اپنی منحوسی کا بیج بو رہے ہو تم آپس میں ایک دوسرے کو پوری کوشش سے بلاتے ہو اور اژدھے کے منہ میں جا رہے ہو۔ تم دوسروں کو مغلوب کرتے ہو مگر اس غلبہ میں خود تمہاری مغلوبی پنہاں ہے اور شیر زمانہ تم کو مغلوب کر رہا ہے یہ امر بدوں مثال کے آسانی سے سمجھ میں نہ آئے گا اس لئے ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں فرض کرو کہ ایک چور نے ایک امیر کو مغلوب کیا اور اشرفیاں لے لیں وہ ایسا کر ہی رہا تھا کہ اچانک سپرنٹنڈنٹ پولیس آ گیا اور گرفتار کر لیا اب تم سمجھو کہ اس کا اس امیر کو مغلوب کرنا خود اس کی مغلوبی تھی یا نہیں دیکھو اگر وہ پہلے ہی امیر سے بھاگتا اور اسے نہ چھیڑتا تو یہ سپرنٹنڈنٹ پولیس اس پر دوش کیوں لاتا۔ پس معلوم ہوا کہ چور کا غلبہ فی الحقیقت اس کی مغلوبی تھا اس لئے کہ اس کے غلبہ ہی نے اس کی گردن ماری ہے۔ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ چور کا غلبہ خود اس کے لئے جال میں جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس پہنچ کر اس سے قصاص لیتا ہے تو اب سمجھو کہ تم جو مخلوق پر لڑائی میں غالب ہوتے ہو اور تم کو غصہ سے اتصال ہوتا ہے تو یہ فضل حق سبحانہ قصداً کرتے ہیں کہ ان کو تم سے شکست دلاتے ہیں تا کہ تم کو پابستہ زنجیر کر کے کھینچیں دیکھو اپنے گھوڑے کو روکنا اور ان بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا تا کہ تم بے موت نہ مارے جاؤ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم جال میں پھنس جاؤ گے اور جب اس تدبیر سے تم کو جال میں پھنسا لیا جاوے گا تو پھر تم پر جماعت کثیرہ کا دفعۃً حملہ ہوگا اور تم مارے جاؤ گے۔ اب تم سوچو کہ عقل ایسے غالب ہونے سے کیونکر خوش ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس غلبہ میں اس قدر نقصان دیکھ رہی ہے۔ عقل پیش میں نہایت تیز نظر ہے کیونکہ حق سبحانہ نے اس کی آنکھ میں اپنے نور کا سرمہ لگایا ہے اور اس سے وہ ابتداء کار میں نتیجہ کو دیکھ لیتی ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ المومن یھرب من الد الخصام یعنی مومن جھگڑالو اور مجادل لوگوں سے بھاگتے ہیں کیونکہ یہ مغلوبی ان کی کمال حزم اور سوء الظن بہ نفس خود پر مبنی ہوتی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ کہیں نفس کی شرکت ہو جاوے اور اپنی کمی اور کمزوری یا مذہب کی کمزوری کی بناء پر نہیں ہوتے خیر یہ گفتگو تو استطراداً تھی اب سنو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست میں کیا راز تھا۔ پس بعد از مغلوبیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ طور پر (بذریعہ وحی) غلبہ کفار کی حکمت یہ سنی لولا رجال مومنون الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے تم کو جنگ سے اس لئے روکا ہے کہ کفار مکہ میں کچھ لوگ خفیہ طور پر ایمان رکھتے تھے اور ان کا تم کو علم نہ تھا پس بہت قریب ہے کہ لڑائی کی صورت میں تم ان کو نقصان پہنچا بیٹھتے اور اس سے ضرر دنیوی یا دینی لاحق ہوتا اس سے بچنے کے لئے ہم نے لڑائی نہ ہونے دی۔ خلاصہ یہ کہ مومنین کو بچانے کے لئے کفار پر دست درازی نہ کرنا فرض ہوا تھا اس کی تصدیق کے

لئے قصہ حدیبیہ قرآن میں پڑھ جس کا تمہ کف ایدیکم الخ ہے۔ پس اس مغلوبی میں بھی مسلمانوں ہی کی فتح تھی کیونکہ مسلمان ضرر سے بچ گئے۔ کفار کا اس میں کوئی فائدہ نہ تھا کہ وہ تو بالآخر مغلوب ہوئے ہی زیادہ سے زیادہ یہ مغلوبی کچھ دنوں کے لئے ملتوی ہوگئی جو ان کے لئے محض بے سود تھی۔ سو اس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ مغلوب حق تھے نہ کہ مغلوب کفار۔ اور یہ بات ان کو غلبہ کی صورت میں بھی حاصل تھی۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ جس سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض جارحہ حق سبحانہ تھے اور کرنے والا حق سبحانہ تھا پس ان کے لئے فتح و شکست دونوں برابر ہیں۔ نہ فتح ان کی شجاعت سے ہوئی نہ شکست ان کی بزدلی سے پھر ان کو نہ فتح کی خوشی ہو سکتی ہے نہ شکست کا رنج وہ ہر حال میں راضی برضائے حق ہیں جب حالت یہ تھی تو آپ نے فرمایا کہ میں فتح پر خوش نہیں ہوتا اور اس لئے نہیں ہنستا کہ میں نے دفعۃً تم پر حملہ کر کے گرفتار کر لیا بلکہ اس لئے ہنستا ہوں کہ تم کو پابہ زنجیر باغ جنت کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔ اور میرے ہنسنے کا باعث یہ تعجب ہے کہ زبردستی تم کو آتش دوزخ سے بچا کر ابدی بہشت میں لے جا رہا ہوں کہ تم مغلوب ہو کر ہی ایمان لے آؤ اور بہشت کے مستحق بن جاؤ۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ راہ امید بہشت و خوف دوزخ میں ہر مقلد کی یہی حالت ہے کہ اس کو باندھ کر حق سبحانہ کی طرف لایا جاتا ہے یہ لوگ خوف و تکالیف دوزخ کی زنجیروں میں بندھے ہوئے خدا کی طرف جاتے ہیں بجز اولیاء کے کہ وہ بخوشی جاتے ہیں مقلدین اس راستہ کو نہایت ناگواری کے ساتھ طے کرتے ہیں اور اہل اللہ جو کہ واقف راز ہیں خوش خوش جاتے ہیں جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو اب تم کو چاہئے کہ تم بھی مجاہدہ کر کے نور باطن حاصل کرو تا کہ یہ راہ روی اور اطاعت حق تم پر آسان ہو جاوے اور ناگوار نہ رہے۔ دیکھو تم بچوں کو زبردستی مکتب میں لے جاتے ہو کیونکہ وہ اس کے فوائد سے ناواقف ہوتے ہیں لیکن جبکہ وہ واقف ہو جاتے ہیں تو خود دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں اور مکتب میں جانے سے ان کو نہایت خوشی ہوتی ہے۔ نیز چونکہ بچہ اپنی محنت کا صلہ نہیں دیکھتا اس لئے نہایت پیچ و تاب کے ساتھ مکتب میں جاتا ہے اور جبکہ وہ اپنی محنت کے صلہ میں بٹوہ میں پیسے ڈالتا ہے تو چوروں کی طرح رات بھر جاگتا ہے اور کہتا ہے کہ کب صبح ہو کہ میں مکتب میں جاؤں اور پیسہ کماؤں پس تم بھی کوشش کرو تا کہ تم کو بھی تمہاری اطاعت کا صلہ ملے اور اس وقت تم کو اپنے سے زیادہ طاعت کرنے والوں پر رشک آئے یعنی بجائے کراہت کے نہایت رغبت پیدا ہو جاوے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ طائعین دو قسم کے ہیں۔ کچھ قسراً اطاعت کرتے ہیں خواہ وہ قاسر معاوضہ ہو یا کچھ اور اور کچھ طبعاً کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہو گیا کہ ائتیا طوعاً او کرہاً۔ میں او تنویع و تقسیم کے لئے ہے نہ کہ شک و تشکیک کے لئے اور ائتیا کرہاً مقلدین کو خطاب ہے۔ اور ائتیا طوعاً صافی درون اور پاک باطن لوگوں کو اہل اللہ خدا سے بدوں غرض جر منفعت کے اور محض اس لئے کہ وہ اس کا مستحق ہے محبت کرتے ہیں اور مقلدین اس سے غرض سے محبت کرتے ہیں اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے کہ بچہ بھی دایہ سے محبت کرتا ہے اور اس کا عاشق بھی مگر بچہ دودھ کے لئے اس سے محبت کرتا

ہے مگر عاشق خود اس کے کمال پر مفتون ہے بچہ کو اس کے حسن سے واقفیت بھی نہیں ہوتی اور اس سے اس کو بجز دودھ کے اور کچھ مطلوب نہیں ہوتا۔ اور دوسرا خود اسی پر عاشق ہوتا ہے اور اس کی اور کوئی غرض ہی نہیں ہوتی پس جو لوگ خدا سے بطمع انعام و یا بخوف آلام محبت کرتے ہیں یہ کتاب تقلید کا سبق پڑھتے ہیں اور مقلد ہیں ان کو اس سے کیا نسبت جو خدا سے خدا ہونے کے سبب محبت کرتے ہیں اور اغراض سے بالکل یکسو ہیں۔ یہ ان میں باہمی فرق ہے لیکن واقع میں ولا حوت حق خود ایک کمال ہے خواہ بطمع ہو یا بلا طمع گو ثانی اول سے اعلیٰ ہے پس خواہ ایسا ہو یا ویسا جبکہ وہ طالب ہے تو وہ مطلوب حق ہے اور حق سبحانہ نے اس کو اپنی طرف کھینچا ہے اور اگر کوئی حق سبحانہ سے لغیرہ محبت کرے اور مقصد یہ ہو کہ اس کا نفع اس کو ہمیشہ کھینچے یا اس سے لذاتہ لالغیرہ محبت کرے اور اس کی مفارقت سے ڈرے کوئی صورت ہو دونوں کی طلب محمود ہے اور حق سبحانہ ہی کی طرف سے ہے اور ان کے دل کو اسی دلبر نے پھنسایا ہے لہٰذا دونوں محمود العاقب اور سعید البخت ہیں۔ (اللهم اجعلنا منهم)

شرح شبّیری

معشوق کا عاشق کو اس طرح جذب کرنا نہ عاشق کو اس کا علم ہے اور نہ امید و وہم اور اس جذب سے سوائے خوف کے جو کہ نا امیدی کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے مع ہمیشہ رہنے طلب کے کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا

آمدیم اینجا کہ در صدر جہان	گر نبودے جذب آن عاشق نہان
ہم یہاں آ گئے کہ صدر جہاں میں	اگر اس عاشق کی پوشیدہ کشش ہوتی

یعنی اس جگہ آ گے ہم کہ اگر صدر جہاں میں اس عاشق کا جذب پوشیدہ نہ ہوتا۔

نا شکیبا کے بدے او از فراق	کے دوان باز آمدے سوے وثاق
وہ جدائی سے بے صبر کب ہوتا؟	وہ قید کی جانب کب بھاگا آتا؟

یعنی وہ فراق کی وجہ سے بے صبر کب ہوتا اور گھر کی طرف دوڑتا ہوا واپس کیوں آتا مطلب یہ کہ صدر جہان ہی کا جذب تھا کہ اس کا عاشق دوڑتا ہوا اس کے پاس چلا آیا ہاں فرق اتنا تھا۔

میل معشوقان نہانست و ستیر	میل عاشق با دو صد طبل و نفیر
معشوقوں کا میلان پوشیدہ اور چھپا ہوا ہے	عاشق کا میلان دو سو نقاروں اور نفیریوں کے ساتھ ہے

یعنی معشوقوں کا میلان تو پوشیدہ اور مستور ہے اور عاشقوں کا عشق سینکڑوں طبل اور غل وشور کے ساتھ ہے۔

یک حکایت ہست اینجا ز اعتبار	لیک عاجز شد بخاری ز انتظار
عبرت کے لئے یہاں ایک قصہ ہے	لیکن بخاری انتظار میں عاجز آ گیا ہے

یعنی ایک حکایت اس جگہ عبرت کے واسطے ہے لیکن بخاری انتظار کی وجہ سے عاجز ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم اس حکایت کو بیان کرتے مگر چونکہ اس کو اپنے محبوب تک پہنچنے کا سخت انتظار ہے اس لئے اسی کے قصہ کو بیان کرتے ہیں۔

ترک آن کردیم کو در جستجوست	تا کہ پیش از مرگ بیند روئے دوست
ہم نے وہ چھوڑ دیا کیونکہ وہ تلاش میں ہے	تا کہ مرنے سے پہلے محبوب کا چہرہ دیکھ لے

یعنی اس حکایت کو ہم نے ترک کر دیا کیونکہ وہ (عاشق) جستجوئے (محبوب) میں ہے تا کہ مرنے سے پہلے وہ دوست کے چہرہ کو دیکھ لے۔

تا رہد از مرگ و یابد او نجات	زانکہ دید دوست است آب حیات
تا کہ وہ موت سے چھٹکارا پالے اور نجات حاصل کر لے	کیونکہ دوست کا دیدار آب حیات ہے

یعنی تا کہ وہ مرنے سے چھوٹ جاوے اور نجات پالے کیونکہ دیدار دوست آب حیات ہے۔

ہر کہ دید او نباشد دفع مرگ	دوست نبود کہ نہ میوستش و نہ برگ
جس کا دیدار موت کا دفعیہ نہ ہو	وہ دوست نہ ہوگا کیونکہ نہ اس پر پھل ہیں نہ پتے

یعنی جو شخص کہ اس کا دیدار موت کا دفعیہ نہ ہو وہ دوست نہیں ہے کہ اس کے اندر نہ میوہ ہے نہ پتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص کہ ایسا ہو کہ اس کے دیدار سے موت نہ جاوے تو وہ اصل میں دوست ہی نہیں کیونکہ حقیقت میں دوست حق تعالیٰ ہیں اور ظاہر ہے کہ جب ان کا دیدار ہو گیا تو فنا کا کہیں نام نہیں رہ سکتا پھر تو بقا ہی بقا ہے۔

کار آن کارست اے مشتاق مست	کاندران کار ار رسد مرگت خوش است
اے مست مشتاق! کام تو دراصل وہ ہے	کہ اس کام میں اگر تجھے موت آ جائے تو بہتر ہو

یعنی اے مشتاق مست کام تو وہ کام ہے کہ اس کام میں تم کو موت آ جاوے تو اچھا ہے یعنی اصلی کام تو وہ ہے کہ اگر اس کو کرتے وقت انسان مر جاوے تو کوئی خوف اور ہراس نہ ہو۔

شد نشان صدق ایمان اے جوان	آنکہ شید خوش ترا مرگ اندران
اے جوان! ایمان کی سچائی کی علامت ہے	کہ تجھے اس میں مرجانا اچھا لگے

یعنی اے جوان صدق ایمان کی نشانی وہ ہے کہ تجھے اس کے اندر موت بھلی معلوم دے۔

گر نشد ایمان تو اے جان چنین	نیست کامل رو بجو اکمال دین
اے جان! اگر تیرا ایمان ایسا نہیں ہے	تو وہ کامل نہیں ہے جا ایمان کی تکمیل چاہ

یعنی اور اگر نہیں ہے اے جان ایمان تیرا ایسا تو کامل نہیں ہے ہاں ایمان کا کامل ہونا ڈھونڈ آگے اس کی ایک مثال ہے۔

ہر کہ اندر کار تو شد مرگ دوست	بر دل تو بے کراہت دوست اوست
جس دوست کی موت تیرے کام میں ہو	کسی ناگواری کے بغیر وہ تیرا دوست ہے

یعنی جو شخص کہ تیرے کام میں موت کا دوست رکھنے والا ہو جاوے تو تمہارے دل پر بے کراہت کے دوست وہی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی تمہارے کام میں مرنے تک کی پرواہ نہ کرے تو دیکھو تمہارا اصلی دوست وہی ہوگا تو اسی طرح اگر کوئی شخص راہ حق میں مرنے سے نہ گھبراوے تو وہ بھی یقیناً حق تعالیٰ کا دوست اور محبوب ہو جاوے گا۔

چون کراہت رفت آن خود مرگ نیست	صورت مرگ است نقلا کردن نیست
جب ناگواری ختم ہو گئی تو وہ موت ہی نہیں ہے	بظاہر موت ہے اور (حقیقتاً) منتقل ہونا ہے

یعنی جب کراہت جاتی رہی وہ خود موت ہی نہ رہی صورت موت کی ہے اور ایک منتقل ہونا ہے۔

چون کراہت رفت مردن نفع شد	پس درست آمد کہ مردن دفع شد
جب ناگواری جاتی رہی موت مفید ہوئی	تو ثابت ہوگیا کہ موت دفع ہو گئی

یعنی جب کراہت جاتی رہی تو مرنا نافع ہوگیا پس درست آیا کہ مرنا دفع ہوگیا یعنی جب مرنے سے کراہت ہی نہ رہی بلکہ مرنے پر رضا ہوگئی تو وہ مرنا مرنا ہی نہ رہا۔

دوست حق است کسے و کش گفت او	کہ توئی آن من و من آن تو
دوست اللہ ہے اور وہ جس کو اس (اللہ) نے کہہ دیا ہے	کہ تو میرا ہے اور میں تیرا ہوں

یعنی دوست حق کا ہے وہی کہ اس کو حق نے کہہ دیا کہ تو میرا اور میں تیرا (اس سے مراد اتحاد اصطلاحی ہے)

گوش دارا کنون کہ عاشق میرسد	بستہ عشق او را نحبل من مسد
اب سن کہ عاشق پہنچتا ہے	عشق نے اس کو مونج کی رسی سے باندھا ہے

یعنی سنو کہ اب عاشق پہنچتا ہے عشق نے اس کو کھجور کی رسی میں باندھ رکھا ہے۔ مطلب یہ کہ عشق اس کو کشاں کشاں محبوب تک لئے جا رہا ہے۔

شرح حبیبی

جب سلسلہ گفتگو جذب محبوب تک پہنچا تو پھر ہم کو عاشق صدر جہان کا قصہ یاد آ گیا اور ہم اس گفتگو سے اس مضمون تک پہنچ گئے کہ اگر صدر جہاں میں اس عاشق کا جذب مخفی نہ ہوتا تو وہ فراق سے بے صبر نہ ہوتا اور دوڑا ہوا گھر واپس نہ آتا۔ معشوقوں میں بھی محبت ہوتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مگر وہ مخفی ہوتے ہے اور عاشقوں کی محبت بہ ہزار شور وشیون اور ڈنکے کی چوٹ ہوتی ہے اس مقام پر قیاس کے لئے ایک حکایت یاد آ گئی لیکن ہم اس کو اس لئے بیان نہیں کرتے کہ بخاری انتظار کرتے کرتے مجبور ہو گیا ہے اور ہم نے اسے اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ صدر جہاں سے ملنا چاہتا ہے اچھا ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اپنے دوست سے مل لے اور اس طریقہ سے موت سے بچ جاوے کیونکہ دیدار یار میں آب حیات کی طرح خاصیت احیاء ہے اب مولانا یہاں سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر دیدار یار میں موت کو دفع کرنے کی قدرت نہ ہو تو وہ دوست ہی نہیں کیونکہ وہاں آثار دوستی مفقود ہیں۔ اور یہ بات صرف حق سبحانہ ہی میں ہے کسی فانی میں نہیں۔ لہذا محبوب وہی ہے اور کوئی نہیں دوست اور محبوب کی تو یہ شان ہے اور کرنے کے قابل وہ کام ہے کہ اگر اس حالت میں موت بھی آ جاوے تو وہ بھی اچھی ہو اور یہ کام طلب حق سبحانہ ہے اسی لئے حق سبحانہ نے صدق ایمان کی علامت یہ قرار دی ہے کہ تم کو موت محبوب ہو کیونکہ اگر ایمان ایسا نہیں تو ہنوز ناقص اور محتاج اکمال ہے اس کو کامل کرنے کی ضرورت ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ محب صادق وہی سمجھا جاتا ہے جو دوست کے لئے جان سے بھی دریغ نہ کرے۔ چنانچہ جو لوگ تمہارے کام میں مرجانا پسند کرتے ہیں تمہارے نزدیک سچے دوست وہی ہیں اور انہیں سے تم کو خالص محبت ہے اب یہ سمجھو کہ جب موت سے نفرت نہ رہی تو وہ موت ہی نہیں بلکہ صورت موت ہے اور واقع میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا اور جبکہ نفرت نہ رہی تو موت سراسر نفع ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ کہنا صحیح ہے کہ موت دفع ہو گئی پس دوست دو ہیں اولاً اور حقیقۃً تو حق سبحانہ اور دنیا میں وہ شخص جو یوں کہے کہ تو میرا اور میں تیرا اچھا اب سنو کہ عاشق عشق کے سبب مونج کی رسی میں بندھا ہوا آتا ہے۔

شرح شبّیری

بخاری عاشق کا صدر جہاں کی خدمت میں پہنچنا

چون بدید او چہرۂ صدر جہان	گوئیا پریدش از تن مرغ جان
جب اس نے صدر جہاں کا چہرہ دیکھا	گویا اس کے جسم سے مرغ جاں پرواز کر گیا

یعنی جب اس نے صدر جہاں کا چہرہ دیکھا تو گویا کہ بدن سے اس کا مرغ جان اڑ گیا۔

سرد شد از فرق سرتا ناخنش	ہمچو چوب خشک افتاد آن تنش
سر کی مانگ سے اس کے ناخن تک ٹھنڈے پڑ گئے	اس کا جسم خشک لکڑی کی طرح گر پڑا

یعنی ایک سوکھی لکڑی کی طرح اس کا وہ تن گر گیا اور سر سے ناخن کے سرے تک سرد ہو گیا۔

نے بجنبید و نے آمد در خطاب	ہرچہ کردند از بخور و از گلاب
وہ نہ حرکت میں آیا نہ بولا	انہوں نے جو کچھ بھی دھونی اور گلاب سے کیا

جتنا کہ دھونے اور گلاب پاشی کی نہ ہلا نہ خطاب میں آیا (آگے مولانا فرماتے ہیں)

جز کہ بوئے آن شہ بافرونور	کارناید در بخارا ہر بخور
اس پرشوکت اور منور شاہ کی خوشبو کے علاوہ	بخارا میں کوئی دھونی کارآمد نہ ہوگی

یعنی بخارا میں ہر دھونے کام نہیں دیتی سوائے اس نور اور دبدبہ والے بادشاہ کی خوشبو کے۔

پس فرود آمد ز مرکب سوئے او	شاہ چون دید آن مزعفر روئے او
تو اس کی جانب سواری سے اتر آیا	بادشاہ نے جب اس کا زعفرانی چہرہ دیکھا

یعنی بادشاہ نے جب اس کا وہ زعفرانی چہرہ دیکھا تو سواری سے اس کے پاس اتر آیا۔

چونکہ معشوق آمد آن عاشق برفت	گفت عاشق دوست جوید تیز تفت
جب معشوق آیا وہ عاشق چلا گیا	بولا' عاشق معشوق کو تیزی اور گرمجوشی سے تلاش کرتا ہے

یعنی کہنے لگا کہ عاشق محبوب کو جلدی جلدی ڈھونڈتا ہے اور جبکہ محبوب آ گیا تو عاشق چلدیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چون بیاید از تو بنود تارمو	عاشق حقی و حق آنست کو
جب آئے تو تیرے بدن کا بال بھی نہ رہے	تو اللہ کا عاشق ہے اور حق یہ ہے کہ وہ

یعنی تو حق کا عاشق ہے اور حق وہ ہے کہ اگر وہ آوے تو تجھ میں سے ایک بال بھی باقی نہ رہے (بلکہ)

عاشق بر نفی خود خواجہ مگر	صد چو تو فانی ست پیش آن نظر
اے خواجہ! شاید تو بھی اپنی فنا کا عاشق ہے	اس کی نگاہ کے سامنے تجھ جیسے سینکڑوں فانی ہیں

یعنی تجھ جیسے تو سینکڑوں اس نظر کے سامنے فانی ہیں تو ارے میاں تو اپنی فنا پر عاشق ہے یعنی تو نے جو اس سے محبت کی ہے اور اس کی محبت میں سینکڑوں تجھ جیسے فنا ہو چکے ہیں تو شاید تو اپنے فنا ہونے پر عاشق ہے اور اپنی فنا کو چاہتا ہے۔

شمس آید سایہ لاگردد شتاب	سایۂ و عاشقی بر آفتاب
سورج نکلا ہے تو سایہ فوراً فنا ہو جاتا ہے	تو سایہ ہے اور سورج پر عاشق ہے

یعنی تو سایہ ہے اور آفتاب پر عاشق ہے تو آفتاب آوے گا تو سایہ معدوم ہو جاوے گا جلدی سے (تو اسی طرح جب تم حق تعالیٰ پر عاشق ہو تو اس کی تجلی کے ظہور کے وقت تم بھی اسی طرح فنا ہو جاؤ گے)

چونکہ سر برزد ز مشرق قرص خور	زستارہ ماند نے از شب اثر
جبکہ سورج کی ٹکیا نے مشرق سے سر نکالا	نہ کسی ستارے کا نشان رہا نہ رات کا

یعنی جبکہ خورشید کی ٹکیہ نے مشرق سے سر نکالا تو نہ ستارہ رہتا ہے اور رات کا کچھ اثر رہتا ہے (بس اسی طرح)

از دردل چونکہ عشق آید درون	عقل رخت خویش اندازد برون
دل کے دروازے سے جب عشق اندر آ جاتا ہے	عقل اپنا بوریا بستر باہر لا ڈالتی ہے

یعنی جبکہ عشق دل کے دروازہ سے اندر آ جاتا ہے تو عقل اپنا اسباب باہر ڈال دیتی ہے یعنی عقل رخصت جاتی ہے آگے اس کی ایک مثال ہے۔

ہمچو شیر خورد باآہو دو چار	گشت آہو بے خبر افتاد زار
جیسے کہ شیر ہرن کے آمنے سامنے ہوا	تو ہرن بیہوش ہو کر بحالت زار گرا

مثل اس شیر کے جو کسی ہرن سے دوچار ہوا اور ہرن بے خبر ہو گیا اور کمزور ہو کر گر گیا مطلب یہ کہ اسی طرح عشق کے آنے کے وقت عقل بھی کمزور ہو جاتی ہے آگے اسی کی ایک دوسری مثال ہے۔

ہمچو زور پشہ پیش تند باد	فہم کن واللہ اعلم بالسداد
جیسے کہ مچھر کی طاقت تیز ہوا کے بالمقابل	سمجھ لے اور اللہ درستگی کو زیادہ جانتا ہے

یعنی جیسے کہ تیز ہوا کے سامنے مچھر کا زور ہوتا ہے سمجھو اور اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والے ہیں ٹھیک بات کو مطلب یہ کہ جس طرح کہ تیز ہوا کے سامنے مچھر کی کچھ نہیں چلتی بس اسی طرح حضرت عشق کے سامنے بیچاری عقل کی کچھ نہیں چلتی۔ آگے مچھر کی ہوا کے سامنے نہ چلنے پر ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ جب اس نے صدر جہاں کا چہرہ دیکھا تو ایسی حالت ہو گئی جیسا کہ اس کی روح پرواز کر گئی ہو اور خشک لکڑی کی طرح اس کا جسم بے حس وحرکت ہو کر گر پڑا سر سے لے کر ناخن پا تک سرد ہو گیا بہت کچھ دھونیاں دی گئیں بہت گلاب چھڑکا گیا لیکن نہ اس نے حرکت کی اور نہ بولا بات یہ ہے کہ بخارا میں اس کے لئے کوئی بخور کارآمد نہیں بجز صدر جہاں کی بو کے یہی ہے جو اس کو ہوش میں لا سکتی ہے جب بادشاہ نے اس کا زرد چہرہ دیکھا تو سواری سے اتر کے اس کے پاس آیا اور نہایت افسوس سے کہا کہ عجیب حالت ہے عاشق اپنے محبوب

کو بہت جانکاہی کے ساتھ ڈھونڈتا ہے مگر جب وہ ملتا ہے تو یہ چل دیتا ہے اب تم کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے دیکھو تم عاشق ہو لہٰذا تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ اس کے سامنے تمہاری ہستی بال برابر بھی نہ باقی رہنی چاہئے تو جو اس محبوب حقیقی کا عاشق ہوتا ہے اس سے معلوم ہونا چاہئے کہ تو اپنی فنا پر عاشق ہے اور تو اپنے کو مٹانا چاہتا ہے کیونکہ جب وہ جلوہ نما ہوگا تو بال برابر بھی تیرا وجود باقی نہ رہے گا اس لئے کہ اس نظر کے سامنے تیری کوئی حقیقت نہیں تم سے سینکڑوں مٹ چکے ہیں پس اگر یہ مقصود ہو تب تو اس راہ میں قدم رکھنا اور اگر خودی مطلوب ہو تو اس راہ میں تیرا کام نہیں عاشق حق ہونے کی صورت میں تو ایک سایہ ہوگا جو کہ آفتاب کے عشق کا دم بھرتا ہے پس جب آفتاب آئے گا سایہ فوراً فنا ہو جائے گا ایک سایہ کیا جبکہ آفتاب نکلتا ہے تو نہ ستارے رہتے ہیں نہ ذرات کا نشان باقی رہتا ہے۔

چو سلطان عزت علم در کشد جہان سربجیب عدم در کشد

اسی طرح سمجھو کہ جب دروازۂ دل سے عشق آتا ہے تو عقل اپنا اسباب نکال کر دل کو اس کے لئے خالی کر دیتی ہے عقل کی عشق کے سامنے ایسی مثال ہے جیسے ہرن کی شیر کے سامنے جب شیر ہرن کے سامنے آتا ہے تو ہرن بے ہوش ہو کر گر جاتا ہے نیز عقل کی قوت کی عشق کے سامنے ایسی ہی مثال ہے جیسے مچھر کی قوت کی آندھی کے سامنے خوب سمجھ لو اور ٹھیک بات خدا کو معلوم ہے۔

شرح شبّیری

مچھر کا ہوا کے ہاتھ سے سلیمان علیہ السلام کے دربار میں انصاف چاہنا

پشه آمد از حدیقه و از گیاه	وز سلیمان گشت پشه داد خواه
باغ اور گھاس سے مچھر آیا	اور مچھر نے (حضرت) سلیمانؑ سے انصاف چاہا

یعنی ایک مچھر باغ اور گھاس میں سے آیا اور سلیمان علیہ السلام سے مچھر انصاف کا طالب ہوا۔

کاۓ سلیمان معدلت می گستری	بر شیاطین و آدمی زاد و پری
کہ اے سلیمانؑ! آپ انصاف کرتے ہیں	شیطانوں اور انسانوں اور پریوں کا

کہ اے سلیمانؑ تم انصاف کو شیاطین اور آدمی زاد اور جنات پر بچھاتے ہو۔

مرغ و ماہی در پناہ عدل تست	کیست آں گم گشته کش فضلت نجست
پرند اور مچھلیاں آپ کے انصاف کی پناہ میں ہیں	وہ کونسا گمراہ ہے جس کو آپ کی عنایت نے تلاش نہیں کیا

یعنی پرندہ اور مچھلیاں تمہارے عدل کی پناہ میں ہیں وہ کون گم گشتہ ہے جس کو آپ کے فضل نے نہیں تلاش کیا۔

داد دہ مارا کہ بس زاریم ما	بے نصیب از باغ و گلزاریم ما
ہمارا انصاف کیجئے کیونکہ ہم عاجز ہیں	ہم باغ اور چمن سے بے نصیب ہیں

یعنی ہمارا انصاف کیجئے کہ ہم بہت ہی عاجز ہو چکے ہیں اور باغ اور گلزار سے بے نصیب ہو گئے ہیں۔

مشکلات ہر ضعیفے از تو حل	پشہ باشد در ضعیفے خود مثل
ہر کمزوری کی مشکلیں آپ سے حل ہوتی ہیں	مچھر خود کمزوری میں ضرب المثل ہے

یعنی ہر ضعیف کی مشکلیں آپ سے حل ہیں اور مچھر ضعف میں خود ضرب المثل ہوتا ہے۔

شہرہ ما در ضعف و اشکستہ پیری	شہرہ تو در لطف و مسکین پروری
ہماری شہرت کمزوری اور ٹوٹے ہوئے پروں میں ہے	آپ کی شہرت مہربانی اور غریب پروری میں ہے

یعنی ہم ضعف اور شکستہ پر ہونے میں مشہور ہیں اور آپ مہربانی اور مسکین کی پرورش کرنے میں مشہور ہیں۔

اے تو در اطباق قدرت منتہی	منتہی مادر کمے و گمرہی
اے وہ کہ آپ قدرت کے مرتبوں کی انتہا پر ہیں	ہم کمزوری اور گمراہی میں انتہا پر ہیں

یعنی اے وہ ذات کہ آپ قدرت کے مراتب میں پورے ہیں اور ہم کمی اور گمراہی میں پورے ہیں۔

داد دہ مارا ازیں غم کن جدا	دست گیر اے دست تو دست خدا
ہمارا انصاف کیجئے غم سے جدا کر دیجئے	اے وہ کہ آپ کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے ہماری دستگیری کیجئے

یعنی ہمارا انصاف کیجئے اور اس غم سے ہم کو جدا کیجئے اور دستگیری کیجئے اے وہ ذات کہ آپ کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے

پس سلیمانؑ گفت اے انصاف جو	داد و انصاف از کہ می خواہی بگو
تو (حضرت) سلیمانؑ نے فرمایا اے انصاف کے طالب!	بتا تو کس سے فریاد اور انصاف چاہتا ہے؟

یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے انصاف کے طالب تو داد و انصاف کس سے چاہتا ہے بتا۔

کیست آن ظالم کہ از باد بروت	ظلم کرد و خراشید است روت
وہ ظالم کون ہے کہ جس نے غرور سے	ظلم کیا اور تیرا چہرہ زخمی کیا ہے؟

یعنی وہ ظالم کون ہے جس نے کہ تکبر کی وجہ سے ظلم کیا ہے اور تیرے چہرہ کو چھیل ڈالا ہے۔

اے عجب در عہد ما ظالم کجاست	کو نہ اندر حبس و در زنجیر ماست
تعجب ہے! ہمارے زمانے میں ظالم کہاں ہے	جو ہماری قید اور زنجیر میں نہیں ہے؟

یعنی تعجب ہے کہ ہمارے زمانہ میں ایسا ظالم کہاں ہے جو کہ ہماری قید اور ہماری زنجیر میں نہیں۔

پس بعہد ما کہ ظلمے پیش برد	چونکہ مازادیم ظلم آنروز مرد
تو ہمارے زمانے میں کون ہے جس نے ظلم کیا ہے؟	جب ہم پیدا ہوئے اسی دن ظلم مر گیا

یعنی جس دن ہم پیدا ہوئے تھے اس دن ظلم مر گیا تھا پھر ہمارے زمانہ میں کون ظلم کو آگے لایا۔

ظلم را ظلمت بود اصل و عضد	چون برآمد نور ظلمت نیست شد
ظلم کی اصل اور بازو تاریکی ہے	جب نور آیا تاریکی معدوم ہوئی

یعنی جب نور آگیا تو ظلمت فنا ہوگئی اور ظلم ظلمت کے لئے جڑ اور بازو ہوتی ہے (تو جب ظلمت نہ رہی تو ظلم کیسا)

دیگران بستہ با صفا وند و بند	تک شیاطین کسب و خدمت می کنند
دوسرے بیڑیوں اور قید میں بندھے ہوئے ہیں	یہ شیطان کام اور خدمت کر رہے ہیں

یعنی کچھ جنات تو کمائی اور خدمت کرتے ہیں اور باقی زنجیروں اور قید میں بندھے ہوئے ہیں۔

دیو در بند است استم چون نمود	اصل ظلم ظالمان از دیو بود
شیطان بند ہے ظلم کیسے ہوا؟	ظالموں کے ظلم کی جڑ شیطان سے تھی

یعنی ظالموں کے جڑ تو شیاطین سے تھی اور شیاطین قید میں ہیں تو ظلم کس طرح کیا۔

تا ننالد خلق سوئے آسمان	ملک زان داد است مارا کن فکان
تا کہ مخلوق آسمان کی جانب فریاد نہ کرے	(خدا کی قدرت) کن فکان نے ہمیں ملک اسی لئے دیا ہے

یعنی حق تعالیٰ نے ہم کو اس لئے ملک دیا ہے تا کہ خلق آسمان کی طرف نہ رووے۔ یعنی سب کی فریاد رسی ہمیں سے ہو جاوے۔

تا نگردد مضطرب چرخ و سہا	تا ببالا برنیاید دودھا
تا کہ آسمان اور سہا پریشان نہ ہوں	تا کہ دھوئیں اوپر نہ جائیں

یعنی تا کہ اوپر کو دھویں (فریاد کے) نہ آویں اور تا کہ آسمان اور سہا (نام ہے ایک ستارہ کا) مضطرب (فریاد کی وجہ سے) نہ ہوں۔

تا نگردد از ستم جانے سقیم	تا نہ لرزد عرش از نالہ یتیم
تا کہ کوئی جان ظلم سے بیمار نہ پڑے	تا کہ یتیم کی فریاد سے عرش نہ لرزے

یعنی تا کہ یتیم کے نالہ سے عرش نہ ہلے اور تا کہ ستم سے کوئی جان بیمار نہ ہو۔

تا نیاید بر فلک ہا یاربے	زان نہادیم از ممالک مذہبے
تا کہ یارب کی آواز آسمان پر نہ جائے	اسی لئے ہم نے ممالک میں ایک قانون بنایا ہے

یعنی اسی واسطے ہم نے ملک رانی کے طریقے بتائے ہیں تاکہ آسمانوں پر کوئی فریاد نہ آوے۔

منگرائے مظلوم سوئے آسمان	کاسمانے شاہ داری در زمان
اے مظلوم! تو آسمان کی طرف نہ دیکھ	کیونکہ تو دنیا میں آسمانی بادشاہ رکھتا ہے

یعنی اے مظلوم آسمان کی طرف مت دیکھ کیونکہ ایک آسمانی بادشاہ زمانہ میں تو رکھتا ہے۔

گفت پشہ دادمن از دست باد	کو و دست ظلم برما برکشاد
مچھر نے کہا میری فریاد ہوا کے ہاتھوں سے ہے	جس نے ظلم کے دونوں ہاتھ ہم پر کھول دیئے ہیں

یعنی مچھر نے کہا کہ میری فریاد ہوا کے ہاتھ سے ہے کہ اس نے ظلم کے دونوں ہاتھ مجھ پر کھولے ہیں۔

ماز ظلم او بہ تنگی اندریم	بالب بستہ ازو خون می خوریم
ہم اس کے ظلم سے تنگی میں ہیں	خاموشی کے ساتھ اس کی وجہ سے خون پی رہے ہیں

یعنی ہم اس کے ظلم سے تنگی کے اندر ہیں اور چپ چاپ اس کی وجہ سے خون کھا رہے ہیں۔

ظلم او برما صریحست و عیان	نیست مارا چارہ کردن جز بیان
اس کا ظلم ہم پر صاف اور کھلا ہوا ہے	سوائے بتا دینے کے ہمارے پاس کوئی تدبیر نہیں ہے

یعنی اس کا ظلم ہم پر صریح اور ظاہر ہے اور ہمارے پاس سوائے بیان کر دینے کے کوئی علاج نہیں ہے۔

داد ما و انصاف ما بستان ازو	اے کریمے عادلے اکرام خو
اس سے ہمارا عدل اور انصاف کیجئے	اے شریف مزاج، کریم منصف

یعنی ہماری فریاد اور انصاف اس سے لے اے کریم منصف اکرام کی خصلت والے۔

سلیمان علیہ السلام کا مظلوم مچھر کو مدعا علیہ کے حاضر کرنے کیلئے حکم فرمانا

پس سلیمان گفت اے زیبادمی	امر حق باید کہ از جان بشنوی
پھر حضرت سلیمان نے فرمایا اے اچھی بھنبھناہٹ والے	تجھے اللہ کا حکم (دل و) جان سے سننا چاہیے

پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے اچھے بھن بھناہٹ والے تجھے چاہئے کہ خدا کے حکم جان سے سنے۔

حق بمن گفت است ہان اے دادور	مشنو از خصمے تو بے خصم دگر
اللہ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ خبردار اے منصف	کسی فریق کی دوسرے فریق کے بغیر بات نہ سننا

یعنی حق تعالیٰ نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے کہ انصاف کے کرنے والے ایک فریق سے بغیر دوسرے فریق کے مت سننا۔

تا نیاید ہر دو خصم اندر حضور	حق نیاید پیش حاکم در ظہور
جب تک دونوں فریق کچہری میں نہ آ جائیں	حاکم کے لئے حق ظاہر نہیں ہوتا ہے

یعنی جب تک کہ دونوں فریق سامنے نہ آ دیں حاکم کے سامنے حق ظاہر نہیں ہوتا۔

خصم تنہا گر برآرد صد نفیر	ہان وہان بے خصم قول او مگیر
ایک فریق اگر سو چیخ و پکار کرے	خبردار خبردار! بغیر (دوسرے) فریق کے اس کی بات نہ مان

یعنی تنہا ایک فریق اگرچہ سینکڑوں شور و غل نکالے خبردار بے دوسرے فریق کے اس کا قول مت قبول کرو۔

من نیارم روز فرمان تافتن	خصم خود را رو بیاور سوئے من
میں (اللہ کے) حکم سے منہ نہیں موڑ سکتا	جا اپنے مدعیٰ علیہ کو میرے پاس لا

یعنی میں حکم (حق) سے منہ نہیں پھیر سکتا۔ تو جا اور میری طرف اپنے مقابل کو لا۔

گفت قول تست برہان درست	خصم من بادست او در حکم تست
اس نے کہا آپ کا فرمان صحیح دلیل ہے	میرا مدعیٰ علیہ ہوا ہے اور وہ آپ کے حکم میں ہے

یعنی مچھر بولا کہ آپ کا فرمان ٹھیک دلیل ہے (مگر) میرے مقابل ہوا ہے اور وہ آپ کے حکم میں ہے۔

بانگ زد آن شہ کہ اے باد صبا	پشہ افغان کرد از ظلمت بیا
اس شاہ نے آواز دی اے باد صبا!	مچھر نے تیرے ظلم کی شکایت کی ہے

یعنی اس بادشاہ نے آواز دی کہ اے باد صبا مچھر نے تیرے ظلم کی وجہ سے فریاد کی ہے آ۔

ہیں مقابل شو بخصمت روبرو	پاسخش گو و بکن دفع عدو
خبردار اپنے مدعی کے روبرو مقابل ہو جا	اس کا جواب دے اور دشمن کی مدافعت کر

یعنی ہاں اپنے دشمن کے آمنے سامنے ہو کر مقابل ہو اور اس کا جواب دے کر دشمن کو دفع کر۔

باد چون بشنید آمد تیز تیز	پشہ بگرفت آن زمان راہ گریز
ہوا نے جب سنا وہ بہت تیز آئی	اس وقت مچھر نے راہ فرار اختیار کی

یعنی ہوا نے جو سنا تو وہ تیز تیز آئی تو مچھر نے اس وقت بھاگنے کا راستہ لیا۔

پس سلیمان گفت اے پشہ کجا	باش تا بر ہر دو رانم من قضا
(حضرت) سلیمانؑ نے فرمایا او مچھر کہاں (جاتا ہے)؟	ٹھہر تا کہ میں دونوں کا فیصلہ کروں

یعنی پس حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اے مچھر کہاں۔ ٹھہرو تا کہ میں دونوں پر حکم چلاؤں۔

خود سیاہ این روز من از دود اوست	گفت اے شہ مرگ من از بود اوست
میرا یہ دن اس کے دھویں سے کالا ہے	اس نے کہا اے شاہ! اس کے وجود سے میری موت ہے

مچھر نے کہا کہ اے بادشاہ میری موت اسی کے ہونے سے تو ہے اور میرا یہ دن اسی کے دھویں سے تو سیاہ ہے۔

کو بر آرد از نہاد من دمار	او چو آمد من کجا یابم قرار
کیونکہ وہ مجھے مار ڈالتی ہے	جب وہ آ گئی میں کہاں ٹھہروں؟

یعنی جب وہ آ گئی تو میں کہاں قرار پا سکتا ہوں کیونکہ وہی تو میرے جسم میں سے ہلاکی کو نکالتی ہے۔

(آگے مولانا فرماتے ہیں)

چون خدا آید شود جوینده لا	ہم چنین جویائے درگاہ خدا
جب خدا آ جاتا ہے وہ فنا کی جستجو کرتا ہے	اسی طرح اللہ کے دربار کی جستجو کرنے والا

یعنی اسی طرح درگاہ خداوندی کا طالب ہے کہ جب حق تعالیٰ ظہور فرماتے ہیں تو طالب فنا ہو جاتا ہے۔

لیک ز اول آن بقا اندر فناست	گرچہ آن وصلت بقا اندر بقاست
لیکن شروع میں وہ بقا فنا میں ہے	اگرچہ تیرا وہ وصال بقا در بقا ہے

اگرچہ وہ وصل (جس میں کہ یہ طالب فنا ہو گیا ہے) بقا اندر بقا ہے لیکن اول سے وہ بقا ہی فنا میں ہے۔
مطلب یہ کہ اگرچہ اس وصل حق کے بعد جس میں کہ یہ فنا ہو گیا ہے بقا ہی بقا ہے مگر یہ بقا بھی تو فنا ہی ہو کر حاصل ہوتی ہے لہذا فنا ہونا ضروری ہوا۔ آگے اسی کی ایک مثال دیتے ہیں۔

نیست گردد چون کند نورش ظہور	سایہ ہائے کہ بود جویائے نور
فنا ہو جاتے ہیں جب اس کا نور ظاہر ہوتا ہے	وہ سائے جو نور کے جویاں ہوں

یعنی جو سائے کہ نور کے طالب ہوتے ہیں جب اس نور کا جوش ظہور کرتا ہے تو وہ فنا ہو جاتے ہیں۔

کل شیء ھالک الا وجھہ	عقل کے ماند چو باشد سردہ او
اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے	عقل کہاں ٹھہرتی ہے جب اس کو وجود میں لانے والا موجود ہو

یعنی عقل کب رہے جب ظہور کرنے والا وہ ہو تمام چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں مگر اس کی ذات۔

ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست	ہالک آمد پیش وجہش ہست و نیست
عدم میں وجود، خود عجب بات ہے	اس کی ذات کے سامنے، فانی فانی اور باقی ہے

یعنی اس کی ذات کے سامنے تمام ہست ونیست ہلاک ہونے والے ہیں اور نیستی میں ہستی ہونا خود ایک عجیب بات ہے مطلب یہ کہ جب اس کے سامنے سب نیست ہیں تو ان کو ہست کہنا ایک تعجب خیز امر ہے۔

اندرین محضر خردہا شد زدست	چون قلم اینجا رسیدہ شد شکست
اس مقام میں عقلیں ہاتھ سے جاتی رہیں	جب قلم اس جگہ پہنچا۔ ٹوٹ گیا

یعنی اس جگہ عقلیں ہاتھ سے جاتی رہیں اور جب قلم اس جگہ پہنچا تو ٹوٹ گیا مطلب یہ کہ چونکہ یہاں عظمت وجلال حق کا بیان تھا لہٰذا اس جگہ پہنچ کر قلم ٹوٹ گیا۔ یعنی اس کی بابت کچھ نہ لکھ سکا لہٰذا اس مضمون کو یہیں تک چھوڑ کر صدر جہاں کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

شرح مبلبی

ترجمہ وتشریح:۔ جس قصہ کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ باغ اور گھاس وغیرہ میں سے مچھر آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے اجلاس میں دعویٰ دائر کیا جس کی تفصیل یہ ہے اے سلیمان آپ شیاطین پر اور آدمیوں پر اور جن وپری پر سب پر انصاف پھیلاتے ہیں پرندے اور مچھلیاں بھی آپ کے پناہ عدل میں ہیں۔ غرضکہ آپ کے انصاف کی وسعت کہاں تک بیان کروں اتنا کہنا کافی ہے کہ کوئی ایسا گمراہ نہیں جو آپ کے فضل کا طالب نہ ہو آپ ہمارا انصاف کریں ہم بہت تباہ حال ہیں ہم باغات سے متمتع نہیں ہوسکتے ہم کمزوری میں ضرب المثل ہیں۔ اس لئے ہم خود کچھ نہیں کر سکتے۔ ہماری مشکلات تو آپ ہی سے حل ہوں گی کیونکہ ہر کمزور کی مشکل آپ ہی سے حل ہوتی ہے۔ جس قدر ہم ضعف اور عجز میں مشہور ہیں اسی قدر آپ عنایت اور مسکین پروری میں مشہور ہیں۔ آپ قدرت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں اور ہم عجز کی انتہائی تہ میں آپ ہمارا انصاف فرمائیں اور ہمیں اس رنج سے چھڑائیں۔ آپ کا ہاتھ گویا کہ خدا کا ہاتھ ہے۔ آپ ہماری دستگیری فرمائیں پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے طالب انصاف مچھر تو کس سے انصاف چاہتا ہے بیان کر وہ کون ظالم ہے جس نے غرہ میں آکر تجھے ستایا ہے اور تیرا منہ نوچا ہے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ تجھ پر ظلم ہو کیونکہ ہمارے زمانہ میں کون ظالم ہے جو ظلم کرے جس قدر ظالم ہیں سب جیل خانہ میں محبوس ہیں جب ہم پیدا ہوئے تھے ظلم تو اسی روز مر چکا تھا اب کون ایسا پیدا ہو گیا کہ ہمارے ہوتے اس نے تجھ پر ظلم کیا ہو قاعدہ ہے کہ جب روشنی آتی ہے تو تاریکی زائل ہو جاتی ہے پس ہمارے نور عدل کے سامنے تاریکی کہاں اور جب تاریکی نہیں تو ظلم کیسا۔ کیونکہ ظلم کا منشا تو اندھیری ہے دیکھ لو کچھ شیاطین تو بیگار میں پڑے ہوئے ہیں اور کام کر رہے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بیڑیوں اور جیل خانوں میں مقید ہیں اور سنو جس قدر ظلم ہوتے تھے سب کا منشا ابلیس تھا سو وہ محبوس ہے پھر ظلم کیسے ہوا ہم کو تو خدائے قادر مطلق نے ملک اسی لئے دیا ہے کہ مخلوق ظلم سے رو کر حق سبحانہ سے فریاد نہ کرے اور ان کی آہوں کا دھواں آسمان پر نہ جائے تاکہ آسمان اور ستارے اس سے پریشان نہ ہوں اور یتیم کے رونے سے عرش نہ تھرا وے اور ستم سے

کوئی جاندار دکھیا نہ ہو اسی لئے ہم نے ملک میں ایک امن دینے والا قانون مقرر کیا ہے تا کہ کوئی فریاد آسمان پر نہ جاوے اور کہہ دیا گیا ہے کہ کوئی مظلوم آسمان کی طرف نہ دیکھے اس لئے کہ خدا کا خلیفہ زمین میں موجود ہے جو ہر قسم کے امن کا ذمہ دار ہے مچھر نے جواب دیا کہ میں ہوا کے ہاتھوں فریاد کرتا ہوں کیونکہ وہی ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑی ہے ہم اس کے ظلم سے بہت تنگ ہیں اور ہونٹ سیئے ہوئے اپنا لہو پیتے ہیں اس کا ظلم ہم پر کھلا ہوا اور مشاہد ہے اور ہم اس کا کوئی علاج نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ حضور کی خدمت میں رونا روئیں آپ ہمارا اور اس کا انصاف کیجئے اور اس سے ہمارا بدلہ لیجئے آپ کریم ہیں عادل ہیں اکرام آپ کی خصلت ہے۔

اس پر سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے خوش کلام حق سبحانہ کے حکم کو دل سے سننا چاہئے مجھ سے حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ تم کو ایک فریق کی بات بغیر دوسرے فریق کے نہ سننی چاہئے کیونکہ جب تک مدعی اور مدعا علیہ سامنے نہ ہوں حاکم پر حق ظاہر نہیں ہوسکتا۔ پس ایک فریق تنہا کتنا ہی چلائے دوسرے فریق کے بغیر اس کی بات ہرگز نہ سننا چونکہ میں حکم حق سے روگردانی نہیں کر سکتا اس لئے تم اپنے مدعا علیہ کو میرے پاس لاؤ اس نے کہا کہ آپ کا ارشاد نہایت درست ہے میرا مدعا علیہ ہوا ہے اور وہ آپ کے حکم میں ہے آپ اس کو بلا سکتے ہیں اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے آواز دی کہ اے باد صبا مچھر نے تیرے ظلم سے فریاد کی ہے تو جواب دہی کے لئے حاضر ہو۔ اور اپنے مدعی کے سامنے آ اس کی بات کا جواب دے اور اس کے دعوے کی تردید کر جب ہوا نے یہ حکم سنا تو فوراً زناٹے کے ساتھ حاضر ہوئی اس کے آتے ہی مچھر رفو چکر ہو گیا اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ اے مچھر کہاں چلا ذرا ٹھہر تو میں تمہارا دونوں کا فیصلہ کروں اس نے کہا جناب یہ تو میری موت ہے اور اسی کے دھویں سے میرا دن تاریک ہے جب وہ آئی تو میں کہاں ٹھہر سکتا ہوں کیونکہ وہ تو مجھے تباہ کر دے گی جب یہ معلوم ہو چکا تو جس طرح اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عشق کے سامنے عقل نہیں ٹھہر سکتی یوں ہی اس سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ طالب خدا اور خدائے تعالیٰ کی بھی یہی شان ہے کہ جب حق سبحانہ تجلی فرماتے ہیں تو طالب نیست ہو جاتا ہے اگرچہ یہ وصل سراسر بقا ہے لیکن اس سے پہلے فنا ہونا ضروری ہے اور بقا اس فنا ہی میں ہے۔ تجلی حق سبحانہ کے سامنے بندہ کا فنا ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے کہ یہ طالب نور ہو اور جب نور ظاہر ہوئے تو وہ نیست ہو جاوے۔ عقل اس کی ایک ادنیٰ مخلوق ہے پس اس کی تجلی کے سامنے وہ کیا ٹھہر سکتی ہے بات یہ ہے کہ بجز اس کی ذات کے اور تمام اشیاء مضمحل اور فانی ہیں اور جتنے ہست یا نیست ہیں اس کی ذات کے سامنے سب ہالک ہیں پس یہ عجیب طرفہ ماجرا ہے کہ ہستی نیستی جمع ہیں اس معاملہ میں عقلیں ہاتھ سے جاتی رہیں اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جب قلم یہاں تک پہنچا تو ٹوٹ گیا (اجتماع وجود و عدم کی صورت یہ ہے کہ وجود ان کا عطائی ہے اور عدم اصلی پس ہر ممکن اپنے وجود عرضی کی حالت میں بھی بالنظر الی الذات معدوم ہے جیسے چاند کہ فی نفسہ تاریک ہے مگر آفتاب کی روشنی سے روشن۔ تو وہ ایک ہی حالت میں تاریک بھی ہے اور روشن بھی مگر چونکہ جہات مختلف ہیں اس لئے اجتماع وجود و عدم اور نور و ظلمت جائز ہے)

شرح شبیری

معشوق کا اپنے بیہوش عاشق کو نوازنا تا کہ وہ ہوش میں آ جاوے

باز گردم جانب صدر جہان	در نوازش عاشق خود را نہان
میں پھر صدر جہاں کی طرف پلٹتا ہوں	جو درپردہ عاشق کو نواز رہا ہے

یعنی میں پھر صدر جہاں کی طرف لوٹتا ہوں کہ اس نے اپنے عاشق بیہوش کو نوازا۔

برگرفتش سر نہاد اندر کنار	بر رخس می کرد اشک تر نثار
اس کا سر اٹھایا گود میں رکھا	اس کے چہرے پر تر آنسو نچھاور کر رہا تھا

یعنی اس کا سر لے کر گود میں رکھا اور اس کے چہرہ پر تر آنسو نثار کئے۔

می کشید از بیہشی اش در بیان	اندک اندک از کرم صدر جہان
اس کو بے ہوشی سے باتوں کی طرف لایا	صدر جہاں تھوڑا تھوڑا کرم کر کے

یعنی صدر جہاں اس کو تھوڑا تھوڑا کرم کی وجہ سے بیہوشی سے بیان میں لا رہا تھا۔ یعنی چاہتا تھا کہ وہ بولے۔

بانگ زد در گوش او شہ کائے گدا	زر نثار آوردمت دامن کشا
شاہ نے اس کے کان میں کہا اے فقیر!	میں تیرے اوپر نچھاور کرنے کو سونا لایا ہوں دامن پھیلا

یعنی اس بادشاہ نے اس کے کان میں آواز دی کہ اے گدا میں تیرے پاس سونا نثار کرنے کے لئے لایا ہوں دامن کھول (زر سے مراد صدر جہاں کے الطاف و کرم ہیں)

جان تو کاندر فراقم می طپید	چونکہ زنہارش رسیدم چوں رمید
تیری جان جو میری جدائی میں تڑپ رہی تھی	جب میں اس کی پناہ کے لئے آیا کیوں بھاگ گئی؟

یعنی تیری جان میرے فراق میں تڑپ رہی تھی تو جبکہ میں اس کے پاس جلدی سے پہنچا کیوں بھاگ گئی۔

اے بدیدہ در فراقم گرم و سرد	باخود آ از بے خودی و باز گرد
اے وہ کہ جس نے میرے فراق میں گرم و سرد دیکھے	بے ہوشی سے ہوش میں آ جا اور لوٹ آ

یعنی اے میرے فراق میں گرم و سرد کو دیکھے ہوئے بیخودی سے خودی میں لوٹ آ۔ آگے ایک مثال دیتے ہیں۔

مرغ خانہ اشترے را بیخرد	رسم مہمانش بخانہ می برد
گھریلو مرغا، بے عقلی سے ایک اونٹ	مہمان بنانے کے لئے اپنے گھر لے جاتا ہے

یعنی ایک خانگی مرغ ایک اونٹ کو بے عقلی کی وجہ سے اس کی رسم مہمان کی وجہ سے گھر لے جاتا ہے۔

چون بخانہ مرغ اشتر پا نہاد	خانہ ویران گشت وسقف اندر فتاد
جب مرغ کے دڑبے پر اونٹ نے پاؤں رکھا	دڑبہ ٹوٹ گیا اور چھت اندر گر گئی

یعنی جب مرغ کے گھر میں اونٹ نے پاؤں رکھا تو گھر ویران ہو گیا اور چھت گر پڑی۔

خانۂ مرغ ست عقل و ہوش ما	ہوش صالح طالب ناقہ خدا
ہماری عقل اور ہوش مرغ کا دڑبہ ہے	ہوش (حضرت) صالح ہے جو اللہ کی اونٹنی کا طالب ہے

یعنی ہمارا عقل وہوش مرغ کا گھر ہے اور نیک ہوش ناقہ خدا کے طالب ہیں۔ (ناقہ سے مراد عشق ہے)

ناقہ چون سر کرد در آب وگلش	نے گل آنجا ماند و نے جان ودلش
جب اس کے پانی اور مٹی میں اونٹنی نے سر ابھارا	نہ وہاں مٹی رہی اور نہ اس کی جان اور دل

یعنی ناقہ نے جب ظہور کیا اس (ہوش) کے آب وگل میں تو نہ اس جگہ اس کی مٹی رہی اور نہ اس کا جان ودل رہا۔

کرد فضل عشق انساں را فضول	زیں فزوں جوئی ظلوم ست وجہول
عشق کی بڑائی نے انسان کو بیہودہ بنا دیا	اسی بڑھی ہوئی جستجو کی وجہ سے وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے
جاہل ست او اندریں مشکل شکار	می کشد خرگوش شیرے در کنار
وہ اس مشکل شکار (کے معاملے) میں جاہل ہے	خرگوش ، شیر کو بغل میں دباتا ہے

یعنی اس مشکل شکار میں وہ جاہل ہے کہ خرگوش ایک شیر کو گود میں لیتا ہے۔

کے کنار اندر کشیدے شیر را	گر بدانستے و دیدے شیر را
وہ شیر کو بغل میں کب لیتا؟	اگر وہ شیر کو جان لیتا اور دیکھ لیتا

یعنی شیر کو کب گود میں لے سکتا تھا اگر شیر کو جانتا اور دیکھ لیتا۔

ظالم است او بر خود و بر جان خود	ظلم بین کز عدلہا گو می برد
وہ اپنے اوپر اور اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے	ظلم کو دیکھ جو انصافوں سے بازی جیت رہا ہے

یعنی وہ اپنے اوپر اور اپنی جان پر ظالم ہے ظلم دیکھو کہ انصافوں سے سبقت لے جا رہا ہے۔

جہل او مر علمہا را اوستاد	ظلم او مر عدلہا را راشد رشاد
اس کی نادانی علموں کی استاد ہے	اس کا ظلم انصافوں کے لئے ہدایت ہے

یعنی اس کا جہل علموں کا استاد ہے اور اس کا ظلم انصافوں کے لئے رہبر ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص عشق حق کو اپنے

اوپر لیتا ہے وہ بظاہر گویا کہ اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے کیونکہ جب عشق آوے گا تو وہ اس کو فنا اور نیست و نابود کر دے گا۔ اور اس نے جو اتنی بڑی چیز کو اپنے اوپر لے لیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو عظمت و جلال حق کی پوری طرح خبر نہیں لیکن اس کا یہ ظاہری ظلم لاکھوں انصافوں سے بہتر ہے اور اس کا یہ جہل لاکھوں علموں سے برتر ہے۔ آگے صدر جہاں کا مقولہ ہے۔

دست او بگرفت کاین رفتہ دمش	آنگہے آید کہ من دم بخشمش
اس نے اس کا ہاتھ پکڑا کہ اس کا گیا ہوا سانس	اس وقت آئے گا جب میں اسے سانس بخشوں گا

یعنی صدر جہاں نے اس کا ہاتھ پکڑا کہ اس کا یہ سانس گیا ہوا اس وقت آوے گا کہ میں اس کو سانس بخشوں گا۔

چون بمن زندہ شود آں مردہ تن	جان من باشد کہ و آرد بمن
جب وہ مردہ جسم میرے ذریعہ سے زندہ ہو گا	وہ میری جان ہو گی جو میری طرف متوجہ ہوگی

یعنی جب وہ مردہ تن میری وجہ سے زندہ ہوگا تو گویا کہ وہ میری جان ہوگی جو کہ میری طرف متوجہ ہوگی۔

من کنم او را ازین جان محتشم	جان کہ من بخشم بہ بیند بخششم
میں اسے اس جان سے معزز بناؤں گا	جو جان میں دوں گا وہ میری بخشش دیکھے گی

یعنی میں اس کو اس جان سے باشوکت کروں گا اور جو جان کہ میں بخشوں گا وہ میری بخشش کو دیکھے گی۔

مطلب یہ کہ اس کے پہلے ہوش و حواس تو جاتے رہے اب جو ہوش میری وجہ سے آئیں گے اس سے یہ میری بخشش اور الطاف و کرم کو دیکھے گا۔ بس اسی طرح جب حق تعالیٰ بندہ کو خود بصیرۃ عطا فرماتے ہیں تو بندہ اسی بصیرۃ سے عظمت و جلال حق کا مشاہدہ کرتا ہے ورنہ اس کے قویٰ اس قابل کہاں۔

جان نامحرم نہ بیند روے دوست	جز ہمان جان کاصل او از کوئی اوست
نامحرم جان دوست کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی	سوائے اس جان کے جس کی اصل اس کے کوچے کی ہو

یعنی نامحرم جان محبوب کے چہرہ کو نہیں دیکھ سکتی سوائے اس جان کے کہ اس کی اصل اسی کوچہ سے ہو۔

دردمم قصاب وار این دوست را	تاہلد آن مغز نغزش پوست را
میں قصاب کی طرح اس دوست میں پھونک بھرتا ہوں۔	تاکہ اس کا نفیس مغز کھال کو چھوڑ دے

یعنی میں قصاب کی طرح اس دوست کے اندر پھونکوں گا تاکہ اس کا وہ مغز عمدہ کھال کو چھوڑ دے۔ مطلب یہ کہ قصاب کھال کے اندر پھونکا کرتے ہیں تاکہ جو جان باقی رہی ہے وہ بھی نکل جاوے تو اسی طرح وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اس کے اندر روح پھونکتے ہیں تاکہ اس کی یہ نفیس جان اس ناسوت کو چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہو۔

گفت اے جان رمیدہ از بلا	وصل را مادر کشادیم الصلا
اس نے کہا، اے مصیبت سے بھاگنے والی جان	ہم نے وصل کا دروازہ کھول دیا ہے دعوت ہے

یعنی فرماتے ہیں کہ اے جان جو کہ بلا کی وجہ سے بھاگی ہوئی ہے ہم نے وصل کے لئے دروازہ کھول دیا ہے آؤ مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ اے وہ جان جو کہ ہمارے عشق میں مبتلا ہو کر اپنے کو کھو چکی ہے اب ہم نے وصل کے لئے دروازہ کھول دیا ہے آؤ وصل حاصل کرو۔

اے خود ما بیخودی و مستیت	اے زہست ما ہمارہ ہستت
اے! ہمارا وجود تیری بے خودی اور مستی ہے	اے! تیری ہستی ہمیشہ ہماری ہستی سے ہے

اے وہ شخص کہ ہمارا وجود تیری بیخودی اور مستی ہے اور ہماری ہستی کی وجہ سے ہمیشہ تیری ہستی ہے۔

باتو بے لب این زمان من نو بنو	راز ہائے کہنہ می گویم شنو
میں اس وقت تجھ سے بغیر ہونٹوں کے تازہ تازہ	پرانے راز کہتا ہوں سن ......

یعنی تیرے ساتھ میں اس وقت بے لب کے نو بنو پرانے رازوں کو کہتا ہوں سن۔

زاں کہ آں لبہا ازیں دم می رمد	برلب جوئے نہاں بر می دمد
کیونکہ وہ ہونٹ اس بات سے گریز کرتے ہیں	وہ (بات) مخفی نہر کے کنارے پر اگتی ہے

یعنی اس لئے کہ وہ لب اسی دم سے پیدا ہوتے ہیں اور پوشیدہ ندی کے کنارہ پر ظاہر ہوتے ہیں مطلب یہ کہ ہم تم سے اسی زبان ظاہری سے کچھ باتیں بیان کرتے ہیں اس کے ذریعہ سے تمہارے قلب پر علوم اور فنون ظاہر ہوں گے۔

گوش بیگوشی دریندم برکشا	بہر راز یفعل اللہ ما یشاء
بے گوشی کے کان اس بات میں کھول	اس راز کے لئے کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

یعنی بے سننے کے کان یفعل اللہ ما یشاء کے راز کے واسطے کھولو مطلب یہ کہ ان رازوں کے لئے یہ ظاہری کان بھی کافی نہیں ہیں ان کے لئے بھی گوش قلب کی ضرورت ہے۔

چوں صلائے وصل بشنیدن گرفت	اندک اندک مردہ جنبیدن گرفت
جب وصل کی دعوت سننی شروع کی	مردے نے تھوڑا تھوڑا ہلنا شروع کر دیا

یعنی جب وصل کی آواز سننا شروع کی تو مردہ نے تھوڑا تھوڑا ہلنا شروع کیا۔ یعنی جب اس عاشق نے سنا کہ وصل محبوب کا وقت قریب ہے تو اس کے ہوش و حواس کچھ درست ہوئے اور اس نے ہلنا شروع کیا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

نے کم از خاکست کز عشوہ صبا	سبزہ پوشد سر برآرد از فنا
وہ مٹی سے گیا گزرا نہیں ہے کہ باد صبا کے ناز و انداز سے	سبزہ پہن لیتی ہے عدم سے سر ابھارتی ہے

یعنی وہ (عاشق) خاک سے تو کم نہیں ہے کہ (خاک نے) صبا کے عشوہ کی وجہ سے سبزہ پہن لیا۔

کم ز آب نطفہ نبود کز خطاب	یوسفان زایند رخ چوں آفتاب
وہ نطفہ سے کم نہیں تھا کہ وہ (اللہ کے) حکم سے	آفتاب جیسے چہرے والے یوسفوں کو جنتا ہے

یعنی وہ نطفہ کے پانی سے کم نہیں کہ خطاب (حق) کی وجہ سے یوسف پیدا ہوتے ہیں (جن کے) چہرے آفتاب کی طرح ہوتے ہیں۔

کم ز بادے نے کہ شد از امر کن	در رحم طاؤس و مرغ خوش سخن
وہ ہوا سے کم نہیں ہے کہ وہ کن کے حکم سے بن گئی	رحم میں مور اور خوش الحان پرند

یعنی وہ ہوا سے کم نہیں ہے کہ جو امر کن کی وجہ سے رحم کے اندر مور اور خوش آواز جانور ہوگئے۔

کم ز نارے نیست کز امر سلام	گلستان شد بر خلیل خوش کلام
وہ آگ سے کم نہیں ہے کہ سلامتی کے حکم سے	خوش کلام خلیل (اللہ) پر گلستان بن گئی

یعنی وہ آگ سے تو کم نہیں ہے جو کہ امر حق کی وجہ سے خلیل خوش کلام پر گلستان ہوگئی تھی۔

کم ز چوبے نیست در دفع عدو	گشت اژدرہائے منکرز امر ہو
وہ لکڑی سے کم نہیں ہے کہ دشمن کی مدافعت کے لئے	اللہ کے حکم سے وہ خوفناک اژدہا بن گئی

یعنی لکڑی سے تو کم نہیں کہ وہ دشمن کے دفع کرنے میں ایک اژدہائے ہیبت ناک ہوگئی تھی۔

کم ز سنگ کوہ بنود کز ولاد	ناقۂ کاں ناقہ ناقہ زاد زاد
وہ پہاڑ کے پتھر سے کم نہیں جس نے ولادت کے طریقہ پر	اس اونٹنی کو جنا جس نے اونٹنی کو جنا

یعنی پہاڑ کے پتھر سے تو کم نہیں ہے کہ ولادت کی وجہ سے اس نے ایک ایسی اونٹنی جنی کہ جس اونٹنی نے ایک اور بچہ جنا مطلب یہ کہ جب محبوب کی آواز سے اور اس کے حکم سے بے جان چیزوں میں جان پڑ جاتی ہے اور وہ جانداروں جیسا کام کرنے لگتی ہیں تو گر اس شخص کو محبوب کی آواز سے ہوش آ گیا تو کیا تعجب ہے آگے مولانا فرماتے ہیں۔

زین ہمہ بگزر نہ آں مایہ عدم	عالمے زاد و بیزاید دم بدم
اس سب کو چھوڑ کیا عدم کی مادہ نے	عالم کو نہیں جنا اور دمبدم جن رہی ہے

یعنی ان سب کو چھوڑ کیا اس مایہ عدم نے ایک عالم کو نہیں جنا ہے اور ہر گھڑی جن رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ان چیزوں کے جاندار ہو جانے سے کیوں تعجب کرتے ہو جبکہ سارا عالم ہی عدم سے موجود ہوا ہے تو یہ بھی اسی عدم کی حالت میں موجود تھے۔

بر جہید و بر طپید و شاد شاد	یکدو چرخے زد سجود اندر فتاد
وہ کودا اور اچھل پڑا اور خوشی خوشی	اس نے ایک دو بار رقص کیا (اور) سجدے میں گر پڑا

یعنی کودا اور تڑپا خوش خوش دو ایک چکر لگا کر سجدہ میں گر پڑا۔

بشکفید از روے او وشاد شد	در وصال از بند ہجر آزاد شد
وہ اس کا چہرہ دیکھ کر کھل گیا اور خوش ہوگیا	وصل میں فراق کی قید سے آزاد ہوگیا

یعنی اس (صدر جہاں) کے چہرہ کی وجہ سے کھل گیا اور خوش ہوگیا اور وصال (کی حالت) میں جدائی کی قید سے آزاد ہوگیا۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔اچھا اب ہم صدر جہاں کی طرف لوٹتے ہیں جو اپنے عاشق پر خفیہ طور پر عنایت کرنے میں مصروف تھا۔سو اس نے اس کو لیا اور اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔اور اس کی یہ حالت دیکھ کر رونے لگا وہ اس کو اپنی عنایت سے رفتہ رفتہ بیہوشی سے ہوش میں لا کر گویائی میں لا رہا تھا۔آخر کار اس نے اس کے کان میں کہا کہ دیکھ میں اشرفیاں تیرے دینے کو لایا ہوں تو دامن کھول یعنی تجھ پر وہ عنایات کرنے کو تیار ہوں جن کا تو طالب ہے۔تو ہوش میں آ کر ان سے متمتع ہونے کے قابل بن تیری جان جو کہ میرے فراق میں بے قرار تھی اب جبکہ میں اس کی مدد کے لئے پہنچ گیا کیوں بھاگ گئی۔اے شخص جس نے میرے فراق میں ہر قسم کی تکلیفیں اٹھائی ہیں تو ہوش میں آ اور حواس درست کر۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ تو صورت افسانہ تھی اب حقیقت افسانہ سنو اور اس کے لئے اولاً بطور تمہید کے یہ سمجھو کہ مرغ خانہ حماقت سے ایک اونٹ کو مہمان کے طور پر اپنے گھر لاتا ہے پس جبکہ اونٹ اس کے گھر میں پاؤں رکھتا ہے تو اس کا گھر تباہ و برباد ہو جاتا ہے اور چھت بیٹھ جاتی ہے پس یہی حالت اس شخص کی ہے جو طالب خدا ہو اس کی عقل ایک ڈربہ ہے مرغ کا اور حق سبحانہ اس کے لحاظ سے ایسے ہیں جیسے خانہ مرغ کے لحاظ سے اونٹ (یہ تمثیل محض تقریب فہم کے لئے ہے ورنہ ہر دو نسبتوں میں کوئی نسبت ہی نہیں) پس جب حق سبحانہ اس کے وجود پر تجلی فرماتے تو پھر نہ جسم باقی رہتا ہے نہ جان نہ دل ؎

چو سلطان عزت علم در کشد جہان سر بجیب عدم در کشد

جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ عظمت عشق نے انسان کو بوالفضول بنا دیا کیونکہ یہ اس کا متحمل نہ تھا اور خواہ مخواہ اس کے بار کو اپنے سر لے لیا اسی زیادہ طلبی کے سبب اس نے ظلوم وجہول کا خطاب پایا چنانچہ فرمایا گیا ہے۔انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان انه کان ظلوماً جهولاً واقعی وہ اس کٹھن شکار میں جاہل ہے اور ایسا ہے جیسا کہ ایک خرگوش شیر کو بغل میں لے اور خرگوش کا ایسا کرنا اس کی جہالت ہے کیونکہ اگر وہ شیر کو جانتا اور دیکھتا ہوتا تو ہرگز اسے بغل میں نہ لیتا اور جبکہ وہ کرتا ہے تو خود

اپنے اوپر اور اپنی جان پر صریح ظلم کرتا ہے لیکن یہ ظلم ہزار عدلوں پر سبق رکھتا ہے اور یہ جہل ہزاروں علموں کا اوستاد اور یہ ظلم ہزاروں عدلوں کا رہنما ہے خیر یہ اسطرادی مضمون تو ختم ہوا اب قصہ سنو اس نے اس کا ہاتھ پکڑا بدیں خیال کہ اس مردہ میں اس وقت جان آئے گی جبکہ میں اسے زندہ کروں گا اور جبکہ یہ مردہ میرے ذریعہ سے زندہ ہوگا تو گویا کہ میری جان میری طرف رخ کرے گی۔ یعنی اس کی زندگی میری زندگی ہوگی۔ میں اسے اس نئی جان سے جو میں دینے والا ہوں معزز و ممتاز کروں گا اور وہ جان جو کہ میں اسے دوں گا وہ میری بخشش کو دیکھے گی یہ جان جواب تک تھی یہ نہیں دیکھ سکتی کیونکہ یہ نامحرم ہے اور جان نامحرم دیدار یار کے قابل نہیں۔ اس کے قابل وہی ہے جو کوئے دوست سے ملی ہو۔ میں قصائی کی طرح اس کے اندر پھونک بھردوں گا تا کہ اس کا مغز پوست کو چھوڑ دے۔

اور پوست جا کر مغز ہی مغز رہ جاوے اس کے بعد کہا کہ اے شخص جس کی جان بلا سے پرواز کر گئی ہے اب بلا کا وقت جاتا رہا اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے وصل کا دروازہ تیرے لئے کھول دیا ہے تو آ اور اس سے متمتع ہو اور اے وہ شخص جس کا بیخودی اور مستی کا سبب ہمارا وجود ہے اور جس کی ہستی ہمیشہ ہماری ہستی سے وابستہ ہے میں اس وقت تجھ سے بدوں تکلم راز کہنا چاہتا ہوں تو سن کیونکہ وہ لب اور وہ زبان جس سے میں راز کہتا ہوں اس تکلم ظاہری سے آبی ہیں وہ تو باطنی نہر یعنی دل پر مضامین کا القا کرتی ہے اچھا اب تو بھی وہ کان کھول جو حقیقت میں کان ہیں اور وہ راز سن جسے قدرت خدا ظاہر ہو جبکہ عاشق نے اعلان وصل سننا شروع کیا تو آہستہ آہستہ حرکت شروع کی وہ کیونکر زندہ ہو جاوے آخر عاشق خاک سے تو کم نہیں پس جبکہ خاک عشوۂ صبا سے زندہ اور سبز پوش ہو جاتی ہے تو اگر عاشق الطاف محبوب سے زندہ ہو جاوے تو کون سی تعجب کی بات ہے نیز وہ آب نطفہ سے تو کم نہیں پھر جبکہ حکم کن سے اس سے یوسف اور آفتاب رو پیدا ہوتے ہیں تو عاشق کی زندگی کیا حیرت انگیز ہے نیز وہ ہوا سے تو کم نہیں کہ امر کن سے رحم میں مور اور خوش گفتار جانور بن جاتے تھے۔ (چونکہ پرندوں میں عنصر ہوائی غالب ہوتا ہے اس لئے مولانا نے مور کا مادہ ہوا قرار دیا واللہ اعلم) تو عاشق کیوں نہ زندہ ہو جاوے نیز وہ آگ سے تو کم نہیں کہ وہ یانار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم سن کر خلیل کے لئے باغ بن جاتی ہے نیز وہ لکڑی سے تو کم نہیں کہ وہ مدافعت فرعون کے لئے بحکم خداوندی اژدہا مکر وہ بن جاتی ہے نیز وہ پہاڑ کے پتھر سے تو کم نہیں جس نے ایک اونٹنی جن دی جس سے ایک اور اونٹنی پیدا ہوئی اچھا سب کو چھوڑ و آخر وہ عدم سے تو کم نہیں جس سے ایک عالم پیدا ہوا اور برابر پیدا ہوتا رہتا ہے جبکہ یہ صورت ہے تو پھر عاشق کا زندہ ہو جانا کیا تعجب ہے۔ بالخصوص عاشق حق سبحانہ کا خیر تو اس نے حرکت کی اور اٹھا اور تڑپا اور خوش ایک دو مرتبہ وجد میں گھوما اور پاؤں میں گر پڑا اس کا چہرہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور پھول کی طرح کھل گیا اور وصال میں پہنچ کر قید فراق سے چھوٹ گیا۔

شرح شبّیری

بیہوش عاشق کا ہوش میں آنا اور محبوب کی ثنا اور شکر کرنا

گفت اے عنقائے حق جانرا مطاف	شکر کہ باز آمدی زان کوہ قاف
بولا اے خدائی عنقاء جو جان کی طواف گاہ ہے	شکر ہے کہ تو کوہ قاف سے واپس آ گیا

یعنی عاشق نے کہا کہ اے حق کے عنقا اور جان کے طواف کی جگہ شکر ہے کہ آپ اس (استغناء کے) کے کوہ قاف سے واپس آ گئے۔ مطلب یہ کہ عاشق کہتا ہے کہ اے محبوب خدا کا شکر ہے تمہاری وہ حالت بے اعتنائی اور استغنا کی گئی اور مجھ پر مہربان ہوئے۔

اے سرافیل قیامت گاہ عشق	اے تو عشق عشق وائے دلخواہ عشق
اے عشق کے میدان حشر کے اسرافیل!	اے وہ کہ تو عشق کا عشق اور عشق کا محبوب ہے

یعنی اے عشق کے قیامت گاہ کے اسرافیل اے وہ شخص کہ تم عشق کے معشوق ہو اور اے محبوب عشق

اول این خلعت کہ خواہی دادنم	گوش خواہم کہ نہی بر روزنم
سب سے پہلی خلعت جو آپ مجھے دیں	میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے منہ پر کان رکھ دیں

یعنی اول خلعت جو آپ مجھے دیں گے وہ یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری بات پر کان رکھیں مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے کہ اے وہ شخص جو کہ عشق کی قیامت کے وقت مردوں کو زندہ کرنے والا ہے میں چاہتا ہوں کہ سب سے اول انعام جو مجھ پر ہو وہ یہ ہو کہ آپ میری باتیں سن لیں۔

گرچہ میدانی بصفوت حال من	بندہ پرور گوش کن اقوال من
اگر چہ (باطن کی) صفائی کی وجہ سے آپ میرا احوال جانتے ہیں	بندہ پرور میری باتیں (بھی) سن لیجئے

یعنی اگر چہ آپ برگزیدگی کی وجہ سے میری حالت کو جانتے ہیں (مگر) اے بندہ پرور میری باتوں کو سن ہی لیجئے۔

صد ہزاران بار اے صدر فرید	ز آرزوئے گوش تو ہوشم پرید
اے یکتا صدر لاکھوں بار	(آپ کے) کان کی آرزو میں میرے ہوش اڑے ہیں

یعنی اے صدر یکتا لاکھوں دفعہ تیرے کان کی آرزو میں میرے ہوش اڑ گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ مجھے جدائی میں جب تیرا میری باتوں کو سننا یاد آیا ہے تو میرے ہوش اڑ گئے ہیں۔

آن سمیعے تو و آن اصغائے تو	وان تبسمہائے جان افزائے تو
وہ آپ کا سننا اور آپ کا کان دھرنا	وہ آپ کی جان بڑھانے والی مسکراہٹیں

یعنی تیرا وہ سننا اور تیرا وہ کان لگانا اور وہ تیرے جان کے بڑھانے والے تبسم۔

آن نیوشیدن کم و بیش مرا	عشوۂ جان بداندیش مرا
وہ میرے کم و بیش کو سننا	میری بد اندیش جان کے مکر کو (سننا)

یعنی وہ میرے کم وبیش کو سننا اور میری جان بداندیش کے مکروں کو سننا۔

قلب ہائے من کہ آن معلوم تست	بس پذیرفتی تو چون نقد درست
میرے کھوٹے سکے جو آپ جانتے تھے	کھرے نقد کی طرح آپ نے بہت قبول کئے ہیں

یعنی میرے ان کھوٹوں کو جو تجھے معلوم ہیں تو نے بہت مرتبہ مثل عمدہ کھرے کے قبول کیا ہے۔

بہر گستاخ و شوخ غرہٗ	حلمہا در پیش حلمت ذرہٗ
ایک گستاخ اور شوخ بہکے ہوئے کے لئے	بہت سی بردباریاں آپ کی بردباری کے سامنے ایک ذرہ ہیں

یعنی گستاخی اور عاشق کی شوخی کے واسطے تمام حلم تیرے حلم کے سامنے ایک ذرہ ہیں۔ مطلب یہ کہ عاشق کی شوخی اور گستاخی کے برداشت کرنے کے لئے تمام حلم کافی نہیں ہیں مگر تیرے حلم نے ان کو بھی برداشت کیا ہے تو اور سب حلم تیرے حلم سے گھٹے ہوئے ہیں۔

اولاً بشنو کہ چون ماندم دشت	اول و آخر ز پیش من بہ چست
اولاً سنئے کہ جب میں کند سے نکل گیا	تو آغاز و انجام میرے سامنے سے چل دیا

یعنی اول تو سن کہ جب میں کمند (خدمت) سے جدا ہوا تو اول وآخر میرے آگے سے جاتا رہا۔ مطلب یہ کہ جب میں آپ کی خدمت سے جدا ہوا ہوں مجھے اول وآخر کی کچھ خبر نہیں رہی۔

ثانیاً بشنو تو اے صدر ودود	کہ بسے جستم ترا ثانی نبود
دوسرے سنئے اے محبوب صدر	کہ میں نے بہت ڈھونڈا آپ کا کوئی ثانی نہ تھا

یعنی اے صدر محبوب دوسری بات یہ سن کہ میں نے بہت ڈھونڈا مگر تیرا کوئی ثانی نہیں تھا۔

ثالثاً تا از تو بیرون رفتہ ام	گوئیا ثالث ثلثہ گفتہ ام
تیسرے جب سے کہ میں آپ کے پاس سے باہر نکلا ہوں	گویا کہ میں تین میں سے تیسرے کا قائل ہو گیا ہوں

یعنی تیسرے یہ کہ جب سے تیرے پاس سے گیا ہوں گویا ثالث ثلثہ کہا ہے میں نے۔ مطلب یہ کہ چونکہ آپ میرے اصلی محبوب ہیں اور میں آپ سے جدا ہو کر دوسری جگہ گیا تو ایسا ہو گیا جیسا کہ نصاریٰ محبوب حقیقی کو چھوڑ کر محبوبان مجازی کی طرف التفات کرتے ہیں۔

رابعاً چون سوخت مرا مزرعہ	می ندانم خامسہ از رابعہ
چوتھے جب میرا کھیت جل گیا	میں پانچویں کو چوتھے سے ممتاز نہیں کر سکتا

چوتھے یہ کہ جب ہماری (قرب) کی کھیتی جل گئی تو میں پانچویں کو چوتھے سے نہیں جانتا۔ مطلب یہ کہ جب آپ کا قرب جاتا رہا تو پھر مجھے اس قدر بے خودی نے گھیرا کہ مجھے چار و پانچ میں بھی امتیاز نہ رہا۔

خامساً در ہجرت اے صدر جہاں	از حواس خمسہ بودم در زیان
پانچویں اے صدر جہاں تیرے فراق میں	میں پانچوں حواس سے نقصان میں تھا

اور پانچویں اے صدر جہاں تیری جدائی میں حواس خمسہ سے نقصان میں تھا۔

سادساً از شش جہت بے روئے تو	گویا بارید برمن غم دو تو
چھٹے تیرے چہرے کے بغیر چھ جانبوں سے	گویا مجھ پر دوہرا غم برسا

یعنی چھٹے شش جہت سے بے چہرہ تیرے کے گویا کہ مجھ پر دوہرا غم برسا۔

سابع از ثامن ندانم ضالہ ام	خون ہمی گرید فلک از نالہ ام
مجھے ساتویں آٹھویں میں تمیز نہ رہی میں گمشدہ ہوں	میرے رونے سے آسمان خون (کے آنسو) روتا ہے

یعنی ساتویں کو آٹھویں سے نہیں جانتا گمراہ ہوں اور فلک میرے نالہ کی وجہ سے خون روتا ہے مطلب یہ کہ میرے نالہ کا اثر آسمان تک پہنچا۔

ہر کجا یابی تو خون برخاکہا	پے بری باشد یقین از چشم ما۔
زمینوں پر جہاں بھی آپ خون پائیں گے	کھوج لگا لیجئے وہ یقیناً ہماری آنکھ کا ہوگا

یعنی جس جگہ کو تو خاک پر خون پاوے گا یقیناً ہماری آنکھ سے نشان لے جاوے گا یعنی جہاں کہیں خون پڑا ہوا دیکھو گے تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ ہم ادھر ہی کو روتے ہوئے گئے ہیں۔

گفت من رعدست واین بانگ وحنیں	زابر خواہد تا ببارد بر زمین
میری گفتگو اور یہ آواز اور رونا کڑک ہے	وہ ابر سے چاہتا ہے کہ زمین پر برسے

یعنی میری باتیں اور یہ آوازیں رعد ہیں اور ابر سے چاہتی ہیں کہ زمین پر برسے مطلب یہ کہ جب میں باتیں کرتا ہوں تو مجھے رونا آتا ہے اور ان باتوں کا تقاضا ہوتا ہے کہ میں خوب روؤں۔

من میاں گفت و گریہ می تنم	یا بگریم یا بگویم چوں کنم
میں بولنے اور رونے کے درمیان کشمکش میں ہوں	روؤں یا بات کروں کیا کروں

یعنی میں رونے اور گفتگو کرنے کے درمیان میں کھینچ رہا ہوں کہ روؤں یا باتیں کروں کیا کروں۔

گر بگویم فوت می گردد بکا	ور بگریم چون کنم شکر و ثنا
اگر بولتا ہوں رونا چھوٹتا ہے	اگر روؤں شکریہ اور تعریف کیسے کروں

یعنی اگر باتیں کرتا ہوں تو رونا فوت ہوا جاتا ہے اور اگر روتا ہوں تو تعریف اور شکر کس طرح کروں۔

می فتد از دیدہ خون دل شہا	بین چہ افتادہ ست از دیدہ مرا
اے شاہ آنکھوں سے دل کا خون بہہ رہا ہے	دیکھ آنکھوں سے مجھ پر کیا افتاد پڑی ہے

یعنی اُے بادشاہ آنکھوں سے خونگر رہا ہے دیکھو میری آنکھوں سے کیا گرا ہے۔

این بگفت و گریہ در شدن آن نحیف	کہ برو بگریست ہم دون ہم شریف
یہ کہا اور وہ لاغر رونے لگا	کہ اس پر ذلیل بھی اور شریف بھی رونے لگا

یعنی یہ کہا اور وہ نحیف رونے میں ہوا (اس طرح) کہ اس پر کمینہ بھی روئے اور شریف بھی۔

از دلش چندان برآمد ہائے وہو	حلقہ کرد اہل بخارا گرد او
اس کے دل سے ایسی ہائے و ہو نکلی	کہ بخارا والوں نے اس کے گرد حلقہ کر لیا

یعنی اس کے دل سے اس قدر ہائے وہو نکلی کہ اہل بخارا نے اس کے گرد حلقہ لگا لیا۔

خیرہ گویان خیرہ گریاں خیرہ خند	مرد و زن خورد و کلاں حیران شدند
بہت بولتے ہوئے بہت روتے ہوئے بہت ہنستے ہوئے	مرد و عورت، چھوٹے اور بڑے حیران ہو گئے

یعنی بے ڈھنگا کہنے والا اور بے ڈھنگا رونے والا اور بے ڈھنگا ہنسنے والا عورت و مرد چھوٹے اور بڑے حیران ہوئے۔

شہر ہم ہمرنگ اوشد اشک ریز	مرد و زن درہم شدہ چون رستخیز
شہر بھی آنسو بہاتے ہوئے اس جیسا ہو گیا	قیامت کی طرح مرد و عورت گڈ مڈ ہو گئے

یعنی تمام شہر بھی اسی کی طرح رونے والا ہو گیا عورت اور مرد آپس میں قیامت کی طرح ملے ہوئے۔

مطلب یہ کہ جس طرح قیامت میں کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ ہوگی اسی طرح سب کے سب اس کے دیکھنے میں لگے ہوئے تھے کسی کو ایک دوسرے کی خبر نہ تھی۔

آسمان می گفت آندم باز بین	گر قیامت را ندیدستی بہ بین
اس وقت آسمان زمین سے کہہ رہا تھا	اگر تو نے قیامت نہیں دیکھی ہے تو دیکھ لے

یعنی آسمان اس وقت زمین سے کہہ رہا تھا کہ اگر تم نے قیامت کو نہ دیکھا ہو تو دیکھ لو۔

که فراق او عجب تر یا وصال	عقل حیران کہ چہ عشق ست و چہ حال
کہ اس میں ہجر زیادہ تعجب خیز ہے یا وصل	عقل حیران تھی کہ عجب عشق ہے اور عجب حال ہے

یعنی عقل حیران تھی کیسا عشق ہے اور کیا حال ہے کہ فراق اس کا زیادہ عجب ہے یا وصال مطلب یہ کہ عقل کہتی تھی کہ یہ فراق میں بھی روتا ہی پھرتا تھا اور وصل میں بھی رو رہا ہے تو کونسی حالت زیادہ عجب ہے۔

تا مجرہ بر دریدہ جامہ را	چرخ برخواندہ قیامت نامہ را
کہکشاں نے کپڑے پھاڑ لئے ہیں	آسمان نے قیامت نامہ پڑھ لیا ہے

یعنی آسمان قیامت نامہ کو پڑھ رہا تھا اور کہکشاں تک کپڑے پھاڑے ہوئے تھا۔ (آگے مولانا فرماتے ہیں)

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ عاشق نے پاؤں سے اٹھ کر کہا کہ اے نایاب زمانہ اور اے کعبہ جان خدا کا شکر ہے کہ تو کوہ قاف فراق سے واپس آیا اور اے محشر عشق کے اسرافیل اور عشاق کو زندہ کرنے والے اور اے وہ شخص کہ جس پر عشق بھی عاشق ہے اور اے عشق کے مطلوب پہلا خلعت جو آپ مجھے عطا فرمائیں وہ یہ ہونا چاہئے کہ آپ میرے منہ سے کان لگائیں تا کہ میں الم فراق کو بیان کر کے دل کی بھڑاس نکالوں۔ گو آپ صفائی باطن سے میری حالت جانتے ہیں مگر میری زبان سے سن لیجئے۔ سنئے لاکھوں مرتبہ ایسا ہوا ہے کہ اس آرزو میں کہ آپ میری بات سنیں میرے حواس باختہ ہوگئے ہیں آپ کا سننا اور کان لگا کر متوجہ ہونا اور آپ کا جان افزا تبسم اور آپ کا میری معمولی سے معمولی بات کو سننا جو محض میری جان بد اندیش کا دھوکہ تھا جس کے ذریعہ سے وہ آپ کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی اور یہ کہ آپ نے میرے ان نقائص کو جو آپ کو معلوم ہیں بسا اوقات خوبیوں کی طرح قبول فرمایا ہے اور یہ کہ ایک گستاخ اور مغرور شوخ کے لئے اوروں کے حلم آپ کے حلم کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہیں یہ تمام باتیں مجھے اس درخواست پر جرات دلاتی ہیں اچھا سنئے اول تو یہ بات ہے کہ جب سے میں آپ کے جال سے نکلا ہوں مجھے آگے پیچھے کی کچھ خبر نہ رہی۔ دوم یہ کہ میں نے بہت کچھ ڈھونڈا اور سر مارا مگر آپ کا ثانی نہ ملا۔ سویم یہ کہ جب سے میں آپ کے پاس سے گیا ہوں میں ایسا ہوگیا تھا جیسا کہ کافر نصرانی کہ مطلوبیت میں آپ کا شریک ٹھہرالیا۔ چہارم یہ کہ جب سے میری خرمن جان پر بجلی گری ہے اور آپ سے جدا ہوا ہوں مجھے کچھ خبر نہ رہی حتیٰ کہ چوتھے اور پانچویں میں امتیاز نہ کر رہا۔ پنجم یہ کہ آپ کے ہجر میں میرے حواس خمسہ معطل ہوگئے۔ ششم یہ کہ بدوں آپ کے دیدار کے شش جہت سے مجھ پر غم کی موسلا دھار بارش ہوتی تھی میں بالکل بے خبر تھا۔ اور مجھے ساتویں اور آٹھویں میں تمیز نہ تھی۔ میرے نالوں پر آسمان خون روتا تھا۔ جہاں کہیں آپ کو زمین پر خون ملے گا تو جبکہ آپ کھوج لگائیں گے تو یقیناً وہ میری آنکھ کا خون ثابت ہوگا۔ میری یہ گفتگو اور یہ آواز گریہ ناک رعد ہے جو ابر کو چاہتی ہے کہ زمین پر برسے یعنی مجھے اس بیان سے رونا آتا ہے اب میں گفتگو اور رونے کے درمیان پھنسا ہوا ہوں۔ گفتگو کروں یا

روؤں کیا کروں اگر میں گفتگو کرتا ہوں تو رونا جاتا ہے اور اگر روؤں تو آپ کا شکر اور آپ کی تعریف کیونکر کروں میری آنکھوں سے خون دل بہتا ہے لیجئے دیکھیئے یہ کیا گرایہ کہہ کر زار زار رونا شروع کیا اور یوں رویا کہ اس کے رونے پر ادنیٰ و اعلیٰ سب روتے تھے اور اس کے دل سے اس قدر نالہ و فغاں نکلے کہ تمام اہل بخارا اس کے گرد جمع ہو گئے زبان سے بے تکی باتیں کرتا تھا آنکھوں سے بے حد روتا تھا اور کبھی بے انتہا ہنستا تھا غرضکہ عجیب حالت تھی جس کو دیکھ کر سب لوگ حیران تھے شہر کے لوگ بھی اس کی طرح روتے تھے اور عورتیں اور مرد سب گڈمڈ ہو گئے تھے اور قیامت کی سی حالت ہو گئی تھی آسمان بزبان حال زمین سے کہہ رہا تھا کہ اگر تو نے قیامت نہیں دیکھی تو لے یہ دیکھ لے۔ عقل حیران تھی کہ اس کا عشق اور اس کی حالت کس قدر عجیب ہے اور سوچتی تھی کہ اس کا فرق عجیب تر ہے یا وصال۔ آسمان قیامت نامہ پڑھ رہا تھا اور اس کے ایک ایک واقعہ کو اس پر منطبق کر رہا تھا یہاں تک کہ کہکشاں نے کپڑے پھاڑ ڈالے تھے۔

شرح شبّیری

اندر و ہفتاد و دو دیوانگے	باد و عالم عشق را بیگانگے
اس میں بہتر دیوانگیاں ہیں	عشق کو دونوں جہان سے اجنبیت ہے

یعنی عشق کو دونوں عالم سے بیگانگی ہے اس کے اندر بہتر جنون ہیں بہتر سے مراد کثرت ہے یعنی بہت سے جنون ہیں۔ مطلب یہ کہ عشق کے خواص سب موجودات عالم سے نرالے ہیں اس میں بے شمار جنون ہیں یہ بیان ہے اس کے بعض خواص کا کہ دونوں عالم کے مصالح کا مقتضی ہوش ہے اور یہاں بیہوشی ہے اور بیہوشی متعارف سے بھی یہ بیہوشی دوسری نوع کی ہے۔

جان سلطانان جان در حسرتش	سخت پنہانست و پیدا حیرتش
جان کے شہنشاہوں کی جان' اس کی حسرت میں ہے	وہ ایک سخت پوشیدہ چیز ہے اور اس کی حیرانی کھلی ہوئی ہے

یعنی وہ بہت پوشیدہ ہے اور اس کی حیرت ظاہر ہے اور جان کی بادشاہوں کی جان اس کی تمنا میں ہے مطلب یہ کہ عشق میں جو حیرت ہوتی ہے وہ باعتبار اپنی کنہ کے عوام سے پنہاں ہے کیونکہ وہ ذوقی ہے اور عوام اس ذوق سے خالی ہیں اور باعتبار بعض آثار کے ظاہر ہے چنانچہ ظاہر ہے اور شاہان جان یعنی انبیاء اور اولیاء اس کے شوق میں ہیں پس حسرت مجازاً بمعنی تمنا کے ہے۔

تخت شاہان تختہ بندی پیش او	غیر ہفتاد و دو ملت کیش او
اس کے سامنے شاہوں کے تخت کاٹھ کا ہے	بہتر ملتوں کے علاوہ اس کا مذہب ہے

یعنی بہتر دینوں سے اس کا مذہب جدا ہے اور بادشاہوں کا تخت اس کے سامنے قید خانہ ہے۔ مطلب یہ کہ تمام مذاہب سے الگ اس کا عشق ہے۔ مذاہب باطلہ سے الگ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ عشق امر حق ہے اور ممکن ہے کہ ہفتاد و دو سے مراد صرف مذاہب باطلہ ہی لئے جاویں اور اگر قطع نظر عدد سے تمام مذاہب لئے جاویں تو

مذہب حق سے جدا ہونا اس طرح ہے کہ مذہب تو مکتسب اور عقلی ہے اور یہ موہوب اور حالی ہے اور تغایر دونوں کا ظاہر ہے اور عشق ایسی چیز ہے کہ بادشاہوں کا تخت و تاج اس کے سامنے بجائے جس کے یعنی کلفت دہ ہے۔

مطرب عشق این زند وقت سماع	بندگی بندو خداوندی صداع
عشق کا گویا سماع کے وقت یہ بجاتا ہے	غلامی قید اور آقائی درد سر ہے

یعنی سماع کے وقت عشق کا مطرب یہ بجا رہا ہے کہ بندگی ایک قید ہے اور خداوندی دردسر ہے۔ مطلب یہ کہ سماع کے وقت مطرب حق بزبان حال عشق کی صفت میں یہ کہتا تھا کہ تابعیت تو ایک قید ہے اور متبوعیت دردسر ہے چنانچہ ظاہر ہے یعنی عشق دونوں سے ارفع ہے اور اس میں دونوں سے آزادی ہے کیونکہ یہ دونوں فرع ہیں محو ہستی کے اور عشق میں فنا اور نیستی ہے۔

پس چہ باشد عشق دریائے عدم	در شکستہ عقل را آنجا قدم
تو عشق کیا ہے؟ فنا کا دریا ہے	وہاں عقل کے پاؤں شکستہ ہیں

یعنی بس عشق کیا ہے ایک دریائے عدم ہے کہ اس جگہ عقل کے قدم ٹوٹے ہوئے ہیں مطلب یہ کہ اس سے ثابت ہوا کہ عشق کیا چیز ہے وہ ایک دریائے فنا ہے دریا سے تشبیہ باعتبار محل غرق ہونے کے ہے اور جس طرح دریا میں کوئی عاقل قدم نہیں رکھ سکتا اس میں بھی عقل شکستہ قدم ہے اور اس کی اس میں رسائی نہیں چنانچہ فنا کا فوق العقل ہونا ظاہر ہے۔

بندگی و سلطنت معلوم شد	زین دو پردہ عاشقی مکتوم شد
غلامی اور حکومت (اگر محسوس ہوئی)	ان دونوں پردوں میں عاشقی چھپ گئی

یعنی بندگی و سلطنت معلوم ہوگئی اور عاشقی ان دونوں پردوں سے پوشیدہ ہے مطلب یہ کہ اس تقریر بالا سے بندگی و تابعیت اور سلطنت و متبوعیت کا حال معلوم ہو چکا ان دونوں حجابوں سے عشق مکتوم ہے کہ وہاں دونوں کا گزر نہیں۔ اسی لئے ان دونوں کو حجاب کہدیا اور انہیں دونوں کی کیا تخصیص ہے جو علت ان دونوں کی رسائی نہ ہونے کی ہے یعنی ان دونوں کا فرع ہونا ہستی کے لئے اسی علت سے جتنی اشیاء موجود یہ ہیں سب کا عدم دخل معلوم ہوگیا اسی کو فرماتے ہیں۔

کاشکے ہستی زبانے داشتے	تاز ہستان پردہا برداشتے
کاش عشق زبان رکھتا	تاکہ عاشقوں کے پردے اٹھا دیتا

یعنی کاش ہستی ایک زبان رکھتی تاکہ تمام موجودات سے پردوں کو اٹھا دیتی۔ مطلب یہ کہ بجائے اس کے کہ ہم بعض اشیاء وجودیہ کا بیان کر رہے ہیں کاش خود ہستی کے زبان ہوتی تو وہ اپنی حقیقت بیان کر کے تمام اشیاء کی حقیقت خاص اس امر میں بیان کر دیتی کہ عشق تک کسی کی رسائی نہیں آگے فرماتے ہیں۔

ہر چہ گوئی اے دم ہستی ازان	پردۂ دیگر برو بستی بداں
اے (انسانی) وجود کی گفتگو تو جو کچھ بتاتی ہے	سمجھ لے اس پر ایک دوسرا پردہ تونے ڈال دیا

یعنی اے ہستی کے کلام تو اس عشق سے جو کچھ بیان کرے تو اس پر ایک دوسرا پردہ باندھ دیتا ہے جان لے۔
مطلب یہ ہے کہ اس ہستی کے زبان ہونے سے بھی حقیقت عشق کی منکشف نہ ہوتی پس بعنوان خطاب فرماتے ہیں کہ اے ہستی کے تکلم یعنی اے ہستی متکلم تو فرنھا عشق کے ان خواص کو کہ وہاں کسی ہستی کا گزر نہیں جتنا بھی بیان کرے اس سے یہ ہوتا ہے کہ تو اس پر ایک اور حجاب ڈال دیتی یعنی یہ بیان خود ایک حجاب ہو جاتا اور حجاب میں عدم انکشاف ظاہر ہے اور یہ حجاب اس لئے ہو جاتا کہ۔

آفت ادراک آن قال است وحال	خون بخون شستن محال است ومحال
اس (عشق) کے علم کے لئے قول اور حال تباہی ہے	خون کو خون سے دھونا محال در محال ہے

یعنی ادراک کا مانع وہ قال اور حال ہے اور خون کا خون سے دھونا محال ہے مطلب یہ کہ ادراک عشق کی آفت یعنی مانع یہی دو چیزیں ہیں قال اور حال اور یہ بیان ہستی قال ہوتا اس لئے حجاب ہوتا چنانچہ قال کا مانع ہونا تو ظاہر ہے کہ عشق ایک حال ہے اور قال اس کا مضاد اور حال سے مراد غیر حال عشق ہے جو عشق سے ادون ہے اور ظاہر ہے کہ ادنیٰ کا حصول ادراک اعلیٰ کے لئے کافی نہیں اور عکس کافی ہے اس لئے ایسا حال بھی مانع ہوگا۔ آگے ایک مثال ہے تکلم ہستی کے رافع حجاب ہو سکنے کی یعنی جس طرح خون کو خون سے زائل کر سکتے اسی طرح دوسرے جب اس حجاب یعنی تکلم ہستی سے زائل نہ ہوتے آگے اسی قال کا کشف عشق کے لئے کافی نہ ہونا بیان کرتے ہیں کہ۔

من چو با سودائیانش محرمم	روز و شب اندر قفس درمی دمم
میں چونکہ اس (عشق) کے سودائیوں کا محرم راز ہوں	دن رات پنجرے میں پھونک بھر رہا ہوں

یعنی میں جب عشق کے سودائیوں کا محرم ہوں تو رات دن پنجرہ میں پھونک رہا ہوں۔ مطلب یہ کہ میں بوجہ اتصاف بہ عشق کے صرف اس کے سودائیوں یعنی عشاق کا محرم ہوں اور مخاطبین سودائی عشق نہیں ہیں اس لئے ان کے سامنے قال سے اس کی تحقیق کرنا ایسا ہے جیسا کہ قفس میں پھونک مارنا یعنی عبث ولا طائل آگے اس قال میں اپنا کسی قدر مغلوب ہونا اور باوجود اس مغلوبیت کے اس قال کے ترک کا مناسب ہونا بیان کرتے ہیں۔

سخت و مست و بیخود و آشفتۂ	دوش اے جان برچہ پہلو خفتۂ
تو بہت مست اور مدہوش اور پریشان ہے	اے جان تو کل رات کس پہلو پر سوئی تھی

یعنی تیز اور مست اور بیخود اور پریشان ہو رہا ہے تو اے جا کل کس پہلو پر سویا ہے۔

ہان وہان ہشدار برناری دمے	اولاً برجہ طلب کن محرمے
خبردار خبردار سانس نہ لے	پہلے اٹھ کسی محرم (راز) کو تلاش کر

یعنی ہاں ہاں سنبھل کہ تو کوئی آواز نہ نکالے اولاً اٹھ اور کوئی محرم تلاش کر۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے نفس کو خطاب فرما رہے ہیں کہ تو بہت ہی تیز اور مست اور بیخود و آشفتہ ہو رہا ہے اے جان یعنی اے نفس تو کس پہلو پر سویا تھا کہ تیرے ہوش درست نہیں ہوئے ہاں ہوش کو سنبھال اور اس قسم کی ایک بات بھی منہ سے مت نکال بلکہ اولاً اس بیہوشی سے نکل اور کسی محرم کو ڈھونڈ

پھر اس سے کہنے کا مضائقہ نہیں اور علاوہ محرم نہ ہونے کے ایک اور مانع بھی اس قال کا پایا جاتا ہے۔ آگے اس کا بیان ہے کہ۔

عاشق و مستی و بکشادہ زبان	اللہ اللہ اشترے برنرد بان
تو عاشق اور مست ہے اور زبان کھولے ہوئے	اللہ اللہ (گویا) سیڑھی پر اونٹ ہے

یعنی عاشق اور مستی اور زبان کھلی ہوئی اللہ اللہ ایک اونٹ ہے سیڑھی پر مطلب یہ ہے کہ عاشق ہو کر اور مستی عشق لئے ہوئے اور پھر زبان کھولے ہوئے یہ اجتماع المنافیین ہے جیسا کہ شتر کا نردبان پر ہونا عادۃً اجتماع المنافیین ہے آگے اسی قال کا نامناسب ہونا دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ۔

چون زر از و ناز او گوید زبان	یا جمیل الستر خواند آسمان
جب زبان اس (عشق) کا راز اور انداز بیان کرتی ہے	آسمان پکارتا ہے اے عمدہ پردہ پوشی کرنیوالے

یعنی جبکہ عشق کے راز و ناز کو زبان بیان کرتی ہے تو آسمان یا جمیل الستر پڑھتا ہے مطلب یہ کہ جب عشق کے اسرار و اطوار زبان قال ظاہر کرتی ہے تو آسمان بھی جبکہ صعود عمل کے وقت اس پر مطلع ہوتا ہے اس اظہار قال سے توحش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے یا جمیل الستر استرہ یعنی اے ستار حسن الستر اس راز کو پوشیدہ کر دیجئے اور اس قائل کے قلب میں سکوت کا القاء کر دیجئے یہاں تک مولانا نے حکیمانہ رائے دی ہے کہ اس کا اخفا کرنا چاہئے آگے آثار عشق کا آثار حکمت پر غلبہ ہو گیا ہے اس غلبہ اور جوش میں کہتے ہیں کہ۔

ستر چہ در پشم و پنبہ آذرست	تا ہمی پوشیش او پیدا ترست
پردہ پوشی کیسی اون اور روئی میں آگ ہے	کہ تو اس کو چھپاتا ہے وہ زیادہ ظاہر ہوتا ہے

یعنی چھپانا کیسا کہ اون اور روئی میں آگ ہے جتنا کہ تو اس کو چھپاتا ہے وہ زیادہ ظاہر ہے۔

چون بکوشم تا سرش پنہاں کنم	سر برآرد چون علم کا نیک منم
میں جب کوشش کرتا ہوں کہ اس (عشق) کے رازوں کو چھپاؤں	وہ (عشق) جھنڈے کی طرح سر ابھارتا ہے کہ میں یہ ہوں

جب میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کے بھید کو پوشیدہ کروں تو وہ علم کی طرح سر نکالتا ہے کہ یہ میں ہوں مطلب یہ کہ کیسا اخفا اس راز کی تو ایسی مثال ہے جیسے اون اور روئی میں آگ کہ اس کے اندر مخفی کرنے سے زیادہ ظاہر ہو گی کہ پہلے تو اپنی ہی جگہ میں تھی روئی کے اندر رکھنے سے روئی کی چیز کو بھی گھیر لیا بلکہ اس کے نواح کو بھی تو بہت ہی پھیل گئی اسی طرح جب میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کے راز کو مخفی کروں تو وہ پرچم بلند کی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ دیکھو میں یہ ہوں مراد اس ظہور سے وہ ظہور نہیں جس کے اصدار سے اوپر منع کیا گیا ہے کہ وہ تو اثر ہے اظہار مکتسب کا بلکہ یہ دوسرا ظہور ہے جس کا اصدار حضرت حق سے ہوا ہے یعنی خود وجود واجب کا ظہور تکوینی مظاہر کونیہ میں اور اس میں ایک قسم کا انتقال ہے یعنی گو میں عشق کا اخفاء کرتا ہوں مگر خود ہی اس کا اس طرح ظہور ہو رہا ہے کہ وجود حق ظاہر ہے اور چونکہ یہی ظہور وجود عشاق حق کی نظر میں ظہور اسرار عشق ہے اس لئے اس کا نام ظہور عشق رکھا مگر عوام سے وہ اس حیثیت سے مستور ہے کہ عشاق کی نظر میں بھی وجود کا ظہور عین عشق ہے اس بناء پر اس مضمون

کو بعنوان استدراک لایا گیا ہے کہ کیا اخفا الخ اور جب میں کوشش کرتا ہوں الخ اور اسی مضمون کی آگے تاکید ہے کہ۔

رغم انفم گیردم ناگاہ گوش	کاے مدمغ چونش می پوشی بپوش
وہ (عشق) میری رسوائی کے لئے میرے دونوں کان پکڑتا ہے	اے بد دماغ تو اس کو کیسے چھپاتا ہے چھپا

یعنی کہ باوجود میری ناگواری کے وہ عشق ناگہاں میرے دونوں کان پکڑ کر کہتا ہے کہ اے پاگل تو اس کو کیوں کر چھپاوے چھپا۔ مطلب یہ کہ وہ عشق علی رغم انفی میرے دونوں کان پکڑ کر کہتا ہے کہ مختل الدماغ تو راز عشق کو کیونکر مخفی کرتا ہے لے مخفی کر وہ مخفی ہو ہی نہیں سکتا۔ جبکہ وجود واجب کا خود ظہور ہو چکا اور وہی راز عشق کا ظہور ہے اور اس کو ظہور راز عشق کہنا ایسا ہے جیسا بعض اہل حال نے لکھا ہے کہ وحدۃ الوجود کا اخفا کیوں کیا جاوے جبکہ لا الٰہ الا اللہ کا وہ مدلول ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا اعلان منائر اور منابر اور محاریب میں کیا جاتا ہے آگے ایک مکالمہ ہے جو اسی معنی پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا بطون سر عشق کو راجح کہہ رہے ہیں دعویً بھی کہ باوجود ظہور کے پھر وہ باطن ہی ہے اور استدعاءً بھی کہ محبوب حقیقی سے اسی کی درخواست کرتے ہیں اور محبوب حقیقی اس کے ظہور کو راجح کر رہا ہے اور در حقیقت یہ ظہور اور بطون دونوں مجتمع ہیں پس یہ محض عنواناً مکالمہ ہے معنوں میں مزاحمۃ نہیں اور مجموعہ کلامین سے یہ بتلاتا ہے کہ اگر بصیرت ہو تو حق تعالیٰ کا ظہور وجود عشاق کی نظر میں عین شہود ہے اور اگر بصیرت نہ ہو تو ہر شے حجاب مقصود ہے وہ مکالمہ یہ ہے۔

گویمش رو گرچہ بر جوشیدۂ	ہمچو جاں پیدائی و پوشیدۂ
میں اس سے کہتا ہوں جا تو اگرچہ جوش میں ہے	تو جان کی طرح ظاہر ہے اور پوشیدہ ہے

یعنی میں اس کو کہتا ہوں کہ جا اگرچہ تو ابل رہا ہے لیکن جان کی طرح ظاہر اور پوشیدہ ہے تو مطلب یہ کہ میں اس عشق سے کہتا ہوں کہ تو مجھ پر انکار کرتا ہے کہ تو مخفی نہیں کر سکتا تو میں یہ کہتا ہوں کہ تو ظاہر ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تو اگرچہ ظہور میں جوش کر رہا ہے لیکن روح کی طرح من وجہ ظاہر ہے اور من وجہ باطن تو ظہور تام تو تیرا نہ ہوا چنانچہ ظاہر ہے کہ وجود حق آثار سے ظاہر ہے مگر کنہ اس کی نامعلوم پس پورا ظاہر نہ ہوا بلکہ غلبہ بطون ہی کو رہا۔

گوید او محبوس خم ست این تنم	چون مے اندر بزم خنبک میزنم
وہ کہتا ہے کہ میرا یہ جسم مٹکے میں مقید ہے	شراب کی طرح میں جلس میں ہتھیلیاں بجاتا ہوں

یعنی وہ کہتا ہے کہ میرا یہ بدن خم کے اندر قید ہو رہا ہے میں شراب کی طرح بزم کے اندر تالیاں بجا رہا ہوں مطلب یہ کہ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میرے ظہور کو ترجیح ہے اس لئے کہ میں مشابہ مئے انگور کے ہوں جو مرتبہ بطون فی العنب سے نزول کر کے متلبس بالدن یعنی موضوع در خم ہو جاوے اور پھر بزم میں آ کر مستی اور تالیاں بجانے کا سبب بن جاوے جو صاف ظہور ہے اسی طرح بطون سے میرا تن بمعنی وجود یعنی ذات مجازاً مظاہر میں ظاہر ہو گیا اور محسن اس مجاز کا اعتبار ہے جانب مشبہ بہ کا کہ اس کا تعیین مصداق تن کا ظاہر ہے۔

گویمش زان پیش کہ گزدی گرو	تا نیاید آفت مستی برو
میں اس سے کہتا ہوں اس سے پہلے کہ تو گروی ہو	تا کہ اس پر مستی کی مصیبت نہ آ جائے

یعنی میں اس سے کہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ تو گروی ہو (مستور ہو جا) تاکہ مستی کی آفت اس پر نہ آوے۔ مطلب یہ کہ پھر میں اس سے بطور استدعا کہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ تو ادراک خلائق کا مرہون یعنی مدرک ہو جاوے اپنے کو باخفائے ممکن مخفی کر لے پس عامل زان پیش کا مقدر ہے اور مخفی اس لئے کرے تاکہ اس مدرک پر مستی کی آفت نہ آ جاوے یعنی اندیشہ ہے کہ یہ ظہور و جود ظہور شہود تک کسی شخص کے اعتبار سے پہنچ جاوے اور وہ مغلوب السکر ہو کر آفت شطح میں مبتلا نہ ہو جاوے۔ اس لئے اس ظہور کو مستور کر لے۔

گوید از جام لطیف آشام من	یار روزم تا نماز شام من
وہ کہتا ہے کہ میں لطیف آشام جام کے ذریعہ	دن کا شام کی نماز تک (تیرا) ساتھی ہوں

یعنی کہتا ہے کہ ایک لطیف جام پینے کی وجہ سے میں دن کا یار ہوں اپنے نماز شام تک مطلب یہ کہ وہ جواب میں کہتا ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو قیامت خاصہ یا عامہ تک تو یہ ظہور ضروری رہے گا۔ الاول باعتبار کل واحد والثانی باعتبار المجموع اس کو اس عنوان سے فرماتے ہیں کہ مظاہر کے واسطہ سے جس کو جام لطیف آشام سے اس لئے تعبیر کیا کہ مے کا ظہور بواسطہ جام کے ہوتا ہے کہ اس میں وہ مے لطیف بھر بھر کر دیتے ہیں مجازاً آلہ آشامیدن کو آشامندہ کہہ دیا۔ پس وہ جام مظہر ہوتا ہے مے کا اسی طرح ان مظاہر کے واسطے سے تجلی وجود موجب سیرابی طالبان تجلی ہوتی ہے غرض یہ کہ ان مظاہر کے واسطے سے نماز شام یعنی اختتام آجال تک تو میں نہار کا قرین یعنی متجلی اور ظاہر ضرور ہی رہوں گا پھر نفخ صور پر باطن محض ہو جاؤں گا اور تیری درخواست بھی پوری کر دوں گا گو پھر ظہور ثانیاً ہو جاوے مگر خیر ایک بار تو بطون محض ہو جاوے گا یہاں مکالمہ ختم ہو گیا ہے اور محبوب ہی کی بات درخواست کنندہ کی ایک تسلی منظوری بہ میعاد معین پر غالب رہی۔ اب مولانا جوش عشق میں اس وعدۂ مذکورہ منظوری بطون کے متعلق کہتے ہیں کہ۔

چون بیاید شام و دزدد جام من	گویمش وادہ کہ نامد شام من
جب شام ہو جائے گی اور وہ میرا جام چرائے گی	میں اس سے کہوں گا واپس دیدے کیونکہ میری شام نہیں ہوئی ہے

یعنی جب شام آوے گی اور میرے جام کو چرا دے گی تو میں اس سے کہوں گا کہ واپس دیدے کیونکہ میری شام نہیں آئی ہے۔ مطلب یہ کہ جب وہ شام موجود آوے گی اور میرے جام یعنی میری ہستی کو کہ ایک مظہر خاص ہے وہ شام نہاں خانہ عدم میں مخفی کرنا چاہے گی تو میں اس شام سے کہوں کہ مہربانی کر کے میرا جام واپس دے کہاں لے چلی کیونکہ میری شام نہیں آئی یعنی تو ہر چند کہ شام ہے مگر تو میری شام نہیں ہے پس تیرا آنا میری شام کا آنا نہیں ہے میرا جام تو نہیں لے سکتی۔ مطلب یہ کہ میری قیامت فنا کے مرتبہ میں آ چکی ہے اور اس فنا کے بعد بقائے سرمدی نصیب ہو چکی ہے اب میں استثنا الا من شاء اللہ میں داخل ہوں حاصل یہ ہوا کہ یہ جو وعدہ بطون محض کا ہے یہ عام کے اعتبار سے ہے مجھ سے محبوب حقیقی مخفی نہ ہوگا کیونکہ میری درخواست تھی انہیں کے اعتبار سے تھی جن کے لئے ظہور محتمل ابتلا آفت شطح تھا دلست مبہم آگے ایک حسن تعلیل ہے کہ۔

زانکہ سیری نیست میخور را مدام	زان عرب نہاد نام مے مدام
کیونکہ شراب نوش کو کبھی سیری نہیں ہوتی ہے	اسی لئے عربوں نے شراب کا نام مدام رکھا ہے

یعنی عرب نے شراب کا نام اس لئے مدام رکھا ہے کیونکہ شراب پینے والے کو کبھی سیری نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ میں اس لئے اس سے اپنا جام واپس لے لوں گا کہ اس میں شراب تجلی دائمی پیوں کیونکہ شراب کو عربی میں مدام کہتے ہیں اس لئے کہ وہ چھوٹتی نہیں دائما پی جاتی ہے پس اس کا مقتضی بجلی یہی ہے کہ میرا شرب کبھی منقطع نہ ہو۔ اور عدم واپسی میں انقطاع لازم آتا ہے۔ اس لئے بھی مجھ کو واپس ملنا ضرور ہے یہاں مضمون مقصود مقام ختم ہو گیا آگے ان مضامین کے حسن پر نظر کر کے ایک تفریع فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ (**تنبیہ**) ان اشعار کی تشریح میں حضرت مجدد الملۃ والدین کی ایک تحریر ہے جو کہ شرح شبیری میں درج ہے۔ مگر میں نے ان کی شرح دوسرے عنوان سے کی ہے تا کہ اس عنوان سے بھی واقفیت ہو جاوے اور فائدہ تام ہو پس سنو کہ۔ یہاں سے مولانا صفات عشق بیان کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں عشق ہی عجیب چیز ہے کہ تمام دنیا سے نرالا ہے کہ اس کے آثار دیگر موجودات کے آثار سے نہیں ملتے۔ عام میں اگر کسی میں ایک قسم کی دیوانگی ہو گی تو اس میں بہتر طرح کے جنون ہیں۔ ایک صفت اس کی یہ ہے کہ ذاتا نہایت مخفی ہے مگر حیرت اس کی ظاہر ہے اور ایک وصف اس کا یہ ہے کہ انبیاء اولیاء کو بھی باوجودیکہ وہ سلطانان جہان ہیں اس کی تمنا ہے اور وہ اس سے مستغنی نہیں ایک بات اس میں یہ ہے کہ اس کا مسلک تمام مذاہب و مسالک سے جداگانہ ہے مثلاً تخت شاہی اس کے نزدیک ایک قید ہے اور یہ اور کسی مسلک میں نہیں اگر ہو تو ضرور اس میں اس کی آمیزش ہوگی اور یہ اس کا مقتضی ہوگا چونکہ اس کی شان سب سے نرالی ہے اس لئے مطرب عشق (یعنی خود عشق) قوالی میں یہ راگ گاتا ہے یعنی بزبان حال یہ کہتا ہے کہ تابعیت ایک قید ہے اور متبوعیت دوسری جب مطلق عشق کی یہ حالت ہے جس میں عشق مجازی بھی داخل ہے تو خاص بحر عالم غیب یعنی حق سبحانہ کا عشق کیا ہوگا اور اس کی صفات مختصہ کس قدر عجیب ہوں گی سچ تو یہ ہے کہ اس کی حالت تک عقل کی رسائی ناممکن ہے اب مولانا اس کی خفا کی وجہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل وجہ خفا کی یہ ہے کہ لوگوں کو بندگی و سلطنت کا حال معلوم ہوا لہذا کسی نے بندگی اختیار کی اور کسی نے سلطنت اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ عشق کو ان دونوں سے نفرت ہے ایک کو وہ قید کہتا ہے دوسرے کو دوسری تو وہ ان کے ساتھ جمع نہ ہو سکا لہذا مخفی رہا۔ اور یہ ہر دو اس کا حجاب بن گئیں کسی ہست اور باخودی کی تو کیا مجال ہے کہ وہ اس کی حالت بیان کر سکے کاش خود بیخودی کے زبان ہوتی۔ اور وہ خود اپنی حالت بیان کرتی جس کے سبب بیخودوں اور بیخودی و عشق کی حالت معلوم ہوتی۔ رہا کلام جس کا منشاء ہستی ہے اس سے تو اس کی حالت پورے طور پر منکشف نہ ہوتی بلکہ اس سے اس کی حالت پر ایک اور پردہ پڑ جاتا ہے اور قال اس حال کے منافی ہے اس لئے کہ ان کا تعلق ہستی سے ہے پس اس چیز سے جو کہ ہستی سے تعلق رکھتی ہے اس حجاب کو دور کرنا جو کہ خود بھی ہستی سے تعلق رکھتا ہے یوں ہی ناممکن ہے جیسے خون کو خون سے دھونا۔ ہاں میں چونکہ اس کے سودائیوں کا محرم

راز ہوں اس لئے اس کی حالت سے واقف ہوں اور رات دن اس کی حقیقت کی سمجھانے کی لاطائل کوشش کرتا ہوں۔ مولانا جوش میں کہہ تو گئے کہ میں رازِ عشق سے واقف ہوں مگر پھر ان کو تنبیہ ہوا اس لئے فرماتے ہیں کہ تو نہایت مست اور بیخود اور آشفتہ ہے بتا تو سہی تو رلت کس کروٹ سویا تھا دیکھ خبردار ایک لفظ منہ سے مت نکالنا ایسی ہی اگر ضرورت ہے تو اولاً کوئی محرم راز تلاش کر پھر جو جی میں آئے کہہ کچھ مضائقہ نہیں تو عاشق اور مست ہو اور تیری زبان کھلی ہو کس قدر عجیب اور بے جوڑ بات ہے بھائی ہم کو تو اس سے یوں ہی حیرت ہوتی ہے جیسے اونٹ کے سیڑھی پر چڑھنے سے بھلا اس کے راز و نیاز زبان کیونکر بیان کر سکتی ہے حالانکہ اس کی تستر کی آسمان تعریف کرتا ہے اور پکارتا ہے تو یا جمیل الستر اور اے خوب پوشیدہ کہہ کر پکارتا ہے یہاں تک تو اخفائے رازِ عشق کی ضرورت بیان کی تھی اب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اگر بلا اختیار و بالاضطرار اس کے آثار ظاہر ہو جاویں تو مضائقہ نہیں کیونکہ اس کا چھپنا قدرت سے باہر ہے کہ عشق و مشک را نتواں نہفتن اس کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ اجی کیسا اخفا بھلا کہیں ممکن ہے کیونکہ اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے آگ کو روئی یا اون سے چھپاؤ تو جس طرح کہ وہ اس سے نہ چھپے گی بلکہ اور ظاہر ہو گی یوں ہی تم چاہتے ہو کہ ہم اسے بالکلیہ چھپائیں مگر وہ اس سے اور ظاہر ہوتا ہے اب خطاب سے تکلم کی طرف التفات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب میں اس کو مخفی کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ جھنڈے کی طرح سر بلند کرتا ہے اور کہتا ہے لو گو دیکھ لو میں ہوں غرضیکہ وہ میرے منشاء کے خلاف میرے کان پکڑ کر بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ بیہودہ تو مجھے چھپانا چاہتا ہے اچھا لے چھپا دیکھوں تو کیسا چھپانے والا ہے جب میں اس کا غصہ دیکھتا ہوں تو بمنت التجا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ گو آپ غصہ میں ہیں اور جان کی رطرح مخفی ہو کر بھی آپ ظاہر ہیں میں اس کا انکار نہیں کرتا اور نہ آپ کے ظہور کو میں روک سکتا ہوں مگر آپ تشریف لے جائیے اور خود اپنے کو مخفی کیجئے اس پر کہتا ہے کہ یہ میرے اختیار میں نہیں میں اگرچہ ارواح میں محبوس ہوں مگر نہ یہ حبس میرے ظہور کے لئے مانع ہے اور نہ عدم ظہور میرا اختیاری ہے پس میری مثال ایسی ہے جیسے شراب مٹکے میں محبوس ہو اور سر محفل تالیاں بجا رہی ہو اگر میں اس کو اس عنوان سے منع کرتا ہوں تو اس کا یہ جواب ملتا ہے جو تم سن چکے ہو اور اگر یوں کہتا ہوں کہ دیکھو یہ شیوہ اچھا نہیں ہے اس میں مصیبت میں پھنس جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ جوش مستی میں میرے منہ سے نامناسب باتیں نکلیں گی اور لوگ دشمن ہو جائیں گے اور میرا ضرر خود آپ کا ضرر ہے اور میری دشمنی آپ کی دشمنی پس قبل اس کے کہ تم میری مستی کے سبب کسی مصیبت میں پھنسو بہتر یہ ہے کہ جا کر چھپ رہو تو جواب یہ ملتا ہے کہ تم ایک لطیف آشام شخص ہو۔ تنگ ظرف اور کم ظرف نہیں ہو لہٰذا میں کسی تنگ ظرف اور کم حوصلہ شخص کے پیالہ کی شراب نہیں بلکہ ایک نہایت نفیس پینے والے کی جام کی شراب ہوں۔ اس لئے مجھے اندیشہ نہیں کہ تم اول فول بکو گے لہٰذا میں نہ مخفی ہو سکتا ہوں اور نہ تم سے جدا ہو سکتا ہوں میں تو صبح سے شام تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ یعنی میرا اور تمہارا تو زندگی بھر کا ساتھ ہے اور موت سے پہلے تمہیں نہیں چھوڑ سکتا غرضیکہ میں قوت سے بھی کام لیتا ہوں اور منتیں بھی کرتا ہوں۔ دھمکیاں بھی دیتا ہوں مگر عشق ہے کہ بدوں ظاہر ہوئے نہیں رہتا ایسی حالت میں اگر افشائے راز ہو جاوے تو مجبوری ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ عشق کہتا ہے کہ میں شام تک تمہارے ساتھ رہوں گا اور مرتے دم تک تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا میں کہتا ہوں کہ تیرا ابھی پیچھا نہ چھوڑوں گا جب شام موت میرا پیالہ چرانے اور مجھے عشق سے جدا کرنے آئے گی تو میں

کہوں گا لا میرا پیالہ ابھی شام نہیں ہوئی اور میرے مرنے کا وقت نہیں آیا کیونکہ عشاق کے لئے موت نہیں۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق الخ

واقعی یہ شراب ایسی چیز ہے کہ اس سے کبھی جی نہیں بھرتا۔ یہ تو بڑی چیز ہے شراب محسوس سے بھی بادہ گسار سیر نہیں ہوتے اس لئے عرب نے شراب کو مدام کہا ہے کہ مے خوار اس سے کبھی سیر نہیں ہوتا اب مولانا پھر اوصاف عشق کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ عشق جوشد بادۂ تحقیق را الخ

شرح شبیری

او بود ساقی نہان صدیق را	عشق جوشد بادۂ تحقیق را
وہ دوست کے لئے مخفی ساقی ہوتا ہے	عشق تحقیق کی شراب کو جوش دیتا ہے

یعنی عشق شراب تحقیق کو جوش دیتا ہے اور وہ صدیق کے لئے پوشیدہ ساقی ہوتا ہے مطلب یہ کہ ان مضامین حسنہ کا منشا عشق ہے اور وہ ایسی ہی چیز ہے کہ بادۂ تحقیق کو جوش میں لاتی ہے اور وہ عشق صدیقین یعنی اولیاء عارفین کے لئے ساقی اس شراب روحانی کا بن جاتا ہے۔

بادہ آب جان بود ابریق تن	چون بجوئی تو بتوفیق حسن
تو شراب روح کے لئے آب حیات اور جسم جام بن جائے گا	جب تو اچھی توفیق کے ذریعہ تلاش کرے گا

یعنی جب تو توفیق حسن کے ساتھ ڈھونڈے گا تو شراب جان کے لئے پانی ہو جاوے گی اور بدن موٹا ہو جاوے گا مطلب یہ کہ جب تو توفیق خیر وخلوص کے ساتھ اس کا طالب بن جاوے تو یہ شراب مذکور روح کے لئے آب حیات بخش بن جاتی ہے اور جسم اس کا ابریق ہو جاتا ہے جس کے اندر شراب رہتی ہے اور جسم کا اس آثار عشق ہونا ظاہر ہے۔

قوت مے بشکند ابریق را	چون بیفزاید مے توفیق را
شراب کی تیزی جام کو توڑ دیتی ہے	جب وہ عشق، توفیق کی شراب کو بڑھاتا ہے

یعنی جب ذوق کی شراب کو بڑھاتا ہے تو شراب کی قوت لوٹے کو توڑ ڈالتی ہے مطلب یہ کہ پھر جب وہ عشق شراب توفیق کو زائد کر دیتا ہے یعنی آثار عشق کے زیادہ غلبہ کرتے ہیں تو شراب کا زور اس ابریق تن کو توڑ ڈالتا ہے یعنی آثار کثرت کے کہ مناسب تن کے ہیں مغلوب ہو جاتے ہیں اور آثار توحید کے غالب ہوتے ہیں۔

خود بگو واللہ اعلم بالصواب	آب گردد ساقی وہم مست آب
خود کہہ دے اللہ صحیح بات زیادہ جانتا ہے	پانی ساقی بن جاتا ہے اور پانی ہی مست بن جاتا ہے

یعنی پانی ہی ساقی بھی ہو جاتا ہے اور مست بھی ہو جاتا ہے خود کہہ دو واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ پس وہی پانی جیسا مشروب تھا وہ ساقی بھی ہو جاتا ہے اور مست آب یعنی شارب بھی ہو جاتا ہے یعنی تمام مرتبہ التفات

سے رخصت ہو جاتا ہے اور اگر حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آوے تو تم اللہ اعلم بالصواب کہدو انکار مت کرو۔

پرتو ساقی ست کاندر شیرہ رفت	شیرہ برجوشید رقصاں گشت تفت
ساقی کا عکس ہے جو شیرے میں پہنچا	شیرہ جوش مارنے لگا تیز ناچنے لگا

یعنی ساقی ہی کا سایہ ہے جو کہ شراب میں گیا شراب نے جوش کیا اور خوب ناچنے لگی مطلب یہ کہ یہ جو اس شیرہ یعنی شراب میں مستی آ گئی یہ پرتو ساقی یعنی محبوب حقیقی کا ہے کہ اس نے اس میں یہ اثر دیا جس سے شیرہ جوشان اور رقصاں ہو گیا۔

اندرین معنی بپرس آن خیرہ را	کہ چنین کے دیدہ بودی شیرہ را
اس بیہودہ سے یہ بات دریافت کر	تو نے شیرے کو ایسا کبھی دیکھا تھا

یعنی اس معنی میں کوئی اس بیہودہ سے پوچھے کہ اس نے شیرہ کو ایسا کبھی دیکھا تھا مطلب یہ کہ جو لوگ اس عشق موہوب کے منکر ہیں عبد ہی کو خالق افعال کہتے ہیں۔ کالفلاسفۃ والمعتزلۃ۔ ایسے خیرہ و بے باک سے اس مضمون کے بارہ میں ذرا پوچھو تو کہ تو نے شیرہ کو ایسا مست کنندہ کب دیکھا تھا چنانچہ نفس محبت مکتسب مع الحق کے مدعی وہ بھی ہیں جو بوجہ ضعیف ہونے کے مشابہ شیرہ کے ہے مگر وہ دیکھیں کہ کیا ان کی اس محبت میں بھی یہ جوش اہل اللہ کی سی محبت کا ہے پھر اگر یہ موہوب من اللہ نہیں ہے بلکہ مکتسب ہے تو دوسرے مکتسب اس کے برابر کیوں نہیں آ گئے اس مضمون کی تعلیم کرتے ہیں کہ اسی تصرف پر کیا منحصر ہے سب تصرفات اس خالق حقیقی ہی کی طرف سے ہیں پس فرماتے ہیں کہ۔

بے تفکر پیش ہر دانندہ است	آنکہ باگردندہ گردانندہ است
بغیر سوچے ہر جاننے والے کے پیش نظر ہے	کہ گھومنے والے کے لئے کوئی گھمانے والا ہے

یعنی بلا کسی سوچ کے ہر جاننے والے کے سامنے یہ بات ہے کہ ہر متحرک کے ساتھ محرک ہے مطلب یہ کہ بلا تفکر یعنی بداہۃً ہر ذی علم کے سامنے یہ بات ثابت ہے کہ ہر متحرک کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے اور انتہا اس کا عقلاً حضرت حق تک ہے پس وہی متصرف حقیقی ہوا آگے اس پر مولانا ایک حکایت لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک عورت پر عاشق تھا اور اس کو جدائی میں ایک مدت گزر گئی تھی اتفاق سے ایک مرتبہ باغ میں اس کی معشوقہ مل گئی تو وہ عاشق طالب وصل ہوا لیکن چونکہ وہ معشوقہ عفیفہ تھی اس لئے اس نے بچنا چاہا تو عاشق نے کہا کہ یہاں کون ہے سوائے ہوا کے اور تو کوئی نظر نہیں آتا۔ معشوقہ نے کہا کہ ارے باؤلے تو نے ہوا کو تو چلتے ہوئے دیکھا مگر یہ نہ دیکھا کہ اس کا چلانے والا بھی ہے اور ہماری ساری حرکتوں کو بھی دیکھ رہا ہے تو دیکھئے معلوم ہوا ہر متحرک کا محرک ضرور ہے چونکہ اس مقام کی تقریر حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے خود بھی تحریر فرمائی تھی۔ لہذا اس کو بعینہ ذیل میں نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وھو ھذا۔ قولہ "بادہ عالم عشق را بیگانگی" الی قولہ "بے تفکر پیش ہر دانندہ ہست" حاصل اشعار کا یہ ہے کہ عشق کو دونوں عالم سے اجنبیت ہے یعنی اس کے خواص سب موجودات دو عالم سے نرالے ہیں اس میں بے شمار جنون ہیں یہ بیان ہے اس کے بعض خواص کا کہ دونوں عالم کے مصالح کا تو ہوش ہے اور یہاں بیہوشی ہے اور بیہوشی متعارف سے بھی یہ بیہوشی دوسری نوع کی ہے اور اس میں جو حیرت ہوتی ہے وہ باعتبار اپنے کنہ کے عام سے پنہاں ہے

کیونکہ وہ ذوقی ہے عام اس ذوق سے خالی ہیں اور باعتبار بعض آثار کے ظاہر ہے چنانچہ ظاہر ہے اور شاہان جان یعنی انبیاؑ و اولیاء اس کی تمنا اور شوق میں ہیں۔ پس حسرت مجازاً بمعنی تمنا کے ہے اور تمام مذاہب سے الگ اس عشق کا مذہب ہے مذاہب باطلہ ہی لئے جاویں اور اگر قطع نظر عدد سے عام مذاہب لئے جاویں تو مذہب حق سے جدا ہونا اس طرح ہے کہ مذہب تو مکتسب اور عقلی ہے اور یہ موہوب اور حالی ہے اور تغائر دونوں کا ظاہر ہے اور عشق ایسی چیز ہے کہ بادشاہوں کا تخت و تاج اس کے سامنے بجائے حبس کے یعنی تکلیف دہ ہے۔ سماع کے وقت مطرب حق بزبان حال عشق کی صفت میں یہ کہتا تھا کہ تابعیت تو ایک قید ہے اور متبوعیت دردسر ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ یعنی عشق دونوں سے ارفع ہے اور اس میں دونوں سے آزادی ہے کیونکہ یہ دونوں فرع ہیں محو ہستی کے اور عشق میں فنا و نیستی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ عشق کیا چیز ہے ایک دریائے فنا ہے دریا سے تشبیہ باعتبار محل غرق ہونے کے ہے اور جس طرح دریا میں کوئی عاقل قدم نہیں رکھ سکتا اس میں بھی عقل شکستہ قدم ہے اور اس کی اس میں رسائی نہیں چنانچہ فنا کا فوق العقل ہونا ظاہر ہے اور اس تقریر سے بندگی و تابعیت اور سلطنت و متبوعیت کا حال معلوم ہو چکا۔ ان دونوں حجابوں سے عشق مکتوم ہے کہ وہاں دونوں کا گزر نہیں اسی لئے ان دونوں کو حجاب کہدیا اور ان ہی دو کی کیا تخصیص ہے۔ جو علت ان دونوں کی رسائی نہ ہونے کی ہے یعنی ان دونوں کا فرع ہونا ہستی کے لئے اسی علت سے جتنی اشیاء وجودیہ ہیں سب کا عدم دخل معلوم ہو گیا اسی کو فرماتے ہیں کہ بجائے اس کے کہ ہم بعض اشیاء وجودیہ کا بیان کر رہے ہیں کاش خود ہستی کی زبان ہوتی تو وہ اپنی حقیقت بیان کر کے تمام اشیاء کی حقیقت خاص اس امر میں بیان کر دیتی کہ عشق تک کسی کی رسائی نہیں آگے فرماتے ہیں کہ اس سے بھی حقیقت عشق کی منکشف نہ ہوتی پس بعنوان خطاب فرماتے ہیں کہ اے ہستی کے تکلم یعنی اے ہستی متکلم تو فرضاً عشق کے ان خواص کو کہ وہاں کسی ہستی کا گزر نہیں جتنا بھی بیان کرے اس سے یہ ہوتا کہ تو اس پر ایک حجاب اور ڈال دیتی۔ یعنی یہ بیان خود ایک حجاب ہو جاتا اور حجاب میں عدم انکشاف ظاہر ہے اور یہ حجاب اس لئے ہو جاتا کہ ادراک عشق کی آفت یعنی مانع یہی دو چیزیں ہیں قال اور حال اور یہ بیان ہستی قال ہوتا اس لئے حجاب ہوتا چنانچہ قال کا مانع ہونا تو ظاہر ہے کہ عشق ایک حال ہے اور قال اس کا مضاد اور حال سے مراد غیر حال عشق ہے جو عشق سے ادون ہے اور ظاہر ہے کہ ادنیٰ کا حصول ادراک اعلیٰ کے لئے کافی نہیں اور عکس کافی ہے اس لئے ایسا حال بھی مانع ہوگا آگے ایک مثال ہے تکلم ہستی کے رافع حجاب نہ ہو سکنے کی یعنی جس طرح خون کو خون سے نہیں زائل کر سکتے۔ اسی طرح دوسرے حجب اس حجاب یعنی تکلم ہستی سے زائل نہ ہوتے۔ آگے اسی قال کا کشف عشق کے لئے کافی نہ ہونا بیان کرتے ہیں کہ میں بوجہ اتصاف بہ عشق کے صرف اس کے سودائیوں یعنی عشاق کا محرم ہوں اور مخاطبین سودائی عشق ہیں انہیں اس لئے ان کے سامنے قال سے اس کی تحقیق کرنا ایسا ہے جیسا قفس میں پھونک مارنا یعنی عبث ولا طائل۔ آگے اس قال میں اپنا کسی قدر مغلوب ہونا اور باوجود اس مغلوبیت کے اس قال کے ترک کا مناسب ہونا بیان کرتے ہیں پس اپنے نفس کو خطاب فرماتے ہیں کہ تو بہت ہی تیز دست و بخود و آشفتہ ہو رہا ہے۔ اے جان یعنی اے نفس تو کس پہلو پر سویا تھا کہ تیرے ہوش درست نہیں ہوئے ہاں ہوش کو سنبھال اور اس قسم کی ایک بات بھی منہ سے مت نکال بلکہ اولاً اس بیہوشی سے نکل اور کسی محرم کو ڈھونڈ پھر اس سے کہنے کا مضائقہ نہیں اور علاوہ محرم کے نہ ہونے کے ایک اور مانع بھی اس قال کا پایا

جاتا ہے آگے اس کا بیان ہے کہ عاشق ہو کر اور مستی عشق لئے ہوئے اور پھر زبان کھولے ہوئے یہ اجتماع المتنافیین ہے جیسا شتر کا نردبان پر ہونا عادۃً اجتماع المتنافیین ہے۔ آگے اسی قال کا نامناسب ہونا اور دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں کہ جب عشق کے اسرار واطوار کو زبان قال ظاہر کرتی ہے تو آسمان بھی جبکہ صعود عمل کے وقت اس پر مطلع ہوتا ہے اس اظہار قال سے توحش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے۔ کہ یا جمیل الستر استرہ. یعنی اے ستار حسن الستر اس راز کو پوشیدہ کر دیجئے اور اس قائل کے قلب میں سکوت کا القاء کر دیجئے یہاں تک مولانا نے حکیمانہ رائے دی ہے کہ اس کا اخفاء کرنا چاہئے۔ آگے آثار عشق کا آثار حکمت پر غلبہ ہو گیا اس :'بہ وجوش میں کہتے ہیں کہ کیسا اخفاء اس راز کی تو ایسی مثال ہے جیسے اون اور روئی میں آگ کہ اس کے اندر مخفی کرنے سے زیادہ ظاہر ہو گی کہ پہلے تو اپنی ہی جگہ میں تھی روئی کے اندر رکھنے سے روئی کے حیز کو بھی گھیر لیا بلکہ اس کے نواح کو بھی تو بہت ہی پھیل گئی اسی طرح جب میں کوشش کرتا ہوں کہ اس کے راز کو مخفی کروں تو وہ پرچم بلند کی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ دیکھو میں یہ ہوں مراد اس ظہور سے وہ ظہور نہیں جس کے اصدار سے اوپر منع کیا گیا ہے کہ وہ تو اثر ہے اظہار مکتسب کا بلکہ یہ دوسرا ظہور ہے جس کا اصدار حضرت حق سے ہوا ہے یعنی خود وجود واجب کا ظہور تکوینی مظاہر کونیہ میں اور اس میں ایک قسم کا انتقال ہے یعنی گو میں عشق کا اخفاء کروں مگر خود ہی اس کا اس طرح ظہور ہو رہا ہے کہ وجود حق ظاہر ہے۔ اور چونکہ یہی ظہور وجود عشاق حق کی نظر میں ظہور اسرار عشق ہے اس لئے اس کا نام ظہور عشق رکھا گو عوام سے وہ اس حیثیت سے مستور ہے مگر عشاق کی نظر میں یہی وجود کا ظہور عین عشق کا ظہور ہے اس بنا پر اس مضمون کو بعنوان استدراک لایا گیا کہ کیسا اخفاء الخ اور جب میں کوشش کرتا ہوں الخ اور اسی مضمون کی آگے تاکید ہے کہ وہ عشق علی رغم انفی میرے دونوں کان پکڑ کر کہتا ہے کہ مختل الدماغ تو راز عشق کو کیونکر مخفی کرتا ہے لے مخفی کردہ مخفی ہو ہی نہیں سکتا۔ جبکہ وجود واجب کا خود ظہور ہو چکا اور وہی راز عشق کا ظہور ہے۔ اور اس کو ظہور عشق کہنا ایسا ہے جیسا بعض اہل حال نے لکھا ہے کہ وحدۃ الوجود کا اخفاء کیوں کیا جاوے جبکہ لا الٰہ الا اللہ کا وہ مدلول ہے اور لا الٰہ الا اللہ کا اعلان منائر اور منابر اور محاریب میں کیا جاتا ہے آگے ایک مکالمہ ہے جو اسی معنی پر مبنی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مولانا بطون سر عشق کو راجح کہہ رہے ہیں دعوٰی بھی کہ باوجود ظہور کے پھر وہ باطن ہی ہے اور استدعا گو بھی کہ محبوب حقیقی سے اسی کی درخواست کرتے ہیں اور محبوب حقیقی اس کے ظہور کو راجح کر رہا ہے اور در حقیقت یہ ظہور و بطون دونوں مجتمع ہیں پس یہ محض عنواناً مکالمت ہے معنوں میں مزاحمت نہیں اور مجموعہ کلامین سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ اگر بصیرت ہو تو حق تعالیٰ کا ظہور وجود عشاق کی نظر میں عین شہود ہے اور اگر بصیرت نہ ہو تو ہر شئے حجاب مقصود ہے وہ مکالمہ یہ ہے کہ میں اس عشق سے کہتا ہوں کہ تو جو مجھ پر انکار کرتا ہے کہ تو مخفی نہیں کر سکتا تو میں یہ کہتا ہوں کہ تو ظاہر بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تو اگرچہ ظہور میں جوش کر رہا ہے لیکن روح کی طرح من وجہ ظاہر ہے اور من وجہ باطن تو ظہور تام تو تیرا نہ ہوا۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ وجود حق آثار سے ظاہر ہے مگر کنہ اس کی نامعلوم پس پورا ظاہر نہ ہوا۔ بلکہ غلبہ بطون ہی کو رہا اور جواب میں کہتا ہے کہ میرے ظہور کو ترجیح ہے اس لئے کہ میں مشابہ مئے انگور کے ہوں جو مرتبہ بطون فی العنب سے نزول کر کے متلبس بالدن یعنی موضوع درخم ہو جاوے اور پھر بزم میں آ کر مستی اور تالیاں بجانے کا سبب بن جاوے۔ جو صاف ظہور ہے اسی طرح بطون سے میرا تن بمعنی وجود یعنی ذات مجازاً مظاہر میں ظاہر ہو گیا۔ اور محسن اس مجاز کا اعتبار ہے جانب مشبہ بہ کا کہ اس کا

تعیین مصداق تن کا ظاہر ہے پھر میں اس سے بطور استدعا کہتا ہوں کہ قبل اس کے کہ تو ادراک خلائق کا مرہون یعنی مدرک ہو جاوے۔ اپنے کو باخفائے ممکن مخفی کر لے۔ پس عالِ زانِ پیش کا مقدر ہے۔ اور مخفی اس لئے کر لے تا کہ اس مدرک پرستی کی آفت نہ آ جاوے یعنی اندیشہ ہے کہ کبھی یہ ظہور وجود ظہور شہود تک کسی شخص کے اعتبار سے پہنچ جاوے اور وہ مغلوب السکر ہو کر آفت قطع میں مبتلا نہ ہو جاوے۔ اس لئے اس ظہور کو مستور کر لے وہ جواب میں کہتا ہے کہ خواہ کچھ ہی ہو قیامت خاصہ یا عامہ تک تو یہ ظہور ضرور ہی رہے گا الاول باعتبار کل واحد والثانی باعتبار المجموع اس کو اس عنوان سے فرماتے ہیں کہ مظاہر کے واسطہ سے جس کو جام لطیف آشام سے اس لئے تعبیر کیا کہ مے کا ظہور بواسطہ جام کے ہوتا ہے کہ اس میں وہ مے لطیف بھر بھر کر پیتے ہیں مجازاً آلہ آشامیدان کو آشامندہ کہہ دیا پس وہ جام مظہر ہوتا ہے مے کا اسی طرح ان مظاہر کے واسطہ سے تجلی وجود موجب سیرابی طالبان تجلی ہوتی ہے۔ غرض یہ کہ ان مظاہر کے واسطہ سے نماز شام یعنی اختتام آجال تک تو میں نہار کا قرین یعنی متجلی اور ظاہر ضرور ہی رہوں گا پھر نفخ صور پر باطن محض ہو جاؤں گا۔ اور تیری درخواست بھی پوری کر دوں گا۔ گو پھر ظاہر ثانیاً ہو جاوے مگر خیر ایک بار تو بطون محض ہو جاوے گا۔ یہاں مکالمہ ختم ہو گیا اور محبوب ہی کی بات درخواست کنندہ کی ایک تسلی منظوری بہ میعاد معین پر غالب رہی۔ اب مولانا جوش عشق میں اس وعدۂ مذکورہ منظوری بطون کے متعلق کہتے ہیں کہ جب وہ شام موجود آوے گی اور میرے جام یعنی میری ہستی کو کہ ایک مظہر خاص ہے وہ شام نہان خانہ عدم میں مخفی کرنا چاہے گی تو میں اس شام سے کہوں گا کہ مہربانی کر کے میرا جام واپس دے کہاں لے چلی کیونکہ میری شام نہیں آئی یعنی تو ہر چند کہ شام ہے مگر تو میری شام نہیں ہے پس تیرا آنا میری شام کا آنا نہیں ہے میرا جام تو نہیں لے سکتی مطلب یہ کہ میری قیامت فناء کے مرتبہ میں آ چکی ہے اور اس فنا کے بعد بقاء سرمدی نصیب ہو چکی ہے مطلب یہ کہ میری قیامت فناء کے مرتبہ میں آ چکی ہے اور اس فنا کے بعد بقاء سرمدی نصیب ہو چکی ہے اب میں استثناء الا من شاء اللہ میں داخل ہوں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ جو وعدہ بطون محض کا ہے یہ عالم کے اعتبار سے ہے۔ مجھ سے محبوب حقیقی مخفی نہ ہوگا کیونکہ میری درخواست بھی انہیں کے اعتبار سے تھی جن کے لئے ظہور محتمل ابتلاء با آفت قطع تھا و لست منہم آگے ایک حسن التعلیل ہے کہ میں اس لئے اس سے اپنا جام واپس لے لوں گا کہ اس میں شراب تجلی دائمی پیوں کیونکہ شراب کو عربی میں مدام کہتے ہیں کیونکہ وہ چھوٹتی نہیں۔ دائماً پی جاتی ہے پس اس کا مقتضا بھی یہی ہے کہ میرا شرب کبھی منقطع نہ ہو۔ اور عدم واپسی میں انقطاع لازم آتا ہے اس لئے بھی واپس ملنا مجھ کو ضرور ہے یہاں مضمون مقصود مقام ختم ہو گیا آگے ان مضامین کے حسن پر نظر کر کے ایک تفریع فرماتے ہیں کہ ان مضامین حسنہ کا منشاء عشق ہے اور عشق ایسی ہی چیز ہے کہ وہ بادۂ تحقیق کو جوش میں لاتی ہے اور وہ عشق صدیقین یعنی اولیاء عارفین کے لئے ساقی اس شراب روحانی کا بن جاتا ہے جب تو توفیق خیر و خلوص کے ساتھ اس کا طالب بن جاوے تو یہ شراب مذکور روح کے لئے آب حیات بخش بن جاتی ہے اور جسم اس کا ابریق ہو جاتا ہے جس کے اندر شراب رہتی ہے اور جسم کا محل آثار عشق ہونا ظاہر ہے۔ پھر جب وہ عشق شراب توفیق کو زائد کر دیتا ہے یعنی آثار عشق زیادہ غلبہ کرتے ہیں تو اس شراب کا زور اس ابریق تن کو توڑ ڈالتا ہے یعنی آثار کثرت کے کہ مناسب تن کے ہیں مغلوب ہو جاتے ہیں اور آثار توحید کے غالب ہوتے ہیں۔ پس وہی پانی جیسا مشروب تھا وہ ساقی بھی ہو جاتا ہے اور مست آب یعنی شارب بھی ہو جاتا ہے یعنی تمائز

مرتبہ التفات سے رخصت ہو جاتا ہے اور اگر حقیقت اس کی سمجھ میں نہ آوے تو تم اللہ اعلم بالصواب کہہ دو انکار مت کرو اور یہ جو اس شیرہ یعنی شراب میں مستی آ گئی یہ پرتو ساقی یعنی محبوب حقیقی کا ہے کہ اس نے اس میں یہ اثر دیا اور یہ ظاہر ہے جس سے شیرہ جوشان اور رقصاں ہو گیا اور جو لوگ اس عشق موہوب کے منکر ہیں عبد ہی کو خالق افعال کہتے ہیں کالفلاسفۃ والمعتزلۃ ایسے خیرہ و بے باک سے اس مضمون کے بارہ میں ذرا پوچھو تو کہ تو نے شیرہ کو ایسا مست کنندہ کب دیکھا تھا چنانچہ نفس محبت مکتسب مع الحق کے مدعی وہ بھی ہیں جو بوجہ ضعیف ہونے کے مشابہ شیرہ کے ہے۔ مگر وہ دیکھیں کہ کیا ان کی اس محبت میں بھی یہ جوش اہل اللہ کی سی محبت کا ہے پھر اگر یہ موہوب من اللہ نہیں ہے بلکہ مکتسب ہے تو دوسرے مکتسب اس کی برابر کیوں نہیں آگے اسی مضمون کی تعمیم کرتے ہیں کہ ایک اسی تصرف پر کیا منحصر ہے سب تصرفات اسی خالق حقیقی کی طرف سے ہیں پس فرماتے ہیں کہ بلا تفکر یعنی بداہۃً ہر ذی علم کے سامنے یہ بات ثابت ہے کہ ہر متحرک کے ساتھ کوئی نہ کوئی محرک ہوتا ہے اور انتہا اس کا عقلاً حضرت حق تک ہے پس وہی متصرف حقیقی ہوا۔ انتہی۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ منجملہ خصوصیات عشق کے ایک یہ خصوصیت ہے کہ وہ رحیق تحقیق کو جوش دیتا اور صدیقین یعنی اولیاء اللہ کاملین کو وہ شراب تحقیق خفیہ طور پر پلا کر ان کو محقق بناتا ہے اگر حق سبحانہ کی امداد اور توفیق خیر تمہارے شامل حال ہو اور تم اس شراب کو طلب کرو تو یہ شراب تمہاری روح کے لئے آب حیات کا کام دے اور جسم اس کے لئے شیشہ بن جاوے۔ یعنی تم بحیات روحانی زندہ ہو جاؤ اور یہ شراب تمہارے رگ و پے میں سرایت کر جاوے اور جبکہ حق سبحانہ مئے توفیق اضافہ فرمائیں اور مزید توفیق عطا فرماویں تو یہ شراب اپنی تیزی سے شیشۂ جسم کو بالکل توڑ دے اور علائق جسمانیہ سے تمہارا تعلق بالکل منقطع ہو جاوے اس وقت تمہاری یہ شان ہو کہ شراب اور ساقی اور مست سب ایک ہو جائیں یعنی ماسوائے اللہ نظر سے تمام غائب و فنا ہو جائیں اور تم فانی فی الحق ہو جاؤ پس اب کہہ دو کہ خدا خوب حقیقت حال سے واقف ہے اور اس مضمون کو ختم کرو اب ہم تمہیں ایک مفید بات بتلاتے ہیں وہ یہ کہ شراب میں یہ اثر ذاتی نہیں بلکہ پرتو ساقی و تصرف حق سبحانہ ہے کہ یوں جوشان و رقصاں ہو گئی ہے جو لوگ تصرف حق سبحانہ کے منکر ہیں ان سے پوچھو کہ شراب کی حقیقت شیرہ ہی تو ہے پھر بتاؤ شیرہ میں تم نے کبھی یہ صفت دیکھی ہے جبکہ نہیں دیکھی تو ضرور یہ جدید پیدا ہوئی ہے لہذا یہ ایک اثر حادث ہے اور ہر جاننے والے کے نزدیک یہ امر بدیہی ہے کہ متصرف (بالفتح) کے لئے ایک متصرف (بالکسر) ہے اور ہر اثر کے لئے ایک موثر ضروری ہے پس وہ کون ہے وہ حق سبحانہ ہے کیونکہ اس کے سوا جتنی چیزیں ہیں سب ان آثار کی طرح محتاج موثر ہیں اور ان کو خود ضرورت موثر ہے لہذا وہ کیا بالذات موثر ہوتیں پس ثابت ہوا کہ موثر بالذات حق سبحانہ ہی ہیں اب ایک واقعہ سنو جس سے اس کی تصدیق ہو کہ فاعل و موثر حقیقی صرف حق سبحانہ ہیں ایک جوانے برزنے عاشق شدہ است الخ

فائدہ:۔ قصۂ آئندہ کے اس مدعا پر دلالت کی یہ وجہ ہے کہ عاشق اسباب متعارفہ للوصول الی المطلوب سے کامیاب نہ ہو سکا اور اسباب مضادہ سے کامیاب ہوا اس سے معلوم ہوا کہ کوئی اور ذات ہے جس کے قبضہ میں اسباب ہیں اور جو کہ اسباب و مسببات میں موثر ہے نیز دفتر چہارم میں معشوقہ نے حق سبحانہ کے تصرف کی بحث چھیڑی ہے۔

شرح شبیری

اس عاشق دراز ہجر اور بسیار امتحان کی حکایت

یک جوانے بر زنے مجنون بدست	روز و شب بیخواب و بیخور آمدست
ایک جوان ایک عورت پر عاشق ہوا تھا	شب و روز بغیر نیند اور بغیر کھائے رہتا تھا

یعنی ایک جوان ایک عورت پر دیوانہ ہو گیا تھا رات دن بیخواب اور بے کھانے کے تھا۔

بیدل و شوریدہ ہم مجنون و مست	می ندادش روزگار وصل دست
بے دل اور پریشان تیز دیوانہ اور مست	وصل کا زمانہ اس کے ہاتھ نہ آتا تھا

یعنی بیدل اور پریشان اور مجنون اور مست زمانہ وصل کا اس کو اپنا ہاتھ نہ دیتا تھا۔

بس شکنجہ کرد عشقش بر زمین	خود چرا دارد ز اول عشق کین
اس کو عشق نے زمین پر شکنجے میں کس دیا تھا	(نہ معلوم) عشق ابتدا ہی سے کیوں دشمنی رکھتا ہے؟

یعنی عشق نے اس کو زمین پر بہت کھینچا تھا (مولانا بطور سوال کے فرماتے ہیں) کہ عشق اول ہی کیوں کینہ رکھتا ہے۔

عشق از اول چرا خونے بود	تا گریزد آنکہ بیرونے بود
عشق شروع سے خونی کیوں ہوتا ہے	تاکہ وہ بھاگ جائے جو اجنبی ہو

یعنی عشق اول ہی سے کیوں خونی ہوتا ہے (خود ہی جواب دیتے ہیں) تاکہ جو شخص باہر کا ہے بھاگ جاوے۔ مطلب یہ کہ عشق اول ہی سے جو سختیاں شروع کر دیتا ہے اس میں یہ مصلحت ہے کہ جو عاشق صادق ہے وہ تو باوجود ان سختیوں کے بھی کہیں نہیں جاوے گا اور جو عاشق صادق نہیں وہ گھبرا کر نکل بھاگے گا۔

چون فرستادے رسولے پیش زن	آن رسول از رشک گشتی راہزن
جب وہ عورت کے پاس کوئی قاصد بھیجتا	وہ قاصد رشک سے رقیب بن جاتا

یعنی اگر عورت کے پاس کوئی قاصد بھیجتا تو وہ قاصد رشک کی وجہ سے راہزن ہو جاتا مطلب یہ کہ قاصد صاحب خود عاشق ہو جاتے تھے۔

ور بسوئے زن بنشتی کاتبش	نامہ را تصحیف خواندی نائبش
اگر اس کا منشی عورت کو لکھتا	اس عورت کا نائب خط کو غلط پڑھ کر سناتا

یعنی اور اگر عاشق کا منشی عورت کی طرف (اس عاشق کی طرف سے) کچھ لکھتا تو اس عورت کا نائب اس کو بگاڑ کر پڑھتا۔

از غبارے تیرہ گشتی آن صبا	ور صبا را پیک کردے در وفا
وہ صبا غبار سے کالی پڑ جاتی	اگر وفا کے بارے میں وہ صبا کو قاصد بناتا

یعنی اور اگر صبا کو وفا میں قاصد بناتا تو وہ صبا کسی غبار کی وجہ سے تاریک ہو جاتی۔

پر مرغ از تف رقعہ سوختی	رقعہ گر بر پر مرغے دوختی
خط کی گرمی سے پرند کے پر جل جاتے	اگر وہ خط پرند کے پروں پر سیتا

یعنی اور اگر کسی جانور کے پر میں کوئی رقعہ سی دیتا تو رقعہ کی گرمی کی وجہ سے جانور کا پر جل جاتا۔

لشکر اندیشہ را رایت شکست	راہہائے چارہ را غیرت بہ بست
سوچ کے لشکر کا جھنڈا توڑ دیا	تدبیر کے راستے غیرت نے بند کر دئے

یعنی تدبیر کے رستوں کو غیرت (عشق) نین باندھ دیا اور اندیشہ کے لشکر کا جھنڈا توڑ دیا۔ مطلب یہ کہ اب وہاں تک وہم کی بھی رسائی نہ تھی اور کوئی تدبیر وصل وہم میں بھی نہ آتی تھی۔

آخرش بشکست کہ ہم انتظار	بود اول مونس غم انتظار
آخر میں وہ درہم برہم ہوگیا' کون انتظار بھی	پہلے انتظار' غم کا غمگسار تھا

یعنی اول تو انتظار (محبوب) غم کا انیس تھا (لیکن) آخر اس کو بھی توڑ دیا کیونکہ انتظار کہاں تک۔

گاہ گفتی نے حیات جان ماست	گاہ گفتی کاین بلائے بے دواست
کبھی کہتا نہیں' ہماری جان کی زندگی ہے	کبھی وہ کہتا کہ یہ لا علاج مرض ہے

یعنی کبھی کہتا کہ یہ بلائے بے درماں ہے اور کبھی کہتا کہ نہیں میری جان کیلئے زندگی ہے۔

گاہ او از نیستی خوردے برے	گاہ ہستی زو بر آوردے سرے
کبھی وہ نیستی کا پھل کھاتا	کبھی ہستی اس میں سر ابھارتی

یعنی کبھی تو ہستی اس میں سے سر نکالتی اور کبھی نیستی سے وہ پھل کھاتا۔ مطلب یہ کہ کبھی تو یاد محبوب میں بالکل فنا ہو جاتا اور کبھی اس کو اپنے بھی ہوش وحواس نہ رہتے۔

گہ خیال دلبرش ہمدم بدی	گاہ فریادش بگردوں برشدی
کبھی معشوق کا خیال' اس کا ساتھی ہوتا	کبھی اس کی فریاد' آسمان پر پہنچتی'

یعنی کبھی تو اس کی فریاد آسمان تک پہنچتی اور کبھی دلبر کا خیال اس کا ساتھی ہوتا۔

جوش کردے گرم چشمہ اتحاد	چونکہ بروے سرد گشتے این نہاد
اتحاد کا گرم چشمہ جوش مارتا	جب یہ مزاج اس پر ٹھنڈا پڑ جاتا

یعنی جبکہ اس کے اوپر یہ ذات ٹھنڈی ہو جاتی تو اتحاد کا تیز چشمہ جوش کرتا۔ مطلب یہ کہ اگر کبھی جوش عشق کم ہو جاتا تو محبوب سے وصل کا جوش ہوتا۔

برگ بے برگی بسوئی او بتاخت	چونکہ بابی برگے غربت بساخت
بے سرو سامانی کا سامان اس کی طرف بڑھا	جبکہ مسافرت کی بے سرو سامانی سے اس نے ساز کیا

یعنی جبکہ غربت کی بے سامانی کے ساتھ موافقت کی تو بے سامانی کا سامان اس کی طرف دوڑا۔

شب رواں را رہنما چوں ماہ شد	خوشہائے فکرتش بیگاہ شد
وہ رات کے مسافروں کا چاند کی طرح رہنما ہو گیا	اس کی فکر کے خوشے بغیر پکے کے ہو گئے

یعنی اس کی فکر کی خوشی صاف ہوگئی رات کے چلنے والوں کے لئے چاند کی طرح رہنما ہو گیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ راتوں کو جاگتا تھا اور اکثر عشاق رات کو نہیں سوتے تو اس کا عشق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ یہ اور عشاق کو بھی عشق کے راستے بتلاتا تھا۔

اے بسا شیریں رواں روترش	اے بسا طوطئے گویائے خمش
بہت سے خوش دل غمگین ہیں	بہت سے طوطی کی طرح چہکنے والے خاموش ہیں

یعنی بہت سی طوطییں (حقیقت میں) بولنے والی ہیں اور (ظاہر میں) خاموش ہیں اور بہت سے شیریں جان (مگر) روترش ہیں مطلب یہ کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ وہ بظاہر خاموش رہتے ہیں لیکن ان کی یہ خاموشی ہی بولنا ہے اس لئے کہ ان کی حالت ہی سے ان کی باتیں معلوم ہوتی ہیں آگے اس کے ایک مثال دیتے ہیں۔

آن خموشان سخن گورا بہ بین	روبگورستان دمے خامش نشین
ان بولنے والے خاموشوں کو دیکھ	تھوڑی دیر کے لئے قبرستان میں جا خاموشی سے بیٹھ

یعنی قبرستان میں جا اور ایک دم چپکا بیٹھ اور ان میں باتیں کرنے والے خاموش لوگوں کو دیکھ۔

نیست یکساں حالت چالاک شان	لیک اگر یک رنگ بینی خاک شان
ان کی چالاک حالت یکساں نہیں ہے	لیکن اگر تو ان کی قبر کو یکساں دیکھتا ہے

لیکن اگر ان کی خاک یکساں دیکھو تو ان کی چستی کی حالت یکساں نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم اوپر سے قبر کو سب کی یکساں دیکھو تو ان کے اندرونی حالت تو یکساں نہیں ہے اس سے عبرت حاصل کرو اس کی ایسی مثال ہے۔

شحم و لحم زندگان یکساں بود	آں یکے غمگین دگر شادان بود
زندوں کا گوشت اور چربی یکساں ہوتی ہے	لیکن ایک غمگین دوسرا خوش ہوتا ہے

یعنی گوشت پوست زندوں کا یکساں ہوتا ہے مگر ایک غمگین اور دوسرا خوش ہوتا ہے۔

تو چہ دانی تا نہ نوشی قال شان	زانکہ پنہانست برتو حال شان
تو کیا سمجھے جب تک ان کی بات نہ سن لے۔	کیونکہ تجھ پر ان کی حالت مخفی ہے

یعنی تو کیا جانے جب تک کہ تو ان کی باتیں نہ سنے اس لئے کہ تجھ پر ان کا حال تو پوشیدہ ہی ہے۔

بشنوی از قال ہائے وہوئے را	کے بہ بینی حالت صد توے را
تو زبان سے ہائے وہو کو سن لیتا ہے	تو سینکڑوں تہوں کی حالت کو کب دیکھ سکتا ہے

یعنی باتوں میں تو ہائے وہو کو سن لے مگر سو تہ کی حالت کو کب دیکھے گا۔

نقش ما یکسان بضدہا متصف	خاک ہم یکساں رواں شان مختلف
ہماری صورتیں یکساں ہیں، متضاد صفات سے متصف ہیں	مٹی بھی یکساں ہے ان کی روحیں مختلف ہیں

یعنی نقش ہمارے یکساں ہیں اور اضداد کیساتھ متصف ہیں خاک بھی یکساں ہیں اور جان ان کی مختلف ہے (خاک سے مراد ظاہر بدن ہے)

ہم چنیں یکساں بود آوازہا	آن یکے پر درد و آن پر نازہا
اسی طرح آوازیں بھی یکساں ہوتی ہیں	ایک درد سے بھری ہے اور ایک نازوں سے بھری ہے

یعنی اسی طرح آوازیں یکساں ہوتی ہیں اور وہ ایک درد سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور وہ دوسری نازوں سے بھری ہوئی۔

بانگ اسپاں بشنوے اندر مصاف	بانگ مرغان بشنوے اندر مطاف
میدان جنگ میں تو گھوڑوں کی آواز سنتا ہے	چکر کاٹنے میں تو پرندوں کی آواز سنتا ہے

یعنی گھوڑوں کی آواز لڑائی میں سنتے ہو اور پرواز میں جانوروں کی آواز سنتے ہو۔

آن یکے از حقد و دیگر ز ارتباط	آن یکے از رنج دیگر از نشاط
ایک دشمنی سے ہے اور دوسری تعلق کی وجہ سے	ایک رنج سے ہوتی ہے دوسری خوشی ہے

یعنی وہ ایک کینہ کی وجہ سے ہوئی ہے اور دوسری الفت کی وجہ سے اور وہ ایک رنج کی وجہ سے اور دوسری خوشی کی وجہ سے۔

ہر کہ دور از حالت ایشان بود	پیشش آن آواز ہا یکسان بود
جو ان کے احوال سے دور ہو	اس کے لئے وہ آوازیں یکساں ہوتی ہیں

یعنی جوکوئی کہ ان کی حالت سے دور ہوتا ہے تو اس کے سامنے وہ سب آوازیں یکساں ہی ہوتی ہیں۔

آن درختے جنبد از زخم تبر	وان درخت دیگر از باد سحر
ایک درخت کلہاڑے کی چوٹ سے ہلتا ہے	دوسرا درخت صبح کی ہوا سے

یعنی وہ ایک درخت کلہاڑی کے زخم سے ہلتا ہے اور وہ دوسرا درخت صبح کی ہوا کی وجہ سے ہلتا ہے۔

بس غلط گشتم زدیگ مردہ ریگ	زانکہ سر پوشیدہ می جوشیدہ دیگ
میں بہت سے مرتبہ بیکار دیگ سے غلطی میں پڑ گیا	کیونکہ دیگ منہ ڈھکے ہوئے جوش مار رہی تھی

یعنی ایک بیکار دیگ کی وجہ سے بہت غلط ہوگیا میں اس لئے کہ ہنڈیا ڈھکی ہوئی جوش کررہی تھی مطلب یہ کہ بہت لوگوں کے ظاہری بدن کو دیکھ کر دھوکہ ہو چکا ہے کیونکہ اندر کی حالت کا تو کچھ پتا نہیں چلا بس دھوکہ کھا گئے۔

جوش و نوش ہر کست گوید بیا	جوش صدق و جوش تزویر و ریا
تجھ سے ہر شخص کا جوش اور ذائقہ کہتا ہے آ جا	سچائی کا جوش اور طمع سازی اور ریا کے جواش

یعنی جوش اور نوش ہر شخص کا تجھ کو کہتا ہے کہ آ صدق کا جوش دھوکہ اور ریا کا جوش یعنی ہر کس وناکس اپنی طرف کھینچتا ہے۔

گرنداری دید ہائے روشناس	رو دماغے دست آور بو شناس
اگر تو پہچاننے والی آنکھیں نہیں رکھتا ہے	جا کوئی خوشبو پہچاننے والا دماغ حاصل کر

یعنی اگر تو پہچاننے والی آنکھ نہیں رکھتا تو جا کوئی دماغ بو کا پہچاننے والا لا۔

آن دماغے کہ بران گلشن تند	چشم یعقوبان ہم او روشن کند
وہ دماغ جو اس چمن سے تعلق رکھے	یعقوبوں کی آنکھ کو بھی روشن کرے

یعنی ایسا دماغ جو اس گلشن پر تنے اور یعقوبوں (یعنی عاشقوں) کی آنکھ کو بھی روشن کرے۔ مطلب یہ کہ ایسے دماغ کو تلاش کر جو محبوب کا بھی پتہ دے اور تمہاری آنکھ بھی روشن کردے۔

ہین بگو احوال آن خستہ جگر	کز بخاری دور ناندیم اے پسر
خبردار اس خستہ جگر کے احوال بتا	کیونکہ اے لڑکے ہم بخاری سے دور جا پڑے

یعنی ہاں اس خستہ جگر کا حال بیان کرو کیونکہ اے صاحبزادے ہم بخاری سے تو دور ہوگئے۔ یعنی بخاری کا قصہ تو دور ہوگیا اب اسی کو بیان کرلو۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ایک جوان ایک عورت پر دیوانہ ہوگیا تھا اور اس وجہ سے نہ رات دن کھاتا تھا اور نہ سوتا تھا وہ

دل دادہ اور شوریدہ اور دیوانہ اور مست تھا مگر اس کو زمانہ وصل میسر نہ آتا تھا۔ عشق نے اس کو بہت کچھ سزا دی تم پوچھو گے کہ اس نے ایسا کیوں کیا وجہ یہ ہے کہ ابتداء میں عداوت ظاہر کرنا اس کی عادت ہے اس پر تم سوال کرو گے کہ اچھا ابتداء میں وہ خونی کیوں ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امتحان ہو جاوے اور عاشق صادق اور بوالہوس میں تمیز ہو جاوے اور بیگانہ بھاگ جاوے خیر تو اس کی یہ حالت تھی کہ جب وہ کوئی قاصد عورت کے پاس بھیجتا تو وہ رسول خود عاشق ہو جاتا اور رشک سے اس کے حق میں نیش زنی کرتا اور اگر اس کا منشی عورت کے پاس کوئی خط لکھتا تو عورت کا پیشکار اس کو الٹ پلٹ پڑھ دیتا تا کہ اس کے دل پر اثر نہ ہونے پائے اور اگر باد صبا کو قاصد بناتا تو وہ بھی غبار سے مکدر ہو جاتی اور اس کا مدعا بر نہ لاتی اگر کسی مرغ نامہ بر کے پر میں خط باندھ کر بھیجتا تو پر مرغ رقعہ کی حرارت سے جل جاتا غرضیکہ غیرت عشق نے امتحان کے لئے مقصد برآری کی تمام راہیں بند کر دیں اور لشکر فکر کے جھنڈے کو توڑ پھوڑ کر اس کو شکست دیدی یعنی کوئی تدبیر اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ ابتداء مونس غم انتظار تھا مگر اب وہ بھی درہم برہم ہو گیا کون درہم برہم ہو گیا وہ انتظار جو اس کو سنبھالے ہوئے تھا پس وہ عجیب ضیق میں مبتلا تھا کبھی کہتا تھا کہ کیا بلائے بے درماں پیچھے لگ گئی کبھی کہتا تھا نہیں جی بلائے بے درماں کیوں ہے یہ تو ہمارے جان کے لئے زندگی ہے کبھی ہستی غلبہ کرتی تھی اور خواہشات کا ہجوم ہوتا تھا کبھی فنا سے متمتع ہوتا اور برضائے محبوب پر راضی ہوتا اور اپنی خواہشات کو اس کے تابع کر دیتا کبھی اتنا چلاتا کہ شور و فریاد آسمان تک پہنچتا اور کبھی خیال سے تسکین حاصل کرتا اور شور و شیون موقوف کرتا جبکہ اپنا وجود اسے بے مزہ معلوم ہوتا تو چشمہ اتحاد کو سخت جوش ہوتا اور فنا فی المحبوب کا طالب ہوتا۔ الحاصل جبکہ اس نے بے سامانی غربت سے میل کیا تو سامان بے سامانی اس کو حاصل ہو گیا۔ اس کی فکر کی خوشی خاشاک خیالات بیہودہ سے صاف ہو گئے اور خیالات حسنہ رہ گئے۔ اس طریقہ سے وہ ناواقفوں اور عشق سے نامحرموں کا ہادی ہو گیا اور ان کے لئے ایک بہتر نمونہ بن گیا۔ اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور اہل اللہ اور مدعیان ولایت میں تمیز کرنے کی ضرورت اور اس کا طریقہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں بعض تو بظاہر طوطی کی طرح بولتے ہیں مگر باطن میں خاموش ہیں بظاہر خوش ہیں مگر باطن میں غموں کا انبار لگا ہوا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہ بظاہر مکدر ہیں مگر دل میں خوش و خرم ہیں نیز تم قبرستان میں جاؤ اور تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھو اور اس شہر خموشان کے رہنے والوں کو دیکھو گو بظاہر تم کو سب یکساں معلوم ہوں گے مگر سب کی حالت یکساں نہیں ہے۔ اور دیکھو زندوں کی چربی اور گوشت وغیرہ یکساں ہے لیکن باہم فرق ہے ایک خوش ہے دوسرا رنجیدہ تم کو ان کی اصلی حالت نہیں معلوم ہو سکتی جب تک کہ تم ان کی گفتگو نہ سنو کیونکہ ان کی حالت تم سے پوشیدہ ہے جو بدون ظاہر کئے معلوم نہیں ہو سکتی اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ گفتگو سے بھی صحیح صحیح حالت نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ اس سے تو صرف آواز معلوم ہوتی ہے حالت مخفیہ کا حال اس سے یقینی طور پر کیسے معلوم ہو سکتا ہے اور سنو صورتیں اور ہماری تصویریں یکساں ہیں مگر اوصاف متضاد ہیں ہماری خاک بھی یکساں ہے لیکن ارواح مختلف ہیں علیٰ ہذا آوازیں نفس صورت میں یکساں ہیں لیکن باہم اختلاف بھی ہے ایک پر درد ہے تو دوسری ناز بھری دیکھو تم

جنگ میں گھوڑوں کی آوازیں بھی سنتے ہو اور اڑنے میں جانوروں کی بھی تو آواز ہونے میں تو دونوں یکساں ہیں مگر گھوڑوں کی آوازیں کینہ سے ناشی ہیں اور جانوروں کی آپس کے ارتباط اور میل سے اور گھوڑوں کی آوازیں رنج سے ناشی ہیں اور جانوروں کی خوشی سے مگر جو شخص ان کی حالت سے ناواقف ہے وہ تمیز نہیں کر سکتا۔ اس کے نزدیک ہر دو آوازیں برابر ہیں اور سنو ایک درخت کلہاڑے کے صدمہ سے ہلتا ہے اور دوسرا بادِ سحری سے پس باوجودیکہ ہلنے میں دونوں یکساں ہیں مگر ہر دو حرکتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے چونکہ اتحادِ صورت کے ساتھ اختلافِ اوصاف ہوتا ہے اور اوصاف مخفی ہوتے ہیں اس لئے مجھے اجسام سے بہت کچھ دھوکے ہوئے ہیں کیونکہ سرپوش ڈھکی ہوئی ہانڈی پکتی ہے کیا معلوم اس میں کیا چیز پک رہی ہے دیکھو لوگوں کا ظاہری جوش و خروش تم کو اپنی طرف بلائے گا مگر اس میں بعض جوش صادق ہوگا اور بعض جوش فریب اور دکھاوا۔ اس وقت تم کو لغزش ہو جانے کا بہت بڑا احتمال ہے پس اول تو تم کو چشمِ باطنی سے کام لینا چاہئے اور اگر پہچاننے والی آنکھیں نہ ہوں تو کوئی دماغ حاصل کرنا چاہئے جو ہر ایک کی بو کو پہچانتا ہو یعنی وہ دماغ جو گلشنِ عشق یا گلشنِ محبوبِ حقیقی سے تعلق رکھتا ہو اور عشاق کی آنکھوں کو روشن کرتا ہو خواہ اس طرح کہ تم خود اپنے کو ایسا بنالو یا اس طرح کہ شیخ کا دامن پکڑ و (والاول اظہر) اچھا اب اس عاشق خستہ جگر کی حالت بیان کرنی چاہئے کیونکہ بخاری کا قصہ تو بہت دور چلا گیا۔

شرح شبّیری

عاشق کا معشوق کو پالینا اور بیان اس کا کہ ڈھونڈنے والا پانے والا ہوتا ہے کہ من طلب شیئاً وجد وجد حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہے

کان جوان در جستجو بدہفت سال	از خیال وصل گشتہ چون خیال
وہ جوان سات سال تلاش میں رہا	وصل کے خیال سے، خیال کی طرح ہو گیا

یعنی وہ جوان سات برس تک تلاش میں رہا۔ اور وصل کے خیال کی وجہ سے خیال کی طرف ہو گیا تھا۔

سایۂ حق برسر بندہ بود	عاقبت جویندہ یا بندہ بود
بندے پر اللہ کا سایہ ہوتا ہے	انجام کار تلاش کرنے والا پانے والا ہوتا ہے

یعنی حق تعالیٰ کا سایہ بندہ کے اوپر ہوتا ہے اور طالب انجام کار پانے والا ہوتا ہے۔

گفت پیغمبر کہ چون کوبی درے	عاقبت زان در برون آید سرے
پیغمبر نے فرمایا جب تو دروازہ کھٹکھٹائے گا	انجام کار اس دروازے سے سر باہر نکلے گا

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی دروازہ کو کوٹو گے آخر اس دروازہ سے ایک سر نکلے گا۔

چون نشینی برسر کوئے کسے	عاقبت بینی تو ہم روئے کسے
اگر تو کسی کے کوچے کے سرے پر بیٹھے گا	انجام کار کسی کا چہرہ دیکھ لے گا

یعنی جب تو کسی شخص کے کوچہ پر بیٹھ جاوے تو آخر کار تو کسی نہ کسی کا منہ دیکھے گا۔

چون زچاہے می کنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
جب تو کنویں سے روز مٹی نکالے گا	انجام کار پاک پانی میں پہنچ جائے گا

یعنی جب تم ایک کنوئیں سے ہر روز مٹی نکالو گے تو آخر کار پاک پانی پر پہنچ جاؤ گے۔

جملہ دانند این اگر تو نگروی	ہر چہ می کاریش روزے بدروی
سب جانتے ہیں خواہ تو نہ مانے	جو تو بوئے گا ایک دن کاٹے گا

یعنی سب جانتے ہیں اگرچہ تو یقین نہ کرے کہ جو کچھ تو بووے گا اس کو ایک دن کاٹے گا۔

سنگ بر آہن زدی آتش بجست	این بہ باشد ورنہ باشد نادرست
تو نے لوہے پر پتھر مارا آگ نکلی	یہ ہو گا اگر نہ ہو تو نادر ہے

یعنی پتھر کو لوہے پر مارے تو آگ پیدا ہوگی۔ یہ بات اکثر ہوتی ہے اور اگر نہ ہو تو نادر ہے۔

آنکہ روزی نیستش از بخت ونجات	ننگرد عقلش مگر در نادرات
جس کا مقدر نصیبہ اور نجات نہیں ہے	اس کی عقل نادر کے سوا نہیں دیکھتی

یعنی جس شخص کی روزی اور بخت اور نجات نہ ہو اس کی عقل بجز نادرات کے اور کسی چیز کو نہیں دیکھتی۔

کان فلاں کس کشت کرد و بر نداشت	وان صدف برد و صدف گوہر نداشت
کہ اس فلاں نے کھیتی کی اور پھل نہ پایا	وہ سیپ لے گیا اور سیپ میں موتی نہ تھا

یعنی کہ فلاں شخص نے کھیتی کی اور پھل نہ اٹھایا اور فلاں شخص سیپی لے گیا اور سیپی موتی نہیں رکھتی تھی۔

بلعم باعور و ابلیس لعین	سود نامد شان عبادتہا و دین
بلعم باعور اور ملعون شیطان	ان کو عبادتیں اور دین مفید نہ پڑا

یعنی بلعم باعور اور ابلیس ملعون کو ان کی عبادتیں اور دین نافع نہ ہوئے۔

صد ہزاران انبیاؤ رہروان	ناید اندر خاطر آن بدگمان
لاکھوں نبی اور راہبر	اس بدگمان کے دل میں نہ آئے

یعنی لاکھوں انبیاء اور سالکین اس بدگمان کے دل میں نہیں آتے۔

این دو راگیرد کہ تاریکی دہد	دردلش ادبار جز این کے نہد
ان دو کو اس نے پکڑا جو تاریکی پیدا کرتے ہیں	بدنصیبی اس کے دل میں اس کے علاوہ کیا رکھے؟

یعنی ان دونوں (بلعم باعور اور شیطان) کو لیتا ہے تاکہ تاریکی دیں ادبار اس کے دل میں سوائے اس کے کب رکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ جو کم نصیب ہوتا ہے اور جس کی قسمت میں کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی نظر ان لوگوں پر ہوتی ہے جن کو کہ مجاہدات اور ریاضات سے کچھ نفع اتفاقاً نہیں ہوا تو وہ شخص ایسے لوگوں کو نظیر میں پیش کر کے کہا کرتا ہے کہ میاں فلاں نے کیا تھا آخر کو کیا نفع ہوا بجز اس کے کہ مردود ہوئے۔ حالانکہ ان دو ایک مردودین کے علاوہ لاکھوں ایسے ہوئے ہیں کہ جن کا انہیں مجاہدات وریاضات سے کام چل گیا ہے مگر یہ شخص ان کو نہیں دیکھتا اور اس طریقہ سے شیطان اس کی رہزنی کرتا ہے اور کام نہیں کرنے دیتا۔

بس کسا کہ نان خورد دلشاد او	مرگ او گردد بگیرد در گلو
بہت سے وہ ہیں کہ جو خوش دلی سے روٹی کھاتے ہیں	وہ ان کی موت بنتی ہے (اور) ان کا گلا پکڑتی ہے

یعنی بہت سے لوگ دل خوش ہو کر روٹی کھاتے ہیں ان کے لئے موت ہو جاتی ہے اور گلے میں اٹک جاتی ہے۔

پس تو اے ادبار رو ہم نان مخور	تا نیفتی ہمچو او در شور و شر
تو اے منحوس صورت! تو بھی روٹی نہ کھا	تاکہ اس کی طرح شرو و شر میں مبتلا نہ ہو

پس اے مدبر تو روٹی بھی مت کھا تاکہ کہیں اس کی طرح شور و شر میں نہ پڑ جاوے۔ (مگر یہاں تو بول کہنے لگتے ہو کہ)

صد ہزاراں خلق نانہا میخورند	زور می یابند جان می پرورند
لاکھوں انسان روٹی کھاتے ہیں	طاقت حاصل کرتے ہیں اور جان کی پرورش کرتے ہیں

یعنی لاکھوں مخلوق روٹی کھاتی ہے زور پاتے ہیں اور جان کو پالتے ہیں۔

تو بدان نادر کجا افتادۂ	گر نہ محرومی و ابلہ زادۂ
تو اس نادر میں کیوں پھنس گیا؟	اگر تو محروم اور بے وقوف کا بچہ نہیں ہے

یعنی تو اس اتفاقی بات پر کہاں پڑا ہوا ہے اگر تو محروم وابلہ زادہ نہیں ہے۔

این جہان پر آفتاب و نور ماہ	تو بہشتہ سرفرو بردہ بچاہ
یہ دنیا دھوپ اور چاند کی روشنی سے بھری ہوئی ہے	تو سر کو لٹکائے ہوئے کنویں میں گھسا ہے

یعنی یہ جہان آفتاب اور چاند کے نور (یعنی اولیاء اللہ) سے بھرا ہوا ہے اور تو اپنے سر کو کنوئیں کے اندر نیچے کو ڈالے ہوئے ہے (اور کہہ رہا ہے کہ)

سر ز چاہ بردار و بنگر اے دنی	کہ اگر حق ست پس کو روشنی
اے کمینے! کنویں سے سر اٹھا اور دیکھ	کہ اگر صحیح ہے تو روشنی کہاں ہے؟

یعنی کہ اگر سچ ہے تو روشنی کہاں ہے (مولانا فرماتے ہیں) اے کمینے کنوئیں سے سر اٹھا اور دیکھ۔

تا تو در چاہی نخواہد بر تو تافت	جملہ عالم شرق و غرب آن نور یافت
جب تک تو کنویں میں ہے وہ تجھ پر نہ چمکے گا	مشرق اور مغرب میں تمام جہان نے نور محسوس کیا

یعنی تمام عالم مشرق اور مغرب نے اس نور کو پالیا لیکن تو جب تک کنوئیں میں ہے وہ تجھ پر نہ چمکے گا۔

کم ستیز این جابدان کالج شوم	چہ رہا کن رو بایوان و کروم
یہاں کج بحثی نہ کر، سمجھ لے چھٹا لوپن بدبختی ہے	کنویں کو چھوڑ محلات اور باغات میں جا

یعنی کنوئیں کو چھوڑ اور محلوں اور انگوروں میں جا اس جگہ کم لڑ کیوں کہ جھگڑا کرنا منحوس ہے۔ مطلب یہ کہ اولیاء اللہ کے انوار سے تمام عالم بھرا ہوا ہے اور تمام لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں مگر تم دنیا میں لگے ہوئے ہو اور اگر تم سے کوئی اس نور کو بیان کرتا ہے کہ اس نے چار دانگ عالم کو احاطہ کر رکھا ہے تو تم دنیا ہی میں لگے ہوئے کہتے ہو کہ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو وہ نور ہم کو کیوں نہیں نظر آتا تو اس کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے کنویں میں منہ لٹکا کر پوچھو کہ آفتاب کہاں ہے تو میاں کنویں سے سر نکالو اور پھر دیکھو اسی طرح تم دنیا کو ترک کرو تب ان کے انوار نظر آ دیں۔

در فلان سال و ملخ کشتش بخورد	ہیں مگو کا نیک فلانے کشت کرد
فلاں سال میں اور ٹڈی اس کی کھیتی کھا گئی	خبردار! یہ نہ کہہ کہ فلاں نے کھیتی کی

یعنی ہاں یوں مت کہو کہ فلاں شخص نے فلاں سال میں کھیتی کی تھی اور اس کی کھیتی کو ٹڈیاں کھا گئیں۔ (لہذا)

پس چرا افشانم این گندم ز دست	پس چرا کارم کہ اینجا خوف ہست
میں ہاتھ سے اس گیہوں کو کیوں بکھیروں؟	تو میں کھیتی کیوں کروں کہ یہاں خوف ہے

یعنی پھر میں کیوں بوؤں یہاں تو خوف ہے اور اس گیہوں کو ہاتھ سے کیوں ڈالوں۔

باتوکل کشت کن بشنو سخن	ہیں مکن استیزہ رو رو کار کن
توکل کے ساتھ کھیتی کر بات سن لے	خبردار جھگڑا نہ کر جا جا کام کر

یعنی ہاں لڑائی مت کر جا جا کام کر توکل کے ساتھ کھیتی کر بات سن مطلب یہ کہ خدا پر بھروسہ کر کے کام میں لگو اس کو مت دیکھو فلاں واصل ہو گیا تھا اور فلاں نہیں ہوا اور اپنے مرشد سے الجھو مت کیونکہ۔

آن چناں کو برنخیزد تا ابد	ہر کہ استیزہ کند برسرفتد
اس طرح کہ قیامت تک نہیں اٹھ سکتا	جو کج بحثی کرتا ہے، سر کے بل گرتا ہے

یعنی جو شخص کہ جھگڑا کرتا ہے وہ ایسا سر کے بل گرتا ہے کہ ہمیشہ کو نہیں اٹھتا۔

پرکند کوری تو انبار را	وانکہ او نگذاشت کشت و کار را
وہ تیرے اندھے پن پر انبار بھرے گا	اور جس نے کھیتی اور کام کو نہ چھوڑا

یعنی جس شخص نے کھیتی کو اور بونے کو نہ چھوڑا وہ باوجود تیری محرومی کے انبار کو پر کرلے گا۔ مطلب یہ کہ جو شخص کام میں لگا رہے گا وہ آخر مقصود تک پہنچ جائے گا۔

جانب احوال آن عاشق جوان	زین بیان بگزر زمانے باز راں
اس جوان عاشق کے احوال کی جانب	تھوڑی دیر کے لئے اس بیان سے گزر جا پھر چل

یعنی اس بیان کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دو اور پھر اس عاشق جوان کی طرف چلاؤ۔

عاقبت دریافت روزے خلوتے	چون درے می کوفت او از سلوتے
انجام کار اس نے ایک روز (محبوب کی) خلوت حاصل کرلی	جب وہ لاپروائی سے دروازہ کھٹکھٹاتا رہا

جبکہ وہ تسلی سے ایک ہی دروازہ کو کوٹ رہا تھا تو آخرکار خلوت پالی۔

یار خود را یافت با شمع و چراغ	جست از بیم عسس او شب بباغ
اس نے اپنے یار کو شمع اور چراغ کے ساتھ پالیا	وہ رات کو کوتوال کے ڈر سے باغ میں گھس گیا

یعنی کوتوال کے خوف سے رات کو وہ باغ میں کودا تو اپنے یار کو مع شمع اور چراغ کے پایا۔

اے خدا تو رحمتے کن بر عسس	گفت سازندہ سبب را آن نفس
اے خدا! کوتوال پر رحمت نازل فرما	اس وقت اس نے مسبب الاسباب سے کہا

یعنی اسباب کے بنانے والے سے اس وقت کہنے لگا کہ اے خدا تو کوتوال پر رحمت کی جیو۔

از در دوزخ بہشتم بردۂ	ناشناسا تو سبب ہا کردۂ
تو دوزخ کے دروازے سے مجھے بہشت میں لے گیا	نامعلوم کو تو نے سبب بنا دیا

یعنی آپ نے اسباب نامعلوم کئے ہیں اور دوزخ (ہجر) کے دروازہ سے مجھ کو بہشت (وصل) میں لے گئے ہیں آپ۔

تا ندارم خوار من یک خار را	بہر آن کردی سبب این کار را
تا کہ میں ایک کانٹے کو بھی ذلیل نہ سمجھوں	تو نے اس لئے (اس کو) اس کام کا سبب بنایا

یعنی اس کام کو آپ نے اس لئے سبب کیا ہے تا کہ میں ایک کانٹے کو بھی ذلیل نہ رکھوں۔ مطلب یہ کہ کوتوال کو جو میں ظالم اور ذلیل سمجھتا تھا آپ نے اسی کو میرے لئے خوشی کا سبب بنا دیا تو یہ اس لئے کہ تا کہ میں چھوٹے سے چھوٹی چیز کو بھی ذلیل نہ سمجھوں کیونکہ۔

ہم ز قعر چاہ بکشاید درے	در شکست پائے بخشد حق پرے
کنویں کے اندر بھی وہ دروازہ کھول دیتا ہے	اللہ تعالیٰ پاؤں ٹوٹنے کے بدلے میں پر عنایت کر دیتا ہے

یعنی پاؤں کے ٹوٹنے میں حق تعالیٰ پر بخش دیتے ہیں اور کنویں کے گڑھے میں بھی ایک دروازہ کھول دیتے ہیں۔

چون حقیقت بنگری رحمت بود	ہر کہ او برتو کراہیت بود
جب تو حقیقت کو دیکھتا ہے وہ رحمت ہوتی ہے	وہ چیز جو تجھے ناگوار ہوتی ہے

یعنی جو چیز کہ تم پر مکروہ ہو جب تم حقیقت دیکھو تو وہی رحمت ہووے۔ (آگے مقولہ حق تعالیٰ کا ہے)

تو مرا بین کہ منم مفتاح راہ	تو مبین کہ بر درختی یا بچاہ
تو مجھے دیکھ میں راستے کی کنجی ہوں	یہ نہ دیکھ کہ تو درخت پر یا کنویں میں ہے

یعنی تو یہ مت دیکھ کہ درخت پر ہے یا کنوئیں میں تو مجھ کو دیکھ کہ میں مفتاح راہ ہوں۔ مطلب یہ کہ اس کو مت دیکھ کہ تجھ کو مجاہدات وریاضات سے نفع ہوا ہے یا نہیں بلکہ تجھے چاہئے کہ مجھ پر بھروسہ رکھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔

اے اخی در دفتر چارم بجو	گر تو خواہی باقی این گفتگو
اے بھیا! چوتھے دفتر میں تلاش کر	اگر تو اس گفتگو کا بقیہ چاہتا ہے

یعنی اے بھائی اگر تم اس بات کا بقیہ چاہتے ہو تو چوتھے دفتر میں ڈھونڈھو یعنی اس حکایت کو ہم نے دفتر چہارم میں پورا کیا ہے۔

الحمد للہ کہ کلید مثنوی دفتر ثالث کا ربع رابع اختتام کو پہنچا۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ہاں تو بات یہ ہے کہ وہ جوان سات سال تک کوشش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ وصال کی دھن میں سراپا خیال بن گیا یا یوں کہو کہ بہت لاغر ہو گیا لیکن سایۂ رحمت حق سبحانہ بندہ کے سر پر ہے اس لئے طالب صادق محروم نہیں رہتا۔ انجام کار اس کا مطلوب اسے مل ہی جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

جب تم کسی دروازہ کو کھٹکھٹاؤ گے تو کبھی نہ کبھی اس میں سے آدمی جو تمہارا مطلوب ہے ضرور نکلے گا اب میں کہتا ہوں کہ جبکہ تم کسی کے کوچہ میں بیٹھو گے تو کبھی نہ کبھی ضرور وہ شخص تمہیں ملے گا علیٰ ہذا جب کسی کنویں کے تھوڑی تھوڑی مٹی نکالتے رہو گے تو انجام کار تم صاف پانی تک پہنچ جاؤ گے یہ امر سب جانتے ہیں تم نہ مانو تو اور بات ہے کہ جب آدمی کوئی کوشش کرتا ہے تو اس کا ثمرہ اسے ضرور ملتا ہے دیکھو جب پتھر لوہے پر مارا جاوے گا تو آگ نکلے گی یہ ضرور ہوتا ہے اور اگر کسی عارض کے سبب ایسا نہ ہو تو یہ ایک اتفاقی امر ہے لیکن جس شخص کی قسمت میں خوش قسمتی اور بلا سے خلاصی نہیں ہوتی اس کی عقل ہمیشہ اتفاقیات پر نظر کرتی ہے اور وہ کہتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص نے بویا تھا مگر کچھ بھی نتیجہ نہیں نکلا اور فلاں شخص مصیبت اٹھا کر دریا میں سے سیپ لایا مگر خالی نکلی۔ بلعم باعور اور ابلیس نے کس قدر عبادت کی مگر ان کی دینداری اور عبادت نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ اس منحوس کے خیال میں لاکھوں انبیاء وسالکین کی تو حالت نہیں آتی ہاں ان دونوں کو پکڑے ہوئے ہے جو ظلمت پیدا کرنے والے ہیں بات یہ ہے کہ یہ بد بخت ہے اور بد بختی کا نتیجہ یہ ہونا ہی چاہئے اس سے کوئی کہے کہ احمق بہت سے ایسے لوگ بھی تو ہیں کہ جو خوش خوش کھاتے ہیں مگر وہ کھانا ان کے لئے سبب موت ہو جاتا ہے اور گلے میں پھنس جاتا ہے۔ پس منحوس تو روٹی ہی مت کھا تا کہ تو بھی ان کی طرح خرابی میں نہ پڑ جاوے۔ ارے بھلے مانس جس طرح لاکھوں آدمی روٹی کھاتے ہیں اور قوت جسمانی وروحانی حاصل کرتے ہیں یوں ہی کوشش کرنے والے کامیاب بھی تو ہوتے ہیں اور جس طرح بعض کھانے والے مرتے ہیں یوں ہی بعض کوشش کرنے والے بھی محروم رہتے ہیں پس اگر تو محروم اور احمق کا بچہ نہیں ہے تو ان دو میں کہاں جا پڑا ان کو چھوڑ اور کامیابوں پر نظر کر اور جبکہ تو انہیں دونوں پر نظر کرے گا تو ضرور تو محروم اور گدھے کا بچہ ہے تیری حالت یہ ہے کہ عالم دھوپ اور چاندی سے پر ہے مگر تو ان کو چھوڑ کر کنویں کے اندر سر جھکا کر بیٹھ گیا ہے اس پر کہتا ہے کہ اگر فی الواقع چاند اور سورج نکلے ہوئے ہیں تو روشنی کہاں ہے۔ ارے پاجی کنویں سے سر باہر نکال اور دیکھ لے کہ تمام عالم نے مشرق سے لے کر مغرب تک روشنی حاصل کر رکھی ہے اور جب تک تو کنویں میں ہے اس وقت تک تو تجھ پر روشنی نہیں پڑ سکتی کنواں چھوڑ محلات اور باغات میں جا وہاں تجھے روشنی ملے گی تو کج بحثی مت کر کیونکہ کج بحثی نحوست کی علامت ہے۔ دیکھ تو یہ نہ کہہ کہ فلاں نے فلاں سال کھیتی کی تھی مگر کچھ بھی حاصل نہ ہوا اور اس کی ساری کھیتی ٹڈیاں کھا گئیں۔ پس میں کیسے کھیتی کروں اور کیوں گیہوں بکھیر دوں دیکھ ہم کہتے ہیں کہ کج بحثی مت کر جا کام کر کہنا مان اور خدا کے بھروسے کھیتی کر ان شاء اللہ اس کا اچھا پھل ملے گا یاد رکھ جو کج بحثی کرتا ہے یوں سر کے بل گرتا ہے کہ قیامت تک اٹھنا نصیب نہیں ہوتا اور جو بوتا جوتتا ہے اور توہمات باطلہ کی بناء پر انہیں چھوڑتا نہیں وہ تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر غلہ کے انبار لے جاتا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ میں کوشش کرو اور نتیجہ کو پیش نظر نہ رکھو بلکہ ان کو خود مطلوب سمجھو نتیجہ ضرور

ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اچھا اسے کچھ دیر کے لئے چھوڑو اور اس جوان عاشق کی قصہ کی طرف لوٹو اس نے کوشش نہ چھوڑی چنانچہ ایک روز وہ بے خطر دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے خلوت میسر ہوگئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کوتوال آ رہا تھا اس کے خوف سے وہ بھاگا اور ایک باغ میں گھس گیا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ اس کا محبوب شمع و چراغ سمیت موجود ہے اس وقت اس نے مسبب الاسباب سے کہا کہ اے اللہ تو اس کوتوال پر رحمت کر تیری بڑی شان ہے کہ تو نے ان اشیاء کو سبب بنا دیا جن پر میرا گمان بھی نہیں تھا اور دوزخ سے نکال کر بہشت میں لے آیا تو نے ان کو اس لئے اس کام کا سبب بنایا کہ میں کانٹے کو بھی حقیر نہ سمجھوں اور سمجھوں کہ اس میں بڑی حکمتیں ہیں گو مجھے معلوم نہیں جس طرح کہ میں نہ جانتا تھا کہ کوتوال وغیرہ وصال کا سبب بن جائیں گے مگر وہ سبب بن گئے واقعی اس کی بڑی قدرت ہے کہ وہ ایک ضد کو دوسری ضد کا سبب بنا دیتا ہے چنانچہ شکست پاسے پر کا کام لیتا ہے اور کنویں کی تہ میں رہائی کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اب تم سمجھو کہ جو اشخاص تم کو مکروہ اور ناخوش معلوم ہوتے ہیں ان کی اگر حقیقت معلوم کرو گے تو وہ رحمت ثابت ہوں گے حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جب تم کو میری قدرت معلوم ہوگئی تو اسباب ظاہرہ کو مطمح نظر نہ بناؤ اور یہ نہ دیکھو کہ تم درخت پر ہو یا کنویں میں بلکہ کوشش کئے جاؤ اور مجھ پر نظر رکھو کیونکہ حلال مشکلات تو میں ہوں اور میرے نزدیک کنواں اور درخت سب برابر ہیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہاں تک دفتر سوم ختم ہوا اگر پورا قصہ دیکھنا ہو تو دفتر چہارم میں تلاش کرو۔

الحمد للہ علیٰ اتمام ھذا الشرح للسفر الثالث من المثنوی المعنوی

والحمد للہ علیٰ ذٰلک

۲۳ ذی قعدہ ۱۳۳۴ ہجری یوم جمعہ

عاشقوں کی بہار "تم دونوں خوشی سے آؤ" ہے